کوئمپو یونیورسٹی

# بیسویں صدی میں ہند کے اُردو سیرت نگارانِ رسولؐ

## تحقیقی مقالہ

برائے پی۔ ایچ۔ ڈی ڈگری



مقالہ نگار : سرگروہ سیّد قدیر عبدالرحمٰن ایم اے

نگران : ڈاکٹر سیّد شاہ مدار ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی
صدر شعبۂ اُردو

۲۰۰۲ ـ ۲۰۰۳

شعبۂ اُردو
گنانہ سہیادری کوئمپو یونیورسٹی
شنکر گٹہ - 577451
ضلع شموگہ، کرناٹک اسٹیٹ

KUVEMPU UNIVERSITY

# BISWIN SADI MEIN HIND KE URDU SIRAT NIGARANE RASUL

## THESIS

*For the award of the degree of Doctor of Philosophy in Urdu*

<u>*Submitted by*</u>

**Sargiro Sayed Khadeer Abdur Rahman** M. A

*To*

***KUVEMPU UNIVERSITY***

<u>*Under the guidance of*</u>

**Dr. Syed Shah Madar** M.A., Ph.,D.

*Chairman, Department of P. G. Studies and Research in Urdu*

**2002 - 2003**

DEPARTMENT OF P. G. STUDIES AND RESEARCH IN URDU

*Jnana Sahyadri, Kuvempu University,*

*Shankargatta - 577 451 (Dist. Shimoga)*

*Karnatak State*

# CERTIFICATE

This is to certify that the thesis entitled Biswin Sadi Mein Hind Ke Urdu Sirat Nigarane Rasul is the result of bonfire and original Research work carried out by Mr. Sargiro Sayed Khadeer Abdur Rahman under my supervision and guidance in fulfillment of the requirement for the award of the degree of Doctor of Philosophy in Urdu of the Kuvempu University, Shankargatta. It is further certified that the same has not been submitted to any other university or institution for the award of any other degree.

Date : 08.07-2002

Place : Shimoga

Signature of Guide

CHAIRMAN
Dept of P G Studies And
Research in Urdu
Kuvempu University Jnana Sahyadri
SHANKARGHATTA - 577 451

## DECLARATION

I hereby declare that the thesis entitled Biswin Sadi Mein Hind Ke Urdu Sirat Nigarane Rasul is the original and independent record of research work undertaken by me under the guidance of Dr. Syed Shah Madar, Chairman, Department of P. G. Studies and Research in Urdu Kuvempu University, Shankargatta, and has not been submitted in part or in full for the award of any other degree of this university or any other university.

Date : 06-07-2002

Place : Shimoga

Signature of Research Scholor
and address

# فہرست


Pho
Lab

# عرضِ حال

مری ابتدائے نگارش یہی ہے　　　　ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

خدائے برتر کا بے حد شکر و احسان ہے کہ اس نے ناچیز سے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدح سرائی کا کام لیا۔ عربی، فارسی اور اُردو اصناف ادب میں دو اصناف کو کافی اہمیت و تقدس حاصل ہے۔ اور ان دونوں اصناف کا موضوع آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے ہے۔ اصناف سخن میں جو اہمیت صنف نعت کو حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، اس میں شاعر سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں اپنی عقیدت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی جھلکیاں بھی پیش کرتا ہے۔ اصناف نثر میں بھی ایک صنف ایسی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔ جسے ہم 'سیرت' کہتے ہیں۔ جس میں سیرت نگار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کے ایک ایک گوشے کو ضبطِ تحریر میں لاتا ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد سے لیکر تاحال سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر دنیا کی مختلف زبانوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اور خاص کر عربی، فارسی اور اُردو جیسی مشرقی زبانوں میں جو براہِ راست اسلام کے زیر اثر اور مسلمانوں کے ہاتھوں پروان چڑھی ہیں۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ اُردو زبان اس باب میں امتیازِ خاص رکھتی ہے کہ سیرت کی بعض مستند و وسیع ترین اور موثر ترین کتابیں اس میں لکھی گئیں۔ اور دنیا کی دوسری بڑی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے۔

'سیرت نگاری' دراصل سوانح نگاری ہی کے زُمرے میں آتی ہے۔ سوانح نگار جب اخلاقیات پر روشنی ڈالتا ہے تو وہ حصّہ 'سیرت' کہلاتا ہے۔ اُردو میں فن سوانح نگاری پر اب تک تین اہم مقالات تحریر ہوئے ہیں۔ اُن میں محترمہ الطاف فاطمہ، ڈاکٹر شاہ علی اور ڈاکٹر ممتاز فاخرہ کے نام شامل ہیں۔ مگر خالص فنِ سیرت نگاری (سیرت سے مراد سیرت النبیؐ ہے) پر اُردو میں کوئی تصنیف میری نظر سے نہیں گزری۔ اگرچہ کہ مذکورہ بالا مقالات میں سیرت کے صرف چند اہم کتابوں پر اظہار خیال ہوا ہے۔ غالباً اُردو میں کوئی ایسی تصنیف یا تالیف

نہیں ہے جس میں سیرت نگاری کا جائزہ لیا گیا ہو۔ اس سلسلے میں جو کچھ مواد موجود ہے اُسکی ضخامت چند صفحات پر مشتمل ہے۔ اسلئے میں نے سوچا کہ یہ ایک اہم موضوع ہے۔ اور اس پر تحقیقی کا کام کیا جاسکتا ہے۔

یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھے ایک ایسے معتبر و مقدس موضوع پر کام کرنے کا موقع ملا۔ جس پر اظہارِ خیال کرنے یا خامہ فرسائی کرنے میں اکثر ادباء گریز کرتے رہے ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موضوع وسیع و عریض اور دقیق و نازک موضوع ہے۔ دقیق و نازک ان معنوں میں کہ کوئی بھی اس صنف کے تقدس کا خیال کر کے، دوسری اصنافِ ادب کی طرح اس صنف کی تحقیق و تنقید میں آزادی سے کام نہیں لے سکتا، اُسے حد درجہ محتاط رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ''سیرت'' کو اب تک ایک صنف کا درجہ حاصل نہیں ہوا ہے۔ اگرچہ کہ ادبی تحریروں کی جو شرائط ہیں ان پر سیرت کی تحریریں پوری طرح اُترتی ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ ان تحریروں میں ادبیت ہی ادبیت پائی جاتی ہے۔ شاید اِس خوف سے کہ کہیں اس پر لکھتے ہوئے لغزش نہ ہو جائے۔ تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے اساتذہ و طلباء نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔

ایک مدت سے یہ آرزو میرے دل میں موجزن تھی کہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ تحقیقی کام کیا جائے۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی کے سبب عمر کے بہترین بائیس تیئس سال ضائع ہوگئے۔ اس کی ایک طویل داستان ہے جسے بیان کرنے کا یہ محل نہیں ہے۔ کوئمپو یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے قیام کے بعد اُمید کی ایک کرن نظر آئی۔ میری یہ دیرینہ آرزو اُس وقت بر آئی جب ڈاکٹر سید شاہ مدار عقیلؔ نے شعبہ کی کمان سنبھالی۔ اربابِ جامعہ نے آپ کو تحقیقی نگراں مقرر کیا۔ میری یہ آرزو محض آرزو ہی رہتی اگر کرم فرما ڈاکٹر سید شاہ مدار عقیل کی عنایتِ خاص مجھ پر نہ ہوتی۔ مشاعروں کے سلسلے میں ڈاکٹر موصوف کی دعوت پر میرا اکثر شموگہ آنا ہوتا تھا۔ اور اس بہانے احباب سے ملنے اور ان سے تبادلۂ خیال کرنے کا موقع ملتا تھا۔ ایسے ہی ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے قریباً پانچ سال پہلے شموگہ آنا ہوا۔ دورانِ گفتگو' میں نے دیرینہ خواہش ڈاکٹر صاحب کے سامنے رکھی۔ آپ نے بہ خوشی فرمایا ''ٹھیک ہے آپ میری نگرانیمیں تحقیقی کام کرسکتے ہیں۔ میری خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر سلسلۂ کلام آگے بڑھا کہ کس موضوع پر کام ہو، میری پہلے سے ہی خواہش رہی تھی کہ ایسے موضوع پر کام ہونا چاہیئے جو نیا بھی ہو اور عصر حاضر میں اس کی اہمیت و ضرورت بھی ہو۔ جب عنوان پر گفتگو شروع ہوئی تو کئی عنوانات زیر بحث آئے۔ جس میں خصوصیت سے شاعری اور شخصیات پر غور کیا گیا۔ بالآخر عنوانِ ھٰذا یعنی ''بیسویں صدی میں ہند کے اُردو سیرت نگارانِ رسولؐ'' کا انتخاب ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر میری رہ نمائی

کرنی قبول فرمائی۔ اور یہ کہہ کر حوصلہ بڑھایا کہ "آپ کو دینیات سے دلچسپی بھی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ یہ کام کر سکتے ہیں۔ اگر یہ کام اللہ کے فضل و کرم سے پایۂ تکمیل کو پہنچا تو انشاءاللہ دنیا میں بھی خسروی حاصل ہو گی اور آخرت میں بھی"

ڈاکٹر صاحب کے ان جملوں نے میری ہمت بڑھائی اور میں ہمہ تن اس کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اِس موضوع کے انتخاب کی اصل وجہ یہ تھی کہ اُردو ادب میں "فن سیرت نگاری" کو ایک صنف کی حیثیت سے تسلیم کروایا جائے۔ نیز اس کو فنِ سوانح نگاری سے الگ کیا جائے۔ تاکہ اس کی اپنی ایک شناخت ہو، اور جب کبھی "سیرت" کا لفظ ہماری سماعت سے ٹکرائے ہمارا ذہن فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کی طرف منتقل ہو جائے۔ اس مقالہ میں مذکورہ بالا مُدعا کو حاصل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اور بعض قدیم و جدید اور معروف سیرت نگاروں کی تخلیقات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں 'سیرت کا مفہوم' اس کی جامعیت اور اہمیت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس میں سیرت کے لغوی معنی و اصطلاحی مفہوم کو پیش کر کے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ سوانح اور سیرتِ نبویؐ کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم کیا جائے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ اور دیگر افرادِ زمانہ کی سوانح میں کافی فرق ہے۔ دونوں کو ایک صنف کے خانے میں رکھا نہیں جا سکتا۔ کسی بھی اعتبار سے دیگر اشخاص کی سوانح، سیرت محمدیؐ کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔ اِسی باب میں سیرت و حدیث 'سیرت و تاریخ اور سیرت و سوانح کے فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ خاص کر سیرت و تاریخ کی ترتیب میں جن مآخذ کو بنیاد بنایا جاتا ہے اُس کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ سیرت کے مفہوم کی بحث کو جاری رکھتے ہوئے 'نبی' اور 'رسول' کے مطالب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت واضح ہو سکے۔ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت واضح ہو سکے۔ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے بیان کے لئے لفظ "سیرت" مختص ہو' اور یہ لفظ کسی اور کی سوانح کے لئے استعمال نہ ہو۔ اس بحث کے بعد سیرت کی جامعیت اور اسکی اہمیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں خصوصیت سے صنفِ سیرت کی ادبی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا باب 'سیرت نگاری کے بنیادی اصول اور اس کے مختلف موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں سیرت نگاری کے بنیادی اُصول متعین کئے گئے ہیں۔ اب تک فنِ سیرت

نگاری کے اُصولوں پر کوئی مواد کتابی شکل میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے سیرت کی مختلف کتابوں کے مقدموں، تقریضوں اور پیش لفظ وغیرہم کے مطالعہ سے مقالہ کا یہ حصہ تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سیرت مبارکہ کی بنیاد قرآن 'احادیث اور اقوالِ صحابہ کرامؓ پر رکھی جائے اس سلسلے میں ایسی کوئی بات قابلِ قبول نہیں ہوسکتی جو قرآن وحدیث سے ٹکراتی ہو۔ اور یہ فنِ سیرت کا بنیادی اُصول ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُن ضمنی اُصولوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جس پر سیرت نگار کو عمل کرنا چاہئے۔

اس باب کے دوسرے حصہ میں موضوعاتِ سیرتِ نبویؐ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جن کو مختلف سیرت نگاروں نے اپنا موضوع بنایا۔ نیز اس کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرے باب میں اُن بنیادی ماٰخذ کا اِحاطہ کیا گیا ہے جس کی مدد سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ضخیم سرمایہ تالیف ہوا ہے۔ اس باب کو تین حصوں میں منقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل ماٰخذ قرآنِ کریم پر روشنی ڈالی ہے۔ جو سیرتِ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اہم سرچشمہ اور مستند مرجع ہے۔ اس حصہ میں تدوینِ قرآن کے علاوہ قرآن میں مذکور واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جن کا براہِ راست تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے ہے۔ مثالوں سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح حالات قرآنِ مجید سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ اور یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دوسرے حصے میں دوسرے اہم ماٰخذ یعنی حدیث نبویؐ کا اِحاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں پہلے حدیث کی تعریف، احادیث کے ذریعہ سیرت کی تدوین اور حدیث کے اقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ احادیث کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی چند جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔ اور آخری حصہ میں صحابہ کرامؓ کے اقوال و اِرشادات کا احاطہ کیا گیا ہے جو سیرت کی تدوین میں معاون ہیں۔

چوتھا باب عربی وفارسی سیرت نگاری کے لئے مختص ہے۔ تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ ان زبانوں میں سیرت نگاری کی کیا روایت تھی، عربی سیرت نگاری اس باب میں آگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ باب قدرے طویل ہوگیا ہے۔ اس کی ابتداء سیرت کی زبانی روایات اور اِسلام میں تصنیف و تالیف کے آغاز سے کی گئی ہے۔ اور یہ بحث ادواروں کے تحت ہوئی ہے۔ اور ہر دور کے نمائندہ سیرت نگاروں کا تعارف اور ان کی تصانیف پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی فارسی سیرت نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اس کے اہم اور نمائندہ سیرت نگاروں کی تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔

پانچواں باب قبل از بیسویں صدی کی سیرت نگاری کے لئے مخصوص ہے۔ تاکہ بیسویں صدی کی سیرت نگاری کا جائزہ لینے سے پہلے انیسویں صدی میں سیرت کی جو اوّلین تصانیف ملتی ہیں ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے۔ اس کی ابتدا سرسید احمد خاں کی مختصر سیرتِ نبوی ؐ "جلاء القلوب بذکر المحبوب" سے کرتے ہوئے انہی کی معرکتہ الآرا تصنیف "خطباتِ احمدیہ" پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ 'خطباتِ احمدیہ' سے بھی قدیم ایک سیرتِ نبوی ؐ جو مولانا صبغت اللہ نے ۱۲۵۰ھ میں تالیف کی تھی' کا جائزہ لیتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سیرت نگاری کے سلسلے میں بھی دکنی کو اولیت حاصل ہے۔ اس عہد کی ایک اور سیرت "تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس صدی کی آخری تصنیف "مہر نبوت" پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز اس عہد کی لسانی خصوصیات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

چھٹا باب اس مقالہ کا اہم باب ہے۔ یہی باب تحقیق مقالہ کی بنیاد ہے۔ اس لئے یہ باب مقالہ کی ضخامت کے تین چوتھائی حصے پر محیط ہے۔ یہ باب پانچ حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں بیسویں صدی کے اہم اور جامع سیرتوں کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ جامع سیرت سے مراد ایسی سیرتیں ہیں جو ضخیم بھی ہیں اور جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کا احاطہ کرنے کی امکان بھر کوشش کی گئی ہے۔ اس باب کی ابتداء علامہ شبلی نعمانی کی سیرت نگاری سے ہوئی ہے۔ اور علامہ شبلی کی تصنیف "سیرۃ النبی ؐ" کی جلد اوّل و دوم کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور راقم الحروف نے اس سیرت کو کافی اہمیت دی ہے۔ اس لئے کہ بیسویں صدی کی یہ سب سے اہم تصنیف ہے۔ یہی وہ تصنیف ہے جس نے "سیرت" کے موضوع کو ادبی حیثیت عطا کی۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر ہی اس پر طویل تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی' مولانا محمد سلیمان سلمان منصورپوری' مفتی شمس الدین احمد' مولانا ابوالکلام آزاد' نعیم صدیقی' محمد عنایت اللہ سبحانی' سوامی لکشمی پرشاد' مولانا ابوالحسن علی ندوی اور صفی الرحمٰن مبارک پوری وغیرہ کی سیرت نگاری کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز فارسی و عربی کی مشہور سیرتوں کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ جن کا اُردو میں ترجمہ ہوا ہے۔ ان میں عبد الرحمٰن جامی' عبد الحق محدث دہلوی اور عبد الرحمٰن جلال الدین سیوطی کی مشہور زمانہ سیرتوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی باب میں غیر منقوط سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یعنی محمد ولی رازی کی تصنیف "ہادئ عالم" کی خصوصیات کا مفصل احاطہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یوں تو اُردو میں بے شمار کتابیں تحریر کی گئیں ہیں۔ مگر یہ ایک واحد سیرتِ نبوی ؐ ہے جو غیر منقوط ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بغیر نقاط کے ایک ضخیم کتاب کا لکھنا جو تقدس و احترام کا مطالبہ کرتی

ہے کتنا دشوار مرحلہ ہے۔ لیکن مصنف نے اس دشوار گذار راستے کو بھی طے کرلیا ہے۔

اس باب کے دوسرے حصے میں مختصر سیرتوں کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کی ابتداء مولانا سید سلیمان ندوی کی ''رحمتِ عالم'' سے کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ علامہ راشد الخیری، قاری محمد طیب، مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی احمد یار خان، مولانا عمار احمد، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا احمد سعید، ابو سلیم عبدالحی، پروفیسر حمید اللہ شاہ، ڈاکٹر مصطفٰے سباعی، محمد رفیع، سید امین اللہ الحسن رضوی، حسین خان انعام دار، حکیم شرافت حسین، مولوی بشیر الدین احمد شریف اور محترمہ حشمت النساء بیگم وغیرہ کی سیرت نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اس باب کے تیسرے حصے میں منظوم سیرت نگاری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس میں سات ضخیم و مختصر سیرتوں کا اِحاطہ کیا گیا ہے۔ اس کی ابتداء مولوی عبدالحی احقر بنگلوری کی منظوم سیرتِ نبویؐ ''جنان السیر'' سے کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ حفیظ جالندھری، غلام علی مہری، سید عابد علی، حافظ عبدالرزاق باقوی، دانش فرازی اور قیصر الجعفری کی منظوم سیرتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور ان کی شعری خوبیوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ اس مقالہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس پر الگ سے تحقیقی کام ہو سکتا ہے۔

اِس باب کے چوتھے حصہ میں نصابی کتب میں سیرتِ نبویؐ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ درسی کتابوں کو ریاستِ کرناٹک تک محدود رکھا گیا ہے۔ اگرچہ کہ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ لیکن یہ بتانے کے لئے کہ طلبا کو درس اخلاق دینے کے لئے درسی کتابوں میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ اس میں شامل کیا گیا ہے۔



آخر میں بعض مضامین کا اِحاطہ کیا گیا ہے۔ جن میں سیرت کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ اس میں معروف سیرت نگاروں کے چند مضامین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

کتابیات کے تحت ان کتابوں اور رسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن سے اس مقالہ میں حوالے دیئے گئے ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اِس مقالہ کی تیاری میں مواد کی فراہمی ایک اہم مسئلہ تھا۔ مختلف لائبریریوں کا جائزہ لینے کے بعد اندازہ ہوا کہ ابتدائی تین ابواب کے لئے جو مواد درکار ہے اُس پر ایک آدھ کتاب تو کیا تفصیلی مضامین و مقالات بھی دستیاب نہیں ہیں۔ تاہم محدود وسائل کو بروئے کار لاکر ان ابتدائی ابواب کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اِسکے علاوہ چند قدیم کتابیں مثلاً 'خطبات احمدیہ' 'فوائد بدریہ' اور 'تواریخ حبیب اِلٰہ' جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد، مدراس یونیورسٹی اور جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے حاصل کیں۔ اس کے علاوہ جن معتبر کتب خانوں سے اس مقالہ کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا اُن میں مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری علی گڑھ، سنٹرل یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد، مسلم لائبریری بنگلور، انجمن کالج لائبریری بیجاپور، مدنی میاں عربک کالج ہُبلی، نہرو کالج لائبریری ہبلی، دارالعلوم غوثیہ ہبلی، ریاض العلوم ہبلی، انجمن کالج لائبریری بھٹکل، ڈپارٹمنٹ لائبریری کوئمپو یونیورسٹی اور سنٹرل لائبریری کرناٹک کالج اور کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ کے کتب خانے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ چند احباب کے ذاتی کتب خانے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ جن میں نگراں ڈاکٹر سید شاہ مدار، ڈاکٹر حیدر کرمڈی، ڈاکٹر محمد یوسف نائیکواڑی، ڈاکٹر حبیب اللہ خاں پٹھان، جناب محمد عثمان مولوی، جناب مظہر محی الدین، جناب عبدالستار بلگام، پروفیسر مجاہد، جناب اقبال سُنڈکے اور ڈاکٹر مجید بیدار وغیرہ اہم ہیں۔

مقالہ کی تیاری میں میں نے کئی اساتذہ اور احباب کے ساتھ مباحث و مشورہ کے مواقع بھی حاصل کئے ہیں۔ بعض حضرات نے بڑی کشادہ دلی اور وسیع النظری کا ثبوت دیا۔ اور قیمتی مشوروں سے نوازہ، ان میں شعبۂ اُردو کرناٹک کالج اور کوئمپو یونیورسٹی کے اساتذہ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں استاذی پروفیسر ایم۔اے۔ پیارے کی رہنمائی شامل حال رہی ہے۔

قرآنی آیات اور احادیث کی صحت اور سند سے متعلق سابق پرنسپل مدنی میاں عربک کالج ہُبلی، مولانا مقبول احمد اشرفی، مولانا نذیر احمد، مولانا ناصرالاسلام ندوی، مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا فضل الرحمٰن رحمانی سے استفادہ کیا۔

جن احباب نے وقتاً فوقتاً مخلصانہ مشوروں سے نوازہ اور مقالے کے مکمل ہونے تک میری اعانت فرمائی ان میں خصوصیت سے سید شاہ عالم (شیموگہ)، ڈاکٹر سید خلیل احمد (شیموگہ) اور ڈاکٹر سہیل نظام (دھارواڑ) ڈاکٹر حنیف شباب (بھٹکل) اور لائبریرین جناب مشتاق اگسی منی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

اس مقالہ کی کتابت میں جناب سید ریاض خطیب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ نیز ڈاکٹر سیدہ یاسمین فاطمہ اور ڈاکٹر شکیلہ گورے خان نے تصحیح کتابت فرمائی۔ مقالہ کا سرورق اور 'عرضِ حال' کی کمپوزنگ جناب سید امجد پیر قادری کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

ان تمام مذکورہ کرم فرماؤں اور دوستوں کی اعانت سے یہ مقالہ تیار ہو سکا۔ میں دل کی گہرائیوں سے ان کا شکر ادا کرتا ہوں۔

میں اس موقع پر میرے نگراں ڈاکٹر سید شاہ مدار کا بہ صمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہوں اور سراپا سپاس ہوں اور اس بات کا دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ آپ کی ہی نظر عنایت تھی کہ مجھے اس مقدس موضوع پر تحقیقی کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ نے ہر ہر قدم پر میری رہ نمائی فرمائی۔ میرا حوصلہ بڑھایا، مجھے اتنی آزادی دی کہ میں اپنے موقف کا اظہار بلا تامل کرسکوں۔ اور جہاں کہیں ڈاکٹر صاحب نے میری بات سے اختلاف کیا یا میری تصیح فرمائی اس کا جواز بھی پیش کیا۔ نیز میرے پیدا کردہ نکات کی تعریف بھی کی۔ اور جب کبھی میں نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی مجھے اجازت مرحمت فرمائی۔ اپنے ذاتی کاموں اور شعبہ کی دیگر مصروفیات کے باوجود میرے لئے وقت نکالتے رہے۔ آپ کی ان بے پناہ نوازشوں اور مہربانیوں کا شکر گذار ہوں۔ مختصر یہ کہ یہ مقالہ اس موضوع پر پہلا تحقیقی مقالہ ہے۔ اور اس کا موضوع اس قدر تنوع و وسعت رکھتا ہے کہ ایک مقالے میں اس سے انصاف کرنا ممکن نہیں۔ اس کے باوجود یہ کوشش کی گئی ہے کہ موضوع کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اور مقالہ کو خوب سے خوب تر بنایا جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ مقالہ میرے بعد اس کوچہ طیبہ میں داخل ہونے والوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

علمائے کرام اور ادب نواز حضرات سے گذارش ہے کہ اس مقالے میں اگر کہیں مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو براہِ کرم مطلع فرماکر ممنون فرمائیں۔

طالبِ دُعا

سید قدیر ناظم سرگروہ

## پہلا باب

# سیرت کا مفہوم، جامعیت و اہمیت

# سیرت کا مفہوم: جامعیت، اہمیت و افادیت

تاریخ ادبیات میں خواہ وہ کسی بھی زبان کی کیوں نہ ہو، سیرت و سوانح کی تاریخ بہت ہی قدیم ہے۔ بالخصوص سیرت نگاری (یعنی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک وقیع اور متنوع ذخیرہ عربی، فارسی اور اردو زبان میں موجود ہے۔ سیرت نگاری کی ابتداء امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ ابن عبدالعزیز کے دورِ خلافت سے ہو چکی تھی۔ اور اسی دور میں اس فن کا عام مذاق بھی پیدا ہوا۔ اس ضمن میں علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں —

> "... حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی اور حکم دیا کہ غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص حلقۂ درس قائم کیا جائے۔ عاصمؓ بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی ۱۲۱ھ اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے ..... اسی زمانے میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی .....
> امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہوا۔"[1]

اردو میں سیرت نگاری کا جائزہ لینے سے پہلے، مناسب و ضروری معلوم ہوتا ہے کہ، سیرت کے مفہوم اس کی اہمیت و افادیت، پر بحث کی جائے تاکہ سیرت و سوانح و تاریخ کا فرق واضح ہو جائے اور ادب کی دوسری اصناف کی طرح فنِ سیرت نگاری کا ادب میں مقام متعین ہو۔

سیرت بکسرِ اوّل، و یائے معروف، فتح سوم (اسم مونث) عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو عام طور پر اخلاق و عادات کے معنوں میں مستعمل ہے۔ صاحب فرہنگِ آصفیہ نے اس لفظ کی وضاحت میں یہ معنی لکھے ہیں۔ خو، خصلت، عادت

---

[1] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد اوّل۔ مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

ذاتی وصف اور سلیقہ وغیرہ اور اس سلسلے میں اُستاد شاعر ابراہیم ذوق کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

ع ہوتے سیرت سے ہیں مردانِ دلاور ممتاز
ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل [1]

نوراللغات میں بھی سیرت کے معنی عادت خصلت طریقہ اور ہیئت کے ہیں اور اسی مفہوم سے حضرت مہذب لکھنوی نے بھی اتفاق کیا ہے نیز یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اُردو میں ذاتی وصف اور ذاتی لیاقت کے معنی میں بھی لفظ استعمال ہوا ہے اور ثبوت میں یہ شعر نقل کیا ہے۔

دیوانے تیرے تجھ کو نہیں پاتے عمر بھر
صورت تری پری کی ہے سیرت ہے حور کی [2] جلیل

عربی زبان میں سیرت کا املا اس طرح ہے "اَلسِّیْرَۃ" اور یہ املا عربی تعلیم یافتہ طبقے کے ہاں رائج ہے اور اُردو فارسی میں بغیر الف لام کے سیرت یا سیرۃ لکھا جاتا ہے۔ اس لفظ کے ضمن میں عربی لغت نگار کہتے ہیں کہ "اَلسِّیْرَۃ" سار کا اسم ہے۔ بمعنی عادت طریقہ طرز زندگی ہیئت سیرۃ الرَّجُل، سوانح عمری لوگوں کے ساتھ سلوک کی کیفیت وغیرہ۔ عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے "ھُوَ حَسَنُ السِّیْرَۃِ" ترجمہ ۔ وہ اچھی عادت والا ہے۔ اور اسی طرح ایک اور عرب کا قدیم قول ہے "مَن طَابَتْ سَرِیْرَتُہٗ حُمِدَتْ سِیْرَتُہٗ" یعنی جس کا باطن اچھا ہوتا ہے اس کی عادت اچھی ہوتی ہے۔"

سیرت کی جمع "سِیَر" ہے۔ اسم مونث بکسر اوّل و فتح دوّم، معنی

---

[1] مولوی سید احمد دہلوی فرہنگ آصفیہ جلد دوّم، دوسرا ایڈیشن صفحہ 1236 ترقی اُردو بیورو نئی دہلی 1974
[2] حضرت مہذب لکھنوی مہذب اللغات جلد ہفتم صفحہ 67 مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

خصلتیں، عادتیں، سبھاؤ، علمِ تاریخ اور گذرے ہوئے لوگوں کے حال کا بیان۔ [1]

یہ لفظ تنہا مستعمل نہیں ترکیب کے ساتھ تعلیم یافتہ طبقہ استعمال کرتا ہے، جیسے نیک سیر، خجستہ سیر، نیکو سیر وغیرہ۔

ع۔ بیٹھا روتا تھا جو نیک سیر اپنی جگہ [2] رشید

بہر کیف یہ لفظ عام لوگوں کی حالاتِ زندگی کے بیان کے لیے نظم و نثر میں استعمال ہوتا رہا پھر آگے چل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس حالات و افکار و تعلیمات کے مجموعے پر اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس ضمن میں شاہ عبدالعزیز دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں۔

"آنچہ متعلق بوجودِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام و آں عظام است واز ابتداءے تولد آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم تا غایت وفات آں را سیرت گویند۔" [3]

ترجمہ:- "جو کچھ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ اور آں عظام کے مبارک وجود کے ساتھ متعلق ہو اور آنجناب ﷺ کی پیدائش سے وفات تک واقعات پر مشتمل ہو سیرت کہتے ہیں"

فقہا و محدثین کے ہاں لفظ سیرت، مغازی اور جہاد کے معنوں میں مستعمل ہے۔ فیروز اللغات میں ہے کہ

"مغازی، مغزیٰ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں لڑائیاں، کافروں کے

---

[1] سید احمد دہلوی فرہنگ آصفیہ جلد دوم دوسرا ایڈیشن، صفحہ 1236، 1974

[2] حضرت مہذب لکھنوی مہذب اللغات، صفحہ 67، سرفراز قومی پریس لکھنؤ سنہ 1984

[3] شاہ عبدالعزیز دہلوی، عجالہ نافعہ صفحہ 14، بحوالہ نقوش رسول نمبر جلد اول صفحہ 52 ادارہ فروغ اردو لاہور سنہ

ساتھ جنگ، خصوصاً وہ لڑائیاں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود
موجود تھے۔" [1]

مہذب اللغات اور فرہنگ آصفیہ میں یہ لفظ موجود نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جنگوں میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی اور جنگیں لڑیں علمائے سیرت نے ان جنگوں کو غزوات کے ذیل میں بیان کیا ہے اور وہ لشکروں کی ٹولیاں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں ہوئے، سَرِیّہ کہا ہے۔ چنانچہ امام مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) کی جامع میں کتاب السیر الجہاد، اور حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) کی "فتح الباری" میں کتاب المغازی والسّیر" کے عنوانات موجود ہیں۔ جرمن مستشرق پروفیسر جوزف ہورووِتس کی کتاب "سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین کتابیں اور ان کے مولفین (جس کا اردو ترجمہ نثار احمد فاروقی نے کیا ہے) میں سیرت مبارکہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی ماخذ کو "مغازی کی ابتداء" کے عنوان کے تحت ہی پیش کیا ہے۔ تصنیف "خصائص الکبریٰ" کے اردو مترجم حکیم غلام معین الدین نعیمی نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

> "حضور سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات، ان کے اسباب اور نتائج کو تفصیل کے ساتھ جن کتب میں پیش کیا ہے وہ کتب تاریخ ادب میں "مغازی" کے نام سے مشہور ہیں اور پہلی صدی ہجری میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پہلو پر کچھ لکھنا ہی سیرت نگاری سمجھا جاتا تھا۔" [2]

ضیاء الدین اصلاحی نے بھی مندرجہ بالا رائے سے اتفاق کیا ہے۔ فرماتے

---

[1] مولانا فیروز الدین دہلوی۔ فیروز اللغات اردو، صفحہ 827 جدید ایڈیشن انجم بک ڈپو دہلی سنہ 1987

[2] عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی مترجم حکیم غلام معین الدین نعیمی خصائص الکبریٰ (اردو) جلد اول صفحہ 7 1988

ہیں۔

"تاریخ نگاری کے قدیم طریقے میں فتوحات اور رزمیہ کارناموں کو بہت تفصیل سے لکھا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں تالیف و تصنیف کی ابتداء ہوئی تو یہی نمونہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیرت کا نام ہی مغازی پڑ گیا اور سیرت کی ابتدائی تصنیفات اسی نام سے مشہور ہیں"۔ [1]

لیکن علامہ شبلی اس خیال کو سلطنتوں کی تاریخ کے لیے بھی صحیح نہیں مانتے اور نبوت کی سوانح کے لیے تو اسے موصوف ناموزوں بھی بتاتے ہیں۔ اس کا سبب ان کے پُرزور الفاظ موثر انداز بیاں میں یہ ہے کہ۔

"پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے ہیں اس خاص حالت میں وہ صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ میں نظر آتا ہے۔ لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہیں، پیغمبر کی زندگی کا ایک ایک خط و خال، تقدس نزاہت حلم و کرم ہمدردی عام اور ایثار ہوتا ہے بلکہ عین اس وقت جب کہ اس پر سکندر اعظم کا دھوکہ ہوتا ہے۔ ژرف بین نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے کہ سکندر نہیں بلکہ فرشتۂ یزدانی ہے"۔ [2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کو شبلی نعمانی کا دنیاوی حکمران سکندرِ اعظم سے تشبیہ دینا میری رائے میں ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں۔

---

1۔ شہریار مدیر سہ ماہی فکر و نظر شبلی نمبر (شمارہ جون) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی 1996

2۔ شبلی نعمانی سیرت النبی جلدِ اول ص ۵۵۴ مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

اسلیے کہ سکندرِ اعظم تو ایک وقت کا حکمران تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے امام المرسلین ہیں۔ شبلی نعمانی کی اس رائے سے تو کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا یہ صحیح ہے کہ اسلامی مورخین و ارباب سیر مغازی نے ناگزیر طور پر پیش آنے والے جنگی واقعات کا ذکر اس قدر تفصیل کے ساتھ کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور ہی تصویر اُبھر کر سامنے آتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگجو، خوں خوار اور حرب و ضرب کا دلدادہ قرار دے دیا ہے لیکن علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول اللہ کا جو مرقع پیش کیا ہے ۔ اِس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگجو، سفاک اور تلوار کے شیدائی نہیں تھے بلکہ رحمتہ اللعالمین اور امن و سلامتی کے پیغامبر تھے ۔ لیکن ابتدائی سیرت نگارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام عائد کرنا کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تصویر پیش نہیں کی، زیادتی ہو گی ۔ اس لیے کہ اُس دور کا شاید یہی تقاضا رہا ہو گا کہ اِسلام کی شان و شوکت کا اظہار ان فتوحات کے ذریعے سے کیا جائے تاکہ یہ دین کی تبلیغ میں معاون و مددگار ثابت ہو، نیز یہ کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت چوں کہ ایک ہمہ جہت شخصیت ہے اِس لیے میدانِ جنگ میں انہیں ایک مدبّر سپہ سالار کی حیثیت سے پیش کرنا بھی مقصود تھا۔ اگرچہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اصل رُخ نہیں ہے مگر یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ یہ ایک اہم رُخ ضرور ہے - ورنہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف تلوار اُٹھانے کا حکم نہیں آتا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ قریش عرب کا ظلم و ستم جب حد سے تجاویز کر گیا تو اِسلام نے اپنی دفاع کے لیے تلوار اُٹھانے کی اِجازت دی - اہل اِسلام کا ہجرت کے بعد کا تقریباً کل زمانہ غزوات و سرایا کے اہتمام میں گزرا چنانچہ ۱۲ صفر ۲ سنہ ھ تواریخِ اسلام میں ایک یادگار دن

ہے جس میں اللہ نے مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور آیت نازل فرمائی۔

"اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۔" الحج رکوع ۱۲ آیت ۳۹

ترجمہ : اجازت عطا ہوئی انھیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بناء پر کہ ان پر ظلم ہوا، اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔

حضرت امام محمد بن شہاب زہری علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ جہاد کی اجازت کے لیے یہی وہ آیت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی۔ مگر تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جہاد کے بارے میں سب سے پہلے جو آیت اُتری وہ یہ ہے۔

"وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ" بقرہ آیت ۱۹۰

ترجمہ : اور اللہ کی راہ میں لڑو، ان سے جو تم سے لڑتے ہیں۔

بہر حال مسلمانوں کو خدا نے کفار سے لڑنے کی اجازت دے دی اور ابتداء میں انہیں صرف ان کافروں سے لڑنے کی اجازت تھی جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔ بعد ازاں تمام کفار سے جو عناد کے طور پر حق کو قبول نہیں کرتے، جہاد کا حکم نازل ہوا۔

مغازی کے لفظی معنوں کے لحاظ سے تو اس صنف تحریر کو اول اول غزوات رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود رکھا گیا۔ لیکن بعد میں سیرت نگاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فن کو اس قدر وسعت دے دی کہ حضور رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے وصال تک کے تمام واقعات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت آپ صلعم کے دن رات اور وہ تمام معاملات جن کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس سے تھا خواہ وہ انسانی زندگی کے معاملات ہوں یا نبوت کے معجزات ہوں ان سب کو

"کتابِ سیرت" ہی کے ابواب اور فصول میں شامل کیا۔ خصوصاً ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) نے اپنی تصنیف "الطبقات الکبریٰ" میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے غزوات کے علاوہ دوسرے احوال بھی لکھے۔

**خُلق:** سیرت جیسا کہ مذکور ہوا عربی زبان کا لفظ ہے۔ لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے قرآن میں لفظ "خُلق" آیا ہے، ارشادِ باری ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

"اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔"

(العلم ۴۰) سورہ توبہ

لیکن اہلِ عرب خصوصاً مسلمان اِس لفظ کا استعمال کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیر و اخلاق سے متعلق کسی نے اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی سے دریافت کیا تو آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ "وَكَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ" آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا خُلق (سیرت) یہ قرآنِ مجید ہی تو ہے"۔ ایک علمی قرآن ہے جو قرآن کے اوراق میں محفوظ ہے اور ایک عملی قرآن یعنی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ہے جو ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم میں محفوظ ہے۔ بیشتر صحابۂ کرام اور شعرائے عرب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے کردارِ مقدسہ کے لیے 'سیرت'، مکارم اور اخلاق جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ شاعرِ اسلام حضرت کعب بن مالک رضی نے نعت کے ایک شعر میں لفظ 'سیرت' کو برتا ہے فرماتے ہیں۔

ع الحق منطقہ والعدل سیرتہ فمن یجبہ الیہ ینج من تبت

ترجمہ: اُن کی بات حق ہے ان صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت عدل ہے جس نے ان صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی کی ہلاکت سے نجات پاگیا۔ لہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ نے 'اخلاق' اور شیخ عبدالرحیم البرعی نے اس کے لیے 'مکارم' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

روحی الفداء لمن اخلاقہ شہدت
بانہ خیر مولود من البشر ...... ؎۲ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ

ترجمہ: "میری روح قربان ہو اس ذات پر جس کے اخلاق اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ بنی نوعِ انسان میں سب سے بہتر فرد ہیں"۔

مکارم اخلاق وحسن شمائل
وشیمۃ جود بحرہ مستموج ..... ؎۳ شیخ عبدالرحیم البرعی

ترجمہ: "اخلاق کی بلندیوں عادات کی خوبیوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ ہیں۔ سخاوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت ہے اور وہ ایک ایسا سمندر ہے جس میں موج ہی موج ہے"۔

حدیث میں بھی یہ لفظ (اخلاق) آیا ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ..... حسنوا اخلاقکم

ترجمہ: "اپنے اخلاق کو اچھا بنائیے"۔

**حدیث اور سیرت کا فرق:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کا نام حدیث ہے۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ خدا نبوت کا اعلان کیا اس وقت سے لے کر وصالِ الٰہی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا یا جو کام انجام دیے اُن سب کا شمار حدیث میں ہوتا ہے۔ حدیث عربی لفظ ہے جس کے معنی "بات" کے

---

؎۱ (پچھلے صفحے سے) محمد طفیل، نقوش رسول نمبر جلد ۱۰، صفحہ 252 ادارہ فروغ اردو لاہور سنہ 1984ء

؎۲ محمد طفیل، نقوش رسول نمبر جلد ۱۰، صفحہ 244 ادارہ فروغ اردو لاہور سنہ 1984ء

؎۳ محمد طفیل، نقوش رسول نمبر جلد ۱۰، صفحہ 200 ادارہ فروغ اردو لاہور سنہ 1984ء

ہیں مگر شرعی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور کسی کے قول اور فعل کے بیان کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا یا دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر اعتراض نہیں فرمایا حدیث کہتے ہیں۔ اِس کی تین قسمیں ہیں ۔ ۱. قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۲. فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ۳. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول اور فعل کا بیان جسے آپ صلعم نے سُنا یا دیکھا اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس طرح حدیث کی تین قسمیں ہوگئیں، پہلی قسم کو حدیثِ قولی، دوسری قسم کو فعلی اور تیسری قسم کو تقدیری کہتے ہیں۔ محدثین کرام بھی حدیث کے سلسلے میں اِن تین اُمور سے بحث کرتے ہیں۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ کیا کیا؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا کیا گیا؟ معنی، مفہوم و موضوع کے لحاظ سے حدیث و سیرت کا تعلق ایک ہی فن سے ہے ۔مگر تفصیل میں یہ ایک دوسرے سے جُدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ محدثین اور سیرت نگارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد جُدا جُدا ہیں، اس باب میں ندیم الواجدی لکھتے ہیں۔ "محدثین کا مقصد احکام و مسائل کا علم اور ان کا بیان ہوتا ہے۔ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے یہاں التزامی موضوع نہیں ہے اور سیرت نگار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے بحث کرتے ہیں۔ احکام کی بحث ان کے یہاں ضمنی ہوتی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں واقعات کی تفصیل ہوتی ہے اور ایک ایک پہلو واضح کیا جاتا ہے۔ حدیث میں واقعات کی تفصیل نہیں ملتی اور کسی خاص پہلو کی وضاحت کا اہتمام نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ سیرت نگار کے پاس کئی ماخذ ہوتے ہیں۔ جبکہ محدث صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو من وعن بیان کرتا ہے۔ اِس کے لیے اتنی بھی گنجائش نہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو اپنے الفاظ میں بیان کرے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت نگار صحت میں کمزور روایات کو بھی بیان کرنے سے گریز نہیں کرتے لیکن حدیث میں اور خصوصاً اِن احادیث میں جن کا تعلق احکام و مسائل سے ہے

اس کی گنجائش نہیں۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ ۔۔۔۔۔۔

"ایک اچھا خاصہ گروہ اس بات کا قائل ہے کہ حدیثِ ضعیف سے فضائلِ اعمال اور قصص وغیرہ میں استدلال کیا جا سکتا ہے ۔ اس گروہ میں امامِ احمدؒ، ابو داؤدؒ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ اور نوویؒ جیسے اصحاب رائے شامل ہیں۔" (۱)

اس ضمن میں علامہ شبلی نعمانی نے اچھی بحث اُٹھائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ۔

"بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ "سیرت" فن حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے۔ یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھ دیئے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات سے متعلق ہیں، تو یہ سیرت بن گئی اور چونکہ حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں۔ مثلاً صحیح بخاری، مسلم۔ تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ "سیرت" میں کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی۔" اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ "پہلی بحث یہ ہے کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے۔ محدثین اور ارباب کی اصطلاح ندیم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں اور سیرت بھی، حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہے۔ فقہ میں جو

---

(۱) شبیر احمد عثمانی، فتح الملہم جلد اوّل صفحہ 58 بحوالہ نقوشِ رسول نمبر صفحہ 53 ادارۂ فروغِ اردو - لاہور ۱۹۸۲

باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہیں۔ اس میں سیرت کے لفظ
سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں۔ اس بنا پر
محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے
ایک الگ چیز ہے۔" [1]

اس اقتباس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ حدیث اور سیرت کے درمیان ایک حد فاصل ہے۔ اس لیے بعض واقعات میں محدثین اور سیرت نگار کی آراء اس حد تک مختلف ہوتی ہیں کہ کھلا تضاد محسوس ہوتا ہے۔ اور بقول شبلی نعمانی ۔۔۔

"بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام اربابِ
سیر ایک طرف ہو جاتے ہیں اور امام بخاری و مسلم ایک طرف
ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بناء پر تسلیم
نہیں کرتے کہ تمام اہلِ سیر کے خلاف ہے لیکن محققین کہتے ہیں
کہ حدیث صحیح تمام اربابِ سیر کی متفقہ روایت کے مقابلے میں
بھی قابلِ ترجیح ہے۔" [2]

درجِ ذیل واقعات سے اِس کی تائید ہو جائے گی۔ غزوات میں ایک غزوہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے۔ اکثر اہلِ سیر کی رائے یہ ہے کہ اس غزوہ کا وقوع جنگِ خیبر سے پہلے ہُوا۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی جامع میں تصریح کی ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد وقوع پذیر ہوا۔ اِس طرح مسلم نے جو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کی روایت غزوۂ ذات الرقاع کے ذیل میں ذکر کی ہے۔ اس سے بھی امام بخاری کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضؓ کی اس روایت سے یہ پتہ لگتا ہے کہ اس غزوہ میں خود

---

[1] شبلی نعمانی ، سیرۃ النبیؐ جلد اوّل ، صفحہ 22 مکتبہ مدینہ اُردو بازار لاہور صفر المظفر سنہ ۱۴۰۸ھ

[2] شبلی نعمانی ، سیرۃ النبیؐ جلد اوّل، صفحہ 22، مکتبہ مدینہ اُردو بازار لاہور صفر المظفر سنہ ۱۴۰۸ھ

راوی نے بھی شرکت کی تھی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جنگِ خیبر کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ اس لیے اس کا امکان ہی نہیں۔ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر سے پہلے واقع ہوا تھا۔ اور اس کو مان بھی لیں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس روایت کے راوی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں شریک رہے ہوں۔ مورخِ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے غزوہ ذات الرقاع کے باب میں لکھا ہے کہ

"یہ غزوہ جمادی الاول سنہ ۴ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ اور جنگِ خیبر سنہ ۷ھ میں لڑی گئی تھی۔" [1]

اِس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محدثین کی سند مستند ہے جبکہ اہلِ سیر کی رائے مقدم نہیں۔

اِسی قِسم کا تضاد غزوہ ذی قرد کے سلسلے میں بھی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

"اِس کی نسبت ارباب سیر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ سے قبل واقع ہوا تھا لیکن صحیح مسلم میں سلمہ بن الاکوع سے جو روایت ہے اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن قبل کا واقعہ ہے۔" [2]

حافظ ابن حجر نے اس موقع پر علامہ قرطبی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ ....

"لایختلف اہل السیر ان غزوۃ ذی قرد کانت قبل الحدیبیہ" [3]

ترجمہ: 'اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ غزوہ' ذی قرد 'حدیبیہ سے پہلے ہے'۔

علامہ قرطبی نے آگے چل کر سلمہ ابن الاکوع کی روایت کے جواب میں لکھا ہے۔

---

[1] اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخِ اسلام جلد اوّل صفحہ 167 مکتبہ رحمت دیو بند یو۔پی تاریخ درج نہیں

[2] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 22 مکتبہ مدینہ اُردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۶ھ

[3] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 23 مکتبہ مدینہ اُردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ

"فیکون ما وقع فی حدیث سلمۃ من وھم بعض الرواۃ" [1]

ترجمہ: "سلمہ کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ وہ کسی راوی کا وہم ہوگا"

قرطبی کے اس قول پر تنقید کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے.....

"فعلی ھذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد

اصح مما ذکرہ اھل السیر" [2]

ترجمہ: "تو اس بناء پر صحیح (مسلم) میں غزوہ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہے۔

وہ اس سے زیادہ صحیح ہے۔ جو مصنفینِ سیرت نے بیان کی ہے۔"

یعنی اصحابِ سیر کی رائے محدثین کے مقابلے میں واضح قرار نہیں دی جاسکتی۔ اربابِ سیر و محدثین کے یہاں دمیاطی جو مشہور محدث ہیں جن کا نام محتاجِ تعارف نہیں انہوں نے سیرت کے موضوع پر ایک یادگار کتاب چھوڑی ہے جس میں اہل سیر کے اتفاق کو محدثین کی روایات پر ترجیح دی گئی ہے۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ احادیث صحیحہ کو سیرت کی روایتوں پر فوقیت حاصل ہے تو انہوں نے اپنی کتاب میں ترمیم کرنا چاہا لیکن کتاب کے نسخے عام ہو چکے تھے۔ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ حافظ ابن حجر خود دمیاطی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں.....

"اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ یعنی (دمیاطی) قصد کر چکے تھے کہ جن موقعوں پر انہوں نے اربابِ سیر سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے ان سے رجوع کریں گے اور یہ کہ یہ امران سے مہارتِ فن کے قبل صادر ہوا لیکن چونکہ کتاب کے نسخے شائع ہو چکے تھے۔ اس لیے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نہ کر سکے۔" [3]

---

[1] اور [2] شبلی نعمانی سید صاحب، سیرۃ النبی ﷺ جلد اول، صفحہ 23، مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور صفر المظفر سنہ ۱۴۰۸ھ

[3] عبدالباقی زرقانی، شرح المواھب اللدنیہ للقسطلانی جلد سوم، صفحہ ۱۱۔

اِس طرح کئی واقعات ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش ہے اور اہلِ سیر اور محدّثین کے درمیان یہ اختلاف کیوں ہے۔ اس کی وجہ معلوم کرنا مشکل نہیں بقول ندیم الواجدی

" جب ایک واقعہ متعدد اشخاص نقل کریں تو بیان میں اختلاف یقینی ہے۔ بیان کا اختلاف نفسِ واقعہ میں اختلاف سبب بنتا ہے حدیث میں اس کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ چند راوی ایک روایت بیان کرتے ہیں۔ مختلف راویوں کی وجہ سے روایت میں کمی بیشی واقع ہوجاتی ہے بعض اوقات مقامات اور سنین بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ اب یہ علماء کی ذمہ داری اور اُن کے ذہن و دماغ کا کمال ہے کہ وہ مختلف و متضاد روایات میں مطابقت کی کوشش کریں یا صحیح و سقیم میں امتیاز پیدا کر کے ترجیح راستہ اختیار کریں " [1]

اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم کسی ایک روایت پر اعتبار کریں اور دوسری روایت کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیں۔ چنانچہ جو اختلاف واقعات بیان ہوتے ہیں۔ اِن میں محدّثین میں سے کسی نے بھی بخاری و مسلم کی بیان کردہ احادیث کے مقابلے میں دوسرے احادیث کو غیر موضوع یا غیر صحیح نہیں کہا۔ اگر ایسا ہوتا تو بعد کے آنے والے اہلِ سیر اپنے سابقین کی روایات زندہ نہ رکھتے اور محدّثین ہی کی رائے قبول کرتے لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ بعد کے سیرت نگار اپنے پیش رووں کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ اور واقعات کی ترتیب میں اِنہی کی ترتیب ملحوظ رکھتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سیرت نگار اہلِ سیر کی رائے کے مقابلے میں محدثین کی رائے کو زیادہ وقیع سمجھتے ہیں۔ مگر سابق سیرت نگاروں کے اسلوب سے انحراف نہیں کرتے بہر حال اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ 'سیرت' ایک جداگانہ فن ہے۔

---

[1] شبلی نعمانی ، سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 23۔ مکتبۂ مدینہ، اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

اور بعینہ فنِ حدیث نہیں ہے۔ اس لیے اس کی روایتوں میں وہ احتیاط ملحوظ نہیں رکھا جاتا جو فنِ صحاحِ ستہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر یہ کہ سیرت میں جس قسم کی جزئیاتی تفصیلات ملتی ہیں وہ فنِ حدیث کے معیار کے موافق نہیں ہو سکتیں۔ اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ فنِ حدیث سے کم رہا ہے۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

"جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے۔ اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا۔ آج بیسیوں کتابیں قدما سے لیکر متاخرین تک موجود ہیں۔ سیرت ابن اسحاق، سیرت ابنِ ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت دمیاطی حلبی، مواہب لدنیہ، کسی میں یہ التزام نہیں"۔ [1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ احادیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اخلاق و عادات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ مگر تنہا ان سے ایک تاریخی تصنیف تیار نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ان میں تاریخی ترتیب بھی نہیں ہے۔

**سیرت اور تاریخ میں فرق :** تاریخ ایک مستقل علم یا فن ہے۔ اصطلاحی معنوں میں اس علم کو تاریخ کہتے ہیں۔ جس میں انبیائے کرام، خلفائے کرام، شہدائے کرام، علماء، حکماء، امراء و سلاطین کے حالات قلم بند کیے جاتے ہیں۔ نیز عہدِ ماضی کی معاشرت، تہذیب و تمدن اور مختلف قبائل کے اخلاق و عادات سے بحث کی جاتی ہے۔ ماہرِ تاریخ کافیجی (متوفی ۸۷۹ھ) نے اپنی کتاب "المختصر فی علم التاریخ" میں تاریخ کی تعریف میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"تاریخ زمانے کے حالات اور ان حالات کے متعلقات کی

---

[1] شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی سیرۃ النبیؐ جلد اول، صفحہ 24 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور، صفر ۱۴۰۸ھ

یقینی تلاش کا نام ہے۔" ؎۱

اکبر شاہ نجیب آبادی نے تاریخ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۔

"انسانوں کے یکجا ہو کر رہنے کو تمدن اور اس انسانی مجموعہ کو مدینہ اور ان مختلف حالتوں کو جو طبعاً اس کو عارض ہوں۔ واقعات تاریخی اور پچھلوں کو پہلوں سے سن کر ان واقعات کو اکٹھا کرنا اور اپنے سے پیچھے آنے والوں کو عبرت اور نصیحت کے لیے بطور نمونہ چھوڑ جانے کو تاریخ کہتے ہیں"۔ ؎۲

اس بیان کی تائید اکثر مؤرخین نے بھی کی ہے۔ سیرت کی مندرجہ بالا تعریف کے پیش نظر 'سیرت' اور "تاریخ" کے فرق کا ماحصل یہی نکلتا ہے کہ سیرت' تاریخ کا ایک اہم حصہ ہونے کے باوجود فنِ تاریخ سے الگ اور ممتاز صنف ہے۔ اس رائے کی تصدیق کے لیے سیرت اور تاریخ کی ترتیب میں جن مآخذ کو بنیاد بنایا جاتا ہے اُس پر بحث ضروری ہے۔ تاریخ کے مآخذ کو عموماً تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔
۱۔ آثارِ مضبوطہ، ۲۔ آثارِ منقولہ اور ۳۔ آثارِ قدیمہ۔ آثارِ مضبوطہ سے مراد وہ تمام تحریری مواد ہے جو کتابوں، یادداشتوں اور دفتری فیصلوں کی دستاویزات و احکامات کی شکل میں موجود ہے۔ آثارِ منقولہ سے مراد زبانِ زدِ عام باتیں ہیں۔ مثلاً کہانیاں، نظمیں اور ضرب الامثال وغیرہ اور آثارِ قدیمہ سے مراد پرانے زمانے کی نشانیاں ہیں۔ مثلاً شہروں کے خرابے، قلعے، مکانات، عمارتوں کے کتبے پتھروں میں کندہ تصویریں پرانے زمانے کے ہتھیار سکے اور برتن وغیرہ۔

---

؎۱ محمد طفیل بحوالہ نقوشِ رسول نمبر، صفحہ 57، ادارہ فروغ اردو لاہور، سنہ 1982ء

؎۲ اکبر شاہ نجیب آبادی۔ تاریخِ اسلام جلد اوّل، دوسرا ایڈیشن صفحہ 23، مکتبہ رحمت دیوبند یوپی، تاریخ درج نہیں۔

* سیرت کے بھی تین اہم مآخذ ہیں۔ ۱۔ قرآن مجید، ۲۔ احادیثِ صحیحہ اور ۳۔ سیرت کی ابتدائی کتب (جو اصحابِ اکرام کے اقوال و افعال و مشاہدات پر مشتمل ہے) اگر تاریخ اور سیرت کے مآخذ کا بغور مطالعہ کریں تو یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل امر نہیں کہ سیرت کے مآخذ جس قدر مستند اور قابلِ اعتبار ہیں تاریخ کو اس کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں۔ اس لیے کہ تاریخ کے مآخذ روایتی اور درایتی ہیں۔ روایتی تاریخ میں مورخ کا بیان اس کے مشاہدات پر مبنی ہوتا ہے۔ ایسی تاریخیں قابلِ قدر ہیں مگر ان کی تعداد انگلیوں پر گنے جانے کے برابر ہے۔ اور ایسی تاریخوں کی کمی نہیں اور آج ایسی ہی تاریخیں دستیاب ہیں جن کو درایتی تاریخیں کہتے ہیں۔ جن کا مدار صحت مند مآخذ کی بجائے قیاس پر زیادہ ہوتا ہے اور مورخ قیاس کے گھوڑے دوڑا کر موہوم باتوں کو حقیقت کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور محض آثارِ قدیمہ و آثارِ منقولہ اور عقلی دلائل کے ذریعے ایک تاریخ مرتب کرتا ہے اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مورخ جب کسی مخصوص قوم و خطے کی تاریخ کو (جس سے اس کو عناد ہے) تعصب کی عینک لگا کر ترتیب دیتا ہے تو وہ تاریخ کذب و افترا کا پلندہ بن جاتی ہے اور آج ہمارے پاس ایسی ہی تاریخوں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن جہاں تک سیرت کا تعلق ہے۔ اس میں قیاس و عقلی دلائل کو دخل ہی نہیں ہے بلکہ سیرت نگار تک روایاتِ صحیحہ جس طرح پہنچتی ہیں وہ ان کو من و عن رکھ دیتا ہے۔ وہ ایسی روایات سے بھی پرہیز کرتا ہے جو ضعیف ہیں مگر سیرت میں غیر مستند روایات کے در آنے کی وجہ سے کچھ لوگ جس طرح حدیث پر اعتراض کرتے ہیں وہ سیرت کے ایسے مواد پر بھی معترض ہیں جس کا بہت کچھ دارومدار زبانی روایتوں اور سنی سنائی باتوں پر ہے۔ اس اعتراض میں کوئی سچائی نہیں ہے اور یہ کہ اس کا اطلاق حدیث و سیرت کے تمام سرمایے پر نہیں

---

* اس پر تفصیلی بحث باب "سیرت کا بنیادی مواد" میں آگے آئے گی۔ یہاں صرف سیرت اور تاریخ کے مآخذ کا موازنہ کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ سیرت کا پلہ تاریخ سے بھاری ہے

ہوتا کیونکہ محدّثین نے روایتوں کے ردِ قبول کے سخت و واضح اُصول مقرر کیے ہیں اور تدوین احادیث میں اس بات کا خصوصی خیال دکھا جاتا ہے کہ ایسی ہی حدیث قابلِ قبول ہو جس کے راویوں کا سلسلہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچے۔ اس لیے حدیث و سیرت کے سرمایے کو بے بنیاد و بے اصل کہنا ایک بے بنیاد الزام ہے جو متعصبانہ ذہن کی پیداوار ہے۔ صحابہ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے والہانہ عقیدت و محبّت تھی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عشق میں اس قدر سرشار تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت کو جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔

محمد ﷺ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اِسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

صحابہ کرام کی حیاتِ مقدسہ کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ کس درجہ کا عشق تھا۔ غرض صحابہ کرام کے دِلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بڑی قدر و منزلت تھی اور وہ آپ صلعم کا ہمیشہ ادب و احترام کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے۔ سہل بن سعد ساعدی سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قبیلہ بن عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے واسطے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو مؤذن نے صدیقِ اکبر رضؓ سے پوچھ کر اقامت کہی، اور اُنہوں (صدیق اکبر رضؓ) نے امامت کی۔ اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بھی تشریف فرما ہو گئے اور صف میں قیام فرمایا۔ جب نمازیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا تو دستک دینے لگے اس غرض سے کہ صدیقِ اکبر رضؓ خبردار ہو جائیں کیونکہ اُن رضؓ کی عادت تھی کہ نماز میں کسی طرف نہ دیکھتے تھے۔ جب صدیق اکبر رضؓ نے دستک کی آواز سُنی تو گوشۂ چشم سے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف فرما ہیں

لہٰذا پیچھے ہٹنے کا قصد کیا۔ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو۔ صدیق اکبرؓ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور اس نوازش پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امامت کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ "اے ابوبکر جب میں خود تمہیں حکم کر چکا تھا تو تم کو اپنی جگہ پر کھڑے رہنے سے کون چیز مانع ہوئی تھی۔ عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابی قحافہ کا بیٹا اس لائق نہیں کہ " اَنْ یُّصَلِّیَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "۔۔ رسول اللہ صلعم کے آگے نماز پڑھائے"۔ محبت کا یہی تقاضہ بھی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ پر عمل کرکے دُنیا و آخرت کو سنوالیں۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل اور قول کو اپنے دِلوں پر نقش کر لیتے تھے۔ اور اس کوشش میں رہتے تھے کہ آپ صلعم کی زندگی کا ہر پہلو پیشِ نظر رہے۔ تاکہ زندگی میں ایسا کوئی فعل سرزد نہ ہونے پائے جو آپؐ کے قول و فعل کے خلاف ہو۔ پھر صحابہ کرام کے افعال و اقوال آپؐ کے موافق کیوں کر نہ ہوں جن کے پیشِ نظر آپ کا ارشادِ گرامی رہا ہو "جس نے عمداً مجھ سے کوئی کذب بیانی کی اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا"۔ صحابہ کرامؓ کی نظر میں قرآنِ مجید کی انتہائی اہمیت تھی اور وہؓ حدیث کی جامعیت اور اہمیت سے بھی واقف تھے۔ کتابِ حدیث سے متعلق امام نوویؒ کی رائے عقل کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

> "قرآن کریم کی کتابت کی ممانعت اُن لوگوں کے لیے تھی جن کے حافظے قوی تھے۔ وہ لوگ جنھیں سوءِ حفظ کی شکایت تھی اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیے گئے تھے۔ [1]

---

[1] محی الدین النووی، شرح صحیح المسلم جلد اوّل صفحہ 414

اِس سے یہی مطلب نکالا جائیگا کہ جن کے حافظے کمزور ہوا کرتے ہیں اُن کے حافظوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ حدیث سے بعض تنگ نظر لوگوں نے یہ مطلب اخذ کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو فنِ کتابت سے نفرت تھی۔ اِسی لیے وہ اپنے صحابہ کو لکھنے سے منع فرماتے تھے۔ لیکن تاریخی شواہد سے پتا چلتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے چند اصحاب کو اسی کام کے لیے مامور کیا تھا۔ حافظ ابن الاثیر نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ترجمے میں یہ تصریح کی ہے کہ آنحضور صلعم نے انہیں اہلِ مدینہ کو فنِ کتابت کی تعلیم کے لیے مقرر کیا تھا۔ اِسی طرح شفا بنت عبداللہ رض اُمّ المومنین حضرت حفصہ رض کو کتابت سکھانے کے لیے مقرر کی گئیں تھیں۔ صحابہ کرام رض میں سے اکثر کے پاس صحیفے تھے۔ جن میں اقوال و اعمال کو جمع کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا اِس کو ساتھ میں قلم بند بھی کر لیا۔ اور ایک ہزار حدیثیں اپنے صحیفہ میں رقم کیں جسکو وہ 'الصادقہ' سے موسوم کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رض خلیفہ اوّل کے پاس پانچ سو احادیث کا مجموعہ تھا۔ لیکن انہوں نے یہ مقدس بیاض اِس خیال سے تلف کر دی کہ ممکن ہے کہ بعض احادیث ان تک غیر معتبر رواۃ سے پہنچی ہوں۔ نیز کتابتِ حدیث کی اجازت پر مشتمل احادیث قولی بھی ہیں اور فعلی بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں مرض الموت کی حالت میں صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا تھا۔

"میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ میں تمہیں کچھ لکھوا دوں۔"

ظاہر ہے کہ یہاں "کچھ لکھوا دوں" سے مراد قرآن تو ہو نہیں سکتا کیونکہ قرآن کا نزول مکمل ہو چکا تھا۔ اور آیتِ "الیوم اکملت لکم دینکم" نازل ہو چکی تھی اس لیے قرآن کے سوا کچھ اور باتیں آپ صلعم لکھوانا چاہتے تھے، اِس سے کتابتِ حدیث کا جواز واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دورِ جاہلیت میں اہلِ عرب کو فنِ کتابت

سے بہت کم دلچسپی تھی اور وہ اِس میں کمال حاصل کرنے کو اپنے وقار کے منافی سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے پہلے مکہ مکرمہ میں صرف سترہ آدمی کتابت کے فن سے واقف تھے۔ اور مدینہ منورہ میں ایسے لوگوں کی تعداد صرف نو 9 تھی۔ لیکن بعد ازاں اسلام نے اس فن کی حوصلہ افزائی کی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی کتابت سے ناواقفیت اور اس فن کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر کر دیا تھا کہ مدینہ کے دس بچوں کو جو لکھنا سکھائے گا آزاد کر دیا جائے گا۔ اس کے نتیجے میں کاتبینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافہ ہوا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی کاتبینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل فہرست تیار ہو گئی تھی۔ اس تفصیل سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کاتب یا کتابت سے نفرت نہیں تھی۔ بے شمار روایات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی احادیث لکھیں اور اُنہیں صحیفوں میں جمع کیا، چنانچہ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک خطبہ جو کسی شخص کے قتل کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔ اس شخص کو لکھ کر دینے کا حکم فرمایا جس نے اس خطبہ کی تحریری فرمائش کی تھی۔ اِن صحابی کے نام کی صراحت نہیں ملتی۔ لیکن یہ صراحت موجود ہے کہ یہ صحابی یمن کے رہنے والے تھے اور ان کی کنیت ابو شاہ تھی۔ اس ضمن میں صحیح بخاری میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

فجاءَ رجلٌ من اهلِ یمن فقال اکتبْ لی یا رسول اللّٰہ
فقال اکتبوا لابی فلان

ترجمہ: یمن کا ایک شخص آیا اور کہا مجھے وہ لکھ دیجئے یا رسول اللہ
تو آپ صلعم نے کہا لکھو فلاں ابن فلاں کے لیے۔

حافظ ابن حجر نے ابو رافع رضؓ کے ترجمے میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے آنحضور صلعم

سے کتابت حدیث کی اجازت حاصل کی تھی۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو العاص احادیث لکھا کرتے تھے۔ اس قسم کی روایتیں بھی موجود ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں صحابہؓ کو نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج صدقات اور قرض کے احکامات املا کروادیئے تھے مذکورہ بالا امور سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ احادیث کا بڑا ذخیرہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر لیا گیا تھا اور وہ غیر مرتب شکل میں صحابہ کے پاس موجود تھا، بعد میں اسی سرمایہ کی بنیاد پر امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے اپنے مجموعہ ترتیب دیئے۔ یہ بحث ان لوگوں کیلئے قابلِ غور ہے جو یہ الزام لگاتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کاتب اور کتابت سے نفرت تھی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آنحضرت صلعم کو کاتبوں سے نفرت تھی تو ان صحابہؓ سے بھی رہی ہوگی جو اس فن کے ماہر تھے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ جو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہو وہ فعل صحابہ کرامؓ پسند کرتے ہوں۔ اس بحث کا حاصل یہی ہے کہ سیرت کے متعلق تحریری مواد بھی تھا۔ جس کے مستند ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور زبانی سرمایہ بھی موجود تھا۔ جو حافظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ سیرت کے اس تحریری اور زبانی سرمایہ کا مقابلہ تاریخ کے دستاویزات کرنے سے قاصر ہیں۔ اس سلسلے میں سید مناظر احسن گیلانی تحریر فرماتے ہیں ۔

> "تاریخ میں جب کسی زمانے کے حالات قلم بند کیے جاتے ہیں تو طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کرلی جاتی ہیں۔ جن کے راویوں کے نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں سے وہ واقعات انتخاب کرلیے جاتے ہیں جو قرائن وقیاسات کے مطابق ہوتے ہیں اور کچھ ہی زمانے کے بعد (کتابی شکل اختیار کرکے) یہی ایک دلچسپ تاریخ

بن جاتی ہے۔ آج جس کسی کے پاس یا جس قوم و اُمت کے ہاتھ میں بھی ماضی بلکہ حال کی تاریخ کا جو حصہ ہے وہ وثوق اور اعتماد میں تاریخ کے اس "محفوظ حصہ" یعنی حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ [1]

اس لیے کہ جن وسائل و ذرائع سے ہم تک یہ روایات پہنچی ہیں ان سے زیادہ قابلِ اعتماد و ثقہ ذرائع آج تک دُنیا کی کسی روایت یا کسی واقعہ کو میسر نہیں ہیں۔

**سیرت اور سوانح میں فرق :** یہاں سیرت سے مراد "سیرت النبیؐ" یا "سیرتِ رسولؐ" ہے اور سوانح دیگر اشخاص کی سوانح عمریاں ہیں۔ اس گفتگو کو آگے بڑھانے سے قبل لفظ نبی و رسول کی وضاحت ضروری ہے۔

**نبی کا معنیٰ :**۔ یہ لفظ عربی لفظ "نَبَأ" سے مشتق ہے جس کے معنی خبر یا اطلاع کے ہیں۔ اور قرآن مجید میں یہ لفظ چھ ۶ مرتبہ آیا ہے۔ مصباح اللغات کے مصنف مولانا عبدالحفیظ بلیاوی نے بھی "النبأ" کے تحت یہی معنی بتلائے ہیں۔ اور اسی سے لفظ "نبی" بنتا ہے جس کے معنی اللہ کا پیغمبر اور اونچا مقام کے ہیں۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ تین صورتوں میں آیا ہے اور ہر جگہ اِملا مختلف ہے۔

۱۔ نَبِيّ (صفت) قرآن میں آٹھ مرتبہ آیا ہے، ۲۔ "اَلنَّبِيُّ" (صیغہ صفت) 12 مرتبہ استعمال ہوا ہے اور ۳۔ "اَلنَّبِيّ" ( صفت) 6 مرتبہ آیا ہے۔ مولانا سید عبدالدائم الجلالی (مصنف لغات القرآن) نے اس لفظ کے معنیٰ "پیغمبر" کے بتائے ہیں۔ مگر صاحبِ مصباح اللغات نے اس لفظ کی وضاحت میں قدرے تفصیل سے کام لیا ہے۔ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی باتیں بتلانے والا" آئندہ کی پیشن گوئی کرنے والا، خُدا کی طرف سے پیغامبر" مولوی سید احمد دہلوی نے نبی کے معنی خبر رساں، خبر پہنچانے والا، رسول قاصدِ الٰہی، پیغمبر فرستادۂ خدا جو کتاب اور دین لایا ہو بتاتے ہیں۔ اس لفظ کا مطلب

[1] مناظر احسن گیلانی تدوینِ حدیث ص ۴ مکتبہ تھانوی دیوبند ۱۹۸۳

بیان کرتے وقت مولوی سید احمد دہلوی کے ذہن میں ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رہی ہوگی اِسی لیے آپ نے اِس باب میں رسول اور خدا کی طرف سے کتاب لایا ہو، کے معنی لکھے ہیں۔ لیکن "نبی مرسل" کے تحت جو معنی لکھے ہیں وہ نبی کے مترادف ہیں، جبکہ نبی اور نبی مرسل میں فرق ہونا چاہیے۔ نبی مرسل یعنی وہ نبی جو صاحب کتاب ہو، جیسے حضرت داؤد علیہ السّلام حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم۔

نبی کی نسبت کے لیے "نبوی" اور اس کے فعل کے لیے "نبوت" کہتے ہیں۔
اور اس کا عربی املا اس طرح ہے۔ 'نبوۃ' اور 'النبوۃ' معنی پیغمبری، اونچی جگہ، اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی باتیں بتانا وغیرہ، نبی کی جمع انبیاء ہے

**رسول کا معنی:** 'القاموس الجدید' میں رسول کی تعریف میں یہ الفاظ لکھے ہیں ـــ ۔۔۔

"۱۔ پیغام رساں، قاصد، ایلچی، داعی، ۲: صاحب کتاب و صاحبِ شریعت، نبی جو خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچائے۔" [۱]

الرسول کے باب میں مصباح اللغات میں ۔۔۔۔

"بھیجا ہوا، پیغامبر، پیغامبری کے معنی آئے ہیں۔" [۲]

اس ضمن میں سید احمد دہلوی نے جو مفہوم دیا ہے وہ یہ ہے۔

"بھیجا ہوا، خدا کی طرف سے بھیجا ہوا، وہ نبی جو خدا کی طرف سے کتاب لے کر آئے۔" [۳]

رسول صوتی اعتبار سے مفعول کے وزن پر آتا ہے۔ رُسُل، رسول کی جمع ہے رُسُل قرآنِ کریم کے سولہ پاروں میں 31 بار آیا ہے، جبکہ رُسُلاً سات پاروں میں آٹھ بار اور رُسُلِنَا چودہ بار، رُسُل مضاف "نا" ضمیر جمع مُتکلم مضاف الیہ ہے۔ جس کے معنی

---

۱ وحید الزماں قاسمی کرانوی۔ القاموس الجدید، صفحہ 339 کتب خانہ حسینیہ دیوبند۔ یوپی۔ سنہ 1989ء

۲ عبدالحفیظ بلیاوی مصباح اللغات صفحہ 292 خلیلیا کتب خانہ لال باغ ڈھاکہ سنہ 1950ء

۳ سید احمد دہلوی، فرہنگِ آصفیہ، صفحہ 1025 ترقی اردو بورڈ دہلی 1974

ہمارے بھیجے ہوئے، ہمارے رسول، ہمارے پیغمبر کے ہیں۔

**نبی اور رسول کا فرق:۔** مذکورہ تعریفوں کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی اور رسول میں منصب و مقصد کے لحاظ سے فرق ہے۔ جو نبی ہوتا ہے وہ ضروری نہیں کہ رسول بھی ہو۔ مگر جو رسول ہوتا ہے وہ نبی بھی ہوتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دُنیا میں تشریف لائے۔ مگر وہ سب رسول نہ تھے۔ یعنی سبھی صاحب کتاب نہیں تھے۔ اس بات کی تصدیق اس حدیثِ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کے متعلق سوال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار، عرض کیا گیا اِن میں رسول کتنے ہیں؟ فرمایا "تین سو تیرہ" کا جم غفیر۔"

اِس سلسلے میں مولف مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کی بات انتہائی دِلچسپ ہے جس میں انہوں نے مختلف مفسرین اور علمائے کرام کی آرا پیش کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔۔۔۔

> "نبی اور رسول کے مابین کیا نِسبت ہے اس بارے میں تین رائیں ہیں۔ 1۔ یہ دونوں لفظ مساوی ہیں یعنی ہر نبی رسول ہے اور ہر رسول نبی ہے۔"

علامہ تفتازانی نے شرحِ عقائد نسفی اور شرح مقاصد میں اِسی کو اختیار کیا ہے۔ اور امام ابن ہمام نے المسایرہ میں اِس کو محققین کی طرف منسوب کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

> "واما علی ما ذکرہ المحققون من ان النبی انسان بعث اللہ لتبلیغ ما اوحی الیہ وکذا الرسول فلا فرق۔" [1]
>
> ترجمہ:۔ "لیکن محققین نے جو ذکر کیا ہے کہ "نبی وہ انسان ہے جس

---

[1] تفتازانی، المسایرہ مع شرح المسایرہ صفحہ 94 مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۰ھ

کو اللہ تعالیٰ نے اِس لیے مبعوث فرمایا ہو کہ جو کچھ اس طرف وحی کیا ہے اس کی تبلیغ کر دے اور اِسی طرح سے رسول اِس بنا بر کوئی فرق نہیں ہے۔" لیکن آیتِ شریف،

"وما ارسلنا من قبلك من رسولٍ ولا نبيّ الآیہ۔"

ترجمہ: "اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ نبی"۔ اس مذکورہ قول کی تردید کر رہی ہے کیونکہ عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے اور احد المساوبین کی نفی متساوی آخر کی نفی کو مستلزم ہے۔ پس اگر ان کے مابین تساوی مانی جائے تو "ولا نبیّ" کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ نبی تو رسول ہی کے ذکر میں آگیا۔ اب علاحدہ ذکر کی کیا حاجت۔ [1]

۲)۔ یہ دونوں متبائنین ہیں۔ رسول وہ ہے جو جدید شرع لے کر آئے اور نبی وہ ہے جو جدید شرع لے کر نہ آئے۔ پس کوئی رسول نبی نہیں اور کوئی نبی رسول نہیں لیکن یہ محض غلط ہے۔ کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کے متعلق قرآن مجید میں صاف تصریح ہے ۔۔۔۔۔

وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا (اور تھا رسول نبی) اور اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے حق میں وارد ہوا ہے۔

۳)۔ ان دونوں کے مابین عموم خصوص مطلق ہے اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ اب بعض تو اس طرف گئے ہیں کہ رسول اعم ہے اور نبی اخص، کیونکہ رسول فرشتہ بھی ہوتا ہے اور انسان بھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ

(اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں)

---

[1] محمد عبدالرشید نعمانی، مکمل لغات قرآن جلد سوم صفحہ 75 ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی

اور نبی صرف انسان ہی ہوتا ہے فرشتہ نہیں، پس ہر رسول نبی ہوا لیکن ہر نبی رسول نہیں۔ کیونکہ بعض رسول فرشتے ہوتے ہیں۔ اور جمہور کا یہ قول ہے کہ نبی اعم ہے اور رسول "اخص" پس ہر رسول نبی ہے۔ لیکن ہر نبی رسول نہیں۔ مگر اس صورت میں نبی اور رسول میں فرق کیا ہوگا۔ اور ان دونوں کی شرعی تعریف کیا ہوگی۔ اس سلسلے میں سخت اختلافِ اقوال ہے جو درج ذیل ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے جمہور کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے۔

"جس کو اللہ سے وحی آئی وہ نبی ہے اور ان میں جو خاص ہیں،....

اُمت رکھتے ہیں یا کتاب، وہ رسول ہیں۔ [۱]

قاضی ناصرالدین علامہ عبداللہ بن عمر البیضاوی لکھتے ہیں۔ رسول وہ ہے جس کو اللہ نے شریعت جدیدہ دے کر مبعوث فرمایا ہو، تاکہ وہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے اور نبی اس کو بھی عام ہے اور اس کو بھی کہ جس کو شرع سابق کے برقرار رکھنے کے لیے بھیجا ہو، جیسے وہ انبیاء بنی اسرائیل جو حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے مابین ہوئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اسی پر تشبیہ دی ہے پس نبی رسول سے اعم ہے اور بعض کے نزدیک رسول وہ ہے کہ معجزہ اور کتاب جو اس پر نازل کی گئی ہو دونوں کا جامع ہو اور جو نبی ہی ہو رسول نہ ہو وہ ہے جس کے پاس کتاب نہ ہو اور بعض کہتے ہیں رسول وہ ہے جس کے پاس فرشتہ وحی لے کر آئے اور نبی اس کو بھی کہا جاتا ہے اور اس کو بھی جس کی طرف خواب میں وحی کی جائے۔ محدث مُلّا علی قاری۔ الازہر، شرح الفقہ الاکبر میں فرماتے ہیں۔

" زیادہ تر مشہور فرق جو ان دونوں میں منقول ہے یہ ہے کہ نبی رسول سے اعم ہے کیونکہ رسول وہ ہے جو تبلیغ پر مامور ہو اور نبی وہ ہے

---

[۱] شاہ عبدالقادر موضح القرآن (تفسیر سورۂ مریم)

جس کی طرف وحی کی جائے خواہ وہ تبلیغ پر مامور ہو یا نہ ہو۔"

شیخ الاسلام ابن تمیہ رح نے "کتابِ نبوت" میں اس سلسلہ میں ایک نفیس بحث سپردِ قلم فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ "نبی وہ ہے جس کو اللہ بتلاتا ہے اور وہ جو کچھ اللہ بتلاتا ہے اس کو بتاتا ہے۔ اب اگر اسی کے ساتھ وہ اس شخص کی طرف بھی بھیجا گیا کہ جو کلمِ الٰہی کا مخالف ہے۔ تاکہ اس کو اللہ کے پیغام کی تبلیغ کرے تو وہ رسول ہے۔ لیکن جس صورت میں کہ وہ پہلی ہی شریعت پر عامل ہو اور کسی کی طرف اس کو بھیجا نہیں گیا کہ جیسے وہ اللہ کے طرف سے پیغام پہنچائے تو وہ نبی ہوگا۔ رسول نہیں۔ ارشادِ خداوند کریم ہے۔

"وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ۔"

ترجمہ: اور ہم نے جو رسول بھیجا تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں"۔

'ارسال' کا ذکر فرما کر جو ہر دو نوع کو عام ہے۔ ان میں سے ایک کو بایں طور خاص کیا ہے کہ وہ رسول ہے اور یہی وہ رسول مطلق ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والوں کی طرف تبلیغ و رسالت پر مامور ہے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام، صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ وہ پہلے رسول ہیں جو اہلِ زمین کی طرف مبعوث ہوئے اور ان سے پہلے جو تھے وہ انبیاء تھے۔ جیسے حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہ السلام اور ان دونوں سے پہلے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نبی مکلم تھے۔ یعنی ان سے اللہ نے کلام فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت آدم ؑ اور حضرت نوح ؑ کے مابین دس قرن گزرے ہیں جو سب کے سب اسلام پر تھے۔ (اس سے یہ بھی ثابت

ہوا کہ تمام انبیاء و رُسل کا دین اسلام تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مکمل ہوا۔) اِن انبیاء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی تھی۔ جس پر یہ خود بھی عمل پیرا ہوتے تھے۔ اور ان مؤمنوں کو بھی حکم فرماتے تھے جو ان کے پیرو تھے کیونکہ وہ سب ان پر ایمان رکھتے تھے، ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ایک شریعت والے اِن تمام باتوں کو مانتے ہیں کہ جن کے علماء رسُول کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور یہی حال انبیاء بنی اسرائیل کا ہے کہ وہ شریعت 'تورات' کے مطابق حکم کرتے تھے اور گو اِن میں سے کسی کی طرف ایک معین واقعہ میں خاص وحی بھی کی جاتی تھی۔ تاہم شریعت تورات میں ان کی مثال اسی عالم کی سی ہے جس کو اللہ عزوجل کسی قضیہ میں ایسے معنی سمجھا دیں جو مطابق قرآن ہوں۔ جیسے کہ اللہ عزوجل نے حضرت سلیمانؑ کو اس قضیہ کا حکم سمجھایا کہ جس میں اُنہوں نے حضرت داؤدؑ نے فیصلہ کیا تھا۔ غرض حضرت عباسؓ کے نزدیک 'نبی' وہ ہے جس کو اللہ کی طرف سے وحی آئے اور وہ مومنین ہی کو احکام الٰہی کی تعلیم دے اور جو اس دعوت کو کافروں کے لیے بھی عام کر دے وہ رسُول ہے

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نبی اور رسول میں فضائل و مناقب اور احکامِ نبوت و رسالت کے لحاظ سے فرق ہے۔ نبی صرف نبی ہے اور رسول نبی بھی ہے اور رسول بھی ہے۔ اس کے لیے مذکورہ حدیث بطورِ دلیل کافی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام میں صرف تین سو تیرہ رسول ہیں۔

**سیرتُ النبیؐ، سیرت الرسولؐ اور سوانح:-** نبی اور رسول کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم پر اُوپر بحث ہو چکی ہے۔ اس کے پیشِ نظر سیرت النبیؐ اور سیرت الرسولؐ محور و مرکز ایک ہی ذاتِ اقدس ہے۔ اس لیے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی فضیلت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور رسُول ہیں۔ جیسے کہ قرآن کا ارشاد ہے — "اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ"۔

"جو لوگ پیروی کرتے ہیں رسُول نبی اُمّی کی"۔ (سورہ الاعراف۔ رکوع ۱۸)

لہٰذا جب بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی ترکیب استعمال ہوگی ۔ اُس سے مراد آپ صلعم کی ذاتِ مبارکہ ہی ہوگی ۔ اِس ضمن میں میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ جب لفظ "سیرت" استعمال ہو اس سے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سوانح یا سیرت مراد لی جائے ۔ اس لیے کہ یہ لفظ عربی و فارسی سے اُردو تک پہنچتے پہنچتے ایک خاص مفہوم سے وابستہ ہو چکا ہے اور لغوی معنوں سے زیادہ اب اِصطلاحی معنوں میں یہ لفظ ایسے ہی استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے لفظ "نعت" اگرچہ کہ سیرت کی طرح اس کے معنے بھی توصیف و تعریف کے ہیں اور توصیف و تعریف کسی کی بھی ہو سکتی ہے ۔ مگر اب نعت کہتے ہی ہمارے ذہنوں کے پردوں پر تصوّرِ مصطفیٰؐ ہی اُبھر آتا ہے ۔ ہمارے علم میں یہ بات بھی ہے کہ "سیرت" کا لفظ عام آدمی کی سوانح کے لیے کم ہی استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے سیرت صدیقؓ سیرتِ صحابہ کرامؓ ، سیرتِ عائشہؓ ، سیرتِ اولیاؒ وغیرہ کے عنوان سے کتابیں شائع ہوئی ہیں ۔

لیکن میری یہ رائے ہے کہ اس لفظ کا اطلاق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیات مقدسہ کے لیے ہی ہو تاکہ رسول اور ماسوا رسول کی سوانح کا فرق صرف لفظ سیرت اور سوانح سے ہی ہو جائے اور سیرت کا لفظ سنتے ہی ہمارا خیال اُس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف منتقل ہو جائے ، جن کی سیرت ہم سب کے لیے نمونۂ عمل ہے ۔ اور اب صرف اس لفظ کے لیے ہی نہ ہو ، بلکہ جو بھی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات سے وابستہ ہو جائے ، محبّت و عقیدت کا یہی تقاضہ ہے کہ وہ لفظ کسی اور کے لیے استعمال نہ ہو ، ایسے کئی الفاظ ہیں جن کے برتنے میں احتیاط ضروری ہے ۔ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ لغوی مفہوم ذہن میں رکھ کر ہم اِس کا اِستعمال کرتے رہیں ۔ مثلاً رسول ، اُمی ، ہجرت وغیرہ ۔ رسول کے لغوی معنی یقیناً پیغام پہنچانے والے کے ہیں ۔ اگر ہم عام قاصد کے لیے یہ لفظ استعمال کریں تو

یہ اِس لفظ کی توہین ہوگی۔ کیونکہ یہ لفظ سابق رسول اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص ہو گیا ہے۔ اسی لیے یہ لفظ کسی اور کے لیے استعمال نہ ہو یہی حال اُمّی اور ہجرت جیسے الفاظ کا ہے۔ اسی طرح آج لفظِ سیرت نبی کریم صلعم کے حوالے سے اِتنا عام ہو گیا ہے کہ ایک عام آدمی بھی اِسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہی وابستہ کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اصطلاحی مفہوم کو اہمیت نہ دینے والے اور لغت کے مفہوم پر تکیہ کرنے والوں کو میری اِس بحث سے اعتراض ہو مگر اُنہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اہم شخصیتوں و مقامات کو ممیز کرنے کے لیے خطِ امتیاز کھینچنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بیسیوں افراد ملیں گے جن کا نام عمر تھا۔ اور ان میں ایک صحابی رسول حضرت عمرؓ بھی تھے۔ لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے 'عمر' کے املے میں فرق ہے۔ جس کا نام بھی 'عمر' تھا۔ وہ اپنے نام کا اِملا "عمرو" لکھتا تھا اور یہی عرب کا رواج ہے۔ جیسے عمرو بن العاصؓ جو کاتبِ رسول و وحی تھے۔ عمرو بن تغلبؓ، عمرو بن عبسہ اسلمیؓ جن کا شمار اہلِ صفا میں ہوتا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کے نام کا اِملا بغیر 'و' کے ہے۔ شاید یہ اس لیے بھی ہو کہ ایک عظیم صحابیٔ رسول اور دوسرے افراد کے ناموں میں (جس میں اس نام کے کفّار بھی شامل ہیں) فرق پیدا ہو جائے اور اسی طرح لفظ "مدینہ" یہ لفظ عربی میں عام طور پر شہر کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو یہ لفظ شہر کے معنوں میں بھی (جیسے مدینۃ النبیؐ) اور شہر کے نام کے معنوں میں استعمال ہوا۔ اور آج عموماً برصغیر میں یہ لفظ شہر کے نام سے موسوم ہے ورنہ ہجرت سے پہلے اس شہر کا نام "یثرب" تھا۔ اس سلسلے میں مغربی مستشرق ولیم میور کی کتاب کا بھی حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ اُس نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں "محمدؐ" کا اِملا (انگریزی میں) یوں لکھا ہے 'MAHOMET' جبکہ انگریزی

میں 'د' کے تلفظ کی ادائیگی کے لیے 'D' موجود ہے لیکن اس نے 'D' کی جگہ 'T' استعمال کیا ہے۔ ہو سکتا ہے ولیم میور کے ذہن میں بھی یہ بات رہی ہو کہ دنیا میں لاکھوں اور کروڑوں افراد کے نام "محمّد" ہیں۔ اسی لیے یہ ممکن ہے ولیم میور نے نبی کے نام کے لیے الگ املا استعمال کیا ہو تاکہ اس املے سے قاری کا ذہن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ مبارکہ کی طرف مبذول ہو اگر لفظ سیرت کو بھی نبی کریم صلعم کی ذات کے لیے مختص کیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر دور میں الفاظ کے مفہوم میں تبدیلی آتی ہے اور معنی کی تبدیلی کا یہ عمل ہر زندہ زبان میں ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ "غزل" کا مفہوم کچھ اور تھا (آج بھی وہی مفہوم لغت میں درج ہے) لیکن اس کا اصطلاحی مفہوم آج کچھ اور ہی ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جہاں کہیں بھی اس مقالہ میں سیرت کا لفظ آئے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت ہی مراد لی جائے۔ اس لیے میں نے سیرت اور سوانح کے فرق کو واضح کرنے کے لیے یہ ذیلی عنوان اس باب میں شامل کیا ہے۔ کیونکہ سیرت النبیؐ، سیرت الرسولؐ اور سوانح میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یعنی ایک نبی کی سیرت ہے دوسرے غیر نبی کی سوانح، ظاہر ہے کہ نبی معصوم اور بے عیب ہوتا ہے اور سوانح کا ہیرو چونکہ ایک عام انسان ہے اس لیے خطا و گناہ سے مبرّا نہیں۔ سیرت میں نبی کی زندگی کا ہر گوشہ ضبط تحریر میں آتا ہے۔ اس لیے کہ وہ (نبی) ہر عیب سے پاک ہے۔ جبکہ سوانح میں صرف ایسے کارناموں کا ہی ذکر ہوتا ہے جو ہیرو کے شایانِ شان ہوتے ہیں۔ اس کی کمزوریوں کی طرف مطلق سوانح نگار اشارہ نہیں کرتا، اگرچہ یہ بات فنِ سوانح نگاری کے منافی ہے۔ چونکہ سوانح نگار کو اپنے ہیرو سے عقیدت و ہمدردی ہے۔ اس لیے وہ ایسے واقعات سے پرہیز کرتا ہے جو اس کی شخصیت کو مجروح کرتے ہوں۔

سوانح میں جو مواد پیش کیا جاتا ہے۔ اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا، اس

لیے کہ سوانح کے موضوعات کا ماخذ غیر مستند ہوتا ہے۔ اس کا بیشتر دارومدار سنی سنائی باتوں، سینہ بسینہ چلی آرہی روایتوں اور قیاس آرائیوں پر ہے جبکہ "سیرت" کا ماخذ مستند ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور قدرے تفصیل سے ایک علاحدہ باب میں آئے گا۔ بہرکیف سوانح کا ماخذ غیر مستند اور سیرت کا ماخذ مستند ہے۔

**جامعیت :-** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں کے لحاظ سے کوئی شخصی سیرت نہیں ایک عالم گیر اور بین الاقوامی سیرت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک ایسا مکمل دستورِ حیات ہے جو ایک فرقے، ایک قوم، ایک خطے یا ایک ملک کے لیے نہیں بلکہ تمام فرقوں اور اقوام اور جہانوں کے لیے ہے اسی لیے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ "

ترجمہ: تمہارے رسول اللہ میں بہت اچھا نمونہ ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سے ایک کامیاب زندگی بسر کرنے کے لیے اس عظیم رسول کی سیرتِ مقدسہ اقوام عالم کے پیشِ نظر رہی اور آج بھی یہی سیرت مبارکہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اگر ہم سچے دِل سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے خویش و اقارب نہایت دین دار اور خدا پرست ہوں جن میں بے راہ روی، بداعتقادی اور اصول و نظریات سے آزادی نہ ہو، اُن کی نگاہ خدا پر ہو اور اُسی پر بھروسہ اور اعتماد رکھتے ہوں، جن کے حالات و معاملاتِ زندگی میں دیانت، صداقت، عدل و انصاف، راست گوئی و راست بازی ہو، شخصی مفاد کے بجائے قومی و اجتماعی مفاد کو ترجیح دیں، وہ ایک طرف مساجد و مدارس کی زینت بنیں اور دوسری طرف درباروں اور بازاروں کا نظم و ضبط بھی ان ہی کے ہاتھ فروغ پائے، اُن کی خلوت گاہیں یادِ الٰہی سے خالی نہ ہوں اور

نہ اُن کی خلوتیں ایسی ہوں جسے دیکھ کر انسان کو رشک آئے۔ ایسی زندگی گذارنے کے لیے ایک نمونہ جامع سیرت کی ضرورت ہے اس کی پیروی کرکے ہم اپنی نشست و برخاست رفتار و گفتار، سیرت و اطوار اخلاق و عادات، افکار و خیالات اور عبادت و معاملات کو بہتر بنا سکیں۔ اسی لیے رب تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ تاکہ رہتی دنیا تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی بندوں کے روبرو رہے اور وہ اس پر عمل کرکے اپنی زندگی کے شب و روز بسر کر سکیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی داعیانِ حق تشریف لائے ان کی زندگی اور ان کی پیروی کی ایک مدت مقرر تھی۔ نیز یہ کہ ان کی حیات صرف کسی ایک خطہ و قوم کے لیے نمونہ تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کی زندگیاں ارتقاء کی منزلیں طے کر رہی تھیں اور اُن میں ابھی اکملیت پیدا نہیں ہوئی تھی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو ہر طرح مکمل ہونا تھا۔ اس لیے کہ آپ صلعم خاتم النبیینؐ ہیں۔ خُدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اپنے دین کو مکمل کر دیا۔ اور قیامت تک کے لیے ان کی سیرت تمام بنی نوعِ انسان کے لیے نمونۂ عمل بنا دیا اور فرمایا۔

"والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک"

(ق - ۲ - ۴)

ترجمہ: اور وہ جو ایمان لاتے ہیں۔ اس پر جو اُتارا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اُتارا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے"

اس آیت کی تفسیر میں "مفسر پیر کرم شاہ" نے ضیاء القرآن میں ایک عمدہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اس آیت میں آئندہ کی وحی کا ذکر نہیں ہے۔ اگر نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی نازل ہوتی اور اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا، سورۃ البقرہ کی اس آیت میں اشارہ ہے قرآن کے اور ایک اعلان کی طرف کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم النبیین ہیں اور ان کی شریعت بھی خاتم الشرائع

ہے تو ہم ان کی جامعیت اور اکملیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، حدیث میں بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوّت کے حوالے سے ارشاد فرمایا کہ میں بنوّت کی عمارت میں آخری اینٹ ہوں۔ جس سے عمارتِ نبوّت و رسالت کی تکمیل ہوگی۔ پس اس جامع سیرت میں معاملات دینی و دنیوی کی کامل تصویر ملتی ہے اور زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو جامعیت و اکملیت سے خالی ہو، انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، گھریلو زندگی ہو یا بیرونِ خانہ زندگی، احباب کے ساتھ معاملات ہوں یا کفار کے ساتھ، مسجد ہو یا میدانِ جنگ، عدل و انصاف ہو یا صلہ رحمی اور حکمرانی ہو یا درویشی ہر جگہ اور ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ جامع و اکمل نظر آتی ہے اس لیے پورے دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس جامع سیرت کی پیروی کے بغیر دین و دنیا کی کامیابی و کامرانی حاصل نہیں ہو سکتی، یہی وہ سیرت ہے جس پر عمل کر کے اُس دور کی مضطرب دُنیا کو امن و چین ملا تھا، اور صرف اسی سیرت کو اپنا کر آج کی مایوسی و برائیوں کی دلدل میں پھنسی دُنیا سرخروی حاصل کر سکتی ہے۔

ساری کائنات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اللہ تعالیٰ کا ایک احسانِ عظیم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض و مشاغل خود اس پر دلیل کا کام دیتے ہیں جیسے آلِ عمران، ع (۸) میں ہے کہ ۔۔۔۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۱۶۴

ترجمہ: "اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان کے درمیان ایک رسول بھیجا انہیں میں سے جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے۔ کتاب اور حکمت کی اور گو وہ اس سے قبل صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔"

مذکورہ بالا آیت سے جہاں ایک طرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ و مرتبہ عنداللہ معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو اپنے احسان سے تعبیر کیا

ہے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزانہ مشاغل پر اس سے روشنی پڑ گئی اور یہ معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت تک نہ صرف قرآن مجید پہنچاتے تھے بلکہ اس کی تعلیم بھی دیتے، شرح بھی کرتے اور تزکیۂ نفس کے کام میں بھی لگے رہتے یعنی آپ صلعم اِصلاحِ باطنی و اِصلاحِ ظاہری دونوں فرماتے۔ ایک جگہ ارشادِ باری ہے ــــ

"مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہ"

ترجمہ: "نہیں بھیجا ہم نے کسی رسول کو مگر اس لیے کہ اس کی فرمانبرداری کی جارہی ہے اُس کی سیرت اکمل و جامع ہو"۔

"فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ......."

ترجمہ: "پس چاہیے کہ جو پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ ڈریں اِس بات سے کہ کسی آزمائش اور فتنہ میں نہ وہ مبتلا ہو جائیں یا اِن کو دکھ بھرا عذاب پکڑے"

ان آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ پیغمبر کی زندگی کے مثبت و منفی ایجابی و سلبی غرض ہر پہلو میں بنی نوعِ انسان کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً ایک نمونہ ہے۔ اور ایک جگہ اسی قبیل کی آیت کریمہ ہے ــــ

"وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ"

ترجمہ: "اور (اے نبی ؐ) ہم نے آپ صلعم کو سب لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ لیکن اکثر آدمی اس بات کو نہیں جانتے"۔

جب خُدا کا ہی ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری انسانیت کے لیے تا قیامت ایک کامل و جامع نمونہ ہیں تو یہاں اس کے خِلاف پیدا ہونے والی تمام حجتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

**اہمیت وافادیت :** قرآن اور حدیث کا بے تعصبی اور انصاف پسندی سے مطالعہ کرنے والے اس بات پر متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ، بے نفس اور جامع اخلاقی زندگی بے شک اسی قابل ہے کہ بلا تفریق مذہب و ملت ساری نوعِ انسان کے سامنے بطور نمونہ و مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کا بار بار مطالعہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے نہایت ضروری ہے بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمارے لیے سیرت کے مطالعہ کی ضرورت و اہمیت اس لیے بھی ہے کہ قرآنِ مجید میں رب قدیر کا یہی حکم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں اور آپ صلعم کے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی کے لیے نمونۂ عمل قرار دے کر اپنے آپ کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں اور اس طرح ساری زندگی بسر ہو۔ "رسول رحمت" کے دیباچے میں مرتب نے شیخ عماد الدین واسطی اور ابن تیمیہ کے دمشق میں ملاقات کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں

شیخ عماد الدین نے امام ابن تیمیہ سے دمشق میں ملاقات کی تو انھوں نے شیخ امام عماد الدین کو وصیت فرمائی کہ ساری چیزیں چھوڑ کر صرف سیرۃ نبویہ صلعم کے مطالعہ اور تدبر و فکر کو اپنے اوپر لازم ٹھہراؤ۔ یقین اور ایمان کی تمام بیماریوں کے لیے نسخۂ شفا ہے[1]

اسی طرح امام ابن تیمیہ نے بتلا دیا کہ علم و بصیرت کا اصل سرچشمہ حیاتِ نبوت صلعم اور منہاجِ مقامِ رسالت ہے، جسے قرآن حکیم نے "الحکمۃ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

"وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" (سورۃ بقرہ 269)

ترجمہ: "جسے حکمت مل گئی تو یقین کرو اس نے بڑی ہی بھلائی پائی"

کیونکہ دنیا میں حکمت صادقہ کا اس حکمت سے الگ کوئی وجود نہیں۔ حکمت، یا

---

[1] ابو الکلام آزاد / مرتب غلام مہر رسول۔ رسول رحمت، صفحہ 3، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی 1986ء

تو خود منہاج و منّت ہے یا علم و عمل کی ہر بات جو اسی سے ماخوذ اور صرف اسی پر مبنی ہو، یہی 'خیرِ کثیر'، منبع جمیع خیرات و برکاتِ ارض و قوع ہے اور صرف اسی نسخۂ شفا سے دل و روح کی ساری بیماریاں دور ہو سکتی ہیں۔ خواہ شکوک و ارتیابات کی بیماری ہو، خواہ اوہام و افکار کی، خواہ ادعائے ادریت کا ہیجان ہو، خواہ حیران و سرگردانی لاادریت کا خمار۔ جسمانی امراض سے نجات تو ڈاکٹر و طبیب کی دواؤں سے مل سکتی ہے مگر دل و روح کی بیماریوں کا علاج صرف اور صرف مطالعہ سیرت اور اتباع رسول میں ہے اس بات میں قطعی شبہ نہیں کہ جب تک دُنیا باقی ہے نوعِ انسان کی امراضِ قلوب و ارواح کے لیے قرآن اور صاحبِ قرآن کی سیرت و حیاتِ مقدسہ کے مطالعہ سے بڑھ کر کوئی قیمتی علاج نہیں۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک گوشہ رہتی دُنیا تک پیدا ہونے والے انسانوں (مردوں اور عورتوں) کے لیے اسوۂ حسنہ بنا دیا گیا اور یہی انسانیت کی فلاح و بہبودی کا واحد ذریعہ ہے

انسانی زندگی تو مختلف اور متنوع فرائض و واجبات کا مجموعہ ہے اور انہی کی تکمیل سے زندگی کا کمال وابستہ ہے۔ ایک شخص پر کچھ فرائض اپنی ذات کی طرف سے عائد ہوتے ہیں کچھ کنبہ اور گھرانے کی طرف سے کچھ ہمسایوں اور اہلِ وطن کی طرف سے کچھ قوم و ملّت کی طرف سے، اور کچھ بنی نوعِ انسان کی طرف سے انہی متنوع فرائض و واجبات کی۔ اس طرح مناسب و متوازن ادائیگی کہ ایک کی وجہ سے دوسرا رخ متاثر نہ ہو اور ایک ہی انہماک ہوں تو دوسرے کی طرف سے غافل نہ ہوں۔ کامیاب و کامران زندگی کہلاتی ہے۔ کیا اس طرح کی زندگی گذارنے والی ہستیاں اس خاکدانِ گیتی میں آئی ہیں؟ تاریخِ انسانی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ دُنیا کے کسی بھی داعی کی زندگی ایسی نہیں ہے جو اس پر کھری اُترتی ہو۔ کوئی ایک بھی ایسا نمونہ نہیں ہے جسے ہم مثالی کہہ سکیں۔ اور کوئی بھی رہبر و ہادی ایسا نہیں ہے کہ دُنیا اپنی ہدایت کے لیے اس کے آگے جھک سکے۔ وہ صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذاتِ مقدسہ ہے جس پر آنکھوں سے دیکھنے والوں کی طرح ہمیشہ یقین کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس ذاتِ طیبہ کو کبھی یقینِ اوّل اور مورد صحیح اور عقلِ اوّل قرار دیا گیا تو کبھی انسان کامل روح اعظم اور نفس واحدہ قلم الاعلیٰ، نور الانوار اور نفسِ الکائنہ سے بھی تعبیر کیا گیا کہ بلحاظِ بقائے ذکر دوام فیضان و حیات وہی ایک انسانِ کامل، روح الاعظم اور النفسِ واحدہ والکائنہ ہے۔

اِس سلسلے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے اِس کی کتنی اچھی مثال دی ہے کہ "کپڑے سلوانے والا، درزی سے مثلاً قمیص سلوانا چاہتا ہے۔ نمونہ کے لیے تمام قمیصوں میں جو بہتر قمیص ہوتی ہے اِس کو درزی کے حوالے کر کے ہدایت کرتا ہے کہ بس اسی نمونہ پر ساری قمیصوں کو تراش کر کے سی دو"۔ اب اگر فرض کیجیے کہ نمونہ ہی کی اِس قمیص میں کوئی سُقم یا خرابی ہوگی تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ ساری قمیصیں جو اس نمونہ پر تراشی جائیں گی خراب ہو کر رہ جائیں گی۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم کو خُدا نے بندوں کے لیے نمونہ و مثال بنا کر مبعوث فرمایا اور بندوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی زندگیوں کو اسی نمونہ پر ڈھالتے چلے جائیں۔ جو جس قدر اس نمونے سے قریب ہوگا خُدا کے نزدیک وہی سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ قرار پائے گا۔ اسی لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت و عقیدت رکھنے والے ممکنہ حد تک، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کے مطابق جینے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔

اور بعض ائمہ و علماء اِس پر سختی سے عمل کرتے تھے کہ ایسا کوئی فعل اُن سے سرزد نہ ہو جس کے بارے میں مستند روایتوں سے تصدیق نہ ہوئی ہو۔ یہاں حضرت بایزید بسطامیؒ کا مشہور واقعہ نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آپ نے عمر بھر خربوزہ صرف اس لیے نہیں کھایا کہ موصوف کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ اس پھل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کس طرح کھایا کرتے تھے۔

بہر حال یہ بات مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہر حال میں اسوۂ اور نمونہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قول و فعل ذاتی فکر و نظر یا خواہش کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ سب وحی الٰہی ہے۔ خواہ وہ خوشی کی حالت میں بات کہی گئی ہو یا غصّہ کے عالم میں۔ سچ پوچھئے تو اس قرآنی نص کی بنیاد پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زندگی کا ہر پہلو مسلمانوں کی دینی زندگی کے لیے روشنی کا مینار ہے۔ اِسی لیے قرآن میں بار بار ایسی آیتوں کا اعادہ کیا گیا ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی اتباع کرنے کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ سورہ النّساء میں ہے۔

"فلا و ربك لا یؤمنون حتیٰ"

ترجمہ: پس کچھ بھی نہیں تیرے رب کی قسم ہے وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تجھے (اے پیغمبر) ان تمام باتوں میں حکم اور فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں۔ جو ان کے باہمی جھگڑوں میں پیدا ہوئی ہیں۔ پھر اپنے اندر کسی قسم کی تنگی اس فیصلے کے متعلق نہ پائیں جو تم نے کر دیا ہو اور کلیتہً اس فیصلے کے آگے جھک جائیں۔

دُنیا میں جس قدر بھی ہدایت کی روشنی پھیلی ہے اُس میں کہیں نہ کہیں تغیر و تبدل ہوا ہے حتیٰ کہ آج کوئی بھی محفوظ نہیں۔ اور جو کچھ محفوظ ہے اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مقامِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظیت کہ آپ صلعم کی سیرتِ طیبہ اور حیاتِ مقدسہ و قائمہ کی لوحِ محفوظ کا ایک نقطہ بھی محو نہ ہو سکا اور قرآن محفوظ میں اِس کا ایک ایک حرف ایک ایک لفظ اِسی طرح نقش و ثبت ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جس طرح قلمِ ازل نے اوّل یقین کی کرنوں سے لکھ دیا تھا۔ پس قرآن کے بعد اگر کوئی ذاتِ گرامی لوحِ محفوظ ہو سکتی ہے تو وہ صرف وہی روحِ اعظم و خالد ہے جس کے ذکر کو خود قرآن نے اپنی آغوشِ حفظ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

"ولا تنقضی عجائبہ ولا یخلق عن کثرۃ الرد"

ترجمہ: اِس قرآن کے عجائبات (علوم و معارف) کبھی ختم ہونے والے نہیں اور یہ بار بار کی تکرار سے کبھی بھی پرانا نہیں ہوگا کہ اس سے دل اُکتا جائے۔

اِس سے یہ صاف نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سیرت کے عجائبات بھی کبھی منقضی ہونے والے نہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ قرآن میں یہ لامحدود عجائبات علمی صورت میں اور ذات بابرکات نبویؐ کی سیرت میں یہی عجائبات عملی صورت میں ہیں۔ گویا ایک علمی قرآن ہے جو اوراق اور مؤمنوں کے دِلوں میں محفوظ ہے اور ایک عملی قرآن یعنی سیرت مبارکہ ہے جو ذاتِ رسول صلعم میں محفوظ ہے اور دونوں آپس میں ایک دوسرے کے من وعن منطبق ہیں گویا قرآن کا کہا ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا اور آپ صلعم کا کیا ہوا قرآن کا کہا ہوا ہے۔ اس لیے قرآنِ حکیم کی یہ ہزاروں آیتیں درحقیقت سیرتِ مقدسہ کے تعارفی ابواب میں ہیں اور ادھر سیرت کے یہ ہزاروں گوشے قرآن کے عملی پہلو ہیں۔

پس قرآن میں جو چیز قال ہے وہی ذاتِ احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں حال ہے۔

ایسی جامع اور مکمل سیرت کی اہمیت و ضرورت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اِسلام اور بانیٔ اِسلام کی مخالفت کرنے والے بھی آج ہم نوا بن گئے۔

## دوسرا باب

# سیرت نگاری کے بُنیادی اُصول اور موضوعات

# سیرت نگاری کے بنیادی اصول و موضوعات

اس باب میں دو عنوانات قائم کیے گئے ہیں، پہلے عنوان کے تحت سیرت نگاری کے بنیادی اصول یعنی فنی لوازم پر بحث ہوگی اور دوسرے عنوان کے تحت سیرت کی کتابوں میں زیرِ بحث موضوعات کا جائزہ لیا جائے گا۔

## سیرت نگاری کے بنیادی اصول

مروّجہ اصنافِ ادب میں فنِ سیرت نگاری (یہاں سیرت نگاری کو سیرت النبیؐ تصوّر کیا جائے) کی کوئی الگ شناخت نہیں ہوئی ہے، بلکہ اسکو سوانح نگاری ہی کی ایک شاخ سمجھا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں سوانح نگاری کے جتنے مضامین اور کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں مصنّفین نے سیرت النبیؐ کو بھی شمار کیا ہے اور سیرت کو عام سوانح عمریوں کے دائرے سے الگ نہیں رکھا۔ بلکہ یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید، حیاتِ سعدی، الفاروق اور المامون کے زمرے میں ہی خطباتِ احمدیہ، سیرت النبیؐ اور ہادیٔ اسلام وغیرہ کو بھی شامل کر دیا۔

راقم الحروف کی یہ رائے ہے کہ سیرت نگاری اور سوانح نگاری کو دو الگ اصناف تصور کیا جائے، اسلئے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ اور دوسرے اشخاص (بشمولِ صحابہ وائمہ دین) کی سیرتوں میں نمایاں فرق ہے۔ ایک طرف امام الانبیاءؑ ہیں تو دوسری طرف آپ صلعم کے نامور امتی اور دیگر معروف اشخاص، نیز یہ کہ قرآنِ کریم نے جس رسولؐ کا ذکر بار بار کیا ہے ان کی

سیرتِ مبارکہ دیگر لوگوں کی سوانح کے ہم پلّے کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ ضروری ہے کہ سیرتی ادب کے وافر ذخیرے کو دیکھتے ہوئے سیرت کو سوانح سے الگ کر کے اسے ایک فن کی حیثیت دی جائے اور جب بھی لفظ سیرت تحریر یا تقریر میں آئے تو ہمارا خیال فوراً جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا جائے۔ اسی طرح جن القاب و صفات کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو جائے وہ القاب و صفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیلئے مخصوص ہوں کسی اور کے لئے استعمال نہ کئے جائیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو "اُمّی" کہہ کر پکارا ہے۔ یہ صفت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو گئی۔ اگر ہم لغوی معنی کے تحت غیر نبی کیلئے استعمال کریں گے تو یہ سراسر بے ادبی ہو گی۔ اس لئے کہ نبی کا اُمّی ہونا اور بات ہے اور کسی غیر نبی کا اُمّی ہونا اور بات، ہو سکتا ہے اس رائے سے اسی طرح اختلاف کیا جائے جس طرح ابتداء میں لفظ 'نعت' سے کیا جاتا رہا تھا، عام طور پر لفظ نعت وصف کے مفہوم میں مستعمل رہا ہے۔ جب ہم کسی چیز کے وصف میں مبالغہ سے کام لیں تو اس وقت بھی نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور وہ وصف میں جو بیان ہو اسے بھی نعت ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے، ڈاکٹر ریاض مجید نے اس ضمن میں اپنی سیّدہ کا قول نقل کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں " ہر عمدہ اور جیّد چیز کو جس کے اظہار میں مبالغہ سے کام لیا جائے نعت کہتے ہیں "[1]

اسی لئے جو چیز خوب ہو اسکے متعلق کہا جاتا ہے "ھٰذا نعتٌ" یہاں تک کہ گھوڑے کے وصف کیلئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جو بہت ہی خوبصورت اور دوڑ میں سبقت لے جانے والا ہو، بقول ابن الاعرابی 'نعت' کا لفظ اُس انسان کیلئے بھی استعمال ہوگا جو نہایت خوبرو اور حسن و جمال سے اتصاف پذیر ہو[2]

---

۱۔ محمد طفیل (مرتب) نقوش رسول نمبر ج ۱۰ ص ۱۱ ادارۂ فروغ اردو لاہور 1984

۲۔ ... ایضاً ..... مقالہ ڈاکٹر ریاض مجید عنوان 'نعت' (لغوی مفہوم)

مذکورہ بالا بحث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ لفظ نعت کسی کی بھی تعریف بیان کرنے اور اسکے اوصاف و خوبیوں کے ذکر کیلئے ابتداء ہی سے استعمال ہوتا رہا ہے مگر جب ہم نعت کے اصطلاحی مفہوم کی تلاش میں سیرت کی کتابوں سے رجوع کرتے ہیں تو ہمیں چند سیرتوں میں یہ لفظ واضح طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں نظر آتا ہے، مؤلفین لغات نے لغوی کیساتھ اصطلاحی معنٰی بھی لکھا ہے یعنی مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم (تمام لغات کے جدید ایڈیشن میں یہ اضافہ کیا گیا ہے) فارسی و اردو میں نعت کا لفظ مطلق وصف اور ثنائے رسول اللہ علیہ وسلم دونوں معانی میں آیا ہے۔ لیکن اس لفظ کا اکثر استعمال بہ معنی ستائش و ثنائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا ہے۔ نوراللغات کے مرتب نے لکھا ہے کہ یہ لفظ بہ معنی مطلق وصف ہے، لیکن اسکا استعمال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ستائش و ثناء کیلئے مخصوص ہے۔ اردو شعروادب میں مطلق وصف کے معنی میں اس کا استعمال قریب قریب ناپید ہے، اسکی سب سے بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو شعروادب کے آغاز تک یہ لفظ وصف مطلق کی عمومیت سے نکل کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثناء کیلئے مخصوص ہو چکا تھا اور ایک مخصوص ادبی و شعری اصطلاح کے طور پر رائج ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے جدید لغات میں اسکے اصطلاحی معنی ہی درج ہیں۔ اسی طرح اور بھی الفاظ و القاب ہیں جیسے رسول، ہجرت صحابہ، مہاجر، انصار اور مدینہ وغیرہ۔ لہٰذا جن اشیاء، مقامات یا واقعات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نسبت ہو وہ آپ صلعم کیلئے مختص کردئے جاسکیں۔

"سیرت" بھی اسی قبیل کا لفظ ہے، جس پہ پہلے باب میں قدرے تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ دوسروں کی سوانح اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت

کے فرق کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ لفظ سیرت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کیلئے مخصوص کیا جائے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی لفظ سیرت اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو ہمارا ذہن لاشعوری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب ہم یہ اعلان سنتے ہیں کہ فلاں مولوی صاحب قبلہ سیرت پر بصیرت افروز تقریر فرمائیں گے تو ہمارے خیال میں نبی کریم ہی کی سیرت ہوتی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اس رائے سے ابتداء میں اختلاف ہو، لیکن رفتہ رفتہ لفظ سیرت بھی اپنے اصطلاحی معنوں میں قبول کر لیا جائے گا جیسے لفظ نعت تسلیم کر لیا گیا ہے۔ صورت حال یہی کہتی ہے کہ اب سیرت کا اصطلاحی مفہوم عام ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سیرت نگاری کو بھی ادب کی ایک مستقل صنف کا درجہ حاصل ہو جائے۔ سیرت نگاری کا فن، فن نعت کی طرح انتہائی نازک اور مشکل ترین فن ہے۔ اسلئے ناقدین ادب نے دوسری اصناف ادب پر جتنی آزادی سے لکھا ہے اس کا عشر عشیر بھی اس فن سے متعلق نہیں لکھا۔ اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہمارے ادباء و ناقدین اس فن سے واقفیت نہیں رکھتے بلکہ وہ فن کی نازکی سے گھبراتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ذرا سی بے احتیاطی اور ادنٰی سی غلطی کہیں انھیں مسلمانانِ عالم کی نظروں میں گرا نہ دے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت نگاری کا فن دوسری اصناف ادب کے برعکس نازک اور دشوار نظر آتا ہے۔ اس تعلق سے جن ناقدین نے لکھا ہے ان میں بیشتر مفسّرین و علماء شامل ہیں۔ بہر حال سیرت کا موضوع بہت ہی اہم اور نازک ہے اور علمائے دین نے اس موضوع پر لکھتے ہوئے جن اصولات و لوازمات کو پیش نظر رکھا ہے اسکا احاطہ کرنا ہی اس باب کا مقصود ہے۔ سیرت نگاری کا سب سے اہم اصول یہ ہے کہ سیرت کے اوّلین اور اصل ماخذ پر "سیرتِ مقدسہ" کی بنیاد ہو اور قرآن و حدیث سے اس میں

سر ہو انحراف نہ کیا گیا ہو ۔ یہ وہ بنیادی اصول ہے، جس کے گرد دیگر اصولات و لوازمات گردش کرتے ہیں ۔ اس لئے اس اصول کو فن سیرت نگاری کا محور کہنا نامناسب نہ ہوگا ۔ قرآن کریم میں سیرت مقدسہ کے جو واقعات بیان ہوئے ہیں، ان میں شک و شبہ کی قطعی کوئی گنجائش نہیں، اسلئے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ۔ مگر احادیث کے صحیح و مستند ہونے میں اکثر شبہات پیدا ہوئے ہیں، اسلئے ضروری ہے کہ روایت کی صحت کا خاص خیال رکھا جائے ۔

اس ضمن میں یہاں مولانا شبلی نعمانی کی اس بحث کے نتائج کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو انھوں نے نقدِ حدیث وکتبِ سیرت کے باب میں کی تھی ۔

۱۔ سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں کرنی چاہیئے پھر احادیث صحیحہ میں پھر عام احادیث میں ۔ اگر نہ ملے تو روایاتِ سیرت کی طرف توجہ کی جائے ۔

۲۔ کتبِ سیرت محتاج تنقیح ہیں اور ان کی روایات و اسناد کی تنقید لازم ہے ۔

۳۔ سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایۂ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں ۔ اسلئے بہ صورتِ اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی

۴۔ بہ صورتِ اختلاف روایاتِ احادیث رواۃ اربابِ فقہ و ہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہوگی ۔

۵۔ سیرت کے واقعات میں سلسلۂ علت و معلول کی تلاش ضروری ہے

۶۔ نوعیتِ واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیئے ۔

۷۔ روایات میں اصل واقعہ کس قدر ہے اور راوی کی ذاتی رائے و فہم کا کس قدر جزو شامل ہے ۔

۸۔ اسبابِ خارجی کا کس قدر اثر ہے ۔

۹۔ جو روایات عام وجودِ عقلی، مشاہدۂ عام، اصولِ مسلّمہ اور قرائنِ حال

کے خلاف ہو گی، لائق بحث نہ ہو گی۔

۱۰۔ اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق و جمع سے اسکی تسلی کر لینی چاہیئے کہ راوی سے ادائے مفہوم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے۔

۱۱۔ روایاتِ احادیث کو موضوع کی اہمیت اور قرائنِ حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیئے۔[1]

ان نتائج کا لب لباب یہ ہے کہ واقعات بغیر کسی بحث اور چھان بین کے لکھے نہ جائیں، اسکے ساتھ ہی وہ ان دینی مسلّمات و حقائق کیساتھ ہم آہنگ ہوں جن کی روشنی و رہبری کے بغیر آسمانی کتابوں، انبیاء کی سیرت معجزات و غیبی واقعات و حقائق کو صحیح طور پر سمجھنا مشکل ہے۔ اور سیرت نگار کے دل و دماغ میں ہمیشہ یہ بات محفوظ رہنی چاہیئے کہ وہ ایک محترم و معظم نبی کی سیرت لکھ رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں مبعوث کئے گئے اور جن کو ہر دم ہر لحظہ خدا کی نصرت و تائید حاصل تھی، نہ کہ کسی بڑے سیاسی لیڈر اور قومی رہنما کے حالاتِ زندگی، اس لئے واقعات کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتنی چاہیئے اور یہی سیرتِ مقدسہ کی روح ہے۔

سیرت دراصل اپنے حسن و جمال، اپنی موزونیت و لطافت اور اپنی اثر انگیزی و دل آویزی کیلئے کسی صاحبِ اقتدار کی سفارش کسی حکیم کے علم و دانش اور کسی ادیب و صاحبِ قلم کے اندازِ نگارش یا رنگینیٔ بیان کی محتاج نہیں۔ اندازِ نگارش یا رنگینیٔ بیانی کی ضرورت ایسے شخص کی سوانح کیلئے ہوتی ہے جس کی شخصیت کوتاہیوں اور خامیوں سے بھری ہوئی ہو۔ جس رسول ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں کمال ہی کمال ہو، صداقت ہی صداقت ہو۔ ایسی سیرت کیلئے یہ چیزیں اضافی ہیں۔

---

۱۔ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، سیرت النبی صلعم جلد اوّل ص 63 مکتبہ سعدیہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

لہٰذا ایک مصنف کو زیادہ سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہے حسنِ بیان، حسنِ ترتیب اور حسنِ انتخاب، پھر اسمیں عقل و جذبات دونوں کی بیک وقت اور شانہ بہ شانہ جلوہ گری اور کارفرمائی ہونی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ عالمانہ بحث اور معروضی نقد و جائزہ، جذبۂ محبت اور ذوق و شوق کی کیفیت کو سرد و افسردہ کر دے جو سیرت کے جمالِ جہاں آرا سے لطف اندوز ہونے اور اپنے دیدہ و دل کو اس سے روشناس اور منور کرنے کی ایک ناگزیر ضرورت اور اس سے صحیح طور پر کامل استفادہ اور اس کے مسائل و احکام اور واقعات کو صحیح طور پر سمجھنے اور صحیح نتائج تک پہنچنے کی لازمی شرط ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و محبت رکھے بغیر سیرت مقدسہ کو صحیح انداز میں پیش ہی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مستشرقین کی تحریریں جن کا تعلق سیرت سے ہے، تعصب کا شکار ہو گئی ہیں۔ اگر سیرت کی کوئی کتاب اس جذباتی و ایمانی عنصر سے خالی ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ چوب خشک کا ایک مصنوعی ڈھانچہ ہے۔ جس میں زندگی کی کوئی حرارت اور نمی موجود نہیں، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جذباتی و ایمانی عنصر عقلِ سلیم کے تقاضوں پر غالب نہ آ جائے جن کی اہمیت عصرِ حاضر نے خاص طور پر بڑھا دی ہے۔

سیرت نگاری کے وقت مصنف کو چاہیئے کہ اس دور کے تاریخی پس منظر کو بھی پیش نظر رکھے۔ اور اس ماحول کی پوری عکاسی کرے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور پرورش پائی نیز اپنی نبوت کا اعلان کیا تاکہ اس دور کی جاہلیت کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جائے، اسکے بغیر اس زمانے کی اخلاقی گراوٹ، انسان کی بے چینی و اضطراب، سماجی و معاشی اور سیاسی حالات کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ تخریب و فساد کے کیا کیا اسباب و عوامل اس وقت دنیا میں کار فرما تھے اور کیسی کیسی ظالمانہ حکومتیں اور تباہ کن تحریکیں

اپنا کام کر رہی تھیں ان کا بھی مختصر ہی سہی ذکر ضروری ہے۔ سیرت نگار کا کام اسوقت تک مکمل قرار نہیں دیا جائے گا جب تک کہ وہ تحقیق کیساتھ آغاز اسلام کے وقت عرب کی جہالت کا پورا نقشہ اور اسکے فساد و اضطراب، اخلاقی پستی خود فراموشی وہ خودکشی کی زندہ متحرک تصویر پوری دیانت داری کے ساتھ بے کم و کاست پیش کردے۔

سیرت نگار کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس عہد کے عقل و شعور اور تہذیب و تمدن کی جو سطح تھی اس سے بھی باخبر ہو۔ اور اس ملک کے اجتماعی اور سیاسی و دینی اور مذہبی حالات اس کے اقتصادی و سیاسی معاملات نیز حربی و عسکری طاقت کی نوعیت سے بھی واقف ہو تاکہ اس ملک کے باشندوں کے صحیح رجحانات، ان کے مزاج، ان کے ذہن و نفسیات کو اچھی طرح سمجھ سکے اور اس کو ان دشواریوں اور رکاوٹوں کا پورا اندازہ ہو سکے جو اسلام کی ترقی و ترویج کی راہ میں حائل ہو رہی تھیں۔

مکے کی تاریخ کے ساتھ ساتھ مدینے کے بھی حالات بیان کیے جائیں۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کیساتھ ہجرت فرمائی، جہاں دین اسلام کی تکمیل ہوئی۔ اسلئے اسکے پس منظر کو بھی پیش کرنا سیرت نگار کے لئے ضروری ہے۔ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ نبی کریم صلعم نے ان افراد کی کس طرح تربیت فرمائی۔ ان کو کیسے حیات نو بخشی۔ انکے مسائل کو کس طرح حل کیا، متضاد و متحارب عناصر کو کس طرح شیر و شکر کیا اور آپ صلعم نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے، روٹھے ہوئے انسانوں کو ملانے، ان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تطہیر کا فریضہ کس طرح انجام دیا۔ یہ بات صرف اُسی وقت سمجھی جا سکتی ہے، جب ہمارے سامنے اس عجیب و غریب اور پیچیدہ ماحول کی پوری تصویر ہو، جس کا سامنا رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کو کرنا پڑا۔ بہت سے واقعات اور فیصلے جو حدیث

وہ سیرت کے مطالعے میں قاری کی نظر سے گذرتے ہیں، اس وقت تک سمجھے ہی نہیں جاسکتے جب تک مدینے کی اجتماعی، اقتصادی و سیاسی حالت، وہاں کی زمین کی خاصیت، اسکے جغرافیائی حالات، وہاں کی انفرادی و علاقائی طاقتوں اور ان کے باہمی تعلقات و روابط، معاہدوں اور عہدناموں اور ہجرت سے قبل کے معاملات، قومی و ملکی دستور اور رسم و رواج کا سیرت نگار اور قاری کو علم نہ ہو۔

آج کے زمانے کے سیرت نگار کیلئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ سیرت کی ترتیب میں ان تمام مندرجہ بالا معلومات سے پوری مدد لے اور تاریخ و جغرافیہ اور تقابلی مطالعہ کے میدان میں جو جدید ترین مباحث و معلومات اب تک سامنے آئے ہیں، ان سے پورا فائدہ اٹھائے، سیرت نگار اس سے باخبر رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کچھ لکھا جارہا ہے۔ خصوصاً مستشرقین کی لکھی ہوئی سیرتیں اسکے سامنے ہوں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے گئے الزامات کا جواب دیا جاسکے اور دنیا کو بتایا جاسکے کہ متعصب نگاہوں نے نبی کریمؐ کی حیات کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی ایک ناکام کوشش کی تھی۔



سیرتِ نبویؐ دوسرے افرادِ بنی آدم کی سوانح کے مقابلے میں اپنی نزاکت و لطافت وسعت و جامعیت کے لحاظ سے سب سے ممتاز اور بلند مقام رکھتی ہے، اسلئے اسکی تصنیف میں ابہام و مفروضات قائم کرنے اور قیاس سے کام لینے کی قطعی ضرورت نہیں، اسلئے کہ سارے واقعات حقائق پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ سب سے زیادہ مکمل بھی ہے اور حسین بھی۔ اسکی بنیاد قرآن مجید کے وہ صریح و مخصوص اور تاریخ کی ناقابلِ تردید شہادتیں، آپ صلعم کا جمال،

صوری و معنوی، شمائل و خصائل، عادات و عبادات اور اخلاق و معاملات کی وہ واضح، روشن اور متعین تفصیلات و جزئیات ہیں جن سے زیادہ تصور نہیں کیا جا سکتا، سیر و شمائل کی کتابوں میں اس سلسلے میں جو کچھ پیش ہوا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ سیرت اور کمالِ نبوت کا صرف ایک ہلکا سا عکس ہے۔ یہ ضروری ہے کہ سیرت مقدسہ پر لکھی جانے والی کتابیں علمی بھی ہوں اور تربیتی و دعوتی بھی، کسی اچھی سیرت میں ان تینوں باتوں کا ہونا لازمی ہے۔ نیز اس بات کا بھی خیال رہے کہ ان میں سے کوئی ایک پہلو دوسرے پہلو پر غالب نہ آ جائے یعنی ہم آہنگی و تعاون برقرار رہے اور یہ کہ اسمیں زندگی و حرارت سے مملو اقتباس زیادہ سے زیادہ پیش ہوں، جن سے اسوۂ نبوی ﷺ کی اتباع اور پیروی کرنے کا جذبہ پڑھنے والے میں خود بخود پیدا ہو اور جن کی نظیر کسی انسان کی سوانح، کسی عظیم شخصیت کی سوانح، کسی نسل اور قوم کی تاریخ اور کسی دعوت و تحریک اور دین و مذہب کے نقشے میں نہیں ملتی اور ان تمام باتوں کو کسی رنگ آمیزی داستان طرازی اور تزئین و آرائش کے بغیر قاری کے سامنے رکھ دیا جائے، کیوں کہ جمالِ فطرت اور حسنِ حقیقت کو ظاہری رنگ و روغن اور مہکتے ہوئے پھولوں کو مصنوعی رنگ و بو کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سیرت نگار کو چاہیئے کہ وہ واقعات کی ترتیب میں بڑے سلیقہ سے کام لے اور مختلف واقعات کو اس انداز سے ترتیب دے کہ ان میں ربط و تسلسل قائم ہو۔ اور ایک ایک واقعہ قاری کے ذہن نشین ہو جائے، اور واقعات کی مختلف کڑیاں ایک دوسرے سے مربوط ہوتی چلی جائیں تاکہ قاری کی دلچسپی برقرار رہے۔ سیرت نگار کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ حفظ مراتب کا خیال رکھے۔ یعنی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو پیش نظر رکھے۔ اسلئے کہ سیرت کی کتابوں میں بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن میں سیرت نگاروں نے نبوت کے

ڈانڈے الوہیت سے ملادیے ہیں، ایسے واقعات و خیالات سے پرہیز کرنا چاہیئے جو توحید کے سراسر منافی ہیں، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے واقعات کو پیش کرے، اسلئے کہ بارگاہِ رسالت، مقامِ ادب ہے۔ جس طرح اس کا احترام ہمارے ایمان کا خاصّہ ہے، اسی طرح سیرتِ مقدسّہ کے اظہار اور پیش کش میں بھی نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کا ادب واحترام نہ صرف ضروری ہے، بلکہ لازمہ فن ہے۔

سیرت نگار کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے ادب واحترام کو ملحوظ رکھے۔ جیساکہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے کہ

لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ (الحجرات ۴۹)

"اے ایمان والو، آواز کو نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو۔"

جہاں قرآن نے ان لوگوں کو وعید سنائی ہے جو اپنی آواز کو نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند کرتے تھے۔ وہیں ان لوگوں کی مدح بھی کی ہے۔ جو آداب کی پابندی کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

"جو لوگ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا امتحان اللّٰہ نے تقویٰ میں لیا ہے۔"

اور یہی صحابہؓ کرام کا عمل تھا کہ آپ ہمیشہ بارگاہِ رسالت مآب صلعم میں بڑے ادب واحترام سے بیٹھتے تھے۔ ان کا یہ قول یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "کانّ علی رؤسنا الطیر"

"ہم حضور اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایسے بیٹھتے تھے جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔"

نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صحابہؓ کرام کا یہ طریقہ و عمل تھا۔ سیرت نگارانِ رسولؐ کو بھی چاہیئے کہ اپنی تحریروں میں ادب واحترام کو

ملحوظ رکھے۔ چنانچہ بیش تر سیرت نگار بیان میں شائستگی اور خوش سلیقگی کا وہ انداز اختیار کرتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کا مظہر ہو۔ نیز موضوع کی مناسبت سے الفاظ، تشبیہ واستعارات کے انتخاب میں بھی ایک پاکیزگی اور شائستگی کا احساس ہونا چاہیے۔ ایسے تشبیہ واستعارات سے گریز کرے جس سے سیرت کی پاکیزگی متاثر ہوتی ہو۔

سیرت نگاری کا ایک اور اہم اصول یہ ہے کہ اسمیں تخیل کی بجائے حقیقت نگاری سے کام بھی لیا جائے۔ کوئی ایسا مضمون بیان نہ ہو جو واقعیت کے خلاف اور اصلیت کے منافی ہو۔

حقائق کو پیش کرنے کیلئے اچھی زبان اور دلچسپ انداز بیان کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مولانا آزاد لکھتے ہیں۔

"نہایت مشکل اور اہم مسئلہ اسکی زبان اور طرز تحریر کا ہے۔ علی الخصوص ایک ایسے عہد نیرہ مذاقی میں، جب لوگ فن بیان و انشاء پردازی کا شوق تو پیدا کر لیتے ہیں، لیکن اسکے مواقع استعمال اور صحیح مفہوم بلاغت سے بے خبر ہیں ۔۔۔" [۱]

یعنی ارباب علم وفن کیلئے زبان اور اسلوب بیان اور ہونا چاہیے اور عام قاری کیلئے اور۔ اسکے علاوہ بچوں اور خواتین کیلئے لکھی جانے والی سیرت نبوی کی زبان اور انداز بیان بھی مختلف ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسلئے علماء نے سیرت کی قسمیں بنائی ہیں۔ اول، سیرت جو تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے ہے۔ دوم، عام لوگوں کیلئے۔ سوم، بچوں اور عورتوں کیلئے۔ تیسری قسم کی سیرت میں زبان بالکل سلیس اور آسان ہو اور انداز بیان انتہائی سادہ و دلکش ہونا چاہیے۔ کیونکہ ایسی سیرتیں بطور درس وتدریس ہی لکھی جاتی ہیں، اور ان

---

۱ ابوالکلام آزاد، مرتب غلام رسول مہر، رسول رحمت، ص 27
اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی 1986

کا مقصد اصلاح و دعوت ہی ہوتا ہے۔ اس لیے نہ تو اسلوب بیان مورخانہ و فلسفیانہ ہو اور نہ بلند و عالمانہ، بلکہ نہایت عام فہم و سلیس زبان استعمال ہونا چاہیے اور سادگی بیان سے ایک ایسی تاثیر ہی پیدا کی جائے کہ سننے اور پڑھنے والے اسکے ہر لفظ پر بے اختیار دل و جان نثار کردیں۔

اسکے علاوہ سیرت نگاری مذکورہ بالا اصولات کیساتھ سیرت نگار سے کچھ اور متفرق لوازمات کا مطالبہ کرتی ہے۔ مثلاً سیرت نگار کو سیرت مقدسہ سے پوری واقفیت ہو اور اس پر گہری نظر ہو۔ تعلیمات رسول اللہ ﷺ سے اس کا قلبی تعلق ہو۔ مقصد بعثت کے علاوہ دینی امور و مسائل پر اسکی گہری نظر ہو، اور عہد رسالت مآب کی تاریخ سے بھی کماحقہٗ بہرہ ور ہو۔

ان تمام اصولات پر کاربند رہ کر ہی ایک سیرت نگار اپنے فن سے انصاف کرسکتا ہے۔

## موضوعات سیرت نبوی

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہمہ گیر موضوع ہے۔ فنون لطیفہ میں شاید ہی کوئی صنف ہو جو اتنی جامعیت و وسعت رکھتی ہے۔ کیوں کہ ان موضوعات سے جس ذات اقدس ﷺ کا تعلق و رشتہ ہے وہ ذات طیب صرف کائنات کی نظر میں ہی معظم و محترم نہیں ہے، بلکہ بارگاہ الٰہی میں بھی عزیز و عظیم ہے۔ شخصیتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ شخصیتیں جس قدر باوقار و عظیم ہوتی ہیں وہ اسی قدر ہمہ جہات پہلو رکھتی ہیں اور ان کی زندگی بے شمار خانوں میں بٹ جاتی ہے اور ہر خانہ زندگی کا ایک ایک رخ پیش کرتا ہے۔

دنیا کے عظیم انسانوں کی حیات کا جب یہ حال ہے تو اندازہ کیجیے کہ انبیاء و رسولوں کی زیست باکمال کا کیا احوال ہوگا۔ پھر رسولوں کے رسول آں حضرت ﷺ

کے حال و قال کا کیا کہنا۔

جب ہم نبیوں و رسولوں کی حیاتِ مقدس کا رسولِ اعظمؐ کے اسوۂ حسنہ سے موازنہ کرتے ہیں تو بہت کچھ فرق پاتے ہیں خواہ وہ گھریلو زندگی ہو یا سماجی زندگی چاہے وہ نجی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، چاہے میدانِ کارزار میں ہو یا عبادت گاہوں میں، مختصر یہ کہ خلوت ہو کہ جلوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر گوشہ بے داغ، خوبصورت اور قابلِ تقلید نظر آتا ہے۔ اسی لئے سیرت نگارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؐ کی زندگی کے ہر گوشے کو سیرت کے موضوعات میں شامل کر لیا، اگر اسکی فہرست تیار کی جائے تو بہت ہی طویل ہو جائے گی۔

یہاں اُن اہم موضوعات کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا جن کو بیشتر سیرت نگاروں نے اپنی سیرت میں شامل کیا۔

عموماً بنی نوع انسان اور خصوصاً مسلمانوں کیلئے سیرتِ نبویؐ کا مطالعہ محض ایک علمی مشغلہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک اہم دینی ضرورت بھی ہے۔ اسلئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ"

ترجمہ: "اے ایمان والو، تمہارے لئے پیغمبر خدا کی ذاتِ گرامی میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے"۔ لہٰذا مسلمانوں کیلئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ اس بات کو دریافت کریں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسا نمونہ پیش کیا ہے جسکو قرآن مجید میں اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ معلوم کرنے کیلئے ہمیں لامحالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جو قرآن و احادیث اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے، اسلئے کہ جو لوگ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور ہمعصر تھے اور جن کو آپ صلعم سے بالمشافہ تعلیمات اسلام سیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی کہ آپ صلعم کی پوری سیرت انکے سامنے تھی لیکن جب آپ نے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی تو بعد کی نسلوں کیلئے آپ صلعم کی سیرت مقدسہ ہی شمع ہدایت کا کام دے سکتی تھی۔ اسی دینی ضرورت کے پیش نظر اہل اسلام نے اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال واقوال کو اس احتیاط وتفصیل سے محفوظ کرلیا ہے کہ بقول علامہ شبلی نعمانی ۔

" اسکی زبان کا ایک ایک حرف، اسکی حرکات وسکنات کی ایک ایک ادا اور اسکے حلیۂ وجود کے ایک ایک خط وخال کا عکس لے لیا ہے " [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت، رفتار وگفتار، مذاق طبیعت طرز معاشرت، طور خور ونوش، لباس وپوشش اور نشست وبرخاست کی ایک ایک تفصیل اس طرح قلم بند کرلی ہے کہ کسی بھی شخص کے حالات زندگی آج تک اس جامعیت اور تفصیل کے ساتھ ضبط تحریر میں نہیں آسکے، چنانچہ ہمارے لئے سیرت کا ہر پہلو اہم اور قابل مطالعہ ہوتا ہے ۔ اس ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:

" حیات مقدسہ کا کوئی فعل ایسا نہ تھا جو محبوب وممدوح نہ ہو " [2]

سیرت کے تمام پہلوؤں کو ایک ہی کتاب میں تفصیل کے ساتھ جمع کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، جب ہم سیرت کے مختلف کتابوں کو دیکھتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیرت نگاروں کی دلچسپی اور توجہ سیرت کے کسی خاص پہلو و موضوع پر ہی ہوتی ہے اور وہ اسی پہلو وموضوع کو مرکز بناکر اسی پر اپنا زور

---

۱ ۔ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، سیرت النبی صلعم جلد اول مکتبہ مدینہ لاہور ۱۴۰۶ھ

۲ ۔ غلام رسول مہر، رسول رحمت ص 26
اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی 1986

علم صرف کرتا ہے۔ مثلاً کسی سیرت نگار کیلئے سیرتِ نبوی ﷺ کا کوئی خاص سوانحی حصہ زیادہ تفصیل چاہتا ہے، کوئی مخصوص اور وقتی حالات کو ہی ضبطِ تحریر میں لاتا ہے، کوئی علم مغازی کو اہمیت دیتا ہے اور غزوہ بدر اور غزوہ احد کے واقعات کا انتخاب کرتا ہے۔ اور انکے رونما ہونے کی تفصیل بیان کر کے کوئی خاص نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ کوئی سیرت نگار فتح مکہ کے واقعے کو پیش کر کے مسلمانوں کی شاندار فتح کا ذکر کرتا ہے تو کوئی اسی واقعہ کو بیان کر کے بانی اسلام اور اسلام کی عفو و درگزر و کرم کی بات کرتا ہے۔ یعنی واقعہ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر اس کا انحصار مصنف کی دلچسپی اور اسکی نیت پر ہے کہ وہ اپنے قاری کو کیا دینا چاہتا ہے، اس میں اسکی مقصدیت کو دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔

قرآن کریم میں سیرت سے متعلق کئی موضوعات کا ذکر ہے جو اپنی اپنی نوعیت اور مناسبت کے لحاظ سے سیرت کے مختلف الانواع پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس سلسلے میں قاری محمد طیب کے ایک مقالے کا اقتباس من و عن لکھ دینا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا، جس کے مطالعے سے قرآن حکیم میں مذکورہ سیرت کے مختلف مضامین کا ایک اجمالی خاکہ مرتب ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں:

"قرآن میں ذات و صفات کی آیتیں آپ صلعم کے عقائد ہیں اور احکام کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال، تکوین کی آیتیں، آپ صلعم کا استدلال اور شرع کی آیتیں اور آپ صلعم کا حال، قصص و امثال کی آیتیں، آپ صلعم کی عبرت ہیں اور تذکیر کی آیتیں، آپ صلعم کی موعظت، خدمتِ خلق کی آیتیں، آپ صلعم کی عبدیت ہیں اور کبریائے حق کی آیتیں آپ صلعم کی نیابت، اخلاق کی آیتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ معیشت

ہیں۔ اور معاملات کی آیتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسنِ معاشرت، توجہ الی اللہ کی آیتیں، آپ صلعم کی خلوت ہیں اور تربیتِ خلق کی آیتیں، آپ صلعم کی جلوت، قہر و غلبہ کی آیتیں، آپ صلعم کا جلال اور مہر و رحمت کی آیتیں۔ آپ صلعم کا جمالِ تجلیاتِ حق کی آیتیں، آپ کا مشاہدہ ہیں۔ اور ابتغاء وجہ اللہ کی آیتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مراقبہ۔ ترکِ دنیا کی آیتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجاہدہ ہیں اور احوالِ محشر کی آیتیں، آپ صلعم کا محاسبہ ------------- اور اثباتِ حق کی آیتیں، آپ صلعم کی بقائیت انا اور انت کی آیتیں، آپ صلعم کا شہود۔ ------------- ------ نعیم جنت کی آیتیں، آپ صلعم کا شوق ہیں اور جحیم نار کی آیتیں، آپ صلعم کا وہم و غم، رحمت کی آیتیں، آپ صلعم کی رجاء ہیں اور عذاب کی آیتیں، آپ صلعم کا خوف، انعام کی آیتیں، آپ صلعم کا سکون و انس ہیں اور انتقام کی آیتیں، آپ صلعم کا حزن اور امن و ترحم کی آیتیں آپ صلعم کا حب فی اللہ، نزولِ وحی کی آیتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج ہیں اور تعلیم و تبلیغ کی آیتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول و تنفیذ او امر کی آیتیں، آپ صلعم کی خلافت ہیں اور خطاب کی آیتیں آپ صلعم کی عبادت وغیرہ ہے۔[1]

غرض قرآن کی کوئی بھی آیت اٹھا لیجئے، وہ آپ صلعم کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی شانِ رسالت و مقامِ نبوت کی تعبیر ہے اور آپ صلعم کی سیرت، اسکی عملی تفسیر، جسکی طرف عائشہ رض نے ارشاد فرمایا تھا:

اسی طرح کتب وحدیث میں اسی اسوہ قرآن کے مطابق ابواب و مضامین کی ابتداء اسلام کے پانچ بنیادی ارکان سے کی گئی ہے۔

---

1۔ محمد طیب، مقالہ، سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول/ نقوش کا رسول نمبر جلد اول ادارہ، فروغ اردو لاہور 1984ء ص 39

یعنی کتاب الایمان، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج، اس کے بعد اخلاق، معاملات، نکاح، طلاق، میراث، ہبہ، اوقات پھر وسائل معاش، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، ملازمت اور پھر ان معاملات کے نفاذ کیلئے قضاء، تعزیرات و کفارات وغیرہ اور پھر ان تمام ابواب کی حفاظت کیلئے آخر میں خلافت و امارت اور جہاد و سیاست کے ابواب لائے گئے ہیں یہ سب کے سب فصول بلاشبہ سیرت مقدسہ ہی کے ابواب ہیں۔

قرآن ہو یا حدیث ان کے مضامین کی ترتیب میں جو درحقیقت سیرت مقدسہ اور حیات نبوی کے مراتب و درجات کی ترتیب ہے، اولیت ایمان و عقائد کو پھر عبادات کو دی گئی ہے، اسکے بعد دوسرے ابواب میں دین کی تفصیل ہے۔ یہی دو سیرت مقدسہ کے بنیادی مآخذ ہیں جن کی تفصیل تیسرے باب میں آئے گی۔

سیرت کے موضوعات ہر زمانے میں یکساں نہیں رہے، بلکہ زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اسکے موضوعات میں تبدیلی آتی گئی۔ مثلاً اسلام کے ابتدائی دور میں جب کفار مکہ ہر محاذ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی بیان کرتے تھے اور ان کی یہ کوشش رہتی تھی کہ موقع ملے تو آپ صلعم کی توہین کی جائے اور آپ صلعم کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ کفار مکہ کی بے بنیاد باتوں کے جواب میں صحابۂ کرام رضی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب و نسب اور کردار و صفات کی توصیف و ستائش بیان کرتے تھے۔ نیز آپ کی سیرت مقدسہ کی صفت و ثنا، جمال ظاہری، شجاعت، سخاوت، دیانت و امانت، صداقت و عدالت اور آپ صلعم کے خلق و ہدایت کے بیان کو اولیت دیتے تھے۔ اسی قبیل کے موضوعات اس دور کی سیرت میں شامل ہیں۔ سیرت ابن اسحٰق، سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد میں مذکورہ بالا موضوعات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ خاص کر سلسلہ نسب پاک پر تفصیلی گفتگو ملتی ہے۔ اسکے

بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا تذکرہ ہر سیرت نگار کرتا ہے۔

اس دور کے اور موضوعات حسب ذیل ہیں:

نبوت کا اعلان؛ دعوت اسلام، علانیہ تبلیغ کا آغاز، قریش کی ایذا رسانیاں، چند معتدد اشخاص کا اسلام قبول کرنا۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ کا اسلام لانا، ہجرت حبشہ (اہل اسلام کی پہلی ہجرت) شعب بن ابی طالب میں محصوری وغیرہ۔ اسکے علاوہ اسریٰ کا واقعہ اور معراج کا تذکرہ، ہجرت مدینہ، اور غزوات کے موضوعات پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

اردو وفارسی سیرت نگاری کے ابتدائی دور میں بھی کم و بیش یہی موضوعات زیر بحث آئے ہیں، جن میں زیادہ زور آپ صلعم کی فضیلت و مرتبہ دکھانے پر دیا ہے۔ اور اسکی ابتداء "نور محمدیؐ" کے ذکر سے کی گئی ہے۔ نیز یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اللہ کی پہلی تخلیق ہے۔ اسکے علاوہ کتب سماوی میں آپ صلعم کی تشریف آوری کی بشارت، آپ صلعم کا خاتم النبیین ہونا اور رحمۃ للعالمین ہونا، سیرت کے اہم موضوعات ہیں۔

اس دور کی سیرت نگاری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں بیشتر سیرتیں اسلئے لکھی گئیں کہ مستشرقین نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اعتراضات کئے تھے اور جو غلط فہمیاں ان کی وجہ سے پھیل رہی تھیں ان کا سدباب کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سر سید احمد خان نے سر ولیم میور کی کتاب "دی لائف آف محمدؐ" کے اعتراضات کے جواب میں "خطبات احمدیہ" لکھی اور سر سید احمد کے ہمراہ دوسرے مصنفوں جیسے قاضی سلیمان منصور پوری وغیرہ نے بھی نبی کریمؐ پر لگائے گئے الزامات کا جواب دینے کیلئے سیرت کی کتابیں مرتب

گیں۔ اس دور کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کئی مصنفوں نے سیرت مقدسہ کے ایک ایک پہلو کو ہی اپنی اپنی سیرت کا موضوع بنایا۔ جیسے معروف سیرت نگار حضرت عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی نے "الخصائص الکبریٰ" لکھی جو معجزات خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مبسوط و مدلل اور بے نظیر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح معراج نامہ، معراج النبیؐ علیم خیر الانام، حضورؐ کے جنگی معرکے اور حضورِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی وغیرہ تصانیف وجود میں آئیں۔

بیسویں صدی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، حیات، غزوات اور معجزات کے ساتھ سیرت میں دوسرے موضوعات بھی شامل ہونے لگے۔ جیسے آپ صلعم کی صفات، تعلیمات اور بنی نوعِ انسان پر آپ صلعم کے احسانات وغیرہ۔ آپ کی صفات کے باب میں آپ کو امانت، صداقت، دیانت، عدالت، شجاعت نجابت، سخاوت، شرافت، اخوت و محبت، جود وسخا، فضل و عطا، علم و حلم جیسے اعلیٰ اوصاف اور اخلاق حمیدہ کا ذکر ہونے لگا۔

تعلیمات میں آپ صلعم کے ارشادات، خطبات، فرمودات کو سیرت میں پیش کیا جانے لگا اور احسانات نبویؐ میں دینِ اسلام، قرآن کریم، آپ کے منشور اور اسوہ شریف جیسے عطیات کے ساتھ آپ صلعم کی رحمت و شفاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفقت کا بھی ذکر کیا جانے لگا جو آپ صلعم کو اپنے اُمتیوں سے ہے۔ علاوہ ازیں آپ صلعم کی عادات، معمولات اور متعلقات کے ہر پہلو کو سیرت کا موضوع بنایا گیا، جس میں آپ صلعم کی عبادت و تفریح کے طریق، انسانی ہمدردی اور غم خواری، مہمان نوازی، دشمنوں سے حسنِ سلوک، عفو و درگزر، حسنِ معاملات و وسعتِ قلبی و عالی ظرفی ایثار و قربانی، آپ صلعم کی رفتار و گفتار، آپ صلعم کے لباس و خوراک وغیرہ کے موضوعات شامل ہیں۔

سیرت کا موضوع بلاشبہ ارتقاء پذیر اور بتدریج بڑھنے اور پھیلنے والا موضوع

ہے، جیسے جیسے زمانہ ترقی کر رہا ہے اور نئے نئے سائنسی انکشافات رونما ہو رہے ہیں اور دورِ جدید کا انسان نئے نئے مسائل سے دوچار ہو رہا ہے۔ ویسے ویسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، ان کی تعلیمات اور انسانی تہذیب و معاشرت اور تاریخ و سیاست پر ان سے بڑھتے ہوئے اثرات سے پیدا ہونے والے نت نئے گوشے سیرت کا موضوع بن رہے ہیں، جدید طرزِ احساس رکھنے والے سیرت نگاروں کے ہاں سیرت کے مضامین میں تنوع پیدا ہوا ہے۔

جس کے نتیجے میں سیرت نگاری میں نئے رجحانات پیدا ہو رہے ہیں، مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے ان پہلوؤں پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے، جن کے پڑھنے اور سننے سے انسان کے دل میں عمل کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جدید دور میں حیاتِ مقدسہ سے وہ مضامین کم ہوتے جا رہے ہیں، جن کا تعلق معجزات و غزوات سے ہے، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ سیرت نگار معجزات کے منکر ہیں، بلکہ وہ نبیؐ کو بشری تقاضوں کے پیشِ نظر دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں، وہ اس لئے کہ جب کوئی غیر مسلم یا متعصب مستشرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پڑھے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال و جمالِ حیات سے انکار نہ کر سکے اور سیرت کے مطالعے سے اسکی زندگی میں تبدیلی آئے اور وہ راہِ راست پر آ جائے۔

جدید دور کی سیرت میں ایسے مضامین کو کافی اہمیت دی جا رہی ہے جن کو پیش رو سیرت نگاروں نے نظر انداز کر دیا تھا، اب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کو مذہب کے حوالے سے ہی پیش کیا گیا کہ آپ صلعم بانی اسلام ہیں، پیشوائے دین ہیں، اللہ کے رسول صلعم ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سپہ سالار، ایک عادل اور ایک حاکم سلطنت کی حیثیت سے آج کا سیرت نگار پیش کرتا ہے تاکہ اس دنیا کے فوجی کپتان، منصف اور حاکم اپنے

احوال کا جائزہ لیں۔ اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سپہ سالاری کی، عدل کیا اور حکومت کی، اس طرح وہ بھی اپنے عوام کو عدل وانصاف دیں اور ایک ایسی صاف ستھری حکومت دیں جہاں کسی کمزور کو کسی طاقت ور سے کسی غریب کو کسی مالدار سے، کسی مظلوم کو کسی ظالم سے خطرہ نہ ہو۔ اسلئے آج سیرت میں ایسے موضوعات کی کمی نہیں جن کا تعلق حکومت و سیاست سے ہے۔ ان موضوعات کو پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ سیاست کوئی گندی چیز نہیں ہے (جیسا کہ آج سیاست کا مفہوم و معنی ہے) بلکہ سیاست دین کے پیش نظر کی گئی تو اس میں عوام کی یقیناً فلاح و بہبود ہے، اسی بات کی طرف علامہ اقبال نے ایک مصرعے میں اشارہ کیا ہے۔

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حکومت و سیاست کے حوالے سے سیرت کے اہم موضوعات میں 'عہد نبوی' میں تنظیم ریاست و حکومت، عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں، عہد نبوی میں نظام عدالت، عہد نبوی اور نظام اقتصاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی وغیرہ شامل ہیں۔

دور جدید کی سیرت کا ایک خاصہ یہ بھی ہے جو کچھ سیرت کے باب میں لکھا جا رہا ہے، اسکی بنیاد تحقیق پر ہے۔ اس لئے پچھلی سیرتوں میں جو ضعیف روایات آئی ہیں ان کو تحقیق کی روشنی میں رد کر کے صحیح روایات کو پیش کرنے کی ایک مستحسن کوشش ہے۔ اسکے علاوہ سیرت سے تعلق رکھنے والے جزئیاتی پہلوؤں کی بھی تحقیق کر کے آپ صلعم کی زندگی کے ایک ایک گوشے کو پیش کرنے کی سعی جاری ہے۔ مثلاً مکاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد ائمۂ مساجد، موذنین رسولؐ، کاتبین رسولؐ، سفیران نبویؐ، افسران نبویؐ، افسران امور حج، لونڈیوں اور کنیزوں کی تعداد اور شہدائے غزوات وغیرہ۔

سیرت نگاروں کی طرز نگارش اس دور میں بھی رہی ہے کہ آپ صلعم کی ولادت سے لیکر وصال کے تمام واقعات کو یکجا کرنے کیلئے (جو کہ ایک انتہائی مشکل کام ہے اور ناممکن بھی) سیرت کے مختلف واقعات کو علیحدہ علیحدہ پیش کیا ہے تاکہ واقعات کی تمام تر تفصیلات آجائیں۔ مثلاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ قبل بعثت، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ بعثت سے ہجرت تک، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ ہجرت سے وصال تک، اسکے علاوہ ایک رجحان یہ بھی عام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کیساتھ ساتھ خلفائے راشدین کی سوانح حیات کا مختصر حصہ بھی آج کی سیرت کی کتابوں میں شامل ہے، وہ اس لئے کہ جو ذات گرامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو یا آپ صلعم سے نسبت رکھتی ہو، سیرت کا موضوع بن سکتی ہے، اس بناء پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہر وہ موضوع یا مضمون جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حضور رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، سیرت یا صفات کا کوئی نہ کوئی حوالہ آجائے سیرت میں شامل ہو سکتا ہے

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیرت متنوع موضوعات اور بے مثال و بے شمار مضامین کا مجموعہ ہے۔

# تیسرا باب

# سیرتِ نبویؐ کا بُنیادی مواد

# سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی مواد

آں حضرت سرورِ کائنات کی حیاتِ پاک اور اسوۂ حسنہ کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ شاید ہی حضورؐ کی زندگی کا ایسا کوئی گوشہ ہو جس پر سیر حاصل بحث نہ کی گئی ہو۔ اللہ کے محبوب رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کا تذکرہ ایسا روح پرور اور دل کو چھو لینے والا ہے کہ مسلسل لکھنے اور بولنے کے باوجود نہ قلم کو سیری ہوتی ہے، نہ زبان کی تشنگی مٹتی ہے۔ آپ صلعم کے فضائل و شمائل کی جزئیات و تفصیلات کو جمع کرنے کیلئے اتنی توجہ اور محنت صرف کی گئی ہے کہ کسی دوسرے بڑے سے بڑے شہنشاہ، رہبر، مفکر اور داعی کیلئے آج تک نہیں ہوئی۔ یہ بات نہ صرف مسلم سیرت نگاروں اور مؤرخین اسلام نے کہی ہے، بلکہ ایک صدی پہلے انگریز سیرت نگار اسپرنگر اور مارگولیتھ دونوں نے لکھی تھی۔ اور اس عرصے میں سیرت کا وافر ذخیرہ مزید جمع ہو گیا ہے۔ لہٰذا اسکی صداقت و وقعت بڑھ گئی ہے یہاں ایک غیر مقلد کے پردۂ ذہن پر یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ جب سیرت پر اتنا لکھا گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس میں من گھڑت باتیں اور سنی سنائی روایتوں اور کذب و افترا کی بھرمار ہو گی اور اپنے رسولؐ کی عظمت وقار کا رعب ڈالنے کیلئے جھوٹی روایتیں گھڑلی گئی ہوں گی۔ یہ تمام شکوک و شبہات رفع ہوں گے اگر اس تعلق سے بحث کی جائے کہ سیرتِ نبویؐ کی ترتیب میں کن ماخذ پر انحصار کیا گیا ہے اور صحت کے اعتبار سے ان ماخذ کا وزن اور معیار کیا ہے جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے۔

سیرتِ نبوی کے اہم ماخذ: سیرت کی ترتیب میں سیرت نگاران

رسول ﷺ نے جن اہم اور قابلِ اعتماد مآخذ سے استفادہ کیا ہے، وہ درج ذیل ہیں

① قرآنِ کریم :

یہ سیرت النبی ﷺ کے فضائل و محاسن کے ضمن میں بنیادی مآخذ ہے۔ اگر روایات و دفاتر تاریخی سے قطع نظر کر لیا جائے تو صرف قرآنِ حکیم کی روشنی میں آپ ﷺ کی سیرت و حیات پر ایک مستند تصنیف مرتب ہو سکتی ہے اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور اس کلام پر کسی کو شک و شبہ نہیں۔ اس کی تصدیق قرآن نے خود فرمائی، ارشاد ہوا ہے۔

" ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ " [1]

ترجمہ: یہ اللہ کی کتاب ہے، اسمیں کوئی شک نہیں۔ [2]

اس آیت کی تفسیر میں ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ " :

" اس کا ایک سیدھا سادھا مطلب تو یہ ہے کہ بیشک یہ اللہ کی کتاب ہے، مگر ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک کی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا میں جتنی کتابیں امورِ الطبعیت اور حقائق ماوراء ادراک سے بحث کرتی ہیں، وہ سب قیاس و گمان پر مبنی ہیں۔ اس لئے خود ان کے مصنف بھی اپنے بیانات کے بارے میں شک سے پاک نہیں ہو سکتے، خواہ وہ کتنے ہی یقین کا اظہار کریں۔ لیکن یہ ایسی کتاب ہے جو سراسر علم حقیقت پر مبنی ہے، اس کا مصنف وہ ہے جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے، اسلئے فی الواقع اسمیں شک کیلئے کوئی جگہ نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ انسان اپنی نادانی کی بناء پر اس کے بیانات میں شک کریں " [3]

---

۱،۲،۳ ابوالاعلیٰ مودودی " تفہیم القرآن " جلد اوّل ص 49 مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 22 واں ایڈیشن 1982
(قرآن مجید سورہ بقرہ آیت نمبر ۲)

یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن اپنی کسی بات میں کسی غیر کا محتاج نہیں اس کے مستند ہونے کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ھے کہ آج تک اس کی ایک آیت تو کیا، آیت کے ایک حرف اور حرف کے زیر و زبر میں بھی تبدیلی نہیں آئی اور نہ ہی اس میں ترمیم و اضافہ ہوا ہے، اگرچہ کہ دنیا کی دیگر مقدس مذہبی کتب میں ترمیم و اضافہ ہوتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی حقانیت اور الفاظ قرآنی میں زیر و زبر کے فرق کے ساتھ معانی میں ظاہر ہونے والے فرق کو محسوس کرتے ہوئے سینکڑوں غیر مسلم علماء نے اسلام قبول کیا، اگر یہ اللہ کا کلام نہ ہوتا تو اسمیں ترمیم و اضافے کے امکانات انسان ضرور پیدا کر لیتا، لیکن چونکہ یہ کلام الٰہی ھے اسلئے اللہ نے اسکی حفاظت کا ایسا انتظام فرمایا کہ قیامت تک کوئی بھی اسمیں ترمیم و اضافہ نہ کر سکے اسکے ثبوت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ قرآن کے سارے نسخے اگر ضائع ہو جائیں، تب بھی قرآن زندہ رہے گا، اسلئے کہ اللہ کی یہ حکمت ہے کہ اپنے کلام کو صفحۂ قرطاس پر نہیں بلکہ حفاظ کے سینوں میں رکھ دیا ہے۔ کسی اور کتاب کے بارے میں ایسا سوچنا خیال خام ہوگا، اگر کسی کتاب کے تمام نسخے صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جائیں تو دوبارہ اس کتاب کا منظر عام پر آنا محال ہو جائے اور اگر یادداشتوں کی مدد سے وہ تیار بھی کر لی جائے تو اسمیں اسقدر ترمیم و اضافے ہوں گے کہ اصل کتاب کی صورت یکسر بدل جائے گی، چنانچہ قرآن کے تحفظ سے متعلق ارشاد باری ھے۔

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر: ۹)

ترجمہ: ہم نے یہ ذکر یعنی قرآن نازل کیا ھے اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں

تدوین قرآن کریم:

یہ بات تو ہم سب کے علم میں ھے کہ قرآن مجید اول تو لوح محفوظ میں لکھا ہوا

تھا، جس کی تصدیق قرآن نے بھی کی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے۔

قرآنٌ مجیدٌ فی لوحٍ محفوظٍ

وہاں سے پہلے آسمان پر لایا گیا اور تیئس سال میں حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کرکے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ ان میں وہ ترتیب و سلسلہ نہیں تھا جو لوحِ محفوظ میں محفوظ تھا۔ بلکہ اسکی ترتیب بدل گئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اسلام کے تمام احکامات و تعلیمات جو چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ 6666 آیتوں میں پھیلی ہوئی ہیں، ایک ساتھ نافذ نہیں ہوئیں، بلکہ ضرورت کے لحاظ سے ایک ایک کرکے نافذ ہوتی رہیں، مثلاً تبلیغ کے ابتدائی دور میں جو اہل عرب اسلام قبول کرچکے تھے، شراب پینے کے عادی تھے، شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اگر پہلے ہی سے شراب کے حرام ہونے کی آیتیں نازل ہوتیں تو عین ممکن تھا کہ اسلام قبول کرنے والے پس و پیش کرتے، اسلئے اللہ نے سب سے پہلے کفار کے اس عمل پر روک لگائی جس سے خدائے واحد کی نفی ہوتی تھی یعنی پہلے وہ آیتیں نازل ہوئیں جن سے شرک دور ہوجائے اور اس طرح ایک ایک حکم ضرورت کے لحاظ سے تدریجی طور پر نافذ ہوتا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی آیت یا کامل رکوع یا سورۃ نازل ہوتی تو حضور رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام سے فرماتے کہ اس آیت یا کامل رکوع یا سورۃ کو اس مقام پر رکھو اور اسی ترتیب میں یاد کرو۔ سبب یہ تھا کہ جب سارا قرآن مکمل ہوجائے تو اسکی وہی ترتیب ہو جو ترتیب لوحِ محفوظ میں ہے۔

جوں جوں قرآنی آیات نازل ہوتی رہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بموجب ان کو یاد کرلیا جاتا اور تحریر بھی کرلیا جاتا رہا، لیکن یہ تحریریں کتابی شکل میں مدون نہیں تھیں، بلکہ کاغذوں، ہڈی کے ٹکڑوں، کھجوروں

کے چھلکوں اور پتھر کی سلوں وغیرہ پر لکھی جاتی رہیں۔ کاتبِ اعظم حضرت ابو ابن کعبؓ کے علاوہ جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے قرآن کی کتابت کرنے کی سعادت حاصل کی، ان میں حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت علیؓ ابن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت خالد بن سعیدؓ، حضرت شرجیلؓ ابن حسنہ، حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان، حضرت ارقم بن ابی الارقم، حضرت عبداللہؓ بن ارقم اور حضرت سجلؓ شامل ہیں۔ ان کاتبانِ وحی نے جو کچھ تحریر فرمایا، وہ تو ان کے پاس رہا، لیکن ان حضرات کو ان تحریروں سے زیادہ اعتماد اپنی قوتِ حفظ پر تھا، اسلئے اس کے ضائع ہونے کا کچھ اندیشہ نہ تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ۱۱ھ کے اختتام پر ارتداد کا فتنہ اُٹھا، مُلکِ یمامہ کے ایک باشندے نے نبوت کا دعویٰ کیا، حضرت صدیق اکبرؓ نے اس جھوٹے اور مکار کا سر کچلنے کیلئے صحابہ کرامؓ کا لشکر روانہ کیا، ایک خون ریز لڑائی کے بعد صحابہ کرامؓ فتنۂ ارتداد پر پورے طور پر غالب آگئے اور اس طرح یہ فتنہ رفع ہو گیا۔ لیکن اس جنگ میں مسلمانوں کا کافی جانی و مالی نقصان ہوا۔ جس میں سات سو کے قریب حُفاظِ قرآن نے جامِ شہادت نوش کیا، حضرت عمر فاروقؓ اس سانحہ سے بے حد متاثر ہوئے اور بارگاہ صدیق اکبرؓ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر اسی طرح حفاظِ قرآن شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس کتاب سے محروم نہ ہو جائیں۔ اس لئے دور اندیشی کا یہی تقاضہ تھا کہ اسے کتابی شکل میں یکجا کر دیا جائے۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کی بات یہ کہہ کر ٹال دی کہ میں وہ کام کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی حیات میں نہیں کیا، مگر حضرت عمر رضؓ کے پیہم اصرار کے باعث آپ
کو بھی اس کام کی اہمیت کا احساس ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے ان صحابہ کرام رضؓ کو جمع فرمایا، جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابت وحی کے فرائض انجام دیے تھے، ان میں سے حضرت زید بن ثابت رضؓ اس جماعت کا مہتمم قرار دیا اور ہدایت فرمائی کہ قرآن کریم کو یکجا کیا جائے، آپؓ نے نہایت محنت و جانفشانی، تجسس اور جستجو سے ان تمام آیتوں کو یکجا جمع فرمایا جو صحابہ کرام رضؓ کے سینوں اور کھجور کے چھالوں اور ہڈیوں پر لکھی ہوئی تھیں۔ یہ قرآن مجید کا پہلا نسخہ تھا جو حضرت صدیق اکبر رضؓ کے دور خلافت میں حضرت عمر رضؓ کی ایماء پر ترتیب ہوا تھا اور حضرت ابو بکر رضؓ کی حیات مقدسہ تک آپؓ کے پاس رہا، آپؓ کی رحلت کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس نسخہ کو اپنے پاس رکھا، پھر ان رضؓ کے بعد حضرت عمر رضؓ کی دختر ام المومنین، حضرت حفصہ رضؓ کے پاس محفوظ رہا۔ صحابہؓ وقت ضرورت اس نسخہ سے رجوع فرماتے تھے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن کریم کے متعلق ایک بڑا اختلاف پیدا ہو گیا، واقعہ یہ تھا کہ قرآن اہل عرب کی مادری زبان عربی میں اترا، مگر اہل عرب کے مختلف قبائل کے لب و لہجہ اور تلفظ کی ادائیگی میں کچھ فرق پایا جاتا تھا، اگرچہ کہ ابتداء میں ان قبائل کو اپنے مخصوص انداز میں قرأت قرآن کی اجازت دے دی گئی تھی۔ لیکن جوں جوں اسلامی حکومتوں کی سرحدیں پھیلتی گئیں۔ قرآن کے پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، ان میں اہل زبان کے علاوہ زبان دان بھی تھے جو اپنے اساتذہ کے سکھائے ہوئے لب و لہجہ پر ہی اعتماد کرتے تھے، اس طرح مختلف شاگردوں میں قرأت قرآن سے متعلق اختلافات پیدا ہونے

شروع ہوئے ، اختلاف کی وجہ یہ بھی کہ بعض صحابہؓ کے نسخوں میں حضورؐ
کے وہ الفاظ شامل ہو گئے تھے جو آپ صلعم نے اسکی تفسیر میں ارشاد
فرمائے تھے ، صحابہؓ نے اس کو قرآن کا ہی جزو سمجھ لیا تھا ، حالانکہ وہ الفاظ
قرآن نہیں تھے ۔ اسلئے حضرت عثمانؓ نے حضرت حذیفہؓ کی فہمائش پر
حضرت زیدؓ بن ثابت کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ
نسخہ اور حفاظ کے حفظِ قرآن کا مقابلہ کرکے نہایت تحقیق کرکے چند نسخے تیار
کئے جائیں اور اس اہم کام کیلئے حضرت عبداللہؓ ابن زبیر، حضرت سعیدؓ
ابن عاص اور حضرت عبداللہ ابن حارثؓ بن ہشام کو مقرر کیا کہ یہ حضرات
حضرت زیدؓ ابن ثابت کی مدد کریں ۔ آپ نے مذکورہ کاتبانِ وحی کے تعاون
سے "لغتِ قریش" کے مطابق ایک نسخہ لکھا ، پھر اس کی چھ، سات ،
نقلیں تیار کرکے عراق، شام اور مصر وغیرہ اسلامی ممالک میں روانہ فرمائے
اور اصل نسخہ ، حضرت حفصہؓ کو لوٹا دیا اور جن صحابہؓ کے پاس قرآن کے
جو نسخے تھے جن میں تفسیر کے الفاظ بھی شامل تھے ، منگوا کر جلا دیئے جو قرآن
آج ہمارے ہاتھوں میں ہے ، اس کا نسخہ حضرت عثمانؓ کی ایما پر تیار کیا گیا
تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ کو " جامع آیات القرآن " کے معزز لقب سے یاد
کیا جاتا ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں
قرآن کے حروف پر اعراب نہیں لگائے گئے تھے اور یہ اہلِ زبان کیلئے ضروری
بھی نہیں تھے ، لیکن اعراب کے بغیر عجمی قرآن مجید کی تلاوت میں دشواری
محسوس کرتے تھے ۔ یوسف بن حجاج کا اہلِ اسلام پر خصوصاً عجمیوں پر
احسانِ عظیم ہے کہ اسکے دور میں قرآن کے حروف پر اعراب لگائے گئے اور
یوسف بن حجاج نے سورتوں کے نام بھی لکھے ، اس سے قبل قرآن میں سورتوں
کے نام نہیں تھے ۔ اعراب لگانے کا بڑا فریضہ ابوالاسود دئلی جو تابعین میں تھے

نے انجام دیا۔ خلیل ابن احمد فراعیدی نے "مد" اور "وقف" وغیرہ کی علامات قرآن میں لگائیں۔ نیز یعرب ابن قحطان نے قرآن کو عربی نسخ میں لکھا، بعض نے لکھا ہے کہ قرآن کے تیس پارے اور اسمیں نصف ربع ثلث نشانات مامون عباسی کے زمانے میں لگائے گئے۔ اس طرح اہل عجم کی دشواریوں کو رفع کیا گیا۔

قرآن کے حروف پر اعراب لگاکر عربوں نے عجمیوں کی سہولت کے پیش نظر قرأت کے اصولوں کے تحت کچھ علامتوں کا استعمال بھی کیا۔ اور ان کی وضاحت بھی کردی تاکہ قاری سے غلطی نہ ہو۔ مثلاً۔

ہ - یہ چھوٹا سا گول دائرہ وقفِ تام کی علامت ہے۔ یعنی یہ علامت یہ بتاتی ہے کہ یہاں ایک آیت ختم ہوگئی ہے، ہمیں یہاں ٹھہرنا چاہیے

م - یہ وقفِ لازم کی علامت ہے اور جہاں ایسا نشان ہو وہاں قاری کو ٹھہرنا چاہیے، ورنہ مطلب غلط نکلے گا اور بعض جگہ کفر کا بھی خوف ہے۔

ط - یہ وقفِ لازم کی علامت ہے۔ مراد یہ ہے کہ بات تو پوری ہوگئی مگر سلسلۂ کلام ابھی جاری ہے۔

ج - وقفِ جائز کی علامت ہے۔ یعنی ٹھہرنا بہتر، نہ ٹھہریں تو حرج نہیں۔

ز - یہ لفظ تجاوز سے مشتق ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہاں ٹھہریں تو درست ہے، لیکن نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص - وقف مرخص کی نشانی ہے۔ یہاں ملاکر پڑھنا چاہیے لیکن تھک کر اگر کوئی ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔

صلے - یہ الوصل اولیٰ کا مخفف ہے۔ یعنی ملاکر پڑھنا بہتر ہے۔

ق قیل علیہ الوقف کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیئے۔
صل علامت قدیوصل کی ہے۔ یہاں ٹھہرنا اور نہ ٹھہرنا دونوں جائز ہیں لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔
قف صیغۂ امر ہے۔ یعنی ٹھہر جاؤ اور یہ علامت وہاں لکھی جاتی ہے، جہاں یہ احتمال ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اسے ملا کر پڑھے گا۔
س سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا چاہیئے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔
وقفہ علامت سکتۂ طویلہ کی ہے۔ لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹنا چاہیئے
لا لا کے معنی نہیں کے ہیں۔ یہ علامت کبھی آیت کے اختتام پر لکھی جاتی ہے اور کہیں آیت کے اندر۔ آیت کے اندر ہو تو ہرگز ٹھہرنا نہیں چاہیئے۔ آیت کے اختتام پر لا ہو تو بعض کے نزدیک ٹھہرنا چاہیئے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ دونوں صورتوں میں آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔
ک یہ کذٰلک کا مخفف ہے۔ یعنی جو علامت پہلے ہے وہی یہاں سمجھی جائے[1]

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں اور سورتوں کی آیات کی موجودہ ترتیب وہ نہیں جس ترتیب سے ان کا نزول ہوا تھا بلکہ وہ ترتیب جو لوح محفوظ میں ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے ترتیب قرآن کے باب میں لکھا ہے۔

"قرآن شریف کی موجودہ ترتیب خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ترتیب ہے جو ٹھیک ٹھیک مطابق ترتیب لوح محفوظ کے ہیں"[2] (حوالہ اگلے صفحہ پر)

---

[1] محمد کرم شاہ ضیاء القرآن جلد اول ص 17-18 اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی نومبر 1989ء

اسی ترتیب کے مطابق صحابۂ کرام رضؓ نے قرآن کو مرتّب کیا جو ہمارے سامنے ہے، اسے قرآن کا معجزہ ہی کہنا چاہیئے کہ چودہ سو سال سے بھی زائد کا عرصہ گذر جانے کے باوجود بھی وہی قرآن جو ربِ قدیر نے اپنے محبوب رسول صلّی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تھا۔ اور جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور آپ کے بعد حضرت عثمان رضؓ اور دیگر اصحاب کرام رضؓ نے خالص قریشی لغت کے مطابق جس میں اس کا نزول ہوا تھا، ایک صحیفہ میں مدوّن فرمایا۔ وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی معمولی تغیّر کے بغیر کسی ادنیٰ ردّو بدل کے ابتک محفوظ ہمارے پاس موجود ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اس کا اعتراف دوست تو دوست دشمن بھی کرتے ہیں۔

---

۲۔ قرآن عکسی مترجم اشرف علی تھانوی مقدمہ ص ۹ لاہور تاج کمپنی لاہور۔ تاریخ اشاعت درج نہیں۔

# قرآن میں سیرتِ نبوی ﷺ کی جھلکیاں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دو اہم مآخذ ہیں، اس میں قرآن کو اولیت حاصل ہے۔ آیاتِ قرآن کریم کی روشنی میں محسن انسانیت سیّد الانبیاء نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا احاطہ کیا جا سکتا ھے۔ اُم المومنین حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ محمد صلعم کے اسوۂ حسنہ کیا تھے۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا "وکانَ خلقہُ القرآن" کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا۔ یعنی جو کچھ قرآن میں ھے، وہ آپ کے اخلاقِ حمیدہ ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا یہ قول اس بات کی طرف اشارہ کرتا ھے کہ آپ صلعم کی حیات، قرآن کا عملی نمونہ تھی، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید ہمیشہ سے خصوصًا مسلمانوں کیلئے غور و فکر کا مرکزی نقطہ رہا ھے۔ دراصل یہ ساری انسانیت کیلئے روزِ قیامت تک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے دستورِ حیات ھے۔ اسمیں القاب ناموں اور واقعات کی کثیر تعداد ایسی ہے جن کے پیشِ نظر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ مرتب کی جا سکتی ھے۔ قرآن میں آپ صلعم کی پیدائش سے لیکر وصال تک کے مختلف واقعات بیان ہوئے ہیں۔ یہ واقعات جہاں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، وہیں کہیں کہیں صرف اشاروں سے بھی کام لیا گیا ہے۔ اور ان اشاروں کی زبان کی وضاحت مفسرین نے کی ہے۔ چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی کے حالات کیا ہیں، آپ صلعم نے کس خاندان کو اپنے شرفِ ولادت سے نوازا، بچپن کا معصوم دور کیسے گذرا؟

جوانی اور شباب کے پاکیزہ مشغلوں نے کیا صورت اختیار کی اور پھر آپ صلعم نے عمر کی کس منزل میں اعلانِ نبوّت فرمایا؟ ان مندرجہ بالا تفصیلات کا ذکر قرآن میں موجود نہیں۔

اس سے انکار ممکن نہیں کہ تاریخی اعتبار سے یہ تفصیلات انتہائی اہم ہیں اور اسقدر اہم کہ ان کے ذکر کے بغیر کوئی شخصیت ، تاریخی شخصیت ہی قرار نہیں پاتی ، لیکن قرآن نے ان واقعات کی تفصیل بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اس لئے کہ قرآن شخصیتوں سے زیادہ ان حقائق سے تعرض کرتا ھے جس سے محض شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ یعنی یہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہدایت و ضلالت کے مابین فرق کی نوعیت کیا ھے؟ کون تصوّرات و نظریات صحیح ہیں اور کون صحیح نہیں؟ عملی زندگی کا نقشہ کیا ھے؟ خیر کسے کہتے ہیں؟ اور شر کیا ھے۔ اور اسپر قابو پانے کے کیا ذرائع و وسائل ہیں جنھیں بروئے کار لانا ضروری ہے۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ھے کہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی سے متعلق کوئی تفصیل فراہم نہیں کرتا۔ بلکہ جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں اسکی طرف اشارے بھی کئے ہیں ، مثلاً آپ صلعم کی ابتدائی زندگی جو یتیمی اور بے سرو سامانی میں گذری تھی ، قرآن ان الفاظ میں پیش کرتا ھے۔

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (الضحیٰ - ۶)

ترجمہ : بھلا اس نے تمھیں یتیم پاکر جگہ نہ دی۔

آگے اسی آیت میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کا ذکر بھی کیا ھے ، آپ صلعم کا اسمِ مبارک کیا تھا ، قرآن نے اسکی وضاحت بھی فرمائی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ (الفتح ۲۹)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو پیشن گوئی کی تھی، اسکی طرف بھی قرآن میں اشارہ کیا گیا ھے۔

یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (صف-٦)

ترجمہ: میرے بعد آئیں گے، جن کا نام احمد ہوگا۔

آپ صلعم کی ابتدائی زندگی مکہ مکرمہ میں گذری، اس تعلق سے قرآن کا ارشاد ھے

لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ (بلد ۱-۲)

ترجمہ: ہمیں اسکی قسم اور تم اس شہر میں تو رہتے ہو۔

مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس سال زندگی بسر کی، لیکن اس زندگی کے شب و روز آپ صلعم نے کس ڈھب سے گذارے، وہ کون لوگ تھے جو آپ صلعم کی دعوت سے متاثر ہوئے اور کن کی جرأت و عمل نے اہل مکہ کے دلوں میں خوف و ہراس کے جذبات کو ابھارنے میں مدد دی وغیرہ۔ قرآن اس موضوع پر بھی براہِ راست روشنی نہیں ڈالتا، البتہ مکی سورتوں کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلعم کی دعوت و تبلیغ کا دائرہ اس عرصے میں کن اُصولی مضامین تک محدود رہا۔

تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جو تکالیف و مصائب آپ صلعم کو برداشت کرنے پڑے۔ قرآن انھیں بھی بیان کرتا ھے۔ اور یہ بھی بتاتا ہے کہ کفار دینِ الٰہی کا راستہ روکنے کیلئے آپ صلعم پر سحر اور جنون کے الزامات بھی لگاتے رہے۔ نیز آوازے بھی کستے رہے۔ اور جب جب موقع ملا، آپ صلعم کی تذلیل کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ قرآن کریم نے اس تعلق سے مومنوں کو خبردار کیا، اسکی ایک مثال بقرہ کی آیت نمبر 104 میں ملے گی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط

وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

ترجمہ: اے ایمان والو، راعنا نہ کہا کرو، بلکہ اُنْظُرْنَا کہو اور توجہ سے بات کو سنو۔ یہ کافر تو عذاب الیم کے مستحق ہیں۔

اسی طرح جب کبھی کفار مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے اور آپ صلعم کو رنجیدہ کرنے کی خاطر سخت کلمات زبان سے نکالے تو فوراً اللہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں آیتیں نازل ہوئیں۔ اور ان آیتوں کے ذریعے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دلاسہ دیا گیا اور ایسی آیتیں بھی نازل ہوئیں جن میں کافروں اور ایذا پہنچانے والوں کیلئے وعید ہی وعید تھی۔ اس ضمن میں اس واقعہ کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آپ صلعم کے دو بیٹوں حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا، ظاہر ہے کہ اولاد کی موت سے زیادہ باپ پر اور کیا صدمہ ہوسکتا ہے اور اگر یہ موتیں بچپن میں ہوں اور وہ بھی ایک نہیں دو اولادوں کی تو اس غم جانکاہ کا اندازہ صرف ایک دردمند دل ہی لگا سکتا ہے، اور وہ بھی ایسی جگہ اور ایسے ماحول میں جہاں اولادِ نرینہ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور انھیں پر قبیلوں کی شجاعت کا دارومدار تھا اور انھیں سے قبیلہ کا نام چلتا تھا اور نسل بڑھتی تھی اور جہاں لڑکیوں کا پیدا ہونا ایک عذاب تھا۔ اور اسکے پیدا ہوتے ہی ماں شوہر کے خوف سے اُسے اپنے ہاتھوں سے درگور کرتی تھی۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر — تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھے شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اسکو جاکر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی [1]

---

[1] الطاف حسین حالی، مسدسِ حالی، ص 14، پرویز بک ڈپو، تاریخ اشاعت درج نہیں

ایسے ماحول میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سب سے بڑے بیٹے حضرت قاسم کا مکہ میں انتقال ہوگیا تو عاص بن وائل سہمی نے اور اسکے ساتھ دوسرے مشرکوں نے کہا کہ " محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل منقطع ہوگئی، پس آپ صلعم نعوذ باللہ " ابتر " یعنی بے نام ونشان ہیں۔ چنانچہ سنگ دل کفار مکہ کے طعنے کا جواب دیتے ہوئے اللہ عزوجل نے آپ صلعم کی تسکین کیلئے ارشاد فرمایا۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے، قربانی کیجئے۔ بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے۔ اس واقعہ میں یہ بات بھی پوشیدہ ہے کہ ایسے دلآزار واقعات کے بعد بھی آپ صلعم صبر وشکر سے کام لیتے تھے (جو اخلاق حسنہ کی ایک عظیم صفت ہے) اور ایسے مناظر کو دیکھ کر صحابہ رسول سبق لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ ایک اور جگہ سورۂ احزاب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے والوں کے بارے میں یہ وعید آئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝

ترجمہ: "بے شک جو لوگ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہے، دنیا و آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار رکھا ہے۔"

اور قرآن میں نام لیکر بھی دشمن رسول کو ذلیل کیا گیا ہے، سورۂ لہب اس کی عمدہ مثال ہے۔

صرف یہی نہیں کہ دشمنان رسول کو تنبیہ دی گئی، بلکہ رسول اللہ صلعم

کی جماعت کے افراد کو بھی خبردار کیا گیا کہ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی نہ ہونے پائے ۔ واقعہ یہ ھے کہ بعض صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح مخاطب ہوتے جیسے وہ آپس میں ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں، اس ضمن میں اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں -

یاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ( حجرات - )

ترجمہ: " اے ایمان والو، اپنی آوازیں اونچی نہ کرو، اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کیساتھ چلاتے ہو، کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور یہ کہ تم شعور نہیں رکھتے ۔ "

اسی طرح قرآن کریم ایسے بے شمار واقعات اختصار سے بیان کرتا ھے اس میں ہجرت اور اسکے بعد آپ صلعم کے جنگی معرکوں مثلاً بدر، احد، احزاب صلح حدیبیہ، فتح مکہ، غزوہ حنین کے حالات شامل ہیں، جو سیرت کی کتابیں مرتب کرنے والوں کا اہم ماخذ ہیں اور یہ غزوات سیرت مقدسہ اور اسلام کا بہت ہی عظیم الشان حصہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دور میں غزوات کے بیان کو ہی سیرت کہا گیا ہے، اسلئے کہ جنگی حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقۂ کار تھا، آپ صلعم کس طرح اپنے صحابہ رضؓ کو لڑنے کی تلقین کیا کرتے تھے، پریشانی و مایوسی کے عالم میں آپ صلعم کس طرح ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے اور جنگوں میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے آپ صلعم نے کیا حکمت عملی اپنائی تھی اور بحیثیت سپہ سالار آپ صلعم نے کیا کیا کارنامے

انجام دیئے، ان باتوں کی تفصیلات کو جاننے کیلئے ان غزوات کا مطالعہ سیرت میں ضروری ہے جن کی جھلکیاں قرآن مجید میں مل جاتی ہیں۔

غزوات کے علاوہ قرآن میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات مثلاً معجزۂ اسراء و معراج اور معجزۂ شق القمر کا ذکر بھی ملتا ہے اور آپ صلعم کے علم سے متعلق کئی آیات نازل ہوئیں، نیز مقام نبوّت اور اسکی خصوصیات کا بھی قرآن احاطہ کرتا ہے۔

قرآن نے آپ صلعم کے اخلاق سے متعلق بھی براہ راست روشنی ڈالی ہے، جس کو قرآن کی زبان میں "خلقِ عظیم" کہا گیا ہے جو سیرت نبوی صلعم کا اہم جزو ہے۔ اگرچہ ابتک جو کچھ کہا گیا، وہ سارے واقعات سیرت ہی کے زمرے میں آتے ہیں، لیکن آپ صلعم کی عظمت و احتشام کا قطعی اندازہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی بلندیوں کے جائزے ہی سے ہو سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے مرتبۂ اخلاق سے متعلق دو آیتیں نازل ہوئی ہیں، ارشادِ ربانی ہے۔

۱۔ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝

ترجمہ: تم اخلاق کے بلند مرتبہ پر فائز ہو۔

۲۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب۔۲۱)

ترجمہ: تمھارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین اسوہ ہے۔

"خلقِ عظیم" کی تعریف کرتے ہوئے علماء نے اس کے تین زاویے ہائے نظر پیش کئے ہیں، جن سے آپ صلعم کی عظمت و کردار کا حقیقتاً اندازہ ہوتا ہے

۱۔ آپ صلعم کا اپنے اعزّہ اور گھر والوں سے برتاؤ کیسا تھا؟

قرآن کی روشنی میں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلعم اپنے اعزّہ و اقارب کے ساتھ نہایت حد درجہ شفقت و محبّت کا معاملہ روا رکھتے ہیں، آپ صلعم

نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کیلئے اپنے اعزہ و برادری کے لوگوں کو مخاطب ٹھرایا تو نفس تعلقات کا واسطہ دیا۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (شوریٰ ۲۳)

ترجمہ: کہہ دو میں تم سے صلے کا طالب نہیں، مگر قرابت کی محبت تو چاہیئے

یعنی جب عام دنیوی سلوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ قرابت داری کا خیال رکھا ہے۔ اور تعلق و رشتے کی نزاکتوں کو نبھایا ہے تو دین کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی اور عداوت کیسے ممکن ہے؟

انسانی تعلقات کا سب سے اہم دائرہ ازدواجی زندگی کا دائرہ ہی ہے۔ اخلاقی اعتبار سے اسی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسلئے کہ زندگی کا یہی وہ گوشہ ہے جس میں انسان کے حقیقی اخلاق کا مظاہرہ ہوتا ہے، جہاں کوئی ملمع، بناوٹ اور تصنع حقائق پر پردہ نہیں ڈال سکتا، زندگی کی اس جہت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس درجہ کامیاب و کامران ہوئے تھے، اپنی ازدواج مطہرات کے حقوق و فرائض کی نگہداشت کا آپ صلعم کو کتنا خیال رہتا ہے، اسکی ساری وضاحت تو کتب حدیث میں ملے گی، مگر آپ صلعم کے ازدواجی تعلقات کی طرف اجمالی اشارہ اس آیت میں موجود ہے،

تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (تحریم: ۱)

ترجمہ: اپنی بیبیوں کی خوشنودی چاہتے ہو

اس آیت میں اس حقیقت کا اظہار پایا جاتا ہے کہ آپ صلعم باوجود مقام نبوت کی بلندیوں کے، ازدواج مطہرات سے وہی برتاؤ روا رکھتے تھے جو ایک معقول شوہر اپنی محبوب بیبیوں سے روا رکھ سکتا ہے۔

۲۔ اپنے عقیدت مندوں سے تعلق و معاملہ کی بنیاد کس اصول پر تھی۔

اخوت و رفاقت کی انسانی بنیاد یہ ہے کہ کسی کا اپنے عقیدت مندوں سے

کیسا تعلق و معاملہ ہے۔ آپ صلعم کے اخلاقِ عالیہ کا یہ نمایاں پہلو ہے کہ آپ صلعم اپنے عقیدت مندوں اور حلقہ بگوشوں سے رشتہ و تعلق کو استوار رکھتے تھے

قرآن کا ارشاد ہے :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (حجرات - ۱۰)

ت مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔

یہی نہیں آپ صلعم کی شفقت و محبت اور تعلقِ خاطر کے پیمانے اس سے بھی سوا ہیں ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آلِ عمران ۱۵۹)

ترجمہ : "اللہ کی خاص مہربانی سے تمہاری افتادِ مزاج ان لوگوں کیلئے نرم واقع ہوئی ہے"۔ اپنوں سے برتاؤ اور سلوک کا یہ انداز بہت بلند سہی مگر قابلِ عمل ہے۔

۳۔ مخالفین سے کس شائستگی سے پیش آتے تھے ۔

قرآن نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کا مخالفین کیساتھ کیسا رویّہ تھا اور ان سے جب بات چیت ہوتی تو کیا اصول آپ صلعم کے پیشِ نظر ہوتا ۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ( مومنون - ۹۶)

ترجمہ : بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو ۔

ہمیں اس بات کا اندازہ ہے کہ دشمن سے اچھا برتاؤ کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔ جو آپ صلعم نے آسان کر دکھایا ۔ اس کا قرآن نے اعتراف بھی فرمایا ہے

وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ

(حم السجدہ ۳۵)

ترجمہ : اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے

ہیں۔ اور انہی کو نصیب ہوتی ہے جنھیں اخلاق سے بہرہ وافر ملا ہے۔ اسکے علاوہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے متعلق بھی گفتگو کرتا ہے آپ صلعم کے وصال کی طرف قرآن کن الفاظ میں اشارہ کرتا ہے۔ اسکی مختصر سی تفصیل پیش ہے۔

جب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف 63 سال کی ہوگئی۔ آپ صلعم نے مدینہ سے مکہ کا طویل سفر اختیار فرمایا تاکہ حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کرسکیں۔ دورانِ حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت کی انتہا نہ رہی جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کرلیا۔

مفسرین اس باب میں کہتے ہیں کہ یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کا اعلان تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے باعث مسرت و اطمینان تھے۔ آپ صلعم اس مادی دنیا کو ترک کرنے پر خوش تھے، آپ صلعم کو ملال نہ تھا۔

مختصر یہ کہ سیرتِ طیبہ کے اکثر و بیشتر واقعات کا تذکرہ قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ چونکہ یہ کتاب مبین روئے زمین پر مقدس ترین کتاب ہے، اسی لیے اسلام نے اسے "اُم الکتاب" کے نام سے منسوب کیا ہے۔ یہ کتاب ایسے تواتر کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ کسی عاقل و فہیم انسان کو اسکے مستند اور تاریخی ثبوت کے بارے میں شک و ارتیاب کا وہم و گمان بھی نہیں ہوسکتا اسلیے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ سیرتِ نبوی کے واقعات کیلئے قرآن

اہم ترین اور صحیح ترین ماخذ ہے۔

بجز قرآن حکیم جس قدر کتب سماویہ موجود ہیں، ان پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا، اسلئے کہ تمام آسمانی کتابیں اٹھالی گئی ہیں۔ اور جو کچھ اب دستیاب ہے، اسے نقل ہی کہنا چاہیئے۔

اس بحث سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دراصل قرآن اور حیاتِ طیبہؐ میں کوئی مغائرت نہیں یعنی قرآن متن ہے اور سیرت اسکی تفسیر گویا ایک علمی قرآن ہے جو اوراق اور سینوں میں محفوظ ہے اور ایک عملی قرآن یعنی سیرت طیبہؐ ہے جو ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں محفوظ ہے۔ اور دونوں آپس میں ایک دوسرے پر منطبق ہیں۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مقدس ایک مجسم و ممثل قرآن ہے، جس کی طرف ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جامع تعریف کا خلاصہ یہی ہے کہ اہل دنیا کو یہ بتانے کیلئے صرف قرآن ہی کافی ہوتا کہ اس کے لانے والے کون تھے، دنیا کے کس خطے میں پیدا ہوئے، اسوقت زمانے کا کیا حال تھا، اسکے خویش واقارب کون تھے اور کیسے تھے، یہاں بسنے والی قوموں کا کیا حال تھا، انکے عقائد کیا تھے، ایسے ماحول میں آپ صلعم نے کیسی زندگی بسر کی، آپ صلعم نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا والوں نے آپ صلعم کیساتھ کیسا سلوک روا رکھا۔ آپ صلعم کی زندگی میں کون کونسے اہم واقعات وحادثات پیش آئے۔ اور جب وصال کا وقت آیا تو دنیا کا نقشہ کیا تھا اور دنیا والوں کو آپ صلعم نے کس حالت میں چھوڑا، غرض نوعِ انسانی کو قیامت تک راہ راست دکھانے کیلئے سیرتِ طیبہؐ میں جن جن باتوں کی ضرورت ہوسکتی ہے۔ وہ سب کچھ صرف قرآن کی زبانی دنیا معلوم کرسکتی ہے

مختصر یہ کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہؐ کے تمام نقوش و

ماثرات قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں ۔ یہاں یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کیونکہ قرآن متبرک صحیفہ اور لافانی کتاب ہے اسلئے بیانِ سیرت کیلئے یہ کتاب وہ میزان فراہم کرتی ہے ، جس کے پیشِ نظر واقعاتِ سیرت کی چھان بین ، تحقیق و تفتیش اور تجسّس و تفحص آسان بن جاتی ہے ۔ کیونکہ یہ بات طے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کا محرک صرف قرآن تھا اور زندگی کے کسی گوشے میں بھی آپ صلعم نہ اس سے تجاوز کر سکتے تھے نہ انحراف ۔

۲) احادیث :

سیرتِ طیبہؐ کا دوسرا اہم مآخذ حدیثِ نبویؐ ہے ، سیرتِ نبویؐ کے سینکڑوں واقعات کی تفصیل احادیث میں موجود ہے جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ قرآن سیرت کے واقعات کا اجمالی خاکہ پیش کرتا ہے ، اور جو ہدایات اور پند و نصائح اس سے حاصل ہوتی ہیں ، صرف ان کا ذکر کرتا ہے ، اس لئے کہ اس میں ان تمام تفصیلات کی گنجائش ممکن نہیں تھی ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں جو باتیں ہیں ۔ اگر اسمیں بیان ہوتیں تو سینکڑوں قرآن کی ضرورت ہوتی اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل حالاتِ زندگی کے استخراج کیلئے ہم صرف قرآنی سیرتِ نبویہ پر اکتفا نہیں کر سکتے ۔ سیرت کے حالات واقعات کی تفصیل جاننے کیلئے ہمیں دوسرے اہم اور مستند مآخذ بھی دیکھنے ہوں گے تاکہ سیرتِ مقدسہ کی جزئیات بھی ہمارے مطالعہ میں رہیں تاکہ ہم آپ صلعم کی زندگی کے ایک ایک لمحہ سے واقف ہو جائیں ۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین و سیرت نگارانِ رسولؐ نے قرآن کے بعد احادیث کو ہی سیرت کی تدوین میں اہمیت و ترجیح دی ہے ۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے حدیث کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے

لکھا ہے کہ " علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی، یہ شہ رگ علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کیلئے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا رہتا ہے۔ آیات کا شانِ نزول اور ان کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح و تعبیر، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص سب علم حدیث کے ذریعے معلوم ہوتی ہے، اسی طرح حاملِ قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیاتِ طیبہ اور اخلاق و عاداتِ مبارکہ اور آپ صلعم کے اقوال و اعمال اور آپ صلعم کے سنن و مستحبات اور احکام و ارشادات اسی علمِ حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچتے ہیں۔[1] "

## حدیث کی تعریف :

رسول اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کا نام حدیث ہے۔ جس وقت سے آپ صلعم نے خدا کے حکم سے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا، اس وقت سے جو باتیں آپ صلعم کی زبان مبارک سے نکلیں، جو افعال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئے اور آپ صلعم کے صحابہؓ نے ان کو بیان کیا، آپ صلعم نے اس پر اعتراض نہیں فرمایا، ان سب کا شمار حدیث میں ہوتا ہے اور بعض محدثین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، صورت اور آپ صلعم کی زندگی کے واقعات کے بیان نیز صحابہ کرامؓ اور ان کے شاگردوں کے قول و فعل کے بیان اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ مذکورہ تعریف کو مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے مذہبی تعریف کہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ

" دنیا کی تاریخ کے ایک عظیم الشان، حیرت انگیز انقلابی حصّے کا نام سچ پوچھئے تو، حدیث ہے۔ جن انقلابات و حوادث سے گزر کر نسلِ انسانی موجودہ حالت تک پہنچی ہے، ان میں ایک ایسا واقعہ جس نے کسی خاص شعبۂ حیات ہی میں نہیں، بلکہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی اخلاقی

---

[1] بحوالہ مناظر احسن گیلانی "تدوین حدیث" ص ۳ مکتبۂ تھانوی، دیوبند 1983

اور دیگر تمام شعبوں میں انسانیت کا رخ پلٹ دیا، جس سے زمین کا کوئی حصّہ نہیں، بلکہ بلا مبالغہ مشرق و مغرب دونوں متاثر ہوئے، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ سامانی کے اس مدہش حیرت انگیز واقعہ کی تاریخ یا تفصیلی بیان کا نام حدیث ہے۔ اگرچہ عام طور پر مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ سے حدیث کا تعلق قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک واقعات و حالات کا تعلق ہے، میں حدیث کو انسانیت کی تاریخ کا ایک حصّہ اور ایسا حصّہ قرار دیتا ہوں، جس کی صرف یہی خصوصیت نہیں ہے کہ ایک بے نظیر عدیم المثال، عالمگیر انقلابی عہد سے اس کا تعلق ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو آج جس کسی کے پاس یا جس قوم و ملّت کے ہاتھ میں بھی ماضی بلکہ حال کی تاریخ کا جو حصّہ ہے وہ وثوق اور اعتماد میں تاریخ کے اس "محفوظ حصّہ" یعنی حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتا"۔[1]

سید مناظر احسن گیلانی نے حدیث کی جو تعریف کی ہے، وہ جامع تعریف ہے۔ اسلئے کہ مذہبی و مدرسی تشریح و تعبیر نے اس کے مفہوم کو محدود کر دیا تھا، اس اصطلاحی مفہوم سے اسمیں وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ اس طرح یہ ذخیرۂ علم مسلمانوں کی حد تک محدود نہ رہتے ہوئے ساری انسانیت کے اہم ترین انقلابی عہد کی تاریخ کا معتبر ترین ذخیرہ بن گیا ہے۔ یہاں سید مناظر احسن گیلانی نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ حدیث کی حیثیت وہ نہیں جو عام تاریخوں کی ہوا کرتی ہے۔ بلکہ بہ اعتبار صحت اس کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ حدیث کے اس ذخیرے کا تعلق براہِ راست حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے، بلکہ عام تاریخوں کے ذخیرے کسی قوم، کسی حکومت کسی جنگ اور کسی خطّے کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس لئے کوتاہیوں اور غلط فہمیوں کے جتنے قوی اندیشے تاریخ کے دفاتر میں در آسکتے ہیں۔ حدیث

[1] سید مناظر احسن گیلانی "تدوین حدیث" (اردو عکسی) ص 4-5 مکتبۂ تھانوی 1983

ان اندیشوں سے پاک اور معرّیٰ ہے۔ اسمیں بے شک صحت و واقعیت کی توقع کی جا سکتی ہے۔

علم حدیث کی دو قسمیں ہیں ① علم حدیث روایۃً ② علم حدیث درایۃً

حدیث از روئے روایت اس علم کو کہتے ہیں، جس سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال، احوال واوصاف کی معرفت حاصل ہو (اس میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی تقاریر بھی شامل ہیں) اس علم کا موضوع خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدّسہ ہے اور علم حدیث از روئے درایت وہ علم ہے جس سے راوی اور مروی عنہ کے حالات بحیثیت رد و قبول معلوم ہوں۔ اس علم کا موضوع راوی اور مروی عنہ دونوں ہیں

اقسام حدیث:

حدیث کی تعریف کے بعد اسکی بعض ضروری اقسام کی تعریف پیش کی جاتی ہے جو حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ مرفوع: یہ وہ احادیث ہیں جن میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تقاریر بیان ہوئی ہیں۔

۲۔ موقوف: جس حدیث میں صحابہ کرام کے اقوال، احوال اور تقریرات کا بیان ہو۔

۳۔ مقطوع: جس حدیث میں تابعین کے اقوال، افعال اور تقریرات ہوں

۴۔ متّصل: جس حدیث کی سند سے کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

۵۔ معلّق: جس حدیث کی سند کے شروع سے روایت کو حذف کردیا جائے، خواہ یہ حذف بعض کا ہو یا کل کا۔

۶۔ مُرسل: جس حدیث کی سند کے آخیر سے روای کو ساقط کر دیا جائے، مثلاً تابعی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کرے اور صحابی کو چھوڑ دے

۷۔ معضل : درمیانی سند سے دو متوالی راویوں کو چھوڑ دیا جائے۔

۸۔ منقطع بمعنی اخص : دو سے زیادہ راویوں کو سند میں ایک جگہ سے یا دو راویوں کو متعدد جگہ سے چھوڑ دیا جائے۔

۹۔ مضطرب : سند یا متن حدیث میں زیادتی یا تقدیم وتاخیر کر دی جائے۔

۱۰۔ مدرج : متن حدیث میں زیادتی یا تقدیم وتاخیر کر دی جائے۔

۱۱۔ شاذ : جس میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے (اس کا مقابل محفوظ ہے)

۱۲۔ منکر : جس روایت میں زیادہ راوی ضعیف راوی کم ضعیف کی مخالفت کرے (اس کا مقابل معروف ہے)

۱۳۔ معلل : جس حدیث میں علت خفیہ قادحہ ہو مثلاً حدیث مرسل کو موصولاً روایت کیا جائے۔

۱۴۔ صحیح لذاتہ : جس حدیث کے تمام راوی متصل، عادل، تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو،

۱۵۔ صحیح لغیرہ : جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور یہ کمی تعدد طرق سے پوری ہو۔

۱۶۔ حسن لغیرہ : جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو، لیکن یہ کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے

۱۷۔ ضعیف : جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو اور تعدد طرق سے وہ کمی پوری نہ ہو۔

۱۸۔ متروک : جس حدیث کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب ہو۔

۱۹۔ موضوع : جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے

وضع فی الحدیث ثابت ہو۔

۲۰۔ غریب : جس حدیث کی سند کا کوئی راوی سلسلۂ سند کے کسی شیخ سے روایت میں منفرد ہو۔

۲۱۔ عزیز : جس حدیث کے دو راوی ہوں۔ ہر سلسلۂ سند کے ہر راوی سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہوں۔

۲۲۔ مشہور : جو حدیث دو سے زیادہ طرق سے مروی ہو یعنی سلسلۂ سند میں کسی شیخ سے بھی تین سے کم راوی نہ ہوں اور یہ زیادتی حدِ تواتر سے کم ہو۔

۲۳۔ متواتر : جو حدیث ہر دور میں اتنے کثیر طرق سے مروی ہو کہ ان روایات کا توافق علی الکذب عادۃً محال ہو۔

# حدیث کی اہمیت وضرورت

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں انسانی زندگی کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کیلئے بنیادی اصول اور ضابطے بیان فرمائے ہیں، مگر ان میں وضاحت سے پرہیز کیا گیا ہے، اشاروں اور کنایوں میں باتیں پیش کی گئی ہیں، جن کی شرح وتفسیر احادیثِ نبویہ کے بغیر ممکن نہیں، نیز احکام کی عملی صورت بیان کرنے کیلئے اسوۂ رسول ﷺ کی ضرورت ہے۔ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قرآنی احکام کی عملی تصویر مہیا کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ، تیمم حج اور عمرہ یہ محض الفاظ ہیں، عربی لغت ان الفاظ کے وہ معانی نہیں بتاتی جو شرع میں مطلوب ہیں۔ پس اگر احادیثِ رسول ﷺ موجود نہ ہوں تو ہمارے پاس قرآن کریم کے معانی شرعیہ متعین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہیگا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رض نے آپ صلعم کے اقوال وافعال کو اپنے ماں باپ بیوی بچوں بلکہ اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھا۔ اسلئے صحابہ کرام آپ صلعم کی نبوت پر ایمان لائے تھے اور یہی ایمان کا تقاضہ بھی تھا۔

اسی محبت وعقیدت کی بناء پر شمع رسالت کے پروانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد گھومتے تھے اور ان کی نظر آپ صلعم کے ایک ایک فعل پر ہوتی تھی اور وہ اپنی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل وقول پر عمل کرکے قرآنی احکامات کی تعمیل کرنا چاہتے تھے، تاکہ دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی حاصل ہو۔ وہ اسطرح اللہ کے درج ذیل حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۝

ترجمہ: ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، لیکن صرف اسلئے کہ اسکی پیروی اور

اطاعت خدا کے حکم سے کی جائے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۝

ترجمہ: کہدو اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ بھی تمھیں چاہنے لگے گا۔

ان خدائی فرمانوں پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام نے نہ صرف پیغمبر خدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کی اطاعت و اتباع کی۔ بلکہ قرآن کے عائد کردہ اس فریضہ کو بھی ادا کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنو اور آپ صلعم کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھو (جس کے کرنے کی آپ صلعم نے تاکید فرمائی) وہ دوسروں تک مسلسل پہنچاتے چلے جاؤ۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو تازہ اور خوش و خرم رکھے، جس نے میری بات سنی اور اسے خود محفوظ رکھا۔ اور دوسروں تک پہنچا دیا۔ اور ان باتوں کا اعادہ حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں بھی فرمایا " میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں جن کے بعد تم گمراہ نہیں ہو سکتے۔ (ایک تو) اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک حوض (کوثر) پر میرے سامنے آ جائیں، اس خطبہ کے آخری الفاظ قابل غور ہیں، جس سے حدیث کی اہمیت و ضرورت پر نمایاں روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا۔

" اسے چاہیے کہ جو حاضر ہے، وہ غائب کو پہنچاتا جائے "۔

تابعین و تبع تابعین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام دوسروں تک پہنچانا تھا، اسلئے ضروری تھا کہ آپ صلعم کی باتوں اور ان کے افعال کا بہ غور مطالعہ کریں اور جو باتیں غائب میں سنی ہیں ان کی تحقیق و چھان بین کر کے ان کو محفوظ کر لیں۔ اسلئے محدثین نے بڑی محنت و جاں فشانی سے آپ صلعم

کی باتوں کو جمع کیا اور بغیر تحقیق کے کوئی حدیث اپنی کتابوں میں شامل نہیں کی۔ اس تحقیقی عمل میں ان کے سامنے آپ صلعم کی وہ حدیث تھی جس میں ارشاد ہوا تھا۔

"جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کر لے"

یہی وجہ ہے کہ اصحابِ صحاح ستہ نے احادیث کو جمع کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا اور ایسے راوی سے ہی حدیث قبول کی جس کی زندگی کذب و افترا، فریب و دھوکہ سے پاک تھی۔ محدثین بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ یہی وہ علم حدیث ہے جو اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع پیش کرتا ہے۔ اسی لئے یہ کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دائمی ہدایت کیلئے دو ایسی مشعلیں روشن کر دی ہیں جو روزِ قیامت تک بجھنے والی نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو قرآنِ پاک ہے اور دوسری رسول پاک کی ذاتِ با برکت اور آپ صلعم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال یعنی احادیث۔

# تدوینِ حدیث

ابن سباح کے حوالے سے حدیث کے مستند ہونے سے متعلق ایسے سوالات اٹھائے گئے ہیں جن سے عام انسانوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور وہ یہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔ اس ضمن میں اکثر یہ سوالات کئے جاتے ہیں کہ (۱) حدیث کا کیا اعتبار، یہ تو عہدِ رسالت کے بعد دوسری تیسری صدی ہجری میں تحریری شکل میں مرتب ہوئی تھی (۲) احادیث اگر واقعی اسلامی شریعت کا سرچشمہ ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ہی میں اسے کتابی شکل میں مرتب کرنے کے احکام جاری کئے ہوتے، لیکن ان کے یہ اعتراضات سخت مغالطہ آفرینی پر مبنی ہیں، کیوں کہ احادیثِ رسول کی حفاظت اور کتابت کے سلسلے عہدِ رسالت سے لیکر تابعین و تبع تابعین تک پورے تسلسل اور تواتر سے کام ہوتا رہا ہے، اور ڈھائی سو سال کے اس طویل عرصے کے کسی وقفے میں بھی یہ کام منقطع نہیں ہوا۔

آپ صلعم کے عہد میں بھی متعدد صحابہ کرام رض نے احادیث کو قلم بند کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام بخاری اپنی صحیح روایت میں کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل خطبہ دیا۔ یمن کے ایک شخص (ابوشاہ) نے عرض کیا۔

اکتب لی یا رسول اللہ - میرے لئے یہ خطبہ لکھ دیجئے آپ نے حکم دیا۔

اکتبو الابی فلاں - اس شخص کیلئے یہ خطبہ لکھ دو۔

یہ شبہات اسلئے بھی پیدا ہو گئے تھے کہ ایک عام خیال یہ بھی تھا کہ قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھا جائے اور اہلِ عرب زیادہ تر اپنے حافظہ پر ہی انحصار کرتے تھے، لیکن واقعات یہ بتاتے ہیں کہ لکھنے کی ممانعت نہیں تھی،

اور ایسا ہوتا تو قرآن یہ کبھی نہ کہتا ۔

وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا

ترجمہ: قرض تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو، اس کو مدت کے تعین کیساتھ لکھو۔ یہ لکھا خدا کے ہاں انصاف کی بات ہے اور شہادت کو ٹھیک رکھنے والا ہے۔ اور یہ طرزِ عمل اس امر سے زیادہ قریب ہے کہ تم شک و شبہ سے بالاتر رہو گے۔

امامِ اعظم ابو حنیفہؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"جب اللہ تعالیٰ نے شک و شبہ سے بچنے کیلئے قرض کے لکھنے کا حکم دیا ہے تو علم (حدیث) کا یاد رکھنا قرض کے یاد رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے، اسی بناء پر علمِ حدیث میں شک و شبہ سے محفوظ رکھنے کیلئے اس کے لکھنے کی اجازت ضروری ہے"۔ [1]

علماء و مفسرین نے اس سلسلے میں یہ رائے دی ہے کہ غیر قرآن لکھنے کی ممانعت دائمی اور قیامت تک کیلئے نہیں تھی، بلکہ یہ ایک وقتی اور ابتدائی دور میں حکم دیا گیا تھا تاکہ احادیث و قرآنی آیات کے اختلاط سے قرآن کی امتیازی شان باقی رہے۔ یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ احادیث کی کتابی تدوین کے باوجود ایسی ایسی ضعیف احادیث کتابوں میں در آئی ہیں، اگر صرف حافظہ سے کام لیا جاتا تو اس کا کیا حال ہوتا اور ہم کس طرح اس پر اعتبار کرتے۔

کتابتِ حدیث کی اجازت :- کتابتِ حدیث کی اجازت کا جواز بعض واقعات سے بھی ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص کو احادیث لکھنے کی عام اجازت تھی، انہی سے روایت ہے ۔

---

[1] بہ حوالہ نقوشِ رسول نمبر جلد دوم ص 384 ادارہ فروغِ اردو لاہور 1983

"عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں حفاظت کے خیال ... سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہر بات لکھ لیتا تھا، بعض لوگوں نے مجھے منع کیا اور کہا تم حضور (صلعم) سے سن کر ہر بات لکھ لیتے ہو، حالانکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم بھی ایک بشر ہیں ۔ آپ (صلعم) کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی ناراض ۔ یہ سنکر میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ جب حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اس واقعے کا ذکر کیا تو آپ صلعم نے فرمایا، لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اس منہ سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا ———" ۱

حضرت ابوہریرہؓ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے احادیث لکھنے کا تذکرہ کیا ہے، فرماتے ہیں۔

"صحابہ میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس حضور صلعم کی احادیث محفوظ نہ تھی سوائے عبداللہ بن عمرؓ کے کیونکہ وہ احادیث لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا" ۲

اس سلسلے میں متعدد احادیث ملتی ہیں، اُن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ احادیث لکھنے اور محفوظ کرنے کا کام عہدِ رسالت میں شروع ہو چکا تھا اور صحابہ کرامؓ ) حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے افعال واحوال کو قلم بند کیا کرتے تھے، حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دورِ صحابہ میں تابعین نے صحابہؓ کی مرویات کو لکھ کر محفوظ کرنا شروع کیا تھا۔

اسکی تصدیق میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر کہی تھی، جس سے یہ تمام حجت ختم ہو جائے گی۔

"میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ، میں تمہیں کچھ لکھوا دوں گا"

اس وقت قرآن کا نزول مکمل ہو چکا تھا، یہاں "کچھ لکھوا دوں" سے مراد قرآن تو

---

۱؎ بحوالہ تذکرۃ المحدثین ص 28-29 مؤلف مولانا غلام رسول سعیدی ارشد برادرز
۲؎ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 نئی دہلی 1977

ہو نہیں سکتا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے علاوہ کچھ لکھوانا چاہتے تھے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ عہد رسالت میں کتابت حدیث کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

## دور اوّل کا تحریری سرمایہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کو ضبط تحریر میں لانا شروع کیا، اس سلسلے میں جن صحابی کا سب سے پہلے نام آتا ہے، وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا ہے، آپ نے سینکڑوں احادیث لکھ رکھی تھیں۔ انکی تحریر کردہ احادیث کے مجموعے کا نام "صادقہ" تھا، یہ مجموعۂ حدیث ایک ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ اب یہ مسند امام احمد میں بتمام وکمال مل سکتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے انھوں رضی اللہ عنہ نے بھی متعدد احادیث لکھ رکھی تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (کتاب سعد بن عبادہ) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث کی کتابت کی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی لکھی ہوئی حدیثوں اور مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر بتائی جاتی ہے۔

مسند دارمی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں حضرت بشیر بن نہیک نے آپ کی روایات کو لکھ کر محفوظ کر لیا تھا، جس کی انھوں نے حضرت ابوہریرہ کو سنا کر تصدیق کر دی تھی۔ ان کے علاوہ حضرت ہمام ابن منبہ، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث لکھیں۔

دوسرا دور: یہ دور تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف پر محیط ہے۔ اس دور میں تابعین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی جس نے دور اوّل کے تحریری

سرمایہ کو وسیع تر تالیفات میں سمیٹ لیا، ان میں حضرت محمد بن شہاب زہری حضرت امام مالک اور حضرت سفیان بن عیینہ جیسے ائمہ حدیث کا شمار ہوتا ہے۔ ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سنہ ۱۰۱ھ میں احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے علاوہ ابوبکر بن عمرو بن حزم، قاضی مدینہ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر، حضرت ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری اور حضرت سعد بن ابراہیم وغیرہ نے بھی احادیث کی تدوین کی۔ اس دور میں حدیث کے بہت سے مجموعے مرتب ہوئے۔ جن میں امام مالک کی موطا کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اسکی تالیف کا زمانہ ۱۳۰ھ کے درمیان ہے۔ کل روایات کی تعداد 1720 ہے، جن میں سے مرفوع 600 مرسل 222 موقوف 617 اور اقوال تابعین 275 ہیں۔

تیسرا دور:

یہ دور تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے چوتھی صدی ہجری کے خاتمہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں احادیث نبوی کو آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے الگ کر کے مرتب کیا گیا اور قابل اعتماد روایات کے علیحدہ مجموعے تیار کیے گئے۔ اس طرح چھان بین اور تفتیش کے بعد دوسرے دور کی تصانیف تیسرے دور کی ضخیم کتابوں میں سما گئیں۔ اس دور کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس دور میں نہ صرف احادیث جمع کر لی گئیں، بلکہ علم حدیث کی حفاظت کیلئے محدثین کرام نے سو سے زائد علوم کی بنیاد ڈالی، جن کی روشنی میں اب تک ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، جن میں علم اسماء الرجال، علم مصطلح الحدیث، علم غریب الحدیث، علم الاحادیث الموضوعہ اور علم اطراف الحدیث قابل ذکر ہیں۔

تیسرے دور کے جامعین حدیث میں امام احمد حنبل ۱۶۴ھ-۲۴۱ھ

امام محمد بن اسماعیل البخاری (۱۹۴ھ - ۲۵۶ھ) امام مسلم ابن حجاج
۲۰۲ھ - ۲۷۵ھ امام ابو داؤد اشعث (۲۰۲ھ - ۲۷۵ھ) امام ابوعیسیٰ
یزید ابن ماجہ (وفات ۲۷۳) انتہائی مستند اور اہم نام ہیں۔ ان محدثین
نے جو احادیث کی کتابیں تالیف کیں ان کے نام یہ ہیں ۱۔ مسند احمد
۲۔ صحیح بخاری، ۳۔ صحیح مسلم، سنن ابوداؤد ۵۔ ترمذی شریف
۶۔ السنن المجتبیٰ اور ۷۔ سنن ابن ماجہ۔

مسند احمد کے علاوہ ان چھ کتابوں کو محدثین کی اصطلاح میں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ بعض اہل علم نے بجائے ابن ماجہ کے موطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔ ان میں بخاری مسلم اور ترمذی جامع کہلاتی ہیں، یعنی عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات وغیرہ تمام عنوانات پر ان میں احادیث موجود ہیں، جبکہ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ سنن کہلاتی ہیں۔ یعنی ان میں زیادہ تر عملی زندگی سے متعلق روایات درج ہیں۔

چوتھا دور:

چوتھی صدی ہجری تک تیسرے دور کا انداز تدوین اختتام کو پہنچ چکا تھا، پانچویں صدی ہجری سے چوتھے دور کا آغاز ہوتا ہے اور اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے، جسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ اس دور میں حدیث کی اہم کتابوں کی شرحیں، حواشی اور دوسری زبانوں میں اسکے تراجم ہوئے۔

۲۔ علم حدیث کی کتابوں کو بنیاد بنا کر ان پر بہت سی تالیفات اسی دور میں وجود میں آئیں، اسکی شرحیں اور خلاصے دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھے گئے

۳۔ اہل علم نے اپنے ذوق اور ضرورت کے مطابق احادیث صحیحہ کا انتخاب کر کے الگ الگ عنوانات سے کتابیں مرتب کیں تاکہ عام قاری اس سے

کم وقت میں استفادہ کر سکیں۔ اس سلسلے کی قابلِ ذکر کتابیں یہ ہیں۔

مؤلف ولی الدین خطیب کی "مشکوٰۃ المصابیح" حسن بن محمد صاغانی کی "مشارق الانوار" امام ابو ذکریا یحییٰ بن نووی کی "ریاض الصالحین" مجدّد الدین ابو البرکات عبدالسلام بن تیمیہ کی "منتقی الاخبار" اور حافظ ابن حجر کی "بلوغ الحرام"۔

ان کے علاوہ سید رفیع الدین صفوی شیرازی، سیّد عبدالاوّل حسینی (فیض الباری) حاجی محمد (شرح شمائل فاری) مولانا عبدالرحمن محدّث سرہندی، شیخ علی متقی، عبدالوہاب متقی، شیخ بہلوی دہلوی، شیخ عبدالنبی گنگوہی، ملّا قاری، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی، حضرت نظام الدین سلطان الاولیا، نصیرالدین محمد چراغ دہلوی، مولانا شمس الدین یحییٰ، مولانا فخر الدین زاروی، شیخ شرف الدّین یحییٰ منیری بہاری، شیخ احمد سرہندی، مجدّد الف ثانی، عبداللہ لاہوری، شیخ محمد حیات سندھی، علامہ علی آزاد بلگرامی، شیخ نورالدین احمد آبادی، شاہ ولی اللہ شاہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور مولانا عبدالباری نے احادیث کی کتابوں میں اضافہ کیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ حدیثوں کی روایت اور تحریر میں جس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گیا وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محدّثین چاہتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حدیث ضبطِ تحریر میں آجائے اور آپ صلعم کا کوئی فعل و عمل عام نگاہوں سے اوجھل نہ ہو۔ اور ان کے نقل و بیان میں مکمل ہوش و احتیاط کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا اور اس بات کی سعی و کاوش میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا گیا کہ آپ صلعم کی جانب کوئی غلط ملط اور جھوٹی بات منسوب نہ ہو جائے۔

## احادیث سے سیرت کی تدوین:

قرآن کی شرحی تفسیر حدیثِ پاک ہے جس سے قرآن کے مخفی گوشے درادی طور پر کھلتے ہیں اور مطالب خداوندی نمایاں ہو جاتے ہیں ۔ اسلئے کہ اگر قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے تو حدیث اس سیرت کی تفصیل ہے ۔ یعنی قرآن میں بے شمار مجمل اور مبہم باتوں کا بیان ہوا ہے جنکی تفصیل صرف احادیث میں ملتی ہے ، مثلاً اذان، نمازِ جنازہ، قبلہ بیت المقدس اور جمعہ و عیدین کے خطبات کا قرآن میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے اگرچہ کہ یہ سب عباداتِ اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے علاوہ اکل حلال و حرام چیزوں کی وضاحت ہمیں احادیث سے ہی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح سیرتِ نبوی ؐ کے جو نقوش قرآنِ مجید میں ملتے ہیں، اسکی تفصیل بھی احادیث ہی میں ڈھونڈنی چاہیئے، اسلئے کہ کتبِ حدیث کے ہزاروں ابواب و فصول درحقیقت سیرتِ مقدسہ ہی کے ابواب و فصول ہیں، جن سے گذر کر ہی آدمی اقلیمِ سیرت میں داخل ہو سکتا ہے ۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباواجداد اور قبل از نبوت سے آپ صلعم کے وصال تک کے تمام واقعات اور پہلوؤں کو احادیثِ نبوی ؐ کے آئینہ میں دیکھا جا سکتا ہے ۔ یہاں سیرت کی چند مثالوں پر اکتفا کروں گا، ملاحظہ فرمائیے

### نورِ مبارک:

قدیم سیرت کی کتابوں میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کثرت سے ہوا ہے ۔ قرآن میں اس نور سے متعلق کچھ اتنا ہی کہا ہے کہ

قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ

یعنی اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ۔ مفسرین کرام نے اسکی شرح میں لکھا ہے

کہ یہاں نور سے مراد آپ صلعم کی ذاتِ گرامی ہے۔ حدیث میں اسکی تفصیل یوں آئی ہے۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے :

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ :

یعنی سب سے پہلے اللہ جل جلالہٗ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

قبل از نبوت کے حالات :

احادیث میں آپ صلعم کی پیدائش سے لیکر قبل از نبوت کے واقعات کی تمام تر جزئیات بیان ہوئی ہیں، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب اور کہاں پیدا ہوئے، آپ صلعم کا کیا نام رکھا گیا۔ آپ صلعم کو پہلے کس نے دودھ پلایا، پھر دائی حلیمہ کے سپرد کب کئے گئے اور آپ صلعم کی زندگی وہاں کیسے گذری وغیرہ، کتب حدیث میں یہ مشہور واقعہ ملتا ہے جن کے راوی حضرت عباسؓ ہیں۔ آپ صلعم کی عمر شریف جب دو سال کی ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائی کیساتھ بکریاں چرانے تشریف لے گئے، ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ دو اشخاص نے آپ صلعم کو زمین پر لٹادیا اور سینہ چاک کرکے دلِ مبارک نکال کر دھویا اور پھر وہیں رکھ دیا۔ بیشتر سیرت نگاروں نے اس واقعہ کو "شقِ صدر" کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے جو کتب احادیث سے ماخوذ ہے، اسی طرح آپ صلعم کی زندگی کے مختلف گوشوں کی معلومات ہمیں احادیث ہی سے فراہم ہوتی ہیں۔ ذیل میں چند پہلوؤں کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

بحیثیتِ ہمدرد :

آپ صلعم انسانی ہمدردی کا پیکر تھے، ہر وقت دوسروں کی مدد کرنا، آپ صلعم کا شیوہ تھا، آپ صلعم سے کسی کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات کا ذکر احادیث میں ہوا ہے، یہ واقعہ مشہور ہے

ہے کہ ابو جہل نے یہ خبر اڑا دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جادوگر ہیں جو کوئی ان کی بات سنتا ہے انھیں کا ہو جاتا ہے، ان کی کوئی بات نہ سنے ایک بوڑھیا جسے اپنا پرانا دین پیارا تھا مکہ چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہے، راستے میں آپ صلعم کی نظر اس پر پڑتی ہے۔ کمزور بوڑھیا اپنے سر پر گٹھڑی اٹھائے چل رہی ہے، آپ صلعم فوراً اسکی مدد کو پہنچتے ہیں اور اسکی گٹھڑی لے کر اس سے باتیں کرتے ہوئے چلنے لگتے ہیں، کچھ دیر بعد آپ صلعم اس سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہی ہے، وہ بوڑھیا سارا واقعہ بیان کرتی ہے اور محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتی جاتی ہے، آپ صلعم اپنی برائی سننے کے بعد بھی اسکے ہمراہ اس کا سامان اٹھا کر اسکی منزل تک پہنچا دیتے ہیں، جب بوڑھیا کی منزل آتی ہے تو بوڑھیا آپ صلعم کا شکریہ ادا کرکے آپ صلعم کا نام پوچھتی ہے، آپ صلعم جواب میں ارشاد فرماتے ہیں، اب تک تم جس شخص کی برائی بیان کر رہی تھی وہ محمد میں ہی ہوں۔ آپ صلعم کی بات سن کر بوڑھیا حیرت میں پڑ جاتی ہے، یہ خیال کرتی ہے کہ جو شخص اپنی برائی سننے کے بعد بھی کمزوروں کی مدد کرتا ہے، وہ کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا، پھر وہ بوڑھیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ واپس آجاتی ہے، ایسے واقعات صرف احادیث ہی سے ہمیں حاصل ہوتے ہیں۔

بحیثیت عادل:

آپ صلعم کے عادل و منصف ہونے کی طرف بھی احادیث میں بے شمار واقعات بیان ہوئے ہیں، آپ صلعم کی سیرت کا یہ وہ پہلو ہے جس کو دیکھ کر غیر مسلم بھی حیران ہیں اور یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اسلام کا پیغمبر انصاف پسند ہے اور اس سلسلے میں وہ بلا امتیاز رنگ و بو فیصلہ کرتے ہیں

صحیح بخاری میں ہے حضرت انس ابن مالک رض کہتے ہیں میرے گھر میں بکری پلی ہوئی تھی، میں نے اس کا دودھ دوہا، اسمیں اپنے گھر کے کنویں کا پانی ملاکر حضور اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر کیا، اسوقت حضور انور کے بائیں جانب حضرت ابوبکر رض تشریف فرما تھے اور دہنی جانب ایک گاؤں کا شخص بیٹھا تھا، جب حضور صلعم اس پیالے سے نوش فرما چکے۔ حضرت عمر رض کو خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو حضرت ابوبکر رض کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گاؤں والے کو پیالہ عنایت کر دیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ، حضرت ابوبکر رض کو عنایت فرما دیجئے گا۔ حضور صلعم نے (اس کلام کی کچھ پرواہ نہ کی) اور دیہاتی کو پیالہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ دہنے ہی کو دیتے چلے جاؤ۔ اس سلسلے کا وہ تاریخی واقعہ بھی احادیث میں ملتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رض کی سفارش پر بھی آپ صلعم اسامہ رض کے قبیلہ کی عورت فاطمہ کی چوری ثابت ہونے پر آپ صلعم نے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم یہ کہتے ہوئے صادر فرمایا تھا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ رض بھی چوری کرتی تو اسکے بھی ہاتھ کاٹ دئے جاتے۔

بحیثیت مصلح:

آپ صلعم دنیا میں تشریف لائے ہی اسلئے تھے کہ بنی نوع کی اصلاح کی جائے اور یہ پیغمبر کی نمایاں صفت ہے، ہر پیغمبر مصلح بن کر آیا اپنی قوم کیلئے ۔۔۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم مصلح بن کر تمام عالم کی اصلاح و رہبری کیلئے مبعوث ہوئے، آپ صلعم نے جہاں لوگوں کی براہ راست اصلاح فرمائی وہیں مختلف تنازعات میں دو فریقوں کے درمیان صلح بھی کرادی۔ احادیث میں اسکی بے شمار تفصیلات ملتی ہیں اسکی ایک مشہور مثال صلح حدیبیہ ہے، جسے ہر سیرت نگار نے اپنی

سیرت میں جگہ دی ہے۔

**بحیثیت نبی و رسول:**

قرآن میں جا بجا آپ صلعم کے نبی و رسول ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، بیسیوں آیات ہیں جو آپ صلعم کی رسالت و نبوت کا اظہار کرتی ہیں۔ احادیث میں آپ صلعم نے یہ بات دہرائی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے، فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، میں اُس زمانے میں نبی تھا جب آدم ؑ ابھی آب و گل کی منزلوں سے گذر رہے تھے، اس سلسلے کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ جب تبلیغ اسلام کیلئے آپ صلعم کوہ فاران پر چڑھ گئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا، اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے اس طرف ایک قوم کھڑی ہے جو تمہیں غفلت میں پاکر لوٹ لے گی کیا تم میری بات کو سچ مانو گے۔ لوگوں نے کہا تھا کہ آپ صادق ہیں، پھر فرمایا سنو، میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ ایک ہے۔

**بحیثیت معلم:**

آپ صلعم معلم اعظم ہیں۔ آپ ؐ نے اپنے صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ رض کا بیان ہے کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی جمعیت میں تشریف فرما تھے اور سلسلہ کلام جاری تھا اتنے میں ایک دیہاتی حاضر ہوا، آپ ؐ نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ قیامت کب آئے گی، لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ بعض حاضرین کو تو یہ خیال ہوا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سوال سن لیا ہے، لیکن آپ ؐ کو ناگوار گذرا، (اسی وجہ سے آپ ؐ نے جواب نہیں دیا) بعض کا خیال ہوا کہ حضور صلعم نے سنا ہی نہیں، لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔

وہ سائل کہاں ہے۔ اس شخص نے عرض کیا "یارسول اللہ، حاضر ہوں"، فرمایا "جب امانت میں خیانت ہونے لگے، سمجھ لو قیامت آگئی۔ اس نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تضیع امانت کی کیا کیفیت ہے، فرمایا، جب دین کے امور نا اہلوں کے سپرد ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرنے لگو۔

"کسی شخص کو پرکھنے کی بہترین کسوٹی اس کے گھر کی زندگی ہے۔ گھر کے اندر اس کی جو سیرت ہے، وہی اسکی اصلیت ہوتی ہے"

بحیثیتِ شوہر:

آپ صلعم نبی و رسول ہیں۔ مگر اللہ نے آپ صلعم کو بشری لباس میں مبعوث فرمایا۔ اور زندگی کی خوشیوں اور سختیوں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوچار ہونا پڑا، جہاں آپ صلعم نے فرائضِ رسالت ادا کیے، وہیں حقوق احباب و رشتہ دار بھی ادا کیے، جہاں آپ صلعم نے عبادت میں زندگی گذاری، وہیں آپ صلعم نے دنیاوی زندگی بھی بسر کی۔ اور مختلف قبائل کی عورتوں سے نکاح بھی فرمایا۔ انکے ہمراہ ایک کامیاب زندگی بسر کرکے ہمارے لیے مثال قائم کی۔ احادیث میں اسکی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلعم ہر بیوی سے رواداری و نیکی کا سلوک کرتے تھے، ہر بیوی کیلئے نان و نفقہ کا اہتمام کرتے تھے اور ان سے ہمیشہ خوش دلی سے گفتگو کرتے، زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں شامل تھی، حدیث میں یہ واقعہ بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رض اور نبی کریم صلعم کے درمیان دوڑ کا مقابلہ ہوا اور نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عائشہ رض دوڑ میں آگے نکل گئیں۔

اس وقت حضرت عائشہ رضؓ دبلی پتلی تھیں ایک عرصہ بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ آج ہم پھر دوڑ لگائیں گے، اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ سے آگے نکل گئے۔ تب حضور صلعم نے کہا "عائشہ حساب برابر ہوگیا"
بحیثیت شوہر آپ صلعم نے ہمیشہ ازدواج مطہرات کا ہر طرح خیال رکھا ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں ساتھ تھیں، وہ تمام جسم کو چادر سے ڈھانپ کر اونٹ کی پچھلی نشست پر نبی کریمؐ کے سوار ہوا کرتی تھیں، جب وہ اونٹ پر سوار ہونے لگتیں، تب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا گھٹنہ آگے بڑھا دیتے، حضرت صفیہ رضؓ اپنا پاؤں آں حضرت صلعم کے گھٹنے پر رکھ کر اونٹ پر چڑھ جایا کرتیں۔

بحیثیت شفیق باپ:

آپ صلعم اپنے بچوں سے بھی والہانہ محبت کرتے تھے، بیٹوں سے کچھ زیادہ ہی اُنس تھا، اسی بناء پر اپنی اُمت کو نیک سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی اور کہا کہ:

"جب تم اپنے بچوں میں تقسیم کرنے کیلئے کچھ لاؤ تو بیٹیوں سے شروع کرو کیوں کہ بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں اپنے والدین سے زیادہ محبت کرتی ہیں"

بیٹوں سے بھی محبت کا یہی عالم تھا، مگر یہ محبت و شفقت زیادہ دیر نہیں رہی، اس لئے کہ کم عمری میں ہی وہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹیوں سے زیادہ قریب رہے۔ اور ساری محبت و شفقت ان پر لٹادی۔

بحیثیت سپہ سالار: آپؐ نے کئی غزوات میں حصّہ لیا اور اسلامی فوج کے سپہ سالار بن کر رہبری اور رہنمائی فرمائی اور جنگوں میں کامیابی حاصل کی، جہاں نبی کریمؐ کی باتوں پر عمل نہ کیا گیا، وہاں اسلامی فوج کو منہ کی کھانی پڑی، جنگ احد میں مسلمانوں نے جیتی ہوئی بازی ہار دی، کیونکہ آپؐ کے حکم پر مسلمانوں نے عمل نہیں کیا تھا۔

جنگوں کی تفصیلات جتنی احادیث میں بیان ہوئی ہیں، کہیں نہیں ہوئیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ میں وہ کام انجام دیئے جنکو دُنیا کا بڑے سے بڑا سپہ سالار بھی انجام دینے سے قاصر ہے۔

بحیثیتِ خاتم النّبیین:

احادیث میں بھی قرآن کی طرح آپ صلعم کے خاتم النبیین ہونے سے متعلق واضح اشارے ملتے ہیں۔ ان میں وہ حدیث کافی معروف ہے جس میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ایک عمارت کی آخری اینٹ سے تشبیہ دی ہے، یعنی یہ دینِ اسلام جو حضرتِ آدم ؑ سے شروع ہوا تھا، آپ صلعم پر مکمل ہوگیا، اس کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلئے کہ آپ صلعم نے اللہ کے دین کی تمام باتیں اپنی اُمّت کو بتادیں اور روزِ قیامت تک کیلئے ہدایت کا راستہ بتادیا۔ اس کے علاوہ ہجرت کے جزوی واقعات، معجزات کی تفصیلات جنگوں کی تفصیلات، غیر مسلموں سے آپ صلعم کا سلوک، آپ صلعم کے حج وعمرہ کے حالات، خطبۂ حجۃ الوداع اور وصال سے متعلق معلومات ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں۔ جن کے سہارے سیرت نگارانِ رسول ؐ اپنی تالیف اور تصانیف کو مزیّن کر رہے ہیں۔ اور تا روزِ قیامت کرتے رہیں گے۔

۳۔ ارشاداتِ صحابۂ کرام رضؓ:

قرآن وحدیث کے علاوہ حیاتِ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے متعدد واقعات کی جھلکیاں ہمیں صحابۂ کرام اور اہلِ مکّہ کے اقوال میں نظر آتی ہیں۔

حلیۂ مبارک:

گفتگو کا آغاز اُمِّ معبد کی وضاحت سے کیا جاتا ہے جو انھوں نے آپ صلعم کے حلیۂ مبارک سے متعلق کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ صلعم ہجرت کے دوران غارِ حرا سے نکل کر خیمۂ اُمِّ معبد سے گزرے تھے اور تھوڑی دیر اس خیمے میں

قیام بھی فرمایا تھا۔ اُمِ معبد کے شوہر نے یہاں آنے والے سے متعلق پوچھا تو اُمِ معبد نے آپؐ کی توصیف ان الفاظ میں کی:

" میں نے ایک شخص کو دیکھا، جس کی لطافت نمایاں، جس کا چہرہ تاباں اور جسکی ساخت میں تناسب تھا، پاکیزہ اور پسندیدہ خو، نہ فربہی کا عیب، نہ لاغری کا نقص، نہ پیٹ نکلا ہوا، نہ سر کے بال گرے ہوئے، چہرہ وجیہہ، جسم تن و مند اور قد موزوں تھا، آنکھیں سرمگیں، فراخ اور سیاہ تھیں پتلیاں کالی تھیں، ڈھیلے بہت سفید تھے، پلکیں گھنی اور لمبی تھیں۔ پروقار، خاموش دلبستگی لئے ہوئے، کلام شیریں اور واضح، نہ کم سخن نہ بسیار گو، گفتگو اس انداز کی جیسے پروئے ہوئے موتی، دو شرم و نازک شاخوں کے درمیان ایک شاخ تازہ جو دیکھنے میں خوش منظر، رفیق انکے گرد و پیش رہتے ہیں، جو کچھ فرماتے ہیں، وہ سنتے ہیں۔ جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کیلئے جھپٹتے ہیں، مخدوم و مطاع، نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو۔"

حضرت ہند بن ہالہ رضؓ بیان کرتی ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوددار و باوقار اور شان و شوکت کے حامل تھے اور دوسروں کی نگاہ میں بھی نہایت پر شکوہ، آپ صلعم کا روئے انور چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔"

اوصافِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ، اوصافِ کریمہ اور خصائل شریفہ کا ذکر قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ میں جا بجا آیا ہے، اسکے علاوہ صحابہؓ کرامؓ نے آپ صلعم کو جس حالت میں دیکھا اسکو ہو بہو بیان فرمایا۔ آپ صلعم کے "خلق عظیم" سے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"آپ صلعم ہمہ وقت کشادہ رو اور انبساط و بشاشت کے ساتھ رہتے تھے

بہت نرم اخلاق اور نرم پہلو تھے۔ نہ سخت طبیعت کے تھے، نہ سخت بات کہنے کے عادی، نہ چلا کر بولنے والے، نہ عامیانہ اور مبتذل بات کرنے والے نہ کسی پر عیب لگانے والے، نہ تنگ دل بخیل، جو بات آپؐ کو پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے (یعنی اسکو نظر انداز کر دیتے اور گرفت نہ فرماتے)۔ تین باتوں سے اپنے آپ کو بالکل بچائے رکھا تھا، ایک جھگڑا، دوسرے تکبر، تیسرے غیر ضروری اور لایعنی کام، لوگوں کو بھی تین باتوں سے آپؐ نے بچا رکھا تھا، نہ کسی کی برائی کرتے تھے، نہ اس پر عیب لگاتے تھے اور نہ اسکی کمزوریوں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے تھے، صرف وہ کلام فرماتے تھے، جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی

سادگی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح بچپن میں بکریاں چرایا کرتے تھے، ایسے ہی نبوت وسلطنت مل جانے کے بعد بھی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے اور دودھ دوہنے پر بھی کیا موقوف ہے، آپ صلعم نے کبھی اپنے ذاتی کاموں کیلئے اپنے خدام تک کو تکلیف نہیں دی اور ہمیشہ اپنا سب کام اپنے ہاتھوں سے کیا۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، جناب رسول مقبولؐ نے کبھی اپنے آپ کو دنیوی کام کاج میں اوروں سے ممتاز نہیں فرمایا، بلکہ جیسے تم سب لوگ اپنے گھروں میں اپنا کام کرتے ہو۔ ایسے ہی آپؐ بھی کیا کرتے تھے، آپؐ خود ہی اپنے کپڑے سیتے تھے، خود ہی جوتیاں گانٹھ لیتے تھے، غرض اپنے سب کام خود کر لیتے تھے (بخاری و ترمذی)۔

حضرت ابو طلحہؓ فرماتے ہیں، ایک دفعہ ہم نے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوکر بھوک کی شکایت کی۔ اور دامن اٹھا کر دکھایا کہ پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے، جناب رسالت مآب نے ہماری تسکین کیلئے اپنا دامن اٹھایا تو ہم نے دیکھا کہ شکم مبارک سے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کبھی کوئی فحش اور بے ہودہ کلمہ نہ نکلتا تھا، نہ آپ صلعم کسی پر لعنت کرتے تھے، نہ کسی کو برا بھلا کہتے تھے، مگر کسی پر بہت ہی خفا ہوتے تو فقط اتنا فرماتے "اسے کیا ہو گیا، اسکی پیشانی خاک آلودہ ہو" (بخاری)

شجاعت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جتنے نرم و نازک طبعیت کے مالک تھے، اتنے ہی بہادر و شجاع بھی تھے، میدان جنگ میں آپ صلعم نے جو کارنامے انجام دئے ہیں، وہ اس بات کے شاہد ہیں۔ آپؐ انتہا درجے کے بہادر اور شجاع تھے، جنگ کے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار بھی چلائی ہے، خندق کھودتے وقت چٹان کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کئے ہیں اور بڑے سے بڑے حادثے کا جوانمردی سے مقابلہ کیا ہے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ صلعم "اشجع الناس" یعنی انتہا درجے کے بہادر اور شجاع تھے۔ بخاری میں ایک رات کا ذکر ہے کہ اہل مدینہ یکایک گھبرا اٹھے (جیسے کوئی دشمن چڑھ آئے یا ڈاکہ پڑے) تو لوگ اس آواز کی جانب چلے، مگر ادھر سے ان کو آپ صلعم واپس آتے ہوئے ملے، کیوں کہ آپ صلعم سب لوگوں سے پہلے تنہا ادھر تشریف لے گئے تھے، آپ صلعم نے تسلی کے طور پر فرمایا کہ "ڈرو مت، گھبراؤ مت" اور آپ صلعم اسوقت ابو طلحہؓ کے برہنہ پشت گھوڑے پر سوار تھے اور گردن مبارک میں تلوار لٹکی ہوئی تھی۔ (بخاری)

اسی طرح حلم و تحمل، عفو و رحم، صبر و شکر، سخاوت، ایثار و قربانی، محبت و شفقت، عدل و انصاف، صدق، حیا، وقار و متانت، تجارتی صلاحیتیں اور امانت داری وغیرہ کے بے شمار واقعات اصحاب کرام کی زبانی بیان ہوئے ہیں اس کے علاوہ غزوات و سرایوں کی مکمل معلومات کا یہی منبع ہے۔ جس کے

بغیر سیرتِ نبویؐ کا مکمل احاطہ ہو نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اقوال و ارشاداتِ صحابۂ کرامؓ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں، محدثین نے احادیث میں شامل کیا ہے ۔ اس سلسلے میں مولانا سلیمان ندوی فرماتے ہیں ۔

"...... حاملِ قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیاتِ طیبہ اور اخلاق و عاداتِ مبارکہ اور آپ صلعم کے اقوال و اعمال اور آپ صلعم کی سنن و مستحبات اور احکام و ارشادات اسی علمِ حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچتے ہیں، اسی طرح خود اسلام کی تاریخ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احوال اور ان کے اعمال و اقوال اور اجتہادات و استنباطات کا خزانہ بھی اسی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے ۔ اس بناء پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کیلئے موجود و قائم ہے ۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت رہے گا۔"[1]

بحوالہ

---

1۔ مناظر احسن گیلانی، تدوینِ حدیث، تعارف از سید سلیمان ندوی ص ۳ مکتبہ تھانوی دیوبند 1983

چوتھا باب

# سیرت نگاری کی روایت

الف : بہ زبانِ عربی

ب : بہ زبان فارسی

# عربی زبان میں سیرت نگاری کی روایت

سیرت طیبہ کا موضوع اس قدر دلکش، ایمان افروز اور روح پرور ہے کہ آپ صلعم سے محبت کرنے والے مصنفین نے اس دلکش موضوع پر اپنی زندگی کی آخری سانس تک قلم چلایا۔ چنانچہ آج ہمارے پاس سیرت نبویؐ کا وافر ذخیرہ موجود ہے کہ کائنات میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کی سوانح حیات سے متعلق اس کا عشر عشیر بھی عالم وجود میں نہ آسکا۔ اور سیرت کا یہ تحریری سرمایہ صرف ایک یا دو زبانوں میں نہیں بلکہ دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ملتا ہے۔ نیز یہ کہ اس میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا، مصنفین و مؤلفین رہتی دنیا تک پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ پر لکھنے کی سعادت حاصل کرتے رہیں گے اور اپنا نام نامی سیرت نگارانِ رسولؐ کی فہرست میں درج کرواتے رہیں گے۔

**سیرت نگاری کی ابتدا کا پس منظر:** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کو محفوظ کرنے اور اس سے متعلق روایات کو جمع کرنے کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر قریب ہے کہ ان کو معاصر شہادت کا درجہ حاصل ہے۔ مگر سیرت اور روایات کا یہ ذخیرہ اسلام کے ابتدائی دور میں تحریری نہیں زبانی تھا۔ اس کا سبب بعض علماء کی نظر میں یہ ہے کہ ایک تو عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا اور دوسرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز قرآن کے کچھ اور لکھنے کو منع فرمایا تھا۔ بعض علمائے کرام کا بشمول شبلی نعمانی خیال ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہے۔ لیکن بعد ازاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بعض صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ صلعم کے ارشادات قلم بند کر لیا کرتے تھے*۔ مگر تدوین و تصنیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانے سے ہوا اور یہ زمانہ ۱۴۳ھ کا ہے۔

---

* باب دوم میں اس سے متعلق تفصیلی بحث آچکی ہے۔

**اسلام میں تصنیف و تالیف کا آغاز :-** خلفائے راشدین بلکہ خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت سے کچھ قبل تک چونکہ حدیثوں کا لکھنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا اس لیے سیرت طیبہ کے موضوع پر صحابۂ کرامؓ کی کوئی تصنیف عالم وجود میں نہ آسکی تھی، مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت میں تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی ہوئی اور اس دور میں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدوین کی طرف توجہ دی گئی اور اس کارِ خیر کو آگے بڑھانے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہر ممکن کوشش کی۔ اس سلسلہ میں شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ کے مقدمہ میں علامہ ابن عبدالبر کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر کے دفتر لکھے، عمر ابن عبدالعزیز نے جہاں جہاں اُن کی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا۔" [1]

اس طرح تدوینِ حدیث کی ابتداء ہوئی، مگر اس دور میں سیرتِ نبویؐ کے موضوع پر کتابیں تو تصنیف نہ ہو سکیں مگر صحابۂ کرام اپنی یادداشت سے زبانی طور پر اپنی محفلوں، درس گاہوں اور اپنے خطبات میں احادیثِ احکام کے ساتھ ساتھ سیرتِ نبویہ کے مضامین بھی بیان کرتے تھے۔ اسی لیے احادیث کی طرح مضامین سیرت کی روایتوں کا سرچشمہ بھی صحابۂ کرام کی مقدس شخصیتیں ہی ٹھہریں۔

**فنِ مغازی (سیرت) کی ابتداء :-** احادیث کی تدوین و تالیف کی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فن مغازی کی طرف بھی خاص توجہ کی، اور اس فن کو فروغ دینے کے لیے حلقۂ درس قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ عاصم بن عمر قتادہ انصاری اس فن میں کمال رکھتے تھے اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انھیں دمشق

---

[1] شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی بحوالہ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 29، مکتبہ مدینہ اُردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

روانہ کیا تاکہ وہ لوگوں کو مغازی اور مناقب کا باقاعدہ درس دے سکیں۔

فنِ مغازی کی ابتدا تابعین کے زمانے سے ہوئی۔ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال سے متعلق اُن روایتوں کو جمع کرنا شروع کیا تھا جو اُس دور میں رائج تھیں۔ ان کو یہ روایتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حاصل ہوئیں تھیں۔ تابعین میں ایسے حضرات موجود تھے جو مغازی کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اوّل اوّل تو اس صنفِ تحریر میں غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا احاطہ کیا جاتا تھا مگر بعد میں اس کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیات مقدسہ (سیرۃ) پر کیا جانے لگا[1]۔ اس باب میں مغازی یا سیرت کے اُن علماء کا تذکرہ ہوگا، جنہوں نے عربی زبان میں فنِ مغازی یا فنِ سیرت نگاری کی روایات کو آگے بڑھایا۔

**تابعین میں مغازی کے علماء:-** اس میں کوئی شک نہیں کہ ابن اسحٰق کی "سیرۃ الرسول اللہ" کا صحیح معنوں میں کوئی بھی حریف نہیں تھا، لیکن اس سے قبل متعدد کتب مغازی موجود تھیں، مگر ہم نہیں جانتے کہ وہ پہلے پہل کب لکھی گئیں اگرچہ کہ ہمیں پہلی صدی ہجری کے ان متعدد علماء کرام کے نام معلوم ہیں جنہوں نے اہم نکات تحریر کر لیے تھے، اور آنے والی نسل تک اپنا علمی سرمایہ منتقل کر دیا تھا۔ ان میں سے قابلِ ذکر علماء اور ان کی تالیفات پر اظہار خیال درج ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

**دورِ اوّل :** مغازی کا فن پہلی صدی ہجری کے نصف اوّل میں ہی ضبطِ تحریر میں آنے لگا تھا۔ اس دور میں کبار تابعین نے زیادہ تر اپنی ذاتی یادداشتوں کو قلم بند کرنے پر توجہ دی۔

**۱۔ ابان ابن عثمان :** فنِ مغازی کے عالم کی حیثیت سے ابان ابن عثمان کے نام

---

[1] اس کی مفصل بحث پہلے باب میں "سیرت کا مفہوم" کے تحت آچکی ہے۔

کو اوّلیت حاصل ہے۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ تقریباً ۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے والدِ مکرّم کے قاتلوں کے خلاف حضرت عائشہ رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ کے ساتھ اُس مہم میں حصّہ لیا جو انہوں نے قتلِ عثمان رضؓ ۳۵ھ کا قصاص طلب کرنے کو شروع کی تھی۔ عبدالملک نے ۷۵ھ میں آپ کو مدینے کا والی مقرر کیا۔ ابان ۸۳ھ تک سات سال مدینہ کے گورنر رہے، پھر عبدالملک نے آپ کو برطرف کر دیا۔ گورنری کے زمانے میں خلیفہ آپ کو ہر سال امیرِ حج نامزد کرتا تھا۔

آپ کے عہدِ امارت ہی میں مدینہ کی بعض بڑی شخصیتوں مثلاً حضرت جابر ابن عبداللہ رضؓ محمد ابن الحنیفہ حضرت علی رضؓ کے فرزند اور عبداللہ بن جعفر، حضرت علی رضؓ کے بھتیجے کا انتقال ہوا تو اُن سب کی نمازِ جنازہ آپ ہی نے پڑھائی، حضرت ابان کی وفات کے سلسلے میں صحیح معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے لکھا ہے کہ

> "اُن کی وفات کے بارے میں ہماری معلومات غیر یقینی ہیں۔ انہیں وفات کے ایک سال پہلے فالج کا اثر ہو گیا تھا۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ الولید کے عہد (۸۶ - ۹۶ھ) میں انتقال کر گئے اور ابنِ سعد کا خیال ہے کہ اُن کی وفات یزیدِ ثانی (۱۰۱ھ - ۱۰۵ھ) کے زمانے میں ہوئی بلکہ بعض لوگ عہدِ یزید ثانی کے اواخر (۱۰۵ھ) میں بتاتے ہیں۔" [۱]
>
> ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے ابان ابن عثمان کا زمانہ ۲۰ھ/641ء تا ۱۰۰ھ/718ء) بتایا ہے۔ [۲]

---

[۱]، [۲] محمد یٰسین۔ مقالہ بعنوان تاریخ یعقوبی۔ سیرت نبویؐ کا ایک اہم ماخذ/ نقوشِ رسول نمبر جلد اوّل صفحہ 565، اُردو بازار لاہور۔

اس لحاظ سے ابان ابنِ عثمان تقریباً 100 ھ میں فوت ہوئے۔

ابان کا شمار فقہاء مدینہ میں ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو اپنے باپ کے فتاوٰی حفظ تھے، لیکن کچھ روایات اس کی نفی کرتی ہیں کہ آپ نے اپنے والد سے احادیث کی سماعت کی تھی، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ابان ماہرِ فن تھے ان کی روایات کا ذکر واقدی نے ابن المغیرہ کے بیان میں اس طرح کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے صرف مغازی کی روایات حضرت ابان کی سند پر لکھی تھیں۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ابن المغیرہ نے وہی کچھ لکھا تھا جس کی تفصیل انھیں ابان سے ملی تھی۔ تعجب اس بات کا ہے کہ نہ تو ابن اسحٰق نے اور نہ ہی واقدی نے ابان کا حوالہ دیا ہے۔ جو ان کے بعض معاملات کے اندرون کا گہرا علم رکھتے تھے، جن کا عوام الناس کو کچھ علم نہ تھا۔ بہر حال آپ کا نام فقہی احادیث کے مجموعوں کی اسناد میں اکثر آیا ہے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک خاص مجموعہ مغازی کو فراہم کیا تھا۔

**۲۔ عروہ بن زبیر رضؓ:** ابان ابن عثمان کے بعد سب سے اہم ترین شخصیت عروہ بن زبیر رضؓ کی تھی۔ آپ کا شمار مدینہ کے ممتاز اہلِ علم میں ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش ۲۳ ھ میں ہوئی آپ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے نواسے اور حضرت عائشہ رضؓ کے بھانجے تھے۔ آپ علم کے بڑے شیدائی تھے اور یہی تمنا رکھتے تھے کہ علم کے حوالے سے دُنیا میں جانے پہچانے جائیں۔ ایک دفعہ فرمایا ـــــ

"میں تو چاہتا ہوں کہ دُنیا میں زاہدانہ زندگی گزار دوں، آخرت میں سُرخرو رہوں اور اُن لوگوں میں شمار کیا جاؤں جن سے علم کی روایت کی جاتی ہے"۔ [۱]

---

۱؎ جوزف ہورووِتس مترجم نثار احمد فاروقی، سیرۃ نبوی کی اولین کتابیں اور اُن کے مؤلفین صفحہ 20 اسلامک بُک فاونڈیشن، نئی دہلی، اشاعت ثانی 1998ء

آپ کی متعدد روایات کتب تاریخ میں ملتی ہیں۔ اور ان کے علاوہ آپ خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵ھ — ۸۶ھ) کو تحریری یادداشتیں بھی بھیجا کرتے تھے اسی بنا پر آپ کو بجا طور سے تاریخِ اسلام کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات یقینی نہیں ہے کہ آپ نے کوئی کتاب لکھی ہو، لیکن ابنِ اسحٰق اور دوسرے لکھنے والوں کے توسط سے ان کے نام کے حوالے سے جو متعدد روایات ہم تک پہنچی ہیں ان کی روشنی میں اس دعوے کا جواز نکلتا ہے کہ آپ واقعی تاریخِ اسلام کے بانی تھے، ابن سعد، طبری اور امام بُخاری نے آپ سے بے حد استفادہ کیا ہے۔ ان کے کام کا بیش تر حصہ آپ کی خالہ حضرت عائشہ رضؓ کے بیانات پر مبنی ہے۔ ابنِ اسحٰق کی طرح آپ بھی بیان کردہ روایات میں شاعری کا حوالہ دینے کے عادی تھے۔ اور اپنی اس عادت کا جواز حضرت عائشہ رضؓ کی مثال دے کر نکالا کرتے تھے جو ہر پیش آمدہ موضوع پر اشعار پڑھا کرتی تھیں۔ آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، ابتداءِ دعوت، قریش کی مخالفت، ہجرت حبشہ و مدینہ، غزوات و سرایا، ملوک عالم کے نام مراسلات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام کے علاوہ خلافت راشدہ کے زمانہ جنگ جمل تک کے بعض واقعات کو جمع کیا تھا، آپ پہلی صدی ہجری کے راوی ہیں اور جن اشخاص کی سند پر آپ نے روایت کی ہے ان میں اسلام کے معزز شخصیتیں شامل ہیں۔

آپ کا شمار فن مغازی کے اوّلین مصنّفین میں ہوتا ہے۔ علامہ شبلی نے ان سے متعلق "تذکرۃ الحفاظ" سے ذہبی کا یہ قول نقل کیا ہے —

"کان عالمًا بالسیرۃ" — [1]

صاحبِ کشف الظنون نے مغازی کے بیان میں لکھا ہے کہ —

---

[1] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد اوّل، صفحہ 34 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

بعضوں کی رائے ہے کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب ان ہی (عروہ بن زبیر) نے تدوین کی تھی"۔ [1]

عروہ نے اکہتر (71) سال کی عمر پائی اور ۹۴ھ میں آپ نے وفات پائی

**۳۔ شُرجیل بن سعد :** تیسرا اہم اور قابلِ ذکر نام شُرجیل[1] بن سعد کا ہے۔ آپ ایک آزاد کردہ غلام تھے، آپ کے بارے میں سوائے اس بات کے اور کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ نے ایک کتاب مغازی پر تحریر کی تھی، آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی، حضرت ابوہریرہ رضی اور حضرت ابوسعید خدری رضی سے احادیث اخذ کیں تھیں۔ موسیٰ بن عقبہ شہادت دیتے ہیں کہ۔

"شرجیل نے مدینہ کو ہجرت کرنے والوں کی فہرست بنائی، اسی طرح اُن اصحاب کے نام لکھ لیے تھے جنہوں نے بدر اور اُحد کے غزوات میں حصّہ لیا۔ سُفیان بن عُیینہ کا قول ہے کہ۔

"مغازی اور اصحابِ بدر کے حالات کا اُن سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں تھا"۔ [2]

لیکن بعض کا خیال ہے کہ آپ کی روایات اعتبار کے قابل نہیں اس لیے کہ آپ مفلس و محتاج تھے، لوگ آپ کے مغازی کو ساقط الاعتبار سمجھتے تھے، لیکن بعض کی آراء آپ کے بارے میں اچھی تھیں، جن میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن حبان کا شمار ہوتا ہے ابن اسحٰق کے ہاں آپ کا حوالہ معدوم ہے اور دوسرے لکھنے والوں خصوصاً الواقدی کے یہاں بھی شاذ و نادر ہی آپ کا حوالہ آیا ہے، مگر ابن سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قباء سے مدینہ کو ہجرت کرنے کی خبر آپ سے ہی اخذ کی تھی۔ آپ

---

[1] شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد اوّل صفحہ 34، مکتبہ مدینہ، اُردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

[2] ایضاً

کا انتقال ۱۲۳ھ میں ہوا۔

۴۔ **وہب بن منبہؒ :** آپ کا شمار بھی تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ جنوبی عرب کے باشندے تھے۔ اور ایرانی نسل یمنی تھے۔ آپ کے والد غالباً یہودی تھے لیکن انہوں نے (آپ کے والد) بقول واقدی سنہ ۱۰ھ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہب بن منبہؒ کی ولادت ۳۴ھ میں ہوئی۔ آپ یہودیوں اور عیسائیوں کے صحائف و روایات میں اپنی دلچسپی اور علم کے باعث اچھی شہرت کے حامل نہیں تھے اور بہت سے زوائد جو ان کے بعد گھڑ لیے گئے تھے آپ کے سر مڑھ دیے گئے۔

وہب بن منبہؒ کو عام طور پر ثقہ راوی سمجھا گیا ہے۔ انہوں نے ابن عباسؓ جابرؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی مگر رواۃ نے مدینہ کے دوسرے تابعین کے مقابلہ میں اُن سے بہت کم اخذ کیا ہے۔ امام بخاری نے اُن سے ایک حدیث درج کی ہے جس کا سلسلۂ اسناد وہب بن منبہؒ نے اپنے بھائی ہمام کے واسطے سے ابو ہریرہؓ تک پہنچایا ہے۔ لیکن ادب عربی میں جو کثیر روایات آپ سے منسوب ہیں اُن کا سلسلۂ اسناد ہمیں شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ حاجی خلیفہ نے وہب بن منبہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ نے مغازی جمع کیے تھے مگر قدیم کتبِ سیرۃ میں کہیں بھی اُن کا حوالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے راویوں میں نہیں آتا ہے۔ اس لیے وہب بن منبہؒ مغازی کو محدود معنوں میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی تحریروں میں عقبۂ کبریٰ کی تاریخ بھی موجود ہے۔ دارالندوہ میں قریش کی میٹنگ کا حال بھی ہے ہجرت کی تیاریوں کا ذکر بھی ہے۔ پھر خود ہجرت کا بیان، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے اور غزوۂ بنو خیثمہ کی روداد بھی ہے۔ اگر ہم مغازی کے مفہوم کو وسیع تر معنوں میں لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی پر اس لفظ کا اطلاق کریں تو وہب بن عقبہ کی بیش تر تصانیف سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیباچہ بن جائیں گی آپ کی رحلت ۱۱۴ھ میں ہوئی۔

۵۔ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم : تابعین کے بعد جن علماء نے فنِ مغازی کی طرف خاص توجہ فرمائی اُن میں ایک اہم نام عبداللہ بن ابی بکر بن حزم کا ہے۔ آپ کا شمار ابن اسحٰق کے اہم ترین خبر دہندوں میں ہوتا ہے۔ آپ ایک مدنی خاندان میں پیدا ہوئے۔ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے آبا و اجداد نے اسلام کی بڑی خدمت کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے جدِّ اعلیٰ کو یمن کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کے باشندوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نجران کا گورنر بھی مقرر کیا تھا۔ عبداللہ کے دادا بھی واقعۂ حرہ میں شہید ہوئے تھے، آپ کے والد ابی بکر بھی مدینہ کے قاضی رہے۔ آپ فقہ اسلامی کے بڑے ماہر تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ وہ حدیث نبویؐ کا مجموعہ مرتب کریں خصوصیت سے وہ حدیثیں جو عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن سنایا کرتی تھیں۔ عمرہ حضرت عائشہ رضؓ کی سہیلی تھیں اور آپ کی (ابی بکر بن حزم) کی پھوپھی تھیں۔ حضرتِ عائشہ رضؓ سے قریبی تعلقات کی وجہ سے اُن احادیث و اخبار کا اچھا علم رکھتی تھیں جو انہیں حضرت عائشہ رضؓ سے ملی تھیں علمِ حدیث کے ضائع ہو جانے کے خوف سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ حکم صادر فرمایا تھا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث یا کوئی قدیم روایت یا عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی حدیث ہاتھ آئے اُسے قلم بند کر لو، اس لیے کہ مجھے علم کے ضائع ہو جانے اور عالموں کے گزر جانے کا خوف پیدا ہو گیا ہے۔" [1]

ایسے علمی گھرانے سے عبداللہ بن ابی بکر کا تعلق تھا۔ یہ خود بھی اس فن کے ماہر تھے، آپ کے والد نے آپ کو نصیحت فرمائی تھی کہ۔

"ہر حدیث کے مواد کا پورے سیاق و سباق کے ساتھ مطالعہ کیا کریں۔" [2]

---

[1]، [2] جوزف ہوروِوتس / مترجم نثار احمد فاروقی، سیرت نبویؐ کی اوّلین کتابیں اور ان کے مؤلفین صفحہ 53 اسلامک بُک فاؤنڈیشن نئی دہلی، اشاعت ثانی 1998ء

ہم حدیث کے راویوں میں عبداللہ کی سرگرمیوں کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ابن اسحٰق، واقدی، ابن سعد اور الطبری کے مختلف اقتباسات میں عبداللہ کے حوالے ملتے ہیں اگرچہ کہ عبداللہ کی کسی کتاب کی تفصیلات ہمیں نہیں ملتیں لیکن جوزف ہورووتس کا خیال ہے کہ۔

"عبداللہ کے بھتیجے عبدالملک کی لکھی ہوئی "کتاب المغازی" اُن روایات سے تیار ہوئی ہے جو انھوں نے اپنے چچا سے سُنی تھیں"۔ [1]

الفریڈ گیوم بھی اسی خیال کے قائل ہیں لکھتے ہیں ۔

"اگرچہ عبداللہ کی کسی کتاب کا ہمارے پاس ریکارڈ نہیں تاہم اُن کی تفصیلات کبھی غالباً ان کے بھتیجے کی جمع کردہ مغازی میں محفوظ تھیں"۔ [2]

عبداللہ کے اقوال لفظ 'مغازی' کے محدود معنوں ہی پر مشتمل نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی عہد اور ایام شباب کے بارے میں بھی روایات جمع کی تھیں، مگر عام طور پر ان کا نام اخبار غزوات کے سلسلے میں ہی سامنے آتا ہے۔ انہوں نے ان وفود سے متعلق خاص طور سے مواد فراہم کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قبائلِ عرب کے ارتداد (ردّۃ) کے اخبار کی بھی روایت کی ہے۔ نیز اس کے بعد آنے والے زمانے کے حوادث مثلاً حضرت عثمان غنی رضؓ کے آخری ایام کی خبریں بیان کی ہیں۔ عبداللہ نے اپنی بیشتر روایتوں میں راویوں کا نام نہیں بتایا ہے، مگر بعض حالتوں میں وہ نام بھی لیتے ہیں۔ وہ اسناد کو لازمی نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ جوزف ہورووتس یہ بتاتے ہیں کہ۔

---

[1] جوزف ہورووتس / مترجم نثار احمد فاروقی، سیرت نبویؐ کے اوّلین کتابیں اور ان کے مؤلفین ۔ صفحہ 55 اسلامک بک فاونڈیشن نئی دہلی، اشاعت ثانی 1998ء

[2] الفریڈ گیوم / مترجم تحسین فراقی، "ابن اسحٰق اور سیرۃ الرسول اللہؐ" بحوالہ نقوش رسول نمبر جلد اوّل ص۔ 414

"ان کے اخبارات کا ایک قابل لحاظ حصّہ اُن کی بڑی خالہ عمرۃ کی سند پر مبنی ہوتا ہے، جو اُنہوں نے زبانی حاصل کیا تھا کہیں اُنھوں نے اپنی بیوی فاطمہ کے واسطے سے بھی یہ روایات کی ہیں، جنہوں نے عمرۃ سے براہِ راست اخذ کی تھیں"۔ [1]

اس ضمن میں الفریڈ گیوم لکھتے ہیں۔

"ہماری توقع کے عین مطابق عبداللہ اسناد کے معاملے میں بے پروا ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ واقعات کے بہت قریب کھڑے تھے۔ ان لوگوں کے درمیان جن میں سے بیشتر ان سے واقف تھے سو ایسی صورت میں اپنے اسناد کا ذکر کیا؟"۔ [2]

عبداللہ نے نہ صرف اخبار کو جمع کیا بلکہ اپنے ابتدائی دور میں ان اخبار کو تاریخی ترتیب کے ساتھ مدوّن کرنے کی سعی بھی کی۔ چنانچہ انہوں نے غزوات نبویؐ کی فہرست تاریخی ترتیب کے ساتھ تیار کی تھی جو ابن اسحٰق نے اپنی کتاب میں درج کی ہے، راویوں کے بیانات کے علاوہ اُنہوں نے لکھی ہوئی کتابوں اور دستاویزوں کی طرف بھی توجہ کی، مثلاً وہ خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوکِ حمیر کو بھیجا تھا، یا وہ دستاویز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے پردادا عمرو بن حزم کو ساتھ رکھنے کے لیے اُس وقت دی تھی جب انہیں اہلِ نجران کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لیے روانہ کیا تھا۔

عبداللہ بھی واقعات بیان کرتے وقت اُن میں حصّہ لینے والوں کی زبان سے بکثرت

---

[1] جوزف ہورووتس / مترجم نثار احمد فاروقی، سیرت نبویؐ کی اوّلین کتابیں اور اُنکے مؤلفین ــــ صفحہ ۷۷، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی اشاعت ثانی 1998ء

[2] الفریڈ گیوم / حسین فراقی۔ ابن اسحٰق اور سیرۃ الرسول اللہ، بحوالہ نقوش رسول نمبر جلد اوّل صفحہ 414

اشعار پڑھولتے ہیں۔ اس کی مثالیں مغازی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے حوادث کے بیان میں خوب ملیں گی۔ اس لیے کہ عبداللہ کا گھرانہ شاعری کا رسیا تھا، اور اس عہد کا رواج بھی تھا کہ لوگ موقع و محل کی مناسبت سے اشعار پڑھتے تھے اور اپنی تقریروں اور تحریروں کی وقعت بڑھاتے تھے، آپ نے ۱۳۰ھ یا ۱۳۵ھ میں رحلت فرمائی۔

**۶۔ عاصم بن عمر بن قتادہ :** عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری ایک مدنی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے دادا قتادہ نے غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مل کر جہاد کیا تھا۔ ان کے والد عمر نے اپنے باپ سے حدیث سماعت کی تھی پھر یہ علم اپنے بیٹے عاصم کو منتقل کیا۔ عاصم کی مالی حالت اچھی نہیں تھی اس لیے انہوں نے مجبور ہو کر دارالخلافہ کا رُخ کیا اور خلیفہ وقت عمر بن عبدالعزیز رضؓ سے ملاقات کی اور آپ سے مالی امداد حاصل کی۔ پھر خلیفہ کا حکم پاکر دمشق روانہ ہوئے اور مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مغازی کی تعلیم دینے لگے۔

عاصم سیرۃ اور مغازی کے مشہور عالم تھے اور اُن کا ثقہ راویوں میں شمار ہوتا تھا۔ ان سے متعلق شبلی نعمانی نے لکھا ہے۔

> "مشہور تابعی ہیں، حضرت انس رضؓ اور اپنے باپ اور دادی رمیثہ سے روایت کرتے ہیں مغازی اور سیرت میں نہایت وسیع المعلومات تھے۔" ؎۱

عاصمؒ ابن اسحٰق اور الواقدی کے اہم رُواۃ میں سے ایک ہیں جنہوں نے ان سے خاص طور پر مغازی کی روایات اخذ کی ہیں۔ عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ شباب اور آپ صلعم کی مکّی زندگی کی تفصیلات جمع کرنے پر بھی توجہ کی ہے، آپ

---

؎۱ علامہ شبلی نعمانی / سیّد سلیمان ندوی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم جلد اوّل صفحہ 34، مکتبہ مدینہ اُردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

اپنے اسناد کے ناموں کا حوالہ دیتے ہوئے کسی توازن کا ثبوت نہیں دیتے۔ بعض اوقات وہ اسناد دیتے ہیں اور اکثر اوقات اس سے صرفِ نظر ہوتے ہیں۔ آپ کا رویہ بھی وہی ہے جو عبداللہ بن ابی بکر کا ہے۔ آپ صرف اخبار ہی جمع نہیں کرتے بلکہ کبھی کبھی اس باب میں اپنی رائے بھی دیا کرتے تھے، آپ کے ہاں بھی اشعار کا برمحل استعمال ہوتا ہے۔

آخری عمر میں عاصم مدینہ اسی غرض سے لوٹ آئے کہ وہ اپنے کام کو جاری رکھ سکیں اور ابنِ اسحٰق آپ کے محاضرات میں شریک ہوئے۔ آپ نے ۱۲۰/۱۲۱ میں وفات پائی۔

**دوسرا دور:-** دوسرا دور تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف پر منتہی ہوتا ہے اس دور میں تابعین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی جس نے دورِ اوّل کے تحریری سرمایہ کو وسیع تر تالیفات میں سمیٹ لیا۔

۷۔ **محمد بن مسلم ابن شہاب زہری:-** ابن شہاب کا بنو زہرہ نامی ایک مکی قبیلے سے تعلق تھا۔ اس مناسبت سے آپ کا لقب الزہری پڑا۔ آپ ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض روایات میں سالِ ولادت ۵۶ھ یا ۵۷ھ[۱] بھی ملتا ہے۔ عاصم بن عمر بن قتادہ کے زمانے میں ابن شہاب زہری فنِ مغازی کے امام تھے۔ اس پر پہلی تصنیف آپ ہی کی ہے۔ انہوں نے صحابہ میں عبداللہ بن عمرؓ انس بن مالک اور سہل بن سعد اور تابعین میں سعد بن مسیب اور محمود بن ربیع وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ آپ نے مدنی روایات و احادیث کی وسیع پیمانے پر تلاش و تحقیق کی اور قوی یادداشت کے

---

[۱] جوزف ہورووتس / مترجم نثار احمد فاروقی، سیرت نبوی ﷺ کے اولین کتابیں اور اُن کے مؤلفین ۳۴، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی اشاعت ثانی ۱۹۹۹ء

باوجود جو کچھ سُنا اس کو لکھا۔ آپ نے سب سے پہلے مغازی کو نہ صرف یہ کہ "سیرۃ" کا نام دیا بلکہ اس فن کو متعین شکل و صورت اور واضح دائرہ کار عطا کیا۔ جس کی صرف خانہ پُری بعد کے سیرت نگاروں اور مورخین نے کی۔ شبلی نعمانی نے آپ کی بابت لکھا ہے۔

> "فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں، انھوں نے حدیث و روایات کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اُٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر جاتے، جوان، بوڑھے، عورت، مرد جو مِل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و حالات پوچھتے اور قلم بند کرتے تھے" ؎۱

ابن اسحٰق، واقدی، طبری، بلاذری، ابن سید الناس ابن کثیر وغیرہ کی کتابوں میں اُن کے اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس میں بعض سابق انبیا کرام سے متعلق روایات کے علاوہ رسالت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے متعلق بعض معلومات نسب اور بعض دلائل مثبوت بیان کرنے کے بعد، ابتدار، وحی مکی زندگی کے اہم واقعات، ہجرت حبشہ، قریش کا مقاطعہ، ہجرت مدینہ، غزوات و سرایا سفارت، وفود کی آمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری اور وفات سے متعلق معلومات کے ساتھ خلافت راشدہ کے زمانے کے حالات کو عمدہ سے زیادہ تفصیل سے جمع کیا ہے۔ آپ نے اپنی تحریروں میں تاریخی ترتیب کا خاص خیال بھی رکھا ہے۔

وہ ابن شہاب زہری ہی تھے جن کی بدولت مغازی و سیرت کا عام

---

؎۱ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل، صفحہ 30، مکتبہ مدینہ اُردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ

مذاق پیدا ہوا۔ ان کے تلامذہ میں سے دو شخصوں موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق نے اس فن میں کافی شہرت حاصل کی۔ آپ کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی۔

**۸۔ موسیٰ بن عقبہ الاسدی:۔** الزہری کے تلامذہ میں تین شخصیتیں ایسی ہیں جنہوں نے فنِ مغازی میں امتیازی مقام حاصل کیا اور اس موضوع پر کتابیں تالیف کیں۔ ان میں پہلا نام موسیٰ بن عقبہ کا ہے۔ آپ کی پیدائش تقریباً ۵۵ھ میں ہوئی۔ موسیٰ بن عقبہ خاندانِ زبیر کے غلام تھے۔ آپ نے عبداللہ بن زبیرؓ کو دیکھا تھا۔ آپ کے شاگردوں میں ایک اہم نام امام مالک کا ملتا ہے۔ امام مالک اپنے استاد کے نہایت مداح تھے ہمیشہ ان کے علم کی تعریف کرتے تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فنِ مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ بن عقبہ سے سیکھو۔ اس لیے کہ اُن کو موسیٰ بن عقبہ کی روایات کا اعتماد تھا۔ فرماتے ہیں۔

"۔ علیکم بمغازی موسیٰ بن عقبة فانّه ثقة"۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وفی روایةٍ فانّه رجلٌ ثقة طلبها علی کبر السِنّ ولم یکثر کما کثر غیرہ"۔

ترجمہ: موسیٰ بن عقبہ سے مغازی کا علم حاصل کرو، اس لیے کہ وہ بھروسے کے قابل ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ ثقہ انسان ہیں کیونکہ انھوں نے بڑی عمر کے باوجود علم حاصل کیا اور دوسروں کی طرح (روایات کا) ڈھیر نہیں لگایا"۔ [1]

آپ کی کتاب کا معمولی سا حصہ یادگار رہ گیا ہے اور اسے ۱۹۰۴ء میں سخاؤ نے شائع کرایا تھا۔ چونکہ ایک زمانے میں یہ اسحٰق کی اہم تصنیف سے لگا کھاتا تھا اور سیرت کے باب میں ہماری قدیم ترین شہادتوں میں سے ہے

---

[1] جوزف ہوروتس / شاراحمد فاروقی مترجم: سیرتِ نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین،

الفریڈ گیوم[1] نے اب تک باقی روایات کا ترجمہ فراہم کر دیا ہے۔ اگرچہ مالک بن انس، الشافعی اور احمد بن حنبل تینوں اصحاب اس رائے کے حامل تھے کہ ان کی (موسیٰ بن عقبہ) کتاب نہایت اہم اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے، لیکن آنے والی نسلوں نے واضح طور پر ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا ورنہ ان کے کام کا بیشتر حصہ محفوظ رہ گیا ہوتا۔ ا

الواقدی، ابن سعد، البلاذری طبری اور ابن سیدالناس نے بڑی فراخ دلی سے ان کی روایات کو حوالہ بنایا ہے مگر ابن اسحٰق کبھی انکا ذکر نہیں کرتے۔ ابن کثیر کے ہاں بھی جا بجا موسیٰ بن عقبہ کی روایات کے حوالے مل جاتے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خان ندوی نے ابنِ کثیر کے باب میں لکھا ہے کہ۔

"ان کی (موسیٰ بن عقبہ) روایات واقوال کا ابن کثیر نے ایک سو تیس صفحات پر حوالہ دیا۔۔۔۔ اور بعض جگہ تو موسیٰ بن عقبہ کی روایات کو ابن اسحٰق پر مقدم رکھا۔" [2]

اس قول سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی ابنِ کثیر کی سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشکیل دینے والی کتابوں میں سے ایک ہے۔

"شبلی نعمانی نے موسیٰ بن عقبہ کے فنِ مغازی کی درجِ ذیل خصوصیات تحریر کی ہیں۔" [3]

ا۔ مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے۔ انہوں (موسیٰ بن عقبہ) نے زیادہ تر اس کا التزام کیا۔

---

(پچھلے صفحہ سے)۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی۔ اشاعت ثانی سنہ 1998ء

[1]۔ ماخوذ، الفریڈ گیوم/تحسین فراقی، دیباچہ، سیرت ابن اسحٰق بحوالہ نقوش رسول نمبر جلد اوّل صفحہ 414 ۔ [2] مسعود الرحمٰن خان ندوی، ابن کثیر (سیرت نگارِ رسول اللہ ؐ) نقوش رسول نمبر جلد اوّل صفحہ 663 ۔ [3] شبلی نعمانی/سید سلیمان ندوی سیرۃ النبی ؐ جلد اوّل صفحہ 32,33 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور سنہ 1408ء

۲۔ عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کیے جائیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں آجاتی تھیں، موسیٰ نے احتیاط کی اور صرف وہی روایتیں لیں جو اُن کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب بہ نسبت اور کتبِ مغازی کے مختصر ہے۔

۳۔ چونکہ روایتِ حدیث کے لیے کسی عمر کی قید نہ تھی، اس لیے اکثر لوگ بچپن اور آغازِ شباب ہی سے حلقۂ درس میں شامل ہو جاتے تھے۔ اور حدیثیں سُن کر لوگوں سے روایت کرتے تھے، لیکن اس عمر میں واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا، اس لیے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے بخلاف اور لوگوں کے کبر سن میں اس فن کو سیکھا تھا۔

مختصر یہ کہ موسیٰ مدنی مدرسہ کے تیسرے معزز رکن تھے، آپ نے اپنے اُستاد زہری کے عملی ورثہ کو آگے بڑھایا اور دیانت داری اور باریک بینی سے مدنی مکتب فکر کے اسلوب کی پیروی کی، اور اپنے پیش روؤں سے زیادہ اسناد کا التزام اور واقعات کی تاریخوں کا اہتمام کیا۔ آپ کی وفات ۱۴۱ھ میں ہوئی۔

**۹۔ معمر بن راشد:** زہری کے تلامذہ میں دوسری اہم شخصیت معمر بن راشد کی ہے۔ آپ تقریباً ۹۶ھ کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے محدث قتادہ بن دعامہ سے حدیث کی سماعت کی تھی۔ علم کی طلب نے سیاحت اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ ۱۱۰ھ کے بعد اپنے تعلیمی سفر کی ابتداء کی۔ آپ نے سب سے پہلے یمن کا رخ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے معمر سے خواہش ظاہر کی کہ وہ صنعاء میں مستقل طور پر سکونت اختیار کریں۔ اہلِ صنعاء کو اُس وقت کامیابی حاصل ہوئی جب معمر نے وہیں شادی کر لی۔ لیکن کبھی کبھی وہ بصرہ بھی جایا کرتے تھے، اپنی والدہ کے انتقال کے وقت آپ بصرہ گئے اور پھر یمن واپس آگئے۔ اور وہیں ۱۵۴ھ سے ذرا پہلے اٹھاون سال کی عمر میں وفات پائی۔ معمر اعلیٰ درجے کے اخلاق و کردار کے مالک تھے۔ حدیث کے میدان میں بھی آپ کو کافی شہرت حاصل تھی۔ اسی لیے ابن جریج نے آپ

کے متعلق کہا تھا کہ۔

"اِس شخص کی پیروی کرو، کیوں کہ اس کے معاصرین میں کوئی بھی اس سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے" [1]

کہا جاتا ہے کہ معمر نے ایک "کتاب المغازی" لکھی تھی مگر وہ کتاب نا پید ہے۔ البتہ اس کتاب کے چند فقرے الواقدی اور ابن سعد کی کتابوں میں مل جاتے ہیں۔ اور کچھ البلاذری اور الطبری کے یہاں بھی ملتے ہیں۔ آپ کی بیشتر روایات الزہری تک پہنچتی ہیں۔ معمر نے بھی اور محدثین کی طرح مغازی کو محدود معنوں میں نہیں برتا، بلکہ قدیم انبیاء اور اہل کتاب کی تاریخ کی طرف بھی خاص توجہ کی نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے کی تاریخ پر مواد فراہم کیا ہے۔ ابن سعد اور الطبری کی تاریخوں میں عہدِ عثمان رضؓ و معاویہ رضؓ کے اہم واقعات معمر کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔ معمر روایت کے معاملے میں الواقدی سے کافی متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے الواقدی سے معمر نے کافی روایات لی ہیں۔ بہرحال معمر بن راشد نے بھی "مغازی" کے باب میں اچھا کام کیا ہے۔

**۱۰۔ محمد بن اسحٰق :-** زہری کے شاگردوں میں محمد بن اسحٰق کو خاص اہمیت حاصل ہے فن سیرت میں آپ نے اس قدر شہرت پائی کہ امام فن مغازی کہلائے۔ آپ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ۸۵ھ میں ہوئی۔ آپ کے دادا کا نام "یسار" تھا۔ وہ غالباً عیسائی عرب تھے۔ محمد بن اسحٰق کے والد کو بھی احادیث جمع کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ محمد بن اسحٰق نے اپنے والد سے اکثر روایات نقل کیں ہیں۔ اس لیے یہ خیال غلط نہیں ہے کہ ابن اسحٰق کو بھی بچپن ہی سے احادیث جمع کرنے کا شوق رہا ہوگا۔ اور آپ نے اپنے والد سے اس فن کی تعلیم بھی حاصل کی ہوگی پھر آپ نے عاصم بن عمرؓ، عبد اللہ بن ابی بکر اور الزہری

---

[1] بحوالہ جوزف ہورووِتس / نثار احمد فاروقی سیرتِ نبوی ؐ کے اوّلین کتابیں اور ان کے مؤلفین اسلامک بک فاؤنڈیشن، اشاعت ثانی۔ نئی دہلی ۱۹۹۸ء۔

جیسے نامور عالموں کی صحبت میں رہ کر ان سے فیض حاصل کیا گویا ابن اسحٰق کے لیے یہ تینوں حضرات سرچشمے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی آپ دوسرے راویوں سے مواد حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن اسحٰق کی کتاب میں صرف مدینے کے سو راویوں کے حوالے ملتے ہیں۔ آپ نے اسکندریہ میں یزید بن ابی حبیب سے حدیث کی سماعت کی یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مصر کی سرزمین میں علم حدیث کا پودا لگایا تھا۔ اس وقت ابن اسحٰق کی عمر تیس سال کے قریب تھی۔

ابن اسحٰق کا تعلق راویوں کی اس دوسری نسل سے ہے جن میں الزہری، عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ (جن پر تفصیلی گفتگو پہلے ہو چکی ہے) آپ نے عہد جوانی ہی سے خود کو روایتِ نبوی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ مصر سے آپ مدینہ چلے آئے اور ترتیب و تدوین کے کام کا آغاز کیا۔ جس کا مواد وہ پہلے ہی اکٹھا کر چکے تھے، الزہری جو اُس وقت (۱۲۳ھ) مدینے میں مقیم تھے۔ ابن اسحٰق کے متعلق فرماتے ہیں کہ۔

"مدینے میں 'علم' کبھی کم نہ ہوگا جب تک ابن اسحٰق کا دم سلامت ہے" [1]

یہ قول اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ابنِ اسحٰق کی فضیلت و عظمت ان کے دورِ شباب ہی میں تسلیم کی جا چکی تھی اور اس کا احساس ابن اسحٰق کو بھی تھا، مالک بن انس آپ کے ہم عصر تھے اور دونوں میں ہمیشہ چشمک ہوا کرتی تھی، اور یہ ایک دوسرے کی کھلی مخالفت کرتے تھے۔ آپ پر شیعی و قدری ہونے کا الزام بھی تھا۔ کسی نے آپ کی صداقت پر حرف گیری کی تھی، واقعہ یہ ہے کہ ابن اسحٰق اکثر فاطمہ زوجہ ہشام (بن عروہ) کے حوالے سے احادیث نقل کرتے تھے۔ مگر ہشام کو اس بات سے انکار تھا، جوزف ہوروو تس نے اس ضمن میں ابن قیتبہ کا ایک قول نقل

---

[1] الفریڈ گیوم / تحسین فراقی دیباچہ ابن اسحٰق اور سیرۃ الرسول بحوالہ نقوش رسول نمبر جلد اول صفحہ 411 اُردو بازار لاہور

کیا ہے، جس سے اس واقعہ پر روشنی پڑتی ہے، اور صداقت سامنے آتی ہے

"۔ ابن اسحٰق فاطمہ بنت المنذر بن الزبیر سے روایت بیان کیا کرتے تھے، یہ ہشام کی بیوی تھیں، جب ہشام کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا۔" کیا وہ میری بیوی سے ملتا ہے"؟[۱]

یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی بنا پر ابن اسحٰق پر الزام عائد کیا جاتا۔ احادیث کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ بہت سے جامعین احادیث نے عورتوں سے روایات اخذ کی تھیں، اس کی تصدیق کے لیے عبداللہ بن ابی بکر کی اہلیہ عمرہ کا نام پیش کیا جاسکتا ہے۔ جن سے مردوں نے روایات نقل کی ہیں اور عبداللہ بن ابی بکر کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ اُن کی بیوی عمرہ اُن کے ایک شاگرد سے خود روایت بیان کرتی ہے اور یہ شاگرد ابن اسحٰق کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اور ہشام کو اپنی بیوی سے روایت نقل کرنے پر اعتراض نہ ہوا ہو گا کیونکہ فاطمہ عمر میں ابن اسحٰق سے ۳۰۔۴۰ سال بڑی تھیں۔ ہشام کے شک کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ ہشام کو ابن اسحٰق کے کبھی اپنے گھر آنے کا حال معلوم نہیں ہوا ہو گا۔ اس لئے یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ملتے رہے تھے۔

ابن اسحٰق نے مالک بن انس کی علمیت و قابلیت کو کبھی تسلیم نہیں کیا، عبداللہ بن ادریس نے جو ابن اسحٰق کے شاگرد تھے مالک کا ایک قول نقل کیا ہے۔

"۔ میں مالک بن انس کے پاس بیٹھا تھا، کسی نے اُن سے کہا کہ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ مالک کا علم میرے سامنے رکھو، کیونکہ

---

[۱] جوزف ہوروولس / نثار احمد فاروقی۔ سیرت نبوی ﷺ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین صفحہ (۱۵ ۔ ۱۰۶) اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی۔ اشاعت ثانی سنہ 1998ء

میں ہی اُن کا جرّاح ہوں "۔۔۔۔ مالک کہنے لگے کہ "گروہِ دجاجلہ عہ کے اس دجّال کو تو ذرا دیکھو کہتا ہے کہ مالک کا علم میرے سامنے رکھو"۔ ل

اِن ہی چند وجوہات کی بنا پر ابن اسحٰق کو مدینہ چھوڑنا پڑا چنانچہ وہ مشرق کی جانب چل پڑے اور کوفہ کناہ دجلہ پر آباد الجزیرہ اور رے میں قدرے توقف کرنے کے بعد بغداد میں مقیم ہوگئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ اپنی وفات تک وہیں رہے۔

فنِ مغازی کے حوالے سے محمد ابنِ اسحٰق مدنی اسکول کے ایسے نمائندے ہیں جنہوں نے محدثین اور وہب بن مُنبّہ جیسے قصہ گو حضرات کے مواد اور اسلوب کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ آپ اپنی مشہور زمانہ تصنیف میں احادیث' تاریخی روایات اسرائیلیات، عوامی قِصّوں اور صحیح و موزوں شعر کو مبالغہ کے ساتھ جمع کیا۔ جس کی وجہ سے فطری طور پر مدینہ میں ان پر سخت تنقید ہوئی۔ لیکن کوفہ و بصرہ کے اخباری مدرسہ تاریخ میں انہیں وہاں کے رجحانات سے میل کھانے کی وجہ سے قدر کی نظر سے دیکھا گیا اور پھر ابن ہشام کی تہذیب و تنقیح کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے محدثین نے بھی اپنی رائے بدل دی اور آپ کے کارنامے کو نہ صرف قدر کی نگاہوں سے دیکھا بلکہ ان کی معلومات پر اعتماد کرتے ہوئے اُسے اپنی سیرت و تاریخ کی کتابوں کے بنیادی مصادر کی حیثیت سے قبول بھی کیا۔

ابنِ اسحٰق کی "سیرت" فنِ سیرت کی تاریخ میں پہلی جامع سیرت ہے، جو ہمیں دستیاب ہے۔ عرب مصنفین کے یہاں اس کتاب کے تین نام مِلتے ہیں۔

---

عہ = راوی کہتا ہے کہ اس سے قبل مَیں نے کسی کو دجّال کی جمع "دجاجلہ" استعمال کرتے نہیں سُنا۔

ل جوزف ہورووتس/نثار احمد فاروقی، سیرت کے اوّلین کتابیں اور مؤلفین صفحہ 108 اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی اشاعت ثانی سنہ 1998ء

"کتاب المغازی" "کتاب المغازی والسّیَر" کتاب السیرت والابتدا والمغازی"۔ جوزف ہورووٹس نے صرف پہلے نام پر ہی اکتفا کیا ہے مواد کے لحاظ سے دراصل یہ ایک عام تاریخی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ جو تین حصّوں میں منقسم ہے۔ یعنی "المبتدا" "المبعث" اور "المغازی"۔ اس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

**۱۔ المبتدا:۔** اس باب میں سابق انبیاء و رسل علیہم السّلام کی تاریخ از ابتداء آفرینش اور اس ضمن میں یمن کی تاریخ اور دورِ جاہلیت کے عرب قبائل اور ان کے بتوں کے تذکروں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے آبا و اجداد اور اہلِ مکّہ کی دینی اور مذہبی رسوم و رواج کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

**۲۔ المبعث:۔** اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایّام شباب سے لیکر تا ہجرت مدینہ کے سبھی واقعات کا تفصیلی ذکر ہے۔

**۳۔ المغازی:۔** یہ باب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدنی زندگی پر محیط ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے غزوات و سرایا کا بیان بھی ہے اور تا وصال آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیات طیبہ کے حالات و واقعات کا تذکرہ ہے۔

اِس سیرت کے آخری دو حِصّے بہت ہی اہم ہیں، ان میں اوّل اسلام لانے والے مہاجرین و انصار، شرکاءِ غزوات اور ان مقتولین اور قیدیوں کے اسماء کی فہرستیں بھی ترتیب دی گئی ہیں۔ پہلے حِصّے میں یعنی "المبتداء" کے تحت جو روایات پیش کی ہیں وہ مستند نہیں ہیں۔ چنانچہ دوسرے (المبعث) اور تیسرے (المغازی) میں سند کا اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن شبلی نعمانی نے ابن حبان کی ایک تحریر کا ماخذ پیش کیا ہے جسمیں یہ کہا گیا ہے کہ چند غزوات کے بیان میں ابن اسحٰق نے چھان بین سے کام نہیں لیا۔ ابن حبان کی کتاب الشقات کا ماخذ یہ ہے ـــ

"محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ اُن یہودیوں سے دریافت کرکے داخلِ کتاب

کرتے تھے۔ جو مسلمان ہو گئے تھے اور چونکہ یہ واقعات انہوں نے یہود یوں سے سُنے ہوں گے اس لیے اُن پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا"۔ [1]

اور مزید یہ بھی حوالہ دیا ہے کہ ۔۔۔

"علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحٰق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور اُن کو ثقہ سمجھتے تھے"۔ [2]

ابن اسحٰق کی غیر محتاط روش کی وجہ سے آپ کی سیرت ابتدا میں محدثین کی تنقید و غیض و غضب کا نشانہ بنی۔ لیکن بعد میں دھیرے دھیرے محدثین کا رویہ نرم ہوتا گیا اور آپ کی روایات کو سند کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ اس لیے کہ ابن ہشام نے سیرت ابن اسحٰق کو "تہذیب السیرۃ النبویہ" کی شکل میں کچھ ترمیم و اضافے کے ساتھ پیش کیا۔ چنانچہ ابن کثیر جیسے محدث و ناقد سیرت نگار بھی نہ صرف اس سیرت سے متاثر نظر آتے ہیں۔ بلکہ اس کو منارہ نور اور قابلِ فخر کارنامہ کی حیثیت سے یاد فرماتے ہیں۔ اور اس کے مصنّف کے بارے میں امام شافعی کی رائے بار بار دہراتے ہیں کہ مغازی میں سب سیرت نگار ابن اسحٰق کے احسان مند ہیں۔

ابن اسحٰق نے فن مغازی کو اس قدر ترقی دی اور اس فن کو اسقدر دلچسپ بنایا کہ خلفائے عباسیہ میں مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا۔ ابن عدی نے لکھا ہے کہ۔

"اس فن میں کوئی تصنیف اُن کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہنچی"۔ [3]

یہ کتاب مدتوں سیرت نگارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشعلِ راہ بنی رہی اور آج بھی اسکی امامت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مدتوں اس کی (سیرت ابن اسحٰق) خیرہ کن روشنی میں کسی دوسری کتابِ سیرت کا چراغ جل نہ سکا۔ یہی وجہ

---

[1]، [2] شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اوّل ص ۳۱، مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ۔ [3] شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی بحوالہ سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 31 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ

ہے دُنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں، ابن اسحٰق کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا۔

**عمر بن راشد الازدی :۔** آپ کا شمار امام زہری کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ امام مالک کے بعد آپ کا دوسرا درجہ ہے۔ آپ اساطین علم حدیث میں تھے، آپ نے مغازی میں ایک کتاب یادگار چھوڑی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے ابن ندیم کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کی تصنیف کا نام "کتاب المغازی"[1] تھا۔ آپ کا انتقال ۱۵۲ھ کو ہوا۔

**عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز :۔** امام زہری کے شاگرد تھے، امام مسلم نے آپ سے روایت کی ہے، اکثر محدثین آپکی روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ آپ فن سیرت کے عالم سمجھے جاتے ہیں، آپ کی وفات ۱۶۲ھ میں ہوئی۔

**محمد بن صالح بن دینار التمار :۔** امام زہری کے تلامذہ میں آپکا شمار ہوتا ہے آپ مشہور محدث واقدی کے استاد تھے۔ سیرت و مغازی کے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے، اکثر محدثین نے آپ کی توثیق کی ہے۔ ۱۶۸ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔

---

[1] شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی بحوالہ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ ۳۷ مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

## ابنِ اسحٰق کے بعد کا دور

**ابو معشر السّندی** :- ابن اسحٰق کے بعد عربی سیرت نگاروں کی جو کھیپ نظر آتی ہے، اُن میں ایک اہم نام ابو معشر السّندی کا ہے۔ آپ کا شمار ابن اسحٰق کے نوجوان معاصرین میں ہوتا ہے۔ واقدی اور ابن سعد نے آپ کی روایات کو اپنی تحریروں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ ابو معشر اپنے لقب "السّندی" سے معروف ہیں۔ خود اُنہوں نے یا آپ کے اجداد میں سے کسی نے ترکِ وطن کیا ہوگا۔ اسی بنا پر یہ آپ کا لقب کہلایا۔

ایک محدّث کی حیثیت سے ابو معشر کو بعض محدثین نے تسلیم نہیں کیا ہے، اور بہتوں نے آپ کی روایت کردہ احادیث سے اختلاف کیا ہے۔ جوزف ہورووتس نے ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ۔

"اُن (ابو معشر) کی احادیث تو بہت ہیں مگر ضعیف ہیں"۔ [1]

اور آگے لکھتے ہیں کہ ابن حجر نے بہت رائیں نقل کی ہیں جو سب ان کے خلاف جاتی ہیں مگر وہ روایات جن کا تعلق مغازی سے ہے مستند سمجھی جاتی ہیں۔ احمد بن حنبل اُنھیں "بصیر فی المغازی" [2] یعنی مغازی میں بصیرت رکھنے والا کہتے ہیں، فنِ تاریخ میں آپ کو خاصی اہمیت حاصل ہے، اس لیے ائمہ نے اُن کی تاریخ سے استناد کیا ہے مگر آپ کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

آپ کی "کتاب المغازی" کے متعدد اقتباسات واقدی کی "کتاب المغازی" میں ملتے ہیں۔ اس کتاب میں مکمل حیاتِ طیبہ سے متعلق روایات درج ہیں۔ ابن سعد نے انہی روایات سے استفادہ کرکے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب دی ہے اور اپنے شیوخِ مغازی کی فہرست میں آپ کا نام بھی درج کروایا۔ مغازی کے علاوہ

---

ر ۱، ر ۲ - جوزف ہورووتس / نثار احمد فاروقی۔ سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور اُن کے مؤلفین صفحہ۔ 134، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی سنہ 1998ء

ابو معشر نے صدرِ اسلام کے حوادث کی ایک تجرباتی "تاریخ" بھی سنہ وار لکھی تھی۔ آپ کا انتقال ۱۷۰ھ میں بغداد میں ہوا۔ ہارون الرشید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

**عبداللہ بن جعفر ابن عبدالرحمٰن المخزومی** :- صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسور رضؓ بن مخرمہ کے پڑپوتے تھے۔ فنِ حدیث میں ماہر تھے۔ آپ کا شمار سیرتِ نبوی ؐ کے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔ ابن سعد نے اکثر آپ کو تعریفی کلمات سے یاد کیا ہے۔

**عبدالملک بن محمد بن ابی بکر ابن عمرو بن حزالانصاری** :- مولانا علامہ شبلی نعمانی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ "فنِ حدیث وسیر میں اُن کا خاندان ہمیشہ نامور رہا، اُن کے رشتہ کی دادی حضرت عمرہؓ رض حضرت عائشہ رضؓ کی تربیت یافتہ تھیں، خلیفہ ہارون الرشید نے انھیں قاضی مقرر کیا تھا، لوگ اُن سے مغازی سیکھتے تھے۔ اس فن میں اُن کی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہے۔

**علی بن مجاہد الرازی الکندی** :- آپ کا شمار ابو معشر کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی روایتوں کو امام ابن حنبل نے نقل کیا ہے۔ مغازی کے جامع مصنف ہیں لیکن محدثین نے آپکی تصنیف کو اعتبار کے قابل نہیں جانا۔ ۱۸۰ھ میں آپ نے اس دارِفانی کو خیرباد کہا۔

**زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی** :- آپ ابن اسحٰق کے شاگرد اور ابن ہشام کے اُستاد تھے، سیرت سے انتہائی لگاؤ اور عشق تھا۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر بار بیچ کر اُستاد کے ہمراہ چلنے پر مجبور کیا، زندگی کا بیش تر حصہ سفر و حضر میں گزرا۔ کتاب السیرت کے سب سے معتبر راوی قرار دیے گئے آپ ہی کی روایت سے ابن ہشام نے ابن اسحٰق کی مذکورہ سیرت کو حاصل کیا تھا۔ خود ان کی سیرت پر کوئی تصنیف نہ تھی بہرحال ان کی روایات کو بعد کے مورخین اور سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے اور ابن کثیر نے بارہ

مرتبہ ان کے نام کے حوالے کے ساتھ روایات نقل کی ہیں۔ آپ کی سنِ وفات ۱۸۳ھ ہے۔

**مسلمہ بن الفضل الابرش** :- ابن اسحٰق کے حلقہ تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے سیرت ابن اسحٰق کے راویوں میں سے ایک ہیں۔ رے کے قاضی رہ چکے تھے۔ طبری نے آپ سے اکثر روایتیں نقل کی ہیں، ۱۹۱ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔

**ابو محمد یحییٰ بن سعید** :- ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے۔ گو کہ آپ سے بہت کم روایتیں بیان ہوتی ہیں۔ مگر ابن سعد نے لکھا ہے، ثقہ ہیں۔ صاحبِ کشف الظنون نے فہرست میں مصنفین مغازی میں آپ کا نام درج کیا ہے۔ 194ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

**ولید بن مسلم القرشی** :- ملک شام کے مشہور و معروف محدث تھے، نہایت قوی الحافظہ تھے، تاریخ و مغازی میں آپ سے بڑا کوئی عالم شام میں نہیں تھا، آپکی تصانیف کی تعداد ستر ۷۰ بتائی جاتی ہے، جن میں ایک کتاب فنِ مغازی پر ہے۔ ۱۹۵ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔

**یونس بن بکیر (متوفی ۱۹۹ھ)** :- ابن اسحٰق کے مشہور شاگردوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ جو خود صاحب مغازی تھے۔ اور ان کی اکثر روایات بھی ابنِ اسحٰق سے مروی تھیں۔ ابن کثیر نے البکائی سے زیادہ سیرت کا مواد انہی سے اخذ کیا ہے۔ چنانچہ سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء سے انتہا تک ستر ۷۰ صفحات پر آپ کے حوالے دیے گئے ہیں اکثر محدثین نے آپ کے روایات کی توثیق کی ہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرہ میں آپ کا لقب "صاحب المغازی" لیا ہے۔

**الواقدی** :- آپ کا پورا نام محمد بن عمر الواقدی الاسلمی ہے۔ آپ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ۱۳۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے دادا کا نام واقد تھا۔ اس لیے واقدی کہلائے۔ اس فن کے امام بے مثال بن کر دوسری صدی ہجری میں ابھرے،

آپ کثیر التصانیف مصنّف تھے، لیکن سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق آپکی دو کتابوں کا ذکر شبلی نعمانی نے کیا ہے۔ پہلی "کتاب السیرۃ" اور دوسری "کتاب التاریخ والمغازی والمبعث"۔ الواقدی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے ابن اسحٰق کے مقابلہ میں زیادہ احتیاط سے کام لینے کی کوشش کی، لیکن وہ اپنے زمانے کے محدثین کو اپنی اسناد سے مطمئن نہ کر سکے، چنانچہ آپ کو حدیث میں ضعیف گردانا گیا، لیکن سیرت و مغازی، فتوح و فقہ میں ان کو بعض علماء قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں مولانا شبلی نے امام شافعی کے حوالے سے لکھا ہے کہ۔

"امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہے" [1]

نیز اس ضمن میں ایک ظریف محدث کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ـــ

"اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تو تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں" [2]

مگر آپ کے بیان کردہ مغازی کو جو مدنی عہد کی تاریخ پر مشتمل ہیں۔ جس کی معلومات اور اسلوب میں واقدی ابن اسحٰق کے مقابلہ میں زیادہ دقتِ نظر سے کام لیتے ہیں بعض علماء و محدثین نے آپ کو سراہا ہے۔ واقدی کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ آپ پہلے اپنے موضوع کا خاکہ پیش کر کے تفصیلات بیان کرتے ہیں۔ اور اپنی معلومات کے بنیادی مصادر اور غزوات کی فہرست فراہم کرتے ہیں۔ اور ان کی تاریخیں متعین کرتے ہیں۔ پھر ان غزوات کے واقعات تاریخی تسلسل سے بیان کرتے ہیں۔ آپ اسناد کے التزام، تاریخوں کی تحقیق، اشعار کے حوالوں اور عوامی قصوں

---

[1]، [2] شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول صفحہ 36 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

کے اجتناب میں ابن اسحٰق سے زیادہ محتاط ہیں۔ چنانچہ واقعات و غزوات کی تاریخوں اور اُن میں شریک ہونے والے اشخاص کے تعین میں آپ پر زیادہ اعتبار کیا جاتا ہے

ابن کثیر بھی آپ کو تاریخ کے میدان کا شہ سوار گردانتے ہیں، آپ کی توقیر و تعظیم و قدر دانی میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کے حصّہ میں ان کی روایات و اقوال ابن اسحٰق کی روایات کے درمیان بکثرت نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے حوالے سے اُمہات المومنین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد، غلاموں، لونڈیوں، خدام، محررین اور شمائل و دلائل تک کی فصلوں میں بہت سی معلومات دو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ واقدی براہ راست اپنی اسناد الزہری، معمر اور دیگر راویوں سے حاصل کرتے ہیں۔

واقدی کی تصانیف میں صرف ایک تصنیف "مغازی" بچی رہی۔ اس کا ایک کمزور مخطوطہ 1856 میں دریافت ہوا۔ جب تک یہ پوری کتاب چھپ نہیں جاتی اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ کرنا ممکن نہیں، بہر حال یہ کہا جا سکتا ہے، تاریخ مغازی بغیر واقدی کے ذکر کے نامکمل ہے۔

## یعقوب بن ابراہیم اور عبدالرزّاق بن ہمام بن نافع الحمیری :-

واقدی اور عبدالملک بن ہشام کے درمیانی عہد میں کوئی اہم نام مغازی کی تاریخ میں نہیں ملتا، لیکن یعقوب بن ابراہیم اور عبدالرزّاق بن ہمام کے ناموں کا شبلی نعمانی نے مختصراً ذکر کیا ہے اوّل الذکر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اولاد میں تھے، زہری کے تلامذہ میں سے کسی کے شاگرد رہے ہیں۔ مغازی میں آپ کا رتبہ بلند ہے۔

آخر الذکر عبدالرزّاق بن ہمام کی فنِ مغازی میں ایک تالیف ہے، ان کی بیان کردہ حدیثیں ناقابلِ اعتبار سمجھی جاتی ہیں۔

# محمد بن سعد

واقدی اور ابنِ ہشام کے بعد سیرت کی تاریخ میں محمد بن سعد کا نام بہت ہی اہم ہے، آپ کی ولادت ۱۶۸ ھ میں بصرہ میں ہوئی، بصرہ کے علاوہ آپ نے مدینہ اور بغداد میں کچھ سال گذارے، واقدی سے ابنِ سعد کی ملاقات بغداد ہی میں ہوئی تھی۔ پھر مدینہ منورہ میں ابنِ سعد بقول جوزف ہورووتس[1] ۱۸۹ ھ میں دیکھے گئے۔

ابنِ سعد کو کاتب واقدی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اسلئے کہ آپ نے اپنی کتابوں کا زیادہ تر مواد واقدی کی تصانیف ہی سے حاصل کیا، آپ کی تصانیف میں ایک "کتاب اخبار النبی ؐ" کا تذکرہ بعد کے محدثین و علماء کرتے رہے ہیں جو غالباً طبقاتِ ابنِ سعد کی ابتدائی دو جلدوں میں شائع شدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی ہی کا دوسرا نام ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ کتاب "اخبار النبی ؐ" طبقات کا ایک حصّہ ہے، اسکی پہلی جلد کے پہلے جزء میں انبیائے سابقین کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کا حال بیان ہوا ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے حالات سے زمانۂ بعثت تک کا حال ہے، اسمیں وحیِ اوّل سے قبل اور مابعد کی علاماتِ نبوت بیان ہوئی ہیں پھر اسکے بعد پہلی دعوت اسلام سے ہجرت تک کے واقعات قلم بند ہوئے ہیں۔ (پہلی جلد کے دوسرے جزء میں مدنی زندگی کے واقعات ہیں

---

[1] جوزف ہورووتس / نثار احمد فاروقی "سیرتِ نبوی ؐ کی اولین کتابیں اور اسکے مولفین" ص 171 اسلامک بک فاونڈیشن، نئی دہلی 1998 اشاعتِ ثانی

جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین، عرب قبائل کے وفود، آپ صلعم کے شمائل، طرزِ زندگی اور اثاث البیت کا تذکرہ ہے۔ دوسری جلد کا پہلا جزء غزواتِ نبوی کے لیے مختص ہے اور دوسرے جزء میں سیرتِ نبوی کا اختتامیہ ہے، یہ کئی مفصل فصلوں میں ہے، جن میں آپ صلعم کے مرض وصالِ الٰہی، تدفین اور میراث کا بیان ہے، اس میں وہ مراثی بھی ابن سعد نے شامل کیے ہیں، جو آپ صلعم کے اس دنیا سے پردہ کر جانے پر لکھے گئے تھے، اس مواد کے بعد جو کچھ ہے اس کا سیرتِ نبوی سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں یہ مدینہ کے نامور فقہاء کے تراجم ہیں۔ یہاں سے گویا "الطبقات" کا عملاً آغاز ہوتا ہے، اس ضمیمہ کے پہلے باب کا عنوان "آخر اخبار النبی" ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے بعد جو کچھ بیان ہوگا، وہ سیرت سے متعلق نہیں ہے

بہر حال ابن اسحق کی سیرت یا سیرۃ ابن ہشام کے بعد یہ دوسری سیرت ہے جو ہم تک مکمل پہنچی ہے اور اس میں آپ نے سیرتِ نبوی کے خاکہ کے آخری خدوخال متعین کیے ہیں اور واقدی سے زیادہ اپنی معلومات کی ترتیب و تنظیم دستاویزات کا زیادہ مکمل مجموعہ اور سلاطینِ عالم کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے پیغامات اور قاصدین کی تفصیلات فراہم کرنے کی طرف زیادہ توجہ کی ہے۔

بعض معاملات کے باب میں ابن سعد کے پاس ابن اسحق کے مقابلے میں کہنے کو بہت کچھ ہے، مثلاً مکتوباتِ نبوی، سفراء اور حضور صلعم کی آخری علالت وغیرہ، مگر قبل از اسلام کے عرب سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں، مغازی کے سلسلے میں ابن سعد کا اصل مآخذ واقدی ہے، تاریخی مواد کیلئے ابن سعد واقدی پر زیادہ انحصار کرتے ہیں، مگر واقدی کا حوالہ تاریخ کے ذیل میں شاذو نادر ہی دیتے ہیں۔ اور اس موضوع پر ان کا سب سے بڑا سرچشمہ ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ہے۔ مگر مدنی دور کے حالات کو انھوں نے واقدی کی

روایات ہی سے اٹھایا ہے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کے بیان میں ابن سعد واقدی سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ مگر مغازی کے باب میں انھوں نے واقدی کو نمایاں طور پر راوی کی حیثیت سے لیا ہے، اسلئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ مغازی کے بیان میں ابن سعد کو واقدی سے وہی نسبت ہے جو واقدی کو ابن اسحٰق سے ہے، مگر فرق بس اتنا ہے کہ واقدی کبھی ابن اسحٰق کا نام نہیں لیتے، مگر ابن سعد اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہتے۔ اکثر واقعات کے بیان میں ابن سعد واقدی کے نقش قدم پر چلتے دکھائی دیتے ہیں، مگر بعض مقامات پر ان کا انداز تحریر واقدی کے برعکس ہوتا ہے۔

ابن سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کی ناسازی اور وصال سے متعلق معلومات فراہم کرنے میں غیر معمولی محنت وکاوش سے کام لیا ہے۔ اس باب میں بھی وہ واقدی سے استفادہ کرتے ہیں اور واقدی کی کتاب "وفات النبی" سے روایتیں نقل کرنے کیساتھ ساتھ اپنی جانب سے بھی ان میں اضافہ کیا ہے، لیکن انھوں نے کسی بھی معاملے میں اپنی ذاتی رائے دینے سے گریز کیا ہے، بلکہ جو کچھ انھوں نے اپنے شیوخ سے زبانی روایات سنی تھیں، ان کو ہو بہو بیان کیا ہے یعنی ابن سعد شاید ہی کوئی ایسی بات کہتے ہوں جن کا ماخذ وہ نہ بتائیں، بہر حال ابن سعد نے آپ صلعم کے شمائل و فضائل و دلائل کی وسیع معلومات بہم پہنچائیں۔ جو بعد میں شمائل و دلائل کے ادب کیلئے نمونہ قرار پائیں، آپ کا انتقال ۲۳۰ھ میں ہوا۔

# ابنِ ہشام

(المتوفی ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ)

آپ کا نام عبدالملک تھا اور کنیت ابو محمد، باپ کا نام ہشام اور دادا کا ایوب تھا، لیکن ابنِ ہشام کے نام سے معروف ہیں، آگے چل کر سلسلۂ نسب معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ اس بات پر سبھی اتفاق کرتے ہیں کہ ابنِ ہشام یمنی تھے اور ان کا تعلق قبیلہ 'حمیر' سے تھا۔ اسی لئے انھوں نے سلاطینِ حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے اور خود ابنِ ہشام نے اپنی تصانیف مثلاً سیرت ابنِ ہشام یا کتاب التیجان میں اپنے نسب کا کہیں ذکر ہی نہیں کیا اور ہمیشہ ابو محمد عبدالملک بن ہشام یا صرف ابنِ ہشام یا کبھی صرف ابو محمد پر اکتفا کیا۔

ابنِ ہشام کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کوئی علم نہیں، لیکن یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۱۲ھ کے آس پاس ہوئی ہوگی، اسلئے انھوں نے ایک مقام پر امام زہری سے روایات کو براہِ راست اخذ و استفادہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اور جیسا کہ امام زہری کے باب میں کہا گیا ہے کہ امام زہری کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی تھی اور ابنِ ہشام نے ایک سو سال سے زیادہ کی عمر پائی تھی اور ان کا انتقال ۲۱۸ھ میں ہوا، اسلئے ان کی پیدائش ۱۱۲ھ میں ہوئی ہوگی۔

اسلامی تاریخ میں دوسری صدی ہجری کا عہد علمی و ادبی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس علمی و ادبی فضا کو عام کرنے میں شہر بصرہ کو امتیازی مقام حاصل ہے، اسوقت بصرہ کی علمی فضا پر شعر و ادب کا رنگ غالب تھا اور گھر گھر علم و ادب کا چرچا تھا، تابعین و تبع تابعین کا دریائے فیض رواں تھا۔

اور تفسیر و حدیث، لغت و نحو اور انساب و اخبار کے ائمہ و سلاطین جمع تھے، ایسے ادبی ماحول میں ابنِ ہشام نے اسی شہر میں آنکھیں کھولیں۔ ہوش سنبھالا تو نامور و معروف علماء کی صحبت حاصل ہوئی اور اِن سے درسِ حدیث کے علاوہ مروجہ علوم و فنون مثلاً نحو، لغت، روایتِ شعر انساب و مغازی میں مہارت حاصل کی۔ ابنِ ہشام کے گھر کا ماحول یہ تھا کہ سارے گھرانے کے افراد علمی مشاغل میں مصروف تھے۔ خاص کر کے ان کے باپ اور دادا کو تاریخ و قصص سے خاص لگاؤ تھا، اسطرح ابنِ ہشام کو تاریخ و قصص کا ذوق ورثہ میں ملا تھا۔

"ابنِ ہشام نے یقیناً تعلیمی سفر کیے ہوں گے مگر تذکرہ نگاروں کے ہاں صرف بصرہ کے علاوہ مصر کا ذکر ملتا ھے جسے انھوں نے اپنا وطن ثانی بنایا تھا۔ ابنِ ہشام نے امام مصر لیث بن سعد سے ملاقات کی تھی اور ان کی ملاقات امام شافعی سے ہوئی۔ ابنِ کثیر نے لکھا ھے کہ جب امام شافعی مصر تشریف لائے تو انھوں نے ابن ہشام سے ملاقات کی اور دونوں نے ایک دوسرے کو خوب خوب کلام عرب سنایا۔"[1]

امام شافعی کے ایک قول کے مطابق ابنِ ہشام 199ھ کو مصر پہنچے اور وفات تک وہیں قیام فرمایا۔ امام شافعی، ابنِ ہشام سے کافی متاثر تھے اور لغت میں ان کی قابلیت و مہارت کے قائل بھی تھے، ابنِ ہشام کے شیوخ کی فہرست بہت طویل ھے۔ مثلاً (1) یونس بن حبیب نحوی (2) عبدالوارث بن سعد تنوری (3) ابو زید انصاری (4) ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ (5) عبداللہ بن وہب (6) ابوبکر زبیری (7) خلف الاحمر (8) ھیثم بن عدی وغیرہ۔

سیرتِ نبوی ﷺ کے موضوع پر سب سے پہلی جامع تصنیف محمد اسحٰق کی سیرۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھے، لیکن اسے وہ شہرت و مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو اسکی تلخیص کو حاصل ہوئی جسے ابن ہشام نے تیار کیا تھا۔ یہاں تک کہ سیرت ابن

---

[1] محمد اجمل اصلاحی، مضمون ابن ہشام اور سیرت ابن ہشام بحوالہ نقوش کا رسول نمبر جلد اول 2 459 اردو بازار لاہور 1984

اسحٰق، سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہوگئی۔ یہ سیرت نہ صرف اپنے تقدم کے اعتبار سے بلکہ جامعیت کے اعتبار سے بھی بہت مشہور ہوئی اور اسکی شہرت آج تک قائم ہے۔

سیرتِ ابن ہشام، سیرت ابنِ اسحٰق کی تلخیص و تہذیب ہے، مگر ابن ہشام نے سیرت ابنِ اسحٰق میں کچھ ایسی ترمیمات کیں اور اس سیرت کو تو اتنا دلکش بنادیا کہ علماء و قارئین سیرت، ابنِ اسحٰق کو بھول گئے۔ انھوں نے اسکے ابتدائی حصّہ کو حذف کر دیا، کیوں کہ ان کی رائے میں اس ابتدائی حصّے کا تعلق سیرتِ نبوی سے نہ تھا۔ کتاب کے آغاز میں خود ابنِ ہشام نے اپنے طریقۂ کار سے متعلق بنیادی پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔

"میں انشاء اللہ اس کتاب کو اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ کے ذکر سے شروع کروں گا اور اسمٰعیلؑ سے آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم تک اسمٰعیل کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے ان لوگوں کا ذکر ہوگا جو آپ صلعم کے آباؤاجداد میں شامل ہیں۔ ان کے بارے میں جو کچھ بھی معلوم ہے، وہ بھی لکھوں گا۔ اختصار کی وجہ سے ان کے سوا حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے دوسرے لوگوں کا ذکر نہیں کروں گا۔ اختصار ہی کے پیشِ نظر بعض ایسی روایات کو بھی خارج کروں گا جن کا ذکر ابنِ اسحٰق نے کتاب میں کیا ہے، لیکن انمیں نہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے، نہ انکے بارے میں قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوئی۔ نیز ان سے کتاب کی کسی بحث کی توجیہہ، تشریح یا تائید بھی نہیں ہوتی۔ ان اشعار کو بھی شامل نہیں کروں گا، جن کے بارے میں ان ماہرینِ شعر کو جن سے میری ملاقات ہوئی کوئی واقفیت نہیں ہے، اسی طرح بعض وہ باتیں بھی قلم انداز کردی ہیں جن کے بیان کرنے سے زبان آلودہ ہوجاتی ہے یا ان سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہے یا بکائی نے ان کی روایت پر اطمینان

ظاہر نہیں کیا، اسکے علاوہ جو کچھ ہے علم و روایت کی مد تک انشاء اللہ اس کا استقصاء کروں گا ـــــ ۵ ل

مذکورہ بالا عبارت میں ابنِ ہشام نے اپنے طریقہ کار کی وضاحت کی ھے انھوں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے حذف و ترمیم سے کام لیا ہے اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی، وہاں بعض واقعات کا اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا ھے۔ ابنِ ہشام نے سیرتِ ابنِ اسحٰق میں جو تبدیلیاں کیں ان تبدیلیوں کی پانچ بنیادیں تھیں جن کی تشریح حسبِ ذیل ھے۔

① تدکیر :- سیرت ابنِ اسحٰق کے باب میں اس سے قبل تفصیلی گفتگو ہو چکی ھے کہ اس ضخیم کتاب کے تین حصّے تھے ① پہلے حصّے میں "المبتدا" میں حضرت عیسیٰؑ تک رسالت کی تاریخ، عرب جاہلیہ اور جاہلی یمن کی تاریخ، عرب قبائل اور انکی بت پرستی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی آباؤ اجداد اور اھل مکّہ کے رسوم و عقائد سے بحث تھی۔ یہ حصّہ دراصل سیرت النبیؐ کا مقدمہ تھا۔

② دوسرا حصّہ : المبعث" آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے شروع ہوتا ہے، اس حصّے میں آپ صلعم کی مکّی زندگی کے بارے میں معلومات جمع کی گئی ہیں۔ کتاب کا۔

③ تیسرا حصّہ: "المغازی" مدنی زندگی کی تاریخ ھے۔ ابنِ ہشام نے اپنے بیان کے مطابق (جو کتاب کے آغاز میں لکھا ھے)۔ اس مواد میں اختصار کی غرض سے حسبِ ذیل تبدیلیاں کیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل رسالت کی تاریخ اور عرب جاہلیہ کا ذکر چھوڑ دیا اور سیرت کا آغاز حضرت اسمٰعیلؑ سے کیا، اور ان کی اولاد

---

ل ابنِ ہشام کی عبارت کا ترجمہ بحوالہ نقوش رسول نمبر جلد اوّل ص 469 اردو بازار لاہور 1984

میں صرف ان اشخاص کا ذکر کیا جو آپؐ کے براہِ راست اجداد میں شامل تھے اس طرح ابنِ اسحٰق کی بعض روایات کو اسلیے سخارج کر دیا کہ ان روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہیں تھا ۔ اور یہ کہ قرآنِ کریم میں بھی ان کی جانب کوئی اشارہ نہیں ہے اور ان کے بیانات سے کوئی مسئلہ خاص کی تشریح و توضیح نہیں ہوتی ہے ۔ اور اپنی کتاب سے ان قصائد کی بھی نفی کر دی جو غیر ضروری تھے ۔ مثلاً ایک قصیدہ ابنِ اسحٰق نے غزوۂ بدر کے باب میں لکھا ہے جس میں صرف ایک شعر غزوۂ بدر کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ ابنِ ہشام کی ان تبدیلیوں سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ابنِ اسحٰق کی سیرت سے ان مباحث اور روایات کو خارج کرنا چاہتے تھے جن کا تعلق براہِ راست سیرت سے نہیں تھا ، اسلیے ابنِ ہشام نے ایسی کوئی بات سیرت میں نہیں لکھی جس کا رشتہ برائے نام سیرت کے موضوع سے ہو ۔

② **توثیق** : ابنِ ہشام نے شاعری کا ایک بڑا حصہ سیرت سے خارج کر دیا ۔ جس کے بارے میں سارے ناقدین اور رواۃ شعر نے لا علمی ظاہر کی ۔ ابنِ ہشام نے ابنِ اسحٰق کی وہ روایات بھی حذف کر دیں جو زیادہ بکائی کے علم و روایت کی رو سے صحیح نہیں تھیں ، انھوں نے زیادہ بکائی کی روایات کو مستند قرار دیا ہے

③ **تطہیر** : ابنِ اسحٰق کے مروی قصائد میں بہت سے اشعار فحش ، ہجو اور بد زبانی و بے حیائی کا نمونہ تھے ، ابنِ ہشام نے ایسے تمام اشعار کو سیرت سے حذف کر دیا ۔

④ **دل آزاری کا اندیشہ** : ابنِ ہشام اپنے بیان کے مطابق کتاب کی بعض مرویات کچھ اسلیے حذف کر دیا کہ ان کا ذکر دل آزاری کا موجب تھا ، حذف کی یہ بنیاد غیر علمی ہے ۔ اور سیرت کے بارے میں یہ شبہ پیدا کرتی ہے کہ ابنِ ہشام نے کتنی ہی معلومات حذف کر دی ہوں گی ۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حذف و ترمیم کے

عمل میں ابنِ ہشام نے جس دیانت داری اور دقتِ نظر کا ثبوت دیا ہے اسکے دیکھنے کے بعد یہ شبہ باقی نہیں رہتا۔

⑤ **تقاضائے فن**: بعض مقامات پر حذف کی بنیاد خالص ادبی اور فنی ہے مثلاً حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے جواب میں ابو سفیان بن الحارث کا ایک قافیہ قصیدہ ہے جس کے صرف دس اشعار ابنِ ہشام نے نقل کئے ہیں۔ اسلئے کہ بہ قولِ ابنِ ہشام باقی اشعار کے قوافی میں قبیح اختلاف پایا جاتا ہے۔

## سیرت ابن ہشام کی مقبولیت

ابنِ ہشام نے سیرتِ ابنِ اسحٰق کی تلخیص و تہذیب اور تحقیق و تنقیح کا جو کارنامہ انجام دیا وہ اتنا اہم و بلند پایہ اور عظیم الشان تھا کہ اس نے اصل کتاب کو ذہنوں سے محو کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ابنِ اسحٰق کی سیرت ناپید اور ابنِ ہشام کی تلخیص زندۂ جاوید ہوگئی۔ چنانچہ آج کل لوگوں کے درمیان ابنِ اسحٰق کی جو کتاب متداول ہے وہ یہی ابنِ ہشام کی تلخیص ہے جو سیرتِ ابنِ ہشام کے نام سے منوّر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابنِ ہشام کے بعد کے سیرت نگاروں نے اس کتاب سے استفادہ کیا اور اپنی کتبِ سیرت کو اسے اپنا اہم ماخذ قرار دیا۔

سیرتِ ابنِ ہشام کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ بیش تر جلیل القدر علماء نے اسکی شرح لکھی۔ اور اس سیرت کو دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے کے ذریعہ سے پیش کیا۔ سیرتِ ابنِ ہشام کی پہلی شرح "الروض الانف" امام ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن احمد سہیل اندلسی کے قلم سے نکلی۔ یہ شرح مصر سے دو حصوں میں اور قاہرہ سے چار حصوں میں سیرتِ ابنِ ہشام کیساتھ شائع ہوئی۔

اندلس کے ایک اور مشہور عالم ابوذر خشنی نے اس سیرت کے مشکل الفاظ کی شرح لکھی، اس شرح کا نام "الاملاء علی سیرۃ ابن ہشام" ہے۔

قاضی ابوالولید ہشام بن احمد وقشی نے "تنبیہات ابن الوقشی" کے نام سے اس کی ایک شرح لکھی اور علامہ بدرالدین محمود بن احمد و یوسف عبدالہادی نے بھی بالترتیب "کشف اللثام فی شرح سیرۃ ابن ہشام" اور "المبرۃ فی حل مشکل السیرۃ" کے عنوان سے سیرت ابن ہشام کی شرحیں لکھیں، اسکے علاوہ سیرت ابن ہشام کی کئی تلخیصات لکھی گئیں، جن میں درج ذیل بہت ہی مشہور ہوئیں۔

| | مؤلفین | نام کتب |
|---|---|---|
| ۱- | ابن حجۃ حموی تقی الدین ابوبکر بن علی بن عبداللہ قادری حنفی | بلوغ والمرام |
| ۲- | برہان الدین ابراہیم بن محمد بن المرحل دمشقی | الذخیرہ فی مختصر السیرۃ |
| ۳- | عمادالدین احمد بن ابراہیم واسطی | مختصر سیرۃ ابن ہشام |
| ۴- | علی بن الامام المؤید باللہ | خلاصۃ السیرۃ النبویہ |
| ۵- | عبدالسلام ہارون | تہذیب سیرۃ ابن ہشام |
| ۶- | محمد عبدالعزیز اسمٰعیل شیراوی | تقریب السیرۃ النبویہ لابن ہشام |
| ۷- | عمر عبدالعزیز امین | السیرۃ النبویہ لابن ہشام |
| ۸- | محمد لبیب البوھی | فی ظلال السیرۃ |

## منظوم سیرت

سیرتِ ابنِ ھشام کی مقبولیت کی بناء پر اس کو نظم کے قالب میں ڈھالا گیا۔ بعض علماء اور شعراء نے سیرتِ ابنِ ہشام کو شعری جامہ پہنایا، ان میں
(۱) ابو نصر فتح بن موسیٰ (۲) ابو محمد عبدالعزیز بن احمد (۳) قاضی محمد بن ابراہیم اور (۴) حافظ زین الدین عبدالرحیم بن الحسن عراقی قابلِ ذکر ہیں۔

شبلی نعمانی نے لکھا ھے کہ قاضی محمد بن ابراہیم کی منظوم سیرت میں تقریباً دس ہزار شعر ہیں، اس کا نام "فتح الغریب فی سیرت الحبیب" ھے۔

## تراجم

سیرتِ ابنِ ہشام کو اتنی شہرت حاصل ھوئی کہ اس دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ھوا۔

(۱) پروفیسر گوٹے وائل Gustav Weil نے 1864ء میں اس کا جرمن زبان میں ترجمہ شائع کیا۔

(۲) 1954ء میں پروفیسر الفریڈ گیوم ALFRIED GILLAUME نے "THE LIFE OF MOHAMMED" کے نام سے انگریزی قالب میں ڈھالا۔ اس انگریزی ترجمے کی ایک خوبی یہ ھے کہ فاضل مترجم نے ابنِ اسحٰق کے ان مقامات کا ترجمہ بھی شامل کر دیا ہے جن کو ابنِ ہشام نے چھوڑ دیا تھا۔

(۳) فارسی میں اس کا ترجمہ "سیرۃ النبی" صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے اتابک سعد بن زنگی کے حکم سے ھوا تھا، جس کے نسخے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ مگر مترجم کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ایک مخطوطہ کے مطابق

# علامہ البلاذری

احمد بن یحییٰ البلاذری تیسری صدی ہجری کے مشہور مورخ و سیرت نگار ہیں۔ انھوں نے بغداد میں نشوونما پائی تھی۔ ان کے قلم سے متعدد تالیفات نکلی ہیں لیکن صرف دو اہم کتابیں ہم تک پہنچی ہیں۔

پہلی "فتوح البلدان" اور دوسری "انساب الاشراف"

فتوح البلدان ہمارے علم میں بہت کم اضافے کا باعث بنتی ہے۔

"انساب الاشراف" عربوں کی ایک جامع تاریخ ہے، کتاب کے عنوان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس میں عرب کے نامور خاندانوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں سب سے پہلے بنو ہاشم کا بیان ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے اسی باب میں پوری سیرتِ نبوی آگئی ہے۔ اسکے بعد بنو عباس، بنو امیہ اور دیگر خاندانوں کا تذکرہ ہے۔ اسلئے ہمارے موضوع سے دیگر تفصیلات کا کوئی تعلق نہیں، "انساب الاشراف" کا ابتدائی حصہ سیرتِ نبوی کا احاطہ کرتا ہے اس میں اکثر روایات وہی ہیں جو دوسرے سیرت نگاروں کے یہاں بیان ہوئی ہیں، لیکن بعض معلومات ایسی بھی ہیں جو اور کہیں دیکھنے میں نہیں آئیں۔ بہرکیف اس کا یہ ابتدائی حصہ بھی سیرت کے بنیادی مآخذ میں شمار ہونے کے لائق ہے، اس کتاب کو ڈاکٹر حمید اللہ نے ایڈٹ کر کے 1959ء میں قاہرہ سے شائع کروایا۔ یہ ایڈیشن 722 صفحات پر مشتمل ہے۔ علامہ البلاذری کا انتقال ۲۷۹ھ میں ہوا۔

# یعقوبی

نام احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر بن وہب بن واضح تھا، مگر وہ اپنی نسبت یعقوبی کے ذریعہ زیادہ معروف ہیں۔ فنِ مغازی میں اعلیٰ مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ خاندانِ عباسی سے نسبتِ شرف رکھتے تھے۔ تیسری صدی کے اہم سیرت نگاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے، انکی پیدائش کی تاریخ کا علم نہ ہو سکا، لیکن بیشتر علماء مغازی نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ یعقوبی کی وفات ۲۸۴ھ میں ہوئی۔ بتایا جاتا ہے کہ یعقوبی کثیر التصانیف مصنف تھے انمیں "کتاب التاریخ" اور "کتاب اسماء البلدان" اہم ترین تھیں۔

تاریخ یعقوبی میں سیرت نبوی ؐ کے باب میں یعقوبی انتہائی کمزور نکات پیش کرتے ہیں، مثلاً وہ حضرت زید بن حارثہ ؓ اور حضرت ابوذر غفاری ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ سے پہلے کے مسلمان قرار دیتے ہیں۔ جبکہ ابن اسحٰق، ابن سعد، بلاذری اور ابن ہشام نے پہلے مسلمان ہونے کا سہرہ حضرت ابوبکر ؓ کے سر باندھا ہے، اسی طرح کی اور باتیں سیرت کے باب میں آگئی ہیں۔ یعقوبی نے متعدد ماورائی عناصر کو تاریخی واقعات میں شامل کر دیا ہے، اسلئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شخصیت کے اردگرد ایک مافوق البشری ہالۂ عظمت کھینچا جائے۔

بہر حال یعقوبی کو بحیثیتِ سیرت نگار رسول صلعم یہ شرف ملنا چاہیے کہ اس نے اپنی تاریخی تصنیف کے ذیل میں عہد نبوی ؐ کا بڑا جامع اور مختصر بیان پیش کیا ہے۔ تاہم ان کو اس الزام سے بری نہیں قرار دیا جا سکتا کہ انھوں نے بلاوجہ

بعض قصے سیرت نبوی میں شامل کر دیے، ان کے بجائے اگر وہ تاریخی واقعات پر مزید دھیان دیتے اور احتیاط سے کام لیتے تو سیرت رسول صلعم کا باب اور زیادہ وقیع ہو جاتا۔ تاریخ یعقوبی اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود اسلامی تاریخ اور سیرت نبوی صلعم کا ایک اہم ماخذ ہے۔

**امام طبری** متقدمین سیرت نگاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے آخری رکن ہیں، ان کے بعد کوئی نام ایسا نظر نہیں آتا جو اہمیت کا حامل ہو۔ طبری جن کا پورا نام محمد بن جریر طبری تھا، طبرستان میں پیدا ہوئے۔ اسی لئے طبری کہلائے اور علمائے تاریخ و سیرت نے انھیں اسی نام سے اکثر یاد کیا۔ ایام شباب میں تحصیل علم کی خاطر بغداد تشریف لائے اور اپنی ساری عمر تعلیم و تالیف میں یہیں بسر کی، تاریخی روایات کے جمع و تدوین میں طبری اپنے پیش رو مورخین پر سبقت لے گئے ہیں، چنانچہ ان کی تاریخ عربی ادب کا ایسا بیش بہا خزانہ ہے جس میں اسلام کی تین سو سالہ تاریخ ترتیب دی گئی ہے، جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کی تاریخ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے تاریخی روایات کو مختلف مصادر سے لیکر اسناد کے ساتھ پیش کیا ہے اور ان کو ترتیب زمانی کے اعتبار سے لکھا ہے۔

طبری بعض اوقات ایک ہی واقعہ مختلف صورتوں میں لکھتے ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے ایک واقعے کو مختلف راویوں سے سنا تھا۔ اس طرز تحریر سے اگرچہ سلسلہ کلام طویل ہو گیا ہے مگر روایات کی تنقید آسان ہو گئی ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ طبری کی تاریخ، تاریخ اسلام کے اولین Sources میں سے ایک ہے۔

طبری کی تاریخ کا مکمل نسخہ ایک عرصہ سے نایاب تھا۔ اسکے اجزاء بکھر گئے تھے۔ ان منتشر اجزاء کو لائیڈن یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈی خویے

De-Goeje نے مختلف کتب خانوں سے جمع کیا اور چند دیگر علماء کے تعاون سے بیس سال کی مسلسل محنت سے اس کا ایک ایڈیشن بارہ جلدوں میں شائع کیا اور اشاریے کے علاوہ مشکل الفاظ کی ایک فرہنگ بھی تیار کی جو 572 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

اسلامی تاریخوں کی طرح جو حصّہ سیرتِ نبویؐ سے متعلق ہے وہ خاصا ضخیم ہے، جو جامعۂ عثمانیہ کے زیر اہتمام اردو میں حیدرآباد سے شائع ہو چکا ہے۔ تاریخ طبری کا یہ حصّہ بھی سیرتِ نبویؐ کے نہایت اہم مصادر میں شمار ہوتا ہے، اسلئے اس حصّہ نے طبری کو سیرت نگاروں کی صف میں لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ اس تاریخ کا اصل نام "تاریخ الرسل والملوک" ہے

ابنِ حزم:

علامہ کا نام اور سلسلۂ نسب یوں ہے۔ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح بن خلف بن معدان بن سفیان بن یزید[1]

ابنِ حزم رمضان ۳۸۴ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ بڑے ناز و نعم میں بچپن گذارا۔ دولت کی اتنی فراوانی تھی کہ تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کیا گیا، ابوالحسین کی رہنمائی میں انھوں نے اپنا علمی سفر طے کیا۔ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ غیر معمولی ذہانت، حافظہ قوی اور حاضر دماغی، پھر ذوق و شوق کی فراوانی اور اسکے ساتھ آسودگی تھی، چنانچہ مختلف علوم و فنون میں بہت جلد حیرت انگیز مہارت پیدا کرلی۔

زمانے نے پلٹا کھایا تو قرطبہ کے سیاسی حالات بدل گئے۔ اور ابنِ حزم کا خاندان بری طرح متاثر ہوا۔ آپ کو قرطبہ چھوڑنا پڑا، پانچ سال بعد پھر قرطبہ واپس آئے اور علمی کاموں میں مصروف ہوگئے اور اس دور میں ان کی علمی سرگرمیاں تیز ہوگئیں۔ احباب، تلامذہ کا حلقہ جہاں وسیع ہوا، وہیں مخالفین کی

[1] اگلے صفحہ پر حوالہ دیکھیے

تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ابن حزم کی حق گوئی و بے باکی، ندرتِ فکر، وسعتِ نظر اور انفرادیت مالکی فقہا اور حکام دونوں کے غیظ و غضب کا نشانہ بنی۔ اسلئے ان کی بہت ساری تصانیف نذرِ آتش کردی گئیں اور ان کی کتابوں کو سرِ عام پارہ پارہ کردیا گیا۔ اسکے باوجود تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا اور ابنِ حزم نے مختلف علوم و فنون کا انبار لگادیا۔

یہاں صرف ان کی ان کتابوں پر بحث ہوگی جن کا تعلق سیرتِ پاک صلعم سے ہے۔ علامہ ابنِ حزم نے سیرت پر ایک اہم کتاب یادگار چھوڑی ہے جو "جوامع السیرۃ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کی وجہ تالیف یہ تھی کہ وہ اپنے طلباء کیلئے ایک ایسی مختصر اور جامع کتاب مرتب کرنا چاہتے تھے جس سے استفادہ اور مراجعت آسان ہو۔ نیز وہ اس کتاب میں سیرتِ نبوی پر وہ بنیادی مواد فراہم کرنا چاہتے تھے جس سے سیرت کا کوئی بھی طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر انسان اپنے اخلاق و کردار کو اعلیٰ صفات سے مزین نہیں کرسکتا۔

اسی جذبے کے تحت ابنِ حزم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت جوامع السیرۃ لکھی اور اسمیں دو عنوانات پر یعنی نبوت اور آپ صلعم کے اخلاق و عادات پر خصوصی توجہ دی۔ یہی موضوعات ان کی دوسری تحریر میں دکھائی دیتے ہیں۔ بقولِ ابنِ حزم ان کی سیرت کے دو اہم ماخذ ہیں۔ ایک ابو حسان زیادی کی تاریخ دوسرے خلیفہ بن خیاط کی تاریخ، یہ دونوں کتابیں اب ناپید ہیں۔ لیکن ان کی سیرت کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ابن حزم نے سیرتِ ابن اسحٰق پر زیادہ انحصار کیا ہے، خاص کر جب وہ غزوات کا ذکر کرتے ہیں تو ابن اسحاق کی طرح اس میں شریک ہونے والے مسلمان اور مشرکین اور

---

۱؎ ابن حزم کا سلسلہ نسب لکھنے کی ضرورت اسلئے محسوس ہوئی کہ ۱۳۰ھ میں اسی نام کے ایک سیرت نگار گذرے ہیں۔ جن پر گذشتہ اوراق میں بحث آچکی ہے۔

شہید ہونے والے مسلمانوں کے نام بتلاتے ہیں۔ انہوں نے انساب کے سلسلے میں بھی ابن اسحٰق ہی کی روایت کو مستند جانا ہے، ابن حزم نے اپنے شیخ اور معاصر ابو محمد بن عبدالبر سے بھی استفادہ کیا ہے۔

مختصر یہ کہ ابن حزم کی سیرت قابل اعتماد ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کے بعد آنے والے متعدد سیرت نگاروں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ اس سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں ابن کثیر اور مقریزی نمایاں ہیں۔

## ابن عبدالبر:

امام ابو محمد یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری نے سیرت نبوی ؐ پر ایک کتاب بعنوان "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" لکھی ہے ان کی ولادت ۳۶۸ھ میں قرطبہ میں ہوئی۔ ایک علمی گھرانے میں ان کی پرورش ہوئی۔ قرطبہ کے فقہاء محدثین میں ان کے والد کا شمار ہوتا تھا۔ اپنے والد کی طرح ان کا شمار بھی قرطبہ کے نامور علماء میں ہونے لگا، قرطبہ کے سیاسی حالات جب خراب ہو گئے تو اور علماء کی طرح امام ابن عبدالبر نے بھی قرطبہ کو خیر باد کہا اور اندلس کے شہر بطلیوس کا رخ کیا۔ یہاں ان کی خاصی پذیرائی ہوئی۔ حدیث نبوی ؐ پر ان کی نظر انتہائی گہری تھی اور ابن عبدالبر علم رجال کے بھی ماہر تھے، بے شمار علماء نے ان سے حدیث کی سماعت اور ان کی کتابوں کی ترویج و اشاعت کی۔ بعض خود مصنف کے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔

سیرت نبوی ؐ پر انہوں نے "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" لکھی۔ اس کے خطبہ میں ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب آں حضور صلعم کی بعثت اور اسکے بعد کے واقعات و حالات پر لکھی ہے، انہوں نے اس کتاب کی ترتیب میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی اور محمد ابن اسحٰق کی سیرت النبی ؐ

سے استفادہ کیا ہے۔ ابن عبدالبر اس تعلق سے لکھتے ہیں

انھوں نے اپنی مختصر سیرت ابن اسحق کی کتاب سے مرتب کی ہے جو ابن ہشام اور دوسرے راویوں کی روایت سے ان تک پہنچی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحق کے علاوہ یونس بن بکیر اور ابراہیم بن سعد کو بھی اپنا ماخذ بنایا ہے۔

اس سیرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، عہد رسالت کے ابتدائی حالات، غزوات اور آپ صلعم کے طریق عمل کا ذکر اختصار کیساتھ کیا ھے۔ اسکے لئے ابن عبدالبر نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ واقعہ آسانی سے ذہن نشین ہو جائے اور حشو وزوائد سے پرہیز کرکے صرف اہم اور نمایاں باتوں کے تذکرے پر اکتفا کیا ھے۔ ابن عبدالبر نے یہ کوشش کی ہے کہ غیر ضروری اور غیر متعلق مباحث سے بچتے ہوئے صرف آبدار موتیوں کو چنیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرت کے موضوع پر یہ ایک محققانہ کتاب ہے جو صرف سیرت کی مشہور کتابوں ہی سے استفادہ نہیں کرتی، بلکہ حدیث کی کتابیں اور ثقات کی روایت بھی پیش نظر رکھتی ہے۔ اس سیرت کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ھے کہ ابن عبدالبر کے شاگرد ابن حزم نے جب سیرت پر اپنی کتاب "جوامع السیرۃ" لکھنے کا ارادہ کیا تو "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" کو مشعل راہ بنایا۔

متاخرین سیرت نگاران رسول:

قاضی عیاض:

امام علامہ قاضی ابو الفضل عیاض بن عمرو بن عیصی ۴۷۶ھ میں بمقام سبتہ پیدا ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں حافظ الحدیث قاضی ابو علی غسانی صدفی سے درس حدیث لیا۔ ان کی وفات کے بعد وقت کے ممتاز اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ اور جواہر علم و حکمت کا ذخیرہ جمع کیا اور حافظ الحدیث کہلائے۔

قاضی عیاض کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ سیرت کے علاوہ، علوم حدیث

نحو، لغت، کلامِ عرب اور ان کے ایّام و انساب اور تاریخ اندلس پر ان کی تصانیف ہیں۔ قاضی صاحب شاعر بھی تھے، برجستہ اور بڑے دلآویز شعر بھی کہتے ہیں۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی تصنیف "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت مقبول ہوئی۔ اس سیرت کو عام طور پر "شفاء شریف" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مسلم شریف کے شارح اور علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "فتح الباری" میں جابجا ان سے فوائد و نکات احادیث میں خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں اور محقق محدثین نے بھی اس سے استفادہ کیا اور مابعد کے سیرت نگاروں نے اسے ماخذ کی حیثیت دی۔ بلاشبہ یہ کتاب دلوں کا نور اور ایمان کی رونق ہے۔ اسلئے کہ قاضی عیاض نے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و فضائل کو صحیح اور مستند احادیث کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

شفاء شریف کو قاضی صاحب نے چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم میں چار باب ہیں۔ پہلے باب میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنائے جمیل کی گئی ہے۔ اس باب میں دس فصلیں ہیں۔ دوسرے باب میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت کی تکمیل کس طرح فرمائی۔ اس باب میں ستائیس فصلیں ہیں۔ تیسرے باب میں ان احادیث کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں بارگاہِ الٰہی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت و شان کا پتہ چلتا ہے، اسمیں بارہ فصلیں ہیں۔ چوتھا باب معجزات پر مشتمل ہے۔ اسمیں تیس فصلیں ہیں۔

قسم ثانی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حقوق جو تمام مخلوقات پر واجب ہیں، بحث کی گئی ہے۔ اس قسم میں بھی چار باب ہیں۔ پہلے باب میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ حضور پر ایمان لانا اور آپ صلعم کی اطاعت ہم پر فرض ہے

دوسرا باب : اس باب میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلم سے خلوص رکھنے پر زور دیا ہے۔ اس باب میں چھ فصلیں ہیں۔

تیسرا باب : حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر سے متعلق ھے۔

چوتھا باب : حضور صلّی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے حکم سے متعلق ہے۔ اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

قسم ثالث : اس قسم میں دو باب ہیں۔ یہ قسم کتاب کی جان ہے پہلا باب امورِ دینیہ سے، دوسرا باب امورِ دنیویہ سے بحث کرتا ہے۔ اس میں بالترتیب سولہ اور نو فصلیں ہیں۔

قسم رابع : چوتھی قسم میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے کیفرِ کردار کے بارے میں لکھا ہے۔

پہلا باب : نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص کرنے والوں کے متعلق ھے۔

دوسرا باب : اس باب میں نبی کریم صلعم کے گستاخ کا حکم اور اس کی سزا کے بارے میں ھے۔

تیسرا باب : رسولوں، ملائکہ، کتبِ سماویہ اور اہل بیت کی شان میں گالی بکنے والوں کے بارے میں ھے۔

شفاء شریف کی مقبولیتِ عامہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ھے کہ محدثین کی بڑی جماعت نے اس پر شرح اور حواشی لکھے ہیں، قاضی عیاض نے زندگی بھر دین وحدیث کی خدمت کی اور مراکش میں ۵۴۴ھ میں وفات پائی۔

ابن الجوزی (۵۱۰ھ تا ۵۹۷ھ) ابن الجوزی کا پورا نام ابوالفرج عبدالرحمن جمال الدین بن علی بن محمد القرشی البکری الحنبلی تھا۔ بغداد کے ایک محلہ کا نام "جوزہ" ہے۔ یہیں ابن الجوزی رہا کرتے تھے اسلئے جوزی کہلائے مختلف اساتذہ سے درس حدیث لیا۔ اور اپنے معاصرین میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔ انہوں نے تقریباً تین سو کتابیں لکھیں جن میں سے المنتظم فی تاریخ الملوک الامم، کتاب صفۃ الصفوۃ (اولیاء و صوفیہ کے حالات) کتاب القصاص سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، الوفا فی فضائل المصطفیٰ، "قصص الانبیاء" مولد النبی صلعم اور نخب مفردات القرآن بہت وقیع و اہم ہیں۔

انہوں نے ایک کتاب "تلقیح فہوم الاثر" کے نام سے حضور صلعم کے حالات زندگی پر لکھی تھی جسے مولانا محمد یوسف بریلوی نے ۱۲۸۶ھ میں مفید حواشی کے ساتھ شایع کیا۔ یہ کتاب سیرت 384 صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں ایک ہزار کے قریب عنوانات ہیں۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایسی معلومات آگئی ہیں، جن کو دوسرے سیرت نگار نظر انداز کردیتے ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نانیوں اور دادیوں کا ذکر حضور صلعم کی رضاعی ماؤں، چچاؤں، پھوپھیوں، کنیزوں، غلاموں کا تذکرہ آپ صلعم کے دودھیالے جانوروں کے نام، سواری کے جانوروں کے نام، آپ صلعم کی تلواروں کے نام، کمانوں کے نام، نیزوں کے نام، ڈھالوں کے نام وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس اعتبار سے ابن الجوزی کی یہ سیرت بہت ہی اہم سمجھی جاتی ہے۔

مابعد متقدمین جن سیرت نگاروں کے نام آتے ہیں وہ حسب

ذیل ہیں -

عبدالرحمٰن سہیلی (المتوفی ۵۸۱ھ) سہیلی کا شمار اکابر محدثین میں ہوتا ہے ۔ سیرت پر ان کی اہم کتاب " روض الانف " ہے ۔ مؤلف نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی ہے -

-یحییٰ بن حمیدہ (المتوفی ۶۳۰ھ) ان کی کتاب "سیرت ابن ابی طے" کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہوئی -

حافظ ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی (المتوفی ۶۳۴ھ) کی تصنیف "الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثلاثہ" ہے - اکثر سیرت کی کتابوں میں اسکے حوالے ملتے ہیں ۔ شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی (المتوفی ۶۹۴ھ) نے بھی "سیرت گازرونی" کے نام سے سیرت کی ایک کتاب لکھی ہے -

علاء الدین علی بن محمد خلاطی[1] حنفی کی "سیرتِ خلاطی" سیرت پر ایک کتاب ہے ۔

حافظ عبدالمومن دمیاطی (المتوفی ۷۰۵ھ) ان کی تصنیف "سیرتِ دمیاطی" ہے - اسکے حوالے اکثر کتابوں میں آئے ہیں ۔ اس کتاب کا نام "المختصر فی سیرت سید البشر" ہے ۔ یہ بہت ہی مختصر کتاب ہے جو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے -

ابو الفتح ابن سید الناس :

ابن سید الناس ۶۷۱ھ میں مصر میں پیدا ہوئے - انہوں نے علوم اسلامیہ میں سے حدیث نبوی میں تخصص پیدا کیا اور ایک مدت تک مدرسہ

---

[1] (المتوفی ۷۰۸ھ)

ظاہریہ میں حدیث کا درس دیتے رہے۔ سیرت النبی ﷺ پر انہوں نے ایک کتاب لکھی جو "عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر" کے نام سے معروف ہے۔ موضوعِ سیرت پر یہ بڑی جامع اور متین کتاب ہے اور معتبر و مستند روایات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے۔

### حافظ ابن قیم الجوزیہ:

آٹھویں صدی ہجری کے ایک ممتاز عالم دین تھے، ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے شاگرد اور زندگی بھر کے رفیق تھے۔ انہوں نے سیرتِ رسول پاک ﷺ پر ایک کتاب لکھی جو "زاد المعاد" کے نام سے علمی حلقہ میں مشہور ہے۔ اس سیرت کی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور عہدِ رسالت کے واقعات کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے کیا حکم ملتا ہے اور ان کی ہماری روز مرہ زندگی میں کیا اہمیت ہے۔ غرض اس کتاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کا احاطہ اس طرح کیا گیا ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں ہدایت کی روشنی پا سکتے ہیں۔ اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ یہ قابل قدر کتاب اپنی غیر معمولی دلچسپی اور افادیت کی وجہ سے کئی بار شائع ہو چکی ہے اور اس کتاب کی ایک تلخیص مصری عالم شیخ محمد ابوزید نے "ہدی الرسول" کے نام سے تیار کی ہے اور مولوی عبد الرزاق ملیح آبادی نے اس اختصار کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔

### ابنِ کثیر:

ابن کثیر بھی اسی وقت کے امام ابن تیمیہ کے عزیز ترین شاگرد تھے۔ ان کو تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ و سیرت اور تراجم کے فنون پر کامل دسترس

حاصل تھی۔ جس پر ان کی چھوٹی بڑی جو تصنیفات کتابیں گواہ ہیں۔ انہوں نے سیرت پر دو کتابیں لکھی ہیں۔ جن کے حوالے ان کی اور کتابوں میں ابن کثیر نے خود دیے ہیں اور ان کے تذکرہ نگار ان کی مختصر سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو "سیرۃ صغیرہ یا " الفصول فی سیرۃ الرسول ؐ" کے نام سے علیحدہ کتاب کی حیثیت سے جانتے ہیں جو مصر سے ۱۳۵۸ میں چھپ چکی ہے، لیکن یہ کتاب نایاب ہے۔

ان کی مطول سیرتِ نبوی ؐ کا نام " السیرۃ النبویہ " اور اس کے ضمیمہ کے طور پر "شمائل الرسول و دلائل نبوتہ و فضائلہ وخصائصہ " علیحدہ سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب ابن کثیر کی تاریخ " البدایۃ والنہایۃ " ہی سے من وعن ماخوذ ہے اور یہی ابن کثیر کی طویل سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کا حوالہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں دیا ہے، گویا ان کی تاریخی کتاب کا ایک طویل ترین حصہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، جس کی ضخامت تقریباً ایک تہائی یعنی پندرہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

ابن کثیر نے اپنی سیرت کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصے کے عنوان کے ساتھ کتاب لکھ دی ہے، جس کی ترتیب یوں بنتی ہے۔

۱۔ کتاب المبعث ۲۔ کتاب المغازی ۳۔ کتاب البعوث ۴۔ کتاب الوفود ۵۔ کتاب حجۃ الوداع ۶۔ کتاب الشمائل اور ۷۔ کتاب الدلائل۔

ابن کثیر نے ہر کتاب کو متعدد ابواب، ضمنی فصول اور لاتعداد ذیلی عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ ہر کتاب میں الگ الگ عنوانات کے تحت مواد پیش کرنا چاہتے تھے، لیکن اسمیں کامیاب نہیں ہوئے، اسلئے ایک کا مواد دوسرے حصے میں گڈمڈ ہونے سے پہنچ سکا، جس کی بنیادی وجہ زیادہ سے زیادہ مواد کے جمع کرنے کا شوق ہو۔

اس سیرت کو دو بڑے حصوں میں منقسم کر سکتے ہیں، یعنی ہجرتِ مدینہ سے

قبل کے حالات و واقعات جن کو ترتیب زمنی کا لحاظ کرتے ہوئے موضوعات کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے ہجرت مدینہ کے بعد کے حالات و حوادث و غزوات کو سن وار ترتیب دیا گیا ہے۔

ما قبل ہجرت کے واقعات کی ابتداء یہ بتانے کیلئے حسب و نسب سے ہوتی ہے کہ رسول، قوم کے عالی نسب لوگوں ہی میں بھیجے جاتے ہیں، اسکے بعد آپ صلعم کے اسماء مبارکہ پھر اجمالاً تبصرہ کیا ہے، پھر نسبی سلسلہ کو حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں عدنان تک ملایا ہے، دوسرے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا حال تاریخی روایات و احادیث سے پیش کیا ہے اور ضمناً آپ صلعم کے والدین کے عقد مبارک کا تذکرہ بھی کیا ہے، آپ صلعم کی دایاؤں، خاصکر حلیمہ السعدیہ کے ہاں قیام کے دوران پیش آنے والے غیر معمولی واقعات کی تفصیل بیان کی ہے، پھر والدہ ماجدہ کی وفات دادا عبد المطلب اور چچا ابو طالب کے زیر سایہ پرورش، سفر شام اور یہاں پیش آنے والے واقعات، حضرت خدیجہ سے عقد مبارک اور تعمیر کعبہ کی تجدید میں شرکت کے اہم واقعات کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار سے لکھے ہیں۔

اس کے بعد کتاب المبعث کی ابتداء کی ہے۔ جسکے چھ ابواب قائم کئے ہیں۔

پہلے باب میں آپ صلعم کے ظہور سے متعلق جنات و شیاطین سے سنی سنائی باتوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خواب، آپ صلعم کی تنہائی، غار حرا کی عبادت، فرشتہ کی آمد اور "اقرا باسم ربک الذی خلق" کے نزول کی تفصیلات کا ذکر کیا ہے، اسکے بعد وحی کا نزول وحی کی رکاوٹ، وحی کا سلسلہ دوبارہ جاری ہونا اور اولین اسلام لانے والوں کا بیان ہے۔

تیسرے باب میں پیغام خداوندی کی تبلیغ و اشاعت، اس کا ردِّ عمل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت سے باز رکھنے کی کوشش، آپ صلعم کے دعوت نبوت کا مذاق اڑانا، آپ صلعم کے صحابہ کرام پر اذیت رسانی وغیرہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔

چوتھا باب پیغام خداوندی کی حقانیت پر مشرکین سے حدیث و قرآن کی روشنی میں بحث و مباحثہ پر مشتمل ہے۔

پانچواں باب مکہ سے حبشہ ہجرت کرنے والے صحابہ کرام کے تفصیلی بیان پر مشتمل ہے۔ اور اسی باب میں قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی شدت میں بنی ہاشم سے مقاطعہ کا معاہدہ اور ان کا شعب ابی طالب میں حصار پھر اس معاہدہ کا خاتمہ، اسراء و معراج کا واقعہ، شق القمر کا واقعہ، ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی وفات کے حادثات اور آپ صلعم کا ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام المومنین حضرت سودہؓ سے عقد مبارک سفر طائف اور ایذا رسانی اور گستاخی کا سامنا اور اسلام کی دعوت کی مقبولیت وغیرہ کے واقعات، سیرت تاریخ اور احادیث کی مدد سے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

چھٹا باب مکہ سے مدینہ ہجرت کے بیان سے شروع ہوتا ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہجرت کا تفصیلی ذکر ہے۔

مابعد ہجرت کے واقعات سن وار، عنوانات کے تحت پیش کیے گئے ہیں، اس میں یہ اہتمام ابن کثیر نے کیا ہے کہ مدینے کی دس سالہ زندگی کو دس شاہ سرخیوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان سال بہ سال واقعات میں فطری طور پر غزوات و سرایہ کا ذکر غالب ہے، اہم غزوات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

ہجرت کے سالِ اوّل کے واقعات کی ابتداء تاریخ اسلامی کے متعین کرنے سے ہوتی ہے اور پھر ہجرت کے پہلے سال جو واقعات رونما ہوئے ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے، جیسے مسجدِ قباء کی تاسیس، عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا، مدینہ میں پہلی نمازِ جمعہ اور خطبہ، مسجدِ نبویؐ کی بنیاد اور اسکے فضائل، مہاجرین کی بیماری اور مدینہ کے حق میں بیماریوں سے حفاظت کی آپ صلعم کی مقبول دعا، انصار و مہاجرین میں مواخاۃ، مدینہ کے یہودیوں سے صلح کا معاہدہ، ام المومنین حضرت عائشہؓ کی رخصتی نمازِ مقیم میں اضافہ اور اذان کی مشروعیت وغیرہ۔

دوسرے سال کے واقعات میں اس سال ہونے والے تمام غزوات و سرایا کا ذکر کیا ہے، جن میں خاص کر غزوۂ بدر پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، پھر اس کے بعد رمضان کے روزوں کی فرضیت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی ہجرت، حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ سے عقدِ مبارک اور رخصتی وغیرہ موضوعات آگئے ہیں۔

تیسرے سال کے غزوات و سرایا میں سب سے مفصّل ذکر غزوۂ احد کا ہے۔ اور اسکے تحت حضرت حمزہؓ کی شہادت کا سانحہ اور انکے نمازِ جنازہ اور حضرت عثمانؓ کا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی اُمِ کلثومؓ سے عقدِ مسعود کا تذکرہ ہے۔

چوتھے سال کے غزوات میں غزواۃ الرجیع اور بنو النضیر کی جلاوطنی کی کسی حد تک تفصیل بیان کرنے کے بعد غزوہ بنی الحیان کے ضمن میں صلاۃ الخوف کا ذکر آیا ہے اور اسی سال آں حضرت صلعم کے ام المومنین زینب بنتِ خزیمہؓ اور اُمّ المومنین اُمِّ سلمہؓ سے عقدِ مبارک کا ذکر آیا ہے۔

پانچویں سال کے واقعات میں غزوۂ خندق اور غزوہ بنی قریظہ کا

ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے۔ اسکے بعد سعد بن معاذ رضؓ کی وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ام المومنین اُم حبیبہ رضؓ بنت ابی سفیان اور ام المومنین زینب رضؓ بنت جحش سے عقدِ مبارک اور حجاب کے حکم کا نزول وغیرہ کے موضوعات بیان کئے ہیں۔

چھٹے سال کے غزوات میں غزوہ ذی قرد اور غزوۂ بنی المصطلق کسی قدر تفصیل سے اور غزوہ (صلح) حدیبیہ زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ام المومنین حضرتِ عائشہ رضؓ پر بے بنیاد تہمت تراشی کے قصّہ کا بھی ذکر ہے

ساتویں سال کے اہم واقعات میں خاص کر غزوۂ خیبر اور خیبر کے قلعوں کی فتوحات، اُم المومنین حضرتِ صفیہ رضؓ اور ام المومنین حضرت میمونہ رضؓ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ مبارک وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

آٹھویں سال کی ابتداء حضرت عمرو رضؓ بن العاص، حضرت خالد بن الولید رضؓ اور حضرتِ عثمانؓ بن طلحہ رضؓ اور حضرت کعب بن زہیر کے اسلام لانے کے واقعات سے ہوتی ہے اور غزوات میں غزوۂ موتہ، فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوہ طائف کا بیان ہوا ہے۔

نواں سال غزوہ تبوک سے شروع ہوا ہے۔ اسکے بعد مسجد ضرار کا واقعہ اور اس کا انہدام، عبداللہ بن اُبی کی موت، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی امیرِ حج کی حیثیت سے صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ کیلئے روانگی اور قربانی کے دن حضرت علی رضؓ کی زبانی مشرکین کے آئندہ سال سے حج پر پابندی، ننگے بدن بیت اللہ کے طواف کی ممانعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرتِ اُم کلثوم رضؓ کی وفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

دسواں سال اسلام کی دعوت کو عام کرنے اور خدا کے پیغام کو بزرگانِ

خدا تک پہنچانے سے شروع ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت خالد بن الولیدؓ کو نجران اور ان کے بعد حضرت ابو موسی الاشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔ پھر اس کے بعد حجۃ الوداع کی ساری تفصیلات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

گیارہواں سال ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری سال تھا۔ لہذا اس کا افتتاح پیغام رسالت کی تکمیل "حق کی فتح" اسلام کا غلبہ اور دیگر اشارات قرآنی کی حامل آیات سے کیا ہے، پھر آپ صلعم کے سانحۂ وفات پر تفصیلی بحث کی ہے اور حضرت حسان بن ثابتؓ اور ابو سفیان بن الحارثؓ کے مرثیوں کے اشعار پر وفات کے بیان کی تکمیل ہوئی ہے۔

اس کے بعد متعدد ابواب قائم کئے ہیں، جن میں آپ صلعم کے ترکہ کے بارے میں احادیث جمع کی ہیں۔ آپ صلعم کی باندیاں اور اولاد کا تذکرہ الگ الگ فصلوں میں کیا ھے۔ اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام، لونڈیوں، خدمت گاروں، کاتبین وحی کا تذکرہ ہے۔ اور آخر میں آپ صلعم کی زندگی کی یادگار نشانیوں اور سواریوں وغیرہ کا تذکرہ کرکے ابن کثیر نے سیرت کا بنیادی حصہ ختم کیا ہے اور مزید چار کتابوں میں شمائل و دلائل و خصائص کے بیان کی وضاحت کی ہے۔

مذکورہ بحث کے پیش نظر متاخرین میں ابن کثیر کی شخصیت بہت اہم ھے اور ان کے بعد آنیوالے سبھی سیرت نگاروں نے ابن کثیر سے استفادہ کیا ہے اور ان کی روایات کو جابجا استعمال کیا ھے۔ ابن کثیر ان خوش قسمت مصنفین میں ہیں جن کی تصنیفات ان کی زندگی میں بھی مشہور اور مقبول خاص و عام ہوئیں

القسطلانی :

ابو العباس احمد بن محمد شہاب الدین قسطلانی مصر کے ایک جلیل القدر محدث

و فقیہ تھے جو ۸۵۱ ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۹۲۳ ھ میں وفات پائی ۔ ان کی پہلی کتاب شرح صحیح البخاری ہے ۔ اس کتاب نے القسطانی کو بڑی شہرت عطا کی ۔ ان کی دوسری اہم کتاب جو ہماری بحث کا موضوع ہے وہ " المواہب اللدنیّہ " ہے ۔ جو سیرت کی کتابوں میں بڑی مشہور و مقبول ہے اور یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ۱۲۸۱ ھ میں قاہرہ سے چھپ چکی ہے اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں ۔ ان میں سب سے زیادہ مفصل شرح محمد بن عبدالباقی زرقانی کی ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے ۔ علمی حلقوں میں اس کتاب کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے ۔ شبلی نعمانی نے اس شرح کا نام " زرقانی علی المواہب " لکھا ہے ۔ یہ کتاب سیرت نبوی[4] صلعم کے متعلق ہر قسم کی معلومات کا خزینہ ہے ۔ القسطانی نے ہر واقعہ اور ہر موضوع کے متعلق مختلف مصادر سے ضروری مواد یکجا کر دیا ہے اور شرح لکھی ہے گویا سیرت نبوی کی ایک جامع انسائیکلو پیڈیا ہے مولانا شبلی نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے ۔

# فارسی زبان میں سیرت نگاری کی روایت

دنیا کے ہر خطہ اور ہر علمی زبان میں مؤلفین و مصنفین نے ہر زمانے میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر بیش بہا تخلیقات پیش کیں، عربی کے بعد فارسی ہی ایک ایسی زبان تھی، جسمیں علوم اسلامیہ کا وافر ذخیرہ موجود تھا۔ اور اس زبان میں بھی سیرت نبوی کے ہر ہر پہلو پر لکھا گیا اور بعد میں ان میں سے اہم تخلیقات کے اردو ترجمے ہوئے۔

علوم اسلامیہ کے حوالے سے دور عباسیہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس دور کے فروغ کی پہلی اور دوسری صدی میں ایران میں مذہبیات پر جو کام ہوا اس کی نظیر دنیائے اسلام میں ملنی مشکل ہے، تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، علم الکلام پر جو گراں قدر ذخیرہ اس زمانے کی یادگار ہے، اس کا بیشتر حصہ عجمی حضرات کی نگارشات و تصنیفات پر مشتمل ہے ان علوم کے ساتھ ساتھ سیرت مقدسہ کے موضوع پر بھی قلم اٹھایا گیا اور اس موضوع کی عظمت و وسعت کے حامل متعدد پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی، سیرت مقدسہ کے ذریعے سے قرآنی دعوت کے خط و خال اجاگر کیے گئے اور اس جلیل القدر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوت و خلوت کی تفصیلات ان سے تعلق رکھنے والے ہر واقعہ، ہر خبر ہر عمل، ان کی عادات و اطوار، ان کی عبادات و معاملات ان کی شخصی و اجتماعی خصوصیات اور خارجی و داخلی کیفیات کا تفصیل کے ساتھ احاطہ کیا گیا۔

فارسی سیرت نگاروں میں ایک اہم اور معتبر نام مولانا عبدالرحمٰن جامی کا ہے، جو سلطنت ہرات کے علم دوست بادشاہ ابوالغازی حسین کے دربار سے وابستہ تھے، مولانا جامی صرف فارسی کے ایک معروف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ عربی زبان پر انھیں دسترس حاصل تھی اور اس زبان میں بھی اُنہوں نے چند نگارشات یادگار چھوڑی ہیں، عربی زبان "شرح جامی" ان کا ایک لافانی شاہکار ہے جو آج بھی درس نظامی میں ایک قابل قدر تصنیف شمار ہوتی ہے۔ ان کا "خمسہ" خمسہ نظامی کے جواب میں اپنی جگہ ایک یادگار کارنامہ ہے۔

مولانا جامی کے عربی تصانیف سے قطع نظر، فارسی زبان میں ان کی مایہ ناز تصنیف جو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر فارسی زبان میں سیرت پر ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے

جو "شواہد النبوت" کے نام سے مشہور ہے، سیرت مقدسہ کے مختلف پہلوؤں کا مولانا جامی نے تفصیل کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔ اس کی نثر انتہائی سلیس و آسان ہے۔ اور اندازِ بیان دلکش ہے، اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے شبیر حسین ناظم نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور محل پبلی کیشن دہلی نے شائع کیا ہے۔

خصائص سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایران میں فارسی زبان میں لکھی جانے والی مشہور کتاب "معارج النبوت" ہے جس کے مصنف بھی دربارِ ہرات کے ایک دوسرے قاضی مولانا معین ہروی ہیں۔ "معارج النبوت" نویں صدی ہجری کی ایک یادگار تصنیف ہے "شواہد النبوت" کے برخلاف "معارج النبوت"، کی نثر مسجع و مقفیٰ ہے اور اسلوب بیان بھی پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے، لیکن شواہد النبوت سے ضخامت میں معارج النبوت زیادہ وقیع اور مہتم بالشان تصنیف ہے۔

ادھر برصغیر میں کسی ہندوستانی عالم و سیرت نگار نے اب تک سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم نہیں اٹھایا تھا۔ جس طرح حدیث کے فن کو روشناس کرانے کا سہرا حضرت عبدالحق محدث دہلوی رح کے سر ہے، اسی طرح سیرت پاک تحریر کرنے والے بھی دورِ مغلیہ کے یہ پہلے مصنف ہیں۔ عہد جہانگیری کی یہ مایہ ناز ہستی حضرت محدث دہلوی رحمہ نے دسویں صدی ہجری میں "مدارج النبوت" لکھی اور جب انہوں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر لکھنے کی ابتداء کی تو عربی زبان کی کتب سیر کے علاوہ فارسی زبان میں سیرت پر واحد کتاب "معارج النبوت" ان کے پیشِ نظر تھی، حضرت محدث دہلوی رح نے "مدارج النبوت" میں جا بجا اس سے استفادہ کیا ہے۔ جس کا اعتراف خود مصنف نے "مدارج النبوت" کے مقدمے میں کیا ہے۔

"حضرت محدث دہلوی رح نے سیرت النبی ص کو فارسی زبان میں پیش کر کے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے، اس لیے

کہ دسویں صدی ہجری میں برصغیر کی دفتری و عوامی زبان فارسی تھی اور یہاں فارسی زبان میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی، حضرت محدث دہلوی نے دو ضخیم جلدوں میں جو 1400 صفحات پر مشتمل ہے تحریر کی ہے۔[1]

حضرت محدث دہلوی نے ایک اور کتاب "جذب القلوب فی دیار المحبوب" کے نام سے تحریر فرمائی، جس میں تاریخ مدینہ پیش کی گئی ہے، اور چونکہ دیارِ مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وطنِ ثانی ہے۔ ہجرت کے بعد کی ساری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی دیار میں بسر کی اور یہیں وِصال فرمایا، اس حوالے سے اس کتاب کو بھی سیرت کی کتابوں میں شامل کیا جانا چاہیے، اسی لیے اس کا اجمالاً ذکر کر دیا گیا ہے۔

یوں تو مغلیہ دور میں مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں لکھی گئیں ہیں لیکن سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر سوائے "مدارج النبوت" کے اور کوئی کتاب کسی صاحب قلم نے تحریر نہیں کی، فارسی زبان میں مذکورہ تین کتابیں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس لیے کہ ان کا شمار موضوعات و ضخامت کے لحاظ سے مکمل و جامع سیرت کی کتابوں میں ہوتا ہے۔ اردو کے بیشتر سیرت نگاروں کی کتابوں میں ان کے حوالے ملتے ہیں۔

اِن کے علاوہ قاضی ارتضا علی خاں گوپاموی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) کی فارسی تصنیف "تنبیہ الغفول فی اثبات اسلام آباء الرسول" اور "قصیدہ بردہ" کی شرح جس کا نام "مراصد الرتضیہ فی شرح الکواکب المضیئیہ" ہے قابلِ ذکر ہے۔ سلام اللہ دہلوی (۱۲۲۹ یا ۱۲۳۳ھ) نے بھی فارسی میں ایک شرح لکھی جو شرح شمائل کے نام سے

---

[1] اس پر تفصیلی گفتگو " قبل از دسویں صدی میں سیرت نگاری' ایک اجمالی خاکہ" میں آئے گی۔

منسوب ہے۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر فارسی ایک اور اہم تصنیف "النبیؐ الامّیؐ" ہے۔ جس کے مصنّف ایران کے مقتدر و ممتاز عالم و فلسفی علامہ آیت اللہ سید مرتضیٰ امطہری ہیں۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی یہ مختصر سی کتاب اپنے دامن میں بے شمار وسعتیں رکھتی ہے۔ انہوں نے سیرت مطہرہ کے جس پہلو کو بطور خاص زیرِ بحث رکھا ہے۔ وہ آپ صلعم کے "اُمّی" ہونے کا وصف ہے اور یہ وصف قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کے دلائل میں سے ایک وقیع دلیل ہے۔ اس لیے اس کا تعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ نبوت سے ہے۔ علامہ آیت اللہ نے اس پہلو کو اپنے کتابچے میں نمایاں کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ آپ صلعم اُمّی تھے، ان فارسی تصانیف کے علاوہ دو اہم سیرت کی کتابوں کے ترجمے بھی فارسی میں ہوئے۔ محمد بن اسحٰق کی کتاب "المغازی" کا ترجمہ فارسی میں ہوا۔ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ۔

"المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانے میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا اس کا قلمی نسخہ الہ آباد میں ہماری نظر سے گزرا ہے"۔ [1]

سیرت ابن ہشام کا فارسی ترجمہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے، اتابک سعد بن زنگی کے حکم سے ہوا تھا۔ مترجم کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے علاوہ ہو سکتا ہے اور عربی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترجمے فارسی میں ہوئے ہوں جن کے ناموں اور مصنّفین تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی۔

---

[1] شبلی نعمانی سید سلیمان ندوی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اوّل صفحہ 13 مکتبہ مدینہ لاہور ۱۴۰۸ھ

## پانچواں باب

# قبل از بیسویں صدی، اردو میں سیرت نگاری
# ایک اجمالی خاکہ

# مولانا محمد صبغت اللہ

مولانا محمد صبغت اللہ جو قاضی بدر الدولہ کے نام سے معروف ہیں۔ جنوبی ہند کے مشہور عالم گزرے ہیں۔ ان کا خاندان بھی ان عربی النسل خاندانوں میں سے ایک ہے جنہوں نے براہِ راست عرب سے سواحلِ ہند میں سکونت اختیار کی اور جنوبی ہندوستان کے معروف شہروں جیسے بیجاپور، بیدر اور مدراس کو اپنا مسکن بنایا۔ یہاں ان کے خاندان کو معاشرہ میں وہی ممتاز مقام حاصل تھا جو مقام شمالی ہند میں شاہ ولی اللہ مرحوم کے خاندان کو حاصل تھا۔ ان کا خاندان مسلسل پانچ پشتوں سے مذہبی اور علمی خدمات انجام دے رہا تھا۔ مختلف حیثیتوں سے ان کے خاندان کے افراد اشاعتِ اسلام اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں حصہ لیتے رہے، اور ان میں بیشتر قاضی کے عہدے پر فائز رہ چکے تھے۔ مولانا محمد صبغت اللہ کے والد بزرگوار مولوی محمد غوث کے دو فرزند تھے، بڑے فرزند مولانا محمد صبغت اللہ جو امام العلماء قاضی الملک بدر الدولہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

مولانا محمد صبغت اللہ، ۱۲۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور دیگر علماء خصوصاً مولوی علاؤالدین مرحوم سے تعلیم حاصل کی۔ اگرچہ معقولات کی بھی تکمیل کی تھی لیکن طبعی رجحان مذہبی علوم سے تھا اور مذہب کی اعلیٰ خدمات ہی کو اُنہوں نے اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا۔ مرتے دم تک دینِ اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے اور ستر سال کی عمر میں ۱۲۸۰ھ میں بعد نمازِ صبح بحالت رکوع اللہ کا نام لیتے ہوئے اپنی جان مالکِ حقیقی کے سپرد کر دی۔ جامع مسجد مدراس میں سپردِ خاک کر دیے گئے۔

مولانا محمد صبغت اللہ نے عربی فارسی اور اُردو میں بکثرت تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ عربی میں ہدایت السالک الموطا امام مالک (یہ موطا کی شرح ہے) رسالہ تعلیم النساء الکتابۃ (اس رسالہ میں فنِ کتابت پر بحث ہے اور یہ جواز

پیش کیا گیا ہے کہ خواتین بھی اس فن کو سیکھ سکتی ہیں ۔) رسالہ فی صداق فاطمۃ الزہراء (اس میں حضرت فاطمہؓ کے مہر کا تعین کیا گیا ہے) اور رسالہ فی تعین صلاۃ الوسطے (اس میں صلواۃ وسطے کی بحث ہے)۔

فارسی میں چند تصانیف یہ ہیں ۔ داستانِ غم جس میں حضرت امام حسین کا مفصل تذکرہ ہے، رسالہ شروط اقتدا ، رسالہ در بحثِ اجتہاد، رسالہ بحث رویت ہلال علاوہ ازیں انہوں نے حرمین شریفین کا مختصر اور مفید روزنامچہ بھی مرتب کیا ہے اردو تصانیف :۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ' فوائدِ بدریہ' کے علاوہ اردو میں مولانا صبغت اللہ کی جو تصانیف ہیں انکی تفصیل درج ذیل ہے۔

ان کی دوسری تصنیف "ہشت گلزار" ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے حالاتِ زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے ۔ پھر تفسیر فیض الکریم ، نثر الجواہر میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات قلم بند کئے ہیں ۔ 'ریاض النسواں' ان کی مقبول تصنیف ہے ۔ جس میں عقائد اور عبادات وغیرہ کے ضروری مسائل پر فقہ شافعی کی روشنی میں بحث کی گئی ہے ۔ خزانۂ معدلت ، اس رسالہ میں احکام عدت و وفات پر گفتگو ہے ۔

توشۂ فلاح مناسک میں ارکانِ حج پر تفصیلی بحث ہے۔ قوت الارواح سب سے ضخیم کتاب ہے جو توشۂ فلاح مناسک کی شرح ہے ۔ سیف المسلمین مناظرے کے باب میں لکھی گئی ہے ، اور گلزارِ ہدایت میں بدعتوں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے

**فوائد بدریہ :۔** زیرِ نظر کتاب سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر جنوبی ہند ہی کی نہیں بلکہ ہندوستان و اردو دُنیا کی سب سے اولین نثری تصنیف ہے اگرچہ کہ اس سے قبل بھی ایک سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو ۱۱۸۵ھ میں آگاہ نے 'ہشت و بہشت' کے نام سے لکھی تھی۔ لیکن یہ منظوم سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور فوائد بدریہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ نثر میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین

کتاب ہے جسکو خصوصاً جنوبی ہندوستان میں قبولیتِ عام حاصل ہوئی یہی وجہ ہے کہ اس کے کئی ایڈیشن مدراس و بمبئی سے اب تک طبع ہوئے ہیں۔ درحقیقت یہ کتاب فنِ سیرت کا نہایت عمدہ خلاصہ ہے مولانا صبغت اللہ کی یہ سیرت بڑی تقطیع (9¾ × 6¾") کے چار سو صفات پر مشتمل ہے جس میں چار ابواب قائم کئے گئے ہیں۔ ان ابواب کو تیرہ (13) فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر فصل میں ذیلی عنوانات کے تحت بحث کی گئی ہے۔ اس طرح تین سو اکتیس (331) ذیلی عنوانات بنائے گئے ہیں۔ اور آخیر میں چار صفحات پر "صحت نامہ فوائد بدریہ" ترتیب دیا گیا ہے۔ کتاب کا سرورق انتہائی خوبصورت اور جاذبِ نظر ہے۔ اس کی پیشانی پر قرآنِ کریم کی معروف آیاتِ کریمہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" درج ہے۔ اس کے نیچے خوبصورت اور دلکش انداز میں سرنامہ "کتاب" فوائد بدریہ" کی کتابت کی گئی ہے جو خطاطی کا بہترین نمونہ ہے پھر پیچھے مولف کا نام تحریر کیا گیا ہے۔ اور سب سے نچلے حصے میں مطبع کا نام جلی حرفوں میں لکھا گیا ہے۔ یہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم غالباً تیرھویں صدی ہجری کے وسط میں لکھی گئی ہے۔ زیرِ نظر نسخہ کے مرتب محمد غوث (عثمانیہ) نے عرض حال میں اس کتاب کی اشاعت کے بارے میں جو اشارے دیئے ہیں اُس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا محمد صبغت اللہ نے فوائد بدریہ ۱۲۵۰ھ کے آس پاس لکھی ہوگی۔ وہ لکھتے ہیں":-

> "اس اشاعت کے لیے کئی نسخے فراہم کیے گئے۔ مصنف کا اصلی مبیضہ بھی موجود ہے لیکن افسوس ہے کہ بوسیدگی کے باعث اُس سے کام لینا دشوار ہے۔ مجبوراً صحت کے لیے وہ نسخہ پیش نظر رکھا گیا جو خود مصنف کے لیے اُن کی ہمشیرہ زادے مولوی سید حبیب اللہ خان مرحوم نے ۱۲۵۷ ہجری میں نقل کیا تھا۔ بعد میں وہ نسخہ بھی فراہم ہوا جو سب سے اوّل ۱۲۶۳ھ میں

مطبع کش راج مدراس میں نہایت اہتمام اور صفائی سے طبع ہوا تھا۔ اس میں خود مصنف نے جابجا طباعت کی غلطیوں کی اصلاح کی ہے۔" ؎۱

اس اقتباس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی سید حبیب اللہ خان مرحوم سے بہت پہلے فوائدِ بدریہ کے قلمی نسخے موجود تھے اور خود مصنف کے ہاتھوں لکھا ہوا ایک قلمی نسخہ بھی تھا۔ اور یہ تمام نسخے ۱۲۵۷ھ سے پہلے لکھے گئے تھے، یعنی یہ خیال غلط نہیں کہ فوائدِ بدریہ ۱۲۵۰ھ کے قریب لکھی گئی ہوگی۔

مولانا محمد صبغت اللہ عربی و فارسی کے ایک ممتاز عالم و ادیب تھے۔ اُنہوں نے متعدد کتابیں عربی و فارسی میں لکھیں۔ فوائدِ بدریہ سے پہلے بھی فخر امُراء تاجِ روسا نواب محمد منور خان اعظم جاہ کی فرمائش پر ایک مختصر رسالہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر فارسی زبان میں لکھا تھا۔ "فوائدِ بدریہ" کے لکھنے کا خیال اس لیے پیدا ہوا کہ ان کی خواہش تھی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کو اُردو میں مرتب کریں چونکہ اب عربی و فارسی جاننے والوں کا فقدان ہے۔ اس لیے مقامی زبان میں یعنی ہندوی میں بھی سیرت پر ایک کتاب لکھی جائے۔ نیز نواب اعظم جاہ نے بھی اس زبان میں سیرتِ مقدسہ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ مولانا صبغت اللہ نے اس کتاب کی ابتدا کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ نواب اعظم جاہ کا انتقال ہوگیا۔ اور اُنہوں نے لکھنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ پھر یہ خواہش اُس وقت جاگی جب نوابِ اعظم جاہ کے فرزند محمد غوث خان بہادر تخت نشین ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں —

> "پھر دل چاہا کہ حسبِ خواہش اس عزلتِ رحمت کے رسالے کو بسط کروں لیکن دیکھا کہ بازارِ علم کا بہت کاسد ہوگیا ہے اور علم کے جاننے والے دُنیا سے گذر گئے۔ اب کوئی کتاب زبانِ عربی یا فارسی میں تصنیف کئے تو کچھ فائدہ

---

؎۱ محمد صبغت اللہ، فوائدِ بدریہ، صفحہ 1، المطابع مشین پریس عثمان گنج حیدرآباد۔ ۱۳۴۱ ہجری۔

اس پر مرتب نہیں جن کو ان زبانوں کی معرفت حاصل ہے ان کے لیے بہت سے کتب موجود ہیں اور کسی کو خواہش مند بھی نہیں پایا۔ تب زبان ہندی میں یہ کتاب لکھنا شروع کیا۔ تا عوام مومنوں کو اس سے فائدہ حاصل ہووے اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے واقف ہو کر ان کی پیروی خوبی کے ساتھ کریں اور اس کی تالیف کا سبب حقیقت میں نواب مغفور تھے تو اللہ تعالیٰ اُن کی روح کو بھی اس کا اُجر پہنچا دے۔" [1]

مولانا صبغت اللہ نے فوائدِ بدریہ کی ترتیب میں جن کتابوں سے استفادہ کیا۔ اُن میں ابن سید الناس کی "عیون الاثر" شیخ ابن القیم کی "زاد المعاد" ابنِ حجر عسقلانی کی "فتح الباری" شیخ جلال الدین سیوطی کی خصائص الکبریٰ، شیخ قسطلانی کی مواہب اللدنیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوت قابلِ ذکر ہیں، خود مصنف نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مذکورہ بالا کتب کا نچوڑ ہی "فوائدِ بدریہ" کی صورت میں پیش ہوا ہے۔

مصنف نے اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لیکر وصال تک کے واقعات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے، جو صفحہ تین (3) سے ایک سو چوراسی (184) صفحے تک پھیلے ہوئے ہیں، اس باب میں دو فصل ہیں۔ پہلی فصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتداءِ خلقت سے ہجرت تک کے واقعات بیان ہوئے ہیں اس میں سب سے پہلے تخلیق نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم و خلقت عالم کا تذکرہ کیا ہے۔ آدم و ہوا کی پیدائش، آدم و ہوا کا بہشت سے نکالے جانا پھر دونوں کا عرفات کے جنگل میں ملنا اور زندگی بسر کرنا وغیرہ پر تفصیلی بحث کی ہے، اولادِ آدم علیہ السلام کے باب میں صرف حضرت شیث علیہ السلام کا نام لیا ہے۔ شاید اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب حضرت شیث علیہ السلام

---

[1] محمد صبغت اللہ، فوائدِ بدریہ، صفحہ ۲ المطابع مشین پریس عثمان گنج حیدرآباد، ۱۳۴۱ھ

سے ہوتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ روایتوں میں بھی یہی بات آئی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا تھا۔ یہی نور آدم علیہ السلام سے منتقل ہو کر حضرت شیث علیہ السلام کے پاس آیا اور حضرت شیث علیہ السلام سے ان کے فرزند حضرت انوش کے یہاں منتقل ہوا اور اس طرح یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا اور یہاں تک یہ نور عبدالمطلب میں اور ان کے بعد ان کے فرزند عبداللہ میں منتقل ہو گیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس خاکدانِ گیتی میں تشریف لائے اسی خیال کو تقویت دینے کیلئے مصنف نے سیرت کی ابتداء نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر اس کا اختتام کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ سلسلۂ نسب پیش کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباو اجداد کے حالات بھی تحریر کئے ہیں۔ سلسلہ نسب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر معد بن عدنان تک لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں تک تو سلسلۂ نسب مضبوط ہے اس کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

نور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلسلہ نسب کے بعد ابرہہ کا واقعہ، عبدالمطلب کا خواب، عبداللہ کا ذبح ہونا، زمزم کا کھودنا اور حضرت آمنہ کے نکاح کے بیان کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بیان ہوا ہے یعنی واقعات کو مولانا صبغت اللہ نے اس طرح جوڑا ہے کہ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک اہم واقعہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور واقعات کا تسلسل کہیں بھی ٹوٹنے نہیں پاتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا بیان قدرے تفصیل کے ساتھ ہوا ہے ان میں وہی روایات بیان ہوئی ہیں جو قدیم سیرت کی کتابوں میں درج ہیں مثلاً اقتباس دیکھئے۔

> ”احادیث میں آیا ہے کہ جس شب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
> کا حمل ٹھہرا، اللہ تعالیٰ نے ندا کیا کہ عالم کو قدس کے نوروں سے منور
> کرو اور بہشت کے دروازے کھولو اور خوشبویوں سے ملک

ملکوت معطر کرو اور آسمانوں میں اور زمین میں بشارت دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آج کی رات آمنہ کے رحم میں قرار پایا۔ اور اس شب کی صبح کو روئے زمین کے بتاں اوندھے پڑ گئے اور تمام سلاطینوں کے تخت اُلٹ گئے"۔۔۔۔۔ [1]

"بی بی آمنہ کو ایک شخص خواب میں آ کر کہا تو حاملہ ہوئی بہترین عالم کو اور حمل کے مہینوں میں آسمان و زمین میں آواز ہوتی تھی کہ خوش ہو جیو ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر ہونا یمن و برکت کے ساتھ قریب ہے۔ اور حمل کے نو مہینوں تک بی بی آمنہ کو درد وغیرہ شکایتیں جو حاملہ کو ہوتے ہیں سو کچھ عارض نہ ہوئے"۔۔۔۔۔ [2]

"جب درد زہ شروع ہوا کسی کو خبر نہ ہوئی۔ عبد المطلب کعبہ کے طواف کو گئے تھے۔ اور میں گھر میں اکیلی تھی۔ سو مجھے ایک بڑا آواز کوئی چیز زمین پر گرنے کا آیا اور اس سے مجھے خوف ہوا دیکھتی ہوں کہ ایک سفید پرندے کا پر میرے دل پر پھیرے گیا اور سب اندیشے میرے دل سے جلتے رہے اور درد موقوف ہو گیا۔ اور مجھے تشنگی بشدت تھی۔ دیکھتی ہوں کہ ایک شخص پانی دودھ سے بھی زیادہ سفید لیکے آیا میں اس کو لیکے پی"۔۔۔ [3]

ولادت کے مفصل بیان کے بعد وہ تمام واقعات ہجرت مدینہ تک مختصراً بیان کر دیے ہیں۔ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ پر روشنی پڑتی ہے۔

---

[1] و [2] محمد صبغت اللہ، فواید بدریہ، صفحہ 14-13، المطابع مشین پریس عثمان گنج حیدرآباد دکن ۱۳۵۰ھ

[3] محمد صبغت اللہ، فواید بدریہ، صفحہ 14-13، المطابع مشین پریس عثمان گنج حیدرآباد دکن ۱۳۵۰ھ

ہے۔ مثلاً آمنہ و عبدالمطلب کا انتقال، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوطالب کے ہمراہ شام کا سفر کرنا۔ میسرہ کے ساتھ تجارت کے لیے شام کا سفر کرنا۔ کعبہ کی تعمیر نو وحی کا نزول، اسلام کی تبلیغ، حضرت علی رض، حضرت ابو بکر رض، حضرت عثمان رض، حضرت حمزہ رض، حضرت عمر رض کا اسلام قبول کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلعم کے خاندان کا شعیب ابی طالب میں محصور رہنا۔ معراج کا واقعہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابو بکر رض کے ہمراہ مدینہ کی ہجرت وغیرہ۔ معراج شریف اور ہجرتِ مدینہ کے واقعات ذرا تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ ہجرت سے پہلے کی قریش کی سازشوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا جو منصوبہ "دار الندوہ" میں بنایا گیا تھا اور اس کو مفصل بیان کیا ہے۔ اس سے کفارِ قریش کی رسول دشمنی کا پتہ بھی چلتا ہے اور اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی شیطانی کام کرنے پر آمادہ ہوتا ہے تو شیطان کس طرح اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اس واقعہ کا ابتدائی حال محمد صبغت اللہ سے سنیے۔

"قریش جان لیے کہ مسلمانوں کو روز بروز ترقی ہے اور امن کے واسطے ان کو ایک ٹھکان بھی ٹھہرا۔ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاویں گے۔ اس لیے کچھ تجویز کے درپے ہوئے چنانچہ قصی بن کلاب کے گھر میں جس کو دار الندوہ کہتے ہیں۔ اور مشورت کے واسطے وہاں جمع ہوا کرتے تھے۔ سب جمع ابلیس بھی اپنے تئیں بہت ہی بڑے بزرگ کی صورت بنا کے آیا اور دروازے پر کھڑے ہوا۔ لوگ کہے تو کون بزرگ ہے بولا میں نجد کا شیخ ہوں سنا کہ تم مشورت کرتے ہو سو میں بھی آیا ہوں تا تمہاری مشورت سنوں۔" [1]

---

[1] محمد صبغت اللہ، فوائدِ بدریہ، صفحہ 43، المطابع مشین پریس، عثمان گنج حیدر آباد دکن ۱۲۰۵ھ

"ابوجہل کہا میں ایک تجویز کیا ہوں کہ ہر قبیلے سے ایک ایک چالاک جوان کو جو سب میں عزیز رہے ہے جمع کرنا اور انھوں کے ہاتھوں میں بہتر تلواراں دینا اور وہ سب اتفاق سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا اور مارنے میں سبھوں کا ایک ہی ہاتھ رہنا اس صورت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خون سب قبیلوں پر ہوتا ہے پس عبد مناف کا قبیلہ تمام قبیلوں کے ساتھ مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ اس کے قرابتی لاچار ہو کے اس کا خون بہا چاہینگے تو ہم سب اس کی دیت دیوینگے، شیخ نجدی کہا یہ تجویز بہت مناسب ہے"۔ [1]

ہجرت کے بیان پر باب اول کی پہلی فصل کا اختتام ہوتا ہے، یہ فصل چوالیس 44 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ دوسری فصل میں ہجرت سے وفات تک کے واقعات بیان ہوئے ہیں، اس فصل کی خصوصیت یہ ہے کہ سالِ ہجری کے آغاز سے تاریخ وار واقعات کو ترتیب دیا گیا ہے اور ہر سال واقع ہونے والے اہم واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً۔ پہلے سالِ ہجری میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر، اذان دینے کا حکم حضرت سلیمان فارسی، حضرت عبداللہ بن سلام کا ایمان لانا اور جہاد کا حکم وغیرہ براختصار سے لکھا ہے۔ دوسرے سال کے اہم واقعات میں حضرت فاطمۃ الزہرہ کا نکاح، کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنا، رمضان کے روزوں کا فرض ہونا۔ زکوٰۃ و فطرہ کا فرض ہونا، عید الفطر کی نماز مقرر ہونا اور اس کے علاوہ دوسرے سال ہجری میں ہوئے غزوات یعنی غزوۂ بدر، غزوۂ بنی قینقاع اور غزوۂ سویق پر مختصر بحث ہے۔ تیسرے اور چوتھے سال میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔ اُمِ کلثوم کا نکاح، بی بی حفصہ کا نکاح، امام حسن کی پیدائش، احد کا غزوہ، بنی نضیر کا غزوہ، غزوۂ ذات الرقاع، شرب

---

[1] صبغت اللہ، فواید بدریہ، صفحہ 44، المطابع مشین پریس عثمان گنج حیدرآباد دکن ۱۳۵۰ھ

کا حرام ہونا، حضرت بی بی عائشہؓ کا ہار گم ہونا اور تیمّم کا حکم، حضرت حسینؓ کی ولادت، بی بی زینب خزیمہ اور اُمّ سلمہ کا نکاح، فاطمہ بنت اسد اور بی بی زینب کا انتقال وغیرہ پانچویں سال ہجری میں چار غزوات کا ذکر ہے، جسمیں اہم غزوہ خندق اور غزوہ بنی قریظہ پر قدرے تفصیل سے بحث ہے۔ چھٹے سال میں زیادہ تر غزوات کا ذکر ہے جن میں غزوہ حدیبیہ (صلح حدیبیہ) اور غزوہ خیبر کو کافی اہمیت دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، حج کا صاحب نصاب پر فرض ہونا، سورج گہن، ابوہریرہؓ کا ایمان لانا، بی بی صفیہ و میمونہ اور اُمّ حبیبہ کا نکاح اور گدھوں کا کھانا حرام ہونا وغیرہ پر مختصراً بیان ہوا ہے۔ آٹھویں اور نویں سال ہجری میں حضرت خالد بن الولید کا اسلام قبول کرنا اور فتح مکہ، غزوہ حنین و غزوہ طائف کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ غزوہ تبوک اور اس عہد کے وفود کا ذکر کیا گیا ہے۔ دسویں سال ہجری میں اور وفود کے علاوہ "حجۃ الوداع" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر پہلا باب اختتام پذیر ہوتا ہے۔

دوسرا باب ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہہ مبارک اور سیرت باکمال کے بیان میں ہے۔ اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ یہ پورا باب تقریباً اڑتیس (38) صفحات پر پھیلا ہوا ہے پہلی فصل میں قدرے تفصیل سے چہرۂ مبارک کا بیان ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت باجمال یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں، کانوں، پیشانی اور بھوں، ناک و دہن شریف، لعاب، آواز اور ہنسی کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تکلّم اور اُس کی فصاحت، سرِ مبارک اور بالوں و ریش مبارک کا بیان، سینہ، شکم شریف، مہرِ نبوت، دستِ مبارک، قدم مبارک، قدِ مبارک، چال، رفتار اور رنگ کا مختصر بیان ہے۔ تاکہ قاری کے دل و دماغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک آجائے۔ دوسری فصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ کا احاطہ کرتی ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم و عفو، تواضع اور فروتنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ازواجِ مطہرات کیساتھ سلوک یا حسنِ معاشرت، خوش طبعی، حیا و شرم، شجاعت، سخاوت اور بخشش و شفقت وغیرہ۔ تیسری فصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غذاؤں کے بیان میں ہے۔ چوتھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس اور پانچویں فصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کے بیان میں ہے۔

تیسرا باب۔ اس باب کی پہلی فصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے دلائل اور معجزات کا تذکرہ ہے۔ جہاں مولانا صبغت اللہ نے سابقہ آسمانی کتابوں میں جو بشارتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے سلسلے میں موجود تھیں وہ بیان کیے ہیں اور علمائے یہود و نصاریٰ کی پیش گوئیوں کا ذکر کیا ہے۔ دوسری فصل کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا بیان ہے، جسمیں قرآن شریف کا معجزہ، معجزۂ شق القمر، آفتاب کا غروب ہو کر طلوع ہونے کا معجزہ، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات و فیوض کو بھی اسی باب میں شامل کیا ہے۔ مثلاً تھوڑے کھانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت سے زیادتی ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے بھوک پیاس کا نہ لگنا، جمادات و حیوانات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا، بیماری سے شفاء پانا وغیرہ اور اس کے علاوہ متفرق معجزات کا ذکر کیا گیا ہے

چوتھا باب۔ اس باب میں مولانا نے چار فصلیں قائم کی ہیں پہلی فصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و احترام کے بیان میں ہے، دوسری فصل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق جو اُمت پر لازم ہیں بیان ہوئے ہیں۔ تیسری فصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کرنے والوں کے بیان میں ہے اِسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواجِ مطہّرات اور آپ صلعم کے حرموں اور اولاد کا بھی ذکر کیا گیا ہے، چوتھی فصل میں "درود کی اہمیت اور اس کے ورد کے فوائد پر روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد صحت نامہ فوائدِ بدریہ کے عنوان سے کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

مجموعی طور پر فوائدِ بدریہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تیرھویں صدی ہجری کے

وسط میں لکھی گئی ایک اہم تصنیف ہے جو قدیم زمانے کے عربی اور فارسی مواد سے اردو میں تیار ہوئی ہے۔ جہاں تک ان میں پیش کردہ روایات ہیں ان سے اختلاف ہو سکتا ہے تاہم بیشتر صحیح روایات پیش ہوئے ہیں۔ جگہ جگہ قرآنی آیات سے بھی استدلال کیا ہے۔ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالوں سے ہر صفحہ مزین ہے۔

فوائد بدریہ کی زبان بھی کافی سلیس ہے، اگرچہ کہ اس کی تالیف ہوئے ڈھائی سو سال کا عرصہ ہو چکا ہے، یہ زبان اردو کی معیاری فصاحت پر پوری نہیں اُترتی، اس کے باوجود ان کی کوشش سے بے اعتنائی برتنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ بات غلط اور نامناسب بھی ہو گی کہ ہم آج کے معیارِ زبان کے مطابق دو ڈھائی سو سال پہلے لکھی گئی تحریر کا موازنہ کریں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ اُس دور کی زبان کے معیار کے موافق ہی یہ زبان ہوگی۔ آگاہ کی "ہشت بہشت" کی زبان کا مقابلہ فوائد بدریہ سے کیا جائے تو بھی اندازہ ہوتا ہے کہ فوائد بدریہ کی زبان زیادہ فصیح ہے اس کی ایک خصوصیت زبان کے حوالے سے یہ ہے کہ مولانا صبغت اللہ نے اس بات کی نہایت کامیاب کوشش کی ہے کہ عربی الفاظ کا اردو ترجمہ نہایت مناسب الفاظ سے کیا جائے۔ دراصل سیرت کا مقصد اسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ واقعات کو قاری کی مادری زبان میں پیش کیا جائے۔ نمونۂ زبان کے لیے چہرہ مبارک کی قلمی تصویر دیکھیے۔

"براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تمام لوگوں کے چہرے سے بہتر اور خوب تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کو خوش رو نہ دیکھا۔ گویا آفتاب چہرے پر پھر رہا تھا۔ اور براء سے بھی روایت ہے کہ چہرہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند کے سا تھا۔ اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چہرہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب اور مہتاب کے مثل تھا۔ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں سالے حضرت (صلعم) کے پھوگرے نہ تھے اور چہرہ بہت گول یا دراز
نہ تھا۔ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہے جب حضرت (صلعم)
خوش ہوتے تو چہرہ مبارک روشن ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا اور ربیع
بنت معوذ رضی اللہ عنہا کہے اگر تو حضرت (صلعم) کو دیکھتا تو کہتا
آفتاب نکلا ہے اور ہند ابن ابی ہالہ کہے منہ چودھویں رات
کے چاند سا چمکتا تھا۔" [1]

اِس کی زبان میں اُس دور کی تمام لسانی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اور اُس زمانے میں تذکیر و تانیث اور واحد و جمع بنانے کے جو طریقے رائج تھے۔ اُنہی طریقوں پر مولانا صبغت اللہ نے عمل کیا ہے اور املا بھی اُسی طرح لکھا ہے جیسے اُس دور کا رواج تھا، گذشتہ صفحات میں پیش کردہ اقتباسات سے ان کی زبان اور طرز بیاں کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں اور چند جملے بطور مثال پیش ہیں۔

"۱۔ ایک نور میرے سے روشن ہوا چند عورتاں اونچے اونچے۔۔۔ [2]

★۔ "میرے سے" دو جُدا لفظ ہیں لیکن اُس زمانے میں دو لفظوں کو ملا کر لکھا جاتا ہے۔

★۔ "عورتاں" عورت کی جمع یوں ہی بنائی جاتی تھی اور اسی طریقے سے دوسرے الفاظ کی جمع بھی بنائی جاتی تھی، جیسے لوگ کی جمع لوگاں۔ حور کی جمع حوراں، دوست کی جمع دوستاں وغیرہ۔

"۲۔ وہ بیبیاں مجھے کہے ہم آسیہ فرعون کی عورت اور مریم عمران کی بیٹی ہیں اور یہ حوراں ہیں"۔۔۔ [3]

★۔ 'نے' کا استعمال بہت کم ہوتا تھا جس کی وجہ سے جملوں کی ساخت ہی بدل جاتی تھی۔

"۳۔ اور غیب سے آواز آیا"۔۔۔ [4]

---

[1] صبغت اللہ، فوائد بدریہ، صفحہ 185 - 184 شمس المطابع مشین پریس عثمان گنج حیدرآباد ۱۳۴۲ھ

[2]، [3] اور [4]۔ صبغت اللہ، فوائد بدریہ، صفحہ 15-14 شمس المطابع مشین پریس عثمان گنج حیدرآباد ۱۳۴۲ھ

* ۔ یہاں آواز کو مذکر لکھا ہے اس لیے کہ تذکیر و تانیث کا خاص خیال نہیں رکھا جاتا تھا

"ہم ۔ اور ہبل کر کر جو بڑا بت تھا اوندھا گر گیا"۔

* ہبل کر کر یعنی ، ہبل نامی ،۔

سر سید نے بھی، اگرچہ ان کا تعلق جدید دور سے تھا متعدد جگہوں پر "کر کر" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ فہرست مضامین میں بھی تذکیر و تانیث کا وہی حال ہے۔ مثلاً پہلا فصل دوسرا فصل لکھا ہے جبکہ فصل مونث ہے۔ بہرکیف فوائد بدریہ سیرت کے موضوع پر ایک اہم قدیم و نایاب کتاب ہے اور اردو سیرت نگاری میں اس کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

# سر سیّد احمد خاں

سر سیّد احمد خاں انیسویں صدی کے ایک عظیم مفکر، مصلح، دانشور رہنما اور تاریخ نگار تھے، ان کی تصانیف کی فہرست خاصی طویل ہے، سر دست ان کی ان تصانیف کا ذکر کرنا ہے، جن کی بدولت ان کا نام سیرت نگاران رسول ﷺ کی فہرست میں جگہ پا گیا۔

سیّد احمد خاں بنیادی طور پر سیرت نگار نہیں تھے، اگرچہ کہ مذہبی فکر و احساس ان کی فطرت میں پوری طرح رچا بسا تھا، انہوں نے سیرت نبوی ﷺ پر کوئی باقاعدہ علمی کتاب جو اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہو نہیں چھوڑی تاہم انہوں نے اس صنفِ ادب پر ضرور قلم اٹھایا، انھوں نے اس موضوع پر دو اہم کتابیں تحریر کیں، پہلی کتاب بہت ہی مختصر ہے جو جلاء القلوب بذکر المحبوب ﷺ کے نام سے 1842ء لیتھوگرافک پریس دہلی سے شائع ہوئی دوسری اہم تصنیف ولیم میور کی بدنام زمانہ تصنیف LIFE OF MOHAMMED کے جواب میں بنام "الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ" جو عرفِ عام میں "خطباتِ احمدیہ" کے نام سے منسوب ہے لکھی، ان صفحات میں اوّل ان کے مختصر ترین سیرت النبی " جلاء القلوب بذکر المحبوب " پر اظہار خیال ہوگا۔

جلاء القلوب بذکر المحبوب ﷺ :

سر سیّد احمد خاں کا سیرتِ نبوی ﷺ پر یہ پہلا مختصر رسالہ ہے جو کل باسٹھ صفحات پر مشتمل ہے، اب یہ رسالہ "تصانیفِ احمدیہ" مطبوعہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس اور "مقالاتِ سر سیّد" مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی حصہ ہفتم مطبوعہ مجلسِ ادب لاہور دونوں میں شامل ہے۔

"جلاء القلوب بذکر المحبوب" لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ سر سید احمد خاں کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا احترام تھا اور ان کی خواہش تھی کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق صحیح روایات پر مبنی حقائق عوام تک پہنچیں، اسلئے کہ ہندوستانی مسلمان میلاد النبیؐ کے موقع پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد محفلیں منعقد کرتے تھے اور ان محفلوں میں اس زمانے میں مروّج مولود نامے اور مجالس سامعین کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ ان کتابوں میں ایسی باتوں اور واقعات کو عموماً پیش کیا جاتا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے موقعے پر پیش آئے تھے۔ سر سید احمد کو ایسے مولود ناموں میں پیش کردہ مافوق الفطرت روایتوں پر اعتراض تھا، اس رسالے کے تحریر کرنے کی غرض و غایت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر مشتاق احمد لکھتے ہیں۔

"سر سیّد احمد خاں کو یہ رسالہ لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مولود کی مجلسوں کیلئے جتنے رسالے شائع ہوئے تھے ان میں نقل شدہ روایتوں کی صحت پر انھیں شبہ تھا، سر سیّد نے اس رسالے میں متعلقہ زمانے کے خیالات کے مطابق صحیح اور صحت مند روایتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے، اپنے عہد میں محفلِ میلاد النبیؐ کیلئے یہ ایک اہم اور معتبر رسالہ ثابت ہوا۔"[1]

یعنی سر سید احمد خاں نے اس مختصر رسالے میں متعلقہ زمانے کے خیالات کے مطابق صحیح اور معتبر واقعات کو یکجا کیا، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی تفصیل کے ساتھ رسولِ اکرمؐ کے مختلف نام، شکل و صورت وضع و قطع، عادات و اطوار، کردار و سیرت پر اختصار سے روشنی ڈالی ہے،

---

[1] مشتاق احمد، سر سید احمد خاں کی نثری خدمات، ص 64، 165 ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی - 1998

اسکے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ کے حالاتِ زندگی کو پیش کیا ہے۔ اور یہ بتانے کی سعی کی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا کس قدر آپؐ سے قلبی لگاؤ تھا اور وہ کس طرح نبی کریمؐ کی ہر ادا پر اپنی زندگی میں عمل کرتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والے پالتو جانور، نجی ہتھیار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع پر روشنی ڈالی ہے، بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت اور دیگر کوائف کو مختصراً بیان کیا ہے۔ سرسید کو علمائے ادب نیچری کہتے ہیں اور علمائے عظام نے ان کے مذہبی عقائد پر اعتراض بھی کیا ہے۔ یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ اس رسالے کی تصنیف کے وقت وہ (سرسید احمد خاں) معجزات کے قائل تھے،[2] انہوں نے معجزات کے باب میں لکھا ہے۔

" جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزارہا معجزات ظہور میں آئے ہیں، اون کا احاطہ ممکن نہیں، مگر یہاں چند معجزات بیان کرتے ہیں، سب سے بڑا معجزہ کلام اللہ کا یہ ہے کہ کیسا ہی عالم، فاضل، فصیح و بلیغ ہو اس کی چھوٹی سی چھوٹی ایک سورہ کے برابر بھی نہیں کہہ سکتا اور آپؐ کی انگلی کے اشارے سے شق القمر ہوا کہ کسی نبیؐ سے ایسا معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔[1]

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے تک سرسید احمد خاں معجزاتِ نبیؐ پر یقین رکھتے تھے، لیکن جب انہوں نے "خطباتِ احمدیہ" لکھی تو اسمیں معجزاتِ نبیؐ کی تردید کی۔ سرسید احمد خاں نے اس مختصر سی کتاب میں اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ اسمیں نہ صرف معتبر روایتیں نقل ہوں بلکہ غیر معتبر روایات کی تردید بھی ہو۔ مثلاً یہ روایت بہت مشہور ہے کہ رسولؐ

---

۱۔ سرسید احمد خاں "جلاء القلوب بذکر المحبوب" ص 42،43 لیتھوگرافک پریس دہلی (1842)

۲۔ ـــــ اسپر تفصیلی بحث "خطباتِ احمدیہ" کے باب میں آئیگی

کی رحلت کے وقت حضرت خضر علیہ السلام بھی تعزیت کیلئے مدینہ تشریف لائے تھے اس روایت کا ذکر بلاذری (متوفی ۱۲۷۹ھ/1892ء) نے اپنی کتاب "انساب الاشراف" (ج اوّل ص 1145) میں المدائنی کے حوالے سے کیا ہے کہ الشعبی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو لوگوں نے ایک نظر نہ آنے والے شخص کو یہ کہتے سنا کہ

"خدا ہر فوت ہونے والی چیز کا عوض اور ہر مصیبت میں تسلّی دینے والا ہے، جس کو ثواب مل جائے اسکے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے اور جسے نہ ملے وہ محروم ہو جاتا ہے"۔[1]

روایت میں آیا ہے کہ اس کلام کو سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "یہ خضر ہیں جو تم سے پیغمبر کی وفات پر تعزیت کر رہے ہیں"۔[2]

مسلمانوں کیلئے حضرت خضر علیہ السلام کی شخصیت غیر معروف نہیں۔ خود صحیح بخاری میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق عجائبات کا ذکر آیا ہے، اگرچہ کہ امام بخاری نے مذکورہ بالا روایت کہ وہ (حضرت خضر علیہ السلام) تعزیتِ نبویؐ کیلئے مدینہ آئے تھے بیان نہیں کی۔

سر سیّد احمد خاں بھی اس روایت کو رد کر دیتے ہیں، اس لئے کہ وہ عقلیت کے قائل تھے، وہ قدیم مؤلفین کی طرح محض واقعات کو اخذ نہیں کرتے بلکہ ان واقعات و حقائق کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مندرجۂ بالا روایت کو سرے سے رد کر دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سر سیّد میں فکری مادہ شروع ہی سے تھا اور یہ اندازِ فکر ان کی تمام تر تصانیف میں ملتا ہے، احتشام صدیقی نے لکھا ہے کہ

---

[1] بحوالہ "سر سید احمد خاں اور ان کا عہد" ص 61-60 ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

[2] " " ایضاً " "

"سر سید احمد کا ذہن ایک عمل پسند ذہن تھا جسے ادبی حسن سے زیادہ ٹھوس حقائق زور بیان وغیرہ مبہم طرز اظہار زیادہ عزیز تھا، اسلیے ان کی نثر اپنا ایک الگ اسلوب اور وزن رکھتی ہے۔ یہ اسلوب بڑھتے ہوئے سائنسی میلان اور عقلی رجحان سے ہم آہنگ تھا اور کسی نہ کسی شکل میں آج کا بنیادی اسلوب ہے۔" [1]

اس مختصر رسالے کا بیشتر مواد سر سید نے شاہ ولی اللہؒ مشہور تصنیف "سرور المحزون" اور محدث عبدالحق دہلوی کی معرکتہ الآرا تصنیف "مدارج النبوت" سے اخذ کیا ہے۔ جس کا خود انھوں نے اعتراف بھی کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان علمائے کرام سے کس قدر متاثر تھے وہ مولانا اسماعیل شہید کی طرح ایک ایسے میلاد نامے کو ضروری سمجھتے ہیں جو صحیح اور مستند واقعات پر مشتمل ہو اور حشو و زوائد سے پاک ہو۔

سر سید نے یہ کتاب ایک نعت شریف پر ختم کی ہے۔ اس کا انداز نگارش انتہائی سلیس ہے کہ ایک عام پڑھے لکھے آدمی کو بھی اس کے تعلقات کو سمجھنے میں دشواری نہیں پیش آتی۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر مشتاق احمد لکھتے ہیں۔

"—— جلاء القلوب بذکر المحبوب" کی تحریر کا عام رنگ بے تکلفانہ ہے نہ صنعت کاری ہے نہ لفظی گل کاری ——" [2]

اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے ہو جائے گا اور یہ بھی پتہ چلے گا کہ اس عہد کی زبان اور املا کیا تھا۔

"—— آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول کے مہینے میں

---

۱۔ احتشام حسین اردو ادب کی تنقیدی تاریخ دوسرا ایڈیشن ص 188 ترقی اردو بیورو

۲۔ مشتاق احمد "سر سید احمد خاں کی نثری خدمات" ص 65 ایجوکیشنل بک ہاؤس دہلی 1998

پیر کے دن پیدا ہوئے★ اللھم صلی و سلم علی محمد و آل محمد۔

جس رات کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا، انوار الہی ظاہر ہوئے کسریٰ کے کافروں میں بہت بڑا عظیم الشان بادشاہ تھا اور ہزاروں برس سے اسکے گھر میں بادشاہی چلی آتی تھی، اس کا محل لرز گیا اور چودہ کنگورے اسکے گر پڑے اور فارس کا آتش کدہ کہ ہزار برس سے اس میں آگ جلتی رہی تھی اور فارس کے آتش پرست اسکو پوجا کرتے تھے، دفعتاً بجھ گئی اور ساوہ کے چشمہ میں یک بوند پانی نہ تھا — ۱

درج بالا اقتباس کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مختصر رسالہ سر سید نے عام فہم زبان میں عوام الناس کیلئے تحریر کیا تھا، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اسکی اشاعت کے متعلق لکھا ہے کہ

" مولانا محمد نور الحسن نے اسے دوبارہ شائع کی تھی ۲ اس کے بعد یہ کتاب سر سید احمد نے شائع کی - اور یہ رسالہ عوام میں کافی مقبول ہوا -

---

★ سر سید نے پیدائش کی تاریخ نہیں بتائی، ہو سکتا ہے کہ سر سید کو ان تاریخوں پر اعتراض رہا ہوگا، جن کو سیرت نگار بیان کرتے آئے ہیں -

۱ سید احمد خان، مقالات سر سید مرتب محمد اسماعیل پانی پتی ص 7 مجلس ادب لاہور 1991

۲ خلیق احمد نظامی " علی گڑھ کی علمی خدمات ص 20 انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی 1994

# خطباتِ احمدیہ

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر سرسید احمد خاں کی دوسری اور اہم تصنیف "خطباتِ احمدیہ" ہے۔ اس تصنیف نے موجودہ زمانے میں اسلامی فکر کی بقا اور ترویج کی جو خدمت انجام دی ہے شاید اس کا اندازہ ابھی تک لگایا نہیں گیا ہے۔ یہ تصنیف سرسید ہی کی نہیں بلکہ اردو زبان کی مشہور زمانہ اور معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہماری زبان میں تنقیدی اور تحقیقی نگارش کی اولین کوشش بھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سید عبداللہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

> "سرسید کی دینی تصانیف اور مضامین میں یہ خیال بار بار دہرایا گیا ہے کہ حقیقت تک پہنچنے اور سچائی کو حاصل کرنے کا واحد طریقہ تحقیق ہے نہ کہ تقلید۔۔۔۔ سرسید کا یہ ذوقِ تحقیق ان کی روایت شکنی کی پیداوار ہے۔" [1]

**خطباتِ احمدیہ کے لکھنے کا پس منظر:** اسلام کے ابتدائی دور میں ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو داغدار بنا کر اسلام اور اسلامی فکر کی بیخ کنی کی مذموم کوشش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی کی گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کفارِ قریش کے جو حملے ہوئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے حوالے سے نہیں تھے اس لیے کہ کفارِ قریش بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو پاکیزہ اور بے داغ مانتے تھے اور ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کی تعریف کیا کرتے تھے۔ اور آپ صلعم کی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا اور صادق جانتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "امین" کہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے۔ اور اپنے گھریلو جھگڑوں کے فیصلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سید عبداللہ، میر امن سے عبدالحق تک، صفحہ 64 سود پریس دہلی سنہ 1965ء

کو حاکم بھی بناتے تھے۔ اسی ضمن میں حجرِ اسود کو خانۂ کعبہ میں نصب کرنے وہ عظیم واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ عملی پر دلالت کرتا ہے۔ کفارِ قریش کا یہ عمل نبوت سے قبل کا ہے۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو کفار نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر حملے شروع کر دیئے۔ وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات سے ناراض تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خداؤں کو بُرا کہتے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس بنا پر مشرکین نے اسلام اور بانئ اسلام کا مذاق اُڑانا شروع کیا۔ گویا ابتدائی زمانے سے ہی یہ ناپاک کوشش جاری تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلعم کے لائے ہوئے دین کی مخالفت کی جائے۔ جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ لیکن اُنیسویں صدی میں یہ مخالفت عروج تک پہنچتی ہے خصوصیت سے عیسائی مبلغوں اور مستشرقین نے اپنی تحریروں کے ذریعے عالمی سطح پر بانئ اسلام اور دینِ اسلام کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور ان کی یہ کوششیں کفارِ قریش سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوئیں۔ اگر مسلمان علماء کی طرف سے اس غلط پروپیگنڈے کی مخالفت عوامی ذہن کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے لیے بروقت نہ کی جاتی تو موجودہ دور میں بھی وہی خطرات درپیش ہوتے یا یوں کہیے کہ ان غلط پروپیگنڈوں میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا۔ اس کے نتیجہ میں بلاشبہ ہر محاذ پر اور ہر خطے میں اور ہر زبان میں باضابطہ طور پر مدافعتی تحریریں وجود میں آئیں اور اُردو میں جس کی داغ بیل سر سید احمد خاں نے ڈالی۔

واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک شخصیت کو غلط انداز سے پیش کرنے کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے سر ولیم میور (1905-1819ء) نے ایک کتاب بہ زبان انگریزی بنام 'The Life of Mohomet' 1861-1858ء میں پہلی بار چار جلدوں میں شائع کیا۔ ولیم میور مشہور انگریزی مستشرق، انگریز سرکار کا نمائندہ منتظم سیاس، جنگِ آزادی 1857ء میں آگرہ میں شعبۂ جاسوسی کا سربراہ عربی کا مستند عالم اور متعدد

کتابوں کا مصنف ہے۔ ولیم میور نے یہ کتاب سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گُل ہو جانے اور مسلمانوں کی خود مختارانہ حکومت اور سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے بعد اسلام کے دینی تفوق کو مٹانے کے لیے مسیحی کوششوں کے ضمن میں ایک یورپی پادری فنڈر کی فرمائش اور اصرار پر لکھی تھی۔ چنانچہ سر ولیم میور خود ارقام فرماتا ہے کہ

"اس کتاب کا لکھنا اور مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کی تحصیل اوّل اس غرض سے اختیار کی گئی کہ پادری پی فنڈر صاحب نے' جو اس بات میں مشہور ہیں کہ اُنہوں نے مسلمانوں سے مباحثے میں عیسائی مذہب کی بہت حمایت کی اس بات پر اصرار کیا کہ اسلام کے پیغمبر کے حالات میں ایک کتاب جو اس کے پیروؤں کے پڑھنے کے لیے مناسب ہو ایسے قدیم ماخذوں سے ہندوستانی زبان میں تالیف کی جاوے۔ جس کو خود مسلمان صحیح اور معتبر مانتے ہیں۔ چنانچہ اسی منشاء سے مسلمانی مذہب کو پڑھا اور اس کتاب کو لکھا۔" [1]

لیکن عیسائی علماء کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا۔ جو اسلام کی صحیح صورت کو مسخ کرنے میں مصروف تھا۔ اور اس کام کے لیے ہر اُس شخص سے جو لائق ہوتا فرمائش کرتے کہ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے عیسائیت کی برتری ثابت کرے اسلام اور پیغمبر اسلام پر شدید حملے کریں اور تلاش کر کے مجروح اور ناقابلِ اعتبار روایتوں کو پیش کریں تاکہ دُنیا کی نظر میں اسلام بدنام ہو اور خود مسلمانوں کے دِلوں میں جو عقیدت و محبت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے ہے وہ ختم ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین بے وقعت و بے اعتبار ٹھہرے

---

[1] سر سید احمد خان، الخطباتِ الاحمدیہ صفحہ 17، نول کشور سٹیم پریس لاہور، تاریخ اشاعت درج نہیں

مولانا حالی نے حیاتِ جاوید میں اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"..... درحقیقت یہ کتاب (لائف آف محمدؐ) صرف عیسائیوں ہی کو اسلام اور بانیٔ اسلام کی طرف سے گمراہ کرنے والی نہ تھی بلکہ، انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان مسلمانوں کو بھی اسلام کی طرف سے شک میں ڈالنے والی تھی۔" لے

سر ولیم میور کی دل آزار تصنیف سے پیدا ہونے والے خطرات کو دوسرے اہلِ علم کی طرح سر سید نے بھی محسوس کیا۔ دوسرے صرف تڑپ کر رہ گئے۔ مگر اس کی اشاعت پر سر سید نے خاموشی کو گناہ کے مترادف سمجھا۔

"وہ (سرسید) جب کبھی اور کاموں سے فارغ ہو بیٹھتے اکثر سر ولیم کی کتاب کا ذکر کرتے تھے، اور نہایت افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ اسلام پر حملے ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کو مطلق خبر نہیں۔ اُسی وقت ہم نے یہ بھی دیکھا کہ سرسید جاہلیت کے اشعار جن سے اُس زمانے کی بے ہودہ اور نفرت انگیز رسمیں ظاہر ہوتی ہیں، اور جو "خطبات احمدیہ" میں بجنسہٖ نقل کی گئی ہیں۔ ایک مولوی سے انتخاب کرا رہے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اُن کا بہ پختہ ارادہ ولیم کی کتاب کا جواب لکھنے کا ہے۔" ٢ے

اس کے لیے سر سید نے اپنا تن من دھن سب کچھ لگا دیا۔ اور خالص علمی طور پر میور کی کتاب پر تنقید و محاکمہ کر کے، ایک جوابی کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا

---

لے الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید صفحہ 158 ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۰۴

٢ے الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید صفحہ 415-16 ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۰۴۔

جو مناظرانہ رنگ سے پاک تاریخی حقائق و اسناد پر مبنی ہو۔ گویا سرسید نے مستشرقین کے مقابلہ میں ایک جوابی علمی تحریک کا آغاز کیا۔ اس طرح انہوں نے اس سنگین فتنہ کو روکنے اور ساری عالمی اسلامی برادری کے وقار کو مجروح ہونے سے بچالیا۔

سرسید کو اپنے انگریزی داں دوستوں کی طرف سے اس بات کا علم ہوا کہ ولیم کی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر اعتراضات ہوئے ہیں، تو انھیں شدت سے احساس ہوا کہ اس کا جواب دیا جائے۔ اور شاید اس کام کے لیے وہ مناسب شخص بھی تھے۔ اس سلسلے میں سرسید نے سب سے پہلے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ تاکہ انگریزی زبان کی باریکیوں کو سمجھنے میں اس سے مدد مل سکے۔ نیز یہ بھی ضروری تھا کہ مطلوبہ تردید کے لیے قرآن اور بائبل کے مماثل بیانات کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تاکہ قرآن کی فضیلت ثابت ہو سکے اس کے علاوہ اس سلسلے میں ان کے زمانے کے دیگر عوامل کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری تھا۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ ولیم میور کی شخصیت معمولی نہ تھی، وہ حکومت برطانیہ کا ایک معزز رکن تھا

۲۔ سرسید کے فرزند سید محمود کو اس زمانے میں ایک وظیفہ اعلیٰ تعلیم کے لیے انگریزی سرکار سے ملا کہ وہ انگلستان جائیں۔ اندیشہ تھا کہ سرسید احمد خان کی جوابی کارروائی سے وہ منسوخ نہ ہو جائے۔

۳۔ اسلامی علوم سے متعلق سید احمد خاں کو اپنی بے بضاعتی کا احساس تھا۔ اُنہوں نے اپنے عالم دوستوں بالخصوص محسن الملک سے مطلوبہ معلومات مع مواد فراہم کرنے کی ضرورت محسوس کی اور ان سے مدد حاصل کی (سرسید کے خطوط جو محسن الملک کے نام ہیں۔ ان کے مطالعے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے)۔

۴۔ سرسید نے جس قسم کی کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تھا اس کے لیے نہ صرف انگریزی اور عربی جاننا ضروری تھا، بلکہ یونانی، لاطینی، عبرانی اور شاید جرمنی اور

فرانسیسی بھی۔ تاکہ اعتراضات کی تردید کے ساتھ ساتھ عیسائیوں اور یہودیوں کو اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے تقابلی مطالعہ کو کافی اہمیت دی۔

۵۔ سرسید ہمیشہ سرمایہ کی کمی کے باعث پریشان بھی رہتے۔ اس لیے انہوں نے اس میں ذرا بھی تامل نہیں کیا کہ ذاتی کتب خانہ اثاثہ اور گھر بیچ ڈالا جائے اور یہ بھی کافی نہ ہو تو دوستوں سے قرض لیا جائے تاکہ جوابی کتاب کے شائع ہونے میں تاخیر نہ ہو۔

ان تمام عوامل کے باوجود سرسید نے طے کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے مگر اس کتاب کا جواب ضرور لکھنا چاہیئے۔ حالانکہ احباب نے مشورہ دیا تھا کہ وہ یہ کوشش نہ کریں تاکہ سرکار کے عتاب سے بچا جا سکے۔ الطاف حسین حالی لکھتے ہیں۔

"۔۔۔۔۔ ہندوستان سے چلتے وقت جب انہوں نے یہ ارادہ اپنے احباب پر ظاہر کیا تو انکے بعض دوست جو سرکاری عہدہ دار اور سرولیم میور کی گورنمنٹ کے ماتحت تھے۔ اُن کو سرولیم کی کتاب کا جواب لکھنے سے مانع آتے تھے۔ مگر سرسید نے اُن کا کہنا نہیں مانا اور ولایت پہنچتے ہی اس فکر میں مصروف ہو گئے۔" [1]

سرسید کو ولایت جانے کا خیال اس لیے پیدا ہوا کہ "خطباتِ احمدیہ" قلم بند کرنے کے لیے جن کتابوں کی ضرورت تھی وہ ہندوستان میں دستیاب نہیں تھیں۔ ہندوستان کے تمام اسلامی کتب خانے 1857ء کے ہنگامے کے نذر ہو چکے تھے۔ چنانچہ سرسید احمد خان یکم اپریل 1869ء کو اپنے فرزند سید محمود کے ساتھ جنہیں حکومتِ برطانیہ سے وظیفہ ملا تھا، روانہ ہو گئے۔ لندن پہنچ کر سرسید احمد خاں نے

---

[1] الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید ص 146، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔ ۱۹۰۴

خطباتِ احمدیہ کے لیے مواد جمع کرنا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا۔ مصر، فرانس اور جرمن میں چھپی سیرت کی عربی کتابیں وہاں سے منگوائیں۔ اس کے علاوہ سرسید کو سیرت کی ان قدیم کتابوں کی بھی ضرورت محسوس ہوئی جو لاطینی اور انگریزی زبان میں شائع ہوئی تھیں۔ جو اب نایاب تھیں۔ ان میں سے جو بھی کتابیں دستیاب ہو سکیں، وہ لندن کے بازار سے خریدیں۔ نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خان کو 20، اگست 1869ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر سے کتبِ سیر منگانی شروع کر دیں۔ چھٹیات روانہ ہو گئیں۔ سیرتِ شامی مطبوعہ اور چند کتابیں لیٹن کی خرید لیں۔ ایک آدمی مقرر کر لیا۔ جو لیٹن کا ترجمہ کر کے مضمون بتلا سکے۔" [1]

لندن میں بیٹھ کر اس کتاب کا لکھنا سرسید احمد خان کے لیے ایک انتہائی دشوار امر تھا۔ مالی مشکلات نے ہمیشہ سرسید کو پریشان رکھا۔ مگر اس قدر دل میں جوش تھا کہ وہ مشکلات کا سامنا کرتے رہے اور اس کام کو جاری رکھا سرسید کی ان مشکلات کا اندازہ کسی قدر ان خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے دوستوں کو لکھے تھے۔ وہ ایک خط میں مولوی مہدی کو لکھتے ہیں۔

"ان دنوں ذرا دل کو شورش ہے۔ ولیم صاحب کی کتاب کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اُس نے دل کو جلایا ہے اور اُس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا۔ اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کی سیر میں جیسا کہ

---

[1] سرسید احمد خاں، مرتب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، مکتوباتِ سرسید، صفحہ 62 مجلسِ ترقیٔ ادب، لاہور، سنہ 1959ء۔

پہلے سے ارادہ تھا۔ کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔ قیامت میں یہ کہہ کر پکارا جاوے گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلعم کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو۔ مارا نغمۂ شاہنشاہی بس است۔" [1]

مالی دشواریوں کے ساتھ ساتھ سرسید کو اپنے چند احباب کی ایسی حرکتوں سے بھی پریشانی ہوتی جو اس کتاب کے لکھنے میں رکاوٹ پیدا کرتی رہیں۔ اس کا ذکر ایک اور خط میں کرتے ہیں۔

"۔۔۔۔ امید ہے کہ زرِ مطلوبہ روانہ فرمایا ہو گا۔ مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ بعض احبابِ نالائق مثل مولوی زین العابدین نے میرا ارادہ در باب تحریر جواب کتاب میور صاحب جو نسبتِ آنحضرت صلعم کے لکھی ہے سُست کر دیا اور بر وقت روانگی سامان اور چندہ کرتے نہیں دیا۔ یہاں اُس کے جواب کا اس قدر سامان ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ بہر حال میں کچھ نہ کچھ نسبت جواب کتاب ولیم میور صاحب کے ضرور کروں گا۔" [2]

ایک اور خط میں مولوی سید مہدی علی خان کو اپنی تحریری مصروفیت اور دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس خط کے مضمون کو حیاتِ جاوید میں حالی نے نقل کیا ہے

"مواعظ احمدیہ (خطبات احمدیہ) لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں۔ اس کے سوا اور کچھ خیال نہیں۔ جانا آنا ملنا جلنا سب بند ہے

---

[1] سید احمد خان مرتب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ مکتوباتِ سرسید صفحہ 62 مجلسِ ترقی ادب لاہور سنہ 1959ء

[2] سید احمد خان مرتب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ مکتوباتِ سرسید صفحہ 44-43 مجلسِ ترقی ادب لاہور سنہ 1959ء

آپ اس خط کے پہنچنے پر میر ظہور حسین کے پاس جائیے اور دونوں
صاحب کسی مہاجن سے میرے لیے ایک ہزار روپیہ قرض لیجئے
سود اور روپیہ میں ادا کروں گا۔۔۔۔۔۔۔ ہزاروں روپیہ
بھیجنے کے لیے دلی لکھا ہے اور لکھدیا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب
یہاں تک کے میرے ظروف مس تک فروخت کر کے ہزار روپیہ
بھیج دو۔۔۔۔۔۔ کیا کہے اس کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام ہو گیا
ہے۔ خدا مدد کرے۔ [1]

کسی کو یار و مددگار نہ پاکر کبھی کبھی سر سید مایوس و ناامید ہو جاتے۔ انہیں لگتا کہ یہ کام جیسا کہ وہ چاہتے ہیں مکمل نہیں ہو پائے گا۔ 6 اگست سنہ 1869ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں

"۔۔۔۔۔ میور صاحب کی کتاب کے جواب کا سامان نہیں ہونے کا
اب اس کی توقع نہیں، ایک انگریزی خواں اور ایک طالب علم جو
مقاماتِ نشان دادہ کو کتب میں تلاش و نقل کر سکتا ہے، میرے
ساتھ ہوتے تو ایک برس میں اس کا جواب لکھ لیتا۔ اب نہیں
ہو سکتا۔ مگر میں اس کے مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے
رسالے لکھ رہا ہوں" [2]

مذکورہ بالا خط سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سر سید، ولیم میور کی کتاب کا مفصل جواب تحریر کرنا چاہتے ہیں۔ مگر روپوں کی کمی کی وجہ سے انہوں نے اپنے پروگرام کو مختصر کر لیا تھا۔ تاہم اپنے محدود وسائل کے باوجود ولیم میور اور دیگر مستشرقین کے بے سروپا الزامات کے علمی و تحقیقی جوابات لکھنے میں کاہلی نہیں کی۔

---

[1] الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، صفحہ 417 ترقی اردو بیورو نئی دہلی۔ ۱۹۰۴
[2] سید احمد خاں، مرتب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، مکتوبات سر سید صفحہ 59 مجلس ترقی ادب لاہور سنہ 1959ء

"...... میں روز و شب تحریر کتاب سیرِ مصطفوی صلعم میں مصروف ہوں۔ سب کام چھوڑ دیا ہے۔ لکھتے لکھتے کمر درد کرنے لگتی ہے ادھر فکر ترتیب مضامین کتاب، ادھر فکر جواب اعتراضات، ادھر فکر تنقیع و تصحیح روایات صحیح میں مبتلا رہتا ہوں اور کسی شخص کے مددگار نہ ہونے سے یہ کام اور بھی سخت ہو گیا ہے، ادھر حساب دیکھتا ہوں تو جان نکل جاتی ہے ــــ" [1]

اِن خطوط کے مضامین سے اِس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید کس قدر پریشان تھے اور انہیں مالی مشکلات سے نپٹنے کے لیے کیا کچھ کرنا پڑا۔ نیز یہ کہ وہ اپنے اس عظیم علمی کارنامے کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ خطباتِ احمدیہ کی صورت میں جو نقشِ ناتمام اُنہوں نے چھوڑا ہے اس نے اپنے معاصر و جانشین سیرت نگاروں کو سرخ روئی کا سامان مہیا کیا اور اس اعتبار سے وہ بقول ابن خلدون اماماںِ فن میں سے ایک ہیں لیکن یہاں اس اہم اور ناگزیر حقیقت کی نشاندہی ضروری ہے کہ سرسید کی یہ عظیم الشان تصنیف ایک بشری کاوش ہے جو مثبت و منفی، سفید و سیاہ طاقتور اور کمزور اور قابلِ تحسین و لائقِ تنقید، دونوں پہلو رکھتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سید احمد خان کی پیش کردہ بعض روایات و نظریات قابلِ قبول نہیں۔ لیکن ہم ان کی اس کوشش کو غیر مفید اور سعیٔ لاحاصل نہیں کہہ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی اور معاشرتی اصلاح کے لیے اُنہوں نے چند اصول قائم کیے تھے اور ان پر عمل کرنا ان کی رائے میں اس قوم کی بقا کے لیے ضروری تھا۔ انہی کے پیشِ نظر وہ اسلامی عقائد اور تصورات کی تاویل کیا کرتے تھے۔ مگر مسلمانوں کا وہ طبقہ جو قدیم روایات سے سرِ مو انحراف کو پسند نہیں کرتا تھا۔

---

[1] سید احمد خان مرتب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی مکتوبات سرسید صفحہ 67 مجلس ترقی ادب لاہور سنہ 1959ء

اِس نے ان کی بعض تاویلوں کو یکسر رد کر دیا۔ لیکن ایک روشن خیال طبقہ ایسا بھی تھا جس نے اِن کی بہت سی تشریحات و تاویلات کو قبول کرلیا۔ سرسید کی اس روِش کو سراہتے ہوئے عبدالباری رقم طراز ہیں۔

"مسلمانوں کی فکری تاریخ میں یہ وہ خدمات ہیں جو انیسویں صدی میں سرسید کے مقام کو بلند کردیتے ہیں۔ اگر حقیقت بین نگاہوں سے دیکھا جائے تو سرسید کی فکر کی ترویج ہنوز ہم پر لازم ہے۔" [1]

سرسید نے مستشرقین کے خلاف جس تحریک کا آغاز کیا تھا اس کی اہمیت دورِ حاضر میں اور بھی بڑھ جاتی ہے، اس لیے کہ عیسائی مبلغوں اور مستشرقین کے علاوہ خصوصًا ہندوستان میں آر۔ ایس۔ ایس، ہندو مہاسبھا اور دیگر فرقہ پرست تنظیموں کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ اور اُن کے سچے دین پر دن بدن حملے ہو رہے ہیں۔ ہمارے علماء کو سرسید کی اس تحریک سے یقیناً حوصلہ ملے گا اور وہ بھی سرسید کی طرح عصرِ حاضر میں اسلام کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں کا منہ توڑ جواب دے سکیں گے۔ بہرحال سرسید احمد خان پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس طرف توجہ کی اور انہیں خیال آیا کہ مستشرقین کے اعتراضات کا سختی سے جائزہ لینا چاہیے، اور جو غلط فہمیاں ان کی وجہ سے پھیل رہی ہیں ان کا سدباب کیا جانا چاہیے۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سرسید نے لندن کا رُخ کیا تھا اور ایک عرصے کی تحقیق کے بعد ولیم میور اور دوسرے مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات "خطباتِ احمدیہ" کی صورت میں پیش کر دیے، سرسید کی اس علمی کاوِش کی ستائش میں میتھیو آرنلڈ لکھتے ہیں۔

"..... ایسی مثالیں تو پائی جاتی ہیں کہ کسی مسلمان نے بہ مقابلہ

---

[1] شہریار (مدیر)۔ "فکر و نظر" سرسید نمبر۔ مقالہ' عبدالباری مسلمانوں کی تاریخ میں سرسید کا منصب ۱۴۹ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اکتوبر ۱۹۹۲

عیسائیوں کے اپنی زبان میں اپنے ہی ملک میں بیٹھ کر اسلام کی حمایت پر کوئی کتاب لکھی، اور اس کا ترجمہ کسی یورپ کی زبان میں ہو گیا ہو، لیکن مجھے کوئی ایسی مثال معلوم نہیں کہ کسی مسلمان نے یورپ میں جا کر یورپ ہی کی زبان میں اس مضمون پر کتاب لکھ کر شائع کی ہو۔" [1]

پروفیسر آرنلڈ کا یہ بیان اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ جہاں اسلام اور بانیٔ اسلام کی مخالفت ہو رہی تھی وہاں چند مستشرقین ایسے بھی تھے جو اسلام کے تعلق سے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ خود سرسید نے بھی ان مصنفین کی تعریف و ستائش کی ہے۔ اور ان کے کام کو سراہا بھی ہے اور ان کی کتابوں کے اُردو تراجم بھی کروائے ہیں۔ سرسید نے جہاں اسلام کی مخالفت کرنے والوں کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اسلام کی تائید و حمایت کرنے والوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس سے سرسید کی غیر جانبدارانہ صداقت پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔

**الخطبات الاحمدیہ کے بارہ مقالات کی ترتیب:-** اِس باب میں سرسید کی اہم علمی کاوِش کا تجزیاتی مطالعہ مقصود ہے تاکہ سیرت نگاری بالخصوص فنِ سیرت میں خطبات احمدیہ کا مقام و مرتبہ متعین ہو سکے۔ زیرِ نظر کتاب کا یہ اُردو ایڈیشن میرے سامنے ہے وہ مطبع نول کشور سٹیم پریس لاہور سے غالباً 1870ء میں شائع ہوا ہے چھوٹی تقطیع کی اس کتاب میں 752 صفحات ہیں۔ اور سلسلۂ تالیفات وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرت سر کی نمبر 37 پیش کش ہے۔ اس کتاب کے مشمولات حسب ذیل ہیں سرسید نے اس پوری کتاب کو بارہ خطبات میں تقسیم کیا ہے

---

(پچھلے صفحے سے) - صفحہ 149 علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ - اکتوبر 1927ء

[1] - بحوالہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید - صفحہ 422-23 ترقی اردو بیورو - نئی دہلی ۱۹۰۴ء

## ولیم میور کے اعتراضات اور خطبات احمدیہ:-

خطباتِ احمدیہ کی فہرست کا ولیم میور کی کتاب 'دی لائف آف محمدؐ' کی فہرستِ مضامین سے مقابلہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ بذاتِ خود یہ بارہ خطبات سرسید کے حصولِ مقصد کے لیے ناکافی ہیں۔ اس لیے کہ صرف تین خطبات کا تعلق ہی میور کے اعتراضات والے مضامین سے ہے اور نو خطبات کے مضامین سے میور کی کتاب کے مضامین سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے یعنی سرسید اور ان کے رُفقاء (جس میں قابلِ ذکر مولانا حالی ہیں۔) نے خطبات احمدیہ کی جو وجہ تصنیف بتائی ہے وہ معقول نظر نہیں آتی۔ ہوسکتا ہے کہ سرسید کا ارادہ یہ ہو کہ ایک بلند پایہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لکھی جائے جس کے مضامین کئی جلدوں میں پھیلے ہوئے ہوں اور جس میں دوسری صحیح روایتوں کے ساتھ ساتھ ولیم میور اور دیگر متعصّب مستشرقین کے اعتراضات کے جواب بھی دیے جائیں سرسید لکھتے ہیں۔

"میرے دل پر جو اس کتاب سے اثر پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ اُسی زمانے میں مَیں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حالات میں ایک کتاب اس طرح لکھی جاوے کہ جو باتیں صحیح اور اصلی اور واقعی اور منقح ہیں اور معتبر روایتوں اور صحیح صحیح سندوں سے بخوبی ثابت ہیں ان کو چھان بین کر اور امتحان کر کر ترتیب سے لکھا جاوے اور جو حالات مشتبہ اور مشکوک ہیں اور ان کا ثبوت معتبر یا کافی نہیں ہے، ان کو جداگانہ اس ترتیب سے جمع کیا جاوے اور جو محض جھوٹ اور افترا و بہتان یا خودغرض یا احمق... واعظوں اور حمقا کو دام تزویر میں پھنسانے والے لوگوں یا احمق خُدا پرست اور جھوٹی نیکی پھیلانے والوں کی بنائی ہوئی ہیں ان کو علاحدہ بہ ترتیب لکھا جاوے اور انہی کے ساتھ ان کے غلط اور ان کے نامعتبر ہونے کا ثبوت اور

ان کے موضوع ہونے کی وجوہات بھی بیان کی جاویں۔" لہ

اس اقتباس سے یہ پتا چلتا ہے کہ سر سید کے پیش نظر ولیم میور کی کتاب کے علاوہ سیرت کی اور بھی کتابیں (جس میں مستشرقین اور مسلمان سیرت نگار بھی شامل ہیں) ہوں گی۔ جن میں درج واقعات و معاملات سے سر سید کو اختلاف تھا۔ اس لیے یہ ممکن ہے اُنہوں نے ایک ایسا منصوبہ بنایا ہو کہ ایک ایک اعتراضات کا جواب دیا جائے نیز صحیح و معتبر روایتوں کو پیش کیا جائے۔ ۱۳ جنوری 1870ء کے ایک خط میں مہدی علی خان کو لکھتے ہیں۔

"انگریزی مصنفوں اور جناب میور صاحب نے ایسا کچھ لکھا ہے کہ ممکن نہیں ہے کہ اُن کی چاروں جلدوں کا جواب چار جلد سے کم آوے۔ جلد اول، میری کتاب کا بالکل جواب ہے اُن کی پہلی جلد کا اور، اور مصنفوں کا جنھوں نے اس قدر مضمون پر لکھا ہے۔" ٢ے

اِس خط کے مفہوم سے بھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ سر سیّد ولیم میور کا جواب چار جلدوں میں لکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے اس پہلی جلد میں صرف تین خطبات ولیم میور کے اعتراضات کے جواب میں لکھے۔ اور کچھ مالی پریشانیوں، معاونین علمی اور مآخذ کی عدم دستیابی کے سبب وہ اپنے اصلی ارادے کی تکمیل نہیں کر سکے اور خطبات احمدیہ کی ایک ہی جلد پر اکتفاء کر لیا۔ جس کا بارہا ذکر سر سید نے اپنے خطوط اور خطبات احمدیہ کے دیباچے میں بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں سید احتشام احمد ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

---

لہ سید احمد خان الخطبات الاحمدیہ صفحہ ۱۹-۱۸ مطبع نول کشور سٹیم پریس لاہور 1870ء

٢ے سید احمد خان مرتب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی مکتوبات سر سید صفحہ 85 مجلس ترقی ادب لاہور 1959ء

"جو لوگ یہ تصور رکھتے ہیں کہ سرسید نے خطباتِ احمدیہ میں سر ولیم میور کے اعتراضات نقل کر کے ان کے جوابات دیئے ہیں وہ غلط فہمی میں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سوانح عمری صرف ۱۲ برس کی عمر تک پہونچی ہے اور اس کا تعلق سر ولیم میور کی پہلی جلدِ سیرت سے ہے باقی تین حصے اور ہیں جن کا جواب نہ لکھا جا سکا۔"[1]

## خطباتِ احمدیہ کے بارہ مقالات و مضامین کا فنی تجزیہ :-

سرسید کی مشہورِ زمانہ اور معرکۃ الآرا تصنیف کا عنوان ہی سب سے پہلے ایک تجزیہ نگار کو دعوتِ سلام و تبصرہ دیتا ہے۔ سرسید نے اپنی کتاب کا عنوان "الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ"[2] رکھا۔ بہ ظاہر اس عنوان کی تجویز قرونِ وسطیٰ کے مولفین و مصنفین کی عنوانی قافیہ پیمائی کی اندھی تقلید معلوم ہوتی ہے۔ لیکن سرسید نے سابقہ مصنفین و مولفین کی روش کی پیروی نہیں کی بلکہ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر اپنی کتاب کا یہ عنوان تجویز کیا تھا۔ وہ اس میں قدیم عرب یا عرب جاہلی کی تاریخ کے بعض اہم پہلو اور سیرتِ نبوی کے کچھ مہتم بالشان گوشے اُجاگر کرنا چاہتے تھے۔ اور مجوزہ سرنامۂ کتاب اس کا اولین اعلان تھا۔

اس کتاب میں بارہ خطبات ہیں۔ ان کی تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ یہ کتاب اسلام پر اور عربوں کے تمدن پر، ان کی تاریخ اور ان کے جغرافیہ پر نہایت عالمانہ دستاویز ہے۔ اس میں سرسید نے قوائے ذہنیہ کا اعلیٰ مظاہرہ کیا ہے۔ اب ہم ان خطبات کا جائزہ لیں گے اور ان خطبات کی خوبیوں اور ان میں پائے جانے والے تضاد کو بھی پیش کریں گے۔

**پہلا خطبہ :-** سرسید نے مشرقی مورخین اور سیرت نگاروں کی طرح اس کتاب کی ابتدا عربوں کے عہدِ عتیق یعنی قدیم عرب اور اس کے اہم قبائل اور اقوام کے ذکر سے کی ہے پہلے انہوں نے تفصیل

---

[1] عتیق احمد صدیقی (مرتب)، سرسید بازیافت صفحہ ۲۲۲-۲۲۱ سرسید اکاڈمی علی گڑھ یونیورسٹی علی گڑھ سنہ ۱۹۹۰ء

سے عرب کا جغرافیہ بیان کیا ہے اور بعد میں عرب عاربہ یا خانہ بدوش صحرائے عرب کی قوموں کی تفصیل پیش کی ہے۔ اول قومِ عاد اور قومِ ثمود کی صحیح تاریخ بیان کرنے میں جہاں صحیح روایات کو پیش کیا ہے۔ وہیں غلط روایات کی تردید بھی کی ہے پھر عرب عاربہ یعنی ٹھیٹ عرب قبائل کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کے بعد عرب مستعربہ یعنی پردیس عرب بنو اسماعیل کا ذکر کیا ہے۔ اس میں آخری مبحث حضرت اسماعیلؑ و حضرت ہاجرہؑ اور ان کی مکہ میں سکونت سے متعلق ہے۔ اس بحث کی چند روایات کے بیان میں سرسید نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔ مثلاً وہ روایت جس میں حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی والدہ کے گھر سے نکلنے کا ذکر ہے۔ سرسید کی بحث یہی کہتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ محترمہ کو گھر سے نکالا تو اُس وقت حضرت اسماعیل کی عمر چودہ یا سولہ سال کی ہوگی۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں۔

"اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی پہلی بی بی
سارہ کے کہنے سے اپنی دوسری بی بی ہاجرہ اور اُن کے بیٹے۔۔۔
اسماعیل کو جو ہوشیار اور بڑے ہو گئے تھے، گھر سے نکال
دیا۔ اور دونو بیاباں بیر شبع میں چلے گئے۔" [1]

سرسید کا یہ بیان جو بائبل سے ماخوذ ہے۔ اسلامی ماخذوں اور بخاری کے بالکل برخلاف ہے اور سرسید اس کو صحیح بتاتے ہیں۔ مگر یہ کہیں نہیں کہتے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں کے مقابلے میں کیوں کر بائبل زیادہ قابلِ اعتماد ہے اس سلسلے میں میری یہ رائے ہے کہ ــــ اسلامی ماخذوں (قرآن اور احادیث) کی موجودگی میں بائبل یا دیگر کتب سماوی کے بیانات جو قرآن و احادیث کے بیانات سے میل نہیں کھاتے، قابلِ اعتماد نہیں، ہاں اسلامی ماخذوں کی تصدیق دیگر آسمانی

---

[1] سید احمد خاں الخطبات الاحمدیہ۔ صفحہ ۱۵۷۔ نول کشور سٹیم پریس لاہور۔ تاریخ اشاعت درج نہیں

کتابوں سے ہوتی ہے۔ تو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

**دوسرا خطبہ:-** اس خطبے کا سرنامہ سرسید نے "عرب کے رسوم و عادات اسلام سے پہلے بنایا" ہے۔ اس خطبے میں سرسید نے قبل از اسلام، عرب جاہلیت کے رسومات و عادات اور عربوں کے خیالات اور ان کے اچھے برے عقائد کا احاطہ کیا ہے۔ یہ خطبہ پہلے خطبے کے مقابلے میں کافی مختصر ہے۔ سرسید نے عام مشرقی مؤلفین اور سیرت نگاروں کے برعکس جاہل عربوں کی صحیح اور مثبت سماجی رسوم و اقدار سے اس خطبے کا آغاز کیا ہے۔ ان کی اچھائیوں اور برائیوں کو اُجاگر کیا ہے اور ان میں جو سماجی، اخلاقی، اور معاشی برائیاں تھیں۔ اُن کو بھی پوری طرح واضح کیا ہے۔

عرب جاہلیت کی خوبیوں اور خامیوں کی تصویر کشی کرنے میں سرسید نے توازن و انصاف سے کام لیا ہے۔ عربوں کی خوبیوں کو پیش کرتے ہوئے، شعرائے جاہلیت کے اشعار سے خوب استدلال کیا ہے۔ اگرچہ کہ برائیوں کے ذکر میں بھی جاہلی اشعار سے استناد موجود ہے۔ مگر نسبتاً کم ہے۔ سرسید نے ان معلومات کی حمایت میں کسی دوسرے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ حالانکہ جا بجا قرآنِ کریم کی مختلف آیات و سورتوں میں مذکورہ بیاناتِ الٰہی سے استفادہ صاف جھلکتا ہے۔ صفحہ ۱۹۲ پر سرسید نے خانۂ کعبہ کی تعمیر اور حجرِ اسود کا ذکر کیا ہے۔ حجرِ اسود سے متعلق وہ فرماتے ہیں۔ وہ ایک میدان میں اکیلا پڑا ہوا تھا۔ مگر وہ یہ نہیں بتاتے کہ کب سے؟ اسلامی روایات کے مطابق کعبہ کی تعمیر آدم علیہ السلام کے زمانے میں فرشتوں نے کی تھی۔ اور اس وقت بھی حجرِ اسود کعبہ کا جزو تھا۔ خانۂ کعبہ میں عبادت کے تعلق سے سرسید لکھتے ہیں۔ کہ لوگ اس کے اندر بیٹھ کر خُدا کی عبادت کرتے تھے۔ اور اس کے گرد برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے۔

"عرب جاہلیت میں یہ طواف بالکل برہنہ ہوکر کیا کرتے تھے،
کیونکہ وہ خُدا کی عبادت کپڑوں کے ساتھ نہیں کرتے تھے ،
اس لیے کہ ان کا خیال تھا کہ کپڑے گناہوں میں ملوث ہوتے
ہیں"۔ [1]

لیکن یہ کوئی عام قاعدہ نہ تھا بلکہ ایسا شاذونادر ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ سرسید کے ذہن میں وہ تاریخی واقعہ ہو کہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے طلاق کی خواہش کی تو اس کا شوہر بڑی مشکل سے اس شرط پر آمادہ ہوا کہ اس کی بیوی طلاق کے بعد آئندہ کسی شخص سے نکاح نہ کرے ورنہ اسے کعبہ کا سات بار برہنہ ہوکر طواف کرنا ہوگا وہ اس پر آمادہ ہوگئی اور اس کے نئے منگیتر نے یہ انتظام کیا کہ وہ ایک دن بہت تڑکے کعبہ جائے جب کہ وہاں کوئی شخص نہ ہو اور اس طرح اُس نے اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لیے بے جھجک برہنہ تیزی سے سات طواف کیے۔

اس خطبہ کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ سرسید اسلام سے پہلے کے عرب کو پیش کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس لیے کہ لوگوں کو اس بات کا اندازہ ہوجائے کہ پہلے اہلِ عرب کی کیا حالت تھی اور وہ کس طرح مختلف بُرائیوں میں مبتلا تھے۔ اور اسلام کی وجہ سے اُن میں کیا تبدیلیاں آئیں جس کے نتیجہ میں شر، خیر میں بدل گیا۔ اس خطبہ میں سرسید کا اسلوب بیانیہ ہے اور وہ بھی غیر مربوط بیانیہ، انھوں نے تجزیہ و تحلیل پر مبنی بحث سے گریز کیا ہے۔ بعض معاملات جیسے عورتوں کی خراب حالت، نومولود بچیوں کا زندہ دفن کرنا، زنا اور دوسری بدکاریوں کی ہمہ گیری وغیرہ کے تفصیلی بیان سے سرسید نے گریز کیا ہے۔ اور یہ دلائل و براہین سے بھی عاری ہے

**تیسرا خطبہ:۔** اس خطبہ میں نو ذیلی عنوان ہیں۔ عرب کے مذاہب قبلِ اسلام، بُت پرستی

---

[1] سید احمد خان خطبات احمدیہ، صفحہ 192 نول کشور سٹیم پریس لاہور سنہ 1870ء

لامذہبی، خدا پرستی، الہامی مذہب، مذہب صابئی، ابراہیم یا دیگر انبیائے عرب کا مذہب، یہودی مذہب اور عیسوی مذہب۔ یعنی یہ خطبہ جاہلی عرب کے مختلف مذاہب و ادیان کے لیے وقف ہے۔ اس میں ایک مختصر تمہید کے بعد ان ادیانِ مختلفہ کا جو اسلام سے پہلے عرب میں رائج تھے۔ تذکرہ کیا ہے۔ ان ادیان کے مطالعہ کا مقصد یہ تھا کہ سرسید اسلام کی حقانیت کو' اور مذاہب پر ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ یہ بھی بتانا چاہتے تھے کہ اسلام ان ادیان میں کون سے دین سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ لیکن سرسید کو یہ ظاہر کرنا نہیں تھا کہ اسلام ان تمام ادیانِ سابقہ کا چربہ ہے بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ دوسرے مذاہب کسی ایک خطہ' کسی ایک قوم کے لیے تھے۔ اس لیے ان میں وہی باتیں یا قوانین آئے تھے جو اس قوم کے لیے ضروری ہو سکتے تھے اور چونکہ اسلام دینِ عالم ہے اور اُسی پر اللہ نے اپنے دین کو مکمل کر دیا۔ اس لیے دوسرے مذاہب کے بہت سے اُصول اس میں آ گئے'۔ اس خطبہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ عرب اسلام سے پہلے چار فرقوں میں منقسم تھے .....

'۱۔ بت پرست 2۔ خدا پرست 3۔ لامذہب اور 4۔ معتقدین مذہب الہامی۔'

ان میں سے اول تین فرقوں کا ذکر کرنے کے بعد عرب کے الہامی مذاہب کی تفصیل بیان کی ہے۔ ۱۔ مذہب صابئین، ۲۔ مذہب ابراہیم اور دیگر انبیائے عرب یعنی ہودؑ، صالحؑ اسماعیلؑ اور شعیبؑ کا ۳۔ مذہب یہود، 4۔ مذہب عیسوی۔ ان پر الگ الگ مختصر بحث کی ہے اور چار مذاہب کو الہامی قرار دیا ہے۔ یعنی مذہب صابئی مذہب ابراہیمی (دوسرے انبیاء کا مذہب) مذہب یہود اور مذہب عیسوی۔ سرسید نے اس بحث میں کوئی' مستند ماخذ و مصادر کا نہ کوئی حوالہ دیا ہے اور نہ ان کو مدلل کیا ہے۔ وہ بیانیہ پر مبنی ہے اور عام مشرقی انداز کا خطبہ ہے اور آخر میں یہ بحث عمدہ اور جدید ہے کہ اسلام ان تمام الہامی مذاہب کے عمدہ اُصولوں کا مجموعہ ہے اور ان کا کہنا ہے کہ اسلام کے متعدد احکام۔ مسائل ان الہامی مذاہب

بالخصوص یہودی مذہب سے ماخوذ ہیں۔

سرسید کو احساس تھا کہ دوسرے مذاہب سے اسلام کی مماثلت دکھانے سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ انفرادیت، جدت اور حقانیت سے عاری ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اس لیے آخری پیراگراف اس حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے وقف کیا ہے کہ اسلام کی ان مذاہب سے مماثلت و مشابہت، ان مذاہب کے الہامی اور خدا کی طرف سے ہونے کے سبب تھی نہ کہ نقل و استفادہ کے سبب۔ وہ لکھتے ہیں۔

"ہر ذی فہم شخص پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ مشابہت اور مماثلت اصول اور عقائد، مذہب اسلام کی دیگر مذاہب الہامی کے اصول و عقائد سے مذہب اسلام کے پاک اور الہامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے تمام چیزیں جن کا مبدا ایک ہی غیر منتہی اور کامل ذات ہو، ضرور ہے کہ ایک ہی قسم کی اور ایک ہی کامل اصول پر ہوں گی۔ جس طرح کہ خدا تعالیٰ سے اپنا مثل پیدا کرنا غیر ممکن ہے۔ جس طرح کہ اُس کی ذات سے کسی پیدا کی ہوئی چیز کو اپنی مرضی اور اپنی حکومت کے احاطہ سے خارج کر دینا محال ہے۔ اسی طرح سے یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک ہی غرض کے انجام دینے کے لیے دو متناقض اُصول اور احکام اُس کی ذات سے صادر ہوں۔ مسلمانوں کو بلکہ تمام دُنیا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ممنون رہنا چاہیے۔ جنہوں نے ابتدائے دُنیا سے اپنے زمانے تک کے تمام نبیوں کی رسالت کو برحق ٹھہرایا۔ جنہوں نے دُنیا کے تمام الہامی مذہبوں کی تکمیل کی اور جنہوں نے اپنے ایمان متبعین کے لیے ـــ

بے بہا اور لازوال نور کے دروازے کھول دیے"۔ [1]

اس اقتباس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید نے عیسائیوں کے اعتراض جو اسلام اصول و عقائد متفرقہ اور منتشرہ مذاہبِ سابق کی محض ترتیب اور اجماع کا نام ہے، کا جواب دیا ہے لیکن اسلام کی انفرادیت جدت وحقانیت کو ظاہر کرنے کے لیے سرسید کا یہ مختصر پیراگراف ناکافی ہے۔ اس لیے کہ اسلام اگلے مذاہب کی تعلیمات کا صرف نچوڑ ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اس میں بے شمار اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اگلے انبیاء کا لایا ہوا دین اور ان کی کتابیں صرف ان کے دور اور ان کے خطے اور ان کی قوم کے لیے تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین و کتاب سارے عالم کے لیے ہے۔ اور وہ ایک دور اور ایک خطے اور ایک قوم کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کیلئے ہر قوم و ہر خطے کے لیے ہے اس لیے اس میں لازمی طور پر اضافے اور ترمیم کی ضرورت تھی اس لیے کہ اللہ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے دین کو مکمل کرنا تھا۔

---

[1] سید احمد خان، خطباتِ احمدیہ، صفحہ 223، نول کشور سٹیم پریس لاہور۔ تاریخ اشاعت درج نہیں، مقدمہ کی تاریخ 1870ء۔

**چوتھا خطبہ** "اسلام انسان کے لیے رحمت ہے اور تمام انبیاء کے مذاہب کی پشت و پناہ ہے" یہ اس خطبہ کا عنوان ہے۔ یہ خطبہ تیسرے خطبہ ہی کی توسیع ہے اس میں اسلام کی بنیادی خوبیوں کا ذکر کر کے اس بات کا نہایت مستحکم ثبوت دیا گیا ہے کہ اسلام تمام بنی نوع انسان کے حق میں رحمت ہی رحمت ہے۔ سر سید نے پہلے ہی اس تلخ حقیقت کا احساس کر لیا تھا کہ خواہ کتنی ہی انصاف پسندی اور بے تعصبی سے اسلام کی حقانیت و افادیت کو بیان کیا جائے، عیسائی اور دوسرے متعصب لوگ اس کو تسلیم نہ کریں گے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

> "یہ مضمون جس کو اب ہم لکھنا چاہتے ہیں ایک ایسا مضمون ہے کہ ہم کو اُس کا لکھنا پڑھنا شروع کرنے سے پہلے نہایت بے تعصب دل پیدا کرنا چاہیئے کیونکہ طرف دار دل سچّے اور صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچتا۔ اس الزام کے رفع کرنے سے تو ہم مجبور ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانی مذہب میں جو فی الواقع خوبی ہے اُس کو ظاہر کرتے ہیں۔ مگر جہاں تک ہم سے ہو سکا ہے ہم نے نہایت ٹھنڈی طبیعت اور ناطرفدار دل اور سیدھی سادی سچّی نیت سے یہ مضمون لکھا ہے اور اسی لیے ہم کو یقین ہے کہ اگر ہم اپنی اس رائے پر دوسرے کو یقین نہ دلا سکیں گے تو اُس کو رنجیدہ بھی نہیں کریں گے۔" [1]

اس لیے اُنہوں نے اپنے بیان کی تصدیق ولیم میور، ایڈورڈ گبن، جان ڈیون پورٹ مقالہ نگاران چیمبرز انسائیکلو پیڈیا اسلام اور تھامس کارلائل کے بیانات سے فراہم کی ہے۔ جو اسلام کے حق میں ہیں اور ان کے بیانات پر نقد و تبصرہ بھی کیا ہے۔

---

[1] سید احمد خاں خطبات احمدیہ، صفحہ 224 نول کشور سٹیم پریس لاہور، مقدمہ 1870ء

حیاتِ جاوید میں مولانا الطاف حسین حالی نے اس خطبہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سرسید نے اس خطبہ کو چار حصوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں وہ فائدے بیان کیے ہیں جو اسلام سے عموماً انسان کی معاشرت کو اور خصوصاً موسوی اور عیسوی مذہب کو پہنچے ہیں۔ اور اُس کے ثبوت میں معروف و نامور عیسائی مصنفوں کے اقوال نقل کیے ہیں۔ جنھوں نے اسلام کے حق میں مذہب اسلام کے مفید ہونے کی نسبت شہادتیں دی ہیں۔

دوسرے حصہ میں ان متعصب مورخین و مؤلفین کی رائے کی تردید کی ہے اور ان کے الزامات اور غلط بیانوں کا جواب دیا ہے۔ جنھوں نے اسلام کو نوعِ انسان کی معاشرت کے حق میں مضر بتایا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ تردید ولیم میور کی کتاب سیرت میں عائد کردہ الزامات کی ہے۔ خصوصیت سے تعددِ ازواج مطہرات، طلاق، غلامی، آزادی رائے کے بارے میں مفصل و مدلل بحث کی ہے اسلام پر اعتراض کرتے وقت عیسائی قانونِ مدنی اور قانونِ مذہبی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ حالانکہ عمل درآمد اور رسم و رواج مختلف ہوتے ہیں اور قرآن و حدیث کے احکام الگ چیز۔ اس لیے سرسید لکھتے ہیں کہ۔

> "مذہب اسلام نے تمام مذہبوں سے بڑھ کر تعدد ازواج کو نہایت خوبی سے روکا ہے اور صرف ایک ہی بیوی کو پسند کیا ہے۔ تعدد کو صرف ایک نہایت محدود خاص حالت میں جائز دکھایا ہے۔" [1]

تعدد ازواج پر بحث کے دوران سید احمد خان نے اس امر پر توجہ دلائی ہے کہ قرآن نے جب تعدد ازواج کے ساتھ غیر محدود تعداد کی اجازت کو بدل کر صرف چار تک محدود

---

[1] سید احمد خاں، خطبات احمدیہ صفحہ 246 نول کشور سٹیم پریس لاہور، سنہ 1870ء

کر دیا تو یہ بھی کہا۔ "اور نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں اچھی لگیں دو، تین، چار، لیکن اگر تمہیں خوف یہ ہو کہ تم ان میں عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک"۔ اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ کہ ایک ہی کرو تو بہتر ہے۔ سر سید نے اپنی بات کی حمایت میں متعدد قرآنی آیات اور احادیث جو طلاق کے باب میں پیش کئے ہیں اور اس سے یہ نتائج اخذ کیے ہیں کہ جہاں اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے وہیں پابندی بھی عائد کی ہے اور جو استطاعت نہیں رکھتے انھیں ایسا کرنے سے روکا بھی ہے۔

تیسرے حصہ میں مذہب یہود اور مذہب عیسائی کو اسلام کی بدولت پہنچنے والے فوائد کا ذکر ہے۔ یہ حصہ کافی طویل ہے۔ یہاں صرف ایک اقتباس پیش ہے جو یہ بتائے گا کہ اسلام نے کس طرح ان مذاہب کو فائدہ پہنچایا۔

"اسلام سے پہلے یہودی اور عیسائی اکثر پیغمبروں اور پاک شخصیتوں سے نہایت بد اخلاقی کے افعال قبیحہ (یہ عہد عتیق کے اُن درسوں کی طرف اشارہ ہے جن میں حضرت لوطؑ اور حضرت داودؑ وغیرہ کی طرف زنا اور دیگر افعال قبیحہ کی نسبت کی گئی) کو منسوب کرتے تھے، اگرچہ ہمارے نزدیک ان تحریروں کو الہام ربانی سے کچھ تعلق نہ تھا مگر تمام یہودی اور عیسائی اُن تمام تحریروں کو الہام ربانی اور اُن نبیوں اور مقدس لوگوں کو اُن افعال قبیحہ کا مرتکب یقین کرتے ہیں۔ اسلام نے ان معصوم نبیوں اور خدا پرست شخصوں اور پاک خصلت بزرگوں کو اُن تہمتوں سے بچایا اور جو اتہام یہودیوں اور عیسائیوں نے ان پر لگائے تھے اُن کو فتح مندی سے دفع کیا اور تمام پیغمبر اور نبیوں اور بہت سے مقدس بزرگوں کے معصوم اور بے گناہ ہونے کا دُنیا کے بہت بڑے حصہ پر یقین کرا دیا۔" [1]

---

[1] سید احمد خاں، خطبات احمدیہ صفحہ 302 نول کشور سٹیم پریس، لاہور 1870ء

اس خطبہ کا چوتھا حصّہ اُن فائدوں کے لیے مختص ہے جو اسلام کی بدولت خاص عیسائی مذہب کو پہنچے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں......

"دنیا میں مذہب اسلام سے زیادہ کوئی مذہب عیسائی مذہب کا دوست نہیں ہے اور اسلام نے کسی مذہب کو اس قدر فائدے نہیں پہنچائے ہیں"۔ [1]

مثلاً وہ آگے لکھتے ہیں ......

"جو فائدے اسلام نے عیسائی مذہب کو پہنچائے ان میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اُس نے عیسائیوں کو پوپ کے بے انتہا اختیاراتِ ناجائز سے نجات دی اور عیسائیوں میں ایک زندگی کی روح پھونک دی۔ تمام عیسائی پوپ کو حضرت عیسیٰ ؑ کا پورا با اختیار نائب سمجھتے تھے۔ اور اُس کو معصوم جانتے تھے۔ جیسے کہ اب بھی بہت سے فرقے عیسائیوں کے سمجھتے ہیں۔ اُن کا یقین تھا اور بہتوں کا اب بھی یقین ہے کہ دوزخ اور اعراف اور بہشت کے دروازوں کے کھولنے کا پوپ کو بالکل اختیار ہے۔ پوپ گنہگاروں کے گناہوں کے بخشش دینے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ پوپ کو پورا اختیار تھا کہ جس ناجائز چیز کو چاہے جائز کرے"۔ [2]

سرسید نے قرآن کے حوالے سے عیسائیوں کو اس خرابی سے مطلع کیا اور جو خرابیاں اُس سے پیدا ہوتی ہیں ان کو بتلایا اور جا بجا عیسائیوں کو اس غلامانہ اطاعت پر ملامت کی اور ان کو سمجھایا کہ اس رسوائی اور بے عقلی کی اطاعت کو چھوڑیں۔

---

[1] سرسید احمد خاں ، خطبات احمدیہ ، صفحہ 304 ، نول کشور سٹیم پریس لاہور سنہ 1870ء

[2] سرسید احمد خاں ، خطبات احمدیہ ، صفحہ 305 ، 306 نول کشور سٹیم پریس لاہور سنہ 1870ء

سرسید کی یہ بحث خاص ان کی اپنی ایجاد ہے اور بہت جدید پہلو رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اس جدید بحث نے جدید ذہن رکھنے والے پڑھے لکھے غیر مسلموں کو ولیم میور اور دیگر متعصب سیرت نگاروں کے الزامات دفع کرنے میں مدد پہنچائی۔

**پانچواں خطبہ:** پانچویں خطبہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ مسلمانوں کی کتابوں پر نقد و تبصرہ کیا ہے اور اس میں کتب حدیث، کتب سیر، کتب تفسیر اور کتب فقہ کا تجزیاتی مطالعہ بھی پیش ہوا ہے۔ کتب ھٰذا کے لکھنے کا مقصد و منشا پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ تاکہ غیر مذہب کے محقق اور نکتہ چین جو اسلام کی نسبت آئندہ زمانے میں کچھ لکھنا چاہیں ان کو مسلمانوں کی مذہبی کتابوں کی طرز تصنیف سے آگاہی اور بصیرت حاصل ہو، اور وہ کبھی گمراہ نہ ہونے پائیں جیسا کہ اور مصنّفین مذہبی کتابوں سے ناواقفیت کی بناء پر ہوئے تھے مثال کے طور پر مسلمانوں کی کتابوں کے حالات پر سرسید، امام بخاری کی تاریخ کو کچھ بھی قدر کے لائق نہیں بتاتے، حالانکہ یہ فیصلہ غیر منصفانہ ہے، اسی طرح وہ کتب حدیث میں بھی ان کتابوں کو جن کو معتبر مانتے ہیں۔ تنقید و تنقیح سے بالاتر نہیں سمجھتے اور مورخ و سیرت نگار کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں کہ ان کی تنقیح بھی ضرور کریں۔

اس بحث میں سرسید نے نہ صرف کتب اسلام کی خوبیاں گنوائی ہیں بلکہ ان میں پائی جانے والی خامیوں کو بھی اُجاگر کیا ہے۔ یہ پورا خطبہ اگرچہ مختصر ہے لیکن دلائل سے مدلل ہے۔

**چھٹا خطبہ:** یہ پانچویں خطبہ کی توسیع ہے جو اسلام کی روایات سے بحث کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس خطبہ میں اسلام میں منقول و مروی روایات کی ماہیت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس میں اوّل روایت کی اصلیت اور اُن کے رواج کی ابتدا پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر یہ بتایا ہے کہ دینِ اسلام صرف انہیں صحیح روایتوں پر مبنی ہے جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتی ہیں۔ پھر جھوٹی روایات بیان کرنے والوں کے لیے قرآن میں کیا وعید آئی ہے اور اس کی سزا اسلام نے کیا مقرر کی ہے۔ مفصل پیش کیا ہے۔ اسلامی روایات کی اصلیت

وابتداء کی تنقیح و تحلیل میں ان کا کمال پوری طرح سے ظاہر ہوتا ہے۔ مستشرقین خاص کر ولیم میور کے اعتراضات کے جوابات میں بھی وہ روایات کے رد و قبول میں اپنی تنقیدی بصیرت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ ایسی عمدہ چھان پھٹک کرتے ہیں کہ ان کا استدلال، تجزیہ اور موقف صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ درجاتِ احادیث بلحاظ ثقہ ہونے رواۃ کے، راویوں کا درجہ اعتبار بلحاظ تفقہ کے، یہودیوں سے روایت کرنے کی اجازت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی کو دی، اور اختلاف روایت کے اسباب و احادیث موضوع کا بیان، یہ تمام باتیں تفصیل سے بیان کی ہیں۔

سر سید کا یہ خطبہ بڑا قیمتی و معلوماتی ہے۔ اور اسلامی ماخذ پر ان کا تجزیہ تنقیدی ہے اگرچہ سر سید کے بعض بیانات و نتائج سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی وہ اسلامی ماخذ کا دفاع ہی نہیں کرتا بلکہ نگاہ بصیرت بھی وا کرتا ہے۔ یہ خطبہ پانچویں خطبہ کی طرح نہایت ضروری اور مفید معلومات پر مشتمل ہے، جو اسلام کی مذہبی کتابوں اور روایتوں پر ایسی روشنی ڈالتا ہے کہ کوئی غیر مذہب مصنف بشرطیکہ اس نے آنکھیں بند نہ کر لی ہوں ٹھوکر نہیں کھا سکتا۔

**ساتواں خطبہ:** ساتواں خطبہ نزولِ قرآن کی اہم بحث پر ہے۔ سر سید نے اس بحث میں وحی کی حقیقت کی بہ نسبت اس کے طریقِ نزول و تدوین قرآن سے زیادہ سروکار رکھا ہے۔ اس کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب، اس کی مختلف قرائتیں، آیات ناسخ و منسوخ کی بحث میں اس کے جمع ہونے کا زمانہ اس کے نقلوں کی اشاعت اور اس کا کامل و الہامی ہونا بیان ہوا ہے اور اس کے بعد ولیم میور اور دیگر عیسائی مصنفوں کی غلطیاں جو انھوں نے قرآنِ مجید کے متعلق کی ہیں بیان کی ہیں۔ سید احمد خاں نے ہمفری پیریڈ کی اس بات کو نہایت حیرت انگیز

اور مضحکہ خیز قرار دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کاغذ پر لکھی ہوئی پوری نقل قرآن مجید کی لائی گئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک صندوق میں رکھا جس کا نام صندوق رسالت تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو ان کے جانشین ہوئے سب سے اوّل اس کو جمع کیا اور گبن نے لکھا ہے کہ وجود قرآن بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے متبعین کے غیر مخلوق اور ابدی ذات الٰہی میں موجود ہے۔ نور کے قلم سے لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہے اور اس کی ایک نقل کاغذ پر لکھی حضرت جبرئیل علیہ السلام فلک اوّل پر لے آئے تھے۔ سرسید نے ان بیانات کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ نزول قرآن کے بعد قرآن مجید لکھ لیا جاتا تھا اور قرآنِ مجید کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی آیتِ قرآنی فراموش نہیں کی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کی تدوین اور خلافت عثمانی میں مصاحف کی نقل و ترسیل ہوئی اور آخر میں انھوں نے لکھا ہے کہ قرآن مجید اپنے طرز میں کامل ہونے کے سبب الہامی ثابت ہوتا ہے

قرآنِ مجید سے متعلق ولیم میور نے بقول سید احمد خاں ایک نئی اصطلاح "وحیِ کامل" وضع کی ہے۔ جس کے اہلِ اسلام قائل نہیں ہیں۔ سرسید نے ان اعتراضات کے علاوہ اور بھی کچھ اعتراضات کے نہایت موثر اور مثبت جوابات دیے ہیں۔ جو انہوں نے قرآن مجید کی نسبت کی ہیں۔ ان غلطیوں کا اصل سبب سرسید اس طرح بیان کرتے ہیں۔

> "مسلمان بادشاہوں یا عالموں کو خدا نے توفیق نہیں دی کہ قرآن مجید کو خود دوسری زبانوں میں ترجمہ کراتے اور مختلف ملکوں میں شائع کرتے، یورپ کی زبانوں میں بے شک اس کے ترجمے ہوئے مگر وہ سب غیر مذہب کے لوگوں یعنی عیسائیوں نے کیے۔" [1]

---

[1] سید احمد خان، خطبات احمدیہ - صفحہ 419 نول کشور سٹیم پریس لاہور ۱۸۷۰ء

یہ سارا خطبہ قرآن مجید کی آیات، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، مفسرین و محدثین اور فقہا کے اقوال کے علاوہ بعض سنجیدہ عیسائی مورخین و مؤلفین کے دلائل سے بھی آراستہ ہے۔

**آٹھواں خطبہ:-** یہ خطبہ خانۂ کعبہ، حجرِ اسود، مختلف عہدوں میں خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تاریخ غلافِ کعبہ، اصنامِ کعبہ، زمزم اور واقعہ اصحابِ فیل، مقامِ قربانی اور سکونت اسماعیلؑ وغیرہ کے متعلقہ مسائل سے بحث کرتا ہے، یہ خطبہ اس غرض سے لکھا گیا ہے کہ سر ولیم میور نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ یقطان جس کا ذکر توریت میں جا بجا آیا ہے اہلِ عرب کا اُس کی اولاد میں ہونا، حضرت اسماعیلؑ کا مکہ کے قریب آباد ہونا، خانۂ کعبہ کی تعمیر اور اُس کی تمام مراسم کا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے تعلق ہونا، یہ سب بناوٹ اور افسانہ ہے اور ہر قسم کی تاریخی سچائی اور مورخانہ احتمالات اور قیاسات سے نہایت بعید ہے۔ سر سید نے ولیم میور کے خیالات سے اختلاف کیا ہے اس لیے کہ ولیم میور نے اپنی بات کی تصدیق میں دلائل نہیں پیش کیے۔ اور ایک خیالی اور فرضی بات کو جو اس کے دل میں آئی حقیقت واقعہ قرار دیا ہے۔ اور سر سید نے قرآن و حدیث اور تاریخ کے دلائل کے علاوہ توریت و زبور کے بیانات سے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے۔

سر سید احمد خاں کو اس بات پر سخت حیرت ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے مکہ میں آباد ہونے سے متعلق ولیم میور کو کیوں اختلاف ہے۔ جب کہ عرب کی تمام تاریخیں جن کو عیسائی بھی تسلیم کرتے ہیں، اس بات پر متفق ہیں۔ اس ضمن میں مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں۔

"سر سید نے اس خطبہ میں نہ صرف مسلمانوں کی تاریخوں سے بلکہ زیادہ تر یورپ کے عیسائی محققوں اور جغرافیہ دانوں

کی تحقیقات سے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی اولاد کا حجاز یا عرب میں آباد ہونا ثابت کیا ہے، اور اس کے بعد توریت کی نہایت صریح شہادتوں سے اس امر کا ثبوت دیا ہے کہ حجرِ اسود اور قربانی کی رسم اور کعبہ کا بیت اللہ نام ہونے کو خاص حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد سے تعلق ہے"۔ [1]

اس کے علاوہ ولیم میور کو "عرفات" کے تعلق سے بھی اعتراض ہے۔ وہ عرفات کو بت پرستوں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ لیکن سرسید اس کی تردید کرتے ہیں اور توریت کے حوالے سے ثابت کرتے ہیں کہ عرفات کا تعلق خاص طور سے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد سے ہے۔ یہ خطبہ بڑا مدلّل ہے اور کافی طویل بھی۔ انھوں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں وزنی اور ناقابلِ تردید دلائل پیش کیے ہیں۔ جو دلچسپ بھی ہیں اور پُر از معلومات بھی۔

**نواں خطبہ :-** نویں خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ونسب سے بحث کی ہے۔ اس خطبہ کے لکھنے کا منشاء یہ تھا کہ ولیم میور نے "لائف آف محمدؐ" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بنی اسماعیلؑ ہونے سے انکار کیا ہے۔ سر ولیم میور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پر نکتہ چینی کرنے کی جرأت غالباً اس لیے ہوئی کہ سیر کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ صرف عدنان تک بیان ہوا ہے جس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے، مگر عدنان کے بعد حضرت اسماعیلؑ تک جتنی پشتیں اہلِ سیر نے لکھی ہیں اُن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اس بنا پر سرسید نے آغازِ کلام عرب علم الانساب کی ابتدا و اُس کی اہلیت اور اسکی غلط روایات کی مدلّل تردید سے کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ زمانۂ

---

[1] الطاف حسین حالی - حیاتِ جاوید، صفحہ 450 ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۰۴ء

جاہلیت میں اہل عرب کوئی فن نہیں جانتے تھے، مگر ان میں دو چیزیں بے مثل تھیں ایک شاعری دوسرے علم الانساب سے واقفیت۔ کیونکہ ان کے پاس کتاب کا رواج نہ تھا۔ وہ صرف اپنے حافظہ پر بھروسا کرتے تھے، اس لیے وہ اپنے قبیلہ کے تمام پشتوں کو ازبر یاد رکھتے تھے۔ اور اپنے نسب پر فخر کرتے تھے اور اپنے اور اپنے حریفوں کے نسب میں عیب نکالتے تھے۔

قبیلے کے تمام پشتوں کے نام یاد رکھنا بڑا مشکل ہوتا تھا۔ اس لیے کہ ابتدائی دور میں کتابت سے کام لیا نہیں جاتا تھا۔ چنانچہ بڑے بڑے جلیل القدر اور معروف اشخاص کے ناموں کو ضرور یاد کرلیا جاتا۔ ان ناموں کو یاد رکھنے یا عام کرنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ان کے ناموں کو اشعار میں ڈھالا جاتا اور جنگوں میں اپنے قبیلہ والوں میں جذبات اُبھارنے اور انہیں آمادۂ پیکار کرنے کے لیے اشعار پڑھے جاتے تھے۔ اس بنا پر ہر شخص مختلف قبیلوں کے نامور اشخاص کے نام یاد بھی رکھتا۔ اس طرح سمجھ جاتے کہ فلاں کس نسل اور قبیلہ کا ہے یہی وجہ ہے کسی کو اپنی نسل بدلنے کی جرأت نہ ہوتی۔ جب زمانۂ اسلام میں کتابت و تصنیف و تالیف کا رواج ہوا تو مورخین کو نسب نامہ سلسلہ وار لکھنے میں بہت دشواری پیش آئی۔ اس لیے نسب ناموں کی ترتیب یاد نہ ہونے کے علاوہ ایک مشکل یہ بھی ہوئی کہ ایک ہی نام کے کئی شخص ایک نسب نامے میں ہوتے تھے اور ایک ہی شخص کے کئی کئی نام ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے نسب ناموں کے لکھتے وقت جو نام درمیان میں چھوٹ گئے اُس کی جگہ جو مشہور نام یاد ہوتا لکھ دیتا۔

جیسا کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے نسب نامے کے سلسلے میں ہمیں انجیل متی میں نسب نامۂ عیسیٰ کے باب میں یہ لکھا ہوا ملے گا یعنی "مسیح ؑ بن داؤد ؑ ابن ابراھیم ؑ" اگرچہ کہ مسیح ؑ سے داؤد ؑ تک اور داؤد ؑ سے ابراہیم ؑ تک بہت سی پشتیں درمیان میں تھیں۔ مگر چونکہ داؤد ؑ اور ابراھیم ؑ نہایت مشہور اشخاص تھے اس لیے مسیح ؑ کو داؤد ؑ کا داؤد ؑ کو ابراہیم ؑ کا بیٹا بنا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ سلسلہ وار لکھنے والوں کو بھی یہی

دقتیں پیش آئیں اگرچہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ ترتیب دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اہل عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ قریش سے اور قریش کو معد ابن عدنان کی اولاد میں اور عدنان کو قیدار ابن اسماعیلؑ ابن ابراہیمؑ کی اولاد میں جانتے تھے اور اسی قدر ان کا جاننا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنی اسماعیلؑ ہونے کے لیے کافی تھا۔ گوکہ درمیان میں کتنی ہی پشتیں گزری ہوں۔ اس لیے کوئی صحیح روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کے متعلق موجود نہیں ہے سوا اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ابراہیمؑ خلیل اللہ میرے باپ اور میرے ولی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر معد ابن عدنان تک کسی مورخ کا اختلاف نہیں ہے۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ معد بن عدنان سے اسمٰعیلؑ تک کی پشتوں میں ہے صرف پانچ اشخاص ہیں جنھوں نے معد ابن عدنان سے ابراہیمؑ تک کے تمام نام لکھے ہیں۔

ولیم میور نے طنزاً لکھا ہے کہ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ عدنان تک خاص عرب کی زبانی روایتوں سے لیا گیا ہے اور عدنان سے آگے یہودیوں سے" اس پر سرسید لکھتے ہیں کہ

"بلاشبہ اہل عرب بنی اسرائیل سے نہایت قرابت قریبہ رکھتے تھے۔ وہ اسماعیلؑ کی اولاد تھے اور بنی اسرائیل اسحٰق کی۔ وہ ان پڑھ جاہل تھے۔ اور یہ لکھے پڑھے قابل۔ پس یہ ایک قدرتی بات تھی کہ جس بات سے وہ ناواقف ہوں اپنے اسرائیلی بھائیوں سے اس کو دریافت کریں یا جس بات کی تفصیل آنحضرت صلعم نے نہیں فرمائی اس کا مفصل حال اپنے اسرائیلی بھائیوں سے پوچھیں خصوصاً اس وجہ سے کہ آنحضرت صلعم نے بنی اسرائیل سے روایت کرنے کی اجازت دی تھی۔" [1]

---

[1] سید احمد خاں، خطبات احمدیہ، صفحہ 77-576 نول کشور سٹیم پریس لاہور سنہ 1870ء

آخر میں سرسید نے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھے اور اس میں کسی طرح کا شبہ نہ تھا۔ انہوں نے مشہور نسابین و مورخین واقدی مسعودی وغیرہ کے بیانات کے علاوہ احادیث وغیرہ سے بھی استدلال کیا ہے اور ولیم میور کی غلط بیانیوں کی نشاندہی کرنے کے علاوہ ان کی مدلل تردید کی ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی مصادر کے علاوہ بعض عیسائی مورخین جیسے گبن اور فارسٹر کے بیانات سے یہ حقیقت ثابت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ایک معزز خاندان سے تھا۔

تمام خطبات میں یہ بہت ہی مختصر خطبہ ہے۔ جو صرف چودہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں دو شجرے درج ہیں ایک حضرت ابراہیمؑ (1916 ق م) سے شروع ہو کر انہتر (69) واسطوں تک عبداللہ پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرے شجرے کا آغاز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہو کر سینتیس (37) واسطوں سے سرسید پر ختم ہوتا ہے۔

**دسواں خطبہ :-** دسویں خطبے کا تعلق ان بشارتوں و پیشن گوئیوں سے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق آسمانی کتابوں یعنی توریت و انجیل میں پائی جاتی ہیں۔ اس خطبہ کی ابتداء میں سرسید نے قرآن کریم کی وہ آیتیں پیش کی ہیں۔ جن میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں مبعوث فرمائیں گے اس کے بعد وہ وجوہات بیان کی ہیں جن کے سبب سے اکثر قدیم مسلمان عالموں نے انبیائے سابقین کی کتابوں کا پورا پورا اعتبار نہیں کیا۔ اس لیے انھوں نے توریت و انجیل میں اُن بشارتوں کی زیادہ تفتیش نہیں کی اور تحریف کا عذر پیش کر کے اُن بشارتوں کے نشان دینے سے جن کو قرآن میں جا بجا خبر دی گئی تھی دست بردار ہو گئے۔ پھر اُن محققین کا تذکرہ ہے جنھوں نے نہایت محنت اور استقلال سے اُن کی تلاش کی اور توریت و انجیل میں وہ مقامات دریافت کیے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی بشارتیں موجود تھیں۔

سر سید نے اُن میں سے صرف چند بشارتیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت صراحت کے ساتھ صادق آتی ہیں اور جو موجودہ مسلمہ مجموعہ عہدِ عتیق و عہد جدید میں موجود ہیں۔ جسکو تمام یہودی اور عیسائی تسلیم کرتے ہیں۔ اس خطبہ میں بیان کی ہیں۔ اور عہدِ عتیق کی ان بشارتوں سے متعلق سر سید کا خیال ہے کہ یہ کسی پہیلی یا معمّے سے کم نہیں اور جب تک ان کی تشریح نہ کی جائے وہ ہر کس و ناکس کے لیے قابل فہم نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بشارتوں کو بیان کرنے سے پہلے بطور مثال کے عہدِ عتیق کی وہ بشارتیں نقل کی ہیں، جن کو حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ کے حق میں بتایا ہے۔ تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بائبل میں پیش گوئیاں کس طرح سے بیان کی جاتی ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ کونسی بشارتیں زیادہ روشن اور صاف ہیں اور کونسی مبہم اور دُھندلی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نو بشارتیں، جن میں چھ کا تعلق عہدِ عتیق اور تین کا تعلق عہدِ جدید سے ہے بیان کی ہیں۔ مولانا حالی نے لکھا ہے کہ۔

"عہدِ عتیق کی تین بشارتیں جن میں سے ایک توریت کتاب استثنا باب (18) میں اور دوسری کتاب استثنا باب (33) و کتاب حقوق نبی باب (3) میں اور تیسری کتاب تسبیحات سلیمان باب (5) میں مندرج ہے اور انجیل یوحنا باب (14) میں سے ایک بشارت یہ چار بشارتیں نہایت معرکۃ الآرا ہیں جن کی یہودیوں اور عیسائیوں کو عجیب عجیب تاویلیں کرنی پڑی ہیں اور عیسائیوں نے اُن کے ترجموں میں عجیب عجیب کاردستانیاں کی ہیں۔" [1]

---

[1] الطاف حسین حالی حیاتِ جاوید ص461، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۰۴

سرسید نے ان چاروں بشارتوں کی انتہائی محنت سے تحقیقات کی ہیں اور اپنے استدلالات کو تقویت پہنچانے کے لیے عیسائی محققوں کے اقوال اور بائبل کے حوالے دیئے ہیں اور اپنی آرا کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ عیسائی کو عیسیٰ کی پیشن گوئیوں کو ماننے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئیوں سے انکار کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ اس موقع پر بطور نمونے کے صرف دو بشارتیں پیش ہیں۔ اصل بشارتیں تو عبرانی زبان میں ہیں۔ سرسید نے ان کا ترجمہ عربی اور اُردو میں بھی خطبہ میں شامل کیا ہے۔

"میں نے تیری دُعا اسماعیل کے حق میں قبول کی۔ ہاں میں نے اسے برکت دی اور اُسے بارآور کیا اور اُسے بہت کچھ فضیلت دی۔ اُس سے بارہ امام پیدا ہوں گے اور اُس کو بڑی قوم کروں گا۔" [1] (توریت کتاب اوّل۔ باب ۲ - ۱۷)

ایک بشارت انجیل کی یہ ہے کہ ....

"جب بعد مصلوب ہونے اور قبر میں دفن کیے جانے کے حضرت عیسیٰ زندہ ہو کر اُٹھے اور حواریوں سے ملے اور اُن کے سامنے مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کھایا تو بیتِ ضیا میں جانے اور آسمان پر چلے جانے سے تھوڑی دیر پہلے انہوں نے حواریوں سے یہ فرمایا' اور دیکھو میں بھیجتا ہوں وعدہ اپنے باپ کا تم پر لیکن تم ٹھہرو شہر یروشلم میں جب تک کہ تم پر عطا ہو قوت اُوپر سے"۔ [2] (انجیل باب ۲۴ آیت ۴۹)

---

[1] بحوالہ سید احمد خاں، خطبات احمدیہ، صفحہ 601 نول کشور سٹیم پریس لاہور سنہ 1870ء

[2] بحوالہ سید احمد خاں، خطبات احمدیہ، صفحہ 603 نول کشور سٹیم پریس لاہور سنہ 1870ء

سرسید نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت عیسیٰ نے جس وعدے کی طرف اشارہ فرمایا یا جن کے آمد کی خبر دی وہ ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے" چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور وہ وعدہ پورا ہوا۔ سرسید نے اس خطبہ کے پہلے حصہ میں یہ بھی وضاحت کردی ہے کہ انجیل اور توریت میں حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو بشارتیں ہیں ان کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والی بشارتیں حضرت عیسیٰؑ کی بشارتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ روشن اور صاف ہیں جن کی صحت کو مخالف کا دل بھی قبول کرتا ہے۔ آخر میں سرسید کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت سے سرفراز ہونے کی پیشن گوئیاں دنیا کے کم وبیش تمام مذاہب کے صحیفوں میں ملتی ہیں۔ خاص طور سے توریت اور انجیل میں جو آسمانی کتابیں ہیں۔ جن سے انکار کو صرف ہٹ دھرمی سمجھی جائے گی۔
بہر حال یہ پورا خطبہ بڑا تحقیقی اور تجزیاتی اور معلوماتی ہے۔

**گیارھواں خطبہ :-** اس خطبہ کا عنوان سرسید نے "شق صدر کی حقیقت اور معراج کی ماہیت کے بیان میں" بنایا ہے۔ یہ ایک انتہائی اہم خطبہ ہے جسمیں دو اہم سیرتی پہلوؤں سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ حقیقتِ شق صدر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے شق کرنے کی حقیقت اور دوسرے معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ماہیت۔ سرسید کے نزدیک شق صدر کا معجزہ جیسا کہ مفسرین اسلام و مولفین نبوی تسلیم کرتے ہیں صرف شرح صدر تھا اور انہوں نے اس ضمن میں اس آیتِ قرآنی سے استدلال کیا ہے جس میں شرح صدر کا ذکر کیا گیا ہے۔

"اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ -"

کیا ہم نے تیرے لیے سینہ کو نہیں کھول دیا ہے۔

جس قدر قرآنِ کریم میں معراج کی نسبت بیان ہوا ہے صرف اُسی پر معراج کے واقعہ کا انحصار رکھا ہے اور قرآن کی روشنی میں اُنہوں نے معراج کے رویا پر محمول کیا ہے اور ثبوت میں بخاری کا حوالہ دیتے ہیں کہ ۔

"ابنِ عباس نے قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں ......

وما جعلنا الرویا التی ارینٰک الا فتنہ للناس

کہا کہ یہ آنکھ کا رویا ہے۔ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس رات دکھایا گیا تھا جب وہ بیت المقدس کو لے جائے گئے تھے۔" لہ

مگر اس واقعہ میں وہ عقلی دلائل کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ۔ مثلاً اگر یہ معراج خواب میں ہوئی ہوتی تو کفار کے انکار کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ اس لیے کہ خواب کی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اور کفارِ قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے بارے میں سوالات نہ کرتے کہ اس کی کتنی سیڑھیاں ہیں۔ نیز یہ کہ روح کو براق پر سوار ہونے کی حاجت نہ ہوتی اس لیے کہ اس پر خود روحانیت غالب ہے پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانی دُنیا میں گھبراہٹ محسوس ہوئی تو، حضرت ابوبکرؓ کی آواز کے مشابہ آواز سے گھبراہٹ رفع کی گئی۔ گھبراہٹ جسم عنصری کا حصّہ ہے نہ کہ روح کا۔ واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاس لگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا۔ جبکہ روح پیاس سے مبرا ہے، دراصل سرسید روایات واحادیث کے بارے میں ایک خاص نقطہ نظر رکھتے تھے۔ جس کو جمہور یا تمام علمائے اسلام کا اتفاق حاصل نہیں۔ دوسرے سرسید پر عقلیت پسندی کی اتنی گہری چھاپ تھی کہ وہ کسی واقعہ کے معجزانہ پہلو کو قبول کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہ تھے۔

---

لہ سید احمد خاں، خطبات احمدیہ صفحہ 666، نول کشور سٹیم پریس لاہور سنہ 1870ء

معجزات یا معجزانہ پہلوؤں سے ان کا انکار خطبات احمدیہ میں شق صدر اور معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے کئی اُمور میں نظر آتا ہے۔

**بارھواں خطبہ :-** یہ اس کتاب کا آخری اور بارھواں خطبہ ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی بارہ سالہ زندگی پر مبنی ہے۔ اگرچہ کہ سیرت کی واقعاتی اور تاریخی ترتیب کے مطابق اس خطبہ کو کتاب کے آغاز میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر سرسید نے ان واقعات کو آخری خطبہ میں بیان کیا ہے۔ اِس خطبہ کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ اور والدہ محترمہ آمنہ بنتِ وہب کی شادی کے ذکر سے ہوتا ہے۔ پھر ولادت بنوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقعہ پر جو عجائبات پیش آئے جن پر اہلِ سیر کا یقین ہے۔ سرسید نے ان کی تردید کی ہے اور صرف معتبر اور صحیح روایتوں کی مدد سے ہی ان واقعات کو بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ ولیم میور کے بعض خیالات کی مخالفت کی ہے۔ مثلاً سر ولیم میور نے جو بارہ برس تک کے بعض واقعات کو بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہتے تھے۔ اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے پرندوں کو اُڑا دیتے تھے۔ اپنی رضاعی بہن کی پیٹھ کاٹ دیتے اور مدینہ سے حدیبیہ کو جاتے وقت اپنی ماں کی قبر پر روتے رہتے اور ایسے متعدد واقعات کا ذکر ولیم میور نے کیا ہے۔ اس سلسلے میں سرسید لکھتے ہیں۔

> " اگرچہ ان باتوں کی کوئی معتبر سند نہیں ہے لیکن یہ سب باتیں تسلیم کر لی بھی جاویں تب بھی یہ ایسی باتیں ہیں جیسے کہ ایام طفولیت میں انسانی فطرت کے موافق ہوتی ہیں۔ پس ایسی باتیں اگر ہوئی بھی ہوں تو انسانی فطرت سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتیں "۔ [1]

---

[1] سید احمد خاں ، خطبات احمدیہ صفحہ 22، 721 نول کشور سٹیم پریس لاہور 1870

ولیم میور نے جہاں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے' ابو طالب کے ہمراہ '، ملک شام کے سفر کا حال لکھا ہے۔ وہاں یہ بھی جتایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و دماغ پر اُس وقت کے مذاہب اور رسموں کا اثر ہوا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"زمانہ سابق کے منہدم اور اُجڑے ہوئے مقاموں نے جن کو خیالی قصّوں اور عجیب و غریب بیانوں اور دل انگیز روایتوں نے اور بھی پُر اثر کر دیا تھا اور گرجاؤں کو صلیبوں اور مورتوں اور دینی علامتوں سے آراستہ کرنے اور گھنٹوں کے بجنے کی قومی رسموں نے محمد (صلعم) کے خوض کنندہ دل و دماغ پر ایک گہرا نقش اور پایدار اثر کر دیا تھا۔" [1]

اس کے جواب میں سر سید نے ولیم میور سے سوال کیا ہے کہ۔۔۔۔

"کیا ایک مصروع شخص (جیسا کہ ولیم میور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے) کا دل و دماغ ایسا اثر قبول کر سکتا ہے؟ اور کیا ایک مصروع شخص خوض کنندہ دل و دماغ رکھتا ہے؟ اگرچہ یہ بیان سر ولیم کا نہایت دلچسپ ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اس بیان سے اتفاق نہیں کر سکتے، کیونکہ اسی لڑکے نے جس کا دل و دماغ صلیبوں اور مورتوں اور علاماتِ دینِ عیسوی کو دیکھ کر اس قدر اثر پذیر ہوا تھا، بعد کو انہی چیزوں سے مخالفت اختیار کی، صلیب کو توڑا، مورتوں کو پھوڑا، اُن کی پرستش سے منع کیا اور یہ بتایا کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں۔ تثلیث کے عقیدے کو جھٹلایا، خدا کو وحدہٗ لاشریک بتلایا اور اُسی کی

---

[1] سید احمد خان، خطبات احمدیہ صفحہ 751۔ نول کشور، سٹیم پریس، لاہور 1870

عبادت کا وعظ کیا اور تمام دُنیا میں اسی کو رواج دیا۔" [1]

سرسید نے ولیم میور کے اعتراض کا جواب تو دے دیا مگر اس پورے واقعہ سے ہی انکار کر دیا۔ جو ملکِ شام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بحیرا نامی راہب کے درمیان پیش آیا تھا۔ جس کو ولیم میور نے بڑی اہمیت دی ہے۔ جب کہ اس سفر کا حال محدثین میں سے ترمذی اور بیہقی نے بیان کیا ہے۔ اور مورخین میں سے ابنِ اسحٰق، ابن سعد ابن ہشام، ابن عساکر، الشامی اور مسعودی جیسے اشخاص نے کیا ہے۔

ولیم میور نے اس واقعہ کو اس لیے بھی اہمیت دی ہے کہ اس کو پیش کر کے وہ اپنے موقف کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیرا سے ملاقات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری زبانی تعلیم سیکھنے کا موقع دیا۔ یعنی دینِ اسلام کی ساری تعلیمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے راہب بحیرا سے سیکھ لی۔ اور بعد میں اُسے خُدا کی وحی کی طرف منسوب کر دیا۔ سرسید اگر واقعہ سے انکار نہ کر کے ولیم میور کی تردید کر دیتے تو کافی تھا جیسا کہ اُنھوں نے عقلی دلائل سے کیا کہ دوپہر کے کھانے پینے کے وقت کی ملاقات مختصر تھی اور یہ خود ایک معجزہ ہوگا کہ ایک نو عمر بچہ اسلامی تعلیم کو اس مختصر وقت میں سیکھ لے۔ اور آخر میں صراحت کی کہ یہ سفر اُن کی دانست میں پیش نہیں آیا اس لیے اسے سیکھنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا جبکہ علمائے جمہور نے اس واقعہ کے وقوع ہونے کو تسلیم کر لیا ہے۔

اس کے علاوہ اس خطبہ کے دوسرے مباحث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت، تسمیہ، کفالتِ والدہ، کفالتِ عبدالمطلب اور کفالتِ ابوطالب وغیرہ بیان کر کے ولیم میور اور دیگر معترضین کے بعض بیانات کی تردید کی ہے۔ مثلاً رضاعتِ حلیمہ سعدیہ اور اس کے بعض واقعات کا ذکر کر کے سرسید نے بنو سعد کی عمدہ اور فصیح و

---

[1] سید احمد خاں، خطباتِ احمدیہ، صفحہ 752 - 751، نول کشور سٹیم پریس لاہور 1870

بلیغ عربی زبان پر روشنی ڈالی ہے ۔ پھر یہ بھی بتایا ہے کہ یہاں کی زبان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا اثرات مرتب کیے ۔ اس واقعہ سے ولیم میور نے جو نتیجہ نکالا تھا کہ بنو سعد کی فصاحت و بلاغت نے آگے چل کر قرآن کریم کی زبان کی شکل اختیار کر لی تھی، سر سید نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری زبان جو احادیثِ صحیح اور ادعیہ کی صورت محفوظ ہے ۔ وہ قرآن مجید کی زبان سے قطعی مختلف ہے اور اس کی وجہ بقول سر سید بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ اوّل کلام انسانی ہے اور دوسرا کلام ربّانی ، سر سید نے اس بحث رضاعت میں بعض ایسی باتیں بھی بیان کی ہیں جو عام کتبِ سیرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں ملتیں ۔ مثلاً عرب دستور کے مطابق ولادت کے آٹھویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں گئے اور ان کے ہاں چار سالہ قیام کے دوران وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ ماہ بعد والدہ اور دیگر اقرباء کو دکھلانے لاتی تھیں ۔ اس سے اگلی بحث میں سر سید نے ذکر کیا ہے کہ جب آپ صلعم کی عمر شریف چھ ۶ برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عزیز و اقارب سے ملانے کے لیے مدینہ منورہ لے گئیں اور واپسی کے سفر میں بمقام " اہواز " انتقال فرمایا ۔ غالباً مقام وفات کے نام میں کتابت کی غلطی ہوئی ہے کیونکہ اصل مقام "ابواء" تھا ۔

اس کے علاوہ اسپرنگر، گبن اور دیگر معترضین کی جو اختراع تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرگی کی بیماری تھی ۔ اور دنیا میں لاتعداد مرگی کے مریض ہیں ان میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ۔ سر سید نے اس کا جواب دیا اور یہ ثابت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کا کوئی مرض نہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی تندرست تھے ۔ اور اس طرح کے متعدد بیانات کی اس خطبہ میں نہ صرف تردید کی گئی ہے بلکہ ان پر سخت تنقید بھی کی ہے ۔ اس لحاظ سے یہ خطبہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے ۔

خطباتِ احمدیہ کے موضوعاتی تجزیہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس میں مختلف مقالات و مضامین کو ایک ترتیب سے ایک جگہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس ترتیب کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ان مقالات کا ایک دوسرے سے موضوعاتی ربط و تعلق نہیں ہے اور ان کی ترتیب بھی غیر منطقی ہے۔ اگر ہوتی تو ان غیر منتظم مقالات کو بھی ایک ظاہری ربط میں منسلک کر سکتی تھی۔

اوّل کے تین خطبوں میں جاہلی عرب کی قبائلی، مذہبی اور سماجی روایات کو بیان کیا گیا ہے۔ جو جاہلی عرب کی ایک تصویر پیش کرتے ہیں لیکن ان خطبوں کا ربط کسی طرح دیباچہ سے قائم نہیں ہوتا۔ کیونکہ دیباچہ میں سر سید نے بعض مسلم ماخذِ سیرت اور عیسائی کتب تاریخ و سیرت سے بحث کی ہے۔

کسی حد تک دیباچہ کا ربط پانچویں اور چھٹے خطبے سے قائم کیا جا سکتا ہے کہ جو مسلم کتب اور روایات و احادیث کی درجہ بندی سے متعلق ہیں۔ خاص کر چھٹے خطبہ میں سر سید نے ولیم میور وغیرہ کے اعتراضات و الزامات کا جو جواب دیا ہے وہ نہ وقیع و وزنی ہیں اور نہ اس کا موضوع سے کوئی تعلق ہے۔ چوتھے خطبہ کا تعلق و ربط یوں تو منطقی معلوم ہوتا ہے اور اگلے دو خطبات کا بھی یہی حال ہے۔ ساتواں خطبہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی نہیں بلکہ تاریخ علوم اسلامی کی ایک اہم اور وقیع بحث پر مبنی ہے لیکن اس کا مقام تاریخی اعتبار سے بعد کا ہے کہ وہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے دور کا معاملہ ہے وہ صرف سیرتی بحث بھی نہیں ہے بلکہ نزول و تدوین قرآن کی بحث پر مبنی ہے اس کے علاوہ سر سید نے خلافت راشدہ کے دو ادوار کے اہم ترقیات کا ذکر کیا ہے اس لیے وہ بحث زمانی طور سے عہدِ نبوی سے بہت آگے بڑھ جاتی ہے۔

آٹھواں خطبہ عہدِ قدیم سے بحث کرتا ہے جس میں حضرت اسماعیل ؑ کی سکونت مکہ اور خانۂ کعبہ کی تعمیر وغیرہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ مگر یہ خطبہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے خطبہ کے بعد ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ دوسرے سیرت نگاروں کے ہاں

یہی ترتیب ملتی ہے۔ یہاں بھی سرسید نے صرف عہدِ نبوی ؐ کے علاوہ خلفائے راشدین کے دورِ اولین ادوار تک اس کو پھیلایا ہے اور کعبہ کی تعمیر میں خلفاء اور امراء اسلام کے حصہ لینے پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح منطقی ترتیب کا فقدان نویں تا بارھویں خطبات میں بھی پایا جاتا ہے کہ نسب نامۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر کے وہ توریت و انجیل کی بشارات بیان کرتے ہیں۔ پھر سیرت کے دو اہم واقعات، شقِ صدر اور معراج کی ماہیت بیان کرنے لگتے ہیں اور آخری خطبہ میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین بارہ برس کے واقعات زیرِ بحث لائے ہیں۔ جو زمانی اور تاریخی ترتیب کے برخلاف ہیں۔ خاص کر کے آخری خطبہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ سالہ زندگی پر مشتمل ہے۔ جاہلی عرب کے حالات کے فوراً بعد آنا چاہیے تھا۔ دوسرے سیرت نگاروں کے ہاں بھی اس طرح کی منطقی ترتیب کا فقدان ہے۔

دراصل یہ بارہ غیر منظم اور غیر مربوط مقالات ہیں جو اپنی اپنی جگہ وقیع ہونے کے باوجود زمانی ترتیب نہ ہونے کے سبب کسی ایک خاص موضوع کے ابواب نہیں بن سکے۔ اس لیے ذہن میں یہ سوال بار بار آتا ہے کہ سرسید جتنا عرصہ بھی لندن میں رہے۔ اس عرصہ میں خطباتِ احمدیہ کے ابتدائی خطبات کو ترک کر کے صرف ولیم میور کے چاروں جلدوں میں جو اہم اعتراضات تھے اُن کا جواب دے دیتے تو مناسب تھا۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ سرمایہ کی کمی ہے اور پھر وقت بھی اتنا محدود ہے کہ اعتراضات کے ساتھ ساتھ دوسرے اُمورِ اسلامی کی طرف اشارہ کرنا ممکن نہیں۔ لیکن بعض مداحینِ سرسید نے مبالغہ آرائی اختیار کرتے ہوئے لکھا کہ سرسید نے ولیم میور اور دوسرے مستشرقین کے تمام اعتراضات کا مکمل جواب لکھ دیا، جو اس تجزیے کی روشنی میں صحیح نہیں معلوم ہوتا مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ سرسید نے چند اہم اعتراضات والزامات کا تحقیق کی روشنی

میں ٹھوس دلائل کے ساتھ جواب دیا ہے۔ جسمیں مناظرانہ انداز کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ ان مباحث سے توریت انجیل اور خود اسلامی علوم پر سرسید کی نظر کی گہرائی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے مباحث میں جہاں مجتہدانہ شان ہے وہاں عالمانہ بصیرت بھی ہے۔ اگرچہ کے کئی ایک جگہ سرسید کے مباحث سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ جس کا اندازہ خود اُن کے بعض رفقاء کو بھی تھا۔ مولانا حالی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"جس وقت سرسید نے خطبات احمدیہ لکھی ہے اُس وقت تک مذہبی تحقیقات کے متعلق اُن میں آزادی پیدا نہیں ہوئی تھی جیسی تفسیر القرآن میں دیکھی جاتی ہے اس لیے خطباتِ احمدیہ میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جس کو اسلام کے اصول اور اسلام متعارفہ کے خلاف سمجھا جائے، البتہ دو ایک جگہ کسی قدر اُنہوں نے جمہور کے خلاف لکھا ہے۔ جیسا کہ علمائے محققین نے صد مسائل میں جمہور سے اختلاف کیا ہے، مثلاً معراج کے مضمون کو جیسا کہ بعض صحابہ کا مذہب ہے رویا پر محمول کیا ہے اور شقِ صدر اور براق کی سواری کو اسی رویا میں داخل کیا ہے یا اور ایک آدھ بات اسی قبیل کی جمہور کے خلاف بیان کی ہے" [1]

علمائے کے علاوہ بعض موقعوں پر سرسید نے صحاح ستہ کی روایتوں سے بھی اختلاف کیا ہے، اس سلسلے میں سرسید صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ ان روایات کو عقل تسلیم نہیں کرتی یا یہ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اس سے یہی مطلب اخذ ہوتا ہے

---

[1] الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، صفحہ 463 ترقی اردو بیورو، دہلی - ۱۹۰۴

کہ جو بات اُن کی تحقیق سے میل نہیں کھاتی اُس بات کو یا اُس واقعہ کو سِرے سے انکار کر دیتے ہیں۔ چاہے وہ واقعہ یا حدیث امام مسلمؒ کی ہو یا امام بخاریؒ کی۔ مجموعی طور سے سر سید کی سیرت نگاری نے اپنی بعض قابلِ گرفت کمزوریوں کے باوجود اپنے معاصرین اور جانشینوں، خاص کر سیرت نگاروں کو ایک نیا اور معقول علمی اسلوب بھی دیا نیز اُن کے سامنے تحقیق کے عمدہ اصولات بھی پیش کیے اور سیرت نگاری کے میدان میں ان کی رہنمائی بھی کی۔

**خطبات کی اشاعت :-** سر سید نے ان خطبات کا مسودہ تیار کر لیا تو 1870ء میں ان بارہ مقالوں کو مع چارٹ، نقشوں اور تصاویر بہ زبان انگریزی۔ Essays on the Life of Mohammed کے نام سے شائع کیا۔ اس کی طباعت و اشاعت کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میری کتاب 'خطباتِ احمدیہ' ایک مسلمان متبحر نے پڑھی جو قسطنطنیہ سے یہاں آیا ہے جو الفاظ کہ اس نے کہے اور مجھے لکھے اور جس طرح میرے ہاتھ چومے اس کی لذت میں جانتا ہوں..... کتاب جلد بندی سے تیار ہو گئی اور کتب فروش کی دوکان میں، فروخت کو رکھی گئی۔" [1]

اس کتاب کی اشاعت کے بعد سر سید ہندوستان چلے آئے اور انتظار کیا کہ اس شائع شدہ تصنیف کا انگلستان اور ہندوستان کے علمی حلقوں میں کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ انہوں نے دوسری جلد شائع کرنے کا بھی وعدہ کیا مگر اس کی نوبت نہ آئی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان خطبات کی تالیف کے بعد اپنی شورش و بے چینی پر قابو پا چکے تھے، جو اس کتاب کے لکھنے کے قبل تھی، اور اپنے کام سے اس قدر

---

[1] سید احمد خاں / مرتب مولوی وحید الدین سلیم۔ سید احمد خاں کے خطوط، صفحہ 64,65

مطمئن ہو گئے تھے کہ مزید پچیس سالہ زندگی پانے کے باوجود نہ صرف جامع و مستند کتاب سیرت کی تالیف سے دستبردار ہو گئے، بلکہ ولیم میور کی بقیہ کتاب کے غلط تعبیرات اور الزامات کا جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ اگرچہ کہ وہ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں کافی چست اور چاق و چوبند تھے۔ انگریزی کتاب کے شائع ہونے کے سترہ (17) سال بعد یعنی 1887ء میں اردو مسودے کو شائع کیا۔ لندن میں انہوں نے اس کا نام "مواعظ احمدیہ" تجویز کیا تھا، مگر جب کتاب منظرِ عام پر آئی تو یہ......
"الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ" سے موسوم تھی۔ وہ اس کی اشاعت کے متعلق اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "الحمدللہ کہ کتاب خطبات اُردو زبان میں مرتب ہو کر چھپ گئی۔ انگریزی پڑھنے والے جب اس اُردو کتاب کو انگریزی سے جو 1870ء میں چھپی ہے مقابلہ کر کے پڑھیں تو علاوہ اس اختلاف کے جو انگریزی زبان کی طرز تحریر اور اُردو زبان کی طرز تحریر میں ہے۔ اس اُردو زبان کی کتاب کو زیادہ تر وسیع پاویں گے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ انگریزی کتاب درحقیقت بطور خلاصہ ان مضامین کے جن کی یادداشت اوّل اردو زبان میں لکھی گئی تھی۔ بہ نظر تسہیل ترجمہ انگریزی مرتب کی گئی تھی۔ اور اس اُردو کو ہم نے اُردو یادداشتوں سے مرتب کیا ہے اور اس میں مضامین کو اسی وسعت سے کہ یادداشتوں میں تھے۔" [1]

سرسید کے اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی کتاب اردو مسودے کا ترجمہ ہے۔ اس لئے اُس میں وہ بات پیدا نہیں ہو سکتی جو اُردو میں ہے۔ جسکا

---

[1] سید احمد خاں، تصانیف احمدیہ حصہ اوّل جلد دوم صفحہ 239 مطبع علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ پریس سنہ 1887

اعتراف انہوں نے مندرجہ بالا اقتباس میں کیا ہے اور یہ صحیح بھی ہے، عام طور پر ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ شدہ تحریرات کا فرق ایسا ہی ہوتا ہے جیسا اصل و نقل کا۔ اسی لیے سرسید نے انگریزی کتاب کو خلاصہ کہا ہے۔

## خطبات کی طرز نگارش اور ان کی خصوصیات :-

فن سیرت نگاری کے نقطۂ نظر سے خطبات احمدیہ معذرت خواہانہ طریقِ نگارش کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دراصل ان کا فوری محرک اور مقصود ہی ان کی فطرت و ماہیئت کو متعین کرنے کا حاصل بنا ہے چونکہ وہ ولیم میور کے ان الزامات واتہام کا جواب دینا چاہتے تھے۔ اس لیے عذر خواہانہ طریق تالیف لازمی تھا۔ اگر سرسید اس طرز نگارش سے بچنا بھی چاہتے تو بچ نہیں سکتے تھے۔ اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ وہ سیرت پر اپنی جامع، مستند اور صحیح کتاب لکھنے کا اوّلین ارادہ پورا کرتے اور اس میں متعلقہ مقامات پر ولیم میور اور دوسرے مولفین و مصنفین کی غلط بیانیوں، بے بنیاد تعبیروں اور متعصبانہ نتیجوں کی تردید بھی کرتے رہتے، لیکن وہ ایک مشکل اور وقت طلب کام تھا جس کی اجازت ان کے دل کی سوزش، روح کی بے چینی اور ذہنی کشمکش نہیں دے سکے۔

بہرحال امکانات و موانع کچھ بھی رہے ہوں حقیقت یہ ہے کہ موجودہ خطبات احمدیہ زیادہ تر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پس منظر سے بحث کرتے ہیں اور وہ بھی معذرت خواہانہ انداز سے۔ مواد کی تدوین اور روایات کی تنقیح کے سلسلے میں سرسید کا سیرت نگاری کے باب میں ایک اہم امتیاز یہ رہا ہے کہ اُنہوں نے نہ صرف معروف کتب سیرت سے استفادہ کیا، بلکہ قرآن مجید، احادیث اور کتب علوم اسلامیہ سے بھی بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ ان کا یہ امتیاز نہ صرف واقعات سیرت اور اطراف سیرت کے مثبت بیانیہ میں پایا جاتا ہے بلکہ مستشرقین کے بیانات کی تنقید و تردید کے منفی یا عذر خواہانہ اسلوب میں بھی پوری طرح موجود ہے

خطبات کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ سرسید نے دوسرے سیرت نگاروں کے مقابلہ میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ علمی اور تنقیدی سطح پر دوسری آسمانی کتابوں خاص کر توریت وانجیل کی آیاتِ سے بھی بہت عمدہ کام لیا۔ جہاں یہ طریقۂ کار ولیم میور کے خلاف الزامی جوابات میں کام آیا اور بہت ہی کارگر اور موثر ثابت ہوا۔ اس کے ساتھ خاص سیرت نگاری کے مثبت نگارشات میں بھی انہوں نے ان مآخذ غیر اسلامی سے خوب کام لیا ہے۔

سرسید کی غیر معتدل عقلیت پسندی پر خواہ کتنی ہی تنقید کی جائے، خطباتِ احمدیہ کے حوالے سے کم از کم ان کا سیرت نگاری میں مجتہدانہ اور مورخانہ امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو خرافاتی روایات اور افسانوی حکایات کے جالے سے صاف کر کے عقل و دانش کے مطابق قابلِ تقلید بنایا۔ سرسید کا یہ عظیم کارنامہ ہے انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نبی و بشر کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام کا پورا لحاظ کر کے پیش کیا اور مسلمانوں کے لیے صحیح اسوۂ حسنہ بنایا سرسید کی سیرت نگاری کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ اس نے اردو میں کم از کم معقول اور معتبر سیرت نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ اگرچہ انہوں نے کوئی جامع سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سپردِ قلم نہیں کی تھی۔

خطبات کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ولیم میور اور اس کے حوالے سے دوسرے مستشرقین اور مخالفینِ اسلام کے الزامات پر مبنی نگارشات کی قلعی کھول دی اور جس اصول پر ولیم میور نے اپنے تمام اعتراضات کی بنیاد قائم کی ہے، خطبات میں اس کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور بہت سے نوجوان مسلمان (جو انگریزی تعلیم سے متاثر تھے) کو گمراہ ہونے سے بچا لیا۔ اس لیے کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان مستشرقین کی تصانیف سے جو بظاہر خطبات احمدیہ کا ایک

اہم لسانی امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اُردو زبان میں اعلیٰ علمی اور تحقیقی نگارش کا عمومی طریقہ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ سیرت نگاری کے باب میں بھی تحقیقی اور معقول و مدلّل انداز بیان اور اسلوب پیدا کیا۔ مسلمانوں کی نئی نسل کے افراد جو انگریزی تعلیم اور میور کی علمی وقعت اور تحقیقی منزلت سے متاثر ہو کر نہ صرف مرعوب ہو رہے تھے بلکہ اپنے دین و ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اسلامی تاریخ کے بارے میں احساس کمتری کا بھی شکار ہو رہے تھے۔ سرسید نے ان نوجوانوں کو نہ صرف احساسِ کمتری کے دام سے باہر نکالا بلکہ اُن کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ طیبہ اور تاریخ اسلام پر افتخار و انبساط کا احساس بھی دِلایا۔ سرسید کی اس خدمت کی کتنی بھی ستائش کی جائے کم ہے مگر اس سے اہم بات یہ ہے کہ اُنہوں نے یورپی مؤلفین و مصنّفین کی علمی برتری کا رعب و داب ختم کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی۔

بہرکیف سرسید نے "خطبات احمدیہ" میں جس حکیمانہ انداز سے اسلام کی ترجمانی کی ہے۔ اس کی بنا پر دورِ جدید میں ان کو علم کلام کا بانی کہنا سزاوار ہے۔

# مولانا محمد عنایت احمد

اپنے وقت کے جید علماء میں مولانا محمد عنایت احمد کا شمار ہوتا ہے، انہوں نے سیرتِ نبوی صلعم پر ۱۲۷۵ھ میں حکیم محمد امید خان کی خواہش پر "تواریخ حبیب الٰہ" تالیف کی، جس کو ماہِ شوال المکرّم ۱۳۳۵ھ مطابق ماہِ اگست 1917ء کو مطبع مجیدی کانپور نے شائع کیا۔ بڑی تقطیع کے ۲۰۰ صفحات پر پھیلی یہ سیرت تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مصنف نے تواریخ حبیب الٰہ، انڈومان میں اپنے حافظ کی مدد سے لکھی تھی، جیل سے رہائی کے بعد کتب حدیث و سیر معتبرہ سے اسے مستند رسالہ بنا دیا، فرماتے ہیں۔

"یہ رسالہ فقیر نے بغیر موجود ہونے کسی کتاب کے صرف از روئے حافظ لکھا تھا پھر بفضلہ تعالیٰ بعد معاودت کے وطن میں کتب حدیث و سیر معتبرہ سے حرف بہ حرف مطابق کیا، الحمد اللہ یہ رسالہ بہت معتبر سیر آں حضرت صلعم میں تالیف ہوا۔ زبانِ اردو میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے" [1]

سببِ تالیف کے بیان کے بعد سیرتِ ھذا کی ابتداء بابِ اوّل سے ہوتی ہے، اس میں مصنف نے چھ فصلیں قائم کی ہیں۔ فصلِ اوّل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مبارکہ کا ذکر کیا گیا ہے، احادیث کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے آپ صلعم کے نور کو پیدا فرمایا، اگرچہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سب سے آخر میں ہوئی۔ یہ نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں چمکا پھر آدم علیہ السلام سے انکے جانشینوں

[1] محمد عنایت احمد "تواریخ حبیب الٰہ" ص ۱۹۹ مطبع مجیدی، کانپور ۱۳۳۵ھ

میں منتقل ہوتے ہوئے حضرت عبداللہ تک پہونچا۔ اسی باب میں مصنف نے واقعۂ اصحاب فیل، حضرت عبدالمطلب کی عظمت و سربراہی، چاہِ زمزم کی از سرِ نو کھدائی، آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کا حمل میں رہنا۔ اور حضرت عبداللہؓ کی وفات کا مختصر ذکر کیا ہے، دوسری فصل میں آپ صلعم کی ولادت باسعادت کا بیان ہوا ہے، اس میں مصنف نے ان معجزات کا ذکر کیا ہے، جو آپ صلعم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے اور بعد میں رونما ہوئے تھے، مثلاً ولادت کے وقت ستارے آسمان سے لٹک رہے تھے اور حرم سے بہت قریب تھے، سارے بت سرنگوں ہوگئے تھے۔ فارس کا آتش کدہ بجھ گیا تھا۔ نوشیروان کا ایوان لرز گیا تھا، اسکے چودہ کنگرے گر پڑے تھے وغیرہ۔ مصنف کے انداز بیان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ واقعات کو بیان کرکے لطیف نکات نکالتے ہیں، مثلاً یہ نکات ملاحظہ کیجیے، لکھتے ہیں:

"ستاروں کے متصل ہونے میں زمین سے اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ سب انوار زمین کی طرف بہ سبب آپ صلعم کی ولادت کے متوجہ ہوئے اور زمین روشنی سے مالا مال ہوگئی۔ اور بتوں کا سرنگوں ہونا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بہ سبب اس مولودِ مسعود کے بت پرستی موقوف ہوجائیگی" [۱]

تیسری فصل آپ صلعم کے ایّام رضاعت اور دیگر بچپن کے حالات کا احاطہ کرتی ہے، اور اسی باب میں شق صدر، وفات حضرت آمنہؓ و حضرت عبدالمطلب، کفالت ابو طالب اور بحیرا راہب کی پیشین گوئی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چوتھی فصل میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے عالمِ شباب کے بعض واقعات تا نبوت بیان ہوئے ہیں۔

مثلاً حضرت خدیجہؓ کے مال کی تجارت، نکاح، کعبہ کی از سرِ نو تعمیر اور

---

۱۔ محمد عنایت احمد "تواریخ حبیب الٰہ" ص 7 مطبع مجیدی کانپور ۱۳۲۹ھ

حجر اسود کا تنازعہ وغیرہ۔ پانچویں فصل میں نبوت کے آغاز سے لیکر معراج تک کے تمام واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے، اس میں وحی الٰہی کا نزول، آپ صلعم کی بے قراری، ورقہ کی تصدیق نبوت، حضرت ابوبکرؓ، حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، حضرت بلالؓ، حضرت زید بن حارثؓ وغیرہ کا ایمان لانا وغیرہ کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے، نیز اسلام کی خفیہ تبلیغ اور اہلِ قریش کے ظلموں کا محاسبہ کیا گیا ہے۔ اسی میں حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام، شعب ابوطالب کا محاصرہ حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی رحلت، طائف کا سفر اور ہجرتِ حبشہ کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ چھٹی فصل صرف معراج کے بیان میں صرف ہوئی ہے۔ اس میں مصنف نے معراج کے پورے واقعے کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور آخر میں اس واقعہ کو اہلِ قریش کی جانب سے جھٹلائے جانے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے تصدیق کرنے پر اختتام کیا ہے۔

باب دوم: ہجرتِ مدینہ سے لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ مبارک تک کے حالات کا جائزہ لیا گیا ہے، یہ باب قدرے طویل ہے۔ اس میں مولانا موصوف نے تیس فصول قائم کئے ہیں۔ پہلی فصل میں ان امور کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ہجرت کے کچھ پہلے واقع ہوئے اور ہجرت کا سبب بنے۔ مثلاً دارالندوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ وغیرہ، اسکے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ آپ صلعم کے ہجرت کا واقعہ تفصیلی بیان ہوا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی عقیدت محبت وجاں نثاری کی وضاحت بھی کی گئی ہے اور راہ کی دشواریوں کا احاطہ بھی کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں آپ صلعم کی مدینے میں آمد اور بعد کے اہم واقعات کو جو غزوہ بدر سے پہلے تک پیش آئے، بیان ہوئے ہیں۔ تیسری فصل غزوہ بدر کیلئے مخصوص کی گئی ہے۔ اس میں جہاد کی فضیلت اور حکمِ الٰہی کی وضاحت کرکے جنگ سے پہلے اور بعد کے

امور اور غزوۂ بدر کے مکمل حالات بیان ہوئے ہیں۔ چوتھی فصل مختصر ہے، جس میں شہزادی اسلام، حضرت فاطمہ زہرہ رضہ کے نکاح کا بیان ہے اسی میں مختصراً حضرت علی رضہ اور حضرت حسین رضہ کا بھی تذکرہ ہے۔

پانچویں فصل غزوۂ احد کے بیان میں ہے اس میں مصنف نے پہلے اسباب جنگ بیان کئے ہیں۔ پھر جنگ کی تیاریوں، مقام جنگ، معرکے پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور شکست کے اسباب کا محاسبہ بھی کیا ہے۔ نیز اس جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضہ کی شجاعت کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کی شان میں جو آیتیں نازل ہوئی تھیں ان کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے۔ چھٹی فصل میں غزوۂ بدر ثانی۔ ساتویں فصل میں سریہ رجیع۔ آٹھویں میں قصہ بیر معونہ، نویں میں غزوۂ بنی نضیر، دسویں میں غزوۂ خندق اور گیارھویں میں غزوۂ بنی قریظہ کے اہم واقعات بیان ہوئے ہیں، مذکورہ غزوات و سرایے میں غزوۂ خندق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

بارھویں اور تیرھویں فصل میں کعب بن اشرف اور ابو رافع جو آپ صلعم کے جانی دشمن تھے کے قتل کا بیان ہے، چودھویں فصل قصہ افک کا احاطہ کرتی ہے، جس میں اس تہمت کا ذکر کیا ہے جو منافقین نے حضرت عائشہ رضہ پر لگائی تھی۔ اور اللہ کے کلام نے حضرت عائشہ رضہ کی پاکبازی کی تصدیق کر دی، اسی وقت آیت تیمم بھی نازل ہوئی تھی، مصنف نے اسے پندرھویں فصل میں بیان کیا ہے

سولھویں فصل میں واقعہ صلح حدیبیہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اسمیں صلح حدیبیہ کے شرائط پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس مقام پر جو معجزات آپ صلعم سے ظاہر ہوئے ان کو پیش کیا گیا ہے، سترھویں اور اٹھارویں فصل غزوۂ خیبر اور عمرۃ القضاء کیلئے مختص کی گئی ہے۔ اسمیں غزوۂ خیبر پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، انیسویں فصل میں حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن طلحہ

کے کارنامے بیان ہوئے ہیں۔ نیز ان کی عظمتوں کو اُجاگر کیا گیا ہے

بیسویں فصل میں ان مکتوبات کا احاطہ کیا گیا ہے، جو آپ صلعم نے سلاطین اُمراء اور سرداران قریش کو لکھے تھے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دعوتِ اسلام دی تھی۔ مثلاً ہرقل، نجاشی، مقوقس اور سلطانِ کسریٰ وغیرہ

اکیسویں فصل سریہ، حضرت ابو عبیدہ، بائیسویں فصل میں، غزوۂ موتہ اور تیئیسویں فصل میں غزوۂ فتح مکہ کا احاطہ کیا گیا ہے، فتح مکہ کے باب میں قدرے تفصیل سے بحث کی ہے، اس میں شہدا اور قتل کئے جانے والوں کے نام گنوائے گئے ہیں۔ نیز اس موقع پر آپ صلعم سے جو معجزات ظہور میں آئے تھے ان کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ نیز آپ صلعم کی عنایتوں اور عام معافی کے واقعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

جو بیسویں فصل میں غزوۂ حُنین کا بیان ہے تو پچیسویں فصل میں وفود کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ صلعم نے دوسرے قبائل کے یہاں بھیجے تھے، چھبیسویں فصل میں اسلام کی بڑی اور آخری جنگ تبوک کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

بعد ازاں فرضیتِ حج اور قبیلہ بنی نجران کا آپ صلعم کی خدمت میں حاضر ہونا اور مباحثہ کرنا وغیرہ واقعات زیرِ بحث آئے ہیں۔ جسے موصوف نے ستائیسویں اور اٹھائیسویں فصل میں رکھا ہے۔

اُنتیسویں فصل میں حجۃ الوداع پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں آپ صلعم کے حج ادا کرنے کا مفصل بیان ہے۔ نیز خطبہ حجۃ الوداع کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلعم نے قلیل مدت میں اسلام کو مکہ کی گلیوں سے سارے عالم میں پھیلا دیا، اور اس تیئس سال کی مدت میں ایک لاکھ سے زائد انسانوں نے اسلام قبول کیا، وہ سارے صحابۂ کرامؓ حجۃ الوداع میں شریک تھے، اسی طرح آپ صلعم نے دین کو اللہ کے حکم سے مکمل کر دیا۔

تیسویں فصل میں آپ صلعم کے وصالِ مبارک کا بیان ہوا ہے، اس میں آپ صلعم کے وصال کے قریب کے بعض واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً آپ صلعم کا مرض میں مبتلا ہونا، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو امام مقرر کرنا، آخری ایام میں دوات و قلم کا منگوانا نصیحت کرنا اور مسواک طلب کرنا وغیرہ مصنف نے لکھا ہے کہ یہ باتیں اشارہ کر رہی تھیں کہ آپ صلعم دنیا سے پردہ کرنے والے ہیں۔ مولانا موصوف نے آپ صلعم کے وصال کے متعلق حضرت عمر رضؓ کا جو موقف تھا، اس کا اظہار بھی کیا ہے جو آپؐ کی عقیدت و محبت پر دلالت کرتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

" حضرت عائشہ رضؓ فخر یہ کہا کرتی تھیں، آپ صلعم کی وفات سے گویا قیامت قائم ہوئی، اصحابؓ و اہلِ بیت پر ایسا رنج ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ حضرت عثمان رضؓ کو سکوت لاحق ہوا۔ حضرت عمر رضؓ بے ہوش جاتے رہے عقل کٹ گئی۔۔۔۔۔ وہ کہنے لگے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی، جو کہے گا کہ آپ صلعم کی وفات ہوئی، میں اسے قتل کروں گا۔"[1]

اسکے بعد حضرت ابوبکر رضؓ کے حوالے سے وصالِ نبیؐ کا خلاصہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ رضؓ کی تقریر نے یہ واضح کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمالیا ہے۔ پھر تجہیز و تکفین کے واقعات بیان کر کے مصنف نے باب دوم کا اختتام کیا ہے۔

باب سوم میں حلیہ مبارک، اخلاقِ حمیدہ اور معجزات کا احاطہ کیا گیا ہے پہلی فصل میں حلیہ شریف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس میں آپؐ کے نورِ مبارک، رنگ مبارک، سر مبارک، موئے مبارک، پیشانی مبارک، ابروئے مبارک، چشم مبارک، مژگانِ مبارک، رخسارِ مبارک، کفِ مبارک، دستِ مبارک، سینہ

---

[1] محمد عنایت اللہ "تواریخ حبیب الہ" ص 167 مطبع مجیدی کانپور ۱۳۳۵ھ

مبارک ، پشتِ مبارک ، انگشتِ مبارک ، چہرۂ مبارک ، ریشِ مبارک ، گردنِ مبارک دوشِ مبارک ، قدِ مبارک ، سینۂ مبارک ، دہنِ مبارک ، دندانِ مبارک اور مہرِ نبوت پر روشنی ڈالی ہے۔ یعنی مصنف نے آپ صلعم کے جسم کے ہر عضو کا ذکر کیا ہے، حلیہ مبارک سے متعلق جتنی معلومات مصنف نے دی ہیں سیرت کی بیشتر کتابیں اس سے عاری ہیں -

دوسری فصل اخلاقِ حمیدہ کے بیان میں ہے، اسکی ابتداء "انک لعلی خلقٍ عظیم" سے کی ہے اور اس تعلق سے حضرت عائشہؓ کا قول "کانَ خُلقہٗ القرآن" بھی نقل کیا ہے جس کا خلاصہ مصنف ہی کی زبان سے ملاحظہ ہو :

" وضع آپ کی باوقار تھی جو ایک بارگی آپؐ کو دیکھتا ہیبت کھاتا مگر جب شرفِ حضور سے مشرف ہوتا اور بات چیت کرتا تو آپؐ کی محبت اسکے دل میں آجاتی، ملاقات میں تقدیم سلام کی فرماتے، منتظر اس بات کے نہ رہتے کہ وہ شخص سلام کرے - ہر ایک سے بہ کشادہ پیشانی و خنداں روی ملتے، کبھی زبان پر فحش یا کلام درشت جاری نہ ہوتا جو کوئی آپؐ کو پکارتا آپؐ فرماتے لبیک یعنی حاضر ہوں۔ اصحابؓ میں کبھی پاؤں نہ پھیلاتے"۔

اس طرح کی بے شمار عادات و اطوار کو اس فصل میں بیان کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قاری کے دل میں ان عادات کو اپنانے کا ذوق پیدا ہو -

تیسری فصل میں معجزات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ کہ اس سے قبل بھی دو ابواب کے مشمولات کی وضاحت میں ان سے تعلق رکھنے والے معجزات کا مصنف نے ذکر کیا ہے اور ساٹھ معجزات کو پیش کیا ہے - موصوف معجزات کے باب میں دیگر معجزات کو بھی پیش کرنا چاہتے ہیں، اس باب میں مصنف نے پچاس معجزات تفصیل کیساتھ پیش کئے ہیں، جن میں معجزہ قرآن، درختوں اور جانوروں کا آپ صلعم کی بات پر عمل کرنا، آپ صلعم کی دعاؤں سے کھانے اور پانی میں برکت ہونا -

اور بیماروں کا شفا پانا وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔ مصنف نے معروف معجزہ شق القمر کا ذکر نہیں کیا ھے۔

اسکے بعد "شفاعت کبریٰ" کا عنوان قائم کرکے اس سیرت کا اختتام کیا ہے۔ اور اس میں احادیث کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر روشنی ڈالی ھے اور بتایا ہے کہ آپ صلعم کی شفاعت برحق ھے اور آخر میں ان تمام احباب کیلئے دعا کی ھے، جنھوں نے اس کتاب کی تالیف میں امداد فرمائی۔

خلاصۂ کلام یہ ھے کہ "تواریخ حبیب الہ" انیسویں صدی میں لکھی جانے والی ایک اہم تصنیف ہے، جس میں مصنف نے مستند روایات کو بیان کرنیکی کوشش کی ھے، مصنف کو اس بات کا احساس بھی ھے کہ اس دور میں جو سیرت کی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کی بنیاد مستند و صحیح روایات پر نہیں، اسی لئے انھوں نے اس کتاب کے لکھنے کا قصد کیا ہے، فرماتے ہیں:

"رسائل میلاد جو زبان اردو بیان حالات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو پائے جاتے ہیں اکثر حالات صحیحہ پر مشتمل نہیں ہیں، کتب تواریخ غیر معتبرہ کے موافق ہیں، بیان سے جابجا افسانے بے تحقیق اور غلط محض لکھ دیے ہیں رسالہ میلاد میں کہ فی الحال بنگالے میں بہت مروج ہے، تو بعد کا دودھ پلانا بعد حلیمہ سعدیہؓ لکھا ہے یا صلح حدیبیہ کے قصے کو اس طرح لکھا ہے کہ بعد فرضیت حج کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے گئے تھے۔ تب وہ واقعہ ہوا سو یہ باتیں یقیناً غلط ہیں ——" [1]

مولانا موصوف نے کوئی بھی واقعہ بغیر سند کے نہیں لکھا ہے، اس کتاب میں بیشتر حوالے صحیح بخاری سے دیے گئے ہیں۔ زبان اس زمانے کے لحاظ سے آسان، سلیس ہے، مصنف نے زبان کی تمام لسانی خصوصیات کا خیال رکھا ہے۔

---

1- محمد عنایت احمد "تواریخ حبیب الہ" ص ۱۹۹ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۳۵ھ

املا: قدیم زبان کی خصوصیت یہ ہے کہ اعلانِ نون دونوں جگہ استعمال ہوتی ہے۔ یعنی جہاں ضرورت ہے وہاں بھی اور جہاں جسکی ضرورت نہیں ہے وہاں بھی

مثلاً میں (۱) میں (۲) ہیں ۔ ہیں (۳) یہاں ۔ یہاں

اس طرح دوچشمی والی ھ ہر جگہ استعمال ہوتی ہے ۔ مثلاً ۔

جگہ ۔ جگھ (۲) منہ ۔ منھ

جمع بنانے کا طریقہ ۔ قدیم اردو میں جمع بنانے کا طریقہ یہ تھا کہ کسی واحد لفظ کے ساتھ + الف نون بڑھا دیتے جیسے عورت سے عورتاں یا عورتوں

مردوں سے مرداں وغیرہ

مصنف کی زبان کی ایک خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اس دور میں بھی تذکیرو تانیث کا صحیح استعمال کیا ہے، لیکن اندازِ بیان وہی قدیم ہے، انکی تحریروں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ کسی بھی فصل میں انھوں نے پیرا کا استعمال نہیں کیا ہے، یعنی جب بات شروع ہوتی ہے تو بغیر پیرگراف کے ختم ہوجاتی ہے، وہ صفحے کے صفحے لکھتے جاتے ہیں جہاں جملہ یا بات ختم ہوتی ہے وہاں نقطہ اختتام بھی استعمال نہیں کرتے ۔

اسی طرح کی بہت سی لسانی خصوصیات سے یہ کتاب بھری ہوئی ہے، جو دکنی زبان کی لسانی خصوصیات کی یاد دلاتی ہے ۔

بہر حال قدیم سیرت کی کتابوں میں یہ ایک اہم کتاب ہے یہی وجہ ہے کہ انکے بعد آنیوالے سیرت نگاروں نے اس کتاب کے حوالے اپنی سیرت کی کتابوں میں دیے ہیں

---

۱ محمد عنایت احمد "تواریخ حبیب الہ" ص ۱۹۹ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۳۵ھ

# قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری

بیسویں صدی سے قبل کے سیرت نگاروں میں معدودے چند جو نام ملتے ہیں اُن میں علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری کا نام انتہائی معروف اور اہمیت کا حامل ہے، اسلئے کہ اُن کی شخصیت مختلف جہات رکھتی ہے، وہ ایک عظیم عالم بھی تھے اور مؤرخ زمانہ و محقق یگانہ بھی، اس پیکر فضل و کمال نے یوں تو متعدد دینی موضوعات پر علم و دانش کے موتی لٹائے ہیں، لیکن ان کا اصل موضوع سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس سلسلے کی ایک اہم اور مشہور زمانہ سیرت نبویؐ بنام "رحمۃ للعالمین" شائع ہو کر مسلم و غیر مسلم اصحاب میں مشہور ہو چکی ہے جس پر تفصیلی گفتگو چھٹے باب میں ہوگی، سر دست قاضی محمد سلیمان منصورپوری کا سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے پہلا رسالہ "مہر نبوت" پر اظہار خیال کرنا مقصود ہے۔ یہ مختصر رسالہ جو چھوٹی تقطیع کے چھیالیس 46 صفحات پر مشتمل ہے پہلی مرتبہ قاضی سلیمان منصورپوری نے 1999 میں شائع فرمایا۔ تقریباً ابتدائی بیس سالوں میں اسکے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ سر دست پیش نظر جو نسخہ ہے اس کو فردوس پبلی کیشنز دہلی نے شائع کیا ہے، جسکی اشاعت سوم اپریل 1984 میں ہوئی تھی۔

"مہر نبوت" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کا مختصر اور مستند مرقع ہے، جس میں مولف نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری کی دوسری تصنیف "رحمۃ للعالمین" کے مقابلہ میں ۔

"مہرِ نبوت" کی ضخامت کو دیکھتے ہیں تو یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ موصوف نے اس رسالے میں دریا کو کوزے میں بند کرنے کی سعی کی ہے اور یہ رسالہ عام پڑھے لکھوں کے لیے لکھا گیا ہے، فرماتے ہیں۔

"یہ مختصر رسالہ سیدنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن و فضائل اسی قدر دکھلا سکتا ہے، جس قدر آفتاب کی روشنی کو ذرہ، لیکن میں نے دیکھا کہ لوگ مستند فاضلوں کی بڑی بڑی کتابوں کو نہیں پڑھتے اور ناواقفیت کی وجہ سے تاریکی میں پڑے رہتے ہیں ۔۔۔" ۱؎

کتاب کے آغاز میں ناشر کا پیش لفظ لکھا ہوا ہے، جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ "یہ کتاب ۲۳ سالہ دورِ نبوت کا لبِ لباب ہونے کی وجہ سے اس لائق ہے کہ اسے دینی مدارس کے ابتدائی درجوں کے نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ ابتداء ہی سے بچوں کے اذہان پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق کا نقش بیٹھ جائے اور اخلاق و کردار کی تعمیر میں معاون بن سکے" ۲؎

اس کے بعد "تعارف، مصنف، مہرِ نبوت" کے عنوان کے تحت علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا تعارف کروایا گیا ہے۔ اصل کتابچے کا آغاز "سیرتِ محمدیہ" کے عنوان سے ہوتا ہے، اس میں مصنف نے آپ صلعم کی ابتدائی زندگی سے متعلق ایک ہی صفحہ میں کافی معلومات فراہم کی ہیں۔ مثلاً آپ کا اسم مبارک، آباؤ اجداد کے اسمائے گرامی، آپ کی پیدائش کی تاریخ اور دن، حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کی رحلت، چچا کے ہمراہ شام کا سفر، آپ صلعم کا حضرت خدیجہؓ سے نکاح وغیرہ، اس کے بعد نبوت کا اعلان، اوّل اوّل اسلام قبول کرنے والوں کا تذکرہ، ہجرتِ حبشہ اور اس کے بعد مسلمان ہونے والے حضرت

---

۱؎ محمد سلیمان منصور پوری "رحمۃ للعالمین" ص ۱۰۴ فردوس پبلی کیشنز دہلی 1984

۲؎ " " " ایضاً " " "

حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا ذکر، نیز شعب ابی طالب میں محصوری، آپ صلعم پر ہوئے ظلم وستم کا مختصر حال۔ آپ صلعم کو معراج کس عمر میں ہوئی اور پانچ نمازیں فرض ہونے کا بیان آیا ہے۔ مکی زندگی کا اختتام کرنے سے پہلے موصوف نے ہجرت کی وجوہات بتائی ہیں۔ اس طرح مختصر طور پر مکی زندگی کا احاطہ کیا ہے۔

مکی زندگی اور مدنی زندگی کے درمیان کی کڑی " ہجرت مدینہ" ہے۔ جب کفار قریش کا ظلم وستم بڑھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسکی طرف صرف قاضی صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

اسکے بعد مدنی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، جس میں موصوف نے سن ہجری کے لحاظ سے سیرت اور اسلام کے اہم واقعات کو پیش کیا ہے۔ جیسے ایک ہجری میں مدینہ منورہ میں آپ صلعم نے مسجد بنائی۔ ظہر، عصر اور عشاء کی نمازیں دو رکعت سے چار رکعت مقرر ہوئیں۔ دو ہجری میں اذان دینی شروع ہوئی۔ اسی سال قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ ہو گیا اور رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ تین ہجری میں زکوٰۃ فرض ہوئی۔ چار ہجری میں شراب پینا حرام قرار دیا گیا، پانچ ہجری کو عورتوں کو پردے کا حکم ہوا۔ چھ ہجری کو آپ صلعم کعبے کی زیارت کیلئے مکہ آئے۔ قریش نے آپ صلعم کو راستے میں روک دیا، یہاں قریش کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا۔ اور اس معاہدے کی رو سے جو شرائط طے ہوئیں ان کی بھی تفصیل مصنف نے بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ چھ ہجری ہی میں آپ صلعم نے اسوقت کے مشہور بادشاہوں کے پاس جو سفیر بھیجے، اسکی بھی تفصیل بیان کی ہے، اس میں آٹھ بادشاہوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کو اسلام کی دعوت دی گئی۔

اس سلسلے میں شہنشاہ قیصر اور ابو سفیان کے درمیان جو مکالمہ ہوا، اسکی تاریخ اسلامی میں کافی اہمیت ہے۔ اسکو من و عن بیان کیا ہے۔ سات اور آٹھ ہجری میں بادشاہوں کے علاوہ نامی گرامی رؤسا اور بڑے بڑے قبیلے کے لوگ مسلمان ہوئے تھے، ان کے نام بھی مصنف نے گنوائے ہیں، نو ہجری کو حج فرض ہوا۔ حضرت ابوبکر کی قیادت میں کئی سو مسلمانوں نے حج کے فرائض ادا کئے

غزوات کا عنوان قائم کر کے مصنف نے دو ہجری سے نو ہجری تک کے سات اہم غزوات کے صرف نام بتلائے ہیں، اس کے بعد دس اور گیارہ ہجری کے دو واقعات بیان کئے ہیں، دس ہجری کو آپ صلعم نے ایک لاکھ چوالیس ہزار مسلمانوں کیساتھ حج ادا کیا، اور گیارہ ہجری کو آپ صلعم نے فرائض رسالت ادا فرما کر اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعے پر جو تاریخی خطبہ دیا تھا، مصنف نے اس کے اہم نکات پیش کئے ہیں۔ "کنبہ کے حالات" کے عنوان کے تحت آپ صلعم کے چچا، غلام، لونڈیاں، بیٹے اور بیٹیاں اور ان کے نام بتلائے ہیں۔

"خلق محمدی" کے زیر عنوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف کریمہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، آپ صلعم کی نیکی، پاکیزگی اور تقویٰ کے علاوہ صبر و حلم، ادب و تواضع، جود و سخاوت، شرم و حیا، مہربانی و محبت، صلہ رحم عدل و اعتدال، صدق و امانت، عفت و عصمت، زہد، عبادت، عام برتاؤ اور عفو و رحم وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے اور ہر عنوان کے تحت آپ صلعم کی زندگی سے مثالیں دی گئی ہیں۔ "تعلیمات مصطفویہ" کی تفصیل بھی بیان ہوئی ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جو تعلیم دی ہے، اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں تہذیب نفس، ماں باپ کی اطاعت، رشتہ داروں سے برتاؤ، علم کی بزرگی اور لونڈی، غلام اور خادم سے سلوک وغیرہ کا

احاطہ کرکے قاری کو ان باتوں پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں "دعا" کی اسلام میں کیا اہمیت ہے اور کس طرح دعائیں بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوتی ہیں اسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری نے اس رسالے میں نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا ہے، اس کتابچے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مختصر ہونے کیساتھ سیرت کے متعدد واقعات کو پیش کرتا ہے اور یہ اسلئے بھی ممکن ہوسکا مصنف نے بڑے سے بڑے واقعہ کو ایک یا دو جملوں میں بیان کیا ہے۔ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مصنف نے ٹیلی گرافک لانگویج Telegraphic language استعمال کی ہے۔ یا یوں کہیئے کہ سیرت سے متعلق صرف نکات Points پیش کئے ہیں۔ اسکے باوجود زبان شستہ سلیس اور عام فہم استعمال کی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، ملاحظہ کیجئے۔

"آں حضرت شاہدِ خلق ہیں۔ حکم ماننے والوں کو خوشخبری سناتے اور نافرمانوں کو ڈراتے ہیں۔ انجانوں کی پناہ، اللہ کے بندے اور رسول سب کام کو اللہ پر چھوڑ دینے والے، نہ عادت کے سخت اور نہ بول چال کرخت، پر چیخ کر نہیں بولتے بدی کا بدلہ ویسا ہی نہیں دیتے۔ ان کا کام قوم اور مذہب کی کجی پائے کو درست کر دینا ہے اور ایک خدا کی وحدانیت کو قائم کر دینا، ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں بہرہ کو کان دیتی ہے اور غافل دلوں سے پردہ اٹھا دیتی ہے، ہر ایک خوبی سے آراستہ، ہر ایک خلقِ کریم سے عطا یافتہ، سکینہ ان کا لباس ہے۔ نکوئی ان کا شعار ہے، ان کا ضمیر (پاک دل) تقویٰ ہے۔ ان کا کلام حکمت ہے۔ صدق و وفا ان کی طبیعت ہے۔ عفو و احسان ان کی عادت ہے۔ عدل ان کی سیرت ہے، سچائی ان کی شریعت ہے۔ اور ہدایت ان کی رہنما ہے۔ ملت ان کا اسلام ہے اور احمد ان کا نام ہے" ۱ے

---

محمد سلیمان سلمان منصورپوری "مہرِ نبوت" طبع سوم ص 24-23

## چھٹا باب

# بیسویں صدی کے سیرت نگارانِ رسولؐ

الف: جامع سیرتِ نبویؐ

(۱) منقوط

(۲) غیر منقوط

(۳) منظوم

ب : مختصر سیرتِ نبویؐ

ج : مضامین میں سیرت کی جھلکیاں

د : سیرت نبویؐ، نصابی کتب میں

# جامع سیرت نبوی ﷺ

# علامہ شبلی نعمانی

علامہ شبلی نعمانی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے بڑی عقیدت و محبت تھی ۔ یہی عقیدت و محبت کا نتیجہ تھا کہ اُنہوں نے اپنی تمام تر کم مائیگی اور بے بضاعتی کے باوجود "سیرت النبی" صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا ارادہ کیا ۔ اس لیے کہ ان کا خیال تھا کہ اردو زبان میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بھی مستند تصنیف نہیں ہے ۔ جبکہ انگریزی اور یورپ کی دوسری زبانوں میں متعدد کتابیں دستیاب ہیں ۔ جو سیرتِ طیبہ کا احاطہ کرتی ہیں لیکن ان کتابوں سے تعصب و حسد کا رنگ جھلکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی مسخ شدہ تصویر پیش کی ہے ۔ تاکہ بانیٔ اسلام اور دین اسلام سے متعلق قارئینِ سیرت میں غلط فہمیاں پیدا ہوں اس میں مستشرقین نے کامیابی حاصل کی ۔ لیکن مسلمان سیرت نگاروں نے خاموشی اختیار کرنا عقیدت و محبت کے منافی سمجھا ۔ چنانچہ یورپین مصنفین کے لگائے گئے اعتراضات اور نازیبا و بے بنیاد الزامات کی تردید میں ایک ایسی کتاب کا لکھا جانا ضروری و لازمی تھا جسمیں مستشرقین کے اعتراضوں اور الزاموں کا جواب موجود ہو ۔ اس ضمن میں سیرتی مضامین اور کتابیں لکھے جانے کا سلسلہ سرسید احمد خاں کی تصنیف "خطباتِ احمدیہ" سے شروع ہو چکا تھا اور آگے چل کر علامہ شبلی اور ان کے فرزند معنوی (سید سلیمان ندوی) نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا ۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تاریخ تالیفِ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو مقام و امتیاز اور طرۂ افتخار شبلی نعمانی اور ان کے شاگردِ رشید سید سلیمان ندوی کو حاصل ہے وہ ان کے معاصرین میں سے کبھی کسی کو حاصل نہیں رہا ۔ وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلیے اردو کے مایہ ناز ادیب ، نقاد ، انشاپرداز اور سوانح نگار علامہ شبلی نعمانی نے قدم بڑھایا اور معرکتہ الآرا تصنیف سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرتب

کرنے کا منصوبہ بنایا۔

**تالیفِ سیرۃ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا پس منظر:۔** شبلی نے اپنی ذاتی عقیدت کو شیفتگی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم آہنگ کرکے سیرت و سوانح کے بحرِ زخّار کی غواصی کی اور بے شمار لعل و جواہر سے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین و دلکش مرقع پیش کیا کہا جاتا ہے کہ حیاتِ انسانی کی ایک ناقابلِ تردید حقیقت یہ ہے کہ جذبہ خیال کو، خیال ارادہ کو اور ارادہ عمل کو جنم دیتا ہے اور ان سب کے پیچھے توفیقِ الٰہی کارفرما ہوتی ہے۔ جسے الہام و القاء وحی و ارشاد اور ہدایت و رہنمائی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی عظیم ترین صورت اس وحیٔ ربانی کی ہوتی ہے۔ جو پیغمبرانِ الٰہی پر بہ شکل تنزیل اترتی ہے۔ خاص بندگانِ الٰہی اس سے سرفراز ہوتے ہیں۔ سیرت نگارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاکیزگیٔ خیال، رفعتِ فکر اور عظمت و طہارت عمل کے سبب توفیقِ الٰہی کے خصوصی طور پر مستحق ہوتے ہیں اور اس کو خارجی اسباب و بیرونی عواملِ مہمیز کرکے جادۂ سیرت نگاری پر رواں دواں کردیتے ہیں۔ شبلی کی سیرت نگاری کے خیال و عمل میں اسی نامعلوم تقدیرِ الٰہی کی کارفرمائی اذ اول تا آخر جاری و ساری ہے "سیرۃ النبیؐ" صلی اللہ علیہ وسلم شبلی نعمانی کی آخری اور مقدس تصنیف ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ شبلی کے ذہن میں فکرِ سیرت نگاری کب سمائی۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ شبلی نعمانی نے جس اسلامی ماحول میں آنکھ کھولی تھی اور جس ماحول میں تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اُسی تعلیم و تربیت نے سیرت نگاری کا خیال ان میں پیدا ہوا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ سیرۃ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنی سوانح عمریاں شبلی نے تحریر کیں ان میں اکثر کا تعلق ان شخصیتوں سے ہے جنھوں نے ہمیشہ اسلام کے پرچم کو بلند کرنے میں ہر ممکن کوششیں کی تھیں۔ اسی لیے شبلی نے نامورانِ اسلام کو اپنی سوانح نگاری کا موضوع بنایا تھا۔ جس کی آخری کڑی "سیرۃ النبیؐ" صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:۔

"استادِ مرحوم کو حضورؐ کی ذاتِ مبارک سے بڑی شیفتگی تھی۔

اس کا اثر یہ تھا کہ اس نامِ نامی کے ساتھ ان کی عقیدت کی کوئی حد و پایاں نہ تھی۔ یہاں تک کہ سیرت النعمان کے دیباچہ میں بظاہر اس حد سے بھی تجاوز کرتے ہیں، کہتے ہیں۔

ع شیفتگانیم و پیمبر پرست

سجدہ اگر نیست زمیں بوس ہست ......[1]

سید سلیمان ندوی نے شبلی کی نعت سے ایک شعر انتخاب کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت سے لبریز ہے۔ حالانکہ پوری نعت عقیدت و محبت کی آئینہ دار ہے ترتیب زمانی کے اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ بے نام دبے نوا شبلی کو بارگاہِ رسالت سے فطری طور پر قدیم وابستگی تھی۔ جو کبھی نعتیہ اشعار کے روپ میں، کبھی قطعہ کی صورت میں، کبھی رسالہ و کتاب کی شکل میں، کبھی تقریر و بیان کے روپ سروپ میں اور کبھی مکمل سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جلوہ گر ہوتی رہی۔ فارسی کے علاوہ، شبلی کی محبت و عقیدت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے بعض اردو قطعات میں بھی ظاہر ہوئی جو فنِ نعت میں خاصے کی چیز ہے۔ یہ قطعات اپنے زمانے میں زبان زدِ خاص و عام ہوئے تھے۔ اور شبلی کی تالیف سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و ظہور کا پتہ بھی دیتے تھے

فرشتوں میں یہ چرچا ہے کہ حالِ سرورِ عالم[2]

دبیر چرخ لکھتا یا کہ خود روح الامین لکھتے

صدا یہ بارگاہِ عالم قدوس سے آئی

کہ ہے یہ اور ہی کچھ چیز لکھتے تو ہمیں لکھتے

یہ قطعہ شبلی نعمانی نے 1914ء میں لکھا تھا۔ جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنا یا تحریر کرنے کا حق ادا کرنا انسان

---

[1] سید سلیمان ندوی، حیات شبلی طبع سوم ص 701، در مطبع معارف دار المصنفین، اعظم گڑھ سنہ 1976ء

کے بس کا نہیں۔ اس سلسلے میں سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

"سوانح عمری ایسی لکھنی چاہیے جس سے صاحب سوانح کا پایہ اونچا نظر آئے لیکن ہم مسلمانوں کے دلوں میں سرور کائناتؐ کا پایہ اتنا اونچا ہے کہ کوئی کتاب اس کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیے سیرت کی کوئی کتاب مشکل ہی سے معیار پر پوری اتر سکتی ہے۔" [1]

اسی خیال کا عکس مندرجہ بالا شعر میں بھی جھلکتا ہے۔ سیرت نگاری کی بلند معیاری اور فلک پیمائی کے ساتھ ساتھ اس میں شبلی کی بے کراں عقیدت و بے پناہ محبت بھی جھلکتی ہے۔ اور ان کے جذب دروں، فطری شیفتگی اور والہانہ شغف کا بھی پتا دیتی ہے۔ انہوں نے اپنے قلم کی تمام تر پختگی کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف اور تالیف کے لیے وقف کر دیا۔ اس منزل تک پہنچنے میں اپنی تاخیر کا باعث بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیم آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتمؐ
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

دراصل ان کا یہ خاتمہ بہت ہی عظیم اور شاندار ہے اور یہ ان کا زندۂ جاوید کارنامہ ہے، اگرچہ سلسلۂ نامورانِ اسلام کے متعلق قلم اٹھاتے وقت اور بعد میں بھی ان کے اور دوسروں کے دل میں یہ خیال بار بار آتا رہا کہ سب سے مقدم اس نامور کا نام آنا چاہیے۔ جس نے سب کو نامور بنایا ہے لیکن یہ کام آسان نہ تھا۔ یہ جتنا محبوب اور پسندیدہ تھا اتنا ہی مشکل اور نازک بھی۔ یہ وہ راہ تھی جس کو طے کرتے

---

[1] سید سلیمان ندوی، حیاتِ شبلی، طبع سوم 703 دار مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڑھ سنہ 1976

وقت عرفی جیسے قادرالکلام شاعر کے قدم بھی کانپ رہے تھے۔ اور اس کو اعتراف کرنا پڑا تھا کہ

عرفی شتاب ایں رہ نعت ست نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین و مدح کے و جم را

تاہم اس کام کی اہمیت اور نزاکت کے احساس کے باوجود شبلی فضائل واخلاق کا وہ پیکرِ مجسم پیش کرنے کے لیے مضطرب رہے "جو خود ہمہ تن آئینہ عمل تھا۔" انہوں نے الفاروق اور الغزالی کی تکمیل کے بعد ۲۸ ربیع الاول 1312ھ مطابق 5 جون 1903ء کو حیدرآباد ہی میں اس مبارک کام کو شروع کیا اور تین ہجری تک کے واقعات قلم بند کر لیے۔ لیکن وہ خود اپنی تحریر سے مطمئن نہیں تھے۔ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جس انداز سے وہ اس کو لکھ رہے تھے وہ خود ان کو پسند نہیں آرہا تھا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اس کو راز میں رکھا اور سارے مکتوبات میں کہیں ایک حرف بھی اس کے متعلق اپنے دوستوں میں سے کسی کو نہیں لکھا۔"......[1]

مگر یہ بات قطعی ہے کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف کا جذبہ بے اختیار ان کے رگ وپے میں ہمیشہ سماتا رہا۔ ان کی فکر سیرت نگاری کو ان کے معاصرین میں سے اہل درد و عشق نے بھی پڑھ لیا تھا۔ ان میں سے ایک صاحب نظر

---

[1] سید سلیمان ندوی، حیاتِ شبلی، طبع سوم صفحہ 702، در مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ سنہ 1976ء

اور صاحب دل مولانا محمد علی جوہر تھے۔ انہوں نے 1906ء میں مولانا شبلی کو ایک اسلامی خدمت کے لیے بڑودہ بلایا۔ سید سلیمان ندوی کو ایک خط اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"1906ء میں مولانا استاذ نا شبلی مرحوم بڑودہ میری دعوت پر تشریف لائے اور میرے ہی پاس مقیم تھے۔ اس زمانے میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ تو فرمایئے کہ سیرۃ النبیؐ کا کیوں انتظام نہیں فرماتے۔ "ہندوستان میں کون ہے جو کفار کے پے در پے مگر بے جا سے بے جا تر حملوں کا جواب دیگا"۔۔۔۔ نہ معلوم اس سے قبل مولانا مرحوم کو کتنی بار اس مقدس کام کا خیال آیا ہوگا مگر طرزِ گفتگو سے تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ میری تقریر نے اثر کیا اور آخری فیصلہ کم سے کم بڑودہ ہی میں طے کر کیا گیا۔" [1]

مولانا محمد علی جوہر کے علاوہ دوسری طرف سے مسلمان بار بار ان سے ایسی تصنیف کا مطالبہ کر رہے تھے۔ جو اس بے خبری اور غلط فہمی کو دور کر سکتی ہے جو جدید تعلیم یافتہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یورپین سوانح نگاروں نے اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پھیلا دی تھی۔ آخر آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر مارگولیتھ کی تصنیف نے اس تذبذب کو ختم کر دیا۔ اس کی یہ کتاب (محمدؐ) اپنی تحقیقات اور احادیث کے حوالوں کے باعث بڑے مسموم اثرات کی حامل تھی۔ جس سے انگریزی داں طبقہ نہایت متاثر تھا۔ مولانا شبلی نے اپنے مسلمان بھائیوں کی خواہش کا احترام کرنے کا ارادہ کر لیا، ان کے علاوہ مولانا شبلی کے ایک دوسرے صاحب دل شاگرد مولانا ضیاء الحسن علوی

---

[1] سید سلیمان، حیاتِ شبلی، صفحہ 704 در مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڑھ سنہ 1976ء

نے منزلِ آخر میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے عظیم استاد کی رائے مختم ہونے میں مدد دی جس کے بعد الندوہ میں سیرت نبویؐ کی تالیف کرنے کا شبلی نے اعلان فرمایا۔ شبلی نہ صرف اپنے آتشِ دل سے آگاہ و باخبر تھے بلکہ اس کے نتیجے میں وجود میں آنے والی سیرۃ النبیؐ کو عمر بھر کا حاصل اور وسیلۂ نجات سمجھتے تھے۔ اور اسی پر خدا کا شکر ادا کر کے حیاتِ مستعار کا خاتمہ بالخیر ہونا گردانتے تھے۔ جس کا اعتراف انہوں نے سرنامۂ کتاب (سیرۃ النبیؐ) میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"ایک گدائے بے نوا شہنشاہِ کونینؐ کے دربار میں اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر آیا ہے"۔ [1]

علاوہ ازیں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی صفحہ پر اپنے مندرجہ بالا خیالات کو شعری پیکر عطا کیا ہے، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس دلی مسرت حسرت و تمنا کا اظہار مہدی افادی کے نام اپنے مکتوب مورخہ 13 دسمبر 1913ء میں کرتے ہیں۔

"شعر العجم اب کہاں ..... سیرت پر خاتمہ ہوجائے تو یہ حسن خاتمہ ہے"۔ [2]

ع "خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا"

غرض شبلی نعمانی جس قدر اس کام کو مشکل سمجھ رہے تھے، اسی قدر اس کی اہمیت کا بھی اندازہ ان کی نظر میں بڑھتا جا رہا تھا۔ اس بات کا اظہار انہوں نے الندوہ کی تحریروں میں بھی کیا ہے۔ ان کی ان تحریروں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان کو یہ احساس تھا کہ جدید تعلیم بڑی سرعت سے پھیلتی جا رہی ہے اور یہی جدید تعلیم

---

[1] شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبیؐ، جلد اوّل صفحہ ۱۱ مکتبہ مدینہ اردو بازار، لاہور۔ سنہ ۱۴۰۸ھ

[2] سلیمان ندوی۔ حیاتِ شبلی، صفحہ 232 طبع سوم مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ سنہ 1970ء

یافتہ گروہ نئی نسل کی قسمتوں کا مالک اور ان کے ذہن و فکر کا دہ نما ہوگا۔ اگر یہ طبقہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو اردو میں کوئی ایسی مستند کتاب نہیں ہے، جو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حالاتِ زندگی سے آگاہ کرے اس لیے مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق ان کو انگریز سیرت نگاروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جن کی تصانیف سے حسد و بغض کی بو آتی ہے۔ اور اسلامی تعلیمات و فلسفہ کی ناواقفیت کی بنا پر بیشتر مقامات پر ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں ہیں۔ اور بعض جگہ قصداً واقعات کو حسبِ منشا رتوڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اس لیے شبلی نعمانی نے اپنی تمام تر قوت و صلاحیت اس کام کے پورا کرنے میں لگا دی۔ جسمیں سید سلیمان ندوی بھی شریک ہوگئے۔ اس تالیف سے ان کا مقصود محض یہ تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے صحیح و مستند واقعات کے ساتھ ساتھ، یورپ کے مصنفین نے اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی تھیں ان کو دور کیا جائے۔ سیرت کی جلدِ اوّل کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

"اگلے زمانے میں سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی علم الکلام سے اس کو واسطہ نہ تھا۔" [1]

اس سلسلے میں شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں۔

"علماء کی جماعت میں مولانا شبلی پہلے شخص ہیں جن میں یورپ فضلاء کے اس علمی حملہ کے مقابلہ کے شرائط بڑی حد تک موجود تھے۔ وہ اسلامی علوم کے ماہر بھی تھے، اسلامی تاریخ پر بھی ان کی نظر بہت وسیع تھی، نئے خیالات و رجحانات اور مستشرقین کے اعتراضات سے بھی ان کو ایک حد تک

---

[1] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ جلد اوّل، صفحہ 21، مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ

واقفیت تھی۔ اس لیے اُن کی نظر اس فتنہ کے تمام گوشوں تک پہنچی اور ہر گوشہ سے انہوں نے اس کو روکنے کی کوشش کی اور ان کے زمانے میں جن اعتراضات کا زیادہ شہرہ تھا، ان کے نہایت محققانہ جوابات دیے۔[1]

شبلی نعمانی کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے مختلف اعتراضات کے جوابات کے ساتھ ساتھ، مذہب اسلام، تاریخ اسلام اور اسلامی تہذیب کو ایسے محققانہ اور دلنشین پیرائے میں پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا کہ جن کو پڑھنے کے بعد اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے اور معترضین بھی ان کی عظمت کو ماننے پر مجبور ہو جائیں اس سلسلے میں شبلی نے متعدد مضامین لکھے اور دوسری کتابوں میں جہاں جہاں موقع ملا۔ اسلام کی حمایت میں لکھا، لیکن اس سلسلے کی سب سے اہم کتاب "سیرۃ النبی ﷺ" ہے۔ محمد یٰسین مظہر صدیقی، سیرۃ النبی ﷺ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"بلاشبہ سیرۃ النبی ﷺ کی تالیف میں شبلی کی تب وتاب دل، گرمیٔ جذب دروں آتش عشق و جنوں اور شعلۂ عقیدت بیکراں ہی اولین اور بنیادی محرک، اصل اور بے غل وغش، وجہ اور کارفرما و کارگذار عامل تھا، اگر آتش عشق و جنوں سے دہکا ہوا بدن تمام اور سوز و ساز عقیدت محمدی ﷺ سے روح کی سرشاری نہ ہوتی تو دم واپسیں لب شبلی پر کلمۂ سیرت آخری نہ ہوتا جو دراصل کلمۂ طیبہ کا جزو ثانی تھا۔ اور جس میں جزو اوّل کا ایمان وایقان محبت و شیفتگیٔ نبوی ﷺ یعنی پیغمبر پرستی شبلی میں مدغم ہو کر خاتمہ بالخیر کی تکمیل کر گیا تھا۔[2]

---

[1] شاہ معین الدین ندوی۔ سلیمان نمبر، معارف۔ صفحہ۔ 177 دار المصنفین اعظم گڑھ 1955ء
[2] محمد یاسین مظہری۔ شبلی نمبر، فکر و نظر، صفحہ۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ 1996

**سیرۃ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجوزہ خاکہ:۔** علامہ شبلی نے فنِ سیرت نگاری کے اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اوّلین خاکہ بنایا تھا۔ وہ شب و روز کے مطالعہ، فکری غور و خیال اور روز افزوں تحریر و نگارش کی گردشِ مسلسل کے دوران رنگ و روپ حاصل کرتا اور بنتا سنورتا رہا۔ ظاہر ہے کہ شروع شروع میں ان کے ذہن و قلب میں جو ہیولیٰ تھا۔ اس کو فکری کاوش اور ذہنی کاوش درکار تھی کہ وہ صفحۂ قرطاس پر جو شکل و صورت اختیار کرے، وہ واضح و اُجاگر ہو۔ لیکن کاغذ و قرطاس پر وہ فکری تنزیلات کے مانند بیک وقت و بہ صورتِ کامل نہیں اُترا۔ بلکہ رفتہ رفتہ ارتقاءِ فکر و وحیٔ قلب کے نتائجِ عملیہ کی طرح رفتہ رفتہ اترتا رہا اور ارتقاء و ترقی کے مدارج و مراحل طے کرتا ہوا حیاتِ شبلی میں کم از کم آخری صورت میں ان کے دیباچے سیرت کے اواخر میں کامل ہوا اور کیا عجب کہ وہ اگر زندہ رہتے اور حیات مستعار کے جھمیلے ان کو اس کی تکمیل کی سعادت ارزانی کرتے تو کیا آخری صورت اختیار کرتا، شبلی نے اس میں اتنی تبدیلی کر دی تھی کہ وہ معمولی خاکے سے ایک دائرہ "معارفِ نبویہ" کا عظیم الشان نقشہ بن گیا تھا۔ اور وہ اپنی کتاب مستطاب مکمل کر کے اس سلسلۂ مبارک کو سیرت اکادمی بنانے کا منصوبہ بنا رہے تھے ۔ جب شبلی نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدوین و ترتیب کا ایک شعبہ قائم کیا تو سید سلیمان ندوی اس کے لٹریری اسسٹنٹ مقرر ہوئے آخر کار جب وہ اپنی زندگی کا کل سرمایہ اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسودہ اور اس کا خاکہ و منصوبہ اپنے جانشین و جامع قابل ہاتھوں میں دے کر اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے تو ان کی ابتدائی اور آخری خاکہ میں سلیمانی تصرفات ہوئے جس نے اس کو ایک نئی صورت عطا کی ۔ تالیفِ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز کے ساتھ ہی ذہن شبلی میں ان کی کتابِ سعادت کا رنگ و روپ اُبھرنا شروع ہوا ۔ 6 دسمبر 1912ء کو بمبئی سے مولانا شیروانی کو اپنے مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں۔ جسمیں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مجوزہ خاکے کی طرف اشارہ ہے ۔

"سیرت کی چار جلدیں ہوں گے۔ ایک جلد اُس کے لیے مخصوص ہوگی (یعنی یوروپین تصنیف کے مباحث سیرت پر) چاہتا ہوں کہ ہر قسم کے مطالب سیرت میں آجائیں یعنی تمام مسائل مہمات، ہر ریویو قرآن مجید پر پوری نظر، غرض سیرت نہ ہو بلکہ انسائیکلو پیڈیا ہو اور نام بھی "دائرۃ المعارف النبویہ" موزوں ہوگا، گو لمبا ہے اور ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا ہے"۔ [1]

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شبلی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بدل دینا چاہتے تھے۔ اس کے ڈیڑھ ماہ بعد یعنی 26 اکتوبر 1912ء کو فکر شبلی میں تبدیلی آئی اس کی اطلاع حکیم غلام غوث بھاولپوری کو دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سیرت نبوی ؐ کم از کم چار برس میں تیار ہوسکتی ہے، انطباع شاید میں خود اپنے صرفے سے کراؤں۔ ہاں ارادہ ہے کہ کبھی کبھی اس کا نمونہ کسی پرچے میں شائع ہو۔ جدید طرز پر لکھی جائے گی لیکن روایات کی تنقید پوری محدثانہ اصول پر رجال و حدیث کی کتابوں سے کی جائے گی۔ غالباً پانچ جلدوں میں کتاب تمام ہوگی۔"

ایک سال کے غور و فکر کے بعد ذہن شبلی نے یہ طے کرلیا تھا کہ سیرت نبوی ؐ کا تیسرا حصہ قرآن مجید پر مستقلاً ایک کتاب ہو۔ اس دوران شبلی کتاب سیرت کے خیال و خاکہ سے ترقی کرکے سیرت اکادمی کے منصوبہ عالی تک پہنچ چکے تھے۔

---

[1] سید سلیمان ندوی، حیاتِ شبلی، صفحہ 202 مطبع معارف اعظم گڑھ 1976

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی زندگی کے آخری دور میں متعدد جلدوں پر مشتمل سیرت لکھنے کا پلان بنایا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوہ میں اسلام کا مکمل نظامِ زندگی پیش کیا جائے۔ پہلا حصّہ بڑی حد تک مکمل کر لیا تھا۔ اور دوسرا بڑی حد تک نامکمل حصّہ شبلی کی ہی تزئینِ فکر کا نتیجہ ہے۔ باقی پانچ جلدیں تمام و کمال سید سلیمان ندوی کی کاوشِ فکر کی مظہر ہیں۔ لیکن سوانح نگاری اور سیرت نگاری کا فن جس چیز کا مطالبہ کرتا ہے وہ اولین دو جلدوں میں ہی دستیاب ہو جاتی ہے۔ یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ سیرت کا جو بنیادی مواد شبلی نعمانی نے اکھٹا کیا تھا۔ اُس مواد کو سید سلیمان ندوی نے شبلی کے اصرار پر اس کی نظرِ ثانی کی اور اس طرح پہلی جلد تیار ہو گئی۔ لیکن شبلی نعمانی اسے اپنی زندگی میں شائع نہ کر سکے اور شبلی کی وفات کے بعد جہاں اضافوں کی ضرورت محسوس ہوئی، قوسین میں اضافے کر کے شبلی کے مسودے کو سید سلیمان ندوی نے حرف بہ حرف شائع کر کے حقِ شاگردی ادا کر دیا۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

"مصنف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا اُس میں اس حصّہ تک مبیضہ صاف تھا، البتہ تین چار مقامات پر اضافہ کی علامت بنی تھی اور مطالب کا اشارہ تھا، ان کو بڑھا دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس حصّہ کی تکمیل کے بعد ان کو خیال آیا کہ قدیم مورخین کی طرح سنہ وار واقعات کی ترتیب رکھ کر ہر سنہ کے آخر میں جزئی حالات واقعات متفرقہ کے عنوان سے لکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ مبیضہ پر سنہ ۴ھ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے۔ یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی تو میں نے بقیہ سنین کے آخر میں اسی قسم کے جزئیاتِ متفرقہ کا

اضافہ کر دیا، حواشی یا حوالے کہیں کہیں چھوٹ گئے تھے۔ وہ ڈھونڈ کر لکھے۔ لیکن اس کی کامل احتیاط کی گئی کہ جامع کو کوئی لفظ بلکہ کوئی حرف مصنف کی عبارت میں نہ ملنے پائے۔ چنانچہ ان تمام جزئی اضافوں کو قوسین کے اندر جگہ دی گئی ہے۔ اس بنا پر لفظ صلعم یا جملہ ہائے معترضہ کے علاوہ جو چند فقرے اور عبارتیں قوسین میں ہیں وہ اضافہ ہیں"۔ [1]

دوسری جلد میں اس طرح کے اضافوں کے علاوہ متعدد ابواب بھی سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ ہیں۔ اور اس طرح سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین دو جلدوں کی تالیف میں سید سلیمان ندوی کو بہت دخل رہا ہے۔ بایں ہمہ چونکہ ان دو جلدوں کا مواد شبلی کی حیات میں ہی شبلی نے جمع کیا تھا اور کتاب پر مصنف کا نام موجود ہے اور منشا و منصوبہ کے اعتبار سے شبلی ہی کا اس میں غالب حصہ ہے۔ اس لیے پہلی دو جلدوں کو شبلی کے نام سے مولانا سید سلیمان ندوی نے شائع کیا۔ شبلی کی سیرت نگاری کے تحت پہلی دو جلدوں پر یہاں گفتگو ہوگی۔

**سیرت النبیؐ جلد اوّل:**۔ طبع اوّل ۱۳۳۵ھ میں بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تھی۔ اس لیے اُس کے صفحات کی تعداد 622 ہے۔ طبع ثانی کتابی تقطیع پر اس کے پانچ سال بعد شائع ہوئی۔ اس طباعت کی خصوصیت یہ ہے کہ طبع اوّل میں بعض جگہوں پر کتابت کی غلطیاں تھیں اور سہو کے بعض تسامحات رہ گئے تھے۔ زیرِ نظر کتاب میں اس کی تصحیح کی گئی ہے۔ اس کو مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس پر تاریخِ طباعت، صفر المظفر ۱۴۰۸ھ درج ہے۔ آفسیٹ کی دیدہ زیب طباعت

---

[1] شبلی نعمانی/ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ دیباچہ طبع اوّل، صفحہ 117، مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور، ۱۴۰۸ھ۔

نے اس کے صوری حسن کو بھی بڑھا دیا ہے۔ اور یہ جلد 347 صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق انتہائی خوبصورت ہے جس کی پیشانی پر قرآن کریم کی مشہور آیت

" وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "

درج ہے۔ طبع قدیم کے سرورق پر ھذا آیت کریم نہیں بلکہ ۔۔۔

" اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ "

درج ہے۔ نیز سرورق پر "جلد اوّل" نہیں "حصہ اوّل" لکھا ہوا ہے اور کتاب پر صرف مؤلف علامہ شبلی نعمانی کا نام تحریر ہے۔ جبکہ طبع جدید میں علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی دونوں کے اسمائے گرامی درج کیے گئے ہیں۔ سرورق کے فرق کو واضح کرنے کیلئے طبع قدیم و طبع جدید کی فوٹو کاپی منسلک کر دی گئی ہے تاکہ قارئین کو طبع قدیم و جدید کے سرورق کی زیارت نصیب ہو۔ اس کے نیچے اُردو میں یہ تحریر ہے۔

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی مکمل اور مستند و مقبولِ عام سوانح حیات "

اس کے نیچے جلی حرفوں میں " سیرتُ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم " جلد اوّل تحریر ہے۔ پھر علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، دونوں کے نام درج ہیں۔ فہرست مضامین سیرتُ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳ سے صفحہ ۱۵ تک پھیلی ہوئی ہے۔ دیباچہ طبع اوّل، دوم اور چہارم سے پہلے۔ "سرنامہ" کے عنوان کے تحت شبلی کی یہ تحریر ہے۔

" ایک گدائے بے نوا شہنشاہ کونین کے دربار میں اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر آیا ہے۔ زچشم آستیں بردار گوہر را تماشا کن "۔ ۱؎ شبلی، شوال ۱۳۳۲ھ

---

۱؎ ۔ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ، جلد اوّل صفحہ ۱۱، مکتبہ مدینہ اُردو بازار، لاہور ۱۴۰۶ھ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اوّل کا آغاز فنِ سیرت پر ایک مبسوط مقدمہ سے ہوتا ہے۔ جسمیں شبلی نے سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف کی اہمیت وضرورت اور سیرت کا مفہوم، سیرت اور حدیث کا فرق بتاتے ہوئے سیرت نگاری کی مختصر تاریخ اور اس کے قدیم ماخذوں کا محققانہ جائزہ لیا ہے اور سیرت سے متعلق حدیث، مغازی، سیرت وتاریخ کی روایات کے رد وقبول کے بارے میں محدثانہ اصول سے ناقدانہ بحث کی ہے۔ ابتدائی تصنیف وتالیف کے تحت امام زہری، موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق واقدی ابن ہشام ابن سعد امام بخاری اور امام طبری کی فنِ سیرت پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ نیز علمائے متقدمین ومتاخرین کی فہرست بھی دی ہے۔ اور ان کی سیرت نگاری کی خوبیوں اور خامیوں اور ان کے اصولِ سیرت نگاری پر مفصل بحث کی ہے۔ اور مقدمہ کے آخر میں سیرت پر یورپین مصنفین کی تصانیف، ان کی غلط کاریاں اور اس کے اسباب کی مختصراً تفصیل بیان کی ہے۔ ان اُصولوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کا سیرۃ النبیؐ کی تالیف میں خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ پھر مشہور مستشرقین کے نام بقید سنین درج کیے ہیں۔ اس فہرست سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون مستشرق کس علاقے کا رہنے والا ہے اور وہ کس زمانے کی پیداوار ہے۔

مصنفین کی فہرست میں کل اندراجات 37 ہیں لیکن مصنفوں کے نام کی تعداد صرف 32 درج کی گئی ہے۔ ان میں انگلستان کے 13، جرمنی کے 8، فرانس کے 5، ہالینڈ کے تین اور اٹلی کا ایک مصنف شامل ہیں۔ ان میں صرف سیرت پر لکھنے والے ہی نہیں بلکہ دین اسلام، پیغمبر اسلام اور اسلامی مآخذ پر کام کرنے والے سب ہی مستشرقین کا اندراج ہے۔

علاوہ ازیں علامہ شبلی چونکہ اپنی کتاب "سیرۃ النبیؐ" کو ایک دائرۃ المعارف بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ مستشرقین کے مطالعہ سیرت کو

معیارِ تنقید پر نہ پرکھتے اور زیرِ بحث نہ لاتے بلکہ مستشرقین کی نام نہاد علمی تحقیقات کا پردہ چاک کرنا اور سیرت کے حوالے سے ان کی غلط بیانیوں پر تنقید گویا منشاء و مقصود تھا۔ اور ان کی زندگی کی آخری خواہش بھی۔ اسی لیے انہوں نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مجوزہ خاکے میں "پانچواں حصہ" خاص یورپین تصنیفات کے لیے مختص کر لیا تھا جس کی تفصیل زیرِ نظر کتاب کے صفحہ 64 سے صفحہ 71 پر ملتی ہے۔

"یہ مقدمہ 55 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اپنے معلومات و مباحث کے لحاظ سے ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے" [1]

اس مقدمہ کو ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے عالمانہ تنقید کا شاہکار قرار دیا ہے۔

اس مقدمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر ضیا الحسن فاروقی لکھتے ہیں۔

"اس میں مصنف نے اپنی علمیت، ذہانت، گہرے مطالعہ تنقیدی صلاحیت اور مورخانہ ژرف نگاہی سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سیرتِ نبویؐ پر قلم اٹھانے کا حق انہیں کا تھا۔" [2]

دوسرے مقدمے میں عرب کی قدیم (قبل از اسلام) سیاسی و مذہبی، تہذیبی، معاشرتی و تمدنی تاریخ قلم بند کی گئی ہے۔ جس میں عرب کے قدیم قبائل، حکومتیں اور مذاہب پر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے اور اسی میں خانۂ کعبہ کی تعمیر، اس کی قدامت اور حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح ہونے کی تفصیل آگئی ہے یعنی بیشتر سیرت نگار تاریخ خانۂ کعبہ اور ان سے منسلک افراد اور اس دور کے ماحول کی مختصر تاریخ پیش کر کے ابواب کو ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں۔ تاکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ کے حالاتِ زندگی پڑھنے والوں کے سامنے

---

[1] سید عبداللہ، مضمون "فنِ سیرت نگاری پر ایک نظر" ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد اپریل 1976ء بحوالہ معارف فروری، ص 109۔ [2] ضیا الحسن۔ اشخاص و افکار صفحہ 114، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی جنوری 1973ء اعظم گڈھ 1998

آئیں۔ جنہیں اپنے دور میں تقدس و احترام حاصل تھا۔ جنہوں نے خانۂ کعبہ کی حرمت کو برقرار رکھنے اور اس کے تحفظ کے لیے اپنی جانیں نچھاور کر دی تھیں۔ اور اپنے آپ کو اللہ کے حکم کا پابند بنایا تھا۔ اس لیے اس دوسرے مقدمے کو اصل کی تمہید یا اس کا ابتدائی باب کہنا مناسب ہوگا۔

اس کے بعد اصل کتاب (براہ راست سیرت نبوی ؐ) کا آغاز ہوتا ہے ابتداء میں نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا مختصر احوال ہے۔ اس تفصیل کو مصنف نے "ظہورِ قدسی" کے زیر عنوان لکھا ہے۔ اس میں آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا بیان ہوا ہے۔ اور اس ساعتِ مبارک میں جو غیر متوقع واقعات پیش آئے تھے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کا زمین بوس ہونا۔ آتش کدہ فارس کا بجھنا۔ دریائے ساوہ کا خشک ہونا وغیرہ کا ذکر ہوا ہے۔ پھر آپ صلعم کی تاریخ ولادت کے متعلق مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشاہ فلکی کے حوالے سے، ۹، ربیع الاول روزِ دوشنبہ مطابق 20 اپریل 571ء بتائی ہے۔ شبلی نے مشہورِ زمانہ عالم محمود پاشاہ فلکی کے حوالے کے علاوہ اور کوئی حوالہ نہ دیا۔ مگر سید سلیمان ندوی نے صحیح بخاری کے قاعدے کی رو سے شبلی کی پیش کردہ تاریخ ولادت کو صحیح ٹھہرایا ہے۔ سیرت کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش دوشنبہ کے دن اور ربیع الاول کے مقدس مہینے میں ہوئی تھی۔ اور جہاں تک اور تاریخوں کا تعلق ہے وہ آٹھ ۸ ربیع الاول سے بارہ ۱۲ ربیع الاول تک بیان ہوئی ہیں لیکن سید سلیمان ندوی کی تحقیق یہ کہتی ہے کہ ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ کو پڑتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر تاریخِ ولادت قطعاً

20 اپریل 571ء تھی۔ اس کے بعد رضاعت حلیمہ سعدیہ کی پرورش، رضاعی باپ، بھائی بہن، مدینہ کا سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی وفات، دادا عبدالمطلب اور چچا ابوطالب کی کفالت، شام کا سفر، بحیرا راہب کا واقعہ، تعمیر کعبہ اور تجارتی سفر کا بیان ہے، پھر ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضؓ کا مختصر ذکر ہے جسمیں حضرت خدیجہ رضؓ کا مالِ تجارت لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بصرہ کا سفر کرنا، واپسی کے بعد حضرت خدیجہ رضؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نکاح کا پیغام بھیجنا اور نکاح مبارک کی سُنت کا ادا ہونا وغیرہ کا مختصر احوال ہے۔

"آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا طلوع" کے عنوان کے تحت نبوت سے قبل کے واقعات ہیں جسمیں غارِ حرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت یہاں فرشتہ کا آنا اور پہلی وحی "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ" کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونا اور ورقہ بن نوفل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنا وغیرہ واقعات کو ترتیب وار پیش کیا گیا ہے۔ اسی باب میں دعوت اسلام کا آغاز، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا اسلام قبول کرنا، کوہِ صفا پر آپؐ کی پہلی تقریر اور قریش کی مخالفت و ایذا رسانی اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے، بعد ازاں حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کا اسلام لانا، قریش کا مسلمانوں پر ظلم وستم اور ان کا استقلال ہجرت، حبشہ اور نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر کی تقریر اور اس کا اثر اور اہلِ مکہ کی ایذا رسانی کا قدرے تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔ جس میں خاص کر اہلِ مکہ کی ایذا رسانی کی شدت کو تفصیل سے بتایا ہے۔ اور اس سلسلے میں اُس اہم واقعہ کا ذکر کیا ہے جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔ اہلِ قریش نے جب یہ دیکھا کہ اتنی سختیوں اور رکاوٹوں کے باوجود اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ حضرت عمر رضؓ اور حضرت حمزہ رضؓ جیسے باوقار اشخاص ایمان لا رہے ہیں اور آئے دن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تو انہوں نے ایک تدبیر سوچی کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلعم کے خاندان والوں کا سماجی و مذہبی بائیکاٹ کریں، چنانچہ ایک معاہدہ کے تحت یہ طے پایا کہ کوئی شخص خاندانِ ہاشم سے نہ قرابت کرے گا اور نہ اُن سے خرید و فروخت کا معاملہ کرے گا نہ اُن سے ملے گا، نہ اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیگا۔ جب تک کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے کام سے باز نہ آئیں۔ یا اہلِ خاندان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کریں۔ یہ معاہدہ لکھ کر درِ کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اِس حصار میں زندگی بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر دِن کاٹنے پڑے۔ شبلی نے "روض الانف" میں درج ایک واقعہ کو یہاں نقل کیا ہے کہ حضرت سعد وقاص رض کو ایک رات سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آگیا، انہوں نے پانی سے دھو کر چمڑے کو آگ پر بھون کر پانی میں مِلا کر کھایا۔

شبلی نے لکھا ہے کہ تین سال بعد یہ معاہدہ توڑنے کی تحریک شروع ہوئی۔ ہشام عامری اور زُبیر نامی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان پر ہونے والے ظلم کو روکنے کے لیے جدو جہد کی۔ اور اس طرح اس محاصرہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آزاد ہوئے۔

شبلی نے محاصرہ کے توڑنے کی تحریک کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ کسی طرح صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اوّل یہ کہ شعب ابی طالب میں ہی خاندانِ ہاشم کے افراد رہتے تھے۔ یہ کوئی الگ جگہ نہیں تھی۔ شبلی کا یہ کہنا کہ 'ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہوئے' درست نہیں۔ اس لیے کہ جہاں ہاشمی خاندان رہتا تھا۔ اُسی جگہ یا محلّہ کو شعب ابی طالب کہتے تھے۔ سید سلیمان ندوی نے بھی ایک طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ پہاڑ کا ایک درّہ تھا۔ جو خاندانِ بنو ہاشم کا موروثی تھا۔ دوّم یہ کہ معاہدہ توڑنے کی تحریک چلائی نہیں گئی۔ اگر چہ کہ کفارِ قریش میں سے چند اشخاص ضرور ایسے تھے جو یہ خیال کرتے تھے کہ اس مذکورہ معاہدے کے تحت وہ خاندانِ ہاشم پر ظلم و زیادتی کر رہے ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ اُن کا یہ

کہنا ہے۔ جو معاہدہ کی شرائط تحریر کر کے خانۂ کعبہ پر لٹکا دی گئیں تھیں۔ تین سال بعد اچانک ایک دن اہلِ مکہؔ نے دیکھا کہ معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ اور جو کچھ تحریر تھا وہ ضائع ہو گیا تھا۔ اہلِ مکہؔ نے یہ سوچا کہ یہ قدرتی طور پر ہوا ہے۔ اس لیے ہمیں یہ محاصرہ توڑ دینا چاہیے۔ شبلی نے اس عظیم واقعہ کے بیان کے لیے صرف ایک صفحہ صرف کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ اور چچا ابو طالب کی وفات اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غم زدہ ہونے کا مختصر بیان ہے۔ "مدینہ منورہ اور انصار" کے ذیلی عنوان کے تحت، انصار کی قدیم تاریخ اور ان کی اسلام قبول کرنے کی ابتداء کے متعلق بحث کی ہے۔ پھر بیعت عقبہ اوّل اور بیعت ثانیہ کو ضبط تحریر میں لایا ہے۔ اس جلد میں یہاں تک ہجرت کے قبل کے اہم واقعات آئے ہیں جو ۱۶۵ صفحات پر محیط ہیں۔ ۱۶۱ صفحہ سے "ہجرت" کے واقعہ پر قدرے تفصیل سے بحث آئی ہے۔ اس لیے کہ اسلامی تاریخ میں اس واقعہ کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں سے اسلام کے شاندار دور کی ابتداء ہوتی ہے۔ یہیں سے اسلام کی اشاعت میں تیزی آئی اور مسلمان بڑی آزادی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہو گئے اور وہ ظلم و ستم رفع ہو گیا جو مکہؔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے عقیدت مندوں پر ہوا کرتا تھا۔ مکہؔ سے مدینہ کی ہجرت اللہ کے حکم سے تھی۔ اس لیے کہ قریش کے ظلم میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ ختم کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس سارے واقعہ کو صحیح روایات کی روشنی میں شبلی نے تحریر کیا ہے۔

شبلی نے ہجرت کے موقع پر پیش آئے چند واقعات کا انکار بھی کیا ہے۔ مثلاً یہ مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مکہؔ سے نکل کر کفار سے بچنے کے لیے جبل ثور کے ایک غار میں جا کر چھپ گئے۔ اور کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں اس غار کے قریب پہنچے تو خدا کے

حکم سے دفعتاً ایک ببول کا درخت اُگ آیا اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر غار کے
مُنہ کو ڈھانپ لیا۔ ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلہ بنا کر انڈے دیدیئے حالانکہ
اس روایت کی تفصیلات مواہب اللدنیہ میں آئی ہیں اور زرقانی وغیرہ نے بھی اس
باب میں اسی ماخذ سے کام لیا ہے۔ اور بیشتر ارباب سیر نے ان واقعات کو صحیح جانا ہے
محمد حسین ہیکل نے بھی "حیاتِ محمد" میں ان واقعات کو صحیح گردانتا ہے اور بعض اہلِ
سیر کے نزدیک غار کے مُنہ پر مکڑی کا جالا، جنگلی کبوتروں کا آشیانہ اور درختوں کا ایسا
پھیلاؤ کہ جیسے کاٹے بغیر غار کے اندر جانا ناممکن ہے۔ معجزہ غار سے تعبیر کیا ہے۔ ممکن
ہے کہ شبلی نے ان روایات کا انکار اس لیے بھی کیا ہو کہ یہ واقعات سیرتِ ابنِ ہشام میں
نقل نہیں ہیں۔ اگر شبلی کی رائے کو صحیح مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفار
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں غار تک آئے اور غار کے اندر جھانکے بغیر کیسے لوٹ
گئے۔ جبکہ مکہ کے گرد و نواح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش جاری تھی اور اس کام میں
بے شمار کفار مصروف تھے اور اس لیے انعام و اکرام کا اعلان بھی کیا گیا تھا۔ غار کے
ان واقعات کے بعد مدینہ کی طرف آپ صلعم کا سفر کرنا اور آپ صلعم کی مدینہ میں آمد
اور استقبال، قبا میں نزول، قبا میں مسجد کی تعمیر، مدینہ میں داخلہ، آپ صلعم کی
پہلی نماز جمعہ اور پہلا خطبہ نماز وغیرہ پر معلومات فراہم کئے ہیں اور اس
باب کے آخر میں اذان کی ابتداء، انصار کا ایثار، اہل صفہ اور مدینہ کے یہودیوں
کے معاہدوں کی تفصیل ہے۔ بعد ازاں اس سنہ کے متفرق واقعات کا مختصر
ذکر ہے۔ ہجرت کے واقعات "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کی پہلی جلد
میں سنہ ہجری کے مطابق ترتیب وار واقعات و غزوات کا ذکر ہوا ہے۔
سنہ ۲ھ سے اسلامی غزوات و سرایا کا آغاز ہوتا ہے۔ ان تمام غزوات
و سرایا کی تفصیل 177 سے لے کر 344 صفحات تک پھیلی ہوئی ہے۔ ان میں غزوہ
بدر (۲ھ) غزوۂ احد (۳ھ)، غزوہ بنی قینقاع، غزوۂ بنی نضیر، غزوہ

مریسیع (۵ھ) غزوۂ احزاب (خندق ۔ ۵ھ) واقعہ افک غزوۂ خیبر، غزوۂ موتہ فتح مکہ، غزوۂ حنین و اوطاس وطائف (۸ھ) اور غزوۂ تبوک وغیرہ پر تفصیلی بحث ہوئی ہے ۔ آخر میں غزوات پر مجموعی تبصرہ ہے۔ جس سے شبلی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کا مقصد قتل وغارت گری وخون ریزی اور ملک گیری نہیں بلکہ صرف اسلام کی پُرامن تبلیغ اور عرب میں امن وامان کا قیام تھا۔ اور یہ لڑائیاں محض کفّار و مشرکین کی مزاحمت اور اُن کی زیادتیوں کی وجہ سے پیش آئیں اور مسلمانوں نے اپنی دفع کے لیے تلوار اُٹھائی۔ شبلی نے اس خیال کی تردید کی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے ۔ جیسا کہ بعض متعصب سیرت نگاروں نے الزام لگایا ہے ۔ شبلی نے اسلامی اصولِ جنگ پر بھی روشنی ڈالی ہے ، یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام نے نہایت منصفانہ اصولِ جنگ اختیار کیے تھے۔ اور پرانے وحشیانہ طریقوں کا خاتمہ کرکے اسلامی جہاد کو عبادت اور خیر بنا دیا تھا۔ اور شبلی نے ان غزوات کے بیان میں اُن قرآنی آیات کو بھی نقل کیا ہے جو مختلف غزوات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تاکہ کسی متعصب کو ان غزوات کی اہمیت سے انکار کی جرأت نہ ہو ۔ اُس کے ساتھ شبلی نے ان اعتراضات کا جواب بھی اس جلد میں دیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاح سے متعلق ہیں۔ اور اسی میں دو اہم ذیلی باب پر تفصیلی بحث ہے۔ یعنی صلحِ حدیبیہ، بیعتِ رضوان اور اُسی کے ساتھ سلاطین کو دعوتِ اسلام دینا۔ خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کا قبولِ اسلام، ادائے عُمرہ اور حج اکبر کی تمام تاریخی تمدّنی اور تہذیبی تفصیلات قلم بند کرنے کے بعد سلسلہ غزوات پر دوبارہ نظر ڈالی ہے

بہر کیف سیرۃ النبیؐ جلد اوّل میں فنِ سیرت نگاری پر بحث کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر پہلے حج تک اور غزوات و سرایا کے مفصّل اور محققانہ حالات پر شبلی نے مدلّل بحث کی ہے اور ان مباحث کے پڑھنے کے بعد کوئی بھی مستشرق اپنے کئے ہوئے اعتراضات پر قائم نہیں رہ سکتا۔ بشرطِ

یہ کہ وہ تعصب کی عینک سے ان مباحث کو نہ پڑھتا ہوں

**سیرۃ النبیؐ ( جلد دوم ) :-** سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری جلد 1920ء کے وسط میں شائع ہوئی۔ یعنی پہلی جلد کے شائع ہونے کے تقریباً دو سال بعد، دوسری جلد کے شائع ہونے میں تاخیر کے اسباب کو سید سلیمان ندوی نے اس جلد کے دیباچہ میں لکھا ہے۔ اس جلد کے سارے مشمولات 259 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جلدوں میں یہ مختصر جلد ہے۔ اس میں مصنف نے 18 ذیلی باب قائم کئے ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

اسلام کی امن کی زندگی ( قیامِ امن )، اشاعتِ اسلام، مقاماتِ دعوت وفودِ عرب، تاسیس حکومتِ الٰہی، مذہبی انتظامات، عقائد اور اسلام کی اصولِ اولین، سالِ آخر حجۃ الوداع اختتامِ فرضِ نبوت، وفات، متروکات، شمائل، معمولات مجالسِ نبوی، خطابتِ نبوی، عباداتِ نبوی، اخلاقِ نبوی، ازواجِ مطہرات، اولاد اور ازواجِ مطہرات کے ساتھ برتاؤ۔ پہلی جلد نبوت سے قبل کے واقعات و نبوت کے پُر آشوب عہد غزوات پر مشتمل تھی اور دوسری جلد کے مندرجہ بالا مشمولات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جلد نبوت کی سہ سالہ پُر امن زندگی کی تاریخ ہے پہلی جلد میں نبوت کے بیس سال کے کارناموں کا احاطہ کیا گیا ہے جبکہ دوسری جلد میں بقیہ آخری تین سال کے واقعات کی تفصیل ہے۔

اس جلد میں پہلے "قیامِ امن" کے تحت نبوت کی پُر امن زندگی اور اشاعتِ اسلام سے متعلق بحث کی گئی ہے یعنی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ پھر 'وفودِ عرب' عنوان کے تحت اُن قبیلوں کا ذکر آیا ہے جنہوں نے مبلغینِ اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر قبولِ اسلام کا اعلان کیا تھا۔ شبلی نے 16 وفود کا ذکر کیا ہے اور اُن کی مختصر تاریخ بھی لکھی ہے۔ جبکہ بقولِ شبلی، ابن اسحاق نے پندرہ

اور ابنِ سعد نے ستر سے وفود کا حال لکھا ہے۔ صفحہ 38 سے "تاسیسِ حکومتِ الٰہی" کے باب میں اسلامی حکومت کی غرض و غایت، مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کی تاسیس اور اُس کے سادہ نظام اور حکومت کے دیگر شعبوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

"مذہبی انتظامات" کے باب میں مذہبی تعلیمی و تبلیغی انتظامات پر روشنی ڈالی گئی ہے ان میں مساجد کی تعمیر، ائمۂ مساجد اور موذنین کا تقرر وغیرہ پر مختصر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ بعد ازاں شریعت کی تکمیل، اُس کے اصول عقائد، عبادات، معاملات اور حلال و حرام میں فرق کو "عقائد اور اسلام کے اُصولِ اوّلین" کے ذیلی عنوان کے تحت پیش کیا ہے اور انتہائی اہم معلومات شبلی نے بہم پہنچائی ہیں اور اس کو کافی اہمیت دی ہے۔ اس لیے قدرے تفصیل سے اصولِ اسلام کا کامل نقشہ پیش کیا ہے۔ "عبادات" کے زیرِ عنوان پہلے طہارت اور تیمم کی اہمیت واضح کی ہے پھر نماز سے متعلق قرآن اور احادیث کی روشنی میں اُس کی فرضیت، اہمیت پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اسی طرح ارکانِ اسلام، روزہ، زکوٰۃ اور حج سے متعلق قرآن و حدیث کے حوالے سے معلومات پیش کئے ہیں۔ وراثت، وصیت وقف اور نکاح و طلاق کو عنوان "معاملات" کے تحت لکھا گیا ہے۔ حلال و حرام کے ذیلی باب میں پہلے مشرکین کے طرزِ عمل کو دہرایا ہے۔ جو اسلام سے قبل اُن میں رائج تھا۔ پھر قرآنِ کریم کی وہ آیاتِ کریمہ پیش کی ہیں جن میں حرام شئے سے بچنے کی تاکید کی گئی تھی۔ ان میں شراب اور سود خوری کا ذکر آیا ہے۔ شراب کے سلسلے میں شبلی نعمانی نے تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسلام کے آغاز میں مسلمان شراب پیتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی ایک دعوت کا تذکرہ بھی کیا ہے پھر قرآن کی اُن آیاتِ کریمہ کو پیش کیا ہے جو شراب کی حرمت سے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ اُس کے بعد اسلام نے شراب نوشی کو حرام قرار دے دیا اسی طرح عربوں کے ایک اور طرزِ عمل کی بھی مذمت کی گئی ہے۔ جسے سُود کہتے ہیں۔

اس کے بعد ۱۰ھ کے واقعات میں حجۃ الوداع اور اختتام فرضِ نبوت کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کے ارادے سے مدینہ سے مکہ تشریف لے جانا اور فریضۂ حج ادا فرمانے کی تفصیل تاریخ وار دی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ یہ فرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حیاتِ مبارک کے آخری حصّہ میں ادا کیا تھا۔ یعنی تقریباً دو پونے دو برس پہلے۔ پھر اُس اہم خطبہ کے چند ٹکڑوں کو پیش کیا ہے جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس زندگی میں بے شمار خطبات دیئے۔ مگر خطبہ حجۃ الوداع ان تمام خطبات کا لب لباب ہے۔ یوں کہیے کہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے اس لیے شبلی نے بھی اس خطبہ کو اپنی سیرت میں جگہ دی ہے۔ یہی وہ خطبہ ہے جس میں دین کے تکمیل ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق فرضِ نبوت کو ادا کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سارے خطبہ کو حدیث کے مختلف مآخذوں سے شبلی نے جمع کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ جملے کسی حدیث میں یکجا نہیں ہوئے ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ابو داؤد وغیرہ میں یہ خطبہ حضرت ابن عباس رضؓ حضرت ابن عمر رضؓ، حضرت ابو امامہ رضؓ باہلی، حضرت جابر رضؓ اور حضرت ابو بکر رضؓ وغیرہ صحابہ کی روایتوں سے مذکور ہے۔ شبلی نے اس واقعہ کو قدرے تفصیل سے پیش کیا ہے اور یہ واقعات مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ اور مکہ معظمہ سے مدینہ پہنچنے تک کا احاطہ کرتے ہیں۔

حجۃ الوداع کی تفصیل لکھنے کے بعد شبلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ الٰہی کا تذکرہ کرتے ہیں جو "وفات" کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہدائے اُحد کو یاد کرنے اور ان کی قبروں کی زیارت کرنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضؓ کے ہاں ٹھہرنا۔ حضرت ابو بکر رضؓ کو

نمازوں کا امام بنانا وغیرہ واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ مگر شبلی نے ابتدائے مرض اور مدّتِ مرض اور تاریخ وفات سے تفصیلی معلومات فراہم نہیں کی ہیں لیکن سید سلیمان ندوی نے حاشیہ میں اس ضمن میں کافی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

تاریخ ولادت کی طرح تاریخ وفات کے تعین میں راویوں کا اختلاف ہے لیکن دن اور مہینے میں ولادت کی طرح کوئی اختلاف نہیں۔ سبھی اس سے متفق ہیں کہ دوشنبہ کا دن تھا اور مہینہ ربیع الاوّل کا تھا۔ سید سلیمان ندوی نے اس پر کافی اچھی اور مدلّل بحث کی ہے اور جتنے امکانی تاریخیں نکل سکتی ہیں اُن کو ایک نقشہ کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ یہ تو طے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال، دوشنبہ کو ربیع الاول میں ہوا تھا اور یہ تاریخ و دن بھی مشہور ہے کہ ۹ ذی الحج جسمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ادا کیا تھا۔ جمعہ کا دن تھا۔ اس حساب سے اُنہوں نے وہ تمام تاریخیں نکالی ہیں۔ اُن میں ۱۲ ربیع الاوّل کی تاریخ نہیں ہے (ہندوستان میں اکثر عید میلاد النبیؐ، ۱۲ ربیع الاوّل کو منائی جاتی ہے اور اس کو عرف عام میں ۱۲ وفات بھی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شیعوں نے عید میلاد کو ۱۲ وفات سے تعبیر کیا ہے۔) جبکہ اکثر اہل سیر نے یہ کہا ہے کہ ولادت اور وفات دوشنبہ کے دن واقع ہوئی تھی کسی حالت اور کسی بھی شکل میں ۱۲ ربیع الاوّل کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑ سکتا۔ آخر میں سید سلیمان ندوی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یکم ربیع الاوّل ۱۱ھ کو واقع ہوئی تھی۔ وفات کے بعد تجہیز و تکفین کے واقعات کا ذکر ہوا ہے۔

'متروکات' کے عنوان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کُل تین جائداد کا ذکر کیا ہے جو آپ صلعم نے چھوڑیں تھیں، جیسے کچھ زمین، سواری کے جانور

اور ہتھیار۔ ان متروکات کے علاوہ بعض یادگاروں کا ذکر کیا ہے۔ جیسے موئے مبارک اور ذُلفقار وغیرہ۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و معمولات حُلیہ مہر نبوت، گفتگو، لباس، غذا، مرغوبات اور صبح سے شام تک کے معمولات کا ذکر ہے۔ بعد ازاں مجالسِ نبوی، خطابت و عبادات، اخلاقِ نبوی، ازواجِ مطہرات اور اُن کے ساتھ برتاؤ۔ اولاد اور اہل بیت کی زندگی کے حالات ہیں اور اُن تمام حالات و واقعات کو خواہ وہ تبلیغ اسلام سے تعلق رکھتے ہوں یا جنگ کے میدان سے۔ خانگی زندگی سے متعلق ہوں یا سماجی و پبلک زندگی سے۔ پیغمبر کی حیثیت سے ہوں یا میدان جنگ میں ایک سپہ سالار کی حیثیت سے ہوں یا عام انسان کی حیثیت سے، دُشمنوں سے متعلق ہوں یا دوستوں اور رشتہ داروں سے۔ غرض زندگی کے جس شعبہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں، اس طرح پیش کیا ہے کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ صداقت اور اخلاقی عظمت پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کریم کو دیکھ کر مخالف بھی آپ صلعم کی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے اندر بھی عمل کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ یقیناً یہ شبلی کا کمال ہے کہ اُنہوں نے حالات و واقعاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تصویر دُنیا کے سامنے آ گئی ہے۔

**خصوصیات سیرۃ النبیؐ** :۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بنیادی خصوصیت یہی ہے کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محض ایک سادہ سوانح عمری نہیں ہے بلکہ، اُس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کی تفصیل بیان کر کے دراصل اسلام کی تعلیمات و حقائق کو علم کلام کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ مولانا شبلی فنِ سیرت و سوانح کو خالص شخصی، واقعات و حالات کا مجموعہ نہیں گردانتے تھے۔ بلکہ وہ اس فن کو شخصیت کے جلو میں رُونما

ہونے والے واقعات کی مفصل کیفیت اور ان کے اسباب و نتائج کو نمایاں کرنے والا ایک جامع فلسفہ قرار دیتے تھے۔ اور سیرت نگاری کی یہی خصوصیت اُن کے اور دوسرے سیرت نگاروں کے درمیان حدِ فاصل کا درجہ رکھتی ہے۔ چونکہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی عام تصنیفاتِ سیرت واقعہ نگاری پر مشتمل ہوتی تھیں۔ اور پہلی مرتبہ مولانا شبلی نے اس طرز کہنا کو ترک کر کے خالص علمی انداز میں سیرت کی تالیف کی تھی۔ اور اس طرز کی سیرتِ نبوی کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے شبلی لکھتے ہیں۔

"اگلے زمانے میں سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی۔ علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا۔ لیکن معترضینِ حال کہتے ہیں کہ اگر مذہب صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے تو بحث یہیں تک رہ جاتی ہے لیکن جب اقرار نبوت بھی جز مذہب ہے تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حاملِ وحی اور سفیرِ الٰہی تھا۔ اُس کے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے؟ "[1]

مولانا شبلی کی نظر میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض ایک کتاب کی نہ تھی بلکہ سیرۃ النبوی کے معترضین اور نکتہ چینیوں کے مسکت جواب کے لئے یہ وقت کی ایک اہم ضرورت تھی اور اس کے ذریعے کلمۂ اسلام کے دوسرے جز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تفسیر و تشریح مقصود تھی۔

سیرت النبیؐ کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب میں فنِ سیرت

---

[1] شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ جلد اوّل، صفحہ 21 مکتبہ مدینہ اُردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ

کی بنیادی کتابوں اور اُن کی روایتوں کی تنقیح اور راویوں کی جرح و تعدیل کا خاص اہتمام کیا گیا ہے ۔ محدثین کی اصطلاح میں سیرت و مغازی کا علم حدیث سے الگ تصوّر کیا جاتا تھا ۔ اس لیے عام طور پر اس کی روایتوں میں علم حدیث کی کتابوں کی طرح شدّت احتیاط نہیں دکھی جاتی تھی ۔ جس کی بنا پر اس فن میں ہر طرح کی مستند و غیر مستند روایتیں شامل ہوگئیں ۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت کے ذخیرۂ کتب میں کوئی ایسا مستند مجموعہ نہیں پایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث کے متعدد مجموعے مرتب کیے گئے ہیں ۔ شبلی لکھتے ہیں ۔

"جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے ۔ اس طرح سیرت کی تصانیف میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا ہے ۔ آج بیسیوں کتابیں قدماء سے لے کر متاخرین تک موجود ہیں ۔ مثلاً سیرت ابنِ ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت دمیاطی، حلبی، مواہب اللدنیہ کسی میں یہ التزام نہیں ہے ۔" [1]

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سیرت کی عام کتابوں میں قرآن مجید یا کتب حدیث کو حالات و واقعات کا مآخذ قرار دینے کا التزام نہ تھا ۔ غالباً پروفیسر بارگیولیوتھ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنی کتاب "محمدؐ" میں مسندِ امام احمدؒ کو مرجع بنایا ہے ۔ مگر شبلی نے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کو ہی سیرت کا بنیادی اور اولین مآخذ قرار دیا ۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے بیان میں شبلی نے قرآن مجید کی تائیدی شہادت کی بنا پر تمام اربابِ سیر سے الگ موقف اختیار کیا ہے فرماتے ہیں "جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں ان کے مقابلے میں سیرت یا تاریخ کی روایت کی کوئی ضرورت نہیں ۔" [2]

---

[1] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، جلد اوّل، حاشیہ صفحہ 24 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ
[2] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، جلد اوّل صفحہ 72 ۔ مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شبلی نے یہی اُصول پیش نظر رکھا ہے کہ سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں کی جائے پھر احادیث صحیح میں یا پھر عام احادیث میں، اور اگر اس میں بھی نہ ملے تو اُنہوں نے روایاتِ سیرت کی طرف توجہ کی ہے۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ شبلی نے روایت کے پہلو بہ پہلو درایت کو بھی مدّ نظر رکھا ہے اور کسی روایت کو بلا بحث و تحیص اختیار کرنے کو انہوں نے رواۃ پرستی سے تعبیر کیا ہے۔

**سیرۃ النبیؐ میں انشاپردازی کے نمونے :۔** مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیرۃ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے شبلی کے طرزِ بیاں اور اندازِ نگارش کا مختصر جائزہ لیا جائے۔ علامہ شبلی کی عظمت کا اعتراف سبھوں نے کیا ہے جن میں اُن کے مخالفین بھی ہیں اور مؤیدین بھی۔ اُن کے مذہبی، علمی، تحقیقی، ادبی اور تنقیدی کارنامے نہایت متنوع، گوناگوں اور عظیم الشان ہیں۔ مگر سیرت النبیؐ ان کا عظیم شاہکار ہے۔ جس میں اُنہوں نے، مغربی اندازِ تحقیق اور طرزِ تنقید کو اپنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سیرت غیر مستند و غلط روایات و واقعات سے پاک ہے۔ سیرت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے انہوں نے روایت اور درایت کے اُصولوں کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر ایک لازوال تصنیف یادگار چھوڑی ہے۔

اس کی ایک ممتاز خصوصیت، زبان کی سلاست، روانی اور شگفتگی، بیان کی لطافت، دل آویزی اور رعنائی، تحریر کی حلاوت، دلکشی اور دل فریبی طرز ادا کی جدت بانکپن اور بے ساختگی اور اسلوب کی بداعت، تاثر اور دلنشینی بھی ہے۔ شبلی کی یہ خصوصیت ان کی دیگر کتابوں خصوصاً شعر العجم، موازنۂ انیس و دبیر اور الفاروق میں بھی پائی جاتی ہے، لیکن اس کے بہترین نمونے سیرۃ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں جا بجا ملتے ہیں۔ علامہ شبلی نے حضورِ کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات وحالات زندگی کی جو مصوری کی ہے اُن میں ان کی رعنائی بیان نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اور ان کی کیفیت و اثر انگیزی میں اضافہ کر دیا ہے۔ شبلی دقیق اور پیچیدہ علمی و تحقیقی مباحث و مضامینِ سیرت کو بھی نہایت دل پذیر اور دل نشین انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں شبلی کی رعنائی بیان اور ان کے موثر اور دل نشین اسلوبِ تحریر کے چند نمونے پیش ہیں۔ ان سے یہ حقائق پوری طرح واضح ہو جائیں گے۔ سیرت کے اس چمنستان میں بے شمار روح پرور بہاریں موجود ہیں اور اس کا ہر ہر صفحہ دامانِ باغباں وکف گل فروش ہے۔

علامہ شبلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مقدس کی سوانح عمری کو نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام عالم کی ضرورت بتاتے ہیں، ان کی رعنائی تحریر اور جوشِ بیان ملاحظہ ہو۔

"یہ ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی نہیں ہے بلکہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے اور مختصر یہ کہ مجموعہ ضروریاتِ دینی و دُنیوی ہے۔" [1]

تعلیم وارشاد، ہدایت و تلقین، تہذیب و تزکیہ کا کام ہر وقت جاری ہے عین فتح کے وقت جب کہ مجاہدین فتح کے نشہ میں چور ہیں، مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا ہے، ایک ایک کو ہزاروں کی رقمیں مل رہی ہیں، ایک صحابی خوش خوش آتے ہیں اور جوشِ مسرت سے کہتے ہیں۔

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج میں نے مالِ غنیمت سے جس قدر نفع اُٹھایا، کبھی نہیں اُٹھایا، پورے تین سو اوقیہ

---

[1] شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اوّل صفحہ۔ مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور۔ ۱۴۰۸

ہاتھ آئے، آپ صلعم فرماتے ہیں کہ "میں اس سے بھی زیادہ نفع بتاؤں، وہ بڑے شوق سے پوچھتے ہیں، کیا؟ ارشاد ہوتا ہے، نماز فرض کے بعد دو رکعتیں"۔ [1]

یہ ادبی رعنائی و دل آویزی اور انشاپردازی کی خوبی و دلکشی خالص دینی علمی، تاریخی، فقہی اور متکلمانہ حقائق کو بیان کرنے میں بھی قائم رکھنا شبلی جیسے مصنف ہی کا طرۂ امتیاز ہے، ذوق کی زبان میں کہا جاسکتا ہے کہ

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

یہ چند مثالیں محض نمونے کے طور پر پیش کر دی گئی ہیں۔ مقصود تفصیل نہیں ہے ورنہ سیرۃ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم از اول تا آخر شبلی کی انشاپردازی اور ادبی لالہ کاری سے بھری ہوئی ہے۔ مختصر یہ کہ سیرۃ النبیؐ کا ہر صفحہ ادبی رعنائی اور انشا کی گل کاری کا ایک حسین مرقع ہے۔

---

[1] شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔ صفحہ۔ مکتبۂ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

# محمد سلیمان سلمان منصور پوری

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کا شمار اُن چند علماء میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے اسلامی ادب کا مطالعہ بہ نظرِ غائر کیا ہے تاکہ پیغمبر اسلام اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرکاری عہدے پر فائز رہنے کے باوجود وہ اکثر پادریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے۔ اس کے لیے انھوں نے بالخصوص توریت، انجیل و زبور کا مطالعہ کیا تھا اور اسی کی روشنی میں وہ مستشرقین کے اعتراضات کا مدلّل جواب دیا کرتے تھے۔ ان کی شخصیت کا خاکہ سید سلیمان ندوی نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"سرکاری افسر ہونے کے علاوہ آپ ایک عزت مند مسلمان، مشہور زمانہ مورخ، محقق یگانہ، عالم دین، مبلغ اسلام اور مُناظر سب ہی کچھ تھے۔ انھوں نے متعدد دینی موضوعات پر علم و دانش کے موتی لُٹائے اور دمِ آخر تک اپنے قلم کو تبلیغ دین کے لیے سرگرم عمل رکھا اور "الجمال والکمال" (تفسیر سورۂ یوسفؑ)، "مہرِ نبوت" (مختصر سیرتِ نبویؐ)، عشرۂ مبشرہ اور سبیل الرشاد (سفرِ حجاز) ایسی مایۂ ناز و اہم اور قابلِ مطالعہ تصانیف لکھیں۔ لیکن جس کتاب نے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کا وقار بڑھایا اور عالمِ اسلام میں بحیثیت سیرت نگار نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم تعارف کروایا۔ وہ ان کی معروف تصنیف "رحمۃ اللعالمین" ہے

اِس سے قبل سیرت کے موضوع پر انھوں نے ایک کتابچہ "مہر نبوت" کے عنوان سے لکھا تھا۔ جس پر مختصر تبصرہ پانچویں باب میں گزر چکا ہے۔ قاضی محمد سلیمان سلمان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے انتہائی محبت و عقیدت تھی۔ اِس لیے ان کی دِلی خواہش تھی کہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تین کتابیں لکھیں۔ جس کا اظہار انھوں نے "رحمۃ اللعالمین" صلی اللہ علیہ وسلم جلدِ اوّل کے مقدمہ میں بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں؛

"سالہاسال سے میری یہ آرزو رہی ہے کہ حضرت سیّد ولدِ آدم محمد النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر تین کتابیں لکھ سکوں"۔ [1]

لیکن ان کی یہ خواہش پوری طرح تکمیل کو نہیں پہنچی۔ یعنی وہ مختصر اور متوسط سیرت ہی لکھ پائے تھے کہ 1920ء میں ان کا وصال ہوگیا۔ زیرِ نظر سیرتِ نبوی۔ رحمت اللّلعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور 1085 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ مولفِ سیرت اِسے اپنی دانست میں متوسط سیرت گردانتے ہیں۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے "رحمت اللّلعالمین" صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا قصد علامہ شبلی نعمانی سے بہت پہلے کیا تھا۔ اس لیے مولوی انشااللہ خان مرحوم ایڈیٹر "وطن" نے علامہ کے سیرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کی سخت مخالفت کی تھی۔ مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں مولفین نے سیرت لکھنے کا پروگرام ایک ہی دور میں بنایا تھا۔ اور دونوں کے لکھنے کا مقصد یہ بتاتے ہیں کہ انھیں مستشرقین کے جوابات دینے ہیں اور اُن کے بے جا اعتراضات کو رد کرنا ہے۔ جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے ہیں۔ اور یہ بھی اتفاق ہے کہ دونوں کی پہلی جلد کا سنِ اشاعت بھی ایک ہی ہے۔ اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ جامع سیرت کے حوالے سے اولیت کا سہرا کس کے سر ہونا چاہیئے۔ اس معمہ کا حل یہی ہے کہ سنِ اشاعت کے ساتھ مہینہ دیکھ لیا جائے۔ سیرۃ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم جلد اوّل میں سن اشاعت کے ساتھ مہینہ بھی درج ہے۔ جبکہ "رحمت اللّلعالمین" کے مقدمے میں خود قاضی صاحب نے سنِ اشاعت 1912ء بتائی ہے اور کہیں بھی تاریخ و ماہ درج نہیں۔ پھر یہ کہ سوانح نگاری پر جس کسی نے بھی قلم اُٹھایا ہے، انہوں نے مصنّفین کی فہرست میں جو سنہ وار ہے، پہلے شبلی کا ہی نام تحریر کیا ہے اور اُردو ادب

---

[1] محمد سلیمان سلمان منصور پوری۔ رحمت اللّلعالمین۔ جلد اوّل صفحہ 21، اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ 1980

کی مختلف تاریخوں میں بھی سیرت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے صرف شبلی کا ہی نام لیا گیا ہے۔ انہی وجوہ کی بنا پر میں نے شبلی نعمانی کی سیرت نگاری پر تبصرہ کرنا مناسب سمجھا۔ مگر محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی سیرت نگاری کا ذکر اس لیے گذشتہ اوراق میں آیا ہے کہ انہوں نے انیسویں صدی کے اواخر میں ایک مختصر سیرت "مہر نبوت" کے نام سے شائع کی تھی۔ جسکی سن اشاعت 1899ء ہے۔

**رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول**: اس جلد کے تمام مشمولات 292 صفحات پر مشتمل ہیں۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی یہ پہلی جلد 1912ء میں — اعلیٰ پریس دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اور پچھلے 90 برسوں میں اس کے متعدد ایڈیشن ہند و پاک کے کئی مطبعوں سے شائع ہو چکے ہیں، مصنف کی حیات ہی میں "رحمۃ للعالمین" صلی اللہ علیہ وسلم کئی مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ مصنف کے ایک بیان سے پتا چلتا ہے کہ 1916ء میں جلد اول چھ مرتبہ شائع ہو کر مقبول ہوئی تھی۔

زیر نظر 'سیرت' اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئیوالان دہلی نے خاصے اہتمام کے ساتھ پہلی بار اگست 1980ء میں شائع کی تھی۔ قارئین کی سہولت و آسانی کے لیے ناشر نے تینوں جلدوں کو ایک ہی کتاب میں یکجا کر دیا۔ سر ورق نہایت دیدہ زیب ہے۔ کتاب کی پیشانی پر معروف آیت کریمہ کا ابتدائی (آدھا) فقرہ خفی حرفوں میں "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا" اور آخری فقرہ جلی حرفوں میں جو کتاب کا سرنامہ بھی ہے، "رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" لکھا گیا ہے۔ درمیان میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگین عکس ہے اس کے دو جانب قوسین میں (ایک طرف) "سِيْرَةُ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ صَلَّى اللّٰهُ" اور (دوسری جانب) "عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ" درج ہے۔

مولانا سلیمان سلمان منصور پوری نے "سیرت کی ابتداء میں ایک مربوط مقدمہ لکھا ہے۔ جو 36 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جسمیں حضرت عیسیٰؑ سے دو ہزار سال قبل کا ذکر کر کے حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش، ان کا مصر تشریف لے جانا، شہزادی مصر حضرت ہاجرہ سے

ان کا نکاح، پھر حضرت ابراہیمؑ کی خانگی زندگی کے واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔ اسی میں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کے حوالے سے ان کی زندگی سے تعلق رکھنے والے اہم واقعات بھی آ گئے ہیں۔ بعد ازاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا و اجداد کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اُس دور کے اخلاقی و سیاسی حالات، اور عرب کا محل وقوع وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے تاریخی واقعات کو مستند ثابت کرنے کے لیے جا بجا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے ٹھوس دلائل، آسمانی کتابوں اور مستند تاریخوں کے حوالے سے پیش کیے ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آمد کی ضرورت، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات اور زندگی کے گوناگوں حالات اور آنحضرتؐ کی شانِ نبوت پر مختصر اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کردار و اخلاق سے ایک جاہل، ناشائستہ جابر اور وحشی قوم کے دلوں کو بدل کر رکھ دیا۔ اس کے لیے آپ صلعم نے معجزاتِ مادّی کو نہیں بلکہ معجزاتِ علمی کو پیش کیا ہے۔ مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

> "یہ سب کرشمے اس پاک تعلیم کے تھے جو آہستہ آہستہ دلوں کو فتح کرتی جاتی تھی، اکثر انبیاء علیہم السلام نے معجزے دکھائے لاٹھی، سانپ، پتھر دریا، آگ کی قلب ماہیئت یا سلب خاصیت کا نظارہ دیکھنے والوں کو نظر آیا۔
>
> لیکن نبی صلعم (فداہ ابی اُمی) نے عظیم الشان معجزہ یہ دکھایا کہ دلوں کو بدل دیا اور روح کو پاکیزہ بنا دیا۔ انسان اور لاٹھی انسان اور سانپ، انسان اور پتھر میں جتنا تفاوت ہے وہی تفاوت اس معجزہ اور دیگر معجزات میں بھی ہے۔" [1]

---

[1] محمد سلیمان سلمان منصور پوری، "رحمت اللعلمین ؐ"، جلد اول طبع اول صفحہ 34، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس 1980ء

اصل کتاب کا آغاز 39 ویں صفحہ سے بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم و اُصلّی علیٰ رسولہِ الکریم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِسمِ مبارک کی تفصیل ہے۔ اِن میں اُن دو ناموں کا خصوصیت سے لغوی معنوں کے ساتھ ذِکر کیا ہے، اور حاشیہ میں حدیث مبارک اور توریت و انجیل کی روشنی میں ان ناموں کی اہمیت بھی بتائی ہے۔ وہ مشہور رِوایت درج کی ہے کہ حضورؐ کی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ کو فرشتے کے ذریعے بشارت دی گئی تھی کہ آپ صلعم کا نام "احمد" رکھا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے آپ صلعم کا اسمِ مبارک "محمدؐ" رکھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ پیدائش، ایام رضاعت، والدہ مکرمہ کی وفات، شام کے سفر میں راہب سے ملاقات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی سفر اور حضرت خدیجہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نِکاح وغیرہ واقعاتِ کو مختصراً پیش کیا گیا ہے۔ محمد سلیمان منصور پوری نے ان تمام معروف تاریخوں کو پیش کیا ہے، جو اُس زمانے میں مختلف اقوام میں رائج تھیں۔ درج ذیل اقتباس سے اُن کا اندازہ ہو جائیگا۔

"ہمارے نبی صلعم موسم بہار میں دوشنبہ کے دِن، 9 ربیع الاوّل سنہ عام الفیل مطابق 22 اپریل 571 سنہ ء مطابق یکم جیٹھ سمبت 628 بکرمی کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق و قبل از طلوع نیّر عالم تاب پیدا ہوئے۔" لہ

حاشیہ میں کافی معلوماتی اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ نیز دوشنبہ کے دن کی خصوصیت بھی بتائی ہے۔ بعد ازاں نبوت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامِ امن و نگرانی حقوق انسانی کے لِئے ایک انجمن کے قیام کرنے کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ

---

لہ۔ محمد سلیمان سلمان منصور پوری، "رحمت اللعٰلمینؐ" جلد اوّل طبع اوّل صفحہ 40۔
اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی 1980 سنہ ء۔

اکثر سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اس طرح یہ واقعہ ہماری معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے بگڑتے ہوئے حالات، بدامنی اور لوٹ مار کو روکنے کے لیے ایک اصلاحی انجمن کے قیام کی تجویز پیش کی تھی اور اہل قریش نے اس تجویز کو بغیر کسی تذبذب کے مان لیا تھا۔ اور اس انجمن کے قیام کے نتیجے میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کے واقعات میں کمی آئی تھی۔ اس کے بعد کعبہ کی تعمیر اور حجرِ اسود کے نصب کرنے کے واقعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
"قربِ زمانۂ بعثت" کے عنوان کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غارِ حرا میں عبادتوں کا ذکر اشارتاً ہوا ہے۔ صفحہ 47 سے ایک اہم موضوع کا آغاز ہوتا ہے۔
"بعثت و نبوت" کے زیرِ عنوان قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے چند اہم موضوعات پر تبصرہ کیا ہے۔ اس میں ابتدائے وحی کی تاریخ نزولِ وحی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت حضرت خدیجہ رضؓ کا آپ صلعم کو تسلّی دینا، ورقہ بن نوفل کا واقعہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر عیسائی عالم کی شہادت، نزولِ قرآن کی ابتداء اور نماز کا آغاز وغیرہ واقعات پر اجمالاً روشنی ڈالی ہے۔ پھر اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اوّلین احباب کے نام بیان ہوئے ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ نیز بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت عالم کی جہالت اور آپ صلعم کا بحیثیتِ نبیؐ فاراں کی چوٹی پر دیا گیا عام تبلیغی خطبہ اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خوش گوار اور ناخوش گوار واقعات کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔ ان میں نامور و معزز اشخاصِ عرب کا اسلام لانا، اور چند طاقتور روسا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا اور آپ صلعم کو ایذا پہنچانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کرنا وغیرہ واقعات شامل ہیں۔ بعد ازاں معراج کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ سے متعلق حاشیہ میں مختلف اسناد سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلعم کو جسمِ اطہر کے ساتھ معراج ہوئی تھی۔ اپنی بات کی تصدیق کے لیے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے شاہ ولی اللہ کا عربی متن

نقل کیا ہے۔ جو انہوں نے معراج سے متعلق لکھا تھا اور اس کا اُردو ترجمہ بھی اُس کے آگے لکھ دیا ہے۔ احادیث اور علماء ربّانی کے بیان کے علاوہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے سائنسی دلیل سے ثابت کیا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی تھی۔ اگرچہ یہ بحث منطقی ہے اور دلچسپ بھی ۔ لکھتے ہیں۔

"واضح ہو کہ عروج جسدی کا انکار آج کل کے فلسفۂ خشک کی بنیاد پر فضول ہے۔ کیونکہ جس قادرِ مطلق نے اجرامِ سماویہ کے بھاری بھرکم اجسام کو خلاء میں مقام رکھا ہے۔ وہ جسمِ انسانی کے صغیر جرم کو خلاء میں لے جانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ آج کل نائٹروجن کی طاقت سے ہوائی جہاز اور جہازوں کے اندر آدمی اُڑ رہے ہیں اِس لیئے خُداوندِ کریم کو بہ سواری براق (جو برق سے مشتق اور الیکٹریسٹی کی طاقت مخفیہ کی جانب اشارہ کرتا ہے۔) ملکوت السموٰت کی سیر کرانا کچھ بھی مستبعد نہیں۔" [1]

اس کے بعد حضرت طفیل رضؓ دوسی، حضرت ابو ذر غفاریؓ کا اسلام قبول کرنا اور حضرت ابو ذر پر قریش کے ظلم وستم وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بیعت عقبہ اُولیٰ، بیعت عقبہ ثانیہ، حضرت مصعب رضؓ کے وعظ کے نتیجہ میں حضرت اسیدؓ حضرت سعد بن معاذؓ کا اسلام قبول کرنے زیرِ تحریر لایا گیا ہے۔ جب اسلام دن بدن ترقی کرنے لگا اور اہلِ عرب جوق در جوق مسلمان ہونے لگے تو اہلِ قریش کے ظلم میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اہلِ قریش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں پر بھی مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے لگے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مکّہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اور جب

---

[1] محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمت اللعلمین جلد اوّل۔ صفحہ 70، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی سنہ 1980ء

مکہ میں مسلمانوں کی تعداد کم ہوگئی تو اللہ کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت کرنے کیلئے سامان سفر باندھا اور حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ آپ صلعم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اس اہم واقعہ کو محمد سلیمان منصورپوری نے "رحمت اللعٰلمین" میں جگہ دی ہے۔ اُنہوں نے اس میں زیادہ توجہ واقعات پر صرف کی ہے اور اس کی اہمیت کو بہت ہی کم اُجاگر کیا ہے۔ جبکہ اسلامی تاریخ اور اسلامی انقلاب کی جدوجہد میں ہجرت کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔

"نبوت کے تیرہ سال مکہ میں" کے عنوان کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سال مکی زندگی کا اب تک احاطہ کیا گیا ہے۔ جو تقریباً 45 صفحات پر مشتمل تھا۔ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کے دوران جو اہم واقعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو پیش آئے اُس کی تفصیل بھی قاضی محمد سلیمان منصورپوری نے بیان کی ہے، جسمیں مدینہ کی راہ میں ایک قبیلہ کے ۷۰ (ستر) آدمیوں کا مسلمان ہونا جن کا سردار بریدہ اسلمی تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی "قبا" تشریف آوری اور یہاں جمعہ کی نماز میں خطبہ دینا اور نماز ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ مؤلف نے خطبہ کے اردو ترجمہ کے ساتھ عربی کا اصل متن بھی دیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے خطبہ میں کن کن باتوں کی طرف اشارہ کیا تھا اور کس عمل کو کرنے کی تلقین فرمائی تھی اور کس عمل کے ترک کرنے کی تاکید فرمائی تھی۔ اس کے بعد مدینہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرجوش استقبال کے واقعات کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ گویا ابتدائی ۱۰۰ صفحات مکہ کی نبوت سے قبل اور بعد اعلانِ نبوت کے واقعات و حالات کے بیان کرنے میں صرف ہوئے ہیں۔ یہاں سے محمد سلیمان منصورپوری نے سیرت کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلے باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استحکام امن کے لیے بین الاقوامی معاہدے کرنا، مسلمانوں کے خلاف قریش کی شرارتیں، سازشیں اور حملے کرنا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام سے مشورہ کرنا۔ کفار کے خلاف جہاد کرنے کا خدائی

حکم سنانا، مختلف غزوات کا رونما ہونا، مثلاً غزوہ بدر، غزوۃ السویق، غزوہ اُحد اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کی خدمات جنگِ اُحد اور جنگ احد میں ہونے والے نقصانات کی تفصیل کی عکاسی کی گئی ہے۔ اسی باب میں حضرت انس بن نضر، حضرت عمارۃ بن زیاد کی جاں نثاری اور حضرت ابو دجانہ، حضرت حنظلہ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہ کی شجاعت بنو دینار کی عورت کی قوت ایمانی کے کمال کا اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد جنگِ اُحد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی ہونا اور مشرکوں کی ذلیل حرکتوں کو درگذر کر کے اُن کے لیے دُعا کرنا، یہود کی عہد شکنی، مسلمانوں کی کامیابی (فتح مکہ کی صورت میں) ابوسفیان بن الحارث و عبداللہ بن اُمیہ کا اسلام قبول کرنا۔ نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے بعد دوبارہ مکہ میں داخل، بتوں کا بیت اللہ سے صفایا کرنا اور دشمنانِ جان و ایمان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک وغیرہ عنوانات کے تحت بحث کی گئی ہے۔ پھر اسلام لانے والوں سے بیعت، بیعت کی شرائط ظالموں کو عام معافی کا اعلان اور فتح مکہ کے نتائج کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز غزوات میں، غزوہ حنین کی مختصر تفصیل بیان کی گئی ہے۔ پھر فتح مکہ کے بعد ہونے والے یہودیوں کی شرارتیں اور حملے اور مسلمانوں کی مدافعتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں بالخصوص یہود کی پہلی شرارت (بلوہ قتل اور اخراج بنو قینقاع) دوسری شرارت (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش یا جلاء بنو نضیر) تیسری شرارت (ملک کی عام بغاوت اور اس کا انجام۔ جنگِ احزاب یا غزوہ خندق) بنو قریظہ کا انجام' کے واقعات کو سلسلہ وار پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد سفر تبوک اور تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ 'جنگ اور اسلام' اسیرانِ جنگ اور اسلام کے مضامین پر بحث کے ساتھ بابِ اول اختتام پذیر ہوتا ہے۔

دوسرا باب انتہائی مختصر ہے مگر یہ ایک اہم باب ہے جس میں سلاطین عرب و عجم کو اسلام کی دعوت دینے کی کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں

یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح مکہ کے مشرکوں کو دعوتِ اسلام دے کر انہیں عافیت کوشی کا راستہ بتایا اور وہ لوگ جو کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نوا ہو گئے۔ مؤلف سیرت نے اس باب کو اپنی سیرت میں اس لیے شامل کیا ہے اور اہمیت دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ صلعم ساری دُنیا کے لیے نبی بن کر مبعوث فرمائے گئے۔ اس لیے یہ لازم تھا کہ اہل خانہ اور اہل وطن کو اسلام سے واقف کرانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر اقوام اور دیگر ادیان کے ماننے والوں میں بھی تبلیغ اسلام کرتے۔ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ اپنایا کہ ادیان کے پیرو اور سلاطین کے پاس اسلامی سفیروں کے ذریعے دعوتِ اسلام بھیجی جائے۔ اس کی ساری تفصیل اس باب میں آگئی ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اختصار کے ساتھ اُن بادشاہوں کا ذکر کیا ہے جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو مان کر مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بعضوں نے آپ صلعم کے فرامین کا احترام کیا اور بعضوں نے گستاخانہ حرکتیں کیں اور جن سلاطین نے گستاخیاں کی تھیں، ان کے انجام پر اس باب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور یہ ساری تفصیلات صرف 13 صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس کی یہ خصوصیت ہے کہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کے متن کو اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔ جو آپ صلعم نے سلاطین و ادیان کے پیروؤں کو لکھے تھے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

**تیسرا باب:** اس باب میں اُن وفود کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے جو مکہ و مدینہ کے اطراف و اکناف کے علاقوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے تھے۔ مؤلف رحمۃ اللعالمین نے 25 وفود کے نام درج کیے ہیں۔ نیز ان کا مختصر حال بھی لکھا ہے کہ وہ کس علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے کس طرح اسلام قبول کیا۔ وفود کے ذکر کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا بھی تعارف کرایا گیا ہے

اور اس کے لیے جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ انتہائی موثر ہے۔ جب کوئی وفد آپ صلعم کی ملاقات کو آتا تو اس وفد کا سردار اپنے قبیلہ میں رواج پانے والی برائیوں کا ذکر کرتا اور یہ اجازت طلب کرتا کہ اگر اس برائی کے کرنے کی اجازت اسلام دیتا ہے تو اس کی قوم کے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہوتے۔ مثلاً حضرت مغیرہ بن شعبہ کی قوم کے لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اجازت چاہی کہ ہم کو ترکِ نماز کی اجازت دی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس مذہب میں نماز نہیں اُس مذہب میں کوئی بھی خوبی نہیں، پھر انہوں نے کہا، اچھا ہمیں جہاد کے لیے نہ بلایا جائے اور نہ زکوٰۃ ہم سے لی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط قبول کر لی اور صحابہ سے فرمایا کہ اسلام کے اثر سے یہ خود ہی دونوں کام کرنے لگیں گے۔

اسی طرح ازواج کی کثرت، زنا، سود اور شراب سے متعلق بھی آپ صلعم نے خدا کا حکم ان وفود کو سنایا اور ان کو اِن برائیوں سے روکا، اگرچہ کہ یہ تینوں بیماریاں اُن کی گھٹی میں پڑی ہوتی تھیں۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے ان واقعات کو موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ بعد ازاں مؤلف نے چار بنیادی اسلامی ارکان پر عمل کرنے کا ذکر بھی کیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وفود کو ان ارکان پر پابند رہنے کی تلقین کی تھی۔ یعنی (خدا پر ایمان لانا، نماز کو قائم کرنا، زکواۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مالِ غنیمت سے خمس نکالنا) ان کے علاوہ محمد سلیمان منصور پوری نے دیگر اسلامی احکامات و تعلیمات پر روشنی ڈالی ہے مثلاً اللہ پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں اور پچھلے رسولوں پر ایمان لانا اور قیامت کے دن پر ایمان لانا، آسودگی کے وقت شکر کرنا، مصیبت کے وقت صبر کرنا۔ قضائے الٰہی پر رضا مند ہونا، امتحان و آزمائش کے موقع پر راست بازی پر قائم رہنا۔ اعداء کو شماتت نہ دینا وغیرہ۔ اور اسی باب میں ان باتوں

کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جن باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچنے کا حکم دیا تھا۔ مثلاً اُن چیزوں کو جمع نہ کیا جائے جنہیں کھانا نہ ہو۔ وہ مکان نہ بناو جس میں رہنا نہ ہو۔ ایسی باتوں میں مقابلہ نہ کرو جنہیں کل چھوڑ کر جانا ہو۔ تقویٰ برقرار رکھنا جسکی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور ان چیزوں کی رغبت رکھنا جو آخرت میں کام آئیں گی جہاں ہر انسان کو ہمیشہ رہنا ہے۔

بعد ازاں مہمان نوازی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت، زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجر و ثواب، ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا، اسلام میں عیسائیوں اور غیر مسلموں کے حقوق اور اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان وغیرہ کا ذکر کرکے اس باب کا اختتام کیا ہے۔

**چوتھا باب:** یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کے دس (10) سال کے اہم واقعات سے بحث کرتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے تعمیرِ مسجدِ نبوی ؐ کا ذکر کیا گیا ہے پھر نماز کے تعلق سے چند اہم باتوں کی طرف اشارہ ہے، مثلاً یہ کہ فرض نمازوں میں (نمازِ ظہر، عصر و عِشاء) دو رکعتوں کا اضافہ ہونا، (کِس عمر سے نماز کو فرض قرار دیا گیا)، نماز کی فرضیت کی عمر، پابندی اوقات کی تعلیم، جسم، لباس اور جائے نماز کی پاکیزگی، مسجد میں فرض نماز کی ادائیگی اور جماعت کی پابندی وغیرہ پر اختصار سے بحث کی گئی ہے۔ پھر اذان کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس باب میں ان افراد کا بھی ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے ہجرت کے فوراً بعد اسلام قبول کیا۔ جن میں حضرت عبداللہ رضؓ بن سلام، حضرت ابو قیس صرمہ رضؓ بن ابی انس اور حضرت سلیمان پارسی رضؓ کے نام شامل کئے ہیں۔ اس کے بعد کعبہ کو قبلۂ نماز قرار دینے کی وجوہ اور اس مقدس گھر کی اہمیت، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ بہت ہی دلچسپ انداز میں بیان ہوئی ہے اس کے بعد اسلام کا چوتھا فرض، "زکواۃ"

سے متعلق بحث آئی ہے۔ جسمیں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح اسلام نے رؤساء پر زکوٰۃ کو فرض کرکے امیر و غریب کے درمیان ایک توازن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کو اسلامی عبادت میں شامل کرکے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو غرباء و مساکین کا ہمدرد بنا دیا۔ اور اُس نفرت کو ختم کر دیا جو اکثر غریبوں کے دلوں میں امیروں کے تعلق سے ہُوا کرتی ہے۔ ان باتوں کی تفصیل میں بھی جا بجا محمد سلیمان منصور پوری نے قرآن کی آیات کا حوالہ دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ زکوٰۃ کے مستحق کون لوگ ہیں۔ زکوٰۃ کے بعد "رمضانِ مقدس" کے عنوان سے روزوں کی اہمیت اور اُس کے فوائد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور خصوصیت سے یہ بتایا گیا ہے کہ روزوں کی بدولت جہاں جسمانی اعضاء پاک ہوتے ہیں وہاں روح کو بھی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور روزہ دار متقی و پرہیزگار بن جاتا ہے اور اس میں اس فلسفہ کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ روزہ انسانی صحت کے لیے ضروری ہے، پھر یہ کہ جو ہمیشہ سیر ہوکر کھاتے ہیں اُنہیں بھوک کا احساس ہو، تاکہ ان کے دلوں میں ہمیشہ فاقہ کرنے والوں کے لیے محبت و ہمدردی پیدا ہو۔

اس کے بعد 'شراب کی حرمت' بیان کی گئی ہے۔ شراب جسے اسلام نے اُم الخبائث کہا ہے اور ۴ھ میں اس کا پینا حرام قرار دیا گیا۔ بہت ہی مختصر الفاظ میں لکھا گیا ہے۔ اسی سال حضرت امام حسینؓ کی پیدائش ہوئی تھی۔ پس اس کی طرف بھی ایک جملہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اسی باب کا ایک اہم عنوان ہے 'صلح حدیبیہ' اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ شاید ہی کوئی سیرت نگار ہوگا (مسلم یا غیر مسلم) جس نے اس عظیم واقعہ کا ذکر نہ کیا ہو، قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی اپنی کتاب میں اس واقعہ کو جگہ دی ہے اور پورے واقعہ کو قدرے تفصیل سے لکھا ہے اور واقعات کے مستند ہونے کے ثبوت میں صحیح بخاری سے حوالے بھی دئے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے معاہدے کی شرائط

کا ذکر کر کے مؤلفِ کتاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دور اندیشی کو پیش کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا سفیر بنایا جانا، بیعت رضوان، ابو جندل کا اسلام قبول کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں آمد وغیرہ واقعات کو اختصار سے بیان کیا ہے۔ پھر جنگ خیبر کا واقعہ پیش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق و تواضع کے نمونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئیوں کے پورا ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد ایک اہم فرض یعنی "حج" کی فرضیت، مقاصد اور احکام پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فرض کو ادا کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت سے خطاب یعنی خطبۂ حجۃ الوداع پیش کیا گیا ہے۔ مندرجہ خطبہ کی خصوصیت یہ ہے کہ قاضی محمد سلیمان نے ایک طرف عربی متن اور دوسری طرف اُس کا آسان اُردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ خطبہ کے بعد اس خطبہ کا مغز پیش کیا ہے اس کے بعد دین کے مکمل ہونے کی بات کہی گئی ہے اور وہ آیتِ کریمہ پیش کی جسمیں اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ دینِ اسلام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

ترجمہ۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا ہے"۔ [1]

مؤلفِ سیرت نے آیتِ ہٰذہ کی تفسیر بھی حاشیہ میں لکھی ہے۔ جو بہت ہی معلوماتی

---

[1] محمد سلیمان سلمان منصور پوری، "رحمۃ للعٰلمین" جلد اول صفحہ 235-236 اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی سنہ 1980ء

ہے ۔خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علی نے جو قربانی دی تھی ۔ اُس کی وضاحت کی گئی ہے اِس باب کا آخری حصّہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بیان میں ہے ۔ اِس میں آپ صلعم کے مرض میں مبتلا ہونے سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک کے واقعات اور ان دِنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ کرام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے قرار ہونا ۔ جن میں خصوصیت سے حضرت فاطمہ رضہ اور حضرت عائشہ رضہ ، حضرت ابوبکر صدیق رضہ اور حضرت عمر فاروق رضہ کا ذِکر کیا ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غُسل و نمازِ جنازہ و تکفین کے واقعات کو بیان کر کے اس باب کا خاتمہ کیا ہے ۔

پانچویں باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ مبارک سے متعلق بعض اہم باتیں پیش ہوئی ہیں ، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اُسوۂ حُسنہ بیان ہوئے ہیں جو کسی کے لیے بھی مثالی ہو سکتے ہیں ۔ اور جن کی پیروی کے بغیر خُدا کی رضا ، حاصل نہیں ہو سکتی ۔ اسی باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی زندگی ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و اطوار ، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُٹھنا بیٹھنا ، ہنسنا رونا ، آپ صلعم کی غذا آپ صلعم کا صدقہ و ہدیہ کرنا ، بچوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ، کنبہ والوں پڑوسیوں اور خادموں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک ، آپ صلعم کا عدل و رحم ، جود و کرم ، شرم و حیا ، صبر و حلم عفو و رحم ، صدق و امانت ، عِفت و عصمت ، زہد و تقویٰ ، عورتوں سے حسنِ سلوک اور اسیرانِ جنگ کی خبرگیری وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان باتوں کو ایسے دلکش پیرائے میں پیش کیا ہے کہ پڑھنے والے کے دِل میں خود بخود اس پر عمل کرنے کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے اس کے بعد ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذیلی عنوانات کے تحت پیش کیا گیا ہے ، مثلاً (۱) محنت کی تعریف اور مانگنے کی بُرائی کی طرف اشارہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،

"اگر کوئی شخص لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ پر لایا کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ اس سے کہ وہ لوگوں سے مانگا کرے اور لوگ اُسے دیا کریں"۔ [1]

(۴) "ہمسایہ اور مہمان کا حق" کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"جو کوئی شخص خُدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسایہ کو ایذا نہ دیا کرے جو کوئی شخص خُدا پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کی عزت کیا کرے"۔ [2]

اسی طرح "سلام اور خاموشی" صبر و شُکر کی تعلیم، قیدیوں، مسکینوں بیماروں سے برتاؤ کا حکم، درخت لگانے کا ثواب، حیوانات سے ہمدردی کا حکم، لونڈیوں کو تعلیم دینے کا ذکر، لڑکیوں کی تعلیم و ادب کا ذکر، منافق کون ہے، مہاجر کون ہے، قیامت کے دن سایہ ربّانی کن لوگوں پر ہوگا، بادشاہ کی اطاعت کا حکم، غیر مسلم زیرِ معاہدہ اقوام کی حفاظت، صحت اور فراخ دستی کا درجہ، دولت مند کی تعریف، مساوات عامہ، وارثوں کے لیے ورثہ چھوڑنے کی فضیلت، عورت کا درجہ گھر میں، مفسرِ قرآن کا درجہ اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ کلام وغیرہ عنوانات کے تحت آپ صلعم کے احادیثِ مبارکہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ بعد ازاں مختصر قرآنِ مجید پر تبصرہ پیش کیا گیا ہے اور اس کی وجہ مؤلف سیرت نے یہ بتائی ہے کہ

"جس سیرتِ نبویہ صلعم کے ساتھ قرآن مجید کا نمونہ نہیں دِکھایا جاتا وہ کتاب بے حد نامکمل ہے"۔ [3]

پھر الٰہیات کا عنوان قائم کرکے ذاتِ خُداوندی کا عرفان سچے دین کی تعریف بندہ کے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو کیا مطلوب ہے، شریعت سے مقصود اِنسان کی

---

[1] اور [2] محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمتہ اللعٰلمین۔ جلد اوّل صفحہ۔ 272 - 273۔

[3] محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمتہ اللعٰلمین۔ جلد اوّل۔ صفحہ۔ 277
اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی 1980

تکمیل ہے، بنی کے فرائض، اعمال کی جزا و سزا دُنیا میں بھی دی جاتی ہے اور موت کے بعد بھی، صبر اور پرہیزگاری کا درجہ، صبر کا ثمرہ، قسم کھانے کی ممانعت اور اصلاح باہمی کا حکم اور عفو و درگذر کی تعلیم وغیرہ پر قرآن کی روشنی میں وضاحت کی ہے۔ اور ہر ذیلی عنوان کے شروع میں قرآنِ کریم کی آیت یا آیات کو نقل کرکے اس کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ گویہ قرآنی تعلیمات کا ایک اہم حصہ اس باب میں آگیا ہے۔ اس کے بعد سلطنت کے اُصول پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہاں بھی قرآن کے آیات کے حوالے سے ہی اُن اُمور کو براہ راست پیش کیا ہے۔ اس میں مصنف کی رائے کو بالکل دخل نہیں ہے اور نہ ہی وہ کوئی اس سلسلے میں صراحت کرتے ہیں۔ بلکہ ہر ذیلی عنوان کے لیے ایک یا دو آیات کو پیش کرکے اپنے قائم کردہ عنوان کے مطالب نکالنا ہی ان کا مقصد معلوم ہوتا ہے۔ اس میں حاکمانِ عدالت کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے، ظلم باعثِ زوال ہے، نیکوکاری باعثِ قیام ہے۔ جنگ کے لیے تیار رہنا ہی جنگ سے بچنے کی تدبیر ہے۔ ارکان دولت کے مشورہ پر کاروبار کرنا وغیرہ ذیلی عنوانات شامل ہیں۔

بعد ازاں تعلیم و تعلم اور نظامِ تبلیغِ دین کے تعلق سے قرآنی آیات کے متن کو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسلام نے تہذیب اخلاق کی تعلیم پر دوسرے تمام مذاہب سے زیادہ توجہ دی ہے۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری نے اپنی تصنیف میں اس کو خصوصی جگہ دی ہے، اس میں خصوصیت سے میاں بیوی کی تعریف، میاں بیوی کے حقوق، ایمان کی حقیقت، اُمتِ مسلمہ کی دیگر مخلوق پر فضیلت اور حرام چیزوں سے بچنے اور حلال و پاکیزہ اشیاء کے استعمال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آخر میں اسلامی تمدن کی کچھ جھلکیاں پیش کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ روئے زمین پر اللہ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں وہ سب مخلوق خدا کے لیے ہیں اور یہ اُن لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔ پہلی جلد کا اختتام اس آیتِ کریمہ سے کیا ہے۔

"سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"

اور عام سیرتوں کی طرح آخر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں نعت کے نذرانے کے ساتھ یہ پہلی جلد کو پورا کیا ہے۔ اور یہ قصیدہ در نعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلّم فارسی کا ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

دلم ز سینہ ربود آں جمالِ نورانی — کہ حُسن را بہ تماشائی او ست حیرانی

جمالِ صنع دریں کمال حسنِ جلال — مطالعِ خلق و ضیائی جہانِ ظلمانی

محمدؐ اسم و حبیب الہٰ و خواجہ کل — نوید رحمت و پیماں و عفو یزدانی

توئی کہ از تو تمدن روانِ تازہ گرفت — توئی کہ کندہ ز عالم بنائے رہبانی

توئی کہ صدق قسمہ داستاں پدید کنی — توئی کہ عظمت پیشینیاں در خشانی

**جلد دُوم :-** رحمۃ للعالمین کی پہلی جلد کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اس جلد کے مشمولات کو دیکھتے ہوئے اس کتاب کو کئی اسلامی مدارس اور ہائی سکول میں داخلِ نصاب کر لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ چار سال بعد اس کا دوسرا ایڈیشن 1916ء میں دوبارہ شائع ہوا پھر اس کی دوسری جلد منظرِ عام پر آئی۔

زیرِ نظر جلد دوّم کل تین سو تہتّر (373) صفحات پر مشتمل ہے۔ ترتیب مضامین کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنّف نے جلد دُوّم میں ایسے ضروری مضامین کا احاطہ کیا ہے۔ جن کو بعض سیرت نگار آغازِ کتاب میں ہی بیان کرتے ہیں۔ یعنی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ابتدائی حالات اور آپ صلعم کے آباؤ اجداد اور شجرۂ طیّب وغیرہ مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اس ترتیب کو، بقول اُن کے، اس لئے بدلا ہے کہ وہ " رحمۃ للعالمین " کو تین حصّوں میں لکھنے کا ارادہ کر چکے تھے اور اگر کسی وجہ سے یہ تینوں جلدیں لکھنے کا موقع نہ ملے تب بھی ایک جلد کے پڑھنے سے سیرتِ نبویؐ کا ایک مجموعی خاکہ ذہن میں آجائے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں ـــ

"جلد دُوم میں ایسے ضروری مضامین ہیں جن میں سے بعض کو علمائے سیرت

آغازِ کتاب میں جگہ دیا کرتے ہیں، مگر میں نے حصّہ اوّل کو صرف ایسے مالا بدمنہ حالاتِ مبارکہ پر اختصار کے ساتھ محتوی رکھا تھا کہ اگر بقیہ جلدیں شائع نہ ہو سکیں، تب بھی وہ نقشِ ناتمام کی صورت میں غیر مکمّل نظر نہ آئے" ؂ ۱

مصنّف کی مختصر تمہید کے بعد "النسب" کے عنوان سے بابِ اوّل کا آغاز ہوتا ہے۔ جس میں عنوان سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے شجرۂ نسب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شجرۂ طیبہ کو مولانا محمد سلیمان سلمان منصورپوری نے تین حصّوں میں پیش کیا ہے۔ حصّہ اوّل میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے عدنان تک، دوسرے حصّے میں معد بن عدنان سے حضرت اسماعیل ع تک اور تیسرے حصّے میں حضرت اسماعیل ع سے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السّلام تک کے اسمائے گرامی کا ذکر ہے۔ مولانا محمد سلیمان سلمان منصورپوری کے پیش کردہ شجرے کی خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے سیرت نگاروں کے یہاں اس سلسلے میں اتنی تفصیلات نہیں ملتیں۔ ان شجروں میں صرف ناموں کا ہی ذکر نہیں ہے بلکہ ان کے ددھیال اور ننھیال کا بھی تذکرہ ہے۔ نیز اس سے تعلق رکھنے والی دیگر تفصیلات بھی آگئی ہیں۔ ان تفصیلات کو مصنّف نے جدول کی شکل میں پیش کیا ہے۔ تاکہ معلومات ذہن نشین ہو جائیں۔ اس کے علاوہ چند انبیاء کرام کے حالاتِ زندگی بھی تحریر کئے ہیں۔ جن میں حضرت آدم علیہ السّلام، حضرت نوح علیہ السّلام، حضرت سام ع، حضرت ابراہیم علیہ السّلام، اُم المسلمین ہاجرہ علیہا السّلام اور حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ السّلام کے نام شامل ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے تذکرے کے ساتھ ہی عدنان سے لے کر حضرت عبداللہ اور حضرت سیّدہ آمنہ اور اُن کے خویش و اقارب کے مختصر حالات، سلسلۂ نسب، کُنیت وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں ابولہب بن عبدالمطلب کا بھی تذکرہ ہے۔ جو رشتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا چچا تھا۔ اس کے بعد آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم

کا مفصل حال بیان ہوا ہے۔ جن میں تین فرزندانِ نرینہ اور چار دخترانِ طاہرہ کا ذکر ہے۔ پھر ابنائے حضرت فاطمہ زہرہ رضؓ، حضرت امام حسن رضؓ اور حضرت امام حسین رضؓ اور ان کی آل کا تذکرہ ہے یہ ساری تفصیلات صفحہ 21 سے صفحہ 125 تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جس کے مطالعہ سے خاندانِ نبوّت کی مکمّل نسبی تاریخ سے قاری واقف ہو جاتا ہے۔

باب دوّم اُمہاتُ المومنین رضی اللہ عنہنّ کے بیان سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں مولانا محمد سلیمان سلمان منصورپوری نے ازواجِ مطہرات کے حالات قلم بند کرنے سے پہلے اس شبہ کا ازالہ کیا ہے جو اکثر عیسائیوں کی کتابوں میں کثرتِ ازواج سے متعلق پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے گذشتہ صفحات میں لکھا ہے کہ مصنّف صرف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر اظہارِ خیال کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کتاب کی تصنیف کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ ان اعتراضات کا جواب بھی دیں جو مستشرقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ مقدسہ اور اسلام پر لگائے تھے۔ اس ضمن میں اُنہوں نے ایشیا کے اُن مذاہب کا ذکر کیا ہے جو کثرتِ ازواج کی تائید کرتے ہیں، خصوصاً ہندو مذہب میں مہاراجہ دسرت (جن کی تین بیویاں تھیں)، سری کرشن جی (جن کی بے شمار بیویاں تھیں) اور راجا پانڈو (جن کی دو بیویاں تھیں) کا ذکر کیا ہے۔ جو ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے تھے اسی طرح سیّدنا ابراہیمؑ (جن کی تین بیویاں تھیں) حضرت یعقوبؑ (جن کی چار بیویاں تھیں) اور حضرت موسیٰؑ وغیرہ کا ذکر کر کے کثرتِ ازواج رکھنے کا جواز بھی پیش کیا ہے۔

بعد ازاں فصل اوّل میں "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور کثرت زوجات" کا عنوان قائم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وہ پچپن (۵۵) سالہ زندگی پیش کی ہے جس میں حضرت خدیجہ رضؓ کے علاوہ کوئی دوسری زوجہ نہیں تھی۔ پھر یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ کی عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے پندرہ سال زائد تھی اور وہ بیوہ تھیں اور دو شوہروں کے نکاح میں آ کر کئی بچوں کی ماں بن چکی تھیں۔ ایک ایسی خاتون سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نکاح فرمایا تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پرستارانِ حسن

نہ تھے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مَالِي فِي النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ"

ترجمہ۔ "مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں" ۔ ۱؎

مصنف نے یہ ثابت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کے آخری حصہ میں جن کی مدت ۵۵ سنہ ھ سے لے کر ۵۹ سنہ ھ تک پھیلی ہوئی ہے یعنی ان پانچ سالوں میں ازواجِ مطہرات سے حجرات آباد ہوئے تھے اور وہ بھی اس لیے کہ اسلام کی تبلیغ میں یہ معاون ہوں فرماتے ہیں۔

> "غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ نبی صلعم نے جس قدر نکاح کیے۔ ان کی بنیاد فوایدِ کثیرہ دین اور مصالح جمیلہ ملک اور مقاصد حسنۂ قوم پر مبنی تھے"۔ ۲؎

فصل دوم میں ازواجِ مطہرات کے فضائل بیان کئے ہیں، اور عربی لفظ "زوج" پر تفصیلی بحث کی ہے اور یہ بحث لسانیات کے طلباء کے لیے کافی اہمیت رکھتی ہے۔ اور قرآن سے حوالے دیکر یہ ثابت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مقام بہت ہی افضل ہے۔ اور اس سلسلے میں نو فضیلتیں بیان کی ہیں۔ فصل سوم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسنِ سلوک جو اپنی ازواج کے ساتھ تھا۔ اس پر اظہار کیا ہے اور مختلف واقعات پیش کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن سلوک پر روشنی ڈالی ہے، مثلاً ان ازواج کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے، اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ مساوی سلوک فرماتے، عموماً بعد نمازِ عصر ہر ایک بیوی کے گھر پر تشریف لے جا کر ان کی ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعد نماز مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات

---

۱؎ محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، جلد دوم، صفحہ ۱۳۱ اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ 1980
۲؎ محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین جلد دوم، صفحہ ۱۳۱، اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ 1980

فرماتے اور شب کو نوبت بہ نوبت ہر ایک گھر میں استراحت فرمایا کرتے۔ اور ان کے آرام کا اتنا خیال رکھتے کہ انھیں ذرا سی بھی تکلیف نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلمؐ گھر میں داخل ہوتے تو خود السلام علیکم فرمایا کرتے، رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور سو گئی ہو تو اس کی راحت میں خلل نہ پڑے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلمؐ کا اپنی بیویوں کی سہیلیوں اور ان کے عزیز و اقارب سے جو برتاؤ تھا اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ فصل چہارم میں ایک نقشے کے ذریعہ ازواج النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلمؐ کے نسب ناموں کا نسب نامۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہونا بتایا گیا ہے۔ تاکہ ہر ایک ام المؤمنین کی قرابت نسب کا حال واضح ہو سکے۔ فصل پنجم میں ازواج النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلمؐ کے جداگانہ حالات پیش کئے ہیں۔ ان میں حضرت خدیجہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ کے مختصر حالات زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے۔ نیز مذکورہ امہات المؤمنین کے اقارب کا بھی مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا حاشیہ میں مختصر حال لکھا ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ کی فضیلت اور ان سے مروی احادیث کا ذکر کیا ہے۔ فضیلتِ حضرت خدیجہ کے ساتھ ساتھ امّ المؤمنین حضرت حفصہؓ اور ان کے اقارب کا مختصر تذکرہ بیان ہوا ہے حضرت زینبؓ، حضرت امّ سلمہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت امّ حبیبہؓ، حضرت صفیہؓ اور حضرت میمونہؓ اور ان کے اقارب کا حال لکھا ہے اور اس فصل کے آخر میں ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ جسمیں تمام امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی ساری تفصیل مل جاتی ہے۔

باب سوّم غزوات و سرایا پر محیط ہے۔ اس باب میں پہلے غزوات و سرایا کی ابتداء سے متعلق معلومات فراہم کئے گیے ہیں اور ایک نقشہ کے ذریعہ ۲ سنہ ھ سے ۹ سنہ ھ تک پیش آئے غزوات و سرایا کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ یہ نقشہ بہت معلوماتی ہے ایک نظر میں بیاسی 82 غزوات و سرایا کا مطالعہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس سے متعلق ساری

تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ جن میں غزوات و سرایا کی تقسیم، ہر دو فریق کے نقصاناتِ جنگ، اسیرانِ غزوات کا انجام اور یورپ کی جنگِ عظیم اور اس سے پیدا ہونی والی ہلاکت کا مختصر احوال پیش کیا گیا ہے اور آخر میں ان صحابہ کرام کی فہرست دی گئی ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مقدس میں شہید ہوئے تھے۔ اس باب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پہلے کسی بھی سیرت کی کتاب میں اس قدر غزوات و سرایا اور شہدا کی تفصیلات نہیں آئی ہیں۔ یعنی کس غزوہ میں کتنے مکان شہید ہوئے اور اُن کا نام کیا تھا اور وہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے وغیرہ۔ بابِ چہارم کے ابتداء میں "اساطیر" کا مفہوم واضح کیا گیا ہے، یعنی ایسے قصّے جن میں حقیقت کم ہو مگر دلچسپی زیادہ ہو۔ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کفّارِ عرب قرآن مجید میں بیان کردہ نبیوں کے حالات کو اساطیر کہہ کر پکارتے تھے اور بعض پادریوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب قصّے ایک عیسائی عالم ہی سے سُن کر اپنی زبان میں ڈھال لیے تھے۔ اس باب میں مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے ایک ہی قصّہ کے متعلق موجودہ بائبل کیا بیان کرتی ہے اور قرآن مجید اس بابت میں کیا کہتا ہے۔ اس میں خاص طور پر حضرت آدم علیہ السّلام، قابیل و ہابیل فرزندانِ آدم علیہ السّلام، حضرت نوح علیہ السّلام حضرت ابراھیم علیہ السّلام، حضرت لوط رض، حضرت اسحاق رض، حضرت یعقوب علیہ السّلام حضرت یوسف علیہ السّلام حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت داؤد علیہ السّلام، سلیمان علیہ السّلام، حضرت ایوب علیہ السّلام، ذکریا علیہ السّلام، حضرت یحیٰی علیہ السّلام اور مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السّلام کے متعلق بائبل اور قرآن کا موازنہ کیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم اپنی تعلیم میں دیگر آسمانی کتابوں سے کس قدر اعلیٰ ہے ایسی پاک کتاب کے لانے والے کی نسبت یہ خیال کرنا کس قدر غلط ہے کہ وہ اپنے سے پہلی کتابوں کے مضامین کو چُرا چُرا کر بیان کرتا ہے۔

باب پنجم میں سیّد المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی افضلیت، عظمت و وقار کو بتایا گیا ہے اور اس مسئلہ کو مصنّف مسلمانوں کا ایمان بلکہ ایمان کی جان کہتے ہیں۔ اس میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی فضیلت ہی نہیں بتائی گئی بلکہ قرآن کے حوالے سے اور انبیاء کے فضائل بیان کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن دیگر انبیاء کا ذکر ہوا ہے اُن میں حضرت آدم علیہ السّلام حضرت ادریس علیہ السّلام، حضرت الیاس علیہ السّلام حضرت نوح علیہ السّلام، حضرت ہود علیہ السّلام، حضرت صالح علیہ السّلام اور حضرت ابراھیم علیہ السّلام کے علاوہ ان تمام انبیاء کرام کی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ نیز ان کے مقابلہ میں قرآنِ کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق کیا کہتا ہے، اُس کی تفصیل بھی لکھی ہے، پھر انجیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے آمد کی جو بشارت آئی ہے، اس کا ذکر بھی فضیلت کے باب میں کیا ہے۔ اس میں خصوصیت سے اسمِ پاک "احمد" کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر احادیث میں آپ صلعم کے جو اسمائے گرامی مذکور ہوئے ہیں۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے بیان ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مصنّف نے ایک فہرست ایسے علمائے محدثین و مفسّرین و فقہاء و علماء و شاہان اور امراء کی پیش کی ہے جو اسمِ احمد سے اسلام میں موسوم ہوئے تھے۔ اور اس باب کے آخر میں آپ صلعم کے اُن صفات کو بیان کیا ہے جو قرآنِ کریم میں مذکور ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم، شاہد، مبشر و نذیر داعیا الی اللہ باذنہٖ اور سراجاً منیرا ہیں۔

باب ششم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُس وصف پر روشنی ڈالی گئی ہے جو دوسرے نبیوں کے حصّہ میں نہیں آیا۔ اور قرآن کریم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے علاوہ کسی نبی و رسول کو رحمۃ للعٰلمین کہہ کر نہیں پکارا۔ مصنّف نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ رحمت کا لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کسی دوسرے نبی کے

لیے استعمال نہیں ہوا۔ اور اس لفظ کے ساتھ عالمین کا لفظ جوڑ کے یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ و رسالت سارے عالمین کے لیے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالموں کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے۔ اس ایک لقب میں کتنی صفات پوشیدہ ہیں، کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نے کس طرح مختلف اقوام مختلف طبقات، یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین کو اپنے آغوش میں لیا اس کی مختصر تفصیل واقعات کے حوالے سے لکھی ہے۔ اس کے علاوہ رحمۃ اللعٰلمین کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عمل تھا اور آپ صلعم نے اپنے اُمتیوں کو کیا عمل کرنے کی تاکید فرمائی اس کی وضاحت کی گئی ہے مثلاً آپ صلعم نے انصاف کا حکم دیا، شہادت کی توثیق فرمائی، بیوی کا درجہ اور اس کے حقوق بتائے انسانوں کی جان کی قدر و قیمت بتائی دورانِ جنگ بھی رحیمانہ اصول قائم فرمائے والدین کے حکم پر بچوں کو مجبور کیا، معافی کا درس دیا، زنا کی برائی سے روکا، شراب و قمار سے باز رکھا۔ اس پورے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت بتائی گئی ہے۔

باب ہفتم حُبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ مصنف نے پہلے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ قرآن مجید اور احادیث پاک میں لفظ "عشق" استعمال نہیں ہوا۔ اس کے بجائے قرآن و احادیث میں لفظِ محبت استعمال ہوا ہے۔ مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے "محبت" کی تفصیلی وضاحت قرآنی آیات کے حوالے سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محبت کی بنیاد کسی کمالِ اصلی پر ہوتی ہے۔ دنیا میں ہم ایسے افراد سے بھی محبت کرتے ہیں جن کو کبھی ہم نے دیکھا بھی نہیں مگر چونکہ ان میں وہ صفات پائے جاتے تھے جن کو ہم پسند کرتے ہیں یا جن سے ہمیں محبت ہے۔ جب دنیا میں معمولی کمال رکھنے والے سے ہمیں محبت ہے تو کیوں نہ ایسے محبوب، ایسے محمود ایسے مصطفیٰ ایسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے فدا نہ ہوں گے اور اس فدا ہونے کو اپنے

لیے باعثِ شرف اور انتہائی کمالِ انسانیت نہ سمجھیں گے۔ مصنّف نے قرآن اور حدیثِ پاک کو پیش کر کے محبّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اہمیت واضح کی ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے محاسنِ اخلاق اور شرفِ افعال کے چند نمونے پیش کر کے یہ دِکھایا ہے کہ ایسی صفاتِ عالیہ کے مالک سے کون شخص محبّت کرنا نہیں چاہتا۔

اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا جود و سخا، عدل و انصاف، آپ کی شجاعت و تواضع، آپ کی حیا، شفقت، عفو و کرم، زہد و تقویٰ اور عام اخلاق و عادات پر مختصر اً روشنی ڈالی ہے۔ مسلمانانِ عالم کو دعوت دی ہے کہ آؤ اپنے پیارے نبی رسول سے محبّت کریں جن کو خُدا نے خود اپنی محبّت کے لیے چن لیا۔ اس لیے کہ بقول مصنّف۔۔۔

"۔۔۔ محبّت ہی ادب و توقیر سکھاتی ہے اور محبّت ہی اتباع و اطاعت پر آمادہ کرتی ہے تعظیم وہی تعظیم ہے جس کا منشاء محبت ہو اور اکرام وہی اکرام ہے جس کا مبداء محبت ہو"۔ (1)

اس باب کے آخر میں اصحاب کرام کو حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلّم سے جو عقیدت و محبّت تھی اُس کا اظہار مختلف واقعات اور صحابہ کرام کے افعال و اقوال کو پیش کر کے کیا ہے

ع ۔ محمدؐ کی محبّت دینِ حق کی شرط اوّل ہے

باب ہشتم میں سن ہجری سے متعلق چند بنیادی اور دلچسپ معلومات فراہم کی گئی ہیں اس لیے کہ اکثر سیرت کی کتابوں میں واقعات سے متعلق کبھی دن صحیح ہوتا ہے تو تاریخ غلط ہوتی ہے اور کبھی تاریخ صحیح ہوتی ہے تو دن غلط ہوتا ہے، مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے ایک نقشہ کے ذریعے سنہ ۱ھ سے سنہ ۱۴۷ھ تک سالہائے ہجری کے شروع ہونے کا دِن رویت عرب کے مطابق درج کیا ہے۔ اور سال ہجری شروع ہونے کا دِن معلوم کرنے کا قاعدہ بھی بتایا ہے۔ اس کے بعد سنہ ہجری کے استعمال کا آغاز کب ہوا، اس کی خصوصیات

---

(1) محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃً للعالمین، جلد دوم صفحہ 341 اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی سنہ 1980ء

کیا ہیں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ علاوہ ازیں جولین پیریڈ، سنہ عبرانی، سنہ طوفان (نوح) کل جگ، سنہ ابراہیمی، بخت نصری، سنہ سکندری، بکرمی بروشنہ بکرمی قمری شمسی سال، عیسوی جدید، قبطی جدید، جلوس نوشیروانی اور عام الفیل پر بھی اختصار کے ساتھ لکھا ہے، اور عام الفیل کے حملہ کی تاریخ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تاریخ ۹ ربیع الاول ۱ عام الفیل نکالی ہے، "جدول واقعات عظیمہ متعلق سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت مشہور واقعات پر مبنی ایک جدول دیا ہے۔ جسمیں سنہ قمری اسلامی اور سنہ شمسی عیسوی کی تاریخ، ماہ اور سال دیا گیا ہے۔ اور اس میں ۱۷ اہم واقعات کی تاریخ دن اور سال درج ہیں۔ آخر میں ان کتب کی فہرست دی گئی ہے جن سے جلد دوم کتاب رحمۃ للعلمین میں استفادہ کیا گیا ہے۔ پھر قصیدہ در حمد باری تعالیٰ جل جلالہٗ عمّ نوالہ، سے اس جلد کا اختتام کیا ہے۔

ع نفس ہے سینے میں سلمانؔ کے رواں جب تک
نبیؐ کی نعت میں چلتی رہے زبان و قلم!

**جلد سوئم:** مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی تصنیف "رحمۃ للعالمین" صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ تیسری جلد ہے۔ جو جلد سوا نیس 419 صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی اور دوسری جلد کے مقابلہ میں اِس کی ضخامت کچھ زیادہ ہی ہے۔ لیکن مصنّف کی حیات میں یہ جلد منظرِ عام پر نہ آسکی، اگرچہ کہ اس کا مسودہ مصنّف نے انتقال سے بہت پہلے تیار کرلیا تھا۔ اسی اثناء میں سفرِ حج اختیار کیا اور وہ مسودہ نظرِ ثانی کے لیے اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ چنانچہ ریل اور جہاز میں یہی کام کرتے رہے اور اس مسودہ میں چند نئے ابواب کا اضافہ بھی کردیا۔ فرائضِ حج کی ادائیگی کے بعد وطن واپسی پر جہاز ہی میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ اور یہ مسودہ کچھ عرصہ تک ان کے اسباب میں ہی بند پڑا رہا۔

زیرِ نظر جلد کا موضوع اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کے امتیازی خصوصیات ہیں۔ اس کے مطالعہ سے بقول سیّد سلیمان ندوی قارئین کو اندازہ ہوگا کہ ــ

"ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے قلم نے عشق و محبت کے نشۂ سُرور میں علم و عقل کی فرزانگی اور ہوشیاری کے ساتھ نکتہ رسی اور دیدہ وری کی کیا کیا صنعت کاریاں کی ہیں۔" [1]

اس جلد کا آغاز مولانا علامہ سیّد سلیمان ندوی کے مقدّمے سے ہوتا ہے* جس میں انہوں نے مصنّف سے اپنے مراسم کا ذکر کرکے "رحمۃ للعالمین ؐ" کا مختصر تعارف کرایا ہے اصل کتاب کی ابتداء بابِ اوّل سے "خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلّم" کے عنوان سے ہوتی ہے۔ کہنے کو تو یہ ساری جلد خصائصِ محمدی کے بیان میں ہے۔ مگر درحقیقت اس میں اِسلام کے اُن امتیازات اور خصوصیات کا خاکہ پیش ہوا ہے جس کی بنا پر اُس کو "دینِ کامل" کہا گیا ہے۔ اسی طرح اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وہ فضائل

---

[1] محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ للعالمین جلد سوئم، صفحہ 8 مقدّمہ از مولانا سیّد سلیمان ندوی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی سنہ 1980ء، * اس سے قبل شائع ہونے والی دونوں جلدوں میں کسی دوسرے فریق کا مقدمہ یا پیش لفظ شامل نہیں۔

وہ محامد درج ہیں جن کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو "خاتم النبیین" کا خطاب عطا ہُوا ہے۔

باب اوّل دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصل اوّل میں خصوصیاتِ وجودِ گرامی بیان ہوئے ہیں اور فصل دُوم میں خصوصیات نبوت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ فصل اوّل میں مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت و ثروت میں چھبیس 26 خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مبین میں کیا ہے۔ مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اوّل ان کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ خُدا ئے قدیر ہی اپنے حبیب کی خصوصیات کا جاننے والا ہے۔ اس ضمن میں ارشادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ہے کہ ـــــ "میری حقیقت کو میرے اور میرے خُدا کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ [1]

جن آیاتِ کریمہ کو پیش کر کے مصنّف نے رفعتِ شان حبیب بتائی ہے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

حصوصیت نمبر۱: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ محمد اللہ کے رسُول ہیں۔

اِس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام بھی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصب بھی، ہر دو اعتبار سے آیتِ بالا خصوصیات نبویہ کی مظہر ہے۔ اسی آیت کے ضمن میں مصنّف فرماتے ہیں۔

"ـــــ انبیائے کرام علیہم السّلام میں سے کسی نبی کا نام بھی ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ نام ہی اپنے مسمّٰی کے کمالاتِ نبوت کا شاہد عدل ہو"۔ [2]

کسی دوسرے پیغمبروں کے اسماء میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ اس لیے کہ دوسرے پیغمبروں کے نام اُن کے شخصی و جسمانی خصوصیات کے پیش نظر رکھے گئے ہیں۔ مصنّف نے سات نبیوں کے ناموں کے ساتھ اُن کے معانی بھی درج کیے ہیں۔ جس سے

---

[1] محمد سلیمان سلمان منصور پوری، "رحمۃ للعالمین" جلد سوئم صفحہ 14، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی سنہ 1980ء

[2] محمد سلیمان سلمان منصور پوری "رحمۃ للعالمین" جلد سوئم صفحہ 14، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی سنہ 1980ء

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے نام کی خصوصیت ذہنشین ہو جاتی ہے۔ مثلاً

آدم : کے معنی گندم گوں ہیں۔ ابو البشر کا یہ نام اُن کے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے

نوح : کے معنی آرام ہیں۔ آپ نے ان کو آرام و راحت کا موجب قرار دیا۔

اسحٰق : کے معنی ضاحک یعنی ہنسنے والا ہیں۔ آپؑ ہشاش بشاش چہرے والے تھے۔

یعقوب : پیچھے آنے والا۔ یہ اپنے بھائی عیسو کے ساتھ توام پیدا ہوئے تھے

موسیٰ : پانی سے نکلا ہوا۔ جب ان کا صندوق پانی میں سے نکالا گیا، تب یہ نام رکھا گیا۔

یحییٰ : عمر دراز، بوڑھے ماں باپ کی بہترین، آرزوؤں کا ترجمان ہے۔

عیسیٰ : سُرخ رنگ، چہرہ گلگوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔

اِن ناموں میں عظمتِ روحانی یا نبوّت کی طرف ذرا بھی اشارہ نہیں مِلتا مگر اسمِ "محمد" صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان اور ہی ہے۔ اِسی طرح اور کئی نکات اس خصوصیت کے سلسلے میں مصنّف نے پیش کئے ہیں۔

خصوصیت نمبر۲: رَسُولاً مِّنْکُمْ ۔ "وہ رسُول تم میں سے ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں تشریف لائے وہ تم میں سے ہیں۔ اس میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیت یہ ہے کہ حضورؐ سے پیشتر دُنیا کی مشہور اقوام نے اپنے دینی رہبروں کو جنسِ انسانی سے بالاتر ہونے کی عزت دے رکھی تھی۔ وہ ان کو خُدا کا اوتار سمجھتے تھے۔ لیکن قرآن نے مِنْکُمْ کہہ کر یہ بحث ہی ختم کردی۔ چنانچہ مِنکم نے درجۂ بشریت کو بالاتر بنا دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات کو کوتاہ بینوں کی خیالی توجیہات سے ارفع و اعلیٰ ثابت کر دیا اور مصنّف نے درجِ ذیل آیت پیش کر کے اپنی بات کی تصدیق کردی،

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ "نہیں ہوں میں مگر بشر اور رسول"

خصوصیت نمبر ۳: عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ "تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا۔" اس خصوصیت سے متعلق مصنّف لکھتے ہیں کہ لفظ 'عَلَّمَكَ' ظاہر کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی تھی۔ دُنیا میں تعلیم عام لوگوں کو قوّتِ شنوائی و بینائی یعنی حِسیّات کے ذریعے سے دی جاتی ہے۔ جبکہ انبیاء کی تعلیم اُن کے قلب سے شروع ہوتی ہے۔ اللہ کی تعلیم دینے میں اور بندہ کی تعلیم دینے میں بڑا فرق ہے تعلیمِ ربّانی کا اغلاط سے پاک ہونا وہ خصوصیت ہے جو دُنیا کے کسی معلّم یا متعلّم میں نہیں پائی جاسکتی۔

خصوصیت نمبر ۴: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ "کیا ہم نے تیرے سینہ کو نہیں کھول دیا۔" اس خصوصیت کے سلسلے میں اسی قبیل کی اور پانچ آیات کو مصنّف نے نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو تبلیغِ دین کے لیے ہمّت عالی اور عزم راسخ اور استقامتِ محکم حاصل ہو۔ کسی بادشاہ کا جبر، کسی کافر کی فرعونیت کا رعب سینۂ صافی پر سایہ فگن نہ ہوسکے۔ اپنی تنہائی، بے کسی، بے سروسامانی کا خیال بھی اُٹھ جائے ان آیات میں نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیت علیا کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

خصوصیت نمبر ۵: وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ۔ "ہم نے تیرے بوجھ کو تجھ پر سے اُتار دیا۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حصّے ہی میں آئی۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرائضِ نبوت کی ادائیگی میں کسی دوسرے سے مدد نہیں لی بلکہ اس میدان میں یکہ و تنہا قدم رکھا۔ اس ایثار و بے جگری اور اس اطاعت و فرماں برداری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اعانت فرماتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بوجھ کو ہلکا کر دیتا، دراصل یہ وہ کمال ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیات میں سے ہے

اِسی طرح مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے آپ صلعم کے کُل چھبّیس خصوصیات گنوائے ہیں اور ہر خصوصیت کے تحت قرآن کی کم از کم ایک آیت کو نقل کیا ہے۔ اور آخری خصوصیت کے تحت قرآن مجید میں مذکور اٹھارہ انبیاء کرام کا مختصر تذکرہ لکھا ہے اور ہر ایک

نبی کی خصوصیت کو ظاہر کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں جملہ انبیاءِ کرام کی صفات عالیہ جمع ہوگئیں ہیں۔ چاہے وہ حسب ونسب ہو، ملک و قدرت ہو، صبر و شکر ہو، معجزات وظہورِ آیات ہوں، زہد وتقویٰ ہو یا تبلیغ اُمم ہو۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان جملہ صفاتِ عالیہ کا مجموعہ ہیں اور یہ مقامِ عظیم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے، فصل سوم کا عنوان مصنف نے "خصوصیات نبویہ از احادیثِ مصطفویہ" قائم کیا ہے۔ عنوان سے ظاہر ہے کہ اُنہوں نے قرآن میں بیان کردہ خصوصیات کے بعد احادیث کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ جسمیں منصب شفاعت اور خصوصیاتِ معراج پر تفصیلی بحث ہے۔ فصل چہارم میں معجزاتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جسمیں پہلے معجزہ کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ پھر اس کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ بعدازآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جسمیں پانی کا معجزہ، دودھ کی برکت، تکثیرِ طعام اور معجزہ شق القمر کو جگہ دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں اور آپ صلعم کی دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے، اور ان کو معجزات کی قسموں میں دکھایا ہے اور اس باب کے آخر میں اسماءُ الرّسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سُنّت مصطفویہ پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بحث فصل پنجم اور ششم کے تحت کی گئی ہے۔

"خصائص القرآن" باب دوم کا سرنامہ ہے جو سات فصلوں میں منقسم ہے جسمیں قرآن کریم سے متعلق ضروری بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے سیرت میں اس باب کو اس لیے شامل کیا ہے کہ قرآن اور صاحبِ قرآن کے تعلق کو پیش کیا جاسکے"۔ بقول مصنف سیرت نگارِ نبوی ؐ کا فرض ہے کہ قرآنِ مجید کے متعلق بھی ضروری مباحث کو سیرت نبوی ؐ کے ساتھ ساتھ پیش کرے۔ جلد اوّل میں بھی اس بحث کے لیے مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے چند اوراق صرف کیے تھے۔ اور اس جلد میں بھی قدرے تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

اس باب کا آغاز "ضرورتِ قرآن" کے عنوان سے ہوتا ہے، جسمیں کتاب الٰہی کی ضرورت و اہمیت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ پھر قرآن کی فصاحت و بلاغت کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ اور بلاغت و فصاحت کی سینتالیس مثالیں دی گئی ہیں اور بعد ازاں قرآن کے معانی و مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ یعنی اس کتاب کی وسعت و عمدگی پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے نیز "تاثیرِ قرآن" کو مختلف واقعات کے حوالے سے ثابت کیا گیا ہے۔ جسمیں حضرت عمرؓ کا واقعہ سرِ فہرست بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد قرآن کی تعلیم و تاثیر کا نمونہ، خصوصیاتِ قرآنِ مجید، قرآن مجید کا مصنف اور قرآن کی پیشن گوئیوں پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

مصنف نے اس کے بعد نقشہ شمار حروفِ تہجی پیش کیا ہے۔ جو انتہائی معلوماتی ہے یعنی قرآن مجید میں کونسا حرف کتنی بار استعمال ہوا اُس کی تفصیل درج کی ہے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ا - | ۴۸۹۹۲ | س - | ۵۹۷۶ | م - | ۲۶۵۱۵ |
| ب - | ۱۲۲۲۸ | ش - | ۲۱۱۵ | ن - | ۴۴۱۹۰ |
| ت - | ۲۴۰۴ | ص - | ۲۰۰۸۳ | و - | ۴۵۵۸۹ |
| ث - | ۳۱۰۵ | ض - | ۶۸۲ | ہ - | ۱۶۰۷۰ |
| ج - | ۴۲۳۲ | ط - | ۱۳۰۷ | ی - | ۲۵۹۰۹ |
| ح - | ۴۱۲۰ | ظ - | ۷۸۲ | ل - | ۳۳۵۲۰ |
| خ - | ۲۱۰۵ | ع - | ۹۲۷۴ | | |
| د - | ۵۹۷۲ | غ - | ۹۲۱۱ | | |
| ذ - | ۴۷۳۹ | ف - | ۴۴۱۸ | | |
| ر - | ۱۲۶۴۰ | ق - | ۶۶۱۲ | | |
| ز - | ۳۵۸۰ | ك - | ۱۰۶۲۸ | | |

جملہ حروفوں کی تعداد ۳،۴۶۹۹۸ ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ کے اس کارنامے کا ذکر کیا ہے جو آپ نے تحفظِ قرآن کے لیے کیا تھا۔ اور اس ضمن میں جمع قرأت قرآن مجید

سے متعلق قرآنی آیات بھی پیش کی ہیں۔ پھر اسلام، اہل ایمان اور مشرکین کے علاوہ غزوات نبوی اور یہودیوں اور عیسائیوں سے متعلق قرآن نے جو پیشن گوئیاں کی ہیں اُس کی تفصیل بیان کی ہے اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے دشمنوں کا کس طرح خاتمہ ہوا اُس کا مختصراً ذکر کیا ہے۔

"رحمتہ للعالمین" جلد سوم کا آخری باب یعنی باب سوم "خصائص الاسلام" سے بحث کرتا ہے اس میں سب سے پہلے اسلام کی بنیاد اور اُسکی صداقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کائنات کے تمام مذاہب میں اسلام ہی واحد مذہب ہے جس نے توحید کی مکمل طور پر وضاحت کی ہے، متعدد قرآنی آیات کے حوالے سے مصنف نے توحید کے مفہوم کو واضح طور پر پیش کیا ہے فرماتے ہیں۔

"اسلام ہی ہے جس نے توحید کو مکمل بیان کرنے میں توحید فی العبادت توحید فی الاستعانت، توحید فی القدرت، توحید فی التصرف، توحید فی الصفات کے الگ الگ عنوانات قائم کئے اور ہر ایک عنوان کے تحت میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اُن مسائل کو محکم و قوی بنایا۔" [1]

اس بحث کے آخر میں مصنف نے اسلامی توحید اور دیگر فلسفیوں کے نظریۂ توحید کے فرق کی وضاحت کی ہے، اور لکھا ہے کہ جو توحید اسلام سکھلاتا ہے اور قرآن پیش کرتا ہے، وہ فلاسفروں کی توحید سے بالکل ارفع و اعلیٰ ہے۔

توحید پر تفصیلی گفتگو کے بعد دینِ اسلام کی مختلف خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ اسلام کی یہ وہ خصوصیات ہیں جو دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے، اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلّم ہے

---

[1] ۔ محمد سلیمان سلمان منصور پوری۔ رحمتہ للعالمین جلد سوم، صفحہ 329، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی سنہ 1980

اسلام ہی رحم و عدل کے مسئلہ کو حل کرتا ہے، اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے اور اسلام ہی دین العمل ہے، اور اسطرح دینِ اسلام کی خصوصیات بیان کی ہیں اور اس کی برتری ثابت کی ہے اور یہ واحد دین ہے جو اخوت، محبت اور مساوات کا بانی ہے۔ یہی وہ دین ہے جس نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا، یہی وہ دین ہے جسکا فیض عام ہے، یہی دین انسان کے اندر تقویٰ پیدا کرتا ہے، مصنف نے بے شمار دلائل کی روشنی میں اسلام کے خصائص بیان کئے ہیں، جس کا لب لباب یہی ہے کہ یہ ایک سچا دین ہے، یعنی اسلام "دین الصدق" ہے۔ اکیسویں فصلوں پر مشتمل یہ باب اسلام کی خصوصیات کا ترجمان ہے

مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے تین ضخیم جلدوں پر مشتمل سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تحریر فرما کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ایک ہزار بچاسی صفحات پر پھیلی ہوئی یہ تصنیف "رحمۃ للعالمین ص" ایک مکمل اور جامع سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جسمیں سیرت کے بے شمار واقعات کو تحقیق کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور جگہ جگہ قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں کے حوالے سے واقعات کے صحیح و مستند ہونے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ممتاز فاخرہ تحریر فرماتی ہیں۔

> "سوانح عمری (سیرت رحمۃ للعالمین) میں مصنف نے تحقیق کا سائنٹفک انداز اختیار کیا ہے۔ تحقیق کا یہ انداز اسے دوسری تمام سیرتوں سے جدا اور نیا رنگ عطا کرتا ہے"۔

اس تصنیف کی مشمولات کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے اسلامی کتابوں کے علاوہ بہت سی معتبر اور مقدس کتابوں جیسے توریت، زبور، انجیل اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور ان میں سے مستحکم دلائل پیش کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال عظمت و فضیلت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

اس سیرت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ سیرت کے ساتھ ساتھ دوسرے اہم مذہبی

مسائل پر بھی سیر حاصل بحث ہے۔ نیز قرآن مجید کا دوسری آسمانی کتب سے موازنہ کر کے قرآنِ کریم کی عظمت کو ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں غیر مسلم اور مستشرقین نے جو الزامات و اعتراضات اسلام اور بانیٔ اسلام پر لگائے تھے ان کا جواب بھی پیش کیا ہے اور جا بجا ناقابلِ تردید دلائل و واقعات کو تحریر فرما کر یہ بتایا ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تمام انبیاء کرام کے محاسن کی جامع تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا وصف، وہ وصف ہے جس میں کوئی بھی آپ صلعم کا ہمسر نہیں۔ اسی لیے مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اس کتاب کا نام — "رحمۃ للعالمین" تجویز کیا ہے۔

مولانا سلیمان سلمان منصور پوری اور ان کی تصنیف سے متعلق ماہر القادری تحریر فرماتے ہیں —

> "قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف —— "رحمۃ للعالمین" کے سبب دینی اور علمی دنیا میں بڑی شہرت رکھتے ہیں اُن کا نام آتے ہی اخلاص، سوز و گداز اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خیر خواہی اور تبلیغ و مدافعت کا روشن تصور مجسم ہو کر سامنے آجاتا ہے۔" [1]

بلا شبہ یہ سیرت کی ایک جامع تصنیف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعد کے بیشتر سیرت نگاروں نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اور اپنی کتابوں میں رحمۃ للعالمین کے حوالے دیئے ہیں، خاص کر کے مولانا سید ابو الحسن حسنی ندوی نے اپنی ہر سیرت کی کتاب میں متعدد واقعات کو رحمۃ للعالمین سے ہی نقل کیا ہے۔

اسکی زبان سادہ و فصیح ہے، انداز بیان شستہ و شگفتہ اور طرزِ استدلال عام فہم دلچسپ اور متین ہے۔

---

[1] - طالب ہاشمی (مرتبہ) ماہر القادری کے تبصرے، —— مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سنہ 1991ء

# سیّد سلیمان ندوی

اُردو میں جدید طرز کی سوانح و سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم لکھنے کا آغاز مولانا الطاف حسین حالیؔ اور مولانا علامہ شبلی نعمانی سے ہو چکا تھا۔ ان حضرات نے باقاعدگی کے ساتھ اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور اُردو کو چند نہایت اہم سوانحی تصانیف سے مالا مال کیا۔ ان دونوں میں علامہ شبلی خصوصیت سے اس میدان میں آگے بڑھے اور سیرۃ النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا نادر و بے بہا خزانہ اُردو ادب کو دیا (جس پر تفصیلی بحث گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے) جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے علاّمہ شبلی نے متعدد جلدوں پر مشتمل، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت طیبہ لکھنے کا پروگرام بنایا تھا۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ سیرت کے جلو میں اسلام کا مکمل نظامِ زندگی پیش کیا جائے۔ لیکن علاّمہ شبلی کی زندگی نے وفا نہ کی، اور جو خواب علاّمہ شبلی نے دیکھا تھا وہ مولانا سیّد سُلیمان ندوی کے ہاتھوں شرمندۂ تعبیر ہوا۔ مولانا شبلی نعمانی کی قائم کی ہوئی انجمن "دار المصنّفین" اعظم گڑھ نے اُردو کے کئی نامور اہلِ قلم پیدا کیے تھے۔ مگر ان میں مولانا سید سلیمان ندوی کی اہمیت مسلّم تھی، اس لیے کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے یگانہ روزگار، اپنے فضل و کمال کے لحاظ سے یکتائے زمانہ اور اپنی تصنیفی و تالیفی قابلیت کی حیثیت سے نازشِ اربابِ نظر تھے۔ یا یوں کہیے کہ وہ علاّمہ شبلی کے لائق ترین شاگرد اور سچے جانشین تھے۔ اس کا اعتراف خود سید سلیمان ندوی کو بھی تھا۔

"اس وقت اُردو کے تین انشاپردازوں اور اُردو کے معماروں کے فرزند و وارث موجود ہیں۔ مولانا حالیؔ کے فرزند ارجمند، خواجہ سجّاد حسین، منشی ذکاء اللہ کے چشم و چراغ مولوی عنایت اللہ اور مولانا شبلی کا فرزند معنوی 'میں'۔" [1]

---

[1] بحوالہ سیّد ابوالحسن ندوی - پرانے چراغ (جلد دوّم) صفحہ 31 مکتبہ فردوس مکارم نگر لکھنؤ، تاریخ اِشاعت درج نہیں۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے بھی علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کے تعلقات قلبی کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"مولانا شبلی کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ اُن کو مولانا سید سلیمان ندوی کی شکل میں ایک ایسا شاگرد مل گیا، جو وسعت مطالعہ، ذوقِ تحقیق دقیقہ رسی اور علم و فضل میں استاد کا صحیح جانشین تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اندر بہت سی خوبیاں اور کمالات رکھتا تھا۔ جو اس کا اپنا حصّہ تھے۔" لہ

مولانا سید سلیمان ندوی کا شمار بیسویں صدی کے صفِ اوّل کے عالموں میں ہوتا ہے انکی اولین حیثیت عالمِ دین کی ہے۔ اس کے علاوہ وہ مورخ بھی تھے۔ محقّق اور سوانح نگار و سیرت نگار بھی، شاعر اور مترجم بھی تھے اور ایک ادیب و انشا پرداز بھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے ذاتی صفات و کمالات پر اظہار خیال کرتے ہوئے سید مظفر حسین برنی، گورنر ہریانہ، تحریر فرماتے ہیں۔

"وہ (سید سلیمان ندوی) عالم ہی نہیں امیر العلما ہیں، مصنّف ہی نہیں رئیس المصنّفین ہیں۔ اُن کا وجود علم و فضل کا ایک دریا ہے جس سے سینکڑوں نہریں نکلی ہیں۔ اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوئی ہیں۔" ٢ہ

علوم اسلامی کے بہت سے باکمال عالم اور محقّقین گذشتہ صدیوں میں پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی بیش بہا علمی کاوشوں سے اُردو زبان کے خزانے کو شاندار اور

---

لہ شاہ معین الدین احمد ندوی (مرتب) ماہنامہ معارف "سلیمان نمبر" جلد 55۔ عدد 5۔ صفحہ 161، مضمون۔ "مولانا سیّد سلیمان ندوی میری نظر میں"۔ از مولانا سعید احمد اکبر آبادی بمطبع معارف اعظم گڑھ، مئی سنہ 1955ء

٢ہ خلیق انجم۔ سیّد سلیمان ندوی۔ صفحہ ١١۔ انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سنہ 1986ء۔

بھرپور بنایا ہے۔ مگر ان کے معاصرین کی کاوشوں پر نظر ڈالیے تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا کہ سید سلیمان ندوی کی بات ہی کچھ اور ہے انھوں نے اپنے آپ کو کسی میدان کے لیے مخصوص نہیں کیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جدھر نکل جاتے ہیں اپنے نقش پا چھوڑ جاتے ہیں۔ اور اس کی پیروی کرنے والا بھی آسمانِ ادب کا ایک درخشاں ستارہ بن جاتا ہے۔

علومِ قرآنیہ، تفسیر، حدیث، سیرت فنِ رجال، تاریخ اسلام، تاریخِ افکارِ اسلامی منطق و فلسفہ علم الکلام، علمِ لغت، عرضِ ماضی کے شاندار تہذیبی ورثے کا کوئی ایسا اہم پہلو نہ رہا ہوگا جس میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے اپنی بصیرت اور گہری فراست کا ثبوت نہ دیا ہو۔ اُنھوں نے جس مضمون کو بھی چھُوا اُسے جاوداں کر دیا۔ ان کے اندازِ نگارش کے متعلق مجروح سلطان پوری کی زبان میں کہنا چاہوں گا۔

ع "میں جسے چھوتا گیا وہ جاوداں بنتا گیا"

**سید سلیمان ندوی کی دیگر تصانیف :** سیرتی تصانیف سے قطع نظر اگر ان کی دیگر علمی و ادبی، سوانحی تاریخی تصانیف پر نظر ڈالی جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ جس موضوع پر بھی انھوں نے لکھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع اُنکا اپنا موضوع ہے اور وہ اس موضوع پر authority رکھتے ہیں۔ ان کے قلم سے نکلی ہوئی ہر تحریر اُن کے فضل و کمال اور بے مثال صلاحیتوں پر گواہ بن گئی ہے۔

**سید سلیمان ندوی کی نگارشات سیرت نبوی ؐ :** مولانا شبلی نعمانی نے مکمل سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا ایک جامع منصوبہ بنایا تھا اور اس کے تحت انھوں نے اپنے کام کی ابتدا بھی کی تھی۔ نیز اس سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو جلدوں کا مواد اکٹھا کر کے ترتیب بھی دے دیا تھا۔ پہلی جلد کا مواد بڑی حد تک مکمّل اور دوسری کا نامکمّل تھا۔ علامہؒ شبلی اُن دو جلدوں کے کام کو تکمیل تک پہنچانے سے قبل ہی اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔

علامہ شبلی کے کام کو سید سلیمان ندوی نے آگے بڑھایا اور شبلی کے فراہم کردہ مواد

پر نظرِ ثانی کر کے اور جہاں جہاں اضافوں کی ضرورت محسوس ہوئی، وہاں قوسین میں اضافے کر کے شبلی کے مسودہ کو حرف بہ حرف شائع کر دیا۔ اِس طرح علامہ شبلی کی ان دو جلدوں کی تالیف میں سید سلیمان ندوی صاحب کو بہت دخل رہا ہے۔

سید سلیمان ندوی کی اولین حیثیت ایک عالمِ دین کی ہے۔ وہ مختلف علومِ اسلامیہ کا وسیع علم رکھتے تھے ان کے دینی کارناموں کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ انہوں نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تین اہم کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔

1۔ **سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم**:- یہ کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس کی اوّلین دو جلدیں مولانا شبلی کی ترتیب و تزئینِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ کہ یہ دونوں جلدیں مولانا شبلی کی حیات میں شائع نہیں ہوئیں لیکن سید سلیمان ندوی صاحب نے ان دونوں جلدوں کو مولانا شبلی کے نام سے شائع کیا۔ اور منشاء اور منصوبہ کے اعتبار سے بھی مولانا شبلی ہی کا حصّہ اس میں غالب ہے۔ اس طرح شاگرد نے حقِ اُستادی ادا کر دیا۔ مولانا شبلی کی سیرت نگاری کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے، سید سلیمان ندوی نے اس میں مزید پانچ جلدوں کا اضافہ کر دیا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جہاں تک خالص سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے، ابتدائی دو جلدوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ باقی جلدیں اسلامی تعلیمات کی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔ اس سلسلے میں خود سید سلیمان ندوی نے اپنی ایک نجی محفل کی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

> "بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ سیرت پہلی اور دوسری جلد میں ختم ہو گئی ہے، ـــ اب سیرت کہاں ہے؟ یہ تو سب اسلامی تعلیمات ہیں جن پر باقی جلدوں میں بحث ہوئی ہے۔ تو بھئی اصل بات یہ ہے کہ انگریز تعلیم یافتہ حضرات کسی ایسی کتاب کو پڑھتے ہی نہیں جس میں خالص دینی اور مذہبی بحثیں ہوں، وہ صرف تاریخ اور سیرت

سے مانوس ہیں! اس لیے میں نے دراصل عنوان سیرت ہی کا رکھا ہے اور اس بہانہ چاہتا ہوں کہ ان حضرات کو اسلام کی تمام دینی اور اخلاقی تعلیمات اور ان کے احکام و مسائل سے واقف کر دوں اور وہ سیرت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی واقف ہو جائیں "۔

مولانا سید سلیمان ندوی کے ان خیالات سے یہی مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سید سلیمان ندوی صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کے ساتھ آپ صلعم کے لائے ہوئے دین کو بھی پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ "سیرت" اسی وقت مکمل ہوگی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیغام پر تفصیلی بحث ہو، جیسا کہ ہم "سیرت کے مفہوم" کے باب میں کہہ چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات سے جن جن امور کا تعلق ہے اس کا بیان کرنا بھی سیرت کے ہی دائرے میں آتا ہے۔ اسی لیے یہ اعتراض کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم پہلے صرف دو جلدوں پر مشتمل ہے، مناسب نہیں۔

بہر کیف اس میں شک نہیں کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم سید سلیمان ندوی صاحب کی شاہکار تصنیف ہے اور اس پر وہ جتنا بھی فخر کریں وہ کم تھا۔ یہ سیرت کے موضوع پر ان کی سب سے اہم تصنیف ہے۔ جس کی بدولت انھیں ادب میں ایک لافانی مقام حاصل ہو گیا ہے۔ انھوں نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم لکھ کر تمام مسلمانوں کی طرف سے ایک فرضِ کفایہ ادا کر دیا ہے۔

**سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم (جلد سوّم) :-** سید سلیمان ندوی 1921ء سے 1923ء تک جلد سوّم کی تدوین میں مشغول رہے۔ تین سالوں کی فکر و کاوش کے بعد 1924ء میں یہ جلد شائع ہو کر منتظر و مشتاق نگاہوں کے سامنے آئی۔ سیرۃ النبی

صلی اللہ علیہ وسلم جلد سوم طبع جدید 468 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں سب سے اہم بحث دلائل و معجزات کی ہے۔ کتاب کا آغاز مولانا سید سلیمان ندوی کے مختصر مقدمہ سے ہوتا ہے۔ پھر اصل کتاب کی ابتداء "دلائل و معجزات" کے عنوان سے ہوتی ہے۔ اس میں اول نفس معجزہ کی حقیقت، اس کے امکان، وقوع پر قرآن مجید، فلسفہ قدیم و جدید اور علم الکلام کی روشنی میں مبسوط بحث کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ فطرت کے لحاظ سے بھی خوارق عادت یا معجزہ میں کوئی عقلی استبعاد نہیں ہے۔ "دلائل و معجزات اور فلسفۂ جدیدہ" کے عنوان سے جو بحث معجزات کے سلسلے میں آئی ہے وہ مولانا سید سلیمان ندوی کی تحریر کردہ نہیں ہے اس کو پروفیسر عبدالباری ندوی (معلم فلسفۂ جدیدہ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) نے مولانا سید سلیمان ندوی کی درخواست پر سپرد قلم کی تھی۔ جو اس کتاب کے صفحہ 75 سے شروع ہو کر صفحہ 177 پر ختم ہوتی ہے۔ اس بات کا اظہار مصنف نے مقدمے میں کر دیا ہے اور جہاں سے یہ باب شروع ہوتا ہے وہاں بھی "نوشتہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی" تحریر کردہ ہے۔

اس طویل بحث کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمہ الٰہی، نزول ملائکہ وغیرہ کا ذکر ہے اس میں ملائکہ کی تعریف بیان کر کے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل کے نزول اور ان کے چند واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر دیگر عام ملائکہ کے نزول کا بیان ہے۔

اس باب کی ایک اہم بحث "معراج نبوی ﷺ" پر ہے۔ اس میں "رویا" "اسرا" "معراج" اور "شرح صدر" کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے اور ان معجزات کا تفصیلی ذکر ہے جو قرآن اور معتبر روایات سے ثابت ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے غیر معتبر روایات پر تنقید بھی کی ہے۔ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دور رسالت کا ایک عظیم واقعہ ہے۔ اس واقعہ کے سلسلے میں پائے جانے والے اعتراضات کا سید سلیمان ندوی نے جائزہ لیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ معراج عالم بیداری میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد شرح صدر یا شق صدر کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اس وقت پیش آنے

والے صحیح واقعات کے ساتھ اس سلسلے کی ضعیف روایتوں کا بھی جائزہ لیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے معجزات کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ ان معجزات میں سب سے اہم معجزہ، قرآن کا نبی صلعم پر نازل ہونا ہے۔ قرآن کی وضاحت و بلاغت پر روشنی ڈالتے ہوئے 'امیت' پر بحث کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند کے داغ سے پاک تھے ان مباحث کے علاوہ اس جلد میں جنوں کا مشرف با اسلام ہونا، شق قمر کا معجزہ، غلبۂ روم کی پیش گوئیاں، ہجرت کی معجزانہ نشانیاں، جنگوں میں غیبی امداد، جیسے فرشتوں کی آمد، میدان جنگ میں پانی کا برسنا غزوۂ حنین میں نصرت، خیبر اور حنین کی فتح کی پیشین گوئیاں اور وفات نبوی ﷺ کی پیشین گوئی وغیرہ عنوانات پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ پھر علامات نبوت کے عنوان کے تحت، قبل بعثت رونما ہونے والے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً حضرت آمنہ کا خواب، پتھروں سے سلام کی آواز سننا، ستون کا رونا، منبر کا ہلنے لگنا، چٹان کا پارہ پارہ ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا، درختوں کا چلنا، بے دودھ کی بکری کا دودھ دینا وغیرہ، علاوہ ازیں "شفائے امراض" کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کرم سے جسمانی امراض کا دور ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حق میں دعاؤں کا قبول ہونا وغیرہ واقعات کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور فیض روحانی سے جو برکات ظاہر ہوئے اس کی تفصیل لکھی ہے۔ "اطلاع غیب کے عنوان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں اور اخبار غیب کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ سید سلیمان ندوی نے ان معجزات نبوی ﷺ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ جو غیر مستند روایات سے اخذ کیے گئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ایسے معجزات کی بنیاد کیا ہے۔ اور ان کے راویوں پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ "بشارات" کے عنوان کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں جو بشارتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے متعلق تھیں ان کا احاطہ کیا گیا ہے اور آخر میں

آپ صلعم کے خصائصِ ذاتی اور نبویؐ پر مختصر بحث کی گئی ہے۔

جلد چہارم :- سیرت کی یہ جلد 1932ء میں مکمّل ہوئی اور شائع ہوئی۔ یہ جلد بڑی تقطیع کے 454 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کا موضوع منصبِ نبوت ہے۔ اس کی ابتدا ایک طویل مقدمے سے ہوتی ہے۔ جسمیں نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازمات و خصوصیات کی تشریح کی گئی ہے۔ نیز نبوت و رسالت کے ثبوت کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے وقت دُنیا کی مذہبی و اخلاقی حالت کا مرقع دکھایا گیا ہے۔ بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے ملکِ عرب کی جو مذہبی و اخلاقی حالت تھی اور اس کی اصلاح میں جو دقّتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو پیش آئیں، ان کا مکمّل احاطہ کیا گیا ہے۔ تاکہ قاری کو اندازہ ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کیسے زمانے میں تشریف لائے اور اس زمانے کے لوگوں میں کیا کیا برائیاں تھیں اور ان برائیوں کو دور کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کیسی حکمتِ عملی استعمال کرنی پڑی۔ اور کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تبلیغ کے ذریعے ایک جاہل قوم کو مہذّب قوم بنادیا۔

بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے تعلیمات و ارشادات کی تفصیل سے اصل کتاب کا آغاز ہوا ہے۔ تعلیماتِ نبویؐ کی ہمہ گیری کو مولانا سیّد سلیمان ندوی نے چار عنوانوں میں منقسم کیا ہے۔ یعنی عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات جو اسلامی شریعت کا نچوڑ ہیں۔ اس جلد میں مولانا سیّد سلیمان ندوی نے صرف "عقائد" پر بحث کی ہے جو اسلام کی بنیاد ہیں۔ مصنّف نے پہلے یہ خیال اظہار کیا تھا کہ اس جلد میں عقائد اور عبادات کا احاطہ کیا جائے گا۔ لیکن مواد کی فراوانی نے مجبور کر دیا کہ اس جلد میں ایک ہی عنوان پر سیر حاصل بحث ہو۔ تاکہ مضمون کا حق ادا ہو جائے۔ بقولِ مولانا سیّد ابوالحسن ندوی علامہ شبلی نے اس جلد کا کام شروع کیا تھا اور مذکورۂ بالا مباحث سے صرف عرب جاہلیت کے مذہبی اور اخلاقی حالات کے پچیس تیس صفحات ہی لکھ پائے

تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔ ان چھبیس تیس صفحات میں بھی مولانا سید سلیمان ندوی نے اضافے و ترمیمات کیے اور اس کے علاوہ کتاب ھٰذا کے تمام مضامین انہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ مذاہب میں اعتقادات کی حیثیت کتنی اہم اور ان پر بحث کتنی نازک ہوتی ہے۔ لیکن صاحب تصنیف نے اس اہم، نازک اور دشوار گذار موضوع کو بھی بہ حسن و خوبی نبھایا ہے۔

اس میں خصوصیت سے اُن عقائد اسلامی پر بحث کی گئی ہے۔ جن پر ایمان لانے کا قرآن ہم سے مطالبہ کرتا ہے اور جن عقائد کی تعلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی تھی۔ چنانچہ اس جلد میں انہی چند عقائد کی تشریح کی گئی ہے۔ پہلے عقائد کی حقیقت اور اسلام میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر اُن چھ عقائد کا خلاصہ پیش کیا ہے جو ایمان کی جان ہیں۔

1۔ اللہ پر ایمان لانا :- اس عنوان کے تحت مسئلہ توحید پر بحث ہے۔ پھر اسی کے ساتھ خالص توحید کا بیان، اسماء و صفاتِ الٰہی کی تشریح، شرک کے ہر پہلو کی نفی اور توحید کے ہر پہلو کی تکمیل وغیرہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور یہ بحث 69 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

2۔ فرشتوں پر ایمان لانا :- اِس میں لفظ 'ملائکہ' کی تعریف کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کی طرح تمام مذاہب سابقہ میں بھی ان کا وجود تھا۔ مگر ان کے تعلق سے دوسرے مذاہب میں الگ الگ غلط عقیدے تھے۔ اسلام نے ان عقائد کی مخالفت کی مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

"اسلام نے آکر ان تمام عقائد کو مٹا دیا، خدائی اور ربوبیت کی ہر صفت سے وہ محروم بنائے گئے ان کی پرستش ناجائز کی گئی، نر و مادہ جنسیت سے وہ پاک ہوگئے اور انسانوں کو ان پاک مخلوقات کی غلامی و بندگی سے آزاد کیا گیا ۔۔۔۔ ان کی ہستی خدائے تعالیٰ کے سامنے ایک

سراپا مطیع و فرمانبردار غلام کی قرار دی گئی جس کا کام شب و روز صرف آقا کا حکم بجا لانا ہے۔" [1]

قرآن اور احادیث کی روشنی میں ملائکہ کی حیثیت کو اور ان کے کام یعنی پیام رسانی کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ ملائکہ خُدا اور رسول کے مابین ایک سفیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ رحمتوں کے دروازوں کا کھولنے والا اور بند کرنے والا صرف اللہ ہے۔ یہ تعلیم اس غلط عقیدہ کی تردید کرتی ہے کہ فرشتوں کو دُنیا کی حکمرانی اور انتظامات میں کوئی دخل ہے۔ اس بحث کا اختتام "فرشتوں پر ایمان لانے سے اسلام کا کیا مقصود ہے" پر کیا ہے۔

3۔ رسولوں پر ایمان لانا:۔ اس میں تمام انبیاء پر ایمان لانے کی بات کہی گئی ہے۔ ایمانِ کامل کا یہ تیسرا عقیدہ ہے کہ اہلِ اسلام تمام رسولوں پر ایمان لائیں۔ اس کے ذریعے اسلام نے یہ تعلیم دی کہ روئے زمین کی ہر آبادی میں، ہر قوم اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی راہ دکھانے والے، اس کی آواز پہچاننے والے، اور انسانوں کو ان کی غفلت سے چونکانے والے پیغمبر آئے اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک برابر جاری رہا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے بڑی خوبی سے قرآن کی آیتوں کا حوالہ دیتے ہوئے تمام انبیاء کرام کی عظمت و توقیر کو ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

4۔ آسمانی کتابوں پر ایمان لانا:۔ رسولوں پر ایمان لانے کی بحث کے بعد اُن کی لائی ہوئی کتابوں پر ایمان لانے کی بحث آئی ہے۔ اس میں اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہر اُس شخص کو جو اسلام قبول کرتا ہے۔ قرآن پر ہی نہیں بلکہ دوسرے تمام انبیاء پر نازل کیے گئے صحیفوں اور کتابوں پر بھی ایمان لانا چاہیے اور خصوصیت

---

[1] سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ 288 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ

سے چار آسمانی کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتاری گئیں تھیں۔ پھر اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کتابوں میں قرآن کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ قرآن نے کس خوبی سے اگلی کتابوں کی تصدیق اور مدح و تعریف کی اور ان اہل مذاہب کو جو اسلام پر ایمان لائے اپنی اپنی کُتبِ منزلہ پر عمل کرنے کی دعوت دی اور پھر یہ دعویٰ کیا کہ قرآن تمام گذشتہ کتابوں پر امین و محافظ بن کر آیا ہے۔ اور اسمیں ان سب کتابوں کی سچائیاں یکجا ہیں۔

اس بحث کے آخر میں یہ بات کہی گئی ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں کے واحد اور مشترک دین کا نام ہی اسلام ہے۔ اور اسلام ہی سچا دین ہے۔ قرآن کے سوا کوئی آسمانی صحیفہ مکمل نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں اس لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔

## ۵۔ آخری دن اور قضاء و قدر پر ایمان لانا:- آخری بحث

اسلام کے سلسلۂ ایمانیات کی آخری کڑی ہے، یعنی آخری دن اور قضا و قدر پر ایمان لانا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کا عنوان "پچھلے دن اور پچھلی زندگی پر ایمان لانا"۔ رکھا ہے۔ اس میں پہلے "آخرۃ" کی تشریح کی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یوم آخرت اور حیاتِ آخرت ایمان، اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے اور قرآن پاک میں ایمان باللہ کے بعد اسی کی اہمیت پر زیادہ زور دیا گیا ہے کیونکہ موجودہ دُنیا کے تمام اعمال اور ان کے نتائج کی اصل اور دائمی دُنیا اسی آئندہ دُنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس سلسلے میں مولانا سید سلیمان ندوی نے پہلے عالمِ برزخ کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔ اور پھر یہاں ہونے والے عذاب کو خواب کے واقعات کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عالم برزخ میں راحت پانے والوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ عالمِ برزخ کے مناظر دکھانے کے بعد آخرت کی دوسری اور حقیقی منزل یعنی قیامت اور جزائے اعمال پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں قیامت کے دن کو جن ناموں سے یاد کیا گیا ہے اس کی تفصیل بھی مولانا سید سلیمان ندوی نے دی ہے،

اس کے بعد قیامت کے اوصاف اور اس کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ پھر قیامت کی حقیقت اور صورِ قیامت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

6۔ جزا اور سزا:۔ اس عنوان کے تحت اسلام کا حقیقی مقصود بتایا گیا ہے کہ لوگ اس کا یقین کریں کہ ان کے ہر عمل کا بدلہ دیا جائے گا، کچھ اس دُنیا میں اور پورا دوسری دُنیا میں، اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے جزا اور سزا سے متعلق جو نظریات دوسرے مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ اُس کی تفصیل بھی درج کی گئی ہے۔ پھر اصولِ جزا اور سزا، عتاب و ثواب ردِ عمل، نامۂ عمل اعضاء کی شہادت، میزان، حساب اور جنت و دوزخ وغیرہ پر بحث کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا ہے اللہ اسکے ذریعے سے مخلوق پر کیا واضح کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد انسانی جزا وسزا کے تین مقامات کی تفصیل ہے۔ ایک موجودہ فانی عالم جس کو دُنیا کہتے ہیں اور دوسرا درمیانی عالم جو موت یا عالمِ برزخ سے عبارت ہے اور تیسرا اس غیر فانی زندگی کا گھر جسکو دارِ آخرت کہتے ہیں۔ جہاں جزا و سزا کے فیصلے سنائے جائیں گے۔ یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مشرک و کافر کا آخر انجام کیا ہوگا، پھر دوزخ کی جسمانی و روحانی سزاؤں کا ذکر کر کے جنت کے مختلف ناموں کی وضاحت کی گئی ہے اور یہاں ملنے والی دائمی خوشیوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور آخر میں قضا و قدر اور ایمان کے نتائج پر بحث کر کے جلد چہارم کا اختتام کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں طبع اوّل کے مطبعی اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے اور کہیں کہیں عبارت کی خوبی و شستگی کے لیے لفظی تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں۔

جلد پنجم:۔ جلد چہارم کے شائع ہونے کے تین سال بعد یعنی ۱۳۵۴ھ/ 1935ء میں سید سلیمان ندوی نے سیرت کی پانچویں جلد شائع کی، جو 254 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا موضوع "عبادات" ہے جو اسلام کی اصل روح ہے۔ اس ضمن میں مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔

"اس جلد کا موضوع عبادت ہے۔ اس میں عبادت کی وہ حقیقت

اور اسلام میں اس کے وہ اقسام و انواع اور اُن میں سے ہر ایک کی وہ مصلحت و حکمت اور اس باب میں گذشتہ مذاہب سے اسباق کی وہ تکمیل جو ذاتِ پاکِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دُنیا پر ظاہر ہوئی بیان ہوئی ہے۔" لہ

جب پانچویں جلد چھپ کر قارئین کے ہاتھوں میں آئی تو کئی دفعہ یہ بات دہرائی گئی کہ اس جلد کا سیرت کے واقعات سے کیا تعلق ہے۔ جب کہ یہ جلد اسلام کے پیغام کا احاطہ کرتی ہے۔ بقول مصنف اس کا جواب یہ ہے کہ سیرت کی ابتدائی تین جلدیں اس سوال کا جواب ہیں کہ دینِ اسلام کے پیغمبر کون تھے، اور بقیہ جلدیں اُس سوال کا جواب کہ پیغمبر اعظم نے دُنیا کو کیا پیغام دیا۔ کتاب کے ان صفحات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن تعلیمات کا بیان ہوا ہے جو عبادات کے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں۔ یعنی فرائضِ خمسہ، ان کی مصلحتوں اور حکمتوں پر اس جلد میں مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس جلد کا آغاز بھی حسبِ معمول مولانا سید سلیمان ندوی کے دیباچے سے ہوا ہے۔ جس میں اس موضوع کی اہمیت و ضرورت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اصل موضوع کی ابتداء "عملِ صالح" کے عنوان سے ہوتی ہے۔ اسلام کے فرائضِ عین پر بحث کرنے سے قبل مولانا سید سلیمان ندوی نے ان فرائض کی ادائیگی یعنی عمل کرنے کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ انسان کی نجات دو چیزوں پر موقوف ہے ایک ایمان اور دوسری عملِ صالح، گذشتہ چوتھی جلد میں ایمان کی شرح و توضیح کی گئی تھی اب یہ پیشِ نظر پانچویں جلد عملِ صالح کی تشریح کے بیان میں ہے۔ کیونکہ بغیر عمل کے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ مصنف کو اس بات کی بھی شکایت ہے کہ عوام میں ایمان کو جو اہمیت حاصل ہے وہ عملِ صالح کو حاصل نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں کامیاب زندگی

---

لہ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد پنجم صفحہ 7 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ

بسر کرنے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت سے عملاً یکساں اہمیت رکھتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ایمان بنیاد ہے اور عمل صالح اس پر قائم شدہ ستون۔ جس طرح کوئی عمارت بغیر بنیاد کے قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح دین کی عمارت بھی ایمان اور عمل کے بغیر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اس حقیقت کو مولانا سید سلیمان ندوی نے آیاتِ قرآنی کے حوالے سے واضح کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ"
(بقر:۹)

ترجمہ: "اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہی جنت والے ہیں۔"

عملِ صالح کی افادیت کے ذکر کے بعد "اعمالِ صالحہ کی قسمیں" کے عنوان سے فرائض عین پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس میں سب سے پہلی بحث "عبادت" پر ہے مصنف کا کہنا ہے کہ اسلام میں لفظ عبادت کو بڑی وسعت حاصل ہے۔ اس کے اندر ہر وہ کام داخل ہے جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔ یعنی وہ ہر کام جو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق، اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے "عبادت" میں شامل ہے

عرب میں عبادت کے الگ الگ طریقے تھے وہ عبادت کے صحیح مفہوم سے واقف نہیں تھے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ عرب کو عبادت کے صحیح طریقوں سے روشناس کرایا۔ مصنف نے اسلام سے پہلے مختلف مذاہب میں جو عبادت کے طریقے رائج تھے اس پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس سلسلے میں اسلام کا نظریہ کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح باطل معبودوں کی عبادت اور پرستش کا خاتمہ کر کے بندوں کو صرف ایک خدا کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی تعلیم دی اور فرمایا کہ ہر عبادت صرف اسی کے لیے ہے اور اس ضمن میں اُن تمام خارجی رسوم کو رد کر دیا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رائج تھے۔ مثلاً عبادت کے لیے سامنے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ خدا اور بندہ کے درمیان کسی خاص شخصیت کی وساطت،

کی حاجت نہیں اور مکان و مقام کی کوئی قید نہیں۔ اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "وجعلت لی الارض مسجدًا" (اور میرے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنادی گئی) ۔ اسی طرح انسانی قربانی کی ممانعت، حیوانی قربانی میں اصلاح اور عبادت کے طریقوں میں جو آسانیاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمائی تھیں اس کا مصنف نے واقعات کے حوالوں سے مختصراً احاطہ کیا ہے۔ اسلام کے نزدیک عبادت کا وہ تنگ مفہوم نہیں ہے جو عام طور سے مشہور ہے یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، مصنف کہتے ہیں کہ اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ ان فرائض کی تخصیص نے عبادت کے وسیع مفہوم کو محدود کر دیا۔ درحقیقت یہ چار فرائض ہیں جو عبادت کے سینکڑوں وسیع معنوں کو مختصر الفاظ یا فقروں میں ادا کر کے اس وسیع مضمون کے سرے پر لکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ چاروں فرائض درحقیقت انسان کے تمام نیک اعمال اور اچھے کاموں کو چار مختلف عنوانوں میں الگ الگ تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس لیے ان کو اسلام کے بنیادی اصول قرار دیا گیا ہے۔ ان چاروں عبادات یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

عباداتِ قلبیہ کے تحت تقویٰ، اخلاص، توکل، صبر و شکر وغیرہ کی تفصیل بیان کی ہے اور ان باطنی کیفیات کے حصول کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں جو طریقہ مولانا سید سلیمان ندوی نے بتایا ہے، اس کا عشر عشیر بھی کسی مروجہ تصوف کی کتاب میں نہیں ملتا۔

**جلد ششم** :- سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی جلد 1938ء میں شائع ہوئی جو 392 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں اسلامی فلسفۂ اخلاق کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے کی اہم جلد ہے مولانا سید سلیمان ندوی نے اس جلد کی ترتیب یہ رکھی ہے کہ پہلے ایک مقدمہ ہے جس میں اخلاق کی مذہبی اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔ اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔

"عقائد اور عبادات کے تعلیماتِ نبوی ﷺ کی کتاب کا تیسرا باب اخلاق ہے،
اخلاق سے مقصود باہم بندوں کے حقوق و فرائض کے وہ تعلقات ہیں
جن کو ادا کرنا ہر انسان کے لیے مناسب بلکہ ضروری ہے۔ انسان جب
اس دُنیا میں آتا ہے تو اس کی ہر شئے سے تھوڑا بہت اس کا تعلق
پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی تعلق کے فرض کو بحُسن و بخوبی انجام دینا
اخلاق ہے۔" [1]

پھر کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی اخلاق کا ایک فلسفہ مرتب کیا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ تعلیم کی کچھ خصوصیات گنوائی گئیں ہیں، پھر بعض موقعوں پر مختلف مذاہب کے نظریۂ اخلاق سے اسلام کے نظریۂ اخلاق کا موازنہ کیا گیا ہے، اور اخلاق سے متعلق یہ ارشاداتِ ربانی قرآنِ مجید میں آئے ہیں ان کی تفصیل کے ساتھ ساتھ احادیث کے اخلاقیات کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

بعد ازاں "تعلیمِ اخلاق کے طریقے اور اسلوب" کے عنوان کے تحت اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی تفصیل دی گئی ہے۔ مثلاً "حقوق و فرائض" کا ذیلی عنوان قائم کر کے اس میں حقوق کا مفہوم، حقوق کی ترتیب وغیرہ پر مختصر بحث کی گئی ہے، اس کے بعد مختلف حقوق کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مثلاً والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق۔ حقوقِ زوجین اہلِ قرابت کے حقوق، ہمسایہ کے حقوق، یتیموں کے حقوق غلاموں کے حقوق، انسانی برادری کے حقوق اور جانوروں کے حقوق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسانوں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں تک کے کچھ حقوق و فرائض عائد ہیں۔ یہ حقوق و فرائض اسلامی اخلاق کی پہلی قسم ہیں۔

فضائلِ اخلاق کے تحت انسان کے ذاتی چال چلن اور کردار کی اچھائی و بلندی کا تذکرہ

---

[1] سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ششم صفحہ 8 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ

کیا گیا ہے جسمیں صدق، سخاوت، شرم وحیا، رحم، عدل وانصاف، احسان، عفو و درگزر، حلم اور بردباری، خوش کلامی، ایثار اور حق گوئی وغیرہ پر قرآن اور احادیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ پھر اس کے مقابل "رذائل" کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی جھوٹ وعدہ خلافی، خیانت اور بد دیانتی، غداری و دغابازی، بہتان تراشی، چغل خوری غیبت اور بدگوئی، بدگمانی، مداح اور خوشامد، بخل، حرص و طمع، بے ایمانی چوری، ناپ تول میں کمی بیشی، رشوت سود خواری، شراب نوشی، بغض و کینہ، ظلم، فخر و غرور، ریاکاری، فضول خرچی، حسد اور فحش گوئی جیسے غیر اخلاقی باتوں کی تفصیل بیان کی ہے، جن کی ممانعت اسلام میں کی گئی ہے۔ اس ذیلی باب کے آخر میں رذائل پر مختصر مگر جامع تبصرہ ہے اور پوری بحث کو مولانا سید سلیمان ندوی نے تین اساسی برائیوں میں تقسیم کیا ہے، بقول مصنف پہلی اساسی برائی "عدم صدق" ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ دل اور زبان میں مطابقت نہ ہو، جھوٹ، غیبت، اتہام، بدگمانی، خوشامد، چغل خوری اور جھوٹی قسم وغیرہ اسی ایک جڑ کی مختلف شاخیں ہیں دوسری اساسی برائی "حبّ مال" ہے۔ یعنی دنیا کے مال و دولت سے غیر معمولی محبت کا ہونا۔ بخالت و حرص وطمع، چوری، غصب۔ خیانت، غلول، ناپ تول میں کمی بیشی وغیرہ ایک ہی اصل کی مختلف شکلیں ہیں۔ تیسری اساسی برائی "حبّ ذات" ہے اس سے مقصود اپنی ذات سے غیر معمولی شغف ہے، حسد تکبّر، غیظ وغضب، ظلم، کینہ وغیرہ ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں۔ اخیر میں مصنف نے یہ بات کہی ہے کہ جو شخص ان تینوں برائیوں سے ہر طرح پاک رہنے کی کوشش کرے گا وہ ہر قسم کے رذائل سے ان کو محفوظ کرے گا۔ یہ تینوں اساسی برائیاں ہوائے نفس یعنی نفس کی غلط اور بے جا خواہشات ہیں۔ جو ان سے اپنا دامن بچائیگا وہ جنّت میں آرام پائیگا۔

اخلاق کی تیسری اور آخری قسم "آداب" ہے۔ اس عنوان کے تحت انسانی زندگی کے شب و روز کے ضروری مشاغل کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ زندگی کے مختلف مشاغل کو اچھے اور عمدہ طریقے سے بجا لانا، ایک متمدن زندگی کے لیے ضروری ہیں جیسے ہم "آداب زندگی" سے

تعبیر کرتے ہیں، ان ہی آداب کی پابندی اور عدم پابندی کی بدولت وحشی اور متمدن لوگوں میں امتیاز ہوتا ہے، ان کے آداب میں خوبی اور لطافت ملحوظ رکھنا حُسنِ ادب ہے۔ اس کی پابندی سے اجتماعی اور معاشرتی امور میں خوش گواری پیدا ہوتی ہے اور انسان مہذب، شائستہ اور باوقار بن جاتا ہے۔ مصنّف نے اس باب کے تحت انسانی زندگی کے مختلف مشاغل کے آداب پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس میں طہارت کے آداب، کھانے پینے کے آداب، آدابِ مجلس، آداب ملاقات، آداب گفتگو، باہر نکلنے اور چلنے پھرنے کے آداب، آداب سفر، آداب لباس، آداب مسرت، آدابِ ماتم وغیرہ پر قرآنی احکام اور قوانین، شریعت کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ جلد ششم میں ان اخلاقی تعلیمات کی تفصیل اور تشریح ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے سے مسلمانوں کو بتائی اور سکھائی گئیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ملّت کی تعمیر کا اہم جُزو اخلاق کی صحیح تربیت ہے۔

**جلد ہفتم :-** مولانا سیّد سلیمان ندوی کی آخری یادگار سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ ساتویں اور آخری جلد ہے جو صرف ایک سو دس صفحات پر مشتمل ہے سیرت کی یہ جلد اس ضخامت کی حامل نہ ہوسکی جو پہلی جلدوں کو حاصل تھی، تاہم اس کا مطالعہ کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ یہ وہ اوراق ہیں جو علمی اور تحقیقی میدان میں انفرادی مقام رکھتے ہیں جن کا کوئی سراغ اس جامعیت کے ساتھ ہمیں کہیں اور نہیں ملتا۔ بقول سیّد ابوالحسن ندوی ــ

> "۔۔۔ یہ حصّہ اگرچہ (سابقہ جلدوں کے مقابلہ میں) ضخامت میں بہت کم ہے لیکن اس کی قامت کی کوتاہی کو اس کی قیمت کی بڑائی پورا کرتی ہے اور اس چھوٹی سی کتاب میں بہت سے ایسے نکتے، وسیع مطالعہ کا نچوڑ اور فکر و نظر کی پختگی کے نمونے موجود ہیں جو بہت سی ضخیم کتابوں میں نہیں ملیں گی۔"[1]

---

[1] سیّد سلیمان ندوی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم جلد ہفتم صفحہ 5 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ ھ

اس جلد کا موضوع "معاملات" ہے۔ معاملات سے مقصود اسلام کے وہ مسائل ہیں جن کی حیثیت قانون کی ہے۔ اس میں سب سے پہلے سلطنت اور آداب سلطنت پر بحث کی گئی ہے پھر اسلام کے ہر قسم کے قوانین، معاشرتی، مدنی، اجتماعی اور اقتصادی کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ مصنف کو اس موضوع کی نزاکت اور اہمیت کا اندازہ تھا اس لیے ان کا قلم اس سلسلہ میں اور بھی زیادہ محتاط نظر آتا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اوّل تو ضرورت یہ ہے کہ ان مسائل کی تشریح ایسے رنگ میں کی جائے جس سے مذاق حال تسکین پا سکے، اور ان کے علاوہ جو مسائل آج ہمارے سامنے نئے ہیں ان کا حل بھی ان کے سابق نظائر کو سامنے رکھ کر سوچا جائے، ان امور کی تشریح میں ہزار احتیاطوں کے باوجود قلم کے مسافر کو ایسی راہوں سے گذرنا ہوگا جن میں ہر قدم پر لغزش کا خطرہ ہے اور خصوصاً اس لیے کہ سیاسیات و اقتصادات کے باوجود متوقع سوالوں کے جوابات اور ان سے متعلقہ اصولی نظریات سے علماء کی کتابیں نصاً اکثر خالی ہیں اور ان کی روشنی کے بغیر راہ کو سلامتی سے طے کر لے جانا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے۔" [1]

اس اقتباس سے اس موضوع کی نزاکت اور اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا ارادہ تھا کہ اس موضوع پر ایک ضخیم جلد مرتب ہو، اگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوتے تو یہ کتاب سیرت و تعلیماتِ نبوی پر ایک انسائیکلوپیڈیا کا درجہ حاصل کر لیتی، لیکن افسوس کہ وہ اپنے استاذ علامہ شبلی نعمانی کی طرح اپنی خواہش کو پورا نہ کر سکے۔ اس جلد کے مقدمہ نگار مولانا سید ابوالحسن ندوی نے صحیح لکھا ہے کہ

---

[1] سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (جلد ہفتم) مقدمہ صفحہ 6 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور 1408ھ

وہ (سیّد سلیمان ندوی) اس کی تکمیل نہ کر سکے تھے کہ ان کی کتاب زندگی کا آخری ورق اُلٹ گیا اور وہ اس کتاب کو مکمّل نہ کر سکے۔ لیکن انہوں نے جس پیمانے پر اس کام کو اُٹھایا تھا اور ان کے سامنے کتاب کا جو خاکہ اور منصوبہ تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ کتاب مکمّل ہو جاتی تو نہ صرف سلسلہ ُسیرۃ النّبی صلی اللہ علیہِ وسلّم کی تکمیل ہو جاتی بلکہ ان کی علمی اور ذہنی کمالات، وسعتِ نظر، جامعیت، اعتدال و توازن احتیاط و تورع، شریعتِ اسلامی کی روح و مزاج سے آشنائی، قدیم و جدید کی واقفیت، دین کے اوّلین و مستند ترین مآخذ سے نہ صرف براہِ راست واقفیت بلکہ ان میں اعلیٰ درجے کی بصیرت رکھنے اور اس علمی و فکری پختگی کی بِنا پر (جو اس درجہ میں ان کے بہت کم معاصرین کو حاصل ہو گی) جو چیز تیار ہوئی اُس میں شریعتِ اسلامی اور تعلیماتِ نبویؐ کی بہتر سے بہتر نمائندگی اور ترجمانی ہوتی، افراط و تفریط سے پاک، تجدد و آزاد خیالی کے ہر شائبہ سے محفوظ اور اسی کے ساتھ جمود و تنگ نظری سے بھی پوری طرح بری ہوتی اور ان میں صدہا سوالات کا جواب بھی ہوتا جو عصر حاضر کے ذہن اور حالات و مسائل کے مطابق کسی جامع کتاب کے نہ ہونے سے تشنۂ جواب رہتے ہیں"۔ [1]

لیکن افسوس کہ وہ اپنے منصوبے کو پورا نہ کر سکے۔ اس کتاب کا بیشتر حصّہ ناسازگار اور ناہموار حالات اور صحت کی غیر مستقل و غیر معتدل کیفیت میں لکھا گیا۔ اور مرحوم مولانا سیّد صباح الدّین عبدالرحمٰن (سابق ناظم دارالمصنّفین اعظم گڑھ) نے ان مضامین کو یکجا کر کے سیرۃ النّبی صلی اللہ علیہِ وسلّم جلد ہفتم کے نام سے شائع کر دیا۔

---

[1] سیّد سلیمان ندوی، سیرۃ النّبی صلی اللہ علیہِ وسلّم جلد ہفتم صفحہ 5-4 مکتبہ مدینہ اُردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ

اس مختصر کتاب کی ابتداء مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب قبلہ کے پیش لفظ سے ہوتی ہے، جسمیں انہوں نے اس کتاب کے موضوع سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ پھر مولانا سید سلیمان ندوی کے مقدمہ سے اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ مقدمہ میں موضوع کی وضاحت پورے تحقیقی انداز میں کی گئی ہے۔ "معاملات کی تعریف، اس کے اقسام اور ان کی تاریخ اس کے حدود فقہا کی نظر میں" اور ان سے پیدا شدہ مباحث پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں جو مصادر اور مآخذ علمیہ دستیاب ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے مصنف نے موجودہ زمانہ میں مسائل کی ترتیب بیان کی ہے۔ جو اگلے بزرگوں کے طرز بیان سے مختلف ہیں۔ اور ان کے لیے اصطلاحیں بھی نئی اختیار کی ہیں۔ اس کے بعد اس کام میں جو اشکالات ہیں ان کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور دیگر مذاہب میں معاملات اور اس کی مشکلات کو کس طریقہ سے حل کیا گیا؟ عیسائیت، بدھ مذہب اور موجودہ زمانے میں جس طریقہ سے معاملات میں پیدا ہونے والی مشکلات کا حل تلاش کیا گیا ہے، اس کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ پھر قانون سازوں کی بے چارگی، جمہوریت کی ناکامی، صحیح اور عادلانہ قانون سازی سے انسانیت کی ناچاری اور اسی طرح کے ذیلی عنوانات قائم کرنے کے بعد قانونِ الٰہی کی ضرورت کو واضح کیا گیا ہے

معاملات میں توازن کے احکام سید سلیمان ندوی نے جہاں سے لیے ہیں اور جن کو بنیاد بنا کر آیاتِ واحادیث اور واقعات سیرت جمع کئے ہیں وہ ذیلی عنوان "میزان" ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ۔

"تمام معاملات میں انصاف کا خلاصہ اگر ایک لفظ میں کیا جائے تو یہ ہے کہ عدل کی میزان میں اونچ نیچ نہ آنے پائے" [1]

سورہ رحمٰن کی ابتدائی آیات کو نقل کرکے لکھتے ہیں۔

---

[1] سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ہفتم صفحہ ۳۱، مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور سنہ ۱۴۰۸ھ

"یہ دُنیا کی سب سے بڑی ترازو ہے، اسی سے دُنیا میں اعمال اور معاملات تولے جاتے ہیں۔ اسی کے اعتدال اور اونچ نیچ کا نام حق اور باطل، انصاف اور ظُلم صحیح اور غلط ہے، اس لیے اس پیمانہ اور ترازو کو ہمیشہ سچائی اور انصاف کے کانٹے پر رکھو۔" [1]

بعد ازاں سورۃ انعام، سورۃ اعراف اور سورۃ ہود کی آیات جن میں "میزان" کا ذکر آیا ہے کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ان آیتوں میں ناپ اور تول سے معمولی لین دین اور خرید و فروخت کی اشیاء بھی مراد لی جاسکتی ہیں اور لی گئی ہیں۔" [2]

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے جو عبارت ان کے قلم سے نکلی ہے وہ ان کی تحقیقی عظمت اور بلند نظری اور قرآن فہمی کو آفتاب کی روشنی کی طرح چمکا دیتی ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے حکومت کی حیثیت و اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے جا بجا آیات پیش کیے ہیں اور ان آیات کو جمع کر کے یہ دکھایا ہے کہ دُنیا میں حکومت کی طلب اسلامی قانون کو نافذ کرنے کے لیے ضروری ہے اور انبیاءِ کرام نے اس کی دُعا کی ہے اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد کی ہے۔ اس کے بعد سید سلیمان ندوی نے "عہدِ نبوی میں نظامِ حکومت" کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے۔ اس میں پہلے مصنف نے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ایران، روم اور عرب میں رائج نظامِ حکومت کی وضاحت کی ہے پھر اس سلسلے میں اسلام کا جو موقف ہے اس کا اظہار کیا ہے یعنی اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کا مقصد نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی سرداری، نہ خاندانِ قریش کا دبدبہ نہ عربی سلطنت، نہ دُنیا کی مالی حرص و ہوس بلکہ اس کا

---

1) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ہفتم صفحہ 13 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

2) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ہفتم صفحہ 13 مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ

ایک ہی مقصد تھا صرف ایک شہنشاہِ ارض و سما کی بادشاہت کا اعلان اور ایک فرمانِ الٰہی کے آگے سارے بندوں کی سر افگندگی۔ بعد ازاں نظام سلطنت کے لیے جن بنیادی اصولوں کی ضرورت ہے اس پر بحث کی گئی ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے چھوٹے بڑے کالے گورے، امیر غریب اور عربی و عجمی میں کوئی تفریق نہیں ہے اسلام کی سلطنت کے امام اور دوسرے اہل کار حکّام، حقوق میں عام مسلمانوں کے برابر ہیں۔

بہر حال یہ دکھانے کیلئے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں ایک ہی معیار تھا۔ مصنّف نے صحاح ستہ کی کتابوں سے بے شمار احادیث تفصیل کے ساتھ اس طرح نقل فرمائی ہیں۔ جس سے سیرت نبوی ﷺ کی جلالت شان آئینہ کی طرح سامنے آ جاتی ہے اور اس جلد کے بارے میں شروع میں جو خیال تھا، کہ صرف اصولی اور فقہی مباحث پر مشتمل مضامین ہوں گے۔ جب ان ابواب کو پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سیرت پاک کا ایک اہم ترین پہلو کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ مساوات اور محنت کش کو اس کا حق دلائے جانے کی تعلیم اس قدر تفصیل کے ساتھ نظروں کے سامنے آتی ہے کہ سیرت کے بارے میں ایک اعلیٰ ترین تصور جو سامنے نظر آنا چاہیے اس کو ہم موجود پاتے ہیں۔ مصنّف نے صفحہ اول سے لے کر صفحہ تینتالیس 43 تک آیات قرآنی سے رہنمائی حاصل کی ہے، اور سیرت کے ان گوشوں کو احکام الٰہی کی روشنی میں دکھانے کی سعی کی ہے۔ اس کے بعد صفحہ 44 چوالیس سے لے کر اس باب کے آخر تک احادیثِ نبویہ سے ماخوذ واقعات ہیں جن کو قرآن کی عملی تصویر کہنا صحیح ہوگا یہ سیرت پاک کے وہ حصے ہیں جن کو صرف مسلمان ہی کے سامنے نہیں بلکہ غیر مسلموں کے سامنے بھی پورے اعتماد کے ساتھ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ دنیا کے ہیروؤں کی تاریخ اس کا ایک حصہ بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی نے "سلطنت اور دین کا تعلق" پر روشنی ڈالی ہے۔ اور مصنّف نے سلطنت کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے،

ایک وہ جس میں سلطنت کو مذہب سے قطعاً الگ رکھا گیا ہے اور دوسری قسم وہ ہے کہ سلطنت کو مذہب سے جُدا نہیں کیا گیا ہے۔ پھر یہ دکھایا گیا ہے کہ اصل دینِ الٰہی ایک ہی ہے اور یہ ازل سے ابد تک ایک ہی رہے گا اور وہ دینِ اسلام ہے، یعنی "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دین و دنیا کے آخری رسولؐ و داعی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس سلطنت کے سب سے پہلے امیر، حاکم اور فرماں روا تھے اور ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بجا آوری عین احکامِ خدا کی بجا آوری ہے جیسا کہ قرآن میں ہے "وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کے دین کے پیشوا، امام اور مجتہد ہونے کا ذکر کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ ان کے احکام کی تعمیل بھی عین خدا اور رسول کے احکام کی تعمیل ہے۔ اس بحث کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی نے لفظ "رعیت" کی وہ عالمانہ تحقیق پیش کی ہے جو ان ہی کا حصہ ہے۔ اور اس سے جو نکتہ نکالا ہے یہ بھی ان کی عالمانہ بصیرت کا بہترین نمونہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "رعیت" کے معنی پرورش کرنے کے ہیں۔ جو جانوروں کے لیے ہوا کرتی ہے۔ جانوروں کو سرسبز چراگاہوں کو لے جانا انھیں بدکنے اور بھٹکنے نہ دینا، درندوں سے ان کی حفاظت کرنا، کسی دوسرے کی کھیتی کی طرف نکل جانے سے روکنا اور ان کو شکم سیر کرا کے بہ حفاظت واپس لانا وغیرہ ہے، یہ ایک جامع لفظ ہے جو راعی اور رعیت کے رشتہ کو بتاتا ہے۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ راعی کی رعیت کے ساتھ شفقت، ایک لازمی عنصر ہے۔ لہٰذا جب یہ صفت انسانوں کے لیے استعمال ہوگی جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث میں ہے تو اس میں بھی رعیت کے ساتھ رحم و کرم اور انسانی سلوک کی ہدایت ملتی ہے، ایسا نہیں ہے جو بادشاہوں راجاؤں اور زمینداروں کا طریقہ رہا ہے کہ اپنے عیش و آرام کے لیے غریبوں کسانوں، اور مزدوروں کو آدمی ہی نہ سمجھا جائے

اور جانوروں کی طرح ان سے بار برداری کا کام لیا جائے۔ اسلام کے علاوہ جہاں بھی انسانوں کے ہاتھ میں اقتدار رہا ہے اور ہے وہ انسانوں کے حقوق کے قائل نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں مصنّف نے بہت اچھی مثالیں دے کر یورپ افریقہ اور ایشیا کے مذاہب کی تصویر کشی کی ہے۔ اس کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے پیغامِ انسانیت کا تعارف کرایا ہے۔

مولانا سیّد سلیمان ندوی نے "عہدِ نبوی ؐ میں نظامِ حکومت" ایک عنوان قائم کیا ہے اور چوں کہ ان کی کتاب کا موضوع 'معاملات' ہے اس لیے معاملات کو محدود نہیں بلکہ وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا ہے۔ آپس میں ایک فرد کا دوسرے فرد سے معاملہ ایک گھر کے سرپرست کا معاملہ بیوی بچوں سے، ملازموں اور کارندوں سے یقیناً زیادہ اہم ہے، لیکن اس سے بڑھ کر اہم معاملہ حکومت کا ہے۔ جو عوام کے ساتھ سامنے آتا ہے جس میں پوری قوم جکڑی ہوئی ہوتی ہے، جیل خانے، پھانسی گھر اور سزا دینے والے جلّاد ہر وقت موجود ہوتے ہیں، اگر یہ معاملہ جو سرکار اور رعیت کے درمیان ہے ٹھیک ہو جائے تو وہ معاملات جو خرید و فروخت، لین دین، محبت اور غم گساری کے سلسلے میں برتے جاتے ہیں وہ آسان سے آسان تر ہوتے جائیں گے اس لیے مصنّف نے معاملات کا سِرا وہاں سے ہاتھ میں لیا ہے جہاں سے ساری دُنیا کے معاملات درست ہو سکتے ہیں۔ یا بگڑ سکتے ہیں۔ مصنّف نے صرف اسی پہلو پر غور نہیں کیا بلکہ رعایا کا حکومت سے جو معاملہ ہونا چاہیے اور عوام کا تعلق قیادت سے، اس کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور قیامِ امن میں جو دشواریاں پیش آئیں اس کی تفصیل بھی مولانا سیّد سلیمان ندوی نے دی ہے۔ ان دشواریوں سے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ دو طرفہ تھیں۔ ایک طرف وہ قوم تھی جو تہذیب و تمدّن سے دور آداب معاشرت سے بیگانہ اور وسیع میدانوں میں تنہا رہنے کی بنا پر اجتماعیت کے تمام لوازم اور آداب سے نابلد تھی، دوسری طرف متمدّن قومیں

تھیں، ایک رومی حکومت کی اہمیت جو روم سے شام تک پھیلی ہوئی تھی دوسری فارسی شہنشاہیت جو عراق کے اس سرحد تک جس کا سرا جزیرۃ العرب سے ملتا ہے۔ مصنّف نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اس وقت کی جغرافیائی ہیئت اور قوموں کے مزاج پر گفتگو کی ہے وہ اس درجہ سادہ اور شیریں انداز بیان میں ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم جغرافیا اور علمِ اجتماع پر گفتگو سن رہے ہیں یا کوئی ادب پارہ ہے اس ضمن میں دکھایا ہے کہ مدینہ منورہ کو دارالھجرۃ کیوں بنایا گیا ہے، جہاں کی ابتدا میں مہاجرین کے لیے آب وہوا بھی سازگار نہ تھی، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی طرف ہجرت فرمائی، لیکن جب رفتہ رفتہ عرب کے اس حصّے میں بڑی حد تک نظام اسلام قائم ہوگیا اور صلح حدیبیہ نے عرب کے مرکز یعنی مکّہ کا راستہ صاف کر دیا اور مکّہ فتح ہوگیا۔ اس کے بعد عرب کے دوسرے حصّوں کی طرف توجہ فرمائی۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ دعوت اور مختلف قوموں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا مصنّف نے اس کی تشریح فرمائی ہے، اور اس کے بعد ایک ایسی عادلانہ سلطنت کی بنیاد ڈالی گئی جس کا قانون خدا کا قانون، جس کی حکومت خدا کی حکومت اور جس میں ہر شخص ایک طرح سے خود ہی اپنا حاکم اور خود ہی اپنا محکوم تھا۔ کیونکہ اسلامی سلطنت بادشاہ اور اس کے خاندان کی ملکیت نہ تھی، بلکہ ملکیت تو صرف ایک خدا کی تھی لیکن اس کی نیابت سارے مسلمانوں کا یکساں حق تھی۔ یا یوں کہیے کہ نظام اسلام میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر رعایا کا نگراں و حاکم ہے، شوہر اپنے اہل وعیال کا، بیوی شوہر کے گھر کی، معلم اپنے شاگردوں کا، آقا اپنے غلاموں کا، غلام اپنے متعلقہ کاموں کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشادِ مبارک "کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے زیر نگرانی اشخاص (رعیت) کے متعلق سوال ہوگا"۔ اس تحقیقی و علمی بیان سے اسلام کے اصول سلطنت کا

ایک اساسی نقطۂ نظر سامنے آجاتا ہے۔

یہ پورا باب، علمی حقائق سے معمور، تاریخی اشارات سے پر قرآن و احادیث نبویہ کی مستند ترین روایات کا حامل ہے، مصنف نے اس میں یہ دکھایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معیار بالکل انوکھا تھا، جس میں ذرا بھی اور دُور کا بھی شائبہ سلاطین عصر یا اس وقت کے نوابین کا نہیں رہے نشست و برخاست سے لے کر بستر و مسند، گدّے اور کرسی لباس اور زیور دربان اور پہرے دار تک کہیں سے بھی دُور کی جھلک بھی ایسی سلطنت کے مالک میں نظر نہیں آتی۔ اس ضمن میں مولانا سیّد سلیمان ندوی نے سیرت سے جو واقعات نقل کر کے جمع کئے ہیں۔ وہ سیرت پاک کی ایسی جھلکیاں ہیں جن کو جمع کر کے ایک مستقل کتاب مرتب ہو سکتی ہے اور اگر اس کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کیا جائے تو اسلام کے لیے حجت ہوں اور ہمارے واعظ اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریر کرنے والے اگر اس کا مطالعہ جاری رکھیں تو عام مسلمانوں میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پیدا کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے محبت و عقیدت بڑھانے کا بہترین وسیلہ ہاتھ آجائے گا۔

الغرض سیّد سلیمان ندوی نے استاذی مولانا شبلی کے ادھورے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اسطرح سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی علوم کی ایک اہم دستاویز بن گئی۔ رئیس احمد جعفری نے سیّد سلیمان ندوی کے خاکے میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت و اہمیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> "سیّد سلیمان ندوی نے ساری عمر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے میں گزار دی اور اسی موضوع پر ایک اچھی خاصی انسائیکلوپیڈیا تیار کر دی۔ دنیا کی کسی زبان میں حتیٰ کہ عربی میں بھی سیرۃ نبوی، صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا معتبر، مستند اور بہترین ذخیرہ

یکجا نہیں ملے گا"۔ [1]

اور مزید آگے تحریر کرتے ہیں۔

"چنانچہ وقت کے مشہور صوفی حضرت شاہ بدرالدینؒ نے ایک رویا کی بنا پر بشارت دی کہ دربارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کتاب مقبول ہو چکی ہے"۔ [2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی معرکۃ الآرا تصنیف اب تک اردو زبان میں لکھی نہیں گئی۔ انہوں نے سیرت کی ان پانچ جلدوں میں جس طرح سیرت اور فلسفۂ سیرت کو پیش کیا ہے اسے پڑھ کر یہی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اب اس موضوع پر لکھنے کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ یعنی یہ کہ ان مضامین میں اضافے کی گنجائش بہت ہی کم رہ جاتی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اب جو بھی لکھا جائے گا اُن میں اکثر مواد سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اخذ یا اُسی کا حوالہ دیا جائے گا۔ اسی ضمن میں مالک رام رقم طراز ہیں۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سات جلدوں میں نہ صرف سیرۃ النبوی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اسلامی علم کلام کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے کہ اُردو میں تو یہ بے مثال ہے، یہی ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ کسی دوسری زبان میں بھی اتنا بڑا خزانۂ علم یک جا نہیں ملے گا"۔ [3]

اِس ضمن میں ان کا (مالک رام) کا یہ اقتباس بھی دلچسپی سے خالی

---

[1] رئیس احمد جعفری - دید و شنید - صفحہ 126.

[2] رئیس احمد جعفری - دید و شنید، صفحہ 127

[3] خلیق انجم (مرتب) سید سلیمان ندوی، صفحہ 19، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سنہ 1986ء

نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں۔

"اگر انہوں (سید سلیمان ندوی) نے اپنی عمر بھر میں صرف سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تکمیل کی ہوتی، تو یہی اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ تاریخ علم و ادب میں ان کا نام زندہ رکھنے کو کافی تھا، لیکن انہوں نے اس کے علاوہ ہمیں "خطباتِ مدراس" دیئے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بالکل اچھوتے انداز میں روشنی ڈالتے ہیں"۔ (۱)

مولانا سید سلیمان ندوی کی علمی و دینی خدمات کا ایک روشن و تابناک پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے صرف علمی و دینی خدمت کی بلکہ ایک ایسی جماعت تیار کی جو ارباب علم بھی ہیں اور علم و تحقیق کے میدان کے شہسوار بھی، اسلامیات کے مبصّر بھی ہیں اور ادبی مسائل و معاملات کے نکتہ داں و نکتہ سنج بھی، واقعہ یہ ہے کہ خود مصنّف ہونا اس قدر مشکل نہیں ہے جتنا کہ مصنّف گر اور محقق ساز ہونا، اسی اعتبار سے مولانا سید سلیمان ندوی کا مرتبہ دیگر علماء کے مقابلے میں عظیم ہے۔ ان کا اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے متفرق اعتراضات کے جواب کے ساتھ مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب کو ایسے محققانہ اور دلنشیں انداز میں پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا جس میں اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے، اور معترضین بھی اُن کی عظمت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے بکثرت مضامین اور مستقل کتابیں لکھیں۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم" ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ہر دعوے کی دلیل قرآن و سُنّت صحیحہ سے دی ہے ان کا کوئی جواب ایسا نہیں ملے گا جس میں قرآن کی ایک آیت یا حدیث سے حوالہ نہ دیا گیا ہو، غرض سیرت کے ضخیم ذخیرے میں یہ امتیازی خصوصیت نمایاں نظر آئے گی۔

---

(۱) شاہ معین الدین مرتب سلیمان نمبر ماہنامہ (معارف) ص ۳۶۱ مطبع معارف اعظم گڑھ سنہ ۱۹۵۵ء

**سید سلیمان ندوی کا اسلوب بیان :-** مولانا سید سلیمان ندوی کے ادبی اسلوب کا اوجِ کمال ان کی ہر تحریر میں دیکھا جا سکتا ہے ۔لیکن "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم" میں ان کی تحریر کی یہ خصوصیت نمایاں طور پر جھلکتی ہے ۔ ان کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی ان کی علمیت اور ٹھہرا ٹھہرا انداز ہے ۔جسمیں یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والا لکھنے سے پہلے تولنے کا عادی ہے ۔اس میں طوالت کی جگہ اختصار کو پسند کیا گیا ہے ۔ ساتھ ہی جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے وضاحت پر بھی نگاہ رہی ہے ، اس کے مصنّف نے لفظوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتی ہے ۔یہاں امیراللہ خاں شاہین کا ایک اقتباس پیش کرنا چاہونگا جو مصنّف کے اسلوبِ بیان پر مکمّل روشنی ڈالتا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں ۔

> اِس اسلوب میں وہ اپنے جلیل القدر استاد سے بھی بے ارادی طور پر متاثر ہوتے ہیں چنانچہ یہ کہنا " آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو چین نہ آتا "بے قراری سی رہتی " یا شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے" ، ان جملوں سے گزرتے ہوئے بے ساختہ ، شبلی یاد آتے ہیں ۔اس اسلوب میں وہ مولویت بھی نہیں ہے جو عقیدت کا ایسا روپ دھار لیتی ہے ۔ جن میں نری بناوٹ اور خالی تصنع ہوتا ہے ۔ مثلاً یہ لکھنا کہ "چہرہ معتبر تھا ، یہاں کوئی اور ہوتا تو گمان غالب ہے" چہرۂ مبارک کہتا ، یا ام سلمہ دوبارہ ام المؤمنین یا حضرت کا اضافہ کرتا ، مگر اسلوبِ عرب کا یہ مزاج نہیں ہے ، اور سیّد (سلیمان ندوی) صاحب عربی اسالیب سے بھی متاثر ہوئے ہیں

---

--- (پچھلے صفحہ سے) ۔مضمون از مالک رام "علامہ سیّد سلیمان ندوی' مرحوم"

چنانچہ عربی اصطلاحیں اور الفاظ اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ
تحریر پر بوجھ نہیں بنتیں اور نہ ہی بے جا پندار اور علمیت
کا ڈھونگ رچانے کا ذریعہ نظر آتی ہیں" ۱؎

مختصر یہ کہ ان کا انداز اس قدر مدلّل، دلنشیں اور امثال و تشبیہات سے پُر ہوتا ہے کہ پڑھنے والا ان کے خیالات کا قائل ہو جاتا ہے۔ فلسفیانہ اور خشک موضوعات کو شگفتہ و موثر بنا کر پیش کرنا اور جذباتی و نازک مواقع سے اس طرح گذر جانا کہ لب و لہجہ کی متانت بھی قائم رہے اور جانبداری یا جذباتی لگاؤ کا الزام بھی نہ آنے پائے مولانا سید سلیمان ندوی کے اندازِ بیان کا وصف ہے۔

ع نہ ہوا پر نہ ہوا ندوی کا انداز نصیب

---

۱؎ امیر اللہ خاں شاہین اردو اسالیبِ نثر تاریخ و تجزیہ۔ جمالی پرنٹنگ پریس جامع مسجد دہلی سنہ ۱۹۷۷ء

# خطباتِ مدراس

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پانچ ضخیم جلدیں مرتب کرنے کے بعد بھی سید سلیمان ندوی کی پیاس نہیں بجھی۔ بلکہ انہوں نے اس تسلسل کو جاری رکھا اور دو مزید کتابیں تصنیف کیں اس سلسلے کی دوسری اہم کتاب "خطبات مدراس" ہے۔ سید سلیمان ندوی نے مسلم ایجوکیشنل اسوسی ایشن آف سدرن انڈیا کی دعوت و فرمائش پر اکتوبر 1925ء کو شہر مدراس میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں پر چند خطبات پیش کیے تھے جنہیں 1946ء میں کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ یہ کتاب کُل آٹھ خطبات پر مشتمل ہے۔ اور یہ خطبات ڈیڑھ سو سے زائد صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں 167 صفحات ہیں اور اوّل خطبہ کی ابتدا نویں صفحہ سے ہوئی ہے۔

یہ سیرت کے موضوع پر ایک انوکھی کتاب ہے۔ اس میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس ڈھنگ سے گفتگو کی گئی ہے سید سلیمان ندوی سے قبل اور ما بعد کی تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں بلاشبہ شخصیت کا تاریخی ارتقاء و تدریج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مختلف عنوانات کے تحت دیے گئے خطبات ہیں۔ مگر ان میں ایسا ربط ہے کہ کہیں گمان نہیں ہوتا کہ یہ مختلف خطبات ہیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک عنوان کے تحت لکھی گئی مبسوط کتاب ہے۔ اس کو مصنف کا کمال ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جسے آپ تشنہ کہہ سکیں۔ اپنی معلومات کی وسعت مباحث کی ندرت اور افادہ کے لحاظ سے سیرت کی ضخیم جلدوں پر بھاری ہے اور تنہا یہ کتاب مصنف کے فخر و نازش کے لئے کافی ہے۔

**پہلا خطبہ:-** " انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے۔" کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ عنوان سے ظاہر ہے کہ اس خطبے میں انبیاء کرام کی سیرتوں کی اہمیت و افادیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسانیت کی تکمیل صرف انبیاء علیہم السّلام کی سیرتوں سے ہی ہو سکتی ہے اور نبیوں اور پیغمبروں کی بعثت

انسانوں کی زندگی کی ضمانت کے لیے ناگزیر ہے اور تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ سلاطین و کشور کشا جنہوں نے دُنیا کا نقشہ بدل دیا۔ وہ مدبرین و سیاست دان جنہوں نے قوموں کی قسمتیں پلٹ دیں۔ وہ قانون داں جنہوں نے بڑی بڑی حکومتوں کے دستور بنائے اور وہ حکماء و فلاسفر جنہوں نے بہتر سے بہتر فلسفے پیدا کیے۔ انسانیت کے امراض کا مداوی اور دلوں کی دُنیا منور نہ کرسکے اور یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ آج دُنیا میں جہاں کہیں بھی اخلاق و روحانیت کا نور نظر آتا ہے وہ صرف انبیاء علیہم السّلام کا ہی فیضانِ خاص ہے۔

**دوسرا خطبہ:-** "عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت ہے"۔ اس خطبہ کا عنوان ہے۔ پہلے خطبہ میں ایک عام بحث کی گئی تھی کہ انبیاء کرام کی سیرتوں کا مطالعہ انسانیت کے لیے از حد ضروری ہے لیکن اس خطبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ مقدسہ کے دائمی اور عالمگیر نمونۂ عمل ہونے پر بحث کی گئی ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے قبل جتنے بھی انبیاء کرام اس خاکدانِ گیتی پر تشریف لائے وہ سب اپنے دور کے پیغمبر برحق تھے لیکن اُن کی تشریف آوری کسی خاص قوم کسی خاص خطّہ اور کسی خاص زمانے کے لیے تھی۔ نیز اُن کی تعلیمات کا دائرہ بھی محدود تھا اس لیے اُن کی تعلیمات ان کے زمانے کے بعد منسوخ بھی ہو گئیں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

> "ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے وہ دیگر انبیاءُ علیہم السّلام کو اس لیے نہیں مرحمت ہوا کہ اُن کو دائمی، آخری اور خاتمِ نبوت نہیں بنایا گیا تھا۔ اُن کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا۔ اس لیے اس زمانے کے

بعد بتدریج وہ دُنیا سے مفقود ہوگئیں ۔"[1]

مگر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم آخر الزماں ہیں نیز یہ کہ اسلام کو ساری کائنات کے لیے دائمی دین بنایا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع کمالات بنائی گئی ہے اس لیے آپ صلعم کے حالات، تعلیم و پیغام کی حفاظت کے لیے قدرت کی جانب سے ایسا اہتمام کیا گیا کہ آج صدیاں گذر جانے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اور اس کا ہر ہر پہلو اس تفصیل اور اس تاریخی استناد کے ساتھ محفوظ ہے کہ دُنیا کی کوئی بھی تاریخ صحت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس میں ہر شعبۂ زندگی کے لیے اسوۂ عمل موجود ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی یعنی قیامت تک اُس کو زندہ رہنا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کو مجموعۂ کمال اور دولتِ بے زوال بنا کر بھیجا گیا"۔[2]

اس خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بالخصوص اس کا اہم ترین جزو یعنی عملی زندگی کا مرقع پیش کیا گیا ہے۔ اس خطبہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بیان واضح اور دلائل محکم ہیں۔ اور مناظرانہ پہلو بالکل نہیں۔ البتہ مصنف ہر ہر قدم پر علمِ کلام کا سہارا لیتے ہیں جو اظہار مقصد میں حائل نہیں ہوتا بلکہ معاون ثابت ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت کے اس پہلو کی وضاحت کے لیے سید سلیمان ندوی نے علاحدہ علاحدہ خطبات پیش کر کے حیاتِ مقدسہ کا ہر رُخ دکھانے کی کوشش کی ہے۔

---

[1] سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس ——— صفحہ 29 ذکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

[2] سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس ——— صفحہ 28, 27 ذکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

**تیسرا خطبہ:-** اس خطبہ کا عنوان "سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی پہلو" ہے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خطبہ میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تاریخی پہلو پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر تاریخی مواد موجود ہے۔ اتنا مواد دنیا کے کسی بڑے سے بڑے پیشوا و رہنما کے حالاتِ زندگی میں نہیں مل سکتا۔ چنانچہ اس ضمن میں مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔

"اس باب میں تمام دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے وہ عالم کے لیے مایۂ حیرت ہے۔" [1]

اِس خطبہ میں سیرت کے تمام مآخذوں مثلاً قرآن مجید، کتب احادیث، کتب مغازی وسیرت، تاریخ اور دلائل شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے ذخیرے کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں ان علوم کی اجمالی تاریخ بھی آ گئی ہے اور پھر تدوینِ حدیث کے اصولوں کے تحت اس ذخیرۂ شمائل پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے، اِن بحثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جتنا مستند مواد موجود ہے اس کے عشر و عشیر، غیر مستند حالات بھی کسی دوسرے پیغمبر کے دستیاب نہیں ہیں۔ سید سلیمان ندوی کا ایک طریقۂ کار یہ بھی رہا ہے کہ وہ سرسید کی طرح ان مستشرقین کے حوالے بھی پیش کرتے ہیں جو اپنی رائے کو استحکام بخشتے ہوں۔ مثلاً مندرجہ بالا رائے کی تصدیق میں مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر کی کتاب 'لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم' سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح 'اسماء الرجال' کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت

---

[1] سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس ـــــ صفحہ 43، زکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو۔" ؎۱
اسی خطبے میں ایک اور جگہ پروفیسر مارگولیتھ* (Margoliouth) کی کتاب "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" سے درج ذیل جملے نقل کرتے ہیں۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے۔"

The biographers of Prophet Mohammed form a long series, it is impossible to end but it would be honourable to find a place.... ؎۲

اس کے ساتھ ہی سید سلیمان ندوی نے ان صحابہ کرام رضؓ کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے احادیث کے جمع کرنے میں ہر ممکن کوشش کی تھی، علاوہ ازیں جن صحابہ کرامؓ سے سب سے زیادہ روایتیں ہیں اُن کے اسمائے گرامی کے ساتھ ان سے منقول احادیث کی تعداد بھی بتائی ہے۔ اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تحریری سرمایہ موجود تھا۔ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

**چوتھا خطبہ:۔** چوتھے اور پانچویں خطبوں کا تعلق ایک ہی چیز سے ہے یعنی کاملیت اور جامعیت یہ دونوں چیزیں درحقیقت ایک ہی سکہ کے دو رُخ ہیں۔ تاہم انہوں نے دو الگ الگ خطبوں میں اِسے بانٹ دیا ہے۔ اس خطبہ میں کاملیت سے یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی سے وصال تک کے ہر واقعہ کو محفوظ کر لیا گیا ہے

---

؎۱ بحوالہ۔ سید سلیمان ندوی خطبات مدراس ـــــ صفحہ 44 ذکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

* سید سلیمان ندوی کی رائے میں پروفیسر مارگولیتھ کی کتاب سے زیادہ زہریلی کوئی کتاب سیرت نبوی پر نہیں لکھی گئی

؎۲ بحوالہ۔ سید سلیمان ندوی۔ خطبات مدراس ـــــ صفحہ 61 ذکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

مثلاً خاندان، آباؤ اجداد، پیدائش، شیر خوارگی، بچپن، سنِ شعور، جوانی، اس زمانے کے مشاغل، پیشہ، شادی، احباب، بعثت سے پہلے قریش کے معاہدے میں شرکت، امین کا خطاب، آثارِ نبوت، تنہائی پسندی، غارِ حرا کی خلوت نشینی اور چلّہ کشی، نبوت کا آغاز، وحی، اِسلام کا ظہور، اس کی دعوت، اس راہ کے مشکلات و مصائب، ہجرت، قیامِ مدینہ، غزوات کے حالات، دعوتِ اسلام کے خطوط، اسلام کی اشاعت و تکمیل، حجۃ الوداع اور وفات وغیرہ کے تمام حالات محفوظ ہیں۔ اس مختصر خطبے میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تکمیلی پہلو پر مدلّل بحث کی گئی ہے اور آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ــــ

"اسلام کی نگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایک مسلمان کے لیے کامل نمونہ ہے۔ اس لیے اس نمونے کے تمام پہلو سب کے سامنے ہونے چاہئیں اور وہ سب کے سامنے ہیں، اِسی سے ثابت ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سلسلہ کی کوئی کڑی گم نہیں ہے۔ کوئی واقعہ زیرِ پردہ نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ تاریخ کے صفحات میں آئینہ ہے اور یہی ایک ذریعہ کسی زندگی کے کامل، معصوم اور بے گناہ یقین کرنے کا ہے۔ نیز ایسی ہی زندگی جس کے ہر پہلو اس طرح روشن ہوں۔ انسان کے لیے نمونے کا کام دے سکتی ہے۔" [1]

**پانچواں خطبہ:-** یہ خطبہ سیرت کی جامعیت پر روشنی ڈالتا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ مختلف انسانی طبقات اور ان کی زندگی کے ہر پہلو اور ہر انسانی ضرورت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ عمل موجود ہے مثلاً شاہ و گدا، حاکم و محکوم، فاتح و مفتوح، امیر و غریب، بادشاہ و رعایہ اور تاجر و مزدور وغیرہ۔

---

[1] سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس ـــــ صفحہ 81-80 زکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالتوں اور حیثیتوں سے زندگی بسر کی ہے، اس لیے ان سب کی حیثیت اور ان کے تعلقات کا فرائض کا سبق بھی ہم کو سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مل سکتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لیے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔" لہ

ہر انسان کے معمولات زندگی اور روزانہ کے کاروبار مثلاً اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، ہنسنے بولنے، تعلیم و تعلم، عبادت و ریاضت وغیرہ، ان تمام معمولات و مشاغل کا درس بھی جو روزانہ کی زندگی میں پیش آتے ہیں، ہم حیاتِ طیبہ سے سیکھ سکتے ہیں حتیٰ کہ انسانی اوصاف اور اُن کے مذہبی و جذباتی کیفیات و احوال مثلاً خوشی و رضامندی غم و غصہ، عزم و استقلال، صبر و تحمل، شجاعت و شہامت، استغنا و قناعت، جود و سخا تواضع و انکساری وغیرہ تک کی تعلیم بھی ہم کو اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔ غرض اس خطبہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی بھی شعبہ کیوں نہ ہو اس میں سلیقہ و قرینہ چاہتے ہو تو سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھو، یہی وہ نمونۂ زندگی ہے جس کی پیروی کر کے بنی نوعِ انسان اپنی زندگی کو کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کر سکتا ہے۔

اس خطبہ کے آخر میں سید سلیمان ندوی نے مندرجہ بالا بحث کا نچوڑ بیان کر کے حدیثِ پاک سے اس خطبہ کا اختتام کیا ہے۔

"... تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع

---

لہ سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس ـــــ صفحہ 86 ذکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اور دائمی اور عالمگیر راہنما نہیں ہوسکتا، اسی لیے اعلان فرمایا۔

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ۰

(اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے، تو آؤ میری پیروی کرو۔)

یہ خطبہ 20 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یعنی 83 صفحہ سے شروع ہوکر 102 صفحہ پر ختم ہوتا ہے۔

**چھٹا خطبہ**:- یہ خطبہ پانچویں خطبہ کی تشریح ہے۔ پانچویں خطبہ میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی زندگی و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہے۔ اس خطبہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کس چیز میں اور کیونکر کرنی چاہیئے" یعنی اس خطبہ کا مقصد سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی پہلو دکھانا ہے۔ جو سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ہی اہم اور ضخیم باب ہے۔ اس لیے کہ بقول سید سلیمان ندوی۔

> "یہ انبیاء کرام اور بانیانِ مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہی باب سب سے زیادہ بڑا اور ضخیم ہے۔ اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلے کے لیے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہوسکتا ہے؟" [1]

سید سلیمان ندوی کے نزدیک "انسان کی عملی سیرت کا نام خُلق (اخلاق) ہے۔ اور قرآن نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے "خُلق" کو وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کہہ کر پکارا ہے۔ قرآن کا یہ اعلان کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اِخلاق کے بلند مرتبہ پر فائز ہیں، اس

---

[1] سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس ـــــ صفحہ 103، زکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

بات کی طرف اشارہ ہے کہ دُنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہیں، یوں تو دُنیا میں اچھی تعلیم کی کمی نہیں اور اقوال زریں کے دفتر کے دفتر موجود ہیں۔ مگر کمی ہے تو صرف عمل کی ہے، سیاسی رہنما ہو کہ مذہبی رہنما اُن کے قول وفعل میں تضاد ہوتا ہے۔ مگر نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سراپا عمل تھی۔ اِس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خود عمل کر کے دِکھایا اور اپنے اُمتیوں کو عمل کرنے کی تاکید بھی فرمائی۔ ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے،

"کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں"

اس خطبہ میں سارا زور اس میں صرف ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اخلاقی تعلیمات دیں اُن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خود اعلیٰ نمونہ تھے، اِس سلسلہ میں سید سلیمان ندوی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہر قسم کے اِخلاق فاضلہ کے واقعات قرآن و حدیث کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔ اس ایک خطبہ میں سارے واقعات کو نقل کرنا ممکن نہیں تھا، تاہم سید سلیمان ندوی نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں مثلاً خُدا کی عبادت گذاری، زہد و قناعت، ایثار و قربانی توکل و بھروسا رحم و کرم اور عفو و علم وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ جس سے ان کے اخلاقِ حمیدہ پر روشنی پڑتی ہے۔

**ساتواں خطبہ:**۔ اس خطبہ کا عنوان سید سلیمان ندوی نے "پیغمبر اسلام علیہ السّلام کا پیغام" بنایا ہے۔ یہ خطبہ زیرِ نظر کتاب کے 128 صفحہ سے شروع ہوتا ہے اور 147 صفحہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس خطبہ میں مصنف نے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت و عالمگیریت اور اس کی پیدا کردہ اصلاحات اور دوسری انقلاب انگیز خصوصیات پر بحث کی ہے اور یہ بتانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ جملہ مذاہب کی مشترک اور بنیادی تعلیمات یعنی ایمان و عملِ صالح، عقائد و عبادات اور اخلاق و معاملات وغیرہ کی تکمیل بانیٔ اسلام اور اسلام ہی نے کی۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں"۔ اور موازنہ کر کے دکھایا گیا ہے کہ دوسرے مذاہب کی کتابیں اور اُن کے صحیفے اس حقیقت کے نامکمل اور ناقص ترین نمونے ہیں۔ چنانچہ توریت و انجیل میں عقائد و عبادات کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکتی۔ کہا جاتا ہے کہ توریت میں تو دُنیاوی قوانین البتہ کسی قدر تفصیل سے ملتے ہیں۔ مگر اولاً وہ نہایت سخت ہیں جس کا تحمل انسانی طاقت کے لیے دشوار ہے۔ دوسرے بعض حیثیتوں سے ناقص بھی ہیں۔ پھر اُن کا دائرہ بنی اسرائیل تک ہی محدود ہے۔ اسلام نے ان کی سختی کو کم کر کے ان کو معتدل اور عالمگیر بنا دیا۔ اسی طرح اخلاق کے کمزور حصّے کی بھی تکمیل کی۔ اسلام سے قبل جیسا کہ ہم جانتے ہیں، انسان ہر اُس قوت کے سامنے جس سے اُسے ضرر یا نقصان کا اندیشہ یا نفع کی اُمید ہوتی، سر بہ سجود ہو جاتا۔ اور جس چیز کو اپنے سے زیادہ طاقت ور دیکھتا اُسے اپنا معبود سمجھنے لگتا۔ جس کے نتیجے میں بے شمار دیوی اور دیوتاؤں کا جنم ہُوا تھا۔ عیسائی اور یہودی مذہب کے ماننے والوں میں اگرچہ اس قسم کے معبودانِ باطل کی پرستش نہیں ہوتی تھی مگر ان میں علماء اور راہبوں کو خُدائی کا درجہ حاصل تھا۔ دیگر مذاہب کے باطل عقائد اور رسم و رواج کی نشاندہی کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی نے اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ دُنیاوی چیزوں کے مقابلے میں انسان کی عظمت و توقیر کو بڑھا کر بتایا ہے اور اس خیال کی تائید کی ہے کہ اسلام ہی پہلا مذہب ہے جس نے اِنسان کو اشرف المخلوقات قرار دے کر اُس کی عظمت نمایاں کی اور یہ بتلایا کہ انسان کائنات کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ کائنات اُس کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ غالباً اُسی خیال کی ترجمانی اقبال کے اس شعر میں کی گئی ہے۔

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لیے [1]

---

[1] محمد اقبال، بالِ جبرئیل، ——— ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

اس لیے دنیا کی کوئی چیز اس کی پرستش کے لائق نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ذات عبادت کے لائق ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جس نے انسانوں اور زمین و آسمان کی ساری رنگینیوں کو پیدا فرمایا۔ توحید کا یہی وہ پہلا سبق تھا جو اسلام نے دنیا کو دیا۔ اس خطبہ میں قدما کے فرسودہ عقیدہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا کے تقریباً تمام مذاہب نے انسان کو فطرۃً خطا کار قرار دیا ہے۔ جس سے نجات پانا دشوار ہے۔ اسی سے آریائی مذاہب میں تناسخ کا اور عیسائی مذہب میں کفارہ کا عقیدہ پیدا ہوا مگر اسلام نے انسان کو فطرتاً معصوم اور گنہگاری کو برے اعمال کا نتیجہ قرار دیا اور انسان کے لیے نجات کی راہ کھلی رکھی۔ اسلام سے پہلے انسانیت نسلی اور جغرافیائی حدود میں مقید ہو کر رہ گئی تھی۔ اسلام نے ان حدوں کو توڑ کر عالمگیر انسانی برادری قائم کی۔

ع مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

خطبہ کے آخر میں سید سلیمان ندوی نے ایک غلط عقیدہ کا ازالہ بھی کیا ہے جو دوسرے تمام مذاہب میں رائج تھا، یعنی دوسرے تمام مذاہب میں درمیانی واسطوں کے بغیر خدا تک نہیں پہنچا جا سکتا تھا۔ اسلام نے ان واسطوں کو ختم کر کے براہ راست ہر انسان کا خدا سے تعلق قائم کیا۔ یہاں سید سلیمان ندوی کا منشا یہ ہے کہ عبد و معبود کی عبادت میں کسی غیر کو دخل نہیں، ہر مسلمان اپنے دینی احکام خود بجا لا سکتا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

"عبد و معبود اور خدا اور بندہ کی عبادت اور راز و نیاز میں کسی غیر کو دخل نہیں، ہر شخص جو مسلمان ہے نماز کا امام ہو سکتا ہے، قربانی کر سکتا ہے، نکاح پڑھ سکتا ہے مذہب کے تمام مراسم بجا لا سکتا ہے"[1]

---

[1] سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس ــــــ صفحہ 146-145، زکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

اور وہ آگے لکھتے ہیں کہ۔

"یہ سب سے بڑی آزادی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انسانوں کو عطا ہوئی۔" [1]

سید سلیمان ندوی یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگلے پیغمبروں اور مذہبی رہنماؤں کے ساتھ فرطِ عقیدت نے لوگوں کو شرک و بت پرستی میں مبتلا کر دیا تھا۔ اسلام نے اُن کا صحیح درجہ متعین کرکے شرک کے ایک بڑے فتنہ سے نجات دِلائی۔ یہ اس کتاب کا ایک اہم خطبہ ہے۔ جسمیں سید سلیمان ندوی نے متعدد آیات اور احادیث کے حوالے سے اپنی بات کہی ہے۔ جتنی آیات و احادیث کا استعمال اس خطبہ میں ہوا ہے، دوسرے خطبات میں نہیں ہوا۔ اس لیے یہ خطبہ دِل کو چھو لیتا ہے۔

**آٹھواں خطبہ:-** یہ خطبہ اسلام کے تصورِ توحید کا احاطہ کرتا ہے۔ جو اسلام کی بنیادی تعلیم ہے اس میں یہ دِکھایا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے کسی مذہب میں بھی خالص توحید نہیں تھی۔ جن مذاہب میں کسی حد تک تھی بھی تو وہ خُدا اور بندے کے تعلق کی تشبیہہ و تمثیل اور اس کی ذات و صفات میں التباس و اشتباہ اور افعالِ خداوندی کی نیرنگیوں کی غلط تعبیر کی وجہ سے شرک میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اسلام نے ان سارے شبہات کو ختم کرکے شرک کا ہر دروازہ بند کر دیا اور دُنیا میں خالص توحید کو پہلی مرتبہ پیش کیا۔ اِسی طرح عبادت کا غلط تصور۔ جو بعثت سے پہلے کفارِ قریش میں عام تھا۔ اس تصور کو بدلا اور عبادت کے جو غلط طریقے رائج تھے ترک کر دیے۔ رہبانیت اور جسمانی اذیت کو مٹا کر اس کی صحیح شکل بتلائی اور اس کا اصل مقصد و منشا واضح کیا۔ سید سلیمان ندوی نے اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر انسانوں کو ان مصیبتوں سے

---

[1] سید سلیمان ندوی، خطباتِ مدراس ـــــ صفحہ 146، ذکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

نجات دلائی اور بتایا کہ یہ روحانیت نہیں جسمانی تماشے ہیں۔ ہمارے
خدا کو جسم کی شسکل نہیں، بلکہ دل کا رنگ مرغوب ہے، طاقت سے
زیادہ تکلیف اس کی شریعت میں نہیں" [1]

اپنی آراء کو استحکام بخشنے کے لیے سورۂ بقرہ ۴۰ کی آیت پیش کرتے ہیں۔

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔"

ترجمہ: خدا کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا حکم نہیں دیتا" [2]

اس خطبہ میں یہ بات بتانے پر بھی قوت صرف ہوئی ہے کہ اسلام میں جان کی کیا اہمیت ہے۔ اس لیے کہ اسلام سے پہلے انسانی جانوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ اس زمانے کے لوگ، جانوں کو دوسروں کی ملکیت سمجھتے تھے۔ آقا کو اختیار تھا کہ وہ غلام کو قتل کر دے، دیوی دیوتاؤں کے سامنے انسانوں کی قربانی ایک عام بات تھی اور پھر عورتوں کا معاملہ یہ تھا کہ اس کی سماج میں کوئی عزت نہ تھی، وہ اپنی مرضی سے نہ جی سکتی تھی نہ مر سکتی تھی، اس لیے کہ جب کسی عورت کا شوہر مرجاتا تو عورت کو شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہو جانا پڑتا تھا۔ اور کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تو والدین شرم سے ڈوب مرتے تھے اور اپنی اولاد کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔

اسلام نے انسانی جانوں کا احترام کیا اور کسی شخص کو خود اپنی جان کا مالک نہیں بنایا۔ اسی لیے خودکشی کو حرام قرار دے دیا۔ نیز حسب و نسب کی تفریق مٹا کر تقویٰ کو معیارِ فضیلت ٹھہرایا اور اسلام کے ماننے والوں کو چاہے وہ کہیں بھی ہیں آپس میں بھائی بھائی قرار دیا اور اسی قبیل کی دوسری اصلاحات کیں اور ان اصلاحات پر سید سلیمان ندوی نے تفصیلی بحث کی ہے۔

---

[1] سید سلیمان ندوی، خطباتِ مدراس ـــــ صفحہ 157 ذکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

[2] سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس ـــــ صفحہ 157 ذکریا بک ڈپو دیوبند 1996ء

یہ آٹھوں خطبات سید سلیمان ندوی نے مدراس میں ایک مہینے کے قیام کے دوران دیئے ، یہ خطبات اپنے موضوع و مباحث ، ادب و انشا اور زور خطابت کے لحاظ سے اردو لٹریچر کے شاہکار سمجھے جاتے ہیں ۔ اس لیے کہ سید سلیمان ندوی صاحب نے ان خطبات میں لفظی بازی گری ، خطیبانہ ساحری اور غیر ضروری تفصیلات سے گریز کیا ہے ۔ سند اور تاثیر کو ترجیح دی ہے ، ان خطبوں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ "خطبات" ہونے کے باوجود ، ان میں ہر جگہ تصنیف کا رنگ جھلکتا ہے ، ان خطبات کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ سید سلیمان ندوی مثالوں اور دلیلوں کے دوران کبھی کبھی کوئی برمحل مکالمہ یا شعر یا مصرع پیش کر دیتے ہیں تو تاثیر اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے ۔ مثلاً عہدنامہ صلح حدیبیہ مرتب ہوا اور اس کی رو سے مسلمانوں کو آزادی مل گئی کہ مسلمان اب جہاں چاہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکتے ہیں ۔ تو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے اور ان کو خدا کا پیغام پہنچایا ۔ اس تفصیل کے بعد سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں ۔

"حضرات ! اس واقعہ سے درس گاہِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہے کہ اس میں داخلہ کے لیے رنگ روپ ملک و وطن ، قوم و نسل اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا بلکہ وہ دُنیا کے تمام خانوادوں تمام قوموں اور تمام زبانوں کے لیے عام تھی ۔"

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے ، [1]

اس ایک مصرعے نے مذکورہ بالا اقتباس کی تاثیر بڑھا دی اور اسے کمال کے درجے پر پہنچا دیا ۔ سید سلیمان ندوی کے قلم کی یہ خوبی ہے کہ جہاں اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے کے لیے ایک صفحہ کی گنجائش بہ آسانی نکل سکتی ہے ۔

[1] سید سلیمان ندوی "خطباتِ مدراس" ذکریا بک ڈپو دیوبند ص 96 1996

وہاں سید سلیمان ندوی اِس سے احتراز کرتے ہوئے صرف ایک جملہ سے کام نکال لیتے ہیں۔ اس کتاب کی ان جملہ خوبیوں سے متاثر ہو کر رشید احمد صدیقی نے کہا تھا۔

"سید سلیمان ندوی کی تصانیف میں سے جس تصنیف نے مجھے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ متاثر کیا وہ اُن کے "خطبات مدراس" ہیں، میرا خیال ہے کہ شاید سب سے پہلے میں نے ہی سید سلیمان ندوی کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ ان خطبات کا انگریزی میں ترجمہ ہو جائے تو بہت مفید ہوگا۔ ...... مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی عقائد اور شعائر سے متعلق اتنی اچھی اور مختصر کتاب شاید اسلامی ممالک میں بھی نہیں لکھی گئی۔ یہی نہیں بلکہ اکثر یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ اسلام اور اسلامیات سے متعلق جتنی مفید اور معیاری تصانیف ہندوستان کے مسلمان اربابِ فکر و نظر نے پیش کی ہیں اسلامی ممالک میں اس پایہ کی کتابیں شاید نہیں تصنیف ہوئیں۔"

اِن خطبات کی خصوصیات پر اظہار خیال کرتے ہوئے سید محمد ہاشم رقم طراز ہیں۔....

"یہ آٹھوں خطبات' اپنے نئے طرز' مستحکم استدلال، تاریخی مآخذ سے استنباط منفرد اسلوب اور بیان کی شائستگی و پاکیزگی کے لحاظ سے سید سلیمان ندوی کی تصانیف میں امتیازی درجہ رکھتی ہیں۔" ؎۵

---

؎۵ سید محمد ہاشم۔ سید سلیمان ندوی، حیات اور ادبی خدمات صفحہ 279
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ 1995

بہر کیف یہ خطباتِ مدراس کے مباحث کا اجمالی خلاصہ ہے، جس سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے. اس میں سلیمان ندوی نے اختصار کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بیشتر پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ دراصل یہ تنہا کتاب اسلام اور بانیِ اسلام کی صداقت و عظمت اور دوسرے مذاہب پر اس کی فضیلت و برتری کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

# مولانا ابوالکلام آزاد

محی الدین جو آگے چل کر مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے مشہور ہوئے، کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور ہمہ جہات پہلو رکھتی ہے، آپ کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی اور ابتدائی زمانہ مکہ معظمہ میں گذرا، پھر کلکتہ کو اپنا وطن ثانی بنایا اور یہیں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی، آپ نے ادب و صحافت، خطابت، سیاست اور کتنے ہی دوسرے شعبوں پر اپنے غیر فانی نقوش چھوڑے ہیں۔

مگر مولانا آزاد کی سیاسی شہرت نے آپ کے ادبی و صحافتی کارناموں پر پردہ ڈال دیا تاہم مولانا آزاد کی بلند قامت شخصیت نے سیاسی میدان کے ساتھ ساتھ ادبی دنیا میں بھی اپنا لوہا منوایا، بارہ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت پانے کے بعد ۱۹۰۲ء میں آپ کا اپنا اخبار "لسان الصدق" کلکتہ سے نکلا جو چار ماہ بعد بند ہو گیا۔ اس سے پہلے مولانا کے کئی مضامین ادبی جرائد میں شائع ہو کر قبولِ عام حاصل کر چکے تھے۔ پھر علامہ شبلی کی رفاقت نے آپ کی صلاحیتوں کو جلا بخشی اور علامہ شبلی نے آپ کو "الندوہ" کا سب ایڈیٹر بنا دیا۔

مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کیلئے مولانا نے "الہلال" جاری کیا۔ اس کے پُرزور دینی اور سیاسی مضامین نے ملک میں ہلچل پیدا کر دی اور جب اس اخبار پر حکومت نے پابندی لگا دی تو آپ نے "البلاغ" نامی دوسرا اخبار کلکتہ سے شائع کرنا شروع کیا، صحافتی خدمات کے علاوہ مولانا آزاد نے ادبی خدمات بھی انجام دیں، الہلال اور البلاغ کی تحریروں کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد کی جو مستقل تصانیف منظرِ عام پر آئیں، وہ درج ذیل ہیں۔

1916ء میں مولانا آزاد رانچی میں نظر بند تھے، یہیں سے آپ نے اپنے بزرگوں کے حالات لکھنے شروع کیے، اور اس کا پہلا ایڈیشن 1919 میں "تذکرہ" کے نام سے شائع ہوا، یہ تذکرہ کی شکل میں تاریخ نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔

" آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی" یہ کتاب مولانا آزاد نے تحریر نہیں کی، پھر بھی

راسے مولانا کی تصانیف میں شمار کیا جائے گا، اس لئے کہ مولانا کے عزیز دوست عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا آزاد کے حالاتِ زندگی مولانا ہی سے سن کر لکھتے گئے یعنی مواد اور زبان مولانا ہی کی تھی صرف تحریر عبدالرزاق ملیح آبادی کی۔

مولانا کے زبانی بیانات کو پروفیسر ہمایون کبیر نے انگریزی میں منتقل کیا ہے اور پروفیسر محمد مجیب نے اس کا ترجمہ تحریکِ آزادی کے عنوان سے کیا۔ "غبارِ خاطر" مولانا کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو آپ نے احمد نگر کے جیل خانے میں اپنے دوست نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن شروانی اور رئیس بھیکم پور کے نام لکھے تھے، مگر یہ خطوط مکتوب الیہ کو پوسٹ ہونے سے پہلے ہی کتابی شکل میں عنوانِ ھٰذا کے نام سے شائع ہوئے۔ "کاروانِ خیال" بھی آپ کے خطوط کا مجموعہ ہے، جو "غبارِ خاطر" سے پہلے شائع ہوا تھا، یہ خطوط نواب صدر یار جنگ اور مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام لکھے گئے تھے۔ "نقشِ آزاد" بھی خطوط کا مجموعہ ہے جو غلام رسول مہر کو لکھے گئے تھے، اس میں غالب پر مولانا کی تحریرات اور دیگر متفرق خطوط شامل ہیں۔

ان تصانیف کے علاوہ "تبرکاتِ آزاد" "مکاتیبِ ابوالکلام آزاد" "ملفوظاتِ آزاد"، "نگارشاتِ آزاد"، "فلسفہ"، "خطباتِ آزاد" "قولِ فیصل"، "مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب"، "البیرونی" اور "جغرافیۂ عالم"، "تصوراتِ قرآن"، "اُم الکتاب"، "انسانیت موت کے دروازے پر" اور "شہدائے اعظم" مولانا آزاد کی اہم تصانیف ہیں۔

لیکن جس تصنیف نے مولانا ابوالکلام آزاد کو مذہبی دنیا میں ایک اہم و اعلیٰ مقام عطا کیا وہ "ترجمان القرآن" ہے۔ مولانا کی تفسیر اپنی معنوی خصوصیات اور تفسیری نکات پر ایک گرانقدر علمی شاہکار ہے۔ جو سادگی، سلاست اور اسلوب کے اعتبار سے ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنے عمیق علم وسیع مطالعہ اور گہرے فکر و تدبر کے ساتھ اپنی تفسیر میں خدا کے مقدس کلام کی بہترین ترجمانی کی ہے۔

"رسولِ رحمت" مولانا ابوالکلام آزاد کے مختلف اوقات میں مختلف عنوانات کے تحت لکھے گئے

مقالات کا مجموعہ جو انھوں نے "الہلال" اور "البلاغ" میں عید میلاد النبیؐ کے موقعے پر لکھے تھے، مولانا ابوالکلام آزاد کا معمول تھا کہ وہ ربیع الاوّل کی تقریبات کے لیے ہر سال دو چار مقالے مختلف عنوانات پر تحریر فرماتے تھے، علاوہ ازیں قارئین الہلال والبلاغ کی طرف سے بھی تقاضہ ہوتا کہ مولانا آزاد کے قلم سے سیرت پر لکھی ہوئی کوئی تحریر پڑھنے کو مل جائے مزید یہ کہ قارئین کی طرف سے سوالات و استفسارات آجاتے تھے، جن کا مفصل و تسلّی بخش جواب دینا ان کے لئے ضروری ہو جاتا تھا، اس طرح انھوں نے سیرتِ طیّبہ اور انبیائے کرام کے متعلق بہت کچھ لکھا اور ان کو 'الہلال' اور 'البلاغ' میں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا، حالاں کہ الہلال والبلاغ میں بڑی ہی عجیب و غریب چیزیں شائع ہوتی رہیں، جن میں سیاست و ادب کو خاص اہمیت حاصل تھی، لیکن ان شماروں کی روح رواں دعوتِ دین ہی تھی، اس لئے کہ مولانا آزاد فضائل و مکارمِ علم و فضل کا ایک عظیم پیکر تھے انھوں نے حقائق کتاب و سنّت کو جس دل پذیر انداز میں پیش کیا، اس کی نظیر نہیں ملتی، نیز یہ کہ علم و فضل کے ہر شعبے میں یگانہ حیثیت حاصل تھی جو کچھ لکھتے تھے، اس کی شان سب سے منفرد ہوتی تھی اور علم و عمل کے ہر دائرے میں ان کا یہ امتیاز برابر قائم رہا۔

'الہلال' و 'البلاغ' میں بکھرے ہوئے ان مقالات کو یکجا کرنے کی مولانا آزاد کو فرصت نہیں ملی، جہادِ آزادی میں اس قدر مصروف ہوگئے کہ قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھانی پڑیں، ان کے انتقال کے بعد مولانا رسول مہر کو خیال پیدا ہوا کہ ان دینی افادات کو جن کا تعلق قرآن و صاحبِ قرآن سے ہے، یکجا کر کے اس کو کتابی شکل میں نئی نسل کے سامنے پیش کیا جائے۔

زیرِ نظر کتاب 'رسولِ رحمت' کو مولانا غلام رسول مہر نے مرتب کر کے شائع کیا، نیز جہاں انھوں نے ضرورت محسوس کی وہاں اضافے بھی کر دیے۔ یہ اضافے صفحات کی صورت میں نہیں بلکہ ابواب کی شکل میں ہیں، مولانا آزاد کے گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان مقالات کو کتابی شکل عطا ہوگی، ورنہ وہ اس میں تسلسل کو قائم رکھتے، اور جہاں کہیں مولانا غلام رسول کو تسلسل ٹوٹتا ہوا نظر آیا، وہاں ان کے اضافوں نے اس خلا

کو ہنر کردیا۔ ان کی یہ ترتیب دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ اس سیرت میں متفرق مقالات نہیں ہیں بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق نہایت قیمتی سرمایہ یکجا کیا گیا ہے اور یہ ایک جامع سیرت نبوی صلعم ہے "رسولِ رحمت" بڑی تقطیع "10x6½" کے 800 صفحات پر مشتمل ہے، کل 21 عنوانات کے تحت 105 ابواب قائم کئے گئے ہیں "حرفِ آغاز" کے عنوان سے کتاب کی ابتداء ہوتی ہے جس میں مؤلف نے ترتیبِ کتاب کی سرگزشت بیان کی ہے۔ اس کے فوراً بعد مقدمہ سے اصل سیرت کے مقدمے میں پانچ ابواب آئے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔

باب ۱:- سیرت نبوی کا مقام، باب ۲ سیرۃ نبوی کا مقام باب ۳ قرآن اور سیرۃ نبویہ، باب ۴، اشاعت سیرتِ طیبہ، باب ۵، رسول اللہ صلعم کا احترام اور اس کا مقام،

مقدمہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے سیرۃ نبوی کے مقام پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ (دوسری) اہم شخصیات، انبیائے کرام میں سیرتِ نبوی کا مقام انتہائی منفرد ہے اور یہی وہ سیرتِ مقدس ہے جس کو اپنا کر ایک انسان کامیاب زندگی بسر کر کے اپنی عاقبت سنوار سکتا ہے، مولانا آزاد نے رسولِ اکرم کی سیرت و سنت کو کتاب الٰہی کے ساتھ جو اہمیت دی اور سیرتِ رسول کو آخری وسیلہ و ذریعہ قرار دیتے ہوئے جن الفاظ میں اپنے عقیدے و ایمان کا اظہار فرمایا، وہ حسب ذیل ہے

"حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف اس عہد میں بلکہ جب تک دنیا باقی ہے، صاحب قرآن کی سیرت و حیاتِ مقدس کے مطالعہ سے بڑھ کر نوعِ انسانی کے تمام امراضِ قلوب علل ارواح کا کوئی علاج نہیں ہے۔"[1]

اسی سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد نے سیرۃ نبوی کا مقام اور اس کا احترام کا تذکرہ کر کے ابن تیمیہ کا ارشاد نقل کیا ہے۔

---

[1] ابوالکلام آزاد رسولِ رحمت ۱۱ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس 1986

"ساری چیزیں چھوڑ کر صرف سیرۃ نبویہؐ کے مطالعے اور تدبر و فکر کو اپنے اوپر لازم کر لو یقین اور ایمان کی تمام بیماریوں کے لئے یہی نسخۂ شفا ہے۔" ۲؎

حضرتِ ابن تیمیہ کے قول کی وضاحت میں آگے لکھتے ہیں کہ سیرتِ مقدسہ، علم و بصیرت کا اصل سرچشمہ ہے۔

"علم و بصیرت کا اصل سرچشمہ صرف حیاتِ نبویؐ اور منہاج مقام رسالت ہے جسے قرآن نے "الحکمۃ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ دنیا میں حکمتِ صادقہ کا اس حکمت سے الگ کوئی وجود ہی نہیں ہے۔" ۳؎

"قرآن و سیرتِ نبویہ" کے باب میں ابوالکلام آزاد نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ترتیبِ سیرت نبویؐ میں صرف قرآن کریم سے رجوع کر کے بھی آپ صلعم کی سیرت و حیات پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ اور ان کا یہ کہنا ہے کہ قرآن کو سامنے رکھ کر سیرت مقدسہ لکھنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے۔ اس احساس کے تحت انھوں نے علامہ شبلی سے گذارش کی تھی، جب وہ "سیرتِ النبیؐ" لکھنے میں مصروف تھے کہ

"آپ سیرت میں ایک خاص باب یا سیرت کا ایک خاص حصہ اس عنوان سے قرار دیجیے۔

"قرآن و سیرت محمدیہؐ" اور اس میں صرف آیاتِ قرآنیہ کو بہ ربط و ترتیب جمع کر کے دکھلایئے کہ خود قرآن سے کہاں تک آپؐ کی شخصیت اور آپؐ کے وقائع و ایام معلوم ہو سکتے ہیں۔" ۱؎

مولانا آزاد کی گذارش اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مولانا آزاد غیر مستند روایات و دفاتر تاریخی سے سیرتِ مقدسہ کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔

---

۱؎ ابوالکلام آزاد "رسولِ رحمت" ص 18 اعتقاد پبلشنگ ہاؤس 1986

۲؎ ابوالکلام آزاد "رسولِ رحمت" ص 3 اعتقاد پبلشنگ ہاؤس 1986

۳؎ ابوالکلام آزاد "رسولِ رحمت" ص 4 اعتقاد پبلشنگ ہاؤس 1986

اس باب کا خلاصہ یہی ہے کہ دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور جو واقعات سینہ بہ سینہ آرہے ہیں، دنیا بھلا دے اور صرف قرآن ہی دنیا میں باقی رہے۔ تب بھی رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور آپ صلعم کی حیات و شخصیت کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے۔

'اشاعت سیرت طیبہ' کے باب میں مولانا آزاد نے سیرت نبویؐ کی اشاعت کے لئے ایک ادارے کے قیام پر زور دیا ہے، اس سے پہلے بھی مولانا آزاد نے نومبر ۱۹۱۳ء کے 'الہلال' میں مجالس ذکر مولد کے متعلق ایک مقالہ تحریر فرمایا تھا جس میں واضح کیا تھا کہ سیرت نبویؐ کے لئے ایک ادارہ ہونا چاہیئے، جس میں مختلف رسائل ایک خاص اسلوب پر عوام کے لئے لکھے جائیں اور انھیں مجالس مولد میں پڑھا جائے۔

مقدمہ کے آخری باب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم کرنے، تقریروں اور تحریروں میں احترام کو ملحوظ رکھنے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس لئے کہ سیرت نبویؐ کا مقام عام سوانحی ادب سے مختلف ہے اور اس میں ذرا سی لغزش اور تھوڑی سی کوتاہی محبت و عقیدت کو مجروح کر دیتی ہے۔

"ظہور قدسی" کو عنوان بنا کر چار ابواب میں میلاد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جس میں میلاد نبویؐ اور موضوع روایات پر دو مقالے" ربیع الاول کا جشن میلاد" پر ایک مقالہ اور "ماہ ربیع الاوّل اور یادگار حسرت" پر ایک مقالہ شامل ہے۔

اس میں مجالس ذکر حضورؐ کی فضیلت، ان مجالس کے انعقاد کا مقصد اور ان موقعوں کی مجالس میں پڑھے جانے والے واقعات کی صحت پر بحث کی گئی ہے۔ اور غلط روایات کو دلائل کے ساتھ رد کیا ہے، مثلاً عام طور پر جو روایات آپ صلعم کی ولادت سے متعلق بیان ہوتے ہیں۔ اُن سے مولانا ابوالکلام آزاد متفق نہیں۔ اس کے علاوہ مصنف نے جشن میلاد النبیؐ کی اہمیت اور اس کے انعقاد کے صحیح طریقوں پر بھی اظہار کیا ہے، فرماتے ہیں۔

" ماہ ربیع الاول کی یاد میں ہمارے لئے جشن و مسرت کا پیام اس لئے تھا کہ اس

... مہینے میں خدا کا وہ فرمانِ رحمت دنیا میں آیا جس کے ظہور نے دنیا کی شقاوت و حرمان کا موسم بدل دیا، ظلم و طغیان اور فساد و عصیان کی تاریکیاں مٹ گئیں، خدا اور اس کے بندوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ جڑ گیا۔" [1]

تم ربیع الاول میں آنے والے کی یاد اور محبت کا دعویٰ رکھتے ہو اور مجلسیں منعقد کر کے اسکی مدح و ثنا کی صدائیں بلند کرتے ہو، لیکن تمھیں کبھی یہ یاد نہیں آتا کہ جس کی یاد کا تمھاری زبان دعویٰ کرتی ہے، اسکی فراموشی کے لئے تمھارا ہر عمل گواہ ہے ...." [2]

"بعثت و نبوت" اس کتاب کی اگلی سرخی ہے۔ اس پر مولانا آزاد نے پانچ مضامین لکھے ہیں، جو کتاب کی ترتیب میں باب دس سے لیکر باب چودہ میں شامل ہیں، اسکے ساتھ ہی ضمیمہ باب بھی شامل کیا گیا، اس کا پہلا باب (یعنی باب نمبر ۱۵) جو مولف کے قلم سے ہے، سوانحِ مبارکہ کا سرسری مرقع پیش کرتا ہے، اس میں آپ صلعم کی ابتدائی زندگی کے حالات پیش کیے گئے ہیں، اس کے علاوہ تجارت، شادی، تعمیرِ کعبہ اور زمانۂ قربِ بعثت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر اس کے بعد نبوت، شادی، نزولِ قرآن، نماز اور تبلیغ کی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

"ترتیبِ قرآن اور سورۂ فاتحہ" پر دو مضامین ہیں، پہلا مضمون دراصل مولانا ابوالکلام آزاد کے "مقدمۂ قرآن" کے بارھویں باب کا صرف ایک حصہ ہے (جس کو ترجمان القرآن میں شامل کیا گیا ہے) جس میں مصنف موصوف نے قرآن کی وقتی اور دائمی ترتیب پر بحث کی ہے اور اس کے مقصد کو بھی واضح کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے "سورۂ فاتحہ" کی اولیت پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے، فرماتے ہیں۔

"...... کائنات تعلیم و سعادتِ انسانی میں جو کچھ ہے اس میں سب سے پہلی حقیقت یہی سورت اور اسی سورت کی سات آیتیں ہیں، اگر وہ ایک سفر ہے تو اسکی

---

[1] ابوالکلام آزاد 'رسولِ رحمت' ص 58 اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی 1986

[2] ابوالکلام آزاد 'رسولِ رحمت' ص 62 اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی 1986

پہلی منزل یہی ہے ، اگر وہ ایک جمال ہے تو اس کا پہلا نظارہ یہی ہے ۔ اگر وہ ایک نغمۂ حقیقت ہے تو اس کا پہلا ترانہ اسی سے اُٹھتا ہے ، اگر وہ ایک وقت ہے تو اس کا پہلا دن اسی سے شروع ہوتا ہے ، اگر وہ ایک درخت ہے تو اس کا اولین تخم اسی میں ہے ، اگر وہ ایک دائرۂ سعادت ہے تو اس کا نقطہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ، غرض نوعِ انسانی کی سعادت اور کائناتِ ارضی کے ارشاد و ہدایت میں جو کچھ بھی ہے ، اس میں جس طرح اور جس شکل میں دیکھو گے اسی سورت کی نمود ہر لحاظ سے پہلے نظر آئے گی " ـــــ اس طویل اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد اس مضمون میں سورۂ فاتحہ کی اہمیت واضح کرنا چاہتے ہیں ۔ اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ قرآنِ حکیم کی کلید ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ آں حضرت صلعم نے اس کا نام " فاتحہ الکتاب " رکھا ، حدیث میں آیا ہے کہ ....

" اس شخص کی نماز ہی نہ ہوئی جس نے نماز میں فاتحہ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ نہ پڑھی " ـــــ (بخاری و مسلم عن عبادہ بن صامت) .. [1]

دوسرے مضمون میں بھی اسی سورۃ پر بحث کی گئی ہے ، اس میں خاص کر سورۂ فاتحہ کی افتتاحی خصوصیت ، اور اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے پر بھی بحث کی ہے ۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے ۔"

" حقیقت انبعاثِ وحی " پر بھی دو مضامین ہیں ، جس میں انبعاثِ وحی کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ آغازِ وحی و تنزیل کے متعلق اس قدر مختلف اقوال و روایات کیوں ہیں ، نیز مسئلہ اولیت نزول اور حیثیت اقراء پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے ، ضمیمۂ باب میں بھی اسی سے متعلق بحث کی گئی ہے ۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن کی جلد اول پر نظرِ ثانی فرماتے ہوئے ایک مقام پر حاشیے میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا ، جس کا تعلق بھی اسی موضوع سے تھا ، ضمیمہ کے طور پر شامل کر لیا گیا ہے ۔

---

[1] بحوالہ ابوالکلام آزاد " رسولِ رحمت " ص ۷۹

"دعوتِ اسلام" کے عنوان کے تحت چار مضامین لکھے گئے ہیں جو اس کتاب میں شامل ہیں یہ اس کتاب کا ایک اہم باب ہے، اس لئے کہ سیرتِ مبارکہ کی اصل روح "دعوتِ حق" میں ہے، اگرچہ مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں میں دعوتِ حق پر کوئی الگ تحریر نہیں تھی، اس ضمن میں مؤلف "رسولِ رحمت" رقمطراز ہیں۔

"مولانا کی تحریرات میں دعوتِ حق کا کوئی مرتب خاکہ موجود نہیں تھا، جسے اٹھا کر کتاب میں شامل کر لیا جاتا، اگرچہ ان کی حیاتِ مستعار کی گرم جوشیوں اور ہنگامہ پروریوں کا محور دعوتِ حق کے سوا کچھ نہ رہا، لیکن اس سے اعراض کا مطلب یہ ہوتا کہ بعثت و نبوت کی غرض و غایت ہی نظر انداز کر دی جاتی، حالاں کہ پوری سیرتِ طیبہ کی روح رواں دعوت حق کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی ........ میں (مؤلف) نے کئی ہزار صفحات سے ضروری ٹکڑے انتخاب کر کے بطورِ خود ترتیب دے دیئے ہیں ...." ؎1

مؤلف نے ان ٹکڑوں کو اس انداز سے جمع کیا ہے کہ گمان نہیں ہوتا کہ ہزاروں صفحات سے اخذ کئے گئے ہوں، بہر حال ان مضامین میں آپ صلعم کی دعوت کو عام دعوت کہہ کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ صلعم کی دعوت کسی خاص قوم و خطہ کے لئے نہیں، بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے ہے، پھر آپ کی دعوت جو اسلام کے پیغام کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی وہ کیا تھی۔ اور کس طرح اس پیام نے انسانوں کی زندگیوں کو بدلا، اس پر روشنی ڈالی گئی ہے فرماتے ہیں:

"پیغمبرِ اسلام (صلعم) کی دعوت اس لئے ہے کہ تمہیں زندہ کر دے...." ؎2

اس میں پہلے تو توحید و رسالت کی تعلیم دی گئی ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو پیش کر کے اس پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اس کے ساتھ اسلام کے اور پیغامات میں

---

؎1 ابوالکلام آزاد، رسولِ رحمت، ص 107 اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی 1986

؎2 ابوالکلام آزاد، رسولِ رحمت، ص 108 اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی 1986

سے خدا پرستی اور نیک عملی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا، مفلسی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرنا، زنا سے دور رہنا، یتیموں کے مال کی طرف نہ بڑھنا، انصاف سے کام لینا، عہد و پیمان پورا کرنا اور ناپ تول میں کمی نہ کرنا، جیسی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ انسانی مساوات، حق و باطل کا معیار، صبر و تحمل، دین حق کے بنیادی اصول، دکھاوے کی خیرات سے پرہیز، محبت و ہمدردی کے تقاضے اور اس طرح کی اور تعلیمات اسلام شامل ہیں۔

"ہجرتِ حبشہ، مقاطعہ اور اسریٰ" اس سرخی کے تحت مؤلف نے مولانا ابو الکلام آزاد کے چار مضامین جمع کئے ہیں، پہلا مضمون جو کتاب کا انیسواں باب ہے، قریش کا جور و ستم اور ہجرت حبشہ" جس میں مصنف نے قریش کی سنگ دلی کی طرف مختصراً روشنی ڈالی ہے۔ پھر خدا کی راہ میں ہونے والی پہلی ہجرت کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی قریش کا ظلم جب حد سے تجاوز کر گیا اللہ کے نبیؐ نے جاں نثارانِ اسلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کریں، اسی باب میں نجاشی کے قبولِ اسلام کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ بیسواں باب بنی ہاشم سے مقاطعہ اور سفر طائف کا احاطہ کرتا ہے، اس میں مصنف نے شعب ابی طالب کے واقعہ کو پیش کیا ہے۔ نیز آپ صلعم کے سفر پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر اسرا و معراج سے متعلق بحث کی ہے اور اسراء سے متعلق اپنا موقف ظاہر کیا ہے۔ یہ سارا مواد باب اکیس اور بائیس میں آیا ہے۔

بعد ازاں مولانا ابو الکلام آزاد نے "ہجرت" کے واقعہ کو بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ "ہجرت" رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا ہی نہیں بلکہ تاریخِ اسلامی کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس لئے انھوں نے اس کی اہمیت و افادیت پر مدلل بحث کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عنوان کے تحت دس ابواب میں اپنی بات کہی ہے اور یہ مواد چونسٹھ (64) صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

سیرت کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی ہجرت کے واقعات کے بعد ہی پیش ہوئی ہے، مرتب نے بھی اسی عام ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ تاکہ حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

کا تسلسل باقی رہے، اس کے تین ابواب میں آپ صلعم کی مدنی زندگی کا ابتدائی دور، مہاجرین وانصار کی بھائی چارگی اور استحکام امن اور دفاعِ مدینہ سے متعلق آپ صلعم کی تدابیر کا جائزہ لیا گیا ہے،

ہجرت کی طرح سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم باب غزوات وسرایہ بھی ہے، اور ہر سیرت نگار نے غزوات کے باب کو اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے، اس کے پہلے دو باب میں ہجرت سے غزوۂ بدر تک کے واقعات درج ہیں، پھر غزوات کی تفصیل آتی ہے اور ہر غزوہ کو ایک علیحدہ باب میں جگہ دی گئی ہے تاکہ غزوات کی تفصیل قاری کے مطالعے میں آجائے، ان میں غزوۂ بدر، غزوۂ بدر سے غزوۂ احد تک کے واقعات، غزوہ اور غزوہ احد سے صلح حدیبیہ تک کے واقعات، غزوۂ خندق، فتح مبین، صلح حدیبیہ اور بیعتِ نسوان اور اس کی ساری تفصیلات بارہ ابواب میں درج کی ہیں،

"عالمی دعوت وتبلیغ کا آغاز" اس کتاب کا ایک اہم عنوان ہے، اس میں دو ابواب دعوتِ اسلام پر ہیں، مصنف نے خصوصی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کی تفصیل بیان کی ہے جو آپ صلعم نے سلاطین ورؤسائے عرب کو دی تھی، اس کے بعد باب چھپن (56) سے باب یکسٹھ 61 میں دیگر غزوات کا ذکر کیا ہے، جس میں غزوہ، خیبر غزوۂ موتہ اور فتح مکہ کا جائزہ لیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی یہودیت، مسیحیت اور اسلام اور مجاہدین اسلام کا داخلہ مکہ مکرمہ میں جیسے عنوانات شامل ہیں اور ان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

آخر الذکر ذیلی سرخی کے تحت فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ میں مجاہدین اسلام کا داخل ہونا اور ان کا کافروں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک پڑھنے والے خاص کر غیر مسلموں کو اس قدر متاثر کرتا ہے کہ انکے دلوں میں دین اسلام کی وقعت بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہ فتح مکہ کے بعد کافر بہت گھبرائے ہوئے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ مسلمان اب ہم سے انتقام لینگے اور ہم گاجر مولی کی طرح کاٹ دیے جائیں گے، مگر آپ صلعم اور آپ کے جان نثاروں

کا نیا سلوک دیکھ کر کفار حیران ہو گئے۔ اور اسلام کی انسان دوستی سے اتنے متاثر ہوئے کہ اب انھیں اسلام سے متعلق اپنے نظریات کو بدلنا پڑا جس کے نتیجے میں کئی کافروں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس قبیل کے متعدد واقعات کو مصنف نے دس صفحات میں بہت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ پھر غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک کے واقعات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

غزوۂ تبوک کے ابتدائی دو ابواب تمہید کے لئے صرف ہوئے ہیں۔ اور آئندہ کے ابواب میں غزوہ کی تفصیلات اور جنگ سے پہلے آپ صلعم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس کا خلاصہ نیز اس معرکے سے تعلق رکھنے والے دیگر جزوی واقعات کو مصنف نے سلیقے سے بیان کیا ہے۔ بعد ازاں پیغامِ حق کے معجز نما نتائج، وفود کا عرب کے قبائل میں پہنچنا اور ان کو اسلام کی دعوت دینا وغیرہ کا ذکر کر کے اسلامی فتوحات پر روشنی ڈالی ہے

اس کے بعد حج سے متعلق بحث آئی ہے۔ چار ابواب پر مشتمل یہ بحث تقریب یوم الحج، تاریخ فرضیتِ حج، مقاصدِ حج اور عید و تکمیلِ شریعت کا احاطہ کرتی ہے۔ مصنف نے اسلام کے دیگر چار فرائض پر ایک سطر بھی نہیں لکھی اور نہ مرتب نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اگلے چار ابواب میں آپ صلعم کی رحلت سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں جس میں آپ صلعم کے وصال سے پہلے کے حالات، وصالِ نبویؐ اور تجہیز و تکفین اور تدفین کی ساری تفصیلات آگئی ہیں۔ پھر اسوۂ محمدیؐ عنوان کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و معمولات اور فضائلِ اخلاق پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

اسوۂ محمدیؐ کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے "رحمۃ للعالمین" کے زیرِ عنوان آپ صلعم کی ایک عظیم صفت پر روشنی ڈالی ہے۔ جسکا قرآنِ کریم میں ذکر آیا ہے۔

وما ارسلناک الا .....

اور اسی صفت کے حوالے سے مرتب نے اس کتاب کا نام "رسولِ رحمت" رکھا ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ مرتب نے آپ صلعم کے رحمۃ للعلمین ہونے کے ذکر کو آخری صفحات میں جگہ دی ہے، ورنہ عام سیرت کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے واقعات پر سیرت اختتام پذیر ہوتی ہے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت مبارکہ کا احاطہ مصنف نے نو (۹) ابواب میں کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلعم اور آپؐ کا لایا ہوا دین دینِ رحمت ہے۔ اس دین کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو عالمِ انسانیت کے لئے بلا لحاظِ نسل و خون بلا امتیازِ رنگ و بو اور بلا قیدِ مقام و محل یکساں پیامِ رحمت نہ ہو اور یہ رحمتِ الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہی کائنات تک پہنچی ہے۔

"رسولِ رحمت" سیرت پر ایک ضخیم کتاب ہے جو متعدد مقالات پر مشتمل ہے اور مصنف نے آٹھ سو صفحات میں آپ صلعم کی حیاتِ مقدسہ کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کیا ہے۔ اس سے مولانا ابوالکلام آزاد کے حسنِ انتخاب کا پتہ چلتا ہے، نیز مرتب غلام رسول مہر کی ترتیب و تزئین کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے، زیرِ نظر کتاب کا مطالعہ یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ تحریریں تحقیق پر مبنی ہیں، اس لئے کہ انھوں نے کتبِ سیر و مغازی سے زیادہ قرآنِ حکیم کو ہی اپنی تحریروں کا ماخذ بنایا ہے تاکہ اس کی صحت پر کسی کو شک و شبہ نہ ہو۔

مولانا کی تحریروں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں اختصار پایا جاتا ہے اور انھوں نے سیرت کے وہی پہلو پر تفصیل سے لکھا ہے جو پہلو ہماری عملی زندگی پر ہمیشہ اثر انداز ہوتا ہے نیز جا بجا جغرافیائی تشریحات کا اہتمام کیا گیا ہے اور کتاب میں ضروری نقشے بھی شامل کئے گئے ہیں تاکہ قاری کے ذہن میں واقعات نقش ہوکر رہ جائیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی طرزِ نگارش سے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا اندازِ بیان ایسا ہے کہ جو کچھ زبانِ قلم پر آتا دامنِ دل کو یقین و اعتماد کے گل ہائے رنگا رنگ سے بھر دیتا ہے، ان کی تحریروں میں رنگارنگی و خلوص ہے، اس کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے مرتب فرماتے ہیں۔

"دراصل مولانا فطرتاً داعی حق تھے، دل پذیری اور یقین افروزی داعی کی تحریروں کا جوہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے نکلی ہوئی شاید ہی کوئی چیز ہو جو دعوت کے اس معنوی جوہر سے بھرپور نہ ہو۔" ؎1

احتشام حسین نے مولانا کی تحریروں سے متعلق کہا ہے۔

"مولانا آزاد کی نثر عربی و فارسی لفظوں سے بھری ہوئی ہے اور اس میں صنائع و تشبیہات کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے، اس میں شاعرانہ رنگ ہوتا ہے اور رنگینی پائی جاتی ہے، اس سے ایسا زور اور ایسی قوت کا ظہور ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اس کے بہاؤ میں بہہ جانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔" ؎2

ان کی نثر شاعرانہ شان لیے ہوئے ہوتی ہے اسی لئے حسرت موہانی کو یہ کہنا پڑا کہ

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر    شعرِ حسرت میں بھی مزہ نہ رہا

خواجہ احمد فاروقی رقم طراز ہیں:

"مولانا نے لکھنا ایسے سیکھا تھا جیسے مچھلی تیرنا سیکھتی ہے، انشا کے قواعد ان کے ضمیر میں اس طرح جاگزیں تھے جیسے فولاد میں جوہر....." ؎3

اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ مرتب نے ان مقالوں پر ضروری حواشی بھی لکھے ہیں اور تمہیدی عبارتیں بھی تحریر کی ہیں اور جہاں جہاں مرتب کو خلا محسوس ہوا انھیں مختصر تحریروں کے ذریعے پُر کیا ہے، لیکن مرتب کو یہ بھی احساس ہے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس درجہ پاکیزہ، دلربا اور ایمان پرور تھا کہ اس پر نظر پڑتے ہی عزم

---

؎1 غلام رسول مہر (مرتب) رسولِ رحمت اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی 1986

؎2 سید احتشام حسین "اردو ادب کی تنقیدی تاریخ" ص 209 اردو بیورو دہلی

؎3 خواجہ احمد فاروقی یادِ یارِ مہرباں ص 33

نگارش عرقِ انفعال بن کر بہہ نکلتا ہے۔

کہیں کہیں ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ مباحث نامکمل ہیں، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ کوئی مربوط کتاب نہیں ہے اور نہ ہی ذہن میں یہ بات رکھتے ہوئے یہ مقالات لکھے گئے ہیں، اس کے باوجود ایک مقالہ، ایک باب دوسرے باب سے یوں ربط رکھتا ہے جیسے زنجیر کی ایک کڑی دوسری کڑی سے اور پڑھتے وقت قاری کو کہیں سکتہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے یہ مرتب کا کمال قابل تعریف ہے کہ انہوں نے مختلف مقالوں کو اس انداز میں مرتب کیا ہے کہ اگر کسی پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ بکھرے ہوئے مضامین ہیں جو میلاد کی محفلوں کے لئے لکھے گئے ہیں تو یہی سمجھے گا کہ مولانا نے ایک منصوبے کے تحت یہ سیرت لکھی ہے۔

بہر کیف "رسولِ رحمت" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ جمیل پر ہر پہلو سے ایک جامع کتاب ہے جو مولانا آزاد کے مقالات و تحریرات کی بناء پر مرتب ہوئی ہے۔

# مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

بیسویں صدی میں جن نامور شخصیتوں نے دینی و علمی کارناموں سے نہ صرف ملّتِ اسلامیہ ہند کو بلکہ پورے عالمِ اسلام اور عالمِ انسانیت کو جگایا، ان میں ایک اہم اور معتبر نام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کا ہے۔ صحیح معنوں میں وہ ہمارے عہد کی منتخب روزگار شخصیت ہیں، جنھوں نے جدید دور کے تعلق سے اسلام کی ترجمانی کرکے ہمارے ذہنوں کی بے شمار الجھنوں کو دور کیا اور ان مسائل پر روشنی ڈالی ہے، جن کے جواب کی تلاش میں آج کا جدید ذہن سرگرداں ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ولادت ۶ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ 1914ء بہ مقام دائرہ شاہِ علم تکیہ کلاں، رائے بریلی میں ہوئی۔ تعلیم کا آغاز والدہ محترمہ نے قرآنِ مجید سے کیا، پھر اردو اور عربی کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، علامہ خلیل عرب سے باقاعدہ عربی تعلیم کا آغاز کیا اور انھیں کی تربیت میں عربی زبان و ادب کی تعلیم مکمل کی۔ 1927 میں لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کی سند حاصل کی۔ 1929ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں محدّث حیدر حسن خاں کے درسِ حدیث میں شریک ہوئے اور مکمّل دو سال تک ان کی صحبت میں رہ کر فنِ حدیث سے خصوصی استفادہ کیا۔

بولائی 1934ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مدرس مقرّر ہوئے اور 1948 میں ندوۃ العلماء کی مجلسِ انتظامی کے رکن منتخب کر لئے گئے اور 1951 میں علامہ سید سلیمان ندوی کی تجویز پر نائب معتمدِ تعلیم کی ذمّہ داری سنبھالی اور 1954

میں علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد بالاتفاق معتمد قرار پائے
1960ء میں ڈاکٹر عبدالعلی حسنی صاحب کی وفات کے بعد ندوۃ العلماء کے ناظم
منتخب ہوئے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے 1959ء میں مجلس تحقیقات و
نشریات اسلام قائم کیا۔ 1960 میں دینی تعلیمی کونسل، اتر پردیش 1964 میں
مسلم مجلس مشاورت اور 1972 میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام میں شریک رہے
اسی طرح مولانا موصوف متعدد دینی و علمی اداروں سے وابستہ رہے۔ متعدد
دفعہ بیرون ملک کا سفر کیا، تقریریں کیں، خطبات دیے، کانفرنس میں شرکت
کی، بین الاقوامی دینی اجتماعات میں شریک ہوئے اور تصنیف تالیف و صحافت
کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی علمی و ادبی تحقیقی و تصنیفی خدمات کا ثبوت ان کے
تحریر کردہ ہزاروں صفحات پر مشتمل عربی و اردو کی تحریروں سے مل جاتا ہے، جن
میں وہ انسانی زندگی کے ہر موضوع کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ وہ سینکڑوں
مقالات و خطوط بھی پیش کر چکے ہیں، جن میں وہ انسانی زندگی کے مروجہ جو کمال
سعادت و فلاح کے راز بتاتے ہیں۔ ان میں وہ بیش قیمت تصانیف و تالیفات
بھی شامل ہیں جو اسلامی تاریخ اسلامی تہذیب، اسلامی ادب اور اسلامی معرفت
پر مشتمل۔

مولانا موصوف کی تصنیفات کا مطالعہ متنوع سمتوں میں ہماری رہنمائی
کرتا ہے، نگارشات کے گلشن زار میں قرآنی موضوعات بھی ملتے ہیں، سیرت
نبوی ﷺ پر کتابیں بھی نظر آتی ہیں۔ حدیث، تاریخ، علم کلام، سوانح و خاکہ نگاری
اور اخلاقیات کے علاوہ خالص فکری موضوعات پر بھی مستقل تصانیف ملتی
ہیں۔ ان کی کل تصانیف کی تعداد دو سو سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔

ان میں سیرت سید احمد شہید، تاریخ دعوت و عزیمت (پانچ جلدیں)

ارکانِ اربعۂ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، پرانے چراغ (تین جلدیں) تذکرۂ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، حیاتِ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، دریائے کابل سے دریائے یرموک تک، سوانح حیات حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، کاروانِ زندگی (سات جلدیں) نقوشِ اقبال، کاروانِ مدینہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، منصب نبوت اور اسکے عالی مقام حاملین اور نبی رحمت ﷺ وغیرہ بہت مشہور تصانیف ہیں۔ ان سب تصانیف میں ہمیں ایک ایسے نئے ذہن سے واسطہ پڑتا ہے جس کیلئے جدید دنیا کے مسائل اور انکے حل کی جستجو ایک منزل کی حیثیت رکھتی ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ان کی چار کتابیں مقبولِ عام و خاص ہوئیں، ان میں سب سے پہلی کتاب "نبی رحمت" ہے۔

زیر نظر تصنیف مولانا کی مایہ ناز تصنیف "السیرۃ النبویہ" کا اردو ترجمہ ہے۔ دراصل مولانا موصوف نے یہ کتاب عربی میں لکھی تھی جو 1975 میں مکمل ہوئی۔ اور 1976 میں شائع ہوئی۔ اس عربی کتاب کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن قاہرہ اور قطر سے شائع ہوا، اسکے بعد سے اب تک دارالشرق، جدہ سے کتاب کے دس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

"نبی رحمت" کا یہ چوتھا ایڈیشن ہے جسے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام نے 1997 میں لکھنؤ سے شائع کیا۔ اسکے علاوہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا ہے اور اب تک اسکے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں وہ اضافے شامل ہیں جو مصنف نے عربی ایڈیشن میں کر رکھے اگرچہ یہ اضافے بقول ناشر زیادہ نہیں ہیں، لیکن اہم اور قیمتی ہیں۔ ایک حقیقت پسند اور باخبر مصنف کی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ کسی تحریر کو حرفِ آخر نہیں سمجھتا۔ اسی لئے ہر نئے ایڈیشن میں کوئی نہ کوئی جدید کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور یہ بات

اسکے تازہ مطالعے کی دلیل ہے۔ یعنی نئی تحقیقات اور جدید ترین معلومات کی روشنی میں وہ اپنی کتاب کو (Up to Date) بناتا ہے، یہی مولانا ابوالحسن ندوی کی خاصیت ہے جو انھیں دوسرے لکھنے والوں میں امتیازی مقام عطا کرتی ہے۔

اس کتاب کا آغاز مصنف نے "عہد جاہلیت" سے کیا ہے، اس سے پہلے مصنف کا پیش لفظ، دو دیباچے اور ناشر کا ایک دیباچہ (جو طبع چہارم پر لکھا گیا) اس کتاب میں شامل ہے۔ "نبی رحمت" میں بعثت سے پہلے دنیا کا حال جتنا مفصل لکھا ہے، سیرت کی کتابوں میں کم نظر آتا ہے، اسلئے کہ مصنف اس وقت کے ماحول اور اس عہد کو کسی طرح نظر انداز کرنا نہیں چاہتے جس میں نبوت محمدی کا آفتاب طلوع ہوا۔ اسی لئے انھوں نے ابتداء میں اس عہد کی عالم گیر جاہلیت کی پوری تصویر کشی کی ہے۔ جو چھٹی صدی مسیحی میں ساری دنیا پر مسلط تھی، اسمیں یہ بھی دکھایا ہے کہ اس زمانے میں "فساد" اخلاقی بگاڑ اور انسان کی بے چینی و اضطراب کا کیا حال تھا، اسکی اخلاقی سماجی، معاشی و سیاسی حالت کیا تھی، تخریب و فساد کے کیا کیا اسباب اسوقت دنیا میں کارفرما تھے اور کہیں کہیں ظالم حکومتیں، مسخ شدہ مذاہب، انتہا پسندانہ خیالی فلسفے، تباہ کن تحریکیں اور دعوتیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ ان مذکورہ امور کو پیش نظر رکھ کر مصنف نے عہد جاہلیت کا جائزہ لیا ہے، اس میں مصنف نے چھٹی صدی عیسوی کے اہم مذاہب پر روشنی ڈالی ہے اور ان کے عقیدۂ توحید سے بحث کی ہے، نیز دنیا کے ملکوں اور ان میں بسنے والی قوموں کا احاطہ کیا ہے، پھر یہ بتایا ہے کہ آپ صلعم کو اللہ تعالیٰ نے جزیرۃ العرب میں ہی کیوں مبعوث فرمایا، وہ لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت کا فیصلہ تھا کہ انسانیت کی ہدایت و نجات کا یہ آفتاب جس سے ساری کائنات میں روشنی پھیلی، جزیرۃ العرب کے

افق سے طلوع ہو جو دنیا کا سب سے تاریک خطہ تھا اور جس کو اس تیز روشنی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی ۔۔۔۔۔ ۱؎

اور اس سلسلے میں مصنف نے اس کی تین وجوہات بیان کی ہیں، اسکے ساتھ ہی عرب کے تاریک ترین دور میں نبیؐ کی بعثت کی ضرورت پر بحث کی ہے، اس کے بعد جزیرۃ العرب کا جغرافیہ مثلاً اسکے حدود، طبعی حالات اور اسکے باشندے تمدنی و ثقافتی مراکز، عرب کے طبقات اور اسکی مثالیں قسمیں، لسانی وحدت اور نبوت اور آسمانی مذاہب سے جزیرۂ عرب کا تعلق وغیرہ پر اظہارِ خیال کیا ہے۔

" بعثت سے پہلے " یہ عنوان قائم کر کے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت بی بی ہاجرہؓ کی مکہ میں آمد اور رہائش پر مختصر بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خشک وادی میں برکت عطا فرمائی، بے آب وگیا صحرا میں پانی کا ایک چشمہ جاری فرمایا اور حضرت ابراہیمؑ کی دعائیں قبول فرمائیں، جسکے نتیجے میں حضرت ابراہیم کے خاندان میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی، صرف تین افراد پر مشتمل یہ قبیلہ جو عرب کی سرزمین مکہ میں وارد ہوا تھا رفتہ رفتہ ایک کارواں کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ یعنی قبیلہ قریش کے افراد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ بعد ازاں مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کی مختصر تاریخ بیان کی ہے، جس میں قصی بن کلاب، بنی ہاشم، عبدالمطلب، عبداللہ کا مختصر حال بیان کیا ہے اور اسی میں اصحاب الفیل کا واقعہ اور اسکے اثرات پر بھی روشنی ڈالی ہے، اسکے بعد بعثتِ نبویؐ کے وقت مکہ کی حالت کیا تھی اس کا احاطہ کیا ہے، اس میں پہلے شہر مکہ کا جغرافیہ پیش کیا ہے اور ان آیات کو نقل کیا ہے، جن میں شہر مکہ کی تعریف کی گئی اور اسکا ذکر کیا گیا ہے، پھر یہاں کی آبادی، یہاں کے باشندے

۱؎ سیّد ابوالحسن ندوی "نبی رحمت" (چوتھا ایڈیشن) ص 59 مجلس تحقیقات و نشریات

اور یہاں تعمیرِ خانۂ کعبہ کا ذکر کیا ہے۔ نیز مکے کی تعمیرِ نو اور خانۂ کعبہ کے انتظامی امور، مکہ کی تجارتی سرگرمیاں اقتصادی حالت، اس دور کے اوزان اور پیمانے، مکے کی صنعتوں، ادب و ثقافت، جنگی طاقت، اخلاقی پہلو اور مذہبی پہلو وغیرہ پر مختصر بحث کی ہے تاکہ قاری کو یہ معلوم ہو جائے کہ عموماً اہلِ عرب اور خصوصاً اہلِ مکہ کی زندگی کیسی تھی

پھر سیرت نگاروں کی طرح مولانا ابوالحسن علی ندوی نے بھی عرب کی زندگی کو پیش کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا ذکر کیا ہے اور اس باب میں آغازِ نبوت تک کے اہم واقعات بیان کئے ہیں، اس ضمن میں حضرت عبداللہؓ اور حضرت آمنہؓ کا مختصر تعارف، آپ صلعم کی ولادت، نسب، ایامِ رضاعت بی بی آمنہ اور عبدالمطلب کی وفات، چچا ابو طالب کی پرورش، بعثت سے پہلے آپ صلعم کے اخلاق و عادات، حضرت خدیجہؓ سے نکاح، کعبہ کی تعمیرِ نو اور ایک فتنہ کا سدِ باب، حلف الفضول اور بعثت سے کچھ قبل آپ صلعم کو ہونے والی بے چینی و بے قراری پر مختصر بحث کی ہے۔

"بعثت" کے بعد عنوان قائم کر کے مصنف نے آپ صلعم کے قیامِ غارِ حرا اور یہاں کی عبادتوں کا ذکر کر کے آپ صلعم کی بعثتِ مبارک کا تذکرہ کیا ہے جو آپ صلعم کے منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے کی مبارک ساعت تھی، اس واقعہ کی تاریخ اور عیسوی پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" یہ ۱۷ رمضان آپؐ کی ولادت کے اکتالیسویں سال کا واقعہ ہے۔ مطابق ۶ اگست 610ء جو حالتِ بیداری اور شعور کی حالت میں پیش آیا تھا[1]

اسکے بعد مصنف نے سارے واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی، "نبی رحمت" (چوتھا ایڈیشن) ص 150 1997 مجلسِ تحقیقات و نشریاتِ اسلام لکھنؤ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر واپس آنا۔ حضرت خدیجہ کو اس واقعے کی اطلاع دینا، حضرت خدیجہؓ کے ہمراہ، آپ صلعم کا ورقہ بن نوفل کی مجلس میں جانا وغیرہ پر اختصار سے لکھا ہے۔ اسکے ساتھ ہی حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ، حضرت ابوبکرؓ اور شرفائے قریش کے قبولِ اسلام کا تذکرہ کیا ہے، پھر کوہِ صفا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا اعلانِ حق کیا تھا، اسکی تفصیل بیان کی ہے اور آپ صلعم کے اس پہلا اعلان کے بعد اہلِ عرب کی جو دشمنی اور ایذا رسانی کا آغاز ہوتا ہے، اسکی وضاحت بھی کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ایسے نازک حالات میں کس طرح حضرت ابوطالب نے آپ صلعم کی سرپرستی کی۔

اسکے علاوہ مصنف نے مسلمانوں پر قریش کے مظالم، دشمنی و ایذا رسانی کی مختلف کوششیں، لوگوں کو آپ صلعم سے بدگمانی کرنے میں قریش کا تردد و پریشانی، حضرت حمزہؓ کا قبولِ اسلام، حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت، حبشہ میں دین کی دعوت، حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام، بنی ہاشم کا مقاطعہ و محاصرہ، عہدنامے کی تنسیخ و مقاطعہ کا خاتمہ، حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات اور طائف کا سفر و اہلِ طائف کا آپ صلعم سے سلوک وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

اسکے بعد واقعۂ معراج بیان کیا ہے اور معراج کے بلند و لطیف مطالب و معانی کی طرف اشارہ کیا ہے، پھر نماز کی فرضیت، قبائلِ عرب کو دعوتِ اسلام انصار کے قبولِ اسلام کا آغاز، بیعتِ عقبۂ اولیٰ، مدینے میں اسلام کا فروغ بیعتِ عقبۂ ثانیہ اور مدینہ ہجرت کرنیکی اجازت وغیرہ ذیلی عنوانات قائم کرکے ان پر روشنی ڈالی ہے۔

ہجرتِ مدینہ کی سیّد ابوالحسن علی ندوی کے یہاں کافی اہمیت ہے، اسلئے

انھوں نے قدرے تفصیل سے اس واقعے پر روشنی ڈالی ہے اور اس واقعہ سے اہم نکات نکالے ہیں۔ مثلاً یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے :

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہجرت سے پہلے سب سے پہلے بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ دعوت اور عقیدہ کی خاطر ہر عزیز و محبوب اور ہر مانوس و مرغوب شئے اور ہر اس چیز کو جس سے محبت کرنے جس کو ترجیح دینے اور جس پر بہر صورت وابستہ رہنے کا جذبہ انسان کی فطرت سلیم میں داخل ہے، بے دریغ قربان کیا جا سکتا ہے "[1]

سید ابوالحسن علی ندوی نے مدنی زندگی پر روشنی ڈالنے سے قبل عہد بعثت کے مدینہ پر نظر ڈالی ہے اور مکی و مدنی معاشروں کے فرق کو واضح کیا ہے۔ تاکہ قاری نے جس طرح مکہ کے حالات سے واقفیت حاصل کی تھی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آنے سے قبل کے حالات سے آگہی حاصل کر لے اور اسکے پس منظر میں سیرت نبویؐ کے ارتقاء کا مطالعہ کرے۔

اس سلسلے میں، مدینہ کی تمدنی، معاشرتی، اقتصادی و سماجی حالات قدیم قبائل کے باہمی تعلقات، یہود کی معاشرتی، اقتصادی و جنگی اہمیت یہاں کا معیار زندگی اور یہاں کے مذاہب وغیرہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔

اسکے بعد مصنف نے مدنی زندگی کا احاطہ کیا ہے، اسمیں انصار کا استقبال نبی کریمؐ، مسجد قبا کی تعمیر، مدینے کا پہلا خطبہ، آپ صلعم کا ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں قیام، مسجد نبویؐ اور حجروں کی تعمیر، مہاجرین و انصار میں بھائی چارگی کا معاہدہ اور اسکی اہمیت حضور صلعم کا یہود سے تحریری معاہدۂ امن اور اذان کا حکم وغیرہ پر مختصر بحث کی ہے، پھر مدینے میں کچھ منافقین پیدا ہو گئے تھے، انکی سازشوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، اسکے ساتھ ہی

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی " نبی رحمت " (چوتھا ایڈیشن) ص 220 مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ 1997

اسلام کے کھلے دشمن یہود کی دشمنی کا احاطہ کیا ہے اور اس ضمن میں متعدد واقعات پیش کیے ہیں جو یہود کی دشمنی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اسکے ساتھ ہی قبلہ کی تبدیلی، مدینے کے مسلمانوں سے قریش کی چھیڑ چھاڑ اور قتال کی اجازت کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ سریہ عبداللہ بن جحش اور غزوۂ ابواء اور روزے کی فرضیت پر روشنی ڈالی ہے۔

بعد ازاں دو سو سے زائد صفحات میں اسلامی جنگوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے، اس میں پہلے جنگِ بدر کا جائزہ لیا گیا ہے، جس میں جنگِ بدر کی اہمیت انصار کی جاں نثاری، جنگ کی تیاری، آغازِ جنگ اور فتح مبین کا ذکر کرکے جنگِ بدر کے اثرات و نتائج پر روشنی ڈالی ہے اور مصنف نے نبی کریم صلعم کو بحیثیت سپہ سالار پیش کیا ہے، اسکے علاوہ مختصر غزوۂ سویق اور بنی قینقاع کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات کو بیان کیا ہے۔

اسکے بعد غزوۂ اُحد کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس میں قارئین کی توجہ اسکی طرف مبذول کروائی ہے کہ اوّل مسلمانوں کا غلبہ قریش پر ہونے کے باوجود جنگ کا پانسہ کیسے پلٹا؟ اسکے اسباب کو بیان کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:

"وہ سب دراصل تیراندازوں کی لغزش اور چوک کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح حکم و ہدایت کی آخری لمحے تک تکمیل نہ کی اور اپنی پوزیشن کو چھوڑ دیا، جہاں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعینات فرمایا تھا ــــ"[1]

اسکے علاوہ جنگ میں پیش آنیوالی محبت و جاں نثاری کی نادر مثالیں، شہید ہونے والوں کا حال، مسلمانوں کا صبر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ

---

1۔ سید ابوالحسن علی ندوی "نبی رحمت" (چوتھا ایڈیشن) ص 504 1997ء

کرامؓ کی جاں نثاری وغیرہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اسکے ساتھ ہی یہود معونہ بنی نضیر کی جلاوطنی، غزوہ ذات الرقاع کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔ نیز چند غزوات کے نام گنوائے گئے ہیں، جن میں قتال کی نوبت نہیں آئی۔

غزوہ خندق کا پورا واقعہ مفصّل بیان کیا ہے۔ اسلام میں اس جنگ کی اہمیت اسلئے ہے کہ اس جنگ میں پہلی مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر آپؐ نے خندق کھودنے کا حکم فرمایا تھا اور مسلمانوں کے ہمراہ آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے تھے۔ مصنف نے انتہائی دلکش انداز میں اس کا نقشہ کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ بھوک اور پیاس کو خاطر میں نہ لاکر صرف اللّٰہ کیلئے جب جنگ لڑی جاتی ہے تو نصرتِ غیبی اللّٰہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ موصوف نے اس باب میں ان معجزات کا بھی جائزہ لیا ہے جو خندق کھودنے کے وقت آپ صلعم سے ظہور پذیر ہوئے، جن کی وجہ سے ساری دشواریاں دور ہو گئیں۔

اسکے بعد غزوہ بنی قریظہ، صلح حدیبیہ، سلاطین وامراء کو دعوتِ اسلام غزوہ خیبر، غزوہ موتہ، فتح مکّہ، غزوہ حنین، غزوہ طائف اور غزوہ تبوک کا جائزہ لیا گیا ہے، اور ہر جنگ سے متعلق مفصّل معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ان میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ صلح نامہ اور غزوہ خیبر اور فتح مکّہ کے اثرات پر خصوصی بحث کی گئی ہے اور جنگوں کی تفصیلات کے آخر میں "غزوات پر ایک نظر" کا عنوان قائم کرکے مصنف نے اسلامی جنگوں کی غرض وغایت اور اسکی اہمیت و افادیت پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے، لکھتے ہیں:

"ان تمام غزوات وسرایہ میں جو رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کے حکم سے بھیجے گئے جتنا خون بہایا گیا، جنگوں کی پوری تاریخ میں ہمیں اس سے کم کوئی مقدار نظر نہیں آتی، ان تمام غزوات کے مقتولین کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ سے زیادہ نہیں جس میں دونوں فریق شامل ہیں۔ لیکن اس قلیل تعداد نے انسانوں کو خون

کی جس ارزانی سے اور بے عزتی و بے آبروئی سے بچایا، اس کا مکمل جائزہ اور سروے مشکل بلکہ ناممکن ہے ــــ "[1]

مصنف کی اس رائے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے خون خرابے کو کبھی ترجیح نہیں دی اور جہاں کہیں خون بہائے بغیر معاملات معمول پر آگئے، مسلمان طاقتور ہونے کے باوجود بھی سمجھوتے پر تیار ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایک ایسا ماحول قائم ہوا جہاں مرد تو مرد، عورتیں بھی بے خوف و خطر سفر کرتی نظر آئیں۔

اس ضمن میں مصنف فرماتے ہیں:

"...... اسکے نتیجے میں جزیرۃ العرب کے اطراف میں اسقدر امن و اطمینان کی فضا قائم ہوگئی کہ ایک مسافر خاتون حیرہ سے چلتی اور کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی اور اللہ کے سوا اسکو کسی کا ڈر نہیں ہوتا ــــ "[2]

مدینے میں وفود کی آمد، اور عرب کی زندگی پر اسکے اثرات کا بھی مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ پھر حجۃ الوداع کے اہم واقعہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسمیں حجۃ الوداع کی دعوتی تبلیغی و تربیتی اہمیت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج مبارک اور حجۃ الوداع کا خطبۂ عرفہ کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔ پھر وفات رسول صلعم کا عنوان قائم کر کے پہلے آپ صلعم کے وصال مبارک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسمیں وصال حق کی تیاری، دنیا کو الوداع کہنے کی علامتیں، علالت کا آغاز اور حضرت ابوبکرؓ کی امامت وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ اسکے ساتھ ہی خطبۃ الوداع، انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت اور قبروں کی پرستش اور ان کو عبادت گاہ و مسجد بنانے کی مذمت و ممانعت پر مختصر بحث کی گئی ہے۔ پھر آپ صلعم کی رحلت کا ذکر سن کر صحابہ کرامؓ میں جو بے قراری و بے چینی پھیلی اور کس طرح حضرت ابوبکرؓ

---

1- سید ابوالحسن علی ندوی "نبی رحمتؐ" (چوتھا ایڈیشن) ص504 1997

2- سید ابوالحسن علی ندوی "نبی رحمتؐ" (چوتھا ایڈیشن) 504-505 1997

نے اس صورتِ حال کا مقابلہ کیا، اسکی تفصیلات مصنف نے نقل کی ہیں۔
"ازواجِ مطہرات و اولادِ اطہار" کے عنوان کے تحت پہلے آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کے ازواجِ مطہرات سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔
اسکے علاوہ آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کی دو باندیاں حضرت ماریہ بنتِ شمعون اور حضرت ریحانہ رضؓ بنت رضؓ زید کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ نیز آپ صلعم کی تمام اولاد کے نام بھی بتائے ہیں۔
اس باب کا اہم حصّہ وہ ہے جہاں مصنف نے تعدادِ ازدواج پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ صلعم کی زندگی کوئی عیش و آرام یا لذّت کام و دہن کی زندگی نہ تھی، بلکہ وہ اس درجہ زہد و تقویٰ اور ایثار و قناعت کی زندگی تھی جس کی استطاعت قدیم و جدید دور کے بڑے سے بڑے حوصلہ مند اور اولوالعزم افراد اور نامور زہاد میں بھی نہیں ہے۔
مصنف نے یہ لکھا ہے کہ کثرتِ ازواج نے آپ صلعم کے تبلیغی کاموں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی، بلکہ اس سے آپ صلعم کے کاموں میں مدد ملی۔
اس کتاب کے آخر میں سید ابوالحسن علی ندوی نے "اخلاق و شمائل" کا احاطہ کیا ہے، اسمیں مصنف نے آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے ہر اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے، جس کا تعلق اخلاقِ عالیہ و اوصافِ کریمہ سے ہے بسید ابوالحسن علی ندوی نے حضرت ہند بن ابی ہالہ رضؓ کے وہ جامع اور بلیغ الفاظ دہرائے ہیں۔ جو انھوں نے آپ صلعم کے اسوۂ حسنہ سے متعلق بیان کئے ہیں۔ نیز حضرت علی رضؓ کا جو آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کے قریب ترین ساتھی تھے، بیان بھی نقل کیا ہے جو آپ صلعم کے اخلاق و عادات پر روشنی ڈالتا ہے۔ آپ صلعم کے خُلقِ عظیم کے متعلق حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں۔
"آپ صلعم طبعاً بدکلامی اور بے حیائی و بے شرمی سے دور تھے اور تکلفاً بھی ایسی کوئی

بات آپؐ سے سرزد نہیں ہوتی تھی، بازاروں میں آپؐ کبھی آواز بلند نہ فرماتے برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے، بلکہ عفو و درگذر کا معاملہ فرماتے، آپؐ نے کسی پر کبھی دست درازی نہ فرمائی، سوائے اسکے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو، کسی خادم یا عورت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا ...... [1]

اس باب کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں روز مرّہ زندگی میں جن معاملات سے انسان کو سروکار ہوتا ہے، ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تاکہ آپؐ کے اخلاقِ حمیدہ کو سامنے رکھ کر ہم اپنی زندگی بسر کر سکیں، اسکے علاوہ آپ صلعم کی عبادت سے رغبت، متاعِ دنیا سے بے رغبتی، خلقِ خدا کیساتھ آپ صلعم کا سلوک، آپ صلعم کی اعتدال پسندی، اپنے اہل و عیال کے ساتھ برتاؤ۔ خطرات و آزمائش میں آپؐ کی پیش قدمی، کرم گستری، تحمّل و بردباری، آپؐ کی تواضع، شجاعت، دلاوری، شرم و حیا، شفقت، محبّت اور رحم وغیرہ سے تعلق رکھنے والے واقعات کو پیش کر کے آپؐ کے مکارمِ اخلاق کا جائزہ لیا گیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ کے عنوان کے تحت بعثتِ محمدیؐ کے احسانات اور نبوتِ محمدیؐ کے عطیات کا ذکر کیا گیا ہے، جنھوں نے تاریخ انسانی میں انقلاب برپا کر دیا اور نوع انسانی کی قسمت بدل دی۔ مولانا موصوف نے اس کتاب کا اختتام اسی مضمون پر کیا ہے۔

بہر کیف 'نبی رحمت'، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ و حیاتِ طیّبہ کے تاباں و درخشاں اور جاوداں نقوش کا احاطہ کرتی ہے، جس میں سیرت کو اپنی حقیقی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ قارئین میں (اس کتاب کے ذریعہ سے) عمل کرنے کا شوق پیدا ہو۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے واقعات کو ذہن نشین کرانے کیلئے

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی "نبی رحمت" (چوتھا ایڈیشن) ص 575 مجلس تحقیقات و نشریات اسلام 1997

(خاص کر غزوات کے باب میں) نقشوں کا سہارا لیا ہے، اُن سے بہت سی ایسی تفتیش
آسانی کیساتھ سمجھ میں آتی ہیں جو بعض اوقات طویل سے طویل عبارتوں سے بھی سمجھ
میں نہیں آسکیتں۔ اس میں مصنف کا یہ کمال ہے کہ یہ نقشے تاریخی معلومات اور اس
عہد کی تاریخ کے مطالعے کی روشنی میں تیار کئے گئے ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ وہ فنی
و علمی حیثیت سے ہر طرح مکمل اور عہد جدید کے مطابق ہوں۔

اسکے علاوہ مصنف نے صرف واقعات و معلومات کی بے جان و خشک فہرست
مرتب کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان واقعات سے اُن دوررس اور حکیمانہ نتائج
اور ان بلیغ و عمیق اشارات کی طرف بھی متوجہ کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی
سیرت و دعوت کے مطالعے میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مولانا کے قلم کی خوبی یہ ہے کہ وہ عام زبان میں بڑی سے بڑی بات کو اس طور پر
بیان کر دیتے ہیں کہ ان کی بات پڑھنے والوں تک بآسانی پہنچ جاتی ہے اور انکے اسلوب کا
ادبی حسن اور خاص کمال انسان کے دل کو چھوتا اور دل کے تاروں کو چھیڑتا ہے۔

بقول مصنف:

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی    قبائے گل میں گل بوٹا نہیں ہے

اس کتاب کا عربی سے اردو ترجمہ عزیزی سید محمد الحسنی نے کیا ہے، ترجمہ
کے مطالعہ سے کہیں بھی ایسا نہیں لگتا یہ عربی کا ترجمہ ہے یہ مترجم کا کمال ہے کہ ترجمے
کو اصل کی حیثیت دی ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ دونوں زبانوں کے اکثر
الفاظ ایک ہیں۔ اور مترجم کو دونوں زبانوں پر قدرت حاصل ہے یہی وجہ ہے
کہ یہ ترجمہ اصل کے قریب آگیا ہے، نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:

"جب ابوذر رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ہوئی تو
انھوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ تم اس وادی میں جاؤ اور ذرا ان صاحب کا پتہ
لگاؤ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، ان کی گفتگو سنو

اور مجھے آکر بتاؤ، وہ روانہ ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ آپ کی بات سنی اور پھر واپس جاکر ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا، میں نے دیکھا کہ وہ بہت پسندیدہ و اعلیٰ ترین اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور ایسا کلام میں نے سنا جو شعر نہیں ہو سکتا۔[1]

---

1. ابوالحسن علی ندوی "نبیٔ رحمتؐ" (چوتھا ایڈیشن) مجلسِ تحقیقات و نشریاتِ اسلام، لکھنؤ 1997

**منصب نبوت اور اُس کے عالی مقام حاملین** یہ کتاب دراصل ان خطبات کا مجموعہ ہے جن کو سیّد ابوالحسن علی ندوی نے مدینہ یونیورسٹی کے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی خصوصی دعوت پر مارچ سنہ 1923ء میں عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے طلبہ کے سامنے پیش کیا تھا۔ ان خطبات کو پیش کرنے کی غرض و غایت یہ تھی کہ دورِ حاضر کے مسلم نوجوانوں کی اخلاقی تعمیر کی جائے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

"میرے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ اس مقدس شہر میں نئی نسل کے صاف ذہنوں میں صالح اقدار کا بیج بٹھایا جائے۔ یہ ذہن کی تعمیر اور سیرت کی تشکیل کی ایک حقیر کوشش تھی۔ جو ایک زیر بارِ احسان اور گنہگار اُمتی اپنے سب سے بڑے محسن اور محبوب کے شہر میں کرنے جا رہا تھا۔" [1]

موصوف نے اِن خطبات کا موضوع "النبوۃ والانبیاء فی ضوء القرآن" یعنی "نبوت و انبیاء، قرآن کی روشنی میں" منتخب کیا۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی نئی نسل کو اشد ضرورت ہے۔ ان خطبات کی ضرورت و اہمیت کی تفصیل خود صاحبِ کتاب "مولانا سید ابوالحسن ندوی" سے سُن لی جیئے۔

"میرا یہ یقین ہے کہ ملت کے اس رہنما اور سربراہ طبقہ کی (جو ملت کی فکری، علمی اور سیاسی قیادت کر رہا ہے) موجودہ بے راہ روی اسلام کی صحیح روح سے بُعد آسمانی مذاہب کے مخالف مادی اقدار کی غلامی، مصنوعی طریقوں اور مغربی طرزِ فکر سے وابستگی اور

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی۔ منصب نبوت اور اُس کے عالی مقام حاملین۔ چوتھا ایڈیشن صفحہ 7 مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام لکھنؤ 1997۔

اس کے اثر سے اسلام کی ایک نئی تعمیر اور دین کی ایک نئی تفہیم کو دُنیا کے سامنے پیش کرنا، منہاج و مزاج نبوت سے ناآشنائی اور اس کی اصل قدر و قیمت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اس طبقہ کو معلوم نہیں کہ زندگی، تہذیب و تمدن اور عقل انسانی پر نبوت کے احسانات کیا ہیں۔ اس نے دُنیا کو کیا عطا کیا اور اس سے نئی نسل نئے تمدن کا رشتہ منقطع ہو جانے سے زندگی اور انسانی معاشرہ کس غلط راستے پر پڑ گیا ہے اور وہ تباہی کے کس عمیق و مہیب غار کی طرف رواں دواں ہے"۔ ؎1

ان خطبات کی تحریر و ترتیب میں قرآن مجید کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس لیے کہ جہاں (تکیہ کلاں) یہ خطبات تحریر کیے گئے تھے۔ وہاں قرآن کے علاوہ دوسری کتب فراہم نہیں ہو سکتی تھیں۔ اگر کسی خاص ماخذ کی ضرورت ہوتی تو مولانا سید الحسن ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے وسیع کتب خانے سے مدد لے لیتے۔ اسطرح چھ (6) خطبات الگ الگ عنوان کے تحت تیار ہوئے۔ یہ خطبات عربی زبان میں دیئے گئے تھے۔ اور اب تک اسی زبان میں اس کے چھ ایڈیشن: لکھنؤ، قاہرہ، جدہ اور دمشق سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ، کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ 1975ء میں شائع ہوا۔ خطبات کا یہ سلسلہ "نبوت محمدیؐ کا کارنامہ" کے عنوان سے آخری خطبہ پر ختم ہو جاتا تھا۔ موضوع کا مزاج اور وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن ندوی نے اور دو خطبات کا اضافہ کر دیا ہے۔ ساتواں اور آٹھواں خطبہ "ختم نبوت" کے عنوان کے تحت لکھا۔ اسطرح خطبات کے اس سلسلے کا اختتام ختم نبوت کی بحث اور اس کی ضرورت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

؎1 سید ابوالحسن علی ندوی۔ منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین چوتھا ایڈیشن صفحہ 8،

کے خاتم النبیینؐ ہونے کے عقلی ثبوت پر کیا۔

ان خطبات کا آزاد اردو ترجمہ مولوی نور عظیم صاحب ندوی اور مولوی شمس تبریز خان رفیق ندوی نے اس انداز میں کیا ہے کہ اس ترجمہ نے ایک مستقل کتاب کی شکل اختیار کرلی ہے۔ بقولِ سید ابوالحسن ندوی اس کو اب ترجمہ کے بجائے تصنیف کہنا زیادہ صحیح ہوگا اس طرح کتاب کا یہ نقشِ ثانی، 'قدرتاً' نقشِ اوّل سے زیادہ مفید اور مکمل بن گیا ہے۔

خطبات کی زبان سلیس و عام فہم ہے، مگر اس میں ادبی رنگ بھی جھلکتا ہے۔ علم کلام و عقائد کے ثقیل اسلوب سے پرہیز کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ خطبات کچھ ایسے وقیع اشارات و حقائق پر مشتمل ہیں جو موجودہ مسلم معاشرہ جو ایک عبوری مرحلے سے گزر رہا ہے، اور اقدار و افکار کی تند و تیز کشمکش سے دوچار ہے، غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں کل آٹھ خطبات ہیں۔ اور یہ بڑی تقطیع کے 286 صفحات پر محیط ہیں۔ ہر خطبہ میں مصنف نے ذیلی سرخیاں بھی قائم کی ہیں۔ جس سے قاری کو خطبات کے موضوعات کے سمجھنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ کتاب کا آغاز خود مصنف کے مقدمہ سے ہوتا ہے۔ جس میں انہوں نے ان خطبات کے لکھے جانے کے اسباب و محرکات پر روشنی ڈالی ہے۔

**پہلا خطبہ:** "نبوت، انسانیت کو اس کی ضرورت اور تمدن پر اس کا احسان" کے عنوان سے صفحہ 13 سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں مصنف نے 21 سرخیاں قائم کی ہیں اور یہ خطبہ 39 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ خطبہ کے آغاز میں گراں قدر تمہیدی گزارشات ہیں۔ جس میں دور حاضر میں اس موضوع کی ضرورت پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے

اس کے بعد نبوت کے تعلق سے ادب و حکمت اور شخصیات کی قرآن کی روشنی میں ایسی تصویر کشی کی گئی ہے جس سے زیادہ خوب صورت اسلوب نہیں ہو سکتا۔ نبوت کے حامل ان شخصیات کو قرآن عقلی، اخلاقی اور عملی صلاحیتوں کا پیکر قرار دیتا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ انبیائے کرام خلاصۂ مخلوقات، انسانیت کے کامل نمونے اور خدا کی پیمبری اور دعوتِ دین کے لحاظ سے سب سے زیادہ باصلاحیت اور باہمت افراد ہیں۔ بعد ازاں "نبوت کی حکیمانہ تمثیل، انبیائے کرام کا امتیاز، انبیاء کی تعلیمات سے بے نیازی کا انجام، انبیاء کے علم اور دوسرے علوم اور صنعتوں کا تقابل، کے عنوانات کے تحت حاملین نبوت کی اُمت کے حق میں بالاتری اور اُن کی سرگرمیوں کی وضاحت کی گئی ہے اور آخر میں علماء و محققین اور انبیاء کرام کا فرق ایک تمثیل میں، مثالی شہر میں انبیاء کا خاص فریضہ اور مقدس ترین فریضہ کے عنوانات کے تحت انبیاء کرام اور علماء کے فرق کو واضح کر کے انبیاء کرام کے فرائضِ منصبی اور ان کے حقیقی پیغامات کو خوبصورت پیرائے میں پیش کیا گیا ہے ایک شعر کے ساتھ پہلے خطبہ کا اختتام ہوتا ہے۔

بہار اب جو دُنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود اُنہیں کی لگائی ہوئی ہے

**دوسرا خطبہ:**۔ دوسرے خطبہ کا آغاز صفحہ 52 سے ہوتا ہے۔ ستاون (57) صفحات پر پھیلے ہوئے اس خطبہ کا عنوان "انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات، مزاج و منہاج" قائم کیا گیا ہے۔ جسمیں اٹھارہ سرخیوں کے تحت نبوت کے خصوصی مزاج اور اس کے حاملین کے بنیادی امتیازات کو مؤثر اور بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء کی جماعت دوسرے مفکرین، مصلحین و علماء کی جماعت سے ہر معاملہ میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے قرآن کے مطالعہ کی ضرورت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس لیے کہ انبیاء کرام دین کی اشاعت و تبلیغ کے لیے، جس عقیدہ کی طرف لوگوں دعوت

دیتے ہیں اور جس پیغام کی تبلیغ کی ذمہ داری اُن کے سپرد کی جاتی ہے وہ اُن کے ذہن کی پیداوار نہیں ہوتی بلکہ اُس کا منبع و مآخذ وحیُ آسمانی اور الٰہی پیغامات ہوتے ہیں ۔ اس جدید دور نے مقامِ نبوت کے فہم و ادراک پر بڑا ظلم کیا ہے یہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ نبوت کے اعلیٰ مقام کے صحیح تصوّر سے آگاہ نہیں ہے ۔اس سلسلے میں مفکرِ اسلام سید ابوالحسن علی ندوی نے انبیاء اور دوسرے رہنماؤں کا بنیادی فرق، انبیاء کی دعوت میں حکمت و تبصیر، دعوتِ انبیاء کا سب سے اہم رکن، توحید اور عقیدۂ آخرت کو نہایت اچھوتے اور نفسیاتی انداز میں قرآن کے حوالوں سے واضح فرمایا ہے اور آخر میں ایمان بالغیب اور ایمان بالظاہر کی تشریح فرمائی ہے۔

**تیسرا خطبہ :-** اس خطبہ کا عنوان ہے "ہدایت کے امام اور انسانیت کے قائد" اس خطبہ میں سترہ (۱۷) ذیلی سرخیاں قائم کی گئی ہیں۔ چوبیس صفحات پر پھیلے اس خطبہ میں پہلے خود ساختہ رہنماؤں کا تذکرہ ہے۔جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر دور میں نوعِ انسانی ان خود ساختہ رہنماؤں کی بد دیانت داری کا شکار ہوتی رہی ہے ۔ ان نام نہاد قائدین کی کوتاہ نظری، نفس پرستی اور قومی عصبیت نے انسانیت کے سر پر ایک طویل بدبختی کا بوجھ ڈال دیا ہے اور دنیا میں آج بھی خاصی تعداد ایسے ہی رہنماؤں کی ہے۔جس کی وجہ سے ایمان کا تحفظ غیر یقینی ہو گیا ہے۔ اسی لیے اس خطبہ میں ایسے قائدین کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے ۔جو ایک طرف امانت دار و خیر خواہِ ملت ہوں تو دوسری طرف نفع اندوزی اور مادّی کامیابی کی خواہشات سے پاک ہوں۔ اسی لیے انبیاء اکرام کی امانتداری اور اخلاص ، عصمتِ انبیاء کی حقیقت خاص تہذیب اور طرزِ حیات کی طرف رہنمائی ، ان سے محبت اور ان کا احترام اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ رضؓ کی ضمانت جیسے اہم موضوعات کو قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔یہ خطبہ انتہائی پُرمغز

اور ہمہ گیر تفصیلات پر مشتمل ہے۔

**چوتھا خطبہ:**- "ارادۂ الٰہی اور اسباب مادی" اس خطبہ کا موضوع ہے۔ اس میں پہلے اُس ماحول کا ذکر کیا گیا ہے۔ جسمیں انبیاء کرام کی بعثت ہوئی تھی۔ پھر انبیاء کرام کی بے سروسامانی کا تذکرہ کرکے ان کے سرمایہ کو مضبوط عقیدہ اور ایمان سے تعبیر کیا ہے جسمیں کامل اخلاص کے علاوہ حرص و آز کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں مصنف نے قرآن کی روشنی میں انبیاء کرام کے وہ حالات پیش کئے ہیں جن سے حق کی قوت اور اس کے بقا کی صلاحیت، باطل کی کمزوری اور اس کی کاملی شکست و فنا کی حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔ انبیاء میں خصوصاً حضرت ایوبؑ، حضرت یونسؑ، حضرت لوطؑ، حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ، حضرت صالحؑ و حضرت شعیبؑ کا ذکر خاص طور سے کیا گیا ہے۔ یہ واقعات صرف تاریخی نوعیت کے نہیں ہیں۔ بلکہ ذکر و موعظت، ترغیب و ترہیب، دعوت و ارشاد اور تقویت و تشجیع کی مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کے واقعہ سے تنگ و محدود مادّی ذہنیت کو چیلنج کیا گیا ہے۔

> "آپ (موسیٰؑ) دشمن کی گود میں پرورش پاتے اور قاتل کی حفاظت میں پروان چڑھتے ہیں۔ آپؑ بھاگتے اور نجات پاتے اور ایک درخت کے سایہ میں محزون و لاچار ہو کر جا بیٹھتے ہیں اور پھر معززانہ مہمانی اور پسند کی شادی سے مستفیض ہوتے ہیں اہل و عیال کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں۔ راستہ میں ناواقفیت اور رات کی تاریکی سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ میں بیوی کو ولادت پیش آتی ہے اور اُن کے لیے آگ کی تلاش ہوتی ہے اور وہ ایسا نور پالیتے ہیں۔ جس کے ذریعہ بنی اسرائیل کی قسمت چمک جاتی اور ایک عالم راہ یاب

ہو جاتا ہے۔ [1]

حضرت یوسفؑ کا واقعہ اپنی ندرت و غرابت، حوادث کے متعین طبعی اسباب اور علت و معلول کے عام قانون کی کارفرمائی کے خلاف ایک تاریخی شہادت پیش کرتا ہے۔ جس سے سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گہری مماثلت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد "انبیاء کی کامیابی امت کی کامیابی" انبیاء کی دعوت پر ایمان یا پھر ہلاکت و تباہی، ایمان و اطاعت مؤمن کا ہتھیار اور کامیابی کی کنجی جیسے موضوعات پر مختصر بحث کی گئی ہے۔

**پانچواں خطبہ:-** "رسالتِ محمدیؐ کی عظمت" اس خطبہ کا سرنامہ ہے ایک سو چونتیس (134) صفحہ سے ایک سو چوہتر (174) صفحہ تک پھیلا ہے جو اکتالیس[41] صفحوں پر مشتمل ہے۔ جس میں تیرہ (13) سرخیوں کے تحت بحث کی گئی ہے۔ اس میں عصرِ جاہلیت کی پوری داستان بیان کی گئی ہے۔ صحیح علم کے فقدان سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اُن کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور ان کو دور کرنے کے لئے "ایک آفتاب تازہ کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں بعثت محمدی کی انقلابی تاثیر، ایک نئی دنیا کا ظہور اور امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم، ایک عظیم معجزہ" اور اس طرح کے دوسرے گراں قدر اور پُر مغز علمی مباحث کے ذریعے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر کی گئی ہے۔

**چھٹا خطبہ:-** "بنوتِ محمدیؐ کا کارنامہ" اس عنوان کے تحت چوبیس صفحات میں بحث کی گئی ہے۔ اس میں پہلے انسان کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اپنے جوشِ عمل قوتِ ارادی اور جد وجہد سے دُنیا کو وہ تمام چیزیں مہیا کر سکتا ہے، جن کو دُنیا کھو چکی ہے۔ اس لئے کہ دُنیا کا مقدر انسان کے مقدر سے

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی، منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین چوتھا ایڈیشن، صفحہ 144 مجلسِ تحقیقات

برابر وابستہ ہے اور یہ دُنیا انسان ہی کے لئے بنائی گئی ہے اور اس کائنات کی رنگینی اسی انسان کے وجود کی بنا پر قائم ہے اور اس کی قدر و منزلت اسی کے سبب سے ہے۔ آگے چل کر انسان کی صلاحیت و قابلیت اور اس کی عظمت و رفعت کا تذکرہ ہے انسانی فطرت کے امکانات، اس کی مخفی صلاحیت، ذہنی اُفق کی وسعت، بلند پروازی گہرائی و گیرائی اور اس کی عالی ظرفی کا اگر دُنیا کے اسرار و عجائبات سے موازنہ کیا جائے تو یہ وسیع کائنات اس کے سامنے ایسے معلوم ہوگی جیسے سمندر کے آگے قطرہ اور صحرا کے مقابلے ذرّہ۔ انسان کے مضبوط اور غیر متزلزل ایمان کے سامنے پہاڑ بھی ہیچ ہے اور اس کی محبت کے بھڑکتے شعلوں کے سامنے آگ بھی سرد ہے پھر انسان کے اخلاقی حُسن اور اس کے جذبات کی لطافت کو آشکارہ کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انسان ہر پیمانے سے بلند ہے اور خلاقِ عالم کا یہ عظیم ترین مظہر ہے۔ جو اس نے انسان کو بہترین صورت، مکمل سیرت اور عمدہ ترین ساخت عطا فرمائی۔ ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

اس خطبہ میں نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم کارنامے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا میں تشریف لائے تھے۔ یعنی جب انسانی طبائع میں کجی اور اُس کی تہذیب میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی تعمیر کے لئے انبیاء اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں پھر وہ ایسا منظر پیش کرتے ہیں جس کو تاریخ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ جس کے نتیجہ میں انسانیت ایک مضبوط ملت و جماعت بن کر اُبھرتی ہے۔ یہی نبوت کا بڑا کارنامہ اور عظیم معجزہ ہے۔ انبیاء میں سے حضور

---

(پچھلے صفحے سے) ونشریاتِ اسلام، لکھنؤ ۱۹۹۷ء

صلی اللہ علیہ وسلم نے مردم سازی اور آدم گیری کا کام اس سطح سے شروع کیا تھا۔ جہاں سے کسی اور نبی کو نہیں کرنا پڑا تھا اور اس سطح پر پہنچا جہاں تک کسی نبی کا عمل نہیں پہنچا تھا۔ اس کے تحت مصنف نے بڑے دلکش اور نادر انداز میں اُس کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے جس کا ایک ایک جملہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس خطبہ کا آخری حصّہ انتہائی سبق آموز اور بڑا ہی فکرانگیز ہے۔ جس میں "انسانیت کا مثالی نمونہ" کے عنوان کے تحت خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضؓ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت کا اثر پھر اُس کے بعد کے زمانے میں رسالتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اثرات مرتب کیے اُس کی تفصیل ملتی ہے۔ آخر میں عالمگیر اور ابدی درس گاہِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض تلامذہ اور ان کے اخلاق و زندگی کے چند نمونے پیش کر کے اس باب کا اختتام کیا ہے۔

**ساتواں اور آٹھواں خطبہ:** طے شدہ پروگرام کے تحت خطبات کا یہ سلسلہ چھٹے خطبہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن بقولِ مصنف موضوع کا مزاج اور وقت کی ضرورت نے مجبور کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے عقلی دلائل کو پیش کر کے اس سلسلہ کا اختتام کریں۔ اس لیے آخری دو خطبات "ختم نبوت" کے عنوان سے تحریر کیے۔ اس ضمن میں مولانا سیّد ابوالحسن ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

> "اس موضوع پر اس وقت قلم اُٹھایا گیا جب قادیانیت کے مسئلے نے (جس کی روح "ختم نبوت" کا انکار ہے) ایک بار سنہ 1974ء کے وسط میں ساری دُنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ پھر ستمبر سنہ 1974ء میں حکومتِ پاکستان کے عقیدہ "ختم نبوت" کے انکار کی بُنیاد ہی پر قادیانی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے اعلان نے ایک بار پھر اس سوال اور جستجو کو زندہ اور تازہ

کردیا کہ عقیدۂ "ختم نبوت" کی اسلام کے عقائد و شریعت میں
اتنی اہمیت کیوں ہے ..... اس سوال کا مدلل طریقہ پر جواب
دینے کو اس طرح قوائے فکریہ، اور قلب و دماغ پر طاری
و مستولی کردیا کہ مصنف ایک طویل عرصہ تک کوئی دوسرا
علمی و تحقیقی کام نہیں کر سکا اور اس کے مطالعہ اور غور
و فکر کے نتیجہ میں وہ مضمون تیار ہوا جو اس سلسلے کی آخری
کڑی اور اس کتاب کا اختتامی مضمون ہے اور جس پر
صحیح معنوں میں کتاب کی تکمیل ہوتی ہے۔" [1]

اس پس منظر سے موضوع کی نزاکت و اہمیت اور اس کی تیاری میں مصنف کی دلسوزی اور بیدار مغزی کا بخوبی پتا چلتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کی غیرت اسلامی کا بیّن ثبوت بھی ملتا ہے۔ یہ دونوں خطبات ایک ہی عنوان کے تحت لکھے گئے ہیں۔ ان میں ختم نبوت پر عقلی و نقلی دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے دین کو مکمل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پیغام اور دین کی امانت کو بندوں تک پہنچانے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کا پورا حق ادا کر دیا۔ اور ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے نبوت کا منصب پائے بغیر کارِ نبوت کی ذمہ داری سنبھال لی ہے اس لیے اب کسی دوسرے پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ تاقیامت آپ کی سیرت و حیات مقدسہ ہی بنی نوعِ انسان کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ ان خطبات میں طالع آزما اور نفس پرست نبوت کے دعویداروں کا پردہ چاک کیا گیا۔ جو اسلام

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی منصبِ نبوت اور اس کے حاملین، چوتھا ایڈیشن صفحہ ۱۵۰۱۱

کے اس عقیدہ کو مجروح کرنا چاہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا۔ کیونکہ اللہ نے نبوت پر مہر لگادی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آخری خطبات 'ختم نبوت' کے موضوع پر ایک جامع دستاویز اور تاریخ ساز کارنامہ ہے۔

یہ دونوں خطبات اٹھاسی (88) صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ جس میں ستائیس ذیلی سرخیوں کے تحت بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں خطبات اگرچہ سامعین کے روبرو پڑھے نہیں گئے ہیں تاہم خطبات کو کتاب سے ہم رنگ بنانے کے لیے خطبہ ہی کی زبان اور اس کا عنوان و لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ مصنّف نے خطبات کی زبان ادبی و عام فہم رکھی ہے اور علم کلام و عقائد کے ثقیل اسلوب سے پرہیز کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ کتاب کچھ ایسے اشارات و حقائق پر مشتمل ہے۔ جو گہرے غور و فکر کو دعوت اور موجودہ مسلم معاشرہ جو ایک عبوری مرحلے سے گزر رہا ہے اور اقدار و افکار کی تند و تیز کشمکش سے دوچار ہے۔ غور و فکر کا پیغام دیتے ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ کتاب بنی نوع انسان اور تمدنِ انسانی پر نبوت کے احسانات انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن و مزاج اور طریقۂ فکر، نبوت کے تیار کردہ انسانی نمونوں، نیز نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لافانی کارناموں اور ختم نبوت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے دور رس، عمیق اور انقلاب انگیز اثرات پر روشنی ڈالی ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کتاب بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے دنیا کی تین بڑی زبانوں یعنی عربی، اردو اور انگریزی میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو کر مقبولِ خاص و عام ہوئے ہیں۔

---

(پچھلے صفحہ سے) ... مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ سنہ 1997ء

# سیرتِ رسولِ اکرمؐ

مولانا سیّد ابوالحسن ندوی کی یہ سیرت نبوی پر لکھی گئی آخری تصنیف ہے، جو "نبی رحمتؐ" کی طرح ضخیم عالمانہ تصنیف تو نہیں ہے، بلکہ مولانا موصوف کی دوسری سیرت کی کتابوں سے سیرتِ مبارکہ کے واقعات، اخلاق وصفات کے حصّوں کو نکال کر ایک مستقل کتاب کی شکل میں مرتّب کی گئی ہے۔ تاکہ عام قاری و مدارس میں پڑھنے اور پڑھانے والوں کیلئے مفید ثابت ہو۔ اور مدارس میں اس کتاب کو نصابی کتاب کی حیثیت سے پڑھایا جاسکے۔

دراصل مولانا سید ابوالحسن ندوی قبلہ نے تقریباً 27 سال قبل زیرِ نظر کتاب کے مضامین تبلیغی مراکز کے ہفتہ واری اجتماع میں پڑھنے کیلئے لکھے تھے۔ گویا یہ مسودہ مولانا موصوف کا اپنا سیرت کے حوالے سے تبلیغی نصاب تھا، جو تقریباً 25 سال تک پڑھایا جاتا رہا اور 1998 میں عزیزی سیّد بلال عبدالحی حسنی ندوی نے اس مسودے کو مولانا سید ابوالحسن ندوی کی اجازت سے کتابی شکل میں شائع کیا۔

"سیرتِ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم" 363 صفحات پر مشتمل ہے۔ بڑی تقطیع کے یہ صفحات ایک سو گیارہ عنوانات میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ عنوانات کی ترتیب کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ یہ ترتیب مولانا سیّد ابوالحسن ندوی کی جامع تصنیف "السیرۃ النبویۃ" (نبی رحمتؐ) کی طرح ہی ہے۔ اور اکثر واقعات کا انتخاب علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف "سیرۃ النبیؐ" اور

مولانا قاضی سلیمان منصور پوری کی تصنیف " رحمۃ للعالمین" کو سامنے رکھ
کر کیا ہے۔ تاکہ دعوت کا کام کرنے والوں کیلئے یہ رہنما ہوں۔

کتاب ھذا پہلی مرتبہ ۱۴۱۸ھ/ 1998 میں سید احمد شہید اکیڈمی دار عرفات رائے بریلوی (یوپی) سے شائع ہوئی، سرورق انتہائی دیدہ زیب ہے ورق کی پیشانی پر بیضوی شکل کے نصف دائرہ میں آیت کریمہ " لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" رقم ہے۔ اسکے نیچے کتاب کے عنوان " سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" کی جلی حرفوں میں خوبصورت کتابت کی گئی ہے۔ عرض حال مرتب مولانا سید بلال حسنی ندوی نے تحریر کیا ہے اور اس کتاب پر مقدمہ لکھا ہے، اس کتاب سے متعلق تحریر فرماتے ہیں

" کتاب کی ضخامت نہ زیادہ ہے نہ کم، وہ نہ محض فضائل و معجزات کی حامل ہے اور نہ ہی تاریخی واقعات کا دفتر ہے، وہ ایمانی تربیت اخلاقی درستگی، خدا طلبی، انسانی ہمدردی، خدا کی بندگی اور مخلوق خدا کی خدمت کے واقعات پر مشتمل ہے ــــــ" [1]

اصل کتاب کا آغاز ص 20 سے " ولادت باسعادت " سے ہوتا ہے، اس میں آپ صلعم کی تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول بتائی ہے۔ اور فٹ نوٹ میں اسکی صراحت بھی کی ہے کہ ابن اسحاق نے تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول نقل کی ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی میں حضرت عبدالمطلب سے جو کام سرزد ہوئے اسکی مختصر تفصیل بھی دی ہے اس کے بعد ایام رضاعت کا ذکر کیا ہے، اس میں ثوبیہ اور دائی حلیمہ کے دودھ پلانے اور حلیمہ سعدیہ کی پرورش کا احوال بیان کیا ہے۔

بعد ازاں والدہ اور دادا کی وفات اور چچا ابو طالب کی کفالت کا تذکرہ کیا

---

۱۔ سید ابوالحسن ندوی " رسول اکرم" ص ۲ ۔ سید احمد شہید اکیڈمی دار عرفات رائے بریلی 1998

گیا ہے۔ پھر حرب الفجار اور حلف الفضول (ایک جنگ جس میں رسول اکرمؐ نے شرکت فرمائی تھی، لیکن کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا) کا واقعہ بیان کیا ہے، اسکے ساتھ ہی آپ صلعم نے اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ بچپن میں جو تجارتی سفر کئے تھے اسکی مختصر تفصیل بیان کی ہے۔

"حضرتِ خدیجہؓ سے رشتۂ ازدواج" کے عنوان کے تحت مصنف نے آپؐ اور حضرت خدیجہؓ کے نکاح کا ذکر کرکے کعبہ کی تعمیرِ نو اور حجر اسود کے نصب کرنیکے واقعے کو بیان کیا ہے۔ اسکے بعد بعثت سے پہلے کے فضائل کا ذکر کیا ہے، مثلاً بتوں کے چڑھاوے کا کھانا اور بتوں کے نام پر ذبح کئے گئے جانوروں کا گوشت کھانے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا، بتوں کے آگے سر نہ جھکانا، رسوم جاہلیت میں شرکت نہ کرنا وغیرہ۔

بعد ازاں بعثتِ مبارک پر روشنی ڈالی ہے۔ اسمیں نزولِ وحی، اسلام کی ابتدائی تبلیغ و دعوت، توحید کی بازگشت اور مشرکین کی ایذا رسانی پر تفصیلی گفتگو کی ہے، ان تمام مظالم کا احاطہ کیا ہے جو آپ صلعم پر کفار قریش نے ڈھائے تھے۔ نیز اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کیلئے قریشِ مکہ نے جو منصوبے بنائے تھے، مثلاً آپ صلعم کو لالچ دینا، ڈرانا دھمکانا وغیرہ، اسکی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ جب آپ صلعم نے قریش کی دھمکیوں کو نظر انداز کر دیا تو قریش کے ظلم میں اضافہ ہونے لگا اب قریش صرف آپؐ کو ہی نہیں بلکہ آپ کے چاہنے والوں کو بھی اپنے عتاب کا نشانہ بنانے لگے، انمیں حضرت بلالؓ، حضرت سمیہؓ، صہیب رومیؓ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیس وغیرہ کے نام شامل ہیں، ان واقعات کو بھی مصنف نے تفصیل سے لکھا ہے۔ نیز حضرت ابوبکرؓ کیساتھ کفار کے معاملے پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اسکے ساتھ ہی ہجرتِ حبشہ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام، حضرت عثمانؓ بن مظعون کی حبشہ سے واپسی

اور مشرکین مکہ کی ایذا رسانی، قریش کی جانب سے بنی ہاشم کا محاصرہ و مقاطعہ اور مقاطعہ کا خاتمہ وغیرہ کا جائزہ لیا ہے۔

اسکے بعد ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کا ذکر کرکے، سفر طائف اور یہاں دی جانے والی سخت اذیتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر قبائل عرب کو دعوت اسلام دینا، بیعت عقبہ اور مدینہ میں اشاعت اسلام کو موضوع تحریر بنایا گیا ہے نیز بیعت عقبہ ثانی، ہجرت کرنے کی اجازت اور آپ صلعم کی ہجرت مدینہ کے واقعات بیان کئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعات سے پہلے مولانا نے قریش کی سازش کا ذکر کیا ہے، جس کا منصوبہ دارالندوہ میں بنایا گیا تھا اس اجلاس میں مختلف آرا پیش ہوئی تھیں۔ لیکن سبھوں نے ابوجہل کی رائے سے اتفاق کیا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک شخص منتخب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کردے اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کرسکیں گے، مصنف نے اس واقعے کی ساری تفصیل لکھی ہے۔ مگر ابوجہل کے علاوہ کسی بھی سردار قریش کا نام نہیں بتایا ہے جو اس اجلاس میں شریک تھے اور اس شخص کی طرف بھی اشارہ نہیں کیا ہے جو اجلاس کے دوران اپنے آپ کو شیخ نجد بتاکر شریک اجلاس ہوا تھا جس نے ابوجہل کی رائے کو تقویت پہنچائی تھی، دراصل وہ شیطان تھا جو اسوقت انسان کی شکل میں وارد ہوا تھا۔

اسکے بعد مولانا موصوف نے ہجرت سے دو تین دن پہلے کے واقعات مثلاً آپ صلعم کا حضرت ابوبکرؓ سے انکے گھر پر مل کر مشورہ کرنا اور حضرت ابوبکرؓ کو ہجرت سے متعلق آگاہ کرنا۔ کعبے پر حضور صلعم کا وداعی نگاہ ڈالنا اور حضرت علیؓ کو لوگوں کی امانتیں سونپ کر کافروں کی صفوں سے صاف نکل جانا وغیرہ۔ پھر غار ثور میں قیام، سراقہ کا تعاقب کرنا، خیمۂ ام معبد میں قیام کرنا وغیرہ

واقعات کو مختصراً بیان کیا ہے، اسکے ساتھ اور سیرت نگاروں کی طرح مولانا ابوالحسن ندوی نے بھی آپ صلعم کی حلیہ تصویر جو ام معبد نے کھینچی تھی پیش کی ہے۔ بعد ازاں نبی اکرم صلعم کے مدینہ میں استقبال کا ذکر کیا۔

یہ منظر ملاحظہ کیجیے۔

ــــ تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا، معصوم بچے فخر اور جوش میں کہتے پھرتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں۔ لوگ ہر روز تڑکے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے۔ ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ "اہل عرب لو! تم جس کا انتظار کر رہے تھے وہ آگیا" تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا انصار ہتھیار سے سج دھج کر بیتابانہ گھروں سے نکل آئے ۔[1]

اس باب میں مسجد قبا کی تعمیر، مدینے کا پہلا جمعہ، حضرت ابو ایوب رض انصاری کے گھر میں آپ صلعم کا قیام، مسجد نبوی اور ام المومنین کے حجروں کی تعمیر، اذان کی ابتداء اور مہاجرین و انصار سے بھائی چارگی کے معاہدے پر روشنی ڈالی ہے۔

سیرت کی کتابوں میں اکثر غزوات و سرایے کا ذکر ہوتا ہے، اس کتاب میں بھی مولانا ابوالحسن ندوی نے بارہ غزوات و سریہ کا جائزہ لیا ہے اور تمام غزوات کو مفصل لکھا ہے، اس میں پہلے غزوۂ بدر کے حالات لکھے ہیں، جس میں میدان بدر کی طرف دونوں لشکروں کا کوچ کرنا، جنگ کی تیاری، جنگ کا آغاز، نامور سرداران کفار، عتبہ، شیبہ اور ابوجہل کا قتل اور فتح مبین کا احاطہ کیا ہے۔ نیز اسیران جنگ کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک، فدیہ لیکر قیدیوں کو رہا کرنا، حضرت ابوالعاص اور عمیر بن وہب کا ایمان لانا، حضرت فاطمہ رض کا عقد اور کفار کا جذبہ انتقام بدر

---

۱۔ سید ابوالحسن ندوی رسول اکرم صلعم ص 106-107 سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی 1998

وغیرہ پر بحث کی ہے۔

بعد ازاں غزوۂ احد کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اس میں لڑائی کے آغاز کے بعد مسلمانوں کے خلاف جنگ کا پانسہ کیسے پلٹا، اس پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس جنگ میں آپ صلعم کے شہید ہونے کی خبر سن کر مسلمانوں میں جو بے چینی و بیقراری پیدا ہوگئی تھی، اسکی منظر کشی کی گئی ہے، پھر چند شہدا کا حال اور خواتین کی خدمت گذاروں اور جان نثاروں کا تذکرہ بھی کیا ہے، اسکے بعد سریہ حمراء الاسد اور عضل و قارہ و بئر معونہ کے واقعات اور خبیبؓ کی جواں مردی کے واقعات زیر بحث آئے ہیں۔ اس میں خصوصاً حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کی بے باکی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہاں حضرت خبیبؓ کے آخری کلمات کو پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اندازہ ہو کہ اسلام کی خاطر کس طرح صحابہؓ نے قربانیاں دیں۔

"ایک سنگ دل نے حضرت خبیبؓ کے جگر کو چھیدا اور پوچھا، "کہو! اب تم بھی پسند کرتے ہو گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھنس جائیں اور میں چھوٹ جاؤں۔ خبیبؓ نے نہایت جوش سے جواب دیا" خدا جانتا ہے میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جائے اور نبی کریمؐ کے پاؤں میں کانٹا بھی لگے ____" [۱]

ان جان لیوا واقعات کو پیش کرکے مصنف کہتے ہیں ____

"اللہ اکبر! ان کا دل اسلام پر کتنا قائم تھا۔ ان کو دین حق پر کیسی استقامت تھی، ان کو ہمیشہ کی نجات اور خدا کی خوشنودی کا کتنا یقین تھا کہ ان تمام تکلیفوں اور زخموں کو برداشت کرتے ہوئے اُف تک نہ کی ____" [۲]

مولانا کا یہ طرز نگارش انتہائی متاثر کرتا ہے کہ آپ صرف واقعات کی عکاسی ہی نہیں کرتے، بلکہ کبھی کبھی موقع کے لحاظ سے اس سے نتائج اخذ کرکے قاری کے اندر

---

۱۔ سید ابوالحسن ندوی "رسول اکرمؐ" ص 172 سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی

۲۔ سید ابوالحسن ندوی "رسول اکرمؐ" ص 172 سید احمد شہید اکیڈمی "

1998

بھی جذبۂ قربانی پیدا کر دیتے ہیں۔ اسکے بعد مولانا موصوف نے غزوۂ خندق، غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ بنو قریظ اور سریۂ نجد اور حضرت ثمامہؓ کا قبول اسلام پر روشنی ڈالی ہے، اس میں غزوۂ خندق کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اسمیں خصوصیت سے حضرت صفیہؓ (حضور صلعم کی پھوپی) کا دلیرانہ اقدام اور نصرتِ غیبی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

غزوۂ خندق کے بعد مسلمانوں نے جو جنگ لڑی وہ 'ذات الرقاع' ہے، اسکے بعد غزوۂ بنو قریظ اور سریۂ نجد پیش آیا تھا۔ مولانا نے مختصر طور پر ان تینوں جنگوں کا احوال بیان کیا ہے۔

بعد ازاں صلح حدیبیہ کو موضوعِ تحریر بنایا گیا ہے اور اس صلح نامے کے ذریعہ اہلِ اسلام اور کفار میں جو معاہدہ ہوا تھا، اسکی تفصیلات بھی پیش کی ہیں۔ نیز ان آیاتِ کریمہ کو بھی نقل کیا ہے، جن میں اس واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسکے بعد تحریرِ معاہدہ کے وقت پیش آئے واقعات کا احاطہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اسکو 'فتح' کہا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے "سلاطین و امراء کو دعوتِ اسلام" عنوان قائم کرکے اُن مکتوباتِ نبیؐ کا احاطہ کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیروں کے ہاتھوں بادشاہانِ عالم کو روانہ فرمائے تھے، اس موضوع کی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا سید ابوالحسن ندوی نے خطوط کے اقتباس بھی پیش کئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہر کا نمونہ بھی پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ

"اب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مہر نہیں بنائی تھی، جب شاہانِ عالم کے خطوط لکھے گئے تو ان پر مہر کرنے کیلئے خاتم تیار کی گئی۔ یہ چاندی کی تھی تین سطور میں یہ عبارت کندہ تھی ـــــــ"[1]




ـــــــــــــــــــــــ

[1] بحوالہ سید ابوالحسن ندوی رسول الرحمۃ ص 215 1998

ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خط عیسائی بادشاہوں کے نام لکھے جاتے تھے ان میں خصوصیت سے یہ آیت لکھی جاتی تھی۔

ترجمہ: اے اہل کتاب آؤ! ایسی بات پر اتفاق کریں جو ہمارے دین میں مساوی ہے، یعنی خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور خدا کے سوا خدائی کا درجہ ہم اپنے جیسے انسانوں کیلئے تجویز نہ کریں ۔۔۔۔ ۲ (آل عمران رکوع ۷)

اس سلسلے میں مولانا موصوف نے آپ صلعم کے نامہ مبارک کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے جو آپ صلعم نے نجاشی شاہ حبشہ کے نام تحریر فرمایا تھا، جواب میں نجاشی نے مسلمان ہو کر جو عریضہ تحریر کیا تھا، اس کا ترجمہ (اردو) نقل کیا ہے۔

اسکے علاوہ آپ صلعم نے جن بادشاہوں کو تحریری پیغام بھیجے اور جن کے یہاں سفیر روانہ فرمائے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ جس میں شاہ بحرین، شاہ عمان، حاکم دمشق و یمامہ، شاہ اسکندریہ، شاہ قسطنطنیہ اور شاہ ایران کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ اور بعض خطوط کے نقول بھی پیش کئے ہیں، اور شاہ ایران کی اس حرکت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اس نے نامہ مبارک چاک کر ڈالا تھا اور نبی کریم ؐ نے ارشاد فرمایا تھا ۔۔۔۔ " اس نے اپنی قوم کے فرمان سلطنت کو چاک کر دیا ہے"

اور اسپر مولانا موصوف کا تبصرہ جو قارئین کیلئے لکھا ہے، قابل تحسین ہے۔

فرماتے ہیں:

"ناظرین! اس مختصر اور پُر ہیبت جملہ کو دیکھیں (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا تھا اور سوا تیرہ سو برس کی تاریخ عالم میں تلاش کریں کہ کسی جگہ اس قوم کی (شاہ ایران) سلطنت کا نشان ملتا ہے۔ جو اس واقعہ سے پیشتر چار پانچ ہزار برس سے نصف دنیا پر شہنشاہی کرتی تھی اور جسکی

---

۱۔ سید ابوالحسن ندوی " رسول اکرم ؐ" ص 215 سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی 1998

فتوحات بارہا یونان و روما کو نیچا دکھا چکی تھی، ہرگز نہیں ۔۔۔ ۱

اسکے بعد غزوۂ خیبر، غزوۂ موتہ اور فتح مکہ کے واقعات کا جائزہ لیا گیا ہے غزوۂ خیبر اور فتح مکہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے، اسلئے کہ تاریخ اسلام میں غزوۂ بدر اور احد کی طرح ان غزوات کی اہمیت بھی مسلّم ہے، اسلئے کہ غزوۂ خیبر کے وقت شیر خدا حضرت علیؓ کی آنکھوں میں شدید درد تھا۔ باوجود کوششوں کے مسلمان قلعہ فتح کرنے سے قاصر تھے، اسوقت حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل فوج کا نشان اس شخص کو دیا جائے گا جس سے خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم محبت کرتے ہیں اور خدائے تعالیٰ فتح عنایت فرمائے گا۔

یہ ایسی تعریف تھی کہ جسے سن کر فوج کے بڑے بڑے بہادر اگلے دن کی کمان ملنے کے آرزومند ہو گئے۔ صبح ہوئی تو نبی کریم صلعم نے حضرت علیؓ کو یاد فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ انھیں آشوب چشم ہے اور آنکھوں میں درد بھی ہو رہا ہے۔ حضرت علیؓ آگئے تو نبی کریمؐ نے لب مبارک جناب مرتضیٰ کی آنکھوں کو لگایا اسی وقت آنکھیں کھل گئیں، نہ آشوب کی سرخی باقی تھی اور نہ درد کی تکلیف، پھر فرمایا علیؓ جاؤ! راہِ خدا میں جہاد کرو، پہلے اسلام کی دعوت دو، بعد میں جنگ، پھر فرمایا، علیؓ اگر تمھارے ہاتھ پر ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے تو یہ کام بھاری غنیمتوں کے حاصل ہو جانے سے بہتر ہوگا۔ اسکے بعد خیبر فتح ہو گیا تھا۔ مولانا نے اس واقعہ کی ساری تفصیل دس صفحات میں لکھ دی ہے۔

اسی طرح فتح مکہ کے حالات بیان کئے ہیں، اس میں جن اہم باتوں کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے، وہ جنگ کے بعد معافی کی صدائے عام ہے جو اسلام کا شیوۂ خاص ہے۔ اسکے بعد حرم سے بتوں کی صفائی، آپ صلعم کا خطبۂ مبارک اور کفار کا اسلام قبول کرنا وغیرہ کا جائزہ لیا ہے اور ایسے سبق آموز واقعات پیش کئے

---

۱ سید ابوالحسن ندوی "رسول اکرمؐ" ص 233 سید احمد شہید اکیڈیمی رائے بریلی 1998

ہیں کہ پڑھنے والوں کے دل میں اسلام اور بانی اسلام سے محبت و عشق پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ عمل کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ مولانا نے فتح مکہ کے باب میں اخیر میں یہ واقعہ پیش کیا ہے۔

"فتح سے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف کر رہے تھے، فضالہ بن عمیر نے موقع دیکھ کر ارادہ کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالے۔ جب وہ اس ارادے سے قریب پہنچا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے۔ فضالہ نے کہا "کچھ نہیں، میں تو اللہ اللہ کر رہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنکر ہنس پڑے اور فرمایا۔ "اچھا تم اپنے خدا سے اپنے لیے معافی کی درخواست کرو۔ یہ فرماکر اپنا ہاتھ سینے پر رکھ دیا فضالہ کا بیان ہے کہ ہاتھ رکھ دینے سے مجھے بہت اطمینان قلب حاصل ہوا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اسقدر میرے دل میں پیدا ہو گئی کہ حضور سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ رہا۔ میں یہاں سے گھر کو چلا، راستے میں میری معشوقہ ملی۔ جسکے پاس میں بیٹھا کرتا تھا، اس نے کہا فضالہ ایک بات سنتے جاؤ، میں نے جواب دیا، نہیں نہیں! خدا اور اسلام ایسی باتوں سے مجھے منع کرتے ہیں ـــــــ" [1]

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ غزوۂ حنین کے بیان میں مصنف نے خصوصیت سے مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی انتشار اور پراگندگی پیدا ہو گئی تھی۔ اسکی نشاندہی کی ہے۔ پھر حضور صلعم کی حکمت عملی سے جنگ کا جو نقشہ پلٹا تھا اس کا جائزہ لیا ہے، پھر غزوۂ تبوک کے احوال بیان کرکے جنگ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا۔ اسکو من و عن پیش کیا ہے۔ عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی پیش کیا ہے تاکہ قاری ان تعلیمات

---

1۔ سید ابوالحسن ندوی "رسول اکرم" ص 261-260 سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی 1998

سے واقف ہو جائے جو اس خطبے میں پیش ہوئے ہیں۔

بعد ازاں آپ وفود کا جائزہ لیا ہے، جو آپ صلعم نے اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں عرب کے قبائل اور اطراف واکناف کے بادشاہوں کی طرف بھیجے تھے، مصنف نے اس ضمن میں 19 وفود کا ذکر کیا ھے، اس میں قبیلہ کا نام، جائے سکونت، ان کی شجاعت وطاقت وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے، مسلمان ہونے والے افراد کی تعداد بھی بتائی ھے۔

اسکے بعد "حجۃ الوداع" پر روشنی ڈالی گئی ہے، آپ صلعم کے وصال سے پہلے کا یہ آخری واقعہ ہے، اس میں پہلے مصنف نے سورۂ نصر کو پیش کیا ہے اور یہ بتایا کہ فتح کے بعد یہ آیات نازل ہوئی تھیں، صحابہ کرام کو اندازہ ہو گیا کہ آپ صلعم رحلت فرمانے والے ہیں۔ مصنف نے اس تعلق سے لکھا ھے کہ آپ صلعم کی رحلت کا وقت قریب آگیا تھا، اسلئے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔ اسی لئے نبی کریمؐ نے فریضہ حج ادا کیا۔ مولانا نے پہلے اس واقعہ کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ اور ان تمام ارکان کا ذکر کیا ھے جو آپ صلعم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ ادا کئے۔ پھر خطبہ حجۃ الوداع کا خلاصہ پیش کیا ھے اور یہاں بھی عربی متن کیساتھ اردو ترجمہ پیش کیا ھے۔ خطبہ کے ٹکڑوں کے درمیان مصنف نے اپنی صراحت بھی پیش کی ہے۔

اور آخر میں وفات کا عنوان قائم کر کے اسمیں آپ صلعم کے آخری لمحات کے احوال کو یکجا کیا ھے۔ جیسے وفات کے سال رمضان میں دو دفعہ پورا قرآن ناموس اکبر کی زبانی سنا، شہدائے احد کی زیارت کی، جنت البقیع کی زیارت کی وغیرہ۔ اس کے بعد اسی باب میں آپ صلعم کی علالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبے کا خلاصہ بھی پیش کیا ھے ـــ اسکے علاوہ آپ صلعم کے آخری لمحات کی مکمل منظر کشی کی ھے۔ پھر تجہیز وتکفین کا تفصیلی جائزہ لیا ھے، جس میں غسل

کفن اور جائے دفن کا حال مذکور ہے - اور آخر میں نمازِ جنازہ کے بیان سے
مولانا سیّد ابوالحسن نے یہ سیرت کے واقعات یہیں ختم کیے ہیں.

مولانا سید ابوالحسن کی یہ سیرت جس مقصد کیلئے لکھی گئی تھی - اسکے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ نے مولانا موصوف کو اسمیں کامیابی عطا کی ہے . اسلئے کہ مولانا نے جس انداز میں سیرت کے واقعات کو قابل فہم بنا کر پیش کیا ہے جو واقعات لکھے ہیں - ان کے مآخذ کو بھی پیش کیا ہے تاکہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے . زبان اتنی فصیح و بلیغ اور دلکش ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اِس میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ کم سے کم صفحات میں اسلام اور بانیٔ اسلام سے متعلق معلومات فراہم کی جائیں - اور ایسے واقعات کا انتخاب کیا ہے جو عمل کی دعوت دیتے ہیں . لیکن اس سیرت میں آپ صلعم کے معجزات کا ذکر نہ پا کر قاری کو حیرت ہوتی ہے، اسلئے کہ معجزات بھی آپ صلعم کی حیاتِ مقدّسہ کا اہم حصّہ رہے ہیں - ہو سکتا ہے کہ مصنف نے کتاب کی طوالت کے خوف سے اسے چھوڑ دیا ہو -

بہر حال سیرتِ رسول اکرم ایک اہم تصنیف ہے . جس کا مطالعہ یقیناً ایک مومن کے کردار کو سنوارنے اور بنانے میں معاون ثابت ہوگا .

-

# محمد عنایت اللہ سبحانی

15 جون 47ء کو محمد عنایت اللہ سبحانی شہر گونڈہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرستہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ میں پائی، مولانا عبدالوہاب خان صاحب رامپوری سے صحیح ستہ کا درس لیا، بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کیلئے امام محمد یونیورسٹی ریاض کا رخ کیا، وہاں سے تفسیر اور علوم قرآن میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں، یہاں سے فارغ التحصیل کے بعد جامعتہ الفلاح اعظم گڈھ میں تقریباً بائیس سال تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اور دو سال جامعہ ھذا کے پرنسپل بھی رہے۔

موصوف کی ایک درجن سے زائد کتابیں منظر عام پر آئیں۔ لیکن ان کی مشہور کتاب "البرھان فی نظام القرآن"، عرب کے بڑے اساتذہ سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ مصنف کو اردو و عربی دونوں زبانوں پر یکساں عبور حاصل ہے۔

زیر نظر کتاب "محمد عربی" صلی اللہ علیہ وسلم مصنف کی اردو تصنیف ہے جو سیرت کی کتابوں میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ جس کو مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی نے پہلی مرتبہ 1967 میں شائع کیا تھا، اب تک اس سیرت پاک کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ زیر مطالعہ تصنیف 1996 میں شائع ہوئی تھی جو اس کا تیسرا ایڈیشن ہے۔ چھوٹی تقطیع پر چھپی اس سیرت کی ضخامت تقریباً تین سو پچاس صفحات ہے، جس میں مصنف نے چودہ ابواب قائم کئے ہیں۔ ان ابواب کے عنوان کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عنوانات روایتی انداز کے نہیں ہیں، بلکہ علامتی ہیں۔ مثلاً پہلا باب عرب میں شرک

کی ابتداء وارتقاء اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے متعلق ہے۔ اس کا عنوان "عرب میں شرک کی ابتداء اور آپؐ کی تشریف آوری" نہیں رکھا، بلکہ "ہوتی ہے سحر پیدا" رکھا ہے۔

یہ کتاب دراصل ایک عربی سیرت کا نقش ثانی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مصر میں محکمہ تعلیم وتربیت کے نگران عام استاذ محمد احمد برانق کی نگرانی و سرپرستی میں سیرتِ نبویؐ پر ایک مجموعہ شائع ہوا تھا۔ اسی کتاب کو سامنے رکھ کر محمد عنایت اللہ سبحانی نے یہ کتاب اردو میں لکھی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ عربی سیرت کی ساری خوبیاں اردو میں بھی منتقل ہو جائیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ مصنف نے جہاں کہیں ترمیم، حذف اور اضافہ کی ضرورت محسوس کی ہے، کیا ہے اور ایسے واقعات کو نظر انداز کر دیا ہے جو اہل نظر کے نزدیک غیر مستند سمجھے گئے ہیں۔ نیز واقعات کو تاریخی ترتیب سے پیش کیا ہے اور ان سے سبق آموز پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کی ابتداء "ہوتی ہے سحر پیدا" کے عنوان سے ہوئی ہے، جس میں عربوں کی سب سے بڑی برائی "شرک" پر بحث کی گئی ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ عرب میں شرک کی ابتداء کب ہوئی۔ شرک کا عقیدہ کہاں سے آیا اور اسکے تدریجی داخل کیا ہیں اور مکّے میں سب سے پہلا بت کس طرح آیا وغیرہ۔ اس میں چاہ زمزم کی دوبارہ کھدائی، عبدالمطلب کی نذر، عبداللہ کی شادی، وفات کا ذکر کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پھر آپ صلعم کی رضاعت، دائی حلیمہ کے گھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے برکتیں۔ بی بی آمنہؓ کی وفات اور آپ صلعم کی عبدالمطلب کے ہاں پرورش پانا وغیرہ واقعات مختصراً بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرا باب "کرنیں ابھرتی ہیں" کے عنوان سے موسوم ہے اس میں مصنف نے عبدالمطلب کی رحلت اور اسکے بعد آپ صلعم کی ابو طالب کے ہاں

پرورش، ابو طالب کے ہمراہ شام کا سفر، بی بی خدیجہ سے عقد، حضرت خدیجہ کیساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن، کعبہ کی نئی تعمیر اور آپ کی ذہانت اور آپؐ کے اخلاق وعادات پر روشنی ڈالی ہے، ذہانت سے متعلق حجر اسود کے نصب کا واقعہ بیان کیا ہے اور اس واقعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت اور دانائی سے تعبیر کیا ہے۔

تیسرے باب میں پہلے ان چار لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بُت پرستی سے بیزار تھے اور دین ابراہیمی کے پیرو تھے جنھوں نے قریش کے لوگوں کو بُت پرستی سے روکنے کی کوشش کی تھی اور اہل قریش نے ان چاروں یعنی عمر بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عثمان بن حارث اور عبید بن جحش کا مذاق اُڑایا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا ہے اور نبوت سے پہلے آپ صلعم کی عبادت وریاضت کا جائزہ لیا ہے، نیز آثار نبوت کے ظہور کا ذکر کر کے حضرت جبرائیلؑ کی آمد اور نزول وحی پر روشنی ڈالی ہے۔ نزول وحی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اضطراب کی کیفیت تھی، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے بیان کی تھی اور حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی تھی، یہ سارے واقعات اسی باب میں در آئے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی حضرت خدیجہؓ کا آپ صلعم کے ہمراہ ورقہ بن نوافل سے ملاقات کرنا، ورقہ کی پیش گوئی، چند دنوں کیلئے وحی کا رکنا اور پھر جاری ہونا اور ابتداء میں حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے قبول اسلام کے واقعات پیش کئے ہیں۔ نیز قریش کی شرارتیں اور ابو طالب کی حمایت کا بھی جائزہ لیا ہے۔

چوتھے باب میں اسلام کی اعلانیہ تبلیغ اور اہل قریش کی شر انگیزیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اسمیں کوہ صفا کا خطبہ، ابو لہب کی شر انگیزی، ابو طالب کے ہاں قریش کا وفد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لالچ دینے کی ناکام کوشش وغیرہ واقعات پر مختصراً

لکھا گیا ہے۔ نیز اس سلسلے میں ابو طالب کی حوصلہ افزائی اور حمایتی سرگرمیوں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

"طوفانی کشمکش" پانچویں باب کا عنوان ہے، عنوان سے ظاہر ہے کہ اس میں مصنف نے اہل قریش کے مظالم کا بھرپور جائزہ لیا ہے، اس میں خصوصیت سے ابولہب اور ابو جہل کی بدتمیزیوں اور شرارتوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم، ابولہب کے فرزندوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب باوجود قریش کی کوششوں کے اسلام کی دعوت دینے سے باز نہ آئے تو ابولہب نے اپنے ظالم بیٹوں کو آپ صلعم کی دختران نیک سے جدا کر دیا۔ ابو جہل کی دشمنی تو عروج پر تھی۔ ایک دن اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، خدا کی قسم، کل ایک پتھر لیکر بیٹھوں گا اتنا بھاری کہ اُٹھائے نہ اُٹھے، جوں ہی محمدؐ سجدے میں جائے گا، سر پیس کر رکھ دوں گا۔ صبح ہوئی اور وہ اپنے ارادے کو پورا کرنے کیلئے نکلا، لیکن اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوا۔ جوں ہی آپ صلعم نماز میں مصروف ہوئے اس نے پتھر اٹھایا، اُسے آگ کا لاوا نظر آیا۔ وہ حیران و پریشان ہوا۔ اُس کا چہرہ اتر گیا اور ہاتھ میں پتھر یوں کا توں رہ گیا، اس منظر کو دیکھ کر مصنف کہتے ہیں۔

"کتنا عجیب منظر تھا..... ایک دشمن خدا اس سر کو کچلنے جا رہا تھا۔ جو سر خدا کے قدموں کو چھو رہا تھا، اس وجود کو مٹانے جا رہا تھا، جس کا نگہبان خود خدا تھا"[1]

ایسے متعدد واقعات اس باب میں درآئے ہیں، اسکے علاوہ حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کی ساری کہانی تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ نیز قرآن مجید کی فضیلت و عظمت اور کعبہ میں اسکی گونج کا جائزہ لیا گیا ہے

"چھٹا باب "کالی گھٹائیں" کے عنوان سے موسوم ہے، اسمیں ہجرت حبشہ،

---

[1] محمد عنایت اللہ سبحانی محمد عربی صلعم ص 115 مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 96ء

مشرکین کی تلملاہٹ ، مشرکین اور مسلمانوں کے نجاشی دربار میں وفود ، نجاشی کے تاثرات ، عمرؓ کا ارادۂ قتل رسول ﷺ ، حضرت عمرؓ کی دربارِ رسالت میں حاضری اور قبول اسلام پر روشنی ڈالی گئی ہے ، اسکے علاوہ شعب ابوطالب کا محاصرہ ، آپ صلعم اور مسلمانوں کا صبر و استقلال ، محاصرہ کا خاتمہ ، حضرتِ ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے ، آخر میں مصنف نے حضرتِ خدیجہؓ کی آپ صلعم سے محبت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے ، فرماتے ہیں

"وہ سانحہ کیا تھا ؟ بی بی خدیجہؓ ـــــ آہ ! ـــــ بی بی خدیجہؓ کی وفات ، ہاں وہی خدیجہؓ ، جو آپ ﷺ کی باوفا بیوی تھیں ، آپ ﷺ کے دکھ درد کی شریک تھیں ۔ ہاں ، وہی خدیجہؓ ، جو آپ ﷺ کیلئے پیار و محبت کا دریا تھیں ، شفقت و دلسوزی کا مجسمہ تھیں ، ہاں ، وہی خدیجہؓ ، جنھوں نے سدا آپ ﷺ کی شخصیت کو سینے سے لگائے رکھا ، عشق و محبت کی آنکھوں میں بٹھائے رکھا ۔
ہاں وہی خدیجہؓ ، جنھوں نے پہلے دن آپ ﷺ کا ساتھ دیا ۔ مایوسی میں ڈھارس بندھائی ، اداسی میں سکون پہنچایا اور پھر اسی حال میں جان دیدی ـــــ" [26]

ساتویں باب میں ان نازک مرحلوں کا ذکر ہوا ہے جو آپ ﷺ کی شریکِ حیات اور سرپرست ابوطالب کی وفات کے بعد پیش آئے ۔ کفارِ قریش نے جب یہ دیکھا کہ آپ ﷺ کے دو ساتھی آپ ﷺ سے جدا ہو گئے ہیں تو انھوں نے سوچا کہ ظلم و ستم کو تیز کرنے کا یہ حسین موقع ہے ، اسلئے انھوں نے اپنی شرارتوں میں اضافہ کیا ، مصنف نے کئی واقعات اس ضمن میں پیش کئے ہیں ، اسکے ساتھ ہی حضرت عائشہؓ و حضرت سودہؓ سے آپ صلعم کا نکاح ، طائف کا سفر ، اہلِ طائف کا شرمناک سلوک ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ الٰہی میں پرسوز فریاد ، جنوں کی جماعت کا قبولِ اسلام ، قریش کی سازشیں ، واقعۂ معراج کے اثرات ، حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا خطاب دینا اور سفرِ معراج کی چند جھلکیاں پیش کی گئی ہیں ۔

[26] محمد عنایت اللہ سبحانی محمد عربی ﷺ مرکزی مکتبۂ اسلامی دہلی ص 154 1996

"اور کارواں بنتا گیا!" کتاب کے آٹھویں باب میں واقعہ معراج کے بعد کافروں کے ردِّ عمل اور ان کی مزید شرارتوں کا ذکر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف قافلوں اور وفود سے ملاقات اور دعوت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسکے ساتھ ہی قبیلۂ اوس، خزرج و یہود کی خانہ جنگی پر روشنی ڈالتے ہوئے قبیلۂ خزرج کے قبولِ اسلام، بیعت عقبۂ اولیٰ و ثانیہ، مدینے میں اسلام کی روشنی، اہل مدینہ کا جوش و ولولہ اور مشرکین کی بوکھلاہٹ وغیرہ کا جائزہ لیا ہے۔

نویں باب کا عنوان ہے "الوداع! اے وطن" اس میں ظاہر ہے ہجرت مدینہ کا حکم، قریش کی خطرناک سازشیں (جن میں آپ صلعم کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے گئے تھے) اور ہجرت کے پہلے اور بعد کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکرؓ کو ہجرت کی اطلاع دینا، قریش کی امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کرنا، پھر سفر کی تفصیلی روداد بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح آپ صلعم اللہ کی غیبی امداد سے قریش کے درمیان سے نکل گئے اور غارِ ثور کے قریب آکر بھی دشمن کو پتہ نہ چلا کہ آپ صلعم اپنے ساتھی کیساتھ اندر موجود ہیں، اسکے علاوہ آپ صلعم کا قبا میں قیام، مدینے میں آپ صلعم کا انتظار، مدینہ میں خوشی و انبساط کی لہریں انصار و مہاجرین میں بھائی چارگی اور یہودیوں کی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

دسواں باب اسلامی جنگوں کا احاطہ کرتا ہے، اس میں پہلے مصنف نے کفار کے خلاف جنگ کرنے کے خدائی حکم کی بات کہی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کی بارشیں تیز ہوگئیں اور مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، ظلم برداشت کے باہر ہو گیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔

"جن (مسلمانوں) سے لڑائی کی جاتی ہے، ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی

جاتی ہے۔ کیوں کہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے، اور خدا انکی مدد پر یقیناً قادر ہے۔"
(سورۂ حج)

اس طرح مسلمانوں کو اجازت مل گئی کہ جو اُن سے جنگ کریں اُن سے جنگ کی جائے۔ اسی کے نتیجہ میں مسلمانوں کی دفاعی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ قریش نے بھی جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ لشکر قریش جنگ کیلئے روانہ ہوا، آپؐ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا اور اسلامی فوجوں کی مدینے سے روانگی ہوئی وغیرہ واقعات کو بڑی تفصیل کیساتھ مصنف نے لکھا ہے، یہ اسلام کی پہلی جنگ تھی جسے "جنگ بدر" کے نام سے ہم جانتے ہیں۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں ناکام ہوئیں اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

گیارھویں باب میں قریش کی انتقامی کارروائیوں، بنی قینقاع کی جلاوطنی اور جنگِ احد کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مختلف واقعات کو مصنف نے مختصراً بیان کیا ہے۔ مثلاً لشکر قریش اور اسلام کی میدان جنگ کی طرف روانگی اور صحابہ کرام کا غیر معمولی جوش و خروش، عبداللہ بن ابی کی غداری، میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی صف آرائی وغیرہ۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان فوجوں کی جو صف آرائی کی تھی اس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقت کے ایک عظیم سپہ سالار تھے۔ صف آرائی کا منظر مصنف کی زبانی ملاحظہ ہو۔

" ہمارے نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف بندی کی۔ علم حضرت مصعبؓ بن عمیر کو عنایت فرمایا، پہاڑ میں ایک گھاٹی تھی۔ ڈر تھا کہ دشمن پیچھے سے آکر حملہ نہ کر دیں۔ پچاس تیر اندازوں کو وہاں کھڑا کر دیا۔ اور فرمایا۔

تم لوگ ہماری پشت کی حفاظت کرنا، ایسا نہ ہو کہ ہم پیچھے سے دھر لے جائیں

دیکھو! اپنی جگہ پر جمے رہنا، وہاں سے ہٹنا نہیں۔ اگر ہم جیت جائیں اور ان کی فوج میں گھس جائیں، تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا اور ہم قتل ہونے لگیں تو مدد کیلئے بھی نہ آنا۔ البتہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دینا۔ کیوں کہ گھوڑے تیروں سے ڈرتے ہیں ۔ [1]

اس جنگ کی ابتداء میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی اور جب تک مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر عمل کرتے رہے، یہ کامیابی بنی رہی اور جوں ہی مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو نظر انداز کر دیا اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کیلئے گھاٹی سے اترے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ موصوف نے یہ سارا واقعہ موثر انداز میں لکھا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہونے کی جو خبر اڑائی گئی تھی اس کا نقشہ کھینچا ہے اور بتایا کہ اس خبر کو سن کر مسلمان کتنے بے قرار و پریشان ہو گئے تھے، اس سے ان کی محبت و عقیدت کا پتہ چلتا ہے جو ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔

آخر میں مصنف نے حضرت حمزہؓ کی شہادت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور ان کی شہادت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ پہنچا تھا اور جو حالت آپؐ کی ہوئی تھی اس کا بھی نقشہ کھینچا ہے "ملحوظ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات" اس باب کا عنوان ہے۔

بارھواں باب پر قریش کے مظالم کا احاطہ کرتا ہے اور اسی باب میں جنگ خندق کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے، اس میں بنی قریظہ کی غداری، حضرت صفیہؓ کی شجاعت، حضرت علیؓ کی مثالی بہادری، حضرت سعدؓ کی شہادت، دشمن کی فوج میں بھگدڑ اور بنی قریظہ کے عبرت ناک انجام پر روشنی ڈالی گئی ہے

تیرھویں باب میں آپ صلعم کی ہجرت کے بعد پہلی مرتبہ مکے کی طرف جانے کا حال بیان ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے قریش کی بے بسی، آپؐ کا حدیبیہ

[1] محمد عنایت اللہ سبحانی محمد عربی ص مرکزی مکتبۂ اسلامی صفحہ 265 دہلی 1996

میں قیام، دربارِ رسالتؐ میں قریش کا وفد، بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ کے واقعات تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ اس میں خصوصیت سے صلح نامہ کی قرارداد اور اس وقت پیدا ہونے والے تنازع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً اللہ کے رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ساری شرطیں مان لیں (ان میں سے چند شرائط پر صحابہ کرامؓ نے ناراضگی ظاہر کی تھی) اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ صلح نامہ تحریر کریں۔ پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لکھو! " بسم اللہ الرحمن الرحیم" اس پر قریش کے سردار سہیل نے کہا، ہم میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا رواج نہیں ہے، ہم اس سے ناواقف ہیں "باسمک اللھم" لکھا جائے۔ آپؐ نے منظور فرمایا، پھر ارشاد فرمایا، لکھو! " یہ وہ شرطیں ہیں جن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمر سے صلح کی۔ سہیل نے فوراً حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، "ایسا نہ کیجیے، اگر قریش آپؐ کو رسول مانتے تو جھگڑا کس بات کا تھا، آپؐ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط بھی مان لی اور اپنے نام سے ہی صلح نامہ تیار کروایا۔

دوسرے سیرت نگاروں نے اس واقعے کی تفصیل میں مزید اضافہ کیا ہے مگر مصنف نے اس اہم حصے کو نہ جانے کیوں چھوڑ دیا۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنا نام لکھنے کیلئے حضرت علیؓ سے فرمایا تو آپ اس پر راضی نہ ہوئے۔ اسلئے کہ حضرت علیؓ یہ کیسے گوارا کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کیساتھ رسول اللہ نہ لکھا جائے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لفظ رسول کو کاٹا تھا۔ ایسی روایتیں بھی ہیں کہ دوسرے صحابی سے یہ کام لیا گیا

اسکے علاوہ اس باب میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص کے قبولِ اسلام، اسلام کی روز افزوں ترقی، قریش کی عہد شکنی (صلح نامہ حدیبیہ کی)

اور فتح مکہ کے واقعات پر تفصیلی گفتگو کے بعد لکھا ہے کہ "شکرِ اسلام گہوارۂ اسلام میں دوبارہ آ گیا ہے۔ اس باب کا عنوان "۔۔۔۔ اور بُت ٹوٹ گئے!" رکھا گیا ہے۔

چودھواں باب اس کتاب کا آخری باب ہے، اس میں مصنف نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ جس میں عرفات کا تاریخی خطبہ اہمیت کا حامل ہے۔ اسکے علاوہ دینِ حق کی تکمیل، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت، آپ صلعم کا آخری خطاب، وفات کا منظر شیدائیوں کی بیقراری و بے چینی، صحابۂ کرامؓ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا یقین نہ کرنا اور حضرت ابو بکرؓ کی بصیرت افروز تقریر جو آپ نے آپ صلعم کے وصال سے متعلق کی تھی، کا مصنف نے احاطہ کیا ہے۔ نیز رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دیدار اور تجہیز و تکفین کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ آخر میں شمس نوید عثمانی کی ایک نعتیہ نظم اور حفیظ میرٹھی کی ایک نعت ہے۔ اسکے ساتھ اس کتاب کو ختم کیا ہے، نظم کا پہلا بند دیکھئے۔

وہ جانِ حیاتِ کون و مکاں، وہ روحِ نجابتِ انسانی
وہ جس کی بلندی کے آگے افلاک ہوئے پانی پانی!
وہ فقر کا پیکر جس کے قدم چھوتا ہے شکوہِ سلطانی
ان سے ہی مجھے نسبت ہے مگر کب انکی حقیقت پہچانی

احساسِ خطا کی پلکوں سے آنسو بن کر گر جاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں لیکن کہتے شرماتا ہوں

بہر کیف "محمد عربیؐ" سیرت کی ایک معروف کتاب ہے اسکی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ یہ سیرتِ پاک ہندی، گجراتی اور بنگلہ زبانوں میں بھی ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ مصنف نے واقعات کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ اسکو پڑھتے وقت

قاری اپنے قلب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و طمانیت بدرجۂ اتم محسوس کرتا ہے اور اسکے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے ۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے واقعات کے بیان میں ، مکالموں سے کام لیا ہے جس سے سارا منظر قاری کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور وہ واقعہ کی تہ تک پہنچ جاتا ہے ۔ مصنف کا یہ سلیقہ و قرینہ بھی قابل تحسین ہے کہ انھوں نے اجمال کی بجائے تفصیل اور تفصیل کی بجائے اختصار سے کام لیا ہے ۔

بطور نمونہ یہ واقعہ دیکھیے ، جس میں مصنف نے افسانے کا انداز اختیار کیا ہے ، اور سارا واقعہ مکالموں کے ذریعہ سے قاری کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ دار الندوہ میں مکے کے خاص سرداروں نے ایک اجلاس طلب کیا ۔ ایجنڈا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے سے کیوں ہٹایا جائے ، اس ضمن میں لوگوں نے مختلف رائیں پیش کی ہیں ۔

" ایک نے کہا : محمدؐ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں ۔ پھر کسی مکان میں بند کر دیں ۔

دوسرا بولا : محمدؐ کا یہاں رہنا اچھا نہیں ۔ کہیں دور دراز علاقے میں چھوڑ آیا جائے ۔ پھر وہ جہاں چاہے جائے اور جس جگہ چاہے رہے

تیسرا بولا : خدا کی قسم ! اگر قید کیا تو ہر طرف چرچا ہو جائے گا ۔ پھر تو بہت برا ہوگا ۔ مسلمان فوراً چڑھائی کر دیں گے اور جب تک ہم سے چھین نہیں لیں گے ، دم نہیں لیں گے ۔

چوتھا بولا : یہ رائے تو بڑی بودی ہے ، دیکھتے نہیں ! وہ کیسی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے

ابو جہل بولا : ایک شکل ہے جواب تک کسی نے نہیں سوچی -

سب نے پوچھا : (بڑی بے تابی سے) ارے ! وہ کیا ابوالحکم ؟

بولا : میری رائے میں ہر قبیلے سے ایک پہلوان اور رشید دل جوان چنیں - پھر ہر ایک کے ہاتھ میں تیز تلواردیں - اور سب ایک ساتھ محمدؐ پر ٹوٹ پڑیں - ہوگا یہ کہ اس طرح خون بٹ جائے گا - ظاہر ہے - بنی ہاشم تمام قبیلوں کا مقابلہ نہ کرسکیں گے[1]

- یہی وہ اسلوب بیان ہے جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اس اعتبار سے یہ کتاب سیرتی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے -

---

1 - محمد عنایت اللہ سبحانی " محمد عربیؐ " ص 206 مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1996

# علامہ حافظ جلال الدین سیوطی

اصل نام عبدالرحمٰن ہے، لیکن دنیائے دین وادب میں جلال الدین کے لقب سے معروف ہیں، ان کی پیدائش دریائے نیل کے مغربی کنارے پر واقع ایک قصبہ سیوط میں یکم رجب ۸۴۹ھ میں ہوئی تھی، اسی مناسبت سے سیوطی کہلائے۔ علامہ عبدالرحمٰن صدر الدین سیوطی نے اسوقت کے مقتدر معروف علماء سے علم دین حاصل کیا، ان میں شیخ کمال الدین ابن الہمام حنفی، شیخ سیرامی خردمانی حنفی، شیخ شہاب الدین الستار مساحی اور علامہ محی الدین فیجی کے نام قابل ذکر ہیں۔

علامہ سیوطی ایک جامع علوم شخصیت تھے، آپ مفسر بھی تھے اور محدث بھی، ایک بالغ نظر فقیہ بھی تھے اور عالم بے بدل اور مورخ بھی، آپ کثیر التصانیف عالم تھے، آپ کی اولین تصنیف "شرح استعاذہ بسم اللہ" ہے، پھر آپ نے شرح العنیہ اور جمع الجوامع مرتب کی۔ آپ کو سات علوم پر عبور حاصل تھا یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع میں دسترس حاصل کی۔ خاص کر مذہبیات کے اہم موضوعات پر آپ نے قلم اٹھایا، اور حق تو یہ ہے کہ جس موضوع پر بھی لکھا اس کو بے مثل و بے نظیر بنا دیا۔ علامہ کی الاتقان فی علوم القرآن جو مقدمہ ہے آپ کی مشہور ضخیم تفسیر مجمع البحرین، مطلع البدرین کا جو بجائے خود علوم قرآن پر ایک جامع تصنیف ہے

علامہ نے تفسیر، تدوین حدیث و فقہی مسائل کے علاوہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قلم اٹھایا اور نویں صدی ہجری میں مشہور زمانہ کتاب

" الخصائص الکبریٰ " تالیف فرمائی۔ عربی دنیا میں اس کتاب کے کافی چرچے ہیں
اسی لئے اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی نے اس کا اردو ترجمہ اسی نام سے
1988ء میں شائع کیا۔ حکیم غلام معین الدین نعیمی اس کتاب کے مترجم ہیں۔
انھوں نے عربی و فارسی کی متعدد و مشہور کتابوں کو اردو میں منتقل کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب " الخصائص الکبریٰ " علامہ جلال الدین سیوطی کی لافانی تالیف ہے۔ جس میں آپ نے صرف معجزاتِ نبوی کو بڑی تحقیق و تلاش کے بعد پیش کیا ہے۔ چنانچہ موصوف نے اس تالیف کی تکمیل کیلئے بیس سال صرف کئے ہیں، جیسا کہ خود مصنف نے " خصائص الکبریٰ " کے دیباچے میں اس کا اظہار کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے ساڑھے چار سو کے قریب کتابیں لکھی ہیں، آپ کی تصانیف و تالیفات کا حال یہ تھا کہ آپ ایک وقت کئی تصنیف و تالیف کی ابتداء کر دیتے تھے جس کے سبب کتابوں کی تکمیل میں تاخیر ہوتی تھی۔

زیرِ نظر کتاب میں آپ نے ایک ہزار سے زیادہ خصائص نبی الوریٰ صلعم کو بیان کیا ہے اور ہر اعجاز کی صراحت اور ثبوت کے لئے احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان ذخیرے سے تلاش و جستجو کے بعد جس قدر بھی اپنے عنوان کے تحت احادیث دستیاب ہو سکتی تھیں جمع کر دیا ہے، اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ایک ہزار معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام ماخذوں کا حصول کتنا عظیم کارنامہ ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ طباعت واشاعت کی اس قدر سہولت نہیں تھی اور سیرت نگاروں کو صرف مخطوطات پر ہی اکتفا کرنا پڑتا تھا، اس صورت میں علامہ سیوطی کی ان کاوشوں کا اندازہ کیجئے کہ کس قدر آپ کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ تب کہیں جاکر ایسی معرکۃ الآرا تصنیف منظرِ عام پر آئی ہوگی۔ لہٰذا " الخصائص الکبریٰ " کی تصنیف میں بیس سال کی مدت کا صرف ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں۔

جلدِ اوّل :

"الخصائص الکبریٰ" دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ جلدِ اوّل میں مصنف نے معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کیا ہے۔ کتاب کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوباتِ گرامی سے کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین وقت کو لکھے تھے۔ جس میں آپ صلعم نے انھیں اسلام کی دعوت دی تھی۔ اگرچہ کہ یہ مضامین سیرت کی دوسری کتابوں میں بارہا آئے ہیں۔ لیکن مصنف نے اُن واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے جو مکاتبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پیش آئے اور ان میں بھی ایسے پہلوؤں کی تلاش کی ہے۔ جس پر معجزہ کا اطلاق ہو۔ اسی طرح وہ معجزات جو وفد بنی ثقیف، وفد دوس، وفد بنی سلیم، وفد بنی طے اور وفد حضر الموت وغیرہ کی آمد پر ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اسکی بھی تفصیل پیش کی ہے اور اس ضمن میں مصنف نے بیس وفود کا تذکرہ کیا ہے۔

بعد ازاں اُن معجزات پر روشنی ڈالی ہے جو حجۃ الوداع کے زمانے میں ظہور میں آئے۔ مثلاً ایک اونٹ کی شکایت بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور گونگے بچے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم سے گویا ہونا وغیرہ۔ اسکے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مختلف اوقات میں پیش آنے والے معجزات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ ان میں فیضانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جگہ دی ہے۔ مثلاً انگشتِ مبارک سے پانی کا جاری ہونا۔ لعاب دہن کی برکت سے کنویں کے پانی کا ہمیشہ برقرار رہنا۔ ایک کوزۂ آب سے تمام لشکر کا سیراب ہونا۔ آپ صلعم کے فیض سے طعام میں زیادتی ہونا اور اسی قبیل کے معجزات کو علامہ نے پیش کیا ہے۔

جن واقعات اور سرخیوں کے تحت علامہ سیوطی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونے والے معجزات کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تفصیل یوں ہے۔

معجزات جو بعض حیوانات کے سلسلے میں ظہور پذیر ہوئے، وہ معجزات جو

ظہور پذیر ہوئے، بھوک، پیاس، گرمی سردی بیماریوں کو اچھا کرنے کے سلسلے میں کی شدت کو روکنے میں ظہور پذیر ہوئے معجزات، عطائے علم وفراست وشجاعت کے سلسلے میں حضور کے معجزات، عصا تارِیانے اور انگلیوں کا روشن ہونا، آپ صلعم کی انگشتری کا معجزہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر رُخ، دوزخ اور جنت کا مشاہدہ کرنا، غیب کی خبر دینا، مثلاً نجاشی، شاہِ حبش کے انتقال کی خبر دینا، مسلمانوں کی آئندہ فتوحات کی خبر دینا، خلافت کے بعد ملوکیت کی خبر دینا، حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت عثمان غنی رضؓ کی شہادت کی خبر اور حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر دینا وغیرہ۔ اسکے علاوہ قیامت کی نشانیوں کی خبر دینا اور خبر کے مطابق ان کا ظہور میں آنا وغیرہ کی تفصیلات پیش کی ہیں۔

مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کو بھی معجزات میں شامل کیا ہے، یعنی وہ تمام خصائص جن کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے ہے یا آپ صلعم نے جن کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مصنف نے ان کو معجزہ کہا ہے، نیز خصائصِ اُمت کا باب قائم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر ذاتی خصائص اور خصائصِ اہلِ بیت کو بھی اس میں شامل کیا ہے، مثلاً صدقہ وزکوٰۃ کا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر حرام ہے وغیرہ۔

اس کے علاوہ مصنف نے ان معجزات کا مختصر ذکر کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد پیش آئے تھے، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی رحلت سے متعلق خبر دینا۔ مرض کے دوران ظہور پذیر ہونے والے معجزات، غسل دیتے وقت کے معجزات اور تجہیز وتکفین کے وقت رونما ہونے والے معجزات وغیرہ۔ بہر حال پہلی جلد معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین ہے۔ ان سے قبل بھی سیرت نگارانِ رسول ﷺ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ خود علامہ جلال

الدّین سیوطی کے استاذ جلال الدّین بلقینی نے معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبسوط کتاب لکھی تھی، شاگرد نے بھی اسی موضوع پر ایک منفرد کتاب یادگار چھوڑی ہے۔

دوسری جلد:

یہ جلد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے اور مصنف ان واقعات کے حوالے سے معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیم رسالت و نبوت سے ہوا ہے، جس میں مصنف نے فضیلتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کیا ہے، دعائے خلیل و نویدِ عیسیٰ کے تحت ان تاریخی پیشن گوئیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ صلعم کی بعثت سے متعلق ہیں۔ نیز حضرت موسیٰ علی اور کتبِ سماویہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی جو بشارتیں ملتی ہیں، ان کو بیش کر آپ صلعم کی آمد پر مزید شہادتیں پیش کی ہیں۔

اسکے بعد آپ صلعم کے حسب و نسب کی فضیلت، خصوصی طور پر بنی ہاشم کی فضیلت، عبدالمطلب کا (آپ صلعم کی پیدائش سے متعلق) خواب، ایامِ حمل کی نشانیاں، آپ صلعم کی والدہ مرحومہ کی وفات، اصحابِ فیل کی کعبہ پر چڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص ولادت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی و جسمانی خصوصیات، ایام رضاعت، شق صدر اور مہرِ نبوت کی تفصیلات بیان کی ہیں، پھر سراپائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیا ہے، جس میں آپ صلعم کی چشم مبارک، لعابِ دہن، دندان مبارک، چہرۂ مبارک، سماعت، کلام، پسینہ جسمِ اقدس، موئے مبارک، نقشِ مبارک کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ تاکہ قارئین کے سامنے آپ صلعم کی قلمی تصویر آجائے۔

بعدازاں ہند ابن ابی ہالہ کی زبان سے اوصافِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان

کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کی فضیلت اور بچپن میں رونما ہونے والے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز حضرت عبدالمطلب اور ابو طالب کی کفالت بحیرا راہب کی پیش گوئی، ابو طالب کی وفات، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلعم کا نکاح اور قبل بعثت کے چند اہم واقعات جیسے پتھر کا آپ صلعم کو سلام کرنا اور غیبی آوازوں کا آنا وغیرہ۔ بعد ازاں مصنف نے اعجاز قرآنی اور نزول وحی کے موقع پر ظہور ہونے والے معجزات کا ذکر کیا ہے۔ یہاں وہ معجزات بیان ہوئے ہیں جو پہلی جلد میں نہیں آئے۔ مثلاً آپ صلعم کا جبریل کو ان کی اصل شکل میں دیکھنا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا حضرت جبریل علیہ السلام کو سلام کرنا، معجزۂ شق القمر وغیرہ۔

اسکے بعد آپ صلعم کو خدا نے کس کس طرح دشمنانِ اسلام سے بچایا اسکی تفصیل بیان کی ہے اور ساتھ ہی وہ واقعات رقم کیے ہیں۔ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے وقت پیش آئے تھے، پھر حضرت حماد رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عبدالقیس، طفیل بن عمر دوسی اور جنات کے قبولِ اسلام کا جائزہ لیا گیا ہے، پھر قریش کی ایذا رسانیوں کی تفصیل بیان کی ہے، جس میں خصوصی طور پر شعب ابی طالب میں محصوری کا ذکر کیا ہے۔ نیز واقعۂ معراج کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ اور اس واقعہ کی تصدیق کیلئے متعدد شہادتیں پیش کی گئی ہیں، یہ واقعہ قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ذکر کیا ہے۔

مکی دور کے اختتام پر علامہ سیوطی نے مکی عہد میں آپ صلعم کی تبلیغ اور اس کے نتائج کا خلاصہ پیش کیا ہے، پھر "ہجرت کے موقع پر معجزات کا ظہور" عنوان قائم کر کے مدنی دور میں آپ صلعم سے جو معجزات ظہور میں آئے، ان کی تفصیل پیش کی ہے مثلاً آپ صلعم کی دعاؤں سے مدینہ شہر مامون بن گیا۔ غزوات کے دوران ظہور میں آنے والے معجزات وغیرہ، یہ بحث بھی کافی طویل ہے۔

اس کے مطالعے سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کی نظر معجزات پر آکر ٹہر جاتی ہے، پھر ان کی تفصیلات کے بیان میں صفحے کے صفحے صرف کر دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر غزوہ کے ساتھ آپ نے معجزات کو جوڑ دیا ہے۔

اس طرح تقریباً ایک ہزار سے بھی زائد صفحات پر خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر کے مصنف نے عشق محمدیؐ کا ثبوت دیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ "الخصائص الکبریٰ" بلاشبہ علامہ جلال الدین سیوطی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اس لئے کہ اس عہد میں مقام رسالت اور شان رسالت سے لوگوں میں بے خبری راسخ ہوتی جارہی تھی اور علامہ سیوطی کا دور دنیا پرستی کا زریں دور بن کر رہ گیا تھا، سلاطین مصر جو خلفائے مصر کہلاتے تھے امراء کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئے تھے، چاروں طرف بے دینی پھیل رہی تھی۔ ایسے وقت میں علامہ جلال الدین سیوطی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ اور ان کی عظمت ورفعت سے بے خبر رہنے والوں کو اس تصنیف کے ذریعے سے بتایا ہے کہ "مقام مصطفیٰ" کیا ہے۔

کتاب میں ایسی احادیث بھی آگئی ہیں، جو جدید اصولِ حدیث سے میل نہیں کھاتیں یا جدید سیرت نگار ان احادیث کو پیش نہیں کرتے۔ نیز یہ کہ علامہ نے واقعات کی ترتیب میں تسلسل کا خیال نہیں رکھا ہے لیکن ایک ضخیم کتاب میں ایسی فروعی اغلاط کا در آنا فطری بات ہے

بہرکیف "الخصائص الکبریٰ" جلد اول و دوم معجزات نبویؐ صلعم پر ایک وقیع، مبسوط و مدلل ویے نظیر تالیف ہے اور سیرت کی کتابوں میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔ اس ضمن میں شمس بریلوی تحریر فرماتے ہیں۔

"۔۔۔۔ سیرت النبیؐ پر آپ (علامہ سیوطی) کی ہی ایک کتاب ہے اور اس میں آپ نے صرف معجزات خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالِ تخفص و

تحقیق کے ساتھ بقید سنین پیش کیا ہے۔ اسناد کی تلاش وصحت کاوش و کاہش کی ہے"۔[1]

اس عربی کتاب کو حکیم غلام معین الدین نعیمی نے اردو میں منتقل کرکے ایک اہم ادبی رول ادا کیا ہے، اس مسودے کی اصلاح شمس بریلوی نے کی ہے لیکن شمس بریلوی اس ترجمہ سے مطمئن نہیں ہیں۔ وہ اس لئے کہ ہر زبان کی اپنی انفرادیت ہوتی ہے۔ اس زبان کے پورے مزاج کو دوسری زبان میں منتقل کرنا کوئی آسان کام نہیں تاہم حکیم غلام معین الدین نعیمی کی یہ ایک کامیاب کوشش ہے۔

---

۱۔ جلال الدین سیوطی، الخصائص الکبریٰ (اردو ترجمہ) مترجم حکیم غلام معین الدین نعیمی دیباچہ از شمس بریلوی ص ت ث اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی 1988ء

# محمد حسین ہیکل

عربی دنیا کے ایک معروف ادیب ہیں۔ جن کا تعلق مصر سے ہے، انہوں نے پہلے مصر میں پھر پیرس میں تعلیم حاصل کی۔ خصوصیت سے سیرتِ نبوی اور سوانحِ صحابۂ کرامؓ کا مطالعہ کیا، نیز فنِ تاریخ نگاری کو جدید طرز سے آشنا کیا اور ایک اسلامی محقق کی حیثیت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے، عمیق مطالعے کے نتیجہ میں ان کی لکھی ہوئی پانچ کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔ ان عربی کتابوں کے ترجمے انگریزی زبان میں ہوئے، اس سے جدید ذہن رکھنے والے عموماً انگریز اور خصوصاً انگریزی بولنے والے مسلمانوں نے استفادہ کیا، جن پانچ عربی کتابوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا، وہ حسب ذیل ہیں۔

1. The Life of Mohammed
2. The Islamic Revolution
3. The Life of Abubakar
4. The Life of Umar Al Faruq
5. Home of Revolution

مندرجہ بالا کتابوں کا انگریزی ترجمہ انگریزی ادب کے مشہور ادیب اسماعیل راجی الفاروقی نے کیا ہے، جنھوں نے اپنی متعدد تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں سردست محمد حسین ہیکل کی تصنیف "حیاتِ محمدؐ" پر اظہارِ خیال مقصود ہے اگرچہ کہ یہ تصنیف عربی زبان میں ہے، لیکن اردو ترجمے کے بعد گویا وہ اردو ادب کا ہی سرمایہ بن گئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا ابویحیٰی خان نوشہری

نے اس خاص اسلوب میں کیا ہے، جس کی پختگی فنِ ترجمہ میں انھیں ایک بلند پایہ مقام عطا کرتی ہے۔ مترجم نے عربی اسالیب کی بلاغت پوری صحت کیساتھ ترجمے میں منتقل کی ہے۔ اور اس اعتبار سے اردو میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذخیرہ ادب میں ایک اہم اور قابل قدر اضافہ ہے۔ ابو یحییٰ خاں نے یہ ترجمہ 1955 میں کر کے لاہور سے شائع کیا اور ہندوستان میں اس کا پہلا ایڈیشن تاج کمپنی دہلی نے 1988 میں شائع کیا تھا اور یہی نسخہ زیرِ مطالعہ ہے۔ چھ سو پچاسی صفحات پر مشتمل "حیاتِ محمدؐ" کا آغاز مصنف کے مقدمہ (طبع اوّل) اور مقدمہ طبع ثانی سے ہوتا ہے، اس میں محمد حسین ہیکل نے اسلام اور مسیحیت کا موازنہ پیش کیا ہے اور یہ ہمیں بتایا ہے کہ کس طرح عیسائی علماء نے اسلام کو بدنام کرنے اور اسکے بڑھتے ہوئے زور کو روکنے کیلئے "اسلام اور بانیٔ اسلام" پر اعتراضات کرتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مصنف نے لکھا ہے کہ:

"۔۔۔ مسیحی اہلِ قلم کی زبانوں پر حضرت محمد صلعم کے متعلق جو کلمات فحش زبان ہیں، مہذب انسان کسی ادنیٰ بشر کیلئے بھی انھیں گوارا نہیں کر سکتا جس سے ان کے درونِ سینہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسمیں آنحضرت صلعم کے متعلق کتنا زہر بھرا ہوگا۔۔۔"[1]

لیکن مصنف نے عیسائی علماء کی طرح حضرت مسیحؑ سے متعلق وہ رویّہ اختیار نہیں کیا، بلکہ اسلام میں حضرتِ مسیحؑ کی جو قدر و منزلت ہے۔ اس کو کم و کاست بیان کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ مسیحی مصنفین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو زہر اگلا ہے، اس کا مختصر احاطہ بھی کیا ہے تاکہ قارئین کو یہ باور کرایا جا سکے کہ مستشرقین خصوصاً مغربی مصنفین نبی کریمؐ[2] کی ذاتِ مقدس کو تنقید کا نشانہ بناتے رہے ہیں اور اس تعلق سے مصنف

نے نویں صدی عیسوی سے اب تک کے مختلف مستشرقین کی کتابوں سے چودہ حوالے دئے ہیں، نیز اس پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ مسیحیوں کی اسلام دشمنی کے اسباب کیا ہیں' اسکے ساتھ ساتھ دوست نما دشمنوں اور نادان دوستوں کی تالیفات کا بھی ذکر کیا ہے ، جو اندھی عقیدت میں تالیف ہوئیں جس کے نتیجہ میں اسلام اور بانی اسلام سے متعلق بے بنیاد باتوں کا وافر ذخیرہ جمع ہوگیا اور اسی کو بنیاد بنا کر اہل مغرب نے طعن کرنا شروع کیا اور مسلم نوجوانوں پر اس کا گہرا اثر پڑا ، بقول مصنف نتیجہ یہ ہوا کہ وہ (نوجوان) پہلے تو نفس مذہب میں شک کرنے لگے اور اس کے بعد اسلام اور بانی اسلام کے متعلق ان کے دلوں میں وسوسوں نے گھر کر لیا مستشرقین اور نادان دوستوں کی تحریروں سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کیلئے ضروری تھا کہ " حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دور کی تازہ ترین معلومات کی روشنی میں تالیف ہو تاکہ جو جدید ذہن رکھنے والے غیر مسلم اور مسلم نوجوان اہل مغرب کی غلط بیانی اور فریب دہی کے چکر میں آکر تشویش و رنج میں آگئے ہیں، وہ صحیح معلومات و حقائق سے آگاہی حاصل کر لیں ۔

محمد حسین ہیکل نے اپنے بیان کے مطابق نہ صرف یہ کہ "جامدین المسلمین" کے جمود آمیز خیالات کا رد کیا ، بلکہ مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کا مثبت انداز سے جواب دینے کیلئے کتاب بھی لکھی ، ایسی سیرتوں کی تالیف کا سلسلہ ایک عرصہ دراز سے منقطع ہو چکا ہے، جو مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں لکھی جاتی رہی ہیں، سر سید احمد خان اور علامہ شبلی نعمانی مسئلہ مستشرقین کی گہرائی و گیرائی کا بے حد ادراک رکھتے تھے ، افسوس کہ ان کے بعد مستشرقین کے حوالے سے سیرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ و تحقیق کا کوئی بڑا اور منظم کام سامنے نہیں آیا اور نہ ہی ہمارے ہاں کے سیرت نگاروں

نے اس مسئلہ سے تعرض کو قرار واقعی اہمیت دی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اکا دُکا انفرادی و اجتماعی کوششیں کی جاتی رہی ہیں، مقالات و مضامین اور کتابوں کی شکل میں اس جانب کچھ نہ کچھ پیش رفت بہر حال ہوتی رہی ہے۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی کے بعد اہم نام مولانا سلیمان سلمان منصور پوری کا ہے۔ مندرجۂ بالا بحث یہ واضح کرنے کیلئے کافی ہے کہ مستشرقین کی برپا کی ہوئی تحریکِ استشراق کا قرار واقعی جواب اردو زبان و ادب میں واضح طور پر اب تک نہیں دیا گیا۔ اگرچہ سر سید احمد خان نے جوابی علمی تحریک کا باقاعدہ آغاز اپنی تصانیف خصوصاً "خطباتِ احمدیہ" سے کر دیا تھا، اور جسے شبلی اور مولانا سلیمان سلمان منصور پوری نے منظم و مؤثر بنانے کی کوشش کی تھی، اس کا رنگ آہستہ آہستہ پھیکا اور آہنگ روز بروز مدھم ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ ایک وقت تک یہ سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہو گئیں۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُدھر مغربی اور یورپی مستشرقین کی سرگرمیاں تو لب و لہجہ کے فرق کے ساتھ تا حال جاری و ساری ہیں اور ان کے عزائم و مقاصد میں بھی سرِ مو کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

لیکن یہ بھی غنیمت ہے کہ تقریباً پچاس سال کی خاموشی کے بعد ایک مسلمان مصنف محمد حسین ہیکل نے اس جانب توجہ کی اور اُسی انداز میں "حیاتِ محمدؐ" تصنیف کی جس انداز کو علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سلیمان منصور پوری نے اختیار کیا تھا۔ مصنف نے متن کتاب کے علاوہ اپنے طویل مقدموں میں اور پھر بعد میں "المستشرقون والحضارۃ الاسلامیہ" کے تحت مستشرقین کی معاندانہ سرگرمیوں اور ان کے علم و تحقیق کا سنجیدہ علمی تجزیہ کیا ہے اور مختلف عنوانات کے تحت اصل حقائق کو نمایاں کیا ہے اور جرأت و قوت کے ساتھ مسیحی سوانح نگاروں کے مطاعن کا جواب دینے کی سعی کی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سید عبداللہ

لکھتے ہیں۔

"ہیکل کی کتاب بیانیہ نگاری کا عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے، اسمیں اعتذار کا لہجہ شبلی کے مقابلہ میں کم ہے۔ اور تعبیر و توجیہہ میں جرأت مندی بھی زیادہ ہے۔"

مقدمہ (طبع ثانی) میں مصنف نے طبع اوّل کی مقبولیت پر مختصر اظہار خیال کیا ہے اور دوسرے ایڈیشن کیلئے محققین اور اہل قلم نے جو مشورے دئیے تھے جن کو مصنف نے قبول کیا تھا، اُسکی طرف بھی اشارہ کیا ہے نیز یہ بھی بتایا ہے کہ ان مشوروں پر کس طرح عمل کیا گیا اور اسکے نتیجے میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں"

"۔۔۔ طبع ثانی میں مزید تحقیق و اضافے کا باعث یہ بات بھی ہوئی کہ دوستوں نے جو مشورے دئیے تھے میں نے انھیں بغور دیکھا، ان مشوروں سے میں اگرچہ پہلے بھی ناواقف نہیں تھا، تاہم میں نے اس بناء پر دوبارہ تحقیق و زیادت کی ضرورت محسوس کی تاکہ ان حضرات کو اپنا نقطۂ نظر سمجھا سکوں۔ اس مقصد کیلئے میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں جن نکات پر توجہ صرف کی ——— وہ اس لائق ہیں کہ ہر سیرت نگار ان کو نظر و فکر کے سامنے رکھے۔ بحمد اللہ جہاں میں اس بات پر خوش ہوں کہ میں نے پہلے ایڈیشن میں غیر شعوری طور پر ان تمام مشوروں کو ملحوظ رکھا تھا، اب اس سے ہم کنار ہوں کہ دوسرے ایڈیشن میں میں نے اس عظیم انسان کے بارے میں زیادہ توسیع سے کام لیا ہے ہدایت و رہنمائی کی تاریخ میں جس کی مثال نہیں پائی جاتی۔ یعنی دوسری اشاعت میں ان مسائل کی مزید وضاحت کی گئی، جو طبع اوّل پر معرض بحث و نقد میں آئے۔ مزید برآں کتاب کے آخر میں دو فصلیں بڑھا دی گئی ہیں۔ جن میں ایسے مباحث کو بسط کے ساتھ بیان کیا گیا جو پہلی اشاعت میں مجمل طور پر ذکر میں لائے گئے۔ نیز جو مسائل پہلے سے مفصل تھے اور اہل علم نے ان میں مزید وضاحت

کی خواہش ظاہر فرمائی ہے، ان میں بھی تعمیل ارشاد کر دی گئی ہے۔[1]

نیز اس مقدمے میں مصنف نے پہلے ایڈیشن کے شائع ہونے کے بعد ایک مصری مضمون نگار کی "حیاتِ محمدؐ" پر تنقید پر بھی بحث کی ہے۔ اس میں اس مضمون نگار نے جو سوالات اٹھائے ہیں اس کا جواب بھی دیا ہے اور افسوس کا اظہار بھی کیا ہے کہ یہ مضمون نگار ایک مسلمان ہے۔ جس نے اسلام پر مستشرقین کی تصانیف کا مطالعہ اس عقیدت مندی کے ساتھ کیا ہے جیسے ان کی تخلیق علم صحیح پر مبنی اور ان کی تعبیر خطا سے پاک ہے۔ اس کے علاوہ اس مقدمے میں مصنف نے "مستشرقین اور رسولِ دین" مستشرقین کی رائے درباب اضافۂ قرآن " اسلام پر اپنوں کا الزام، مسلمان علماء کی توثیق پر غیروں کی رائے، صرع اور وحی کے اثرات میں فرق اور حاسدانِ اسلام کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کی وجہ وغیرہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ نیز وضع حدیث کے محرکات اور منافقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حدیث سازی کا جذبہ وغیرہ عنوانات قائم کر کے مفصل اور جامع بحث کی ہے اور اس کے لئے مصنف نے ستر صفحات صرف کئے ہیں۔

مقدموں کے بعد اصل کتاب کا آغاز "ملکِ عرب قبل از اسلام" سے ہوتا ہے۔ اس میں محمد حسین ہیکل نے ملکِ عرب کے حالات و جغرافیہ کے بیان سے پہلے مصر اور روم کی تہذیب اور اس پر اسلامی تمدن کے اثرات کا جائزہ لیا ہے، تاکہ مصر کے حوالے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور روم کے حوالے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کا تذکرہ ہو جائے اور اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ اس دور میں جزیرہ نمائے عرب کا کیا حال تھا۔ جغرافیائی حالات کے تحت اس کا رقبہ اسکے حدود، اس کا موسم، تجارتی راستہ، عرب

---

1۔ محمد حسین ہیکل، حیاتِ محمدؐ، ص 31 تاج کمپنی دہلی 1988

کی مشہور گذرگاہیں، یمن کی طبعی حالت، دربارِ خسرو کی شان و شوکت، یمن پر ایران کا تسلط اور عرب ممالک کی سیاسی حالت پر تفصیل سے بحث کی ہے، اسکے علاوہ قدیم عربوں کے مذاہب کی تفصیل اور مکہ معظمہ کا مختصر تعارف کرایا ہے۔

اسکے بعد مکہ معظمہ، کعبۃ اللہ اور قوم قریش کی تاریخ بیان کی گئی ہے، اس میں مکے کا محل وقوع، کعبے کی تعمیر، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جناب ہاجرہ ع کا ذکر کیا ہے پھر حضرت اسماعیل ع اور حضرت اسحاق ع سے متعلق پائی جانے والی متنازع روایات جن کا تعلق آپ دونوں فرزندوں کے ذبح سے ہے، پر قرآن اور مستند روایات کی روشنی میں مفصل تبصرہ کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت اسماعیل ع ذبیح ہوئے تھے، بعد ازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسماعیل ع اور ہاجرہ ع کے ہمراہ مکہ ہجرت، حضرت اسماعیل ع کا عہد بلوغت کو پہنچنا اور کعبۃ اللہ میں بت پرستی کا ذکر کرکے حضرت ابراہیم ع کے بعد جزیرۃ العرب میں دوسرے نبیوں مثلاً حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے مختصر حالات درج کئے ہیں، پھر قصی بن کلاب، بنو عبدالدار بن قصی، عبد مناف، ہاشم اور عبد المطلب کے حالاتِ زندگی قدرے تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ نیز ابرہہ اور اسکے ہاتھیوں کا قصہ بیان کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کا مختصر ذکر کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ مبارک کا جدول پیش کیا ہے۔

اس شجرۂ مبارک کی خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے اسمائے مبارک کے ساتھ ان کی ولادت کی عیسوی بھی درج کردی ہے۔ جس سے دوسری سیرت کی کتابیں مبرا ہیں، اس کے ساتھ ہی یہ باب ختم کیا گیا ہے۔

تیسرا باب :

عہدِ ولادت اور طفولیت کا احاطہ کرتا ہے۔ اسکی ابتداء حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کے عقد سے کی ہے۔ پھر حضرت عبداللہ کا تجارتی سفر اور ان کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، اسم، عقیقہ، آپ صلعم کا حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں آنا اور آپ صلعم کا پہلا شق صدر ہونا وغیرہ واقعات اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ مصنف نے شق صدر کے متعلق اختلافِ روایات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی جو حلیمہ سعدیہ کے ہاں گذری، بیان کی ہے، نیز حضرت آمنہ اور حضرت عبدالمطلب کی رحلت کا ذکر کیا ہے اور ابو طالب کی کفالت، سفرِ شام، عیسائی راھب بحیرا سے ملاقات اور اس دور کے آپ صلعم کے مشاغل پر روشنی ڈالی ہے جس میں شغلِ تجارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ مسعود کو بیان کر کے اس باب کو ختم کیا ہے۔

"متاہل زندگی سے لیکر ابتدائے بعثت تک" یہ عنوان ہے شمار نمبر چار کا اس میں محمد حسین ہیکل نے آپ صلعم کی ازدواجی زندگی میں منسلک ہونے کا ذکر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیست کے دو اہم رُخ سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"آج سے شوہر بننے اور باپ ہونے کے دونوں رُخ سامنے آ گئے۔ کتابِ زندگی کا وہ باب شروع ہوا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سالہ پُر سکون شباب میں خود کسی بے عنوانی کے قریب ہو کر نکلے نہ اس پُر فتن عہدِ جوانی کے شعلوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کوئی اثر ڈالا۔ آج سے وہ بے لوث شباب بھی اپنی رفیقۂ حیات کی نذر کر دیا ـــــ"[1]

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اور وقار پر روشنی ڈالتے ہوئے

---

1 محمد حسین ہیکل "حیاتِ محمدؐ" ص 133 تاج کمپنی دہلی 1988ء (پہلا ایڈیشن)

حجرِ اسود نصب کرنے کے متنازعہ واقعہ کو آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے کس حکمتِ عملی سے حل کیا، اسکی تفصیل بیان کی ہے، نیز عبد المطّلب کی رحلت کے بعد کعبہ کی نگہبانی کیلئے جو باہمی اختلاف بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں زور پکڑا اُسکا احاطہ کیا ہے، پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ اور صاحب زادوں کی بچپن میں رحلت سے جو صدمہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، اسکی طرف بھی اشارہ کیا ہے، اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں اور ان کے رشتوں سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے۔

ازدواجی زندگی کے ساتھ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے جو دینی زندگی گذاری اور تلاشِ حق میں غارِ حرا میں جو ایّام گذارے اور چالیس سال کی عمر شریف میں اوّل وحی آپ صلّی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور اس سے متعلق جو جو واقعات رونما ہوئے مثلاً وحی نازل ہونے کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی اضطرابی کیفیت اور حضرتِ خدیجہ رضؓ کا آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینا وغیرہ واقعات کو مختصر مگر دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

شمار نمبر پانچ کا عنوان "از بعثت تا بہ اسلام عمر رضؓ" ہے، عنوان سے ظاہر ہے کہ اس میں مصنف نے وحی مبارک سے لیکر حضرتِ عمر رضؓ کے قبولِ اسلام تک کے سارے اہم واقعات کو یکجا کیا ہے مثلاً ورقہ بن نوفل سے وحی کے بعد کی گفتگو، حضرت خدیجہ رضؓ کا ایمان لانا، سیّدہ خدیجہ رضؓ کے بعد بعثت دربارِ رسالت کے مشاہدات دعوت کے اوّلین نقوش، التوائے وحی پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی اضطرابی حالت اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ نبوّت اور دعوتِ اسلام کے ابتدائی سالوں پر روشنی ڈالی ہے، اسی میں مصنف نے زید بن حارث، ابوبکر رضؓ، عثمان رضؓ، ابن عوف رضؓ طلحہ رضؓ سعد رضؓ و زبیر رضؓ اور ابو عبیدہ کے قبولِ اسلام کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

یہ دعوت اعلانیہ نہیں تھی، پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ تبلیغ اسلام

شروع فرمائی۔ جس کے نتیجہ میں اسلام مکّہ کی سرزمین پر زوروں سے پھیلنے لگا۔ اور اکابر قریش پریشان ہوئے اور عوام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکانا شروع کیا، یہ ساری تفصیلات اسی عنوان کے تحت مصنف نے جمع کی ہیں اور اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بت پرستی کی برملا تردید، قریش کا ابو طالب سے گلہ، ابو طالب کی استقامت اور مسلمانوں پر کفّار کا جور و ستم جیسے ذیلی عنوانات پر روشنی ڈالی ہے، پھر ابو جہل کی طرف سے ایذارسانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مال و اقتدار کی پیش کش اور مسلمانوں کی پہلی ہجرتِ حبشہ کا ذکر کیا ہے اور آخر میں حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کی تمام تفصیلات بیان کی ہیں۔

بعد ازاں شمار نمبر چھ کے تحت "واقعہ غرانیق" کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے، اس میں اس سے بحث کی گئی ہے کہ مہاجرین کا حبشہ میں قیام کے بعد تین ماہ بعد مکّہ لوٹ آنے کے اسباب کیا ہیں، اصل واقعہ کیا ہے اور اس واقعہ کو توڑ مروڑ کر کس طرح سیرت کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔

اس میں خصوصیت سے ولیم میور کی بحث اٹھائی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک محفل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی تعریف کی، انھیں شفاعت کرنے والا گردانا۔ کفّار اپنے بتوں کی ستائش سن کر بہت خوش ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "اے محمدؐ! آج آپ نے ہمارے معبودوں کی شفاعت کا اعتراف کر ہی لیا تو اس کے بعد ہمیں آپ سے میل ملاپ کرنے میں کوئی مانع نہیں"۔ اس روایت کو پیش کر کے یہ کہا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن بتوں کی تعریف کی تھی، اسلئے کفّار نے ظلم و ستم بند کر دیا اور جو لوگ کفّار کے ظلم سے ڈر کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے، اس واقعے کے بعد مکّہ واپس ہونے لگے۔ محمد حسین ہیکل نے اس من گھڑت واقعے کی وجوہات بیان کی ہیں، ولیم میور اور ان

کے ساتھیوں کی بے محل تاویل کا جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس واقعے میں سچائی نہیں ہے، اس لئے کہ اس روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے، ثبوت میں مصنف نے ان پانچ روایات کا ذکر کیا ہے جو ایک ہی واقعے سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ روایات ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اس بات پر یہ بحث اختتام کو پہنچائی ہے کہ حبشہ سے مسلمانوں کے لوٹ آنے کے اسباب کچھ اور ہی تھے، ان میں ایک خاص سبب حضرت عمرؓ کا قبول اسلام تھا جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی مکے میں کیا قدر و منزلت تھی، آپ کے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کی اشاعت میں کس قدر تیزی آئی۔

شمار نمبر ۷ کی ساری بحث قریش کی ایذا رسانیوں کی تاریخ پیش کرتی ہے۔ اس میں خصوصیت سے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے معاشرتی مقاطعہ کا ذکر کیا گیا ہے، جو سیرت کی کتابوں میں شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے، مصنف نے ان تمام اہم واقعات کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق قریش کے ظلم و ستم سے ہے، اسکے ساتھ ہی موصوف نے قریش کی برائیوں کا بھی ذکر کیا ہے، جسے وہ برائی نہیں سمجھتے تھے، اسکے علاوہ قریش کا تصور، دوزخ و جنت اور حشر و نشر پر بھی اظہار کیا ہے تاکہ کفار قریش کے عقائد کا علم ہو اور اس سے یہ اندازہ ہو کہ وہ کیا چیزیں تھیں جن کی بناء پر قریش کے چند افراد نے دین مبین کو ٹھکرا دیا تھا۔

فصل آٹھ کی بحث میں مصنف نے شعب ابی طالب کے معاہدے کے ٹوٹنے سے لیکر اسرا تک کے واقعات کا احاطہ کیا ہے، اس میں سب سے پہلے شعب ابی طالب کی محصوری کے تین سالوں کا ذکر کیا ہے۔ ان تین سالوں میں آپ صلعم اور آپؐ کے ساتھیوں نے جو تکالیف اٹھائیں اور مکہ کے رشتہ داروں نے کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھپ کر مدد کی اور آپ صلعم نے حرمت کے

چار مہینوں میں اسلام کی تبلیغ میں کیسے اپنے آپ کو مصروف رکھا، اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، نیز جب محاصرہ ختم ہوا تو اسکے بعد کی زندگی کے کئی واقعات کو مصنف نے بیان کیا ہے، مثلاً ابو طالب کی وفات، سیّدہ خدیجہ رضؓ کی رحلت، طائف کا تبلیغی سفر اور یہاں کی ایذا رسانی، حضرتِ عائشہ رضؓ و حضرت سودہ رضؓ سے نکاح وغیرہ آخر میں معراج النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں مصنف نے معراج کے جسمانی و روحانی ہونے سے متعلق جو اختلافات پائے جاتے ہیں، اسکی نشاندہی کی ہے، پھر سیرت کی کتابوں سے معراج کا پورا مرقع نقل کیا ہے اور اپنی طرف سے کوئی رائے نہیں دی ہے کہ آیا معراج جسمانی تھی یا روحانی، بہر کیف مصنف نے اسکے پہلوؤں پر مفصّل اور جامع بحث کی ہے۔

نویں فصل میں بیعتِ عقبہ کی تفصیلات آئی ہیں، اس میں زمانۂ معراج کے بعد مسلمانوں کا تنزلزل، نصرت و فیروزمندی کے آثار، یثرب میں جنگِ بعاث (مابین اوس و خزرج) عقبۂ اولیٰ کی بیعت، مدینے کی پہلی تربیت گاہ، عقبہ کی دوسری بیعت، بیعتِ عقبیٰ سے قریش کی بدحواسی، مسلمانانِ مکّہ کے لئے اذنِ ہجرت (بہ طرفِ مدینہ) اور ہجرت سے قریش کے نئے تصوّرات کو ذیلی عنوانات بناکر اس پر اظہارِ خیال کیا ہے، اس میں خاص کر مدینے میں دینِ اسلام کی تبلیغ پر زیادہ زور دیا گیا ہے، دسویں فصل واقعۂ ہجرت کا مکمّل احاطہ کرتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں ہجرت کی اہمیت مسلّم ہے مصنف نے بھی اسکی ساری تفصیلات بیان کی ہیں، اس میں پہلے ہجرت کی وجوہ پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر از اوّل تا آخر سارے واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس واقعے میں پیش آنے والے معجزات کا بھی ذکر کیا۔ نیز بعض قدیم اربابِ سیرۃ کے معجزات نور سے انکار کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

ہجرت کے دوران جن جن قبیلوں نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا ہے اور اسلام قبول کیا ان کا بھی ذکر کیا ہے ۔ نیز مدینے میں اسلام کی مقبولیت و ترقی پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔ اور یثرب میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر اس فصل کو ختم کیا ہے ۔

دسویں فصل تک آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے لیکر ہجرت تک کے تمام اہم واقعات کو تاریخی تسلسل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد مصنف نے گیارویں سے تیسویں فصل تک آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کو موضوعِ بحث بنایا ہے اور اس کتاب کا دو تہائی حصّہ ان واقعات کے بیان میں صرف کیا ہے ۔ گیارویں فصل کی ابتداء مدینہ منوّرہ کے ابتدائی دور سے ہوتی ہے ، اس میں مسجد نبوی کی تعمیر، تبلیغ اسلام کی منصوبہ بندی اور اہل مدینہ کے اتحاد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح انصار و مہاجرین میں تعلق پیدا کیا اور ان دونوں کو ایک لڑی میں پرو دیا اور دونوں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ مرتب فرمایا ۔ اس معاہدے کے نکات بھی مصنف نے بیان کئے ہیں، تاکہ قاری کو آپ صلعم کی سیاسی بصیرت سے بھی آگاہی ہو جائے ۔ اسکے ساتھ اس فصل میں سیّدہ عائشہؓ کی رخصتی ، فرضیت زکوٰۃ و روزہ ، اذان ، اسلامی مساوات ، آپ صلعم کی گھریلو زندگی ، بچوں اور حیوانات کے ساتھ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کا حُسنِ سلوک ، آپ صلعم کی سادگی ، لباس ، حضرتِ عبداللہ بن سلام کا قبولِ اسلام ، رسول اللہؐ کے ساتھ اور یہود و مشرکین کے مجادلے پر بحث کی ہے ۔

فصل بارہ میں " سرایا اور ابتدائی جھڑپیں " سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں ، مصنف نے غزوات سے قبل کے مختلف جھڑپوں کا ذکر کیا ہے اور انکے رونما ہونے سے متعلق مورخین کی مختلف آراء پیش کی ہیں ۔

ان جھڑپوں میں خصوصیت سے غزوۂ ابوا، غزوۂ بواط اور غزوۂ بدر اولیٰ پر اختصار سے روشنی ڈالی ہے۔ نیز گشتی نقل و حرکت کا مقصد اور یہود کا ردِ عمل پر اظہارِ خیال کیا ہے، پھر اسلام نے کن حالتوں میں جنگ کی اجازت دی۔ اسکی وضاحت کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ اسلام نے اپنی دفاع کیلئے تلوار اٹھائی تھی۔ اسکے بعد قریش کا مسلمانوں کے پہلے حملے کا ذکر کرکے جہاد فی سبیل اللہ کی اسلامی توجیہ بیان کی ہے

فصل تیرا میں غزوۂ بدر کی تمام تر تفصیلات آئی ہیں۔ مصنف نے جنگی واقعات کے ساتھ جنگ ختم ہونے کے بعد کے واقعات کی وضاحت بھی کی ہے۔ مثلاً مالِ غنیمت کی تقسیم میں صحابہ کی مختلف رائیں اور اسیرانِ بدر کے معاملے میں غور و فکر اور مشاورت، فدیہ لیکر قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم، مکے میں شکست کے بعد کے واقعات اور اس سلسلے میں کافروں کا مشورہ وغیرہ پر بحث کرکے اس فصل کو اختتام تک پہنچایا ہے۔

"بدر اور احد کا درمیانی وقفہ" فصل چودھویں کا عنوان، اس میں مصنف نے فتح بدر کے بعد مدینے کے غیر مسلموں پر اس کا اثر اور اس فتح سے مسلمانوں کے عمل میں جو تبدیلیاں آئی تھیں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ پھر غزوۂ سویق کے واقعات بیان کیے ہیں، اسکے علاوہ مکہ اور شام کے درمیانی راستوں پر مسلمانوں کی ناکہ بندی، قبیلہ غطفان و سلیم کی سرکشی، قریش کی تجارتی زبوں حالی پر تبصرہ، اور آخر میں ام المومنین حضرت حفصہؓ کے نکاح کے بیان سے یہ فصل ختم کردی ہے۔

فصل پندرہ اور سولہ میں غزوۂ احد پر روشنی ڈالی ہے، اسمیں قریش کی ہر بریت، قریش کا احد میں پڑاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر مندی اور دوسرے صحابہ سے مشاورت اور خاص کر راس المنافقین عبداللہ بن ابی کی رائے کا تفصیلی ذکر کیا ہے، اسکے بعد غزوۂ احد کا مکمل احاطہ کیا ہے، اسکے بعد آپ صلعم

اور صحابۂ کرام رض کی جنگ کیلئے تیاری، فریقین کی صف آرائی، مسلمانوں کا ثبات قدم اور قریش کی شکست پر اظہار خیال کرکے احد میں مسلمانوں کی فتح پر تبصرہ کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی نزاکتوں اور باریکیوں سے بخوبی واقف تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ایسے دستہ کو درہ کے ناکہ پر متعین فرمایا تھا، جس کا ایک ایک فرد قدر اندازی میں یکتا و بے مثل تھا، یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حربی مہارت اسی درجہ کی تھی مصنف نے اس تبصرے میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ کامیابی کا دار و مدار کثرت فوج پر نہیں بلکہ فوج کے ثابت قدم رہنے میں ہے، مقصد میں کامیابی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے، جب بندوں میں خدا طلبی ہو، دنیا کی لالچ کامیابی کو ناکامیابی میں بدل سکتی ہے، اس تبصرے کے بعد احد کی لڑائی نے جو پانسا رخ بدلا اس کا نقشہ پیش کیا گیا ہے، اسمیں جیتی ہوئی بازی کیوں پلٹ گئی، اسکی تفصیلات آئی ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کے گھیرے میں آنا، ام عمارہ کی بہادری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیر اندازی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کا شہید ہونا، ھندہ زوجۂ ابو سفیان کی درندگی رسول اللہ علیہ وسلم کا اظہار غم، شہدائے احد کی تدفین اور رسول اللہ علیہ وسلم کی تشویش اور منافقین مدینہ کا تمسخر اڑانا وغیرہ پر تفصیلی بحث آئی ہے اور فصل سولہ میں احد کے نتائج کا جائزہ لیا گیا ہے، اسمیں مدینہ میں مسلمانوں کی مراجعت سریہ ابو سلمہ، سریہ عبداللہ بن انیس، غزوۂ الرجیع، بنو نضیر کی جلاوطنی مدینے میں سکونت، قریش کی طرف سے دوسرے بدر کا پیغام جنگ اور مسلمانوں کی بدر ثانی کیلئے سروانگی وغیرہ وغیرہ ذیلی سرخیاں قائم کرکے ان پر اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ آخر میں غزوۂ ذات الرقاع اور غزوۂ دومۃ الجندل پر بحث کرکے فصل

سوال کا اختتام کیا ہے۔

سترہویں فصل تذکرۂ ازواجِ مطہرات کیلئے مختص ہے۔ اسمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی تفصیلات کے ساتھ مصنف نے کثرتِ ازواج سے متعلق مسیحی اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے اور ایسے دلائل پیش کئے ہیں کہ معترض لاجواب ہو جاتا ہے۔ نیز مصنف نے عقد کے مسائل پر بھی گفتگو کی ہے۔

فصل اٹھارہ جنگِ خندق (جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں) اور بنو قریظہ کی کارستانی پر روشنی ڈالتی ہے۔ اسمیں مصنف نے مسلمانوں کا خندق کھودنا، تکمیل خندق، کفار کے مورچے اور مسلمانوں کا محاذ وغیرہ پر اظہارِ خیال کیا ہے، اسکے ساتھ ہی بنو قریظہ کی بدعہدی کا ذکر بھی کیا ہے، پھر غزوۂ خندق میں کفار کے حملے کی ساری تفصیلات بیان کی ہیں۔ نیز حملہ آوروں کی پسپائی، بنو قریظہ کی شامتِ اعمال اور ان کے محاصرہ کا جائزہ بھی لیا ہے۔

انیسویں فصل میں مصنف نے بنو قریظہ کے استیصال سے لیکر صلح حدیبیہ تک کے تمام واقعات کا احاطہ کیا ہے، جس میں اسلام سے قبل عرب کے شہروں کی تمدنی حالت۔ ساتویں صدی عیسوی میں روم کا تمدن، روم میں عورت کا مرتبہ اور یورپ میں عورت کی درگت پر خصوصی طور پر بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اجتماعی اصلاحات کیں ان کی بھی نشاندہی کی گئی ہے پھر اسلام نے عورتوں کو جو مقام عطا کیا ہے۔ اس کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس سلسلے میں قرآن و احادیث کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ اسی میں غزوہ بنو لحیان اور غزوہ ذی قرد پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ حضرت عائشہؓ کا واقعہ افک کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ اس واقعہ پر مصنف کی گہری نظر ہے۔ اسلئے اس واقعے کے ہر پہلو کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے اور پھر ارشادِ ربانی پر کی ہے جس میں اللہ نے حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کی گواہی دی ہے۔

صلح حدیبیہ ہجرت مدینہ کی طرح سیرت نگاری کا ایک اہم موضوع ہے جس پر ہر سیرت نگار نے روشنی ڈالی ہے۔ محمد حسین ہیکل نے بھی "حدیبیہ" کے عنوان سے اس پر مفصّل بحث کی ہے۔ اس میں اوّل مسلمانوں کا اشتیاق طواف کعبہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے قریش اور مسلمانوں نے کعبہ کو جو اہمیت دے رکھی تھی، اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔ پھر آپ صلعم اور صحابہ کرام رضی کا زیارت کعبہ کیلئے مکہ کی طرف چل پڑنے کا ذکر کیا ہے۔ نیز یہ خبر سن کر قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو روکنے کے لئے جو پیش قدمی کی۔ تبھی اسکے نتیجہ میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تھا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کو ٹالنے کیلئے، صلح کرنے کیلئے جو پیش قدمی کی تھی اور کفار قریش نے جو جوابی اقدام کئے تھے اسکی مکمل تفصیلات بیان ہوئی ہیں اور آخر میں "شرائط صلح" کے تحت تاریخی صلح نامے کے تمام نکات پر روشنی ڈالی ہے، پھر بعد از تحریر معاہدہ جو واقعات رونما ہوئے ان کا احاطہ کیا گیا ہے۔

فصل نمبر اکتیس میں شراب کی حرمت اور غزوۂ خیبر سے لیکر غزوۃ القضاء تک کے واقعات کی تفصیل آئی ہے، اس سے پہلے شراب کی حرمت پر نوبت بہ نوبت جو آیات نازل ہوئیں ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور شراب کے حرام قرار دئے جانے کے بعد مسلمانوں کا جو ردِ عمل رہا اسکا احاطہ کیا گیا ہے، اسکے بعد غزوۂ خیبر کے مختلف واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، خصوصیت سے مصنف نے جو جنگ کا نقشہ کھینچا ہے اسکے مطالعہ سے جنگ کا میدان آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، جنگ کے بعد کے اہم واقعات مثلاً یہود کا انجام، زہر آلود گوشت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت تبلیغی وفود کی روانگی، بادشاہوں کے ہاں روانگی اور سلاطین کے نام مکتوبہ رسالت وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر عمرۃ القضاء کا مختصر حال بیان کیا گیا ہے بائیسویں فصل میں عمرۃ القضاء سے لیکر خالد بن ولید کے اسلام لانے

تک کے واقعات کا جائزہ لیا گیا ہے، مثلاً مکے میں مسلمانوں کا داخلہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت اللہ میں تشریف لانا اور قضائے عمرہ کے بعد مکے سے مراجعت وغیرہ، پھر خالد بن ولید کے قبولِ اسلام پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

فصل نمبر تینتیس میں غزوۂ موتہ اور غزوۂ سلاسل کا جائزہ لیا گیا ہے یہ فصل انتہائی مختصر ہے۔ اسمیں غزوۂ موتہ کے اسباب، لشکروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت، جعفر طیار کی شجاعت اور خالد بن ولید کی سپہ سالاری اور فتح یابی کے بعد نمازیانِ اسلام کی مدینہ میں آمد کا اختصار سے جائزہ لیا گیا۔ اسکے بعد غزوۂ ذاتِ سلاسل سے متعلق حرف اشارے کئے ہیں۔

فصل چوبیس: فتح مکہ بھی سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم موضوع ہے۔ اس لئے مصنف نے اس کا احاطہ کل بیس صفحات میں کیا ہے۔ فتح مکہ کے واقعات کے بیان سے قبل مصنف نے اہلِ روم پر مسلمانوں کی شجاعت کا اثر، قریش پر غزوۂ موتہ کے نتائج کا اثر اور ابوسفیان اپنی صاحبزادی "ام المومنین امِ حبیبہؓ کے دولت خانے پر" جیسے عنوانات قائم کرکے ان واقعات کا ذکر کیا ہے جو فتح مکہ کی تیاری سے قبل پیش آئے تھے، اسکے بعد فتح مکہ کی ساری تفصیلات کو بیان کیا ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ کی طرف کوچ کرنا، سیدنا عباس کا قبولِ اسلام، قریش کے وفد کا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کی گفتگو پر روشنی ڈالی گئی ہے" داخلۂ مکہ" کی تفصیلات، تطہیر کعبہ، بیت اللہ میں اذان، صلوٰۃ اور ناقابلِ معافی مجرموں کیلئے اذنِ قتل وغیرہ واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

فصل چھبیس غزوۂ ہوازن و طائف کیلئے مخصوص کی گئی ہے۔ اس میں پہلے غزوۂ ہوازن جو غزوۂ طائف سے پہلے واقع ہوا تھا پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں مصنف نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس فتح کیلئے مسلمانوں نے بڑی قیمت ادا کی تھی۔ اسکے بعد غزوۂ طائف کا ذکر کیا گیا ہے، مصنف نے طائف کے محاصرے سے اس غزوے کی ابتداء کی ہے، پھر آپ کی جنگی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نیز مالِ غنیمت پر بھی اظہارِ خیال کر کے فصل ختم کر دی ہے۔

"مراجعت مدینہ" اسکے بعد کی فصل کا عنوان ہے۔ مکے کی فتح اور طائف کے محاصرے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تھے اس کی تفصیلات اس باب میں بیان کی گئی ہیں۔ اسمیں خاص کر کے آپ صلعم کی بارگاہ میں وفود کا تشریف لانا اور اسلام کا قبول کرنا۔ بنت بنی سیدہ زینب اور سیدنا حضرت ابراہیم ؑ کی ولادت ازواج کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گلہ و شکوہ اور امہات المومنین کی باہمی رشک و رقابت کی وضاحت کی گئی ہے۔ ستائیسویں فصل غزوۂ تبوک اور وفاتِ سیدنا ابراہیم ؑ کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں پہلے مصنف نے غزوۂ تبوک کے واقعات پر روشنی ڈالی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت صاحبزادے سیدنا ابراہیم ؑ سے بھی اس پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے مصنف نے سیدنا ابراہیم ؑ کی علالت و وفات کا ذکر کیا ہے۔ نیز حضرت ابراہیم ؑ کی موت کے بعد کے ایک واقعے کو خصوصی طور سے بیان کیا ہے، یعنی حضرت ابراہیم ؑ کی موت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متعلقین رنجیدہ ہوئے تو اسی وقت سورج کو گرہن لگ گیا۔ بعض سادہ لوح مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے تعبیر کرنے لگے کہ " آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات پر آفتاب غم سے کالا پڑ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی طرف سے ہونے والی قیاس آرائیوں کی تردید فرمائی تھی۔ اس واقعے کو مصنف نے پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے

کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے غم و اندوہ کے موقعے پر بھی تبلیغِ رسالت کے فریضہ میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔

اٹھائیسویں فصل میں مصنف نے اُن وفود کا ذکر کیا ہے جنھوں نے غزوہ تبوک کے بعد اسلام قبول کیا تھا، ان میں وفد بنو ثقیف قابلِ ذکر ہے۔ اسکے بعد حج ابوبکر صدیق رض پر روشنی ڈالی ہے، نیز حضرت علی رض کی نیابت کا ذکر کیا ہے، اسکے ساتھ ہی منیٰ میں حضرت علی رض نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سورۃ براءۃ کی جو آیتیں مجمع عام کو پڑھ کر سنائی تھیں۔ اسکے عربی متن کے ساتھ مصنف نے اردو ترجمہ بھی پیش کیا ہے اور یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ اگر سورۂ براءۃ کی ابتدائی آیتوں کا بہ نظرِ غایت مطالعہ کیا جائے تو بین طور پر واضح ہوگا کہ انکے مفہوم میں جدید سلطنت کی تشکیل کا اشارہ ہے۔ اسکے علاوہ موجودہ تمدن کے خدوخال پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں صرف وفودِ عرب کے قبیلوں کے نام گنوائے ہیں۔

اُنتیسویں فصل عرب کے اہلِ کتاب سے لیکر خطبۂ حجۃ الوداع تک کے واقعات درج کئے گئے ہیں اور اس میں اہلِ کتاب اور بت پرستوں میں امتیاز از روئے قرآن، مسیح ابنِ مریم کی منزلت، عرب کے دوسرے وفود اور نجران کے عیسائیوں اور اہلِ یمن کا قبولِ اسلام کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اکبر کے اہتمام سے متعلق بحث کی گئی ہے پھر "مناسکِ حج کی ابتداء" کے عنوان کے تحت حج کے مختلف ارکان کو بیان کیا گیا ہے۔ جیسے تلبیہ اور ترویہ (تکبیر) وغیرہ۔ اسکے بعد آپ صلعم کا عرفات میں آنا اور خطبۂ حجۃ الوداع فرمانا وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے نکات کو مصنف نے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ وہ باتیں فوراً ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔ ایک ایک اہم نکتے کو بیان کرنے کیلئے مصنف نے ذیلی سرخیاں بنائی ہیں۔ مثلاً ادائے امانت، سود کی حرمت، جاہلیت کے قتل و جراحات پر خطِ تنسیخ، عملِ صالح جزوِ ایمان ہیں، مذہب

میں خارجی رسوم کا دخل منع ہے اور شوہر اور زوجہ کے باہمی حقوق کا تحفظ وغیرہ اور آخر میں دین کے مکمل ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، پھر آپ صلعم نے حج کے بقیہ اعمال کی جو تکمیل کی اس کا مختصراً احاطہ کیا گیا ہے۔

"حیات محمدؐ" کی تیسویں فصل از علالت تا بہ ارتحال کا احاطہ کرتی ہے اس میں مصنف نے اوّل حج اکبر کے بعد زائرین کے اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹنے کا ذکر کیا ہے پھر مدعیانِ نبوّت کاذبہؓ کے تحت اُن کاذب مدعی نبوّت کا پردہ فاش کیا ہے جو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرنے لگے تھے۔ بعد ازاں مصنف نے مسلمانوں کی شام پر چڑھائی کی تیاریوں کا ذکر کیا ہے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کی جا رہی تھیں اور جس کی کمان اسامہ بن زید کے ہاتھ تھی۔ لیکن اسامہ بن زید نے یہ مہم ملتوی کر دی۔ اس لیے کہ اسی اثناء میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم اچانک علیل ہو گئے تھے، دین اسلام کی تکمیل میں جو آیت کریمہ نازل ہوئی تھی، اُس سے حضرت ابوبکرؓ کو اشارہ مل چکا تھا کہ اب آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا وقت قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس آیت کو سنتے ہی رونے لگے تھے۔ مصنف نے اس باب میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی پوری تفصیل بیان کی ہے۔ مثلاً علالت کی شبِ اوّل میں گورستان جنت البقیع میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حالتِ مرض میں ام المومنین عائشہ صدیقہ کے ساتھ مزاح، جملہ حرم پاک کی طلبی اور حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کی تحریک، مسجد میں تشریف آوری، خطبے میں اپنی وفات کا اشارہ، انصار کے حق میں وصیت، سیّدہ فاطمہؓ سے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا راز اور شدّتِ کرب سے بار بار چہرے کو تر کر دینے کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ نیز مصنف نے وفات تک کے جزئی واقعات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

"تکملہ" کے عنوان کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کے حالات زیر بحث آئے ہیں۔ اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر سن کر صحابہ اور ام المومنین کی جو اضطرابی کیفیت تھی اس کا اظہار کیا ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ کی تقریر اور اس کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تقریر کے خلاصہ کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ نیز خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں صحابہؓ کے بیعت کرنے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پہلی تقریر کو من وعن پیش کیا ہے اور اس کے بعد "تدفین نبی کریم صلعم" کی ساری تفصیلات بیان کی ہیں، جن میں صورت تدفین، نماز جنازہ، تاریخ و یوم تدفین سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں اور آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وارثوں کیلئے کیا چھوڑا۔

اور کتاب کے آخر میں محمد حسین ہیکل نے اسلامی تمدن، قرآنی نقطہ نظر سے اور اسلامی تمدن اور مستشرقین" کے عنوان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کیلئے جو تمدن چھوڑا اسکی خصوصیات بیان کی ہیں، اسکے ساتھ ہی اسلامی تمدن اور مغربی تمدن کے فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ مغربی تمدن نوع انسانی کیلئے خطرناک ہے اور اسلامی تہذیب و تمدن ہی انسانی بقا کی ضامن ہے۔ اور اسی باب میں اسلام کے اہم ارکان پر بحث کی ہے اور ان کے فلسفہ پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر مستشرقین کے ان تصورات کا احاطہ کیا ہے جو اسلامی تعلیمات اسلامی تشریحات سے ٹکراتے ہیں، مثلاً مستشرقین کا اسلامی نظریۂ تقدیر پر خود ساختہ تصور، عزم ارادہ اور توکل کی غلط تشریح، مستشرقین کا تصورِ موت، عالم کون و مکاں کا چھ روز میں پیدا ہونے کی تردید، آدم و حوا کی تخلیق کے متعلق اختلافی نظریات وغیرہ اور آخر میں حیاتِ محمدؐ کی عظمت کا اظہار کر کے مصنف نے یہ کتاب اختتام کو پہنچائی ہے۔

اس ضخیم سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ

عہدِ جدید میں سیرتِ مبارکہ پر جن تحریروں کو سند کا درجہ دیا جاتا ہے، اُن میں محمد حسین ہیکل کی یہ کتاب "حیاتِ محمدؐ" صفِ اوّل کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں یہ کتاب کلاسیک کا درجہ اختیار کر چکی ہے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کتاب کے تراجم ہوئے ہیں، یہ تراجم اس بات کا ثبوت ہیں کہ دنیا کی مختلف زبانیں بولنے والوں میں یہ کتاب مقبول ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ مصنف نے اپنی کتاب کا مآخذ قرآن و احادیث کو بنایا ہے۔ اور سیرت کی قدیم کتابوں سے وہی روایات اخذ کی ہیں۔ جنھیں مستند قرار دیا گیا ہے۔ ان میں عربی اور انگریزی کی مستند کتابیں شامل ہیں۔ اور ان کی تعداد تقریباً اکتالیس ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کی اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی زندگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر گہری نظر ہے۔

"حیاتِ محمدؐ" اگرچہ عربی تصنیف ہے، مگر مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے اس کتاب کا ترجمہ اس خاص اسلوب سے کیا ہے، جس کی پختگی فنِ ترجمہ میں انھیں ایک بلند حیثیت عطا کرتی ہے۔ اس سے مولانا کی عربی دانی کا بھی پتہ چلتا ہے اسلئے کہ عربی اسالیب کی بلاغت پوری صحت کے ساتھ ترجمے میں منتقل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کمال یہ ہے کہ مولانا نے ترجمے کے ساتھ اردو و فارسی مصرعوں اور اشعار کو واقعات کے بیان میں اس طرح جوڑا ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ ان کی اس کوشش نے کتاب کی معنوی حیثیت میں اضافہ کیا ہے۔ ایک مثال پر اکتفا کروں گا۔

ابرہہ کے واقعہ (سورۂ فیل) کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ابرہہ نے تو اپنے معبد کو اس طرح جواہرات سے مرصع کیا جیسے دیکھ کر ماہ و انجم بھی شرم سے منہ چھپا لیں، لیکن کعبۂ ابراہیمی کے فدائیوں نے ابرہہ کے بتِ سیم تن کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ:

ہمیں معلوم ہے سب حال انکے حسنِ برہم کا — غرور اتنا نہ دکھلائے یہ زلفِ پُر شکن اپنا

"حیاتِ محمدؐ"[1] کے ترجمے میں موصوف نے فصیح و بلیغ زبان استعمال کی ہے۔ یہ نہ آزاد ترجمہ ہے، نہ لفظی ترجمہ، بلکہ یہ ایک ادبی ترجمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکی زبان میں تاثیر و دلکشی دونوں ہے۔ نمونہ کیلئے یہ اقتباس دیکھئے:

"الغرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک مکےؐ میں بدستور اقامت فرما رہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی طرف سے اپنے قتل کی سازش کا علم ہوگیا، اس وقت مکےؐ میں بہت کم مسلمان باقی رہ گئے تھے، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کیلئے صرف وحی الٰہی کا انتظار تھا، جسکی ساعت بھی آ ہی گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معًا ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور انھیں یہ خبر سنائی۔ ابوبکرؓ نے اس سفر میں اپنی معیّت کی درخواست عرض کی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا ———— "[1]

مختصر یہ ہے کہ اردو میں سیرتِ نبویؐ کے ذخیرۂ ادب میں "حیاتِ محمدؐ" اہم اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔ انگریزی زبان میں بھی یہ کتاب جو بنام "The Life of Mohammad" ترجمہ ہوئی ہے۔ ایک مایہ ناز ترجمہ ہے جس کے مترجم فلسطینی ادیب اسماعیل راگی الفاروقی ہیں۔ اس کتاب کے پبلشر نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

This is the first biography of Prophet Mohammed (Peace be upon him) written by a Centemperary Muslim Scholar. It includes Complete Coverage of the prophet's life, a detailed analysis of pre-Islamic Arabea, the situational context of revolation and a comparative study of the basis of Islamic and western Civilizations.

---

[1] محمد حسین ہیکل "حیاتِ محمدؐ" ص 233

# مولانا نور الدین عبد الرّحمٰن جامی

نویں صدی ہجری کے نامور عالم اور برگزیدہ صوفیوں میں مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامیؔ کا شمار ہوتا ہے۔ فارسی ادب میں شاعری کے حوالے سے جامیؔ ایک جلیل القدر شاعر کی حیثیت سے اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ جامیؔ ضلع جام کے قصبہ خرجرد میں ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ مطابق 7 نومبر 1414ء کو پیدا ہوئے اور ہرات میں ۸ محرم ۸۹۸ھ مطابق ۹ نومبر 1492ء میں وفات پائی۔ ان کا خاندان دشت میں آباد تھا جو اصفہان کے نواح میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ یہی وجہ ہے جامیؔ نے شروع میں دشتی تخلّص اختیار کیا، جامیؔ کے والد نظام الدین احمد نے دشت کو خیرباد کر کے علاقہ جام میں سکونت اختیار کی اور اسی نسبت سے وہ 'جامیؔ' کہلائے۔

جامیؔ نے ہرات اور سمرقند میں علومِ اسلامی اور تاریخ و ادب کی تعلیم پا کر کمال حاصل کیا۔ پھر تصوّف و عرفان کی طرف متوجّہ ہوئے اور سعد الدین محمد الکاشغری کو اپنا روحانی خلیفہ بنایا۔ ان کا سارا وقت مطالعہ، شعر و شاعری اور روحانی مجاہدات میں بسر ہوتا تھا۔ انہوں نے دنیوی جاہ و منزلت کی خاطر کبھی کسی دربار کا رُخ نہیں کیا، نہ قصائد کہہ کر کسی کی خوشامد کی۔

جامیؔ کی ادبی نگارشات کی ایک طویل فہرست ہے۔ ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کی تخلیقی قوّت کس قدر زیادہ تھی۔ مختلف علوم میں ان کی نظر نہایت گہری تھی، نیز زبان اور طرزِ بیان پر پوری دسترس حاصل تھی۔ مولانا کی بیش تر

تخلیقات اگرچہ نثر میں ہیں، لیکن موصوف کو شہرت ان کی شاعری سے حاصل ہوئی۔ ان میں "ہفت اورنگ" (سات مثنویوں کا مجموعہ) اور غزلیات کے تین مجموعے شامل ہیں۔

شعر و شاعری کے علاوہ جامی نے متعدد کتابیں اور رسائل تصنیف کئے ہیں سام مرزا صفوی نے ان کی تصانیف کی تعداد 45 بتائی ہے جبکہ مولانا عبدالغفور لاری نے ان کی تعداد 54 بتائی ہے۔ جن میں تفسیر، شرح احادیث، تحقیق اور سیرت النبیؐ جیسے موضوعات شامل ہیں۔ ان میں اشعۃ اللمعات، شرح فصوص الحکم، یوسف زلیخا، لوامع، لوائح، ترجمہ اربعین حدیث، شرح ملا جامی تحفۃ الاحرار، نفحات الانس، سلسلۃ الذہب، بہارستان اور شواہد النبوت خصوصیت کے ساتھ مشہور زمانہ ہوئیں۔

زیر نظر کتاب "شواھد النبوت" مولانا جامی کی شاہکار تصنیف ہے۔ اس کتاب میں حضرت جامی نے بڑے محبت بھرے انداز میں روایات، حکایات اور شواہد کو بیان کیا ہے۔ جن سے سرکار دو عالم کی سیرت طیبہ کے خدوخال سامنے آتے ہیں۔ وہ بڑی عقیدت کیساتھ ان واقعات کو قلم بند کرتے جاتے ہیں جو محبوب خدا کی بارگاہ میں پھول بنکر پیش کرنے کے قابل ہیں۔

مولانا جامی کا طرز تحریر دوسرے دور جدید کے سیرت نگاروں سے مختلف ہے فاضل مصنف نے صرف ان شواھد پر اکتفا کیا ہے جن سے عظمت رسولؐ جھلکتی ہے۔ اور قاری کے دل میں محبت رسولؐ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ادبی اعتبار سے "شواھد النبوت" فارسی نثر کا ایک حسین مرقع ہے جو اپنی سادگی، تسلسل بیان اور فصاحت و بلاغت میں ایک یادگار کی حیثیت رکھتی ہے۔ نفحات الانس کی طرح مولانا موصوف نے "شواھد النبوت" بھی اپنے احباب کی فرمائش پر لکھی تھی۔ خصوصًا اپنے دوست خاص امیر علی شیر نوائی نے بڑے خلوص سے

درخواست کی کہ سرکار دو عالم ﷺ کی سیرتِ پاک، صحابہ اور تابعین کے حالات اور تبع تابعین سے لیکر صدرِ اوّل تک کے صوفیہ کے واقعات پر مشتمل ایک کتاب تصنیف کی جائے۔ چنانچہ ۸۸۵ھ میں مولانا جامی نے یہ کتاب مکمل کرلی اسکی مادۂ تاریخ بھی نکالی۔

در آں وقت اتمام آں دست داد    کہ "تمۃ" بود تاریخِ سال !!
۸۸۵ھ

اس کا فارسی ایڈیشن آج سے 70 سال پہلے مطبع نول کشور نامی لکھنؤ نے طبع کرایا۔ اسکے بعد یہ کتاب کم یابی کی وادی سے نکل کر نایابی کے غار میں گم ہوگئی۔ اس کتاب کی افادیت کے پیشِ نظر جناب بشیر حسین ناظم نے اسے اردو لباس میں جلوہ گر کردیا ہے اور سرکارِ دو عالم کی حیاتِ مقدسہ کے وہ شواہد جو ایک عاشقِ رسول ﷺ نے فارسی میں جمع کئے تھے، ایک نعت خوان رسول ﷺ نے اردو میں منتقل کردیا اور محل پبلی کیشنز دہلی نے 1989 کو شائع کیا۔

"شواھد النبوۃ" بڑی تقطیع کے 433 صفحات پر مشتمل ہے، اسکی ترتیب میں ایک مقدمہ، سات ارکان اور خاتمہ شامل ہے۔ مقدمہ سے پہلے آغاز میں خدا کی حمد وثنا بیان کی ہے۔ اور کلمۂ شہادت جو اسلام کا اوّل اہم رکن ہے۔ اس کی تفصیلات بیان کی ہیں اور اس بات کی طرف ہماری توجہ دلائی ہے کہ کلمۂ شہادت دو جزوں پر مشتمل ہے۔ ایک میں وحدانیت کا ذکر ہے۔ دوسرے میں رسالت ونبوت کا اقرار ہے، یعنی کلمۂ شہادت دوسرے ٹکڑے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا یہاں مصنف کو نبی ﷺ کی عظمت بتانا مقصود ہے۔

مقدمے میں مصنف نے نبی اور رسول کے معانی اور ان کے متعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ نبی کا مفہوم بتاتے ہوئے موصوف کہتے ہیں۔

" نبی ایک ایسی ذات سے عبارت ہے جس پر بطریقِ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف

سے شریعت نازل ہوتی ہے اور اس شریعت سے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی عبادت کے کوائف بیان ہوئے ہیں اور جب وہ اس بات پر مامور ہو کہ اس شریعت کو لوگوں تک پہنچائے تو اسے رسول کہتے ہیں ۔۔۔۔" [1]

اسکے بعد مصنف رسول اور اولو العزم رسول کے فرق کو بھی بتاتے ہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بتائی جائے ۔ اسکی تصدیق کیلئے مولانا نے قرآن و حدیث کے حوالے بھی دیئے ہیں ۔ مثلاً قرآن کا ارشاد ہے ۔ "تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض" (یہ رسول ہیں ۔ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی) اور آپ صلعم نے ارشاد فرمایا،

"انا ولد آدم ولا فخر" (میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور یہ بڑائی کی بات نہیں) اسکے ساتھ ہی وہ آپ صلعم کی شریعت و آپ صلعم کے لائے ہوئے قرآن کو بھی دوسری شریعتوں اور آسمانی کتابوں سے افضل تر بتاتے ہیں فرماتے ہیں :

"حضور سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں اور تمام لوگوں بلکہ جن و انس کیلئے مبعوث ہوئے ہیں اور آپ صلعم کے دین کے ظہور سے تمام ادیان و ملل منسوخ ہو گئے ہیں اور جب سے قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے، تمام سابقہ آسمانی کتابوں کے احکام منسوخ ہو گئے ہیں ۔ آپ کی نبوت و رسالت کے کمال نے نبوت و رسالت کے دروازے پر انقطاعِ نبوت کی مہر لگا دی اور حضور علیہ السلام کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے ۔ اب آپ کی دعوت کے سوا تمام دعوتیں رد کی گئی ہیں ۔۔۔۔" [1]

بہر حال اچھی بحث کی ہے ۔۔ اور آئندہ بحث میں آنے والے عظمت

---

[1] نور الدین عبد الرحمن جامی / مترجم بشیر حسین ناظم "شواہد النبوت" (اردو) ص 24

شواہد کو اس مجموعے سے تقویت ملتی ہے۔ اصل کتاب کا آغاز "رکنِ اوّل" سے ہوتا ہے۔ اس میں مصنف نے ولادتِ باسعادت سے پہلے کے 30 شواہد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، بیان کئے ہیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی روزِ اوّل ہی سے آسمانی دنیا میں لکھا ہوا تھا، تورات، انجیل، زبور اور قدیم کتب میں آپ صلعم کی آمد کی خبر، انبیائے بنی اسرائیل کی زبانوں پر ذکرِ رسول ؐ، راہب کی پیشن گوئی کاہنوں کی زبان پر ذکرِ مصطفیٰ، حضرت عبدالمطلب کا خواب، نورِ مصطفیٰ، حضرت عبداللہ کی پیشانی میں واقعہ اصحابِ فیل اور ولادتِ رسول ؐ پر ابلیس کا واویلا وغیرہ۔ مصنف نے مذکورہ بالا پیشن گوئیوں اور واقعات کو حضور اکرم صلعم کے زمانۂ اقدس کے قریب ہونے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامتیں قرار دی ہیں اور یہ بحث 25 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

رکنِ دوم اُن 37 شواہد کا احاطہ کرتا ہے جو نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے بعد میں آئے۔ ان شواہد کی ابتداء مصنف نے آپ صلعم کی شبِ ولادت سے کی ہے۔ اس میں سیدہ آمنہ کی زبانی شبِ ولادت میں جو نادر واقعات پیش آئے، اس کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً ولادت کے قریب حضرتِ آمنہ پر ہیبت طاری ہونا اور ایک سفید پرندے کا آپ ؐ کے جسمِ اطہر پر ملنا اور خوف و ہراس کا زائل ہو جانا، روحوں کا حضرت آمنہ رض کے اردگرد جمع ہو جانا۔ آپ ؐ کا مشرق و مغرب میں تین جھنڈوں کا دیکھ لینا، آپ ؐ کے پیدا ہوتے ہی آپ صلعم کا سر بہ سجود ہونا اور بادل کے ٹکڑے کا نمودار ہو کر آپ صلعم کو عالم کی سیر کرانا وغیرہ، اسی طرح ستاروں کا زمین پر اتر آنا، نورِ مصطفیٰ کے سامنے تمام دنیاوی روشنیوں کا ماند پڑ جانا، کعبے میں بتوں کا سرنگوں ہو جانا قصرِ کسریٰ کے چودہ میناروں کا زمیں بوس ہونا، حضورِ اکرم کا حلیمہ کی گود میں آنا اور

حلیمہ سعدیہؓ کی قسمت جاگ اٹھنا، حلیمہ کا گھر برکات کا گھر بن جانا، بنو سعد کی چراگاہوں کا سرسبز وشاداب ہوجانا، بادل کا سر پر سایہ کرنا، شق الصدر کا ہونا اور راہب بحیرہ کی پیشن گوئی وغیرہ پر بحث کی ہے اور کل ولادت کے بعد کے 37 شواہد پیش ہوئے ہیں جو تقریباً تیس صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

بعثت سے ہجرت تک کے شواہد "رکن سوم" میں پیش ہوئے ہیں۔

اس میں بھی مصنف نے سابقہ انداز ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شواہد پر روشنی ڈالی ہے۔ اور آغاز ایام وحی اور وقتِ نزول سے کیا ہے، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ حرا میں نبوت کے اعلان کرنے کا حکم ہوا اور پہلی آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور آپؐ گھبرا کر گھر تشریف لائے اور واقعہ بیان کیا۔ پھر حضرت خدیجہؓ آپ صلعم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے یہاں لے گئیں اور ورقہ نے آپ صلعم کی نبوت کی تصدیق کی۔ اس واقعے کی ساری تفصیل مصنف نے بیان کی ہے۔ نیز بعض واقعات کو پیش کیا ہے جن سے بعثتِ نبویؐ سے متعلق شواہد ملتے ہیں، جیسے اکثم بن صیفی کا قصہ۔ امیہ بن ابی الصلت کا قصہ، قصہ عشقلان بن ابی العوالم سطیح جسنی کا قصہ اور اسقفِ اسکندریہ کا قصہ وغیرہ۔

اسکے علاوہ حضرت عمر بن خطابؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ لکھا ہے۔ اس واقعہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس واقعے میں مولانا نے ایک ایسی روایت کا ذکر کیا ہے جسے حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے ضمن میں اور سیرت نگار بیان نہیں کرتے۔ ان سیرت نگاروں کے یہاں یہ واقعہ ملتا ہے کہ حضرت عمرؓ آپ صلعم کے قتل کے ارادے سے نکل پڑے تھے کہ راستے میں ایک دوست سے ملاقات ہوئی انھوں نے حضرت عمرؓ کو غیض وغضب کی حالت میں دیکھ کر پوچھا۔ "کہاں کا ارادہ ہے؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "حضرت محمدؐ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ اپنے گھر کی

پہلے خبر لو۔ حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ اسوقت دونوں میاں بیوی قرآن پڑھ رہے تھے۔ اُن آیات نے آپ کا دل پھیر لیا اور آپ حضور صلعم کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کیا۔ مولانا نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ھے کہ ابو جہل نے آپ صلعم کے قتل کیلئے انعام کا اعلان کیا، یہ انعام سو اونٹ سرخ، سو اونٹ سیاہ، اور ایک ہزار وقیہ چاندی پر منحصر تھا۔ ابو جہل کی تقریر سن کر آپؓ اپنی مہم پر نکل پڑے۔ مولانا نے اس واقعے کی وضاحت یوں کی ھے ـــ

"..... میں شمشیر حمائل کر کے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے چل پڑا آخر ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک بچھڑے کو ذبح کیا جا رہا تھا۔ اس جگہ کھڑا ہو گیا، تاکہ انکی کارکردگی کا مشاہدہ و معائنہ کروں۔ اس بچھڑے سے یہ آواز سنائی دی کہ اس شخص کی بہتری و فتح مندی کیلئے بہترین کام ھے جو فصیح و بلیغ زبان میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دعوت دے۔ میں نے یہ خیال کیا کہ یہ خطاب مجھ سے ہی ہو رہا ھے۔ پھر میں ایک ایک بکرے کے پاس سے گذرا تو ہر ایک سے وہی آواز سنائی دی جو بچھڑے سے آئی تھی ..... اسوقت مجھے یقین ہو گیا کہ ان باتوں کا مصداق میں ہوں ـــ "[1]

مصنف نے اس واقعے کو بغیر کسی حوالے کے بیان کیا ھے۔ اگرچہ کہ مولانا واقعات کی تصدیق کسی نہ کسی حوالے سے ضرور کرواتے ہیں۔ واقعے کے آگے کی تفصیل وہی ھے جو سیرت کی کتابوں میں موجود ھے۔ یہاں مولانا یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی تصدیق جانوروں نے بھی کی ھے۔ بعد ازاں بعثت سے متعلق اور شہادتیں پیش کی ہیں۔ مثلاً شام کے قافلے میں حضورؐ کی بعثت کے چرچے، ابو جہل کا لرزہ بر اندام ہونا، قصّہ عتبہ بن ابی لہب، سلمان نجاشی

---

۱۔ نور الدین عبدالرحمن جامی / مترجم بشیر حسین ناظم "شواہد النبوت" (اردو) ۹۴۴

شاہِ حبشہ کے دربار میں، حبش کے عیسائی علماء دربارِ رسالت میں، شبِ معراج کو بیت المقدس کے سفر پر شہادتیں۔ ابوجہل اونٹ کے منہ میں۔ بنو ہاشم درہ ابی شعب میں وغیرہ، ہر واقعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی شہادت دی ہے۔

اس سلسلے کا اہم واقعہ (معجزہ) چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا ہے، اسکو مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ نیز شہادتِ بعثت کے دوسرے واقعہ مثلاً جنات کا اسلام قبول کرنا، بیعتِ رضوان کا واقعہ، اور بتوں کی گواہی دینا وغیرہ پیش کرکے رکنِ سوم کو ختم کیا ہے۔ یہ بحث صفحہ 85 سے 113 پر پھیلی ہوئی ہے۔

رکنِ چہارم میں ہجرت سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک کے واقعات درج ہیں۔ مصنف نے اس رکن کو دو حصوں میں منقسیم کیا ہے، حصہ اول میں ایک سو اکتالیس 141 شواھد پیش کئے ہیں جبکہ حصہ دوم میں اٹھانوے شواہد بیان کئے گئے ہیں۔

حصہ اوّل کے شواھد میں پہلے ہجرت کے سفر سے لیکر مدینہ منورہ میں تشریف آوری تک کے واقعات کا احاطہ کیا ہے۔ مثلاً ہجرت کی پہلی رات کو آپ صلعم کا حجرے سے باہر نکلنا اور مٹھی بھر مٹی ان رذیلوں پر پھینک کر ظالموں کی صفوں سے صاف ذبح کر نکل جانا۔ غارِ ثور کے منہ پر ایک درخت کا اُگ آنا اور مکڑی کا غار کے منہ پر جالا تن جانا سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں کا زمین میں دھنس جانا، اُم معبد کی بکری کا دودھ دینے لگنا۔ خشک درخت کا سبز ہونا، سلمان فارسی کا اسلام قبول کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمانا وغیرہ واقعات پیش کر کے فاضل مصنف یہ بتاتے ہیں کہ یہ تمام واقعات سے آپ صلعم کی بعثت کی توثیق ہوتی ہے۔ ایسے متعدد واقعات کا اس باب میں حصہ اول میں احاطہ کیا گیا ہے اور جن واقعات کی تفصیل اس حصے میں آئی ہے، انکی ذیلی سرخیاں یہ ہیں۔

بنو قریظہ کے یہودیوں کا اعترافِ حق، بیمار اونٹ شفایاب ہوگیا۔ میدانِ بدر
تمہارا مشرکین کا مقتل بن گیا، عقبہ کا حشر، میدانِ بدر میں نصرتِ ایزدی، بدر
میں فرشتے مشرکین کو قیدی بناتے رہے، حضرت عباسؓ قیدی کی حیثیت سے
بارگاہِ نبوت میں، عکاشہ کی لاٹھی تلوار بن گئی۔ حضرت خبیبؓ کا کٹا ہوا ہاتھ
درست ہوگیا۔ حضرت قتادہؓ کی زخمی آنکھ ٹھیک ہوگئی۔ خون کے پیاسے دامنِ اسلام
میں۔ غیب کی باتیں حضور کی زبان پر۔ فرشتے میدانِ احد میں، حضرت عبدالرحمن بن
عوفؓ کی مدد کرتے ہیں۔ میدانِ احد میں جنگِ مغلوبہ۔ حضورؐ کے ہاتھوں کی خاک
ذریعۂ شفا ہے۔ عصائے مصطفیٰ کی برکت۔ غزوۂ بنی مصطلق میں غیبی امداد،
جنگِ خندق کی چٹان کی چنگاریاں روم و صنعاء کے محلات پر گریں۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ کے مقدر کا فیصلہ فرمایا۔ اور حضرت جابرؓ کی ضیافت میں
برکت وغیرہ۔

اس رکن کے دوسرے حصہ میں بھی کمالاتِ نبوت پر مزید شواہد و دلائل جمع
کئے ہیں، ان میں وہ شواہد بیان ہوئے ہیں، جن سے آپ صلعم کے فیوض و برکات
کی نشاندہی ہوتی ہے، اسمیں ہرنی کی فریاد رسی اور اسکی زبان سے کلمۂ طیبہ کے ورد کا
جاری ہونا، بھیڑیے کا گواہی دینا، پانی کی خاصیت کا بدل جانا اور بارش میں بھی آپ صلعم
کے ارشاد کی برکت سے کپڑے کا تر نہ ہونا۔ سوکھے درخت کا پھل دینے لگنا، شجر و حجر
کی شہادت، اونٹ کا سجدہ کرنا اور درخت کا سلام کرنا وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے
اسکے علاوہ بھی اس میں متعدد واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ رکن قدرے طویل ہے، اسلئے کہ اس میں مصنف نے کل 239 شواہد پیش
کئے ہیں۔ جو ایک سو بیس صفحات پر مشتمل ہے۔

رکنِ پنجم میں ان دلائل و شواہد کا ذکر کیا گیا ہے، جن کا کسی خاص وقت سے
تعلق نہیں ہے۔ اسکے علاوہ اس میں ان دلائل کا بھی مذکور ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات کے بعد ظہور میں آئے تھے۔

اس رکن کی ابتداء آپ صلعم کے پسینہ مبارک سے کی گئی ہے اور اس میں آپ صلعم کی پسینہ کی خوشبو کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ آپ صلعم جس راستے سے گذرے تھے وہ راستے خوشبو سے معطّر ہو جاتے اور بعد میں ان راستوں پر گذرنے والے سمجھ جاتے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم اس راستے سے گذرے ہیں۔

گذرے جس راہ سے وہ سیّد والا ہوکر رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہوکر

اسی طرح آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے استعمال کئے کپڑے کو آگ جلا نہ سکی حضور اکرم کے لعاب دہن سے کھارا پانی میٹھا ہو گیا، حضور کے وضو کے پانی کی برکت، نگاہِ رسولؐ کی وسعت، کمال فصاحت، حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس کی خیر و برکت، قرآن کریم حضور اکرم کا معجزہ وغیرہ۔ عنوانات قائم کرکے مصنف نے دلائل نبوت پیش کئے ہیں۔

بعد ازاں ان دلائل و شواہد کا ذکر کیا ہے جو حضور انور صلعم کے وصال کے بعد ظہور میں آئے۔ اس میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی بشارت اور انکی عظمت کا حال بیان ہوا ہے جو آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان سے متعلق ارشاد فرمائے تھے اور اس ضمن میں متعدد روایات مولانا نے بیان کی ہیں۔ یہ بتانے کیلئے کہ جو ذات آپ صلعم سے قربت رکھتی ہے اللہ تعالیٰ اسکی عظمت کو بھی بڑھا دیتا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے۔

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ حضورؐ مجھے بعد از وفات اپنے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیے، حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو وہاں کیسے دفن ہو سکتی ہے، وہاں تو صرف میرے لئے۔ ابوبکرؓ کیلئے عمرؓ کیلئے اور حضرت عیسیٰؑ کیلئے جگہ ہے" (صفحہ پر حوالہ)

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت کی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی تھی۔ ان پر مولانا جامی نے روشنی ڈالی ہے، اسکے علاوہ جنگ جمل کے واقع ہونے اور حضرت علیؓ کے اس جنگ میں فتح یاب ہونے کی طرف بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے۔

رکن ششم میں وہ دلائل و شواہد بیان کئے گئے ہیں جو صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظام سے ظہور میں آئے۔

بعد ازاں مولانا جامی نے اس رکن میں کرامات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور گستاخان شیخین کی سزاؤں کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

آخر میں "خاتمہ" عنوان قائم کر کے مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی نے اس میں ان سزاؤں کا ذکر کیا ہے جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں، دشمنوں اور بے ادبوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت ادب، رعایت شریعت و طریقت نہ کرنے پر ملیں، مصنف ان واقعات کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار کرتے ہیں۔ اسی لئے ان واقعات کو اس کتاب کے آخری حصّے میں جگہ دی ہے۔ اور اس ضمن میں دس واقعات کی تفصیل بیان کی ہے۔[1]

'شواہد النبوت' فارسی ادب کی ایک شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ جس میں مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی نے بڑے عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور خلفائے راشدین کے پاکیزہ حالات کے بارے میں دلی جذبات محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ بے شک یہ سیرت نبوی، زبان و بیان کی چاشنی اور خلوص متقائق کی بنا پر ادب عالیہ کا حسین ترین نثری مرقع ہے۔ اس کا ترجمہ عربی میں بھی ہو چکا ہے۔[2]

---

1 نور الدین عبد الرحمٰن جامی / اشتیاق حسین ناظم شواہد النبوت (اردو) ص 244,45

2 کا حوالہ محل پبلی کیشنز 1989

اس کتاب کے اردو ترجمے سے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ جناب بشیر حسین ناظم نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر بڑی محنت اور عرق ریزی سے نہایت دلکش پیرائے میں اس کتاب کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، لیکن اگر مترجم کو دونوں زبانوں میں دسترس حاصل ہے تو وہ آسانی سے ان دشوار گذار راستوں سے بھی نکل سکتا ہے، جناب بشیر حسین ناظم کو کئی زبانوں پر قدرت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب ھٰذا کا انہوں نے ایک ایسا ترجمہ پیش کیا ہے، جس پر طبع زاد ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

بشیر حسین ناظم کے ترجمے کی خوبیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کتاب کے پیش لفظ میں ارشد میر رقم طراز ہیں ۔

"یہ کہنا تو شاید غلو کے زمرے میں آجائے گا کہ ترجمہ شدہ کتاب اصل کے مطابق یا اس سے بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ ایک زبان کا مزاج دوسری زبان کے مزاج سے بالکل بیگانہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک زبان کا اسلوب، جملوں کی بناوٹ اور الفاظ کی نشست و برخاست کو دوسری زبان میں من و عن منتقل کرنا نا ممکن ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص مولانا جامیؒ کی اصل کتاب سے واقف نہ ہو اور جناب ناظم کی زیر نظر کتاب کو پڑھ لے تو وہ اس کتاب کو ترجمہ شدہ نہیں بلکہ طبع زاد سمجھنے پر مجبور ہوگا۔"[1]

بیانِ ھٰذا کی تصدیق کیلئے حسب ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

" قرآنِ کریم و فرقانِ حکیم آپ ﷺ کے معجزاتِ طاہرہ و باہرہ میں سے ہے اور یہ ایک معجزہ ہی نہیں، بلکہ یہ ہزارہا معجزوں کا حامل ہے کیوں کہ اسکی ایک چھوٹی سی سورۃ (مثال کے طور پر "سورۂ کوثر") ایک بڑا معجزہ ہے جسکی مثال بیان کرنے میں

---

[1] نورالدین عبدالرحمٰن جامی، بشیر حسین ناظم شواہد النبوت (اردو) ص ۱۲ 1982

قوتِ بشری عاجز و قاصر رہی ہے اور رہے گی۔ اس فصاحت و بلاغت نظام کلام کے معجزہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ عرب کے تمام فصیح و بلیغ ادیب اسکی مثال بیان کرنے سے عاجز آ گئے اور ایسا کلام نزولِ قرآن سے پہلے یا بعد اور کہیں نہ ملا۔[1]

---

[1] نور الدین عبدالرحمٰن جامی / مترجم بشیر حسین ناظم "شواہد النبوۃ" (اردو) ص 40-239 محل پبلی کیشنز، دہلی 1989

# شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

اکبر اعظم کے آخری عہد میں وہ بزرگ ہستی نمایاں ہوئی، جس نے عہد جہانگیری میں اپنی علمی و دینی جہانگیری کا سکہ بٹھا دیا اور جس نے دہلی کو شاہی دارالسلطنت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے علوم دین کا دارالسلطنت بنا دیا جسکی نسبت اہل علم کا اعتراف ہے کہ اول کسے کہ تخم حدیث در ہند کشت او بود اگرچہ کہ نئی تاریخ کی روشنی میں یہ پرانا مقولہ صحیح نہیں۔ تاہم معنوی حیثیت سے اس مقولے کی سچائی میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ مولانا شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی ذات وہ ذات ہے جس نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے خزانے کو وقف عام کیا اور دل پسند محققانہ تصانیف کے ذریعہ سے علمائے ظاہر و باطن دونوں کی محفلوں سے تحسین وآفرین کی داد وصول کی۔

مولانا شیخ کا اسمِ گرامی محمد عبدالحق بن سیف بن سعداللہ ترک دہلوی بخاری ہے آپ کے آباواجداد اصل میں بخارا کے رہنے والے تھے جو دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے اور یہیں عبدالحق محدّث دہلوی کا ۹۵۸ ھ میں جنم ہوا۔ ابتداء میں اپنے والد ماجد سے علوم کی تحصیل کی۔ پھر مکہ معظمہ جاکر شیخ عبدالوہاب متقی کے حلقۂ درس میں بیٹھے اور ان سے صحاح ستہ کا درس حاصل کیا۔ اور انکے مرید بھی ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو اپنے استاد اور پیر سے جو عقیدت تھی اس کا اندازہ "اخبار الاخیار" کے صفحات سے ہو سکتا ہے۔ مولانا موصوف نے ہندوستان آکر دہلی میں اقامت اختیار کی اور اپنی تصنیفات جلیلہ کے ذریعہ فن حدیث کو ہندوستان کے خطہ خطہ میں پھیلا دیا اور تقریباً سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں اور یہ کتابیں ورسالے طریقہ تصوف "التوحید" تفسیر، شرح حدیث اور شاعری پر مبنی ہیں

آپ کی مشہور تصانیف میں "لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی)
اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (فارسی) شرح سفر السعادۃ، اخبار الاخیار، جذب
القلوب الی دیار المحبوب، جامع البرکات، مرج البحرین، زبدۃ الآثار، زاد المتقین،
فتح المنان فی مناقب النعمان، شرح فتوح الغیب اور تکمیل الایمان وتقویت الایقان
کا شمار ہوتا ھے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی مشہور و مقبول تصنیف "مدارج النبوۃ
فارسی زبان میں ہے، جس کا اردو ترجمہ مولانا الحاج مفتی معین الدین نعیمی نے کیا ہے
زیر نظر کتاب کو ادبی دنیا دہلی نے 1989 میں شائع کیا۔ دراصل یہ کتاب 30 جون
1967ء میں اردو کے قالب میں ڈھالی گئی تھی۔ ہو سکتا ھے کہ اسکے متعدد ایڈیشن ہند و پاک کے
مختلف اداروں نے شائع کئے ھوں۔

مدارج النبوۃ ۱۲۶۹ھ میں فخر المطابع دہلی سے ۷۴-۱۲۷۱ھ میں مظہر العجائب
پریس سے طبع ہوئی تھی 1867 اور 1880 میں لکھنؤ سے اس کے دو ایڈیشن شائع
ہوئے۔ اس سیرت کے قلمی نسخے انڈیا آفس (کتاب نمبر 717 - ۱۰۹۵ھ کا نسخہ ہے
بانکی پور (کتاب نمبر 49 جلد 6 ۱۱۶۲ھ کا نسخہ ھے) جرمنی کتاب نمبر ۹۰۰
برٹش (کتاب نمبر Rien 863) میوزیم کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

زیر مطالعہ کتاب "مدارج النبوۃ" دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد آٹھ سو آٹھ
صفحات اور دوسری جلد ایک ہزار اسی صفحات پر مشتمل ہے، یہ سیرت جس زمانے
میں لکھی گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا پرستی کی لعنت نے عزم وراستی کی روح کو مردہ
کر دیا تھا، شریعت وسنت سے بے اعتنائی بڑھ رہی تھی۔ علماء کے دامن حرص وہوا
میں آلودہ تھے، صوفیا دنیا پرستی میں غرق تھے۔ اکبری دور کے ملحدانہ خیالات کی رَو میں
جاہ پرست علماء کے قدم ڈگمگانے لگے تھے۔ سرمایۂ ملت منتشر ہو گیا تھا۔ قرآن و
حدیث سے ربط ٹوٹ چکا تھا، الحاد و زندقہ حکمت واجتہاد کے دلفریب عنوان کو

پھیلایا جارہا تھا ۔

؎ غرض فتنوں کی شوریدہ سری اک رنگ لائی تھی

ایسے حالات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایمان کی شمع روشن کی ۔ انھوں نے مسلمانانِ ہند کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درسِ حدیث کے ذریعہ منظم کردیا اور ان میں دینی غور و فکر کی وہ صلاحیتیں ابھاریں، جنھوں نے مسلمانوں کے معاشرے میں ایک نئی جان ڈال دی ۔

یہی وہ حالات تھے جو "مدارج النبوت" کی تصنیف کا محرک بنے ۔ ایسے حالات میں ضروری تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو مکمل طور پر پیش کرکے کفر و الحاد کے طلسم کو توڑ دیا جائے ۔

جلد اوّل : اس جلد کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے قسم اول میں گیارہ ابواب قائم کئے ہیں اور دوسری قسم چار ابواب پر مشتمل ہے، یعنی کل پہلی جلد پندرہ ابواب پر مبنی ہے ۔

" کتاب کا آغاز "شانِ نبی" کی وضاحت سے ہوا ہے ۔ جس میں آپ صلعم کی اولیت و آخریت اور شانِ ظاہر و باطن کو ثابت کیا گیا ہے، اس مضمون کو سیرت کی تمہید کہنا چاہیئے ۔ اسلئے کہ اصل کتاب کی ابتداء قسم اوّل کے باب اوّل سے ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا بیان ہوا ہے ۔ اس میں مولانا نے انتیس (۲۹) ذیلی عنوانات بنائے ہیں، یہ وہ عنوانات ہیں جن سے آپ صلعم کا سراپا سامنے آجاتا ہے ۔ جیسے چہرۂ انور، چشم مبارک، گوشہائے مبارک، جبین مبارک، دندانِ مبارک، تبسم شریف، آواز مبارک اور سر مبارک وغیرہ، دوسرے باب میں اخلاق حمیدہ و صفاتِ کریمہ کا احاطہ کیا ہے، اس میں آپ صلعم کے علم و عقل صبر، حلم، عفو، تواضع، ادب، حسنِ معاشرت، جود و سخا، حیائے مبارک، شفقت رحمت، وفا و حسنِ وعدہ، صلہ رحمی، عیادت، عدل و امانت اور زہد وغیرہ پر تفصیلی

گفتگو کی ہے۔ نیز قرآن پاک میں مذکورہ صفات و خصائل مبارک پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ تیسرے باب میں وہ فضائل و شمائل زیر بحث لائے گئے ہیں جنکی تصدیق قرآن و حدیث سے ہوتی ہے۔ مثلاً نور و سراج منیرا کا بیان، خدا کا حضورؐ کی قسم یاد فرمانا، درود و سلام، تفسیر سورۂ فتح، سورۂ کوثر اور سطوت و غلبہ ربوبیت وغیرہ، چوتھا باب، آپ صلعم اور آپؐ کی امت کا وہ ذکر جو گذشتہ کتابوں میں مذکور ہے، کا احاطہ کرتا ہے، پانچویں باب میں اُن فضائل کا ذکر کیا ہے جو آپ صلعم اور دیگر انبیائے کرام میں مشترک ہیں۔ اسکے علاوہ معجزات (متعلق پر احکام شرعیہ) خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا مسئلہ، حضورؐ کے ناموں پر نام رکھنے کی فضیلت، بارگاہِ نبوتؐ میں بلند آواز سے بات کرنے کی ممانعت، اُمتِ محمدیہ کے خصائص و فضائل اور معراج شریف پر روشنی ڈالی ہے، اسمیں معراج کے واقعے پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلعم کو معراج جسمانی اور بصورت بیداری میں ہوئی تھی۔

باب ششم میں صرف ان کمالات کا ذکر کیا گیا ہے، جو آپ صلعم کیساتھ مخصوص ہیں۔ اس میں اُن معجزات کا تفصیلی بیان ہے، جو صحت نبوت و رسالت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا معجزہ، عظیم معجزہ قرآن کریم، معجزۂ شق القمر، سورج کے پلٹنے کا معجزہ اور اسی قبیل کے معجزے جیسے انگشت مبارک سے پانی جاری ہونا۔ کم پانی کا زیادہ ہونا۔ حیوانات کا کلام کرنا، اطاعتِ حیوانات، نباتات و جمادات اور مریضوں کا شفایاب ہونا وغیرہ کو تفصیل کیساتھ پیش کیا ہے۔ ساتواں باب بہت ہی مختصر ہے جس میں اسمائے باری تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرف کرنے کا بیان ہے۔

آٹھویں باب میں عالم آخرت کے مخصوص درجات اور فضائل و کمالات کا جائزہ لیا گیا ہے جس میں کوثر کی تقسیم اور شفاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر روشنی ڈالی گئی ہے

نویں باب میں اُن حقوق کا تذکرہ ہے جن کی رعایت و پاسداری تمام مخلوق پر واجب ہے، مثلاً ایمان، طاعت اور اتباع وغیرہ۔ اس میں آداب بارگاہ نبوت، علامات محبت رسول، صحابہ کرامؓ کی تعظیم و توقیر، اہل بیت و ازواج مطہرات کی تعظیم و توقیر، مقامات مقدسہ یعنی متعلقات نبویؐ کی تعظیم و توقیر، مقامات درود و سلام اور فضائل درود و سلام وغیرہ عنوانات پر بحث کی گئی ہے۔

دسواں باب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات پر مبنی ہے، اسمیں پہلے محدث نے عبادت کی تعریف بیان کی ہے اور اسلام میں اسکی اہمیت کا ذکر کیا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا طریقہ جو بعثت سے پہلے تھا، اسکی وضاحت کی ہے اور اس بارے میں علماء کا جو اختلاف ہے، اسکی بھی نشاندہی کی ہے۔

بعد ازاں صاحب "مواہب لدنیہ" کی ترتیب عبادت کی طرح آپ نے بھی عبادت کی سات اقسام بنائی ہیں، اور ان پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے، اول طہارت پر روشنی ڈالی ہے، اسمیں مسواک، پانی کی مقدار، وضو کا طریقہ اور غسل کا بیان موجود ہے۔ دوم نوع میں نماز کا بیان ہے، اس سے نماز کی اہمیت، فرضیت، ذکر اذان، نماز کی کیفیت، سجدہ، دعا، نماز جمعہ، خطبہ جمعہ، مختلف نمازیں (نماز تہجد، نماز چاشت، نماز عید، نماز جنازہ) وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی ہے نوع سوم میں زکوٰۃ کا اور نوع چہارم میں روزے کا ذکر کیا ہے۔ نوع پنجم حج و عمرہ کے بیان میں ہے، نوع ششم، عبادات و اذکار دعوات و استغفار کے بیان میں ہے اور نوع ہفتم میں تلاوت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

گیارھویں باب میں کھانے پینے کے آداب نیز نکاح کرنے اور سونے کے آداب بتائے گئے ہیں۔ اس میں خصوصیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذائے مبارک کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلعم کو کونسی چیز پسند تھی اور کیوں، پھر ان غذاؤں کو کھانے کا مسنون طریقہ بھی بتایا گیا ہے، پھر آپ صلعم کے لباس مبارک

انگشتری مبارک، نعلین مبارک اور بستر مبارک کی تفصیلات دی گئی ہیں، اسکے بعد آپ صلعم کے نکاح مبارک کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز کثرت تزویج رسولؐ پر اظہار خیال کیا ھے۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب و استراحت کا جائزہ لیا گیا ھے۔

اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے قسم اوّل میں پندرہ ابواب قائم کر کے مذکورہ بالا موضوعات پر مدلّل بحث کی ھے۔

جلد دوم: مدارج النبوت حصّہ دوم ایک ہزار اسّی صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مولانا محدث نے چار قسموں میں چار ابواب بنائے ہیں۔ اور سیرت کا اختتام ایک تکملہ سے کیا ھے۔ حصّہ دوم کا آغاز باب اوّل سے ہوتا ہے۔ اس میں آپ صلعم کے نسب شریف، ایام حمل، ولادت و ایام رضاعت سے بحث کی گئی ھے۔ مصنف نے پہلے آپ صلعم کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ آپ صلعم کے نور ہی سے اللہ نے عرش، کرسی، لوح و قلم، جنت و دوزخ، ملک و فلک، انسان و جنات، آسمان و زمین اور تمام مخلوقات پیدا فرمائے، پھر آپ صلعم کا نور آدمؑ کی پیشانی میں رکھ کر فرشتوں کو سجدہ کرنیکا حکم دیا۔ اسکے بعد آپ صلعم کا نسب شریف، عدنان تک بیان کیا ھے اور لکھا ہے کہ بعد کے سلسلہ نسب میں اختلاف ھے مگر اس بات میں علمائے جمہور کا اتفاق ھے کہ آپ صلعم اولاد حضرت اسماعیلؑ سے ہیں اور حضرت ابراہیم، حضرت نوحؑ اور حضرت ادریسؑ آپ صلعم کے اجداد میں سے ہیں۔ بعد ازاں آپ صلعم کے اجداد میں حضرت عبدالمطلب، حضرت ہاشم، حضرت عبد مناف، حضرت قصی، حضرت کلاب، حضرت مرہ بن کعب حضرت لوی بن غالب حضرت فہر، حضرت مدرکہ، حضرت الیاس، حضرت مضر، حضرت نزار اور حضرت معد بن عدنان کا مختصر ذکر کیا ھے۔

اسی باب میں واقعۂ فیل، چاہ زمزم کی دوبارہ تلاش کرنا، حضرت عبداللہ

کا حسن و جمال ، حضرت آمنہ سے ، آپ کا نکاح ، ایامِ حمل اور آپ صلعم کی ولادتِ مبارک سے متعلق کافی معلومات بہم پہنچائی ہیں ۔ خاص کر ولادت مبارک کے تمام واقعات پر اظہارِ خیال کیا ہے ۔ نیز ایامِ رضاعت پر روشنی ڈالی ہے ، اسمیں آپ صلعم کا دائی حلیمہ کے ہاں قیام اور شق صدر کے واقعات کو مفصّل لکھا ہے اور یہ بحث کل سینتیس 37 صفحات پر آئی ہے ، اس سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ مصنف نے کتنی تفصیلات اس باب میں بیان کی ہیں ۔

باب دوم میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی کفالت ، عبدالمطلب کا وصال ، ابو طالب کی پرورش اور ان کے ساتھ آپ صلعم کا سفر وغیرہ کا احاطہ کیا گیا ہے ۔ اس میں حضرت آمنہ کی وفات کے بعد حضرت عبدالمطلب کی تربیت و پرورش اور ان کی آپ صلعم سے محبّت و انسیت کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ نیز عبدالمطلب کی وفات کے بعد کے واقعات جسمیں ابو طالب کے ہمراہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی سفر بھی شامل ہیں ، ذکر کیا گیا ہے اور اس سفر میں راہب بحیرہ نے آپ صلعم سے متعلق جو پیشن گوئیاں دی تھیں ، ان پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ۔ پھر آپ صلعم کا حضرت خدیجہ کا سامانِ تجارت لے جانا ، حضرت خدیجہ کا آپ صلعم کو پیغامِ نکاح بھیجنا ، اور نکاح کے واقعات بیان کئے ہیں ۔ بعدازاں اسی باب میں تعمیرِ کعبہ اور حجرِ اسود کے نصب کرنے کا بیان بھی آیا ہے ۔

باب سوم میں وہ تمام واقعات جمع کر دئے گئے ہیں ۔ جو ابتدائے وحی سے لیکر ہجرت تک ظہور میں آئے تھے اس میں مصنف نے وحی کی تعریف ، ثبوتِ نبوت ظہور ، دعوتِ اسلام ، کفار کی دشمنی و عداوت ، حبش کی جانب صحابہ کی پہلی ہجرت ، ابو طالب کی وفات ، سیّدہ خدیجہ رضؓ کا وصال ۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ طائف اور جنات کا بیعت کرنا وغیرہ پر مفصل بحث کی ہے ۔ اسی باب میں سیّد الشہدا ، حضرت حمزہ رضؓ و حضرت عمر رضؓ کا اسلام قبول کرنا ، قریش کا عہد

نامہ لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خاندان کو شعب ابوطالب میں مقید کرنا حضرت ابوطالب کا وصال، سیدہ خدیجہ کی وفات اور مدینہ منورہ سے قوم انصار کی آمد اور ان کی طرف سے ہجرت کی ترغیب وغیرہ واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب چہارم، قضیۂ ہجرت اور اسکے ابتدائی واقعات پر مشتمل ہے جو تمام خیر و برکت کے ابواب کی کنجی ہے، اس میں ہجرت کے سفر کی ساری تفصیلات بیان ہوئی ہیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اشارہ پہلے منجانب اللہ ہوا تھا کہ آپ صلعم کو ہجرت کرنی ہے، لیکن مقام اور وقت نہیں بتایا گیا تھا، اس سے قبل کئی صحابہ کرام رض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے خفیہ طور پر مدینے کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ مگر حضرت عمر رض نے علی الاعلان ہجرت کی تھی۔ مولانا نے اسکی تفصیل بھی لکھی ہے، اس کے بعد آپ کی ہجرت جو حضرت ابوبکر رض کے ہمراہ ہوئی تھی، کا ذکر کیا ہے۔ گھر سے غار ثور اور غار ثور سے مدینہ منورہ کی آمد تک کا احوال مفصل بیان ہوا ہے۔ مولانا کی ان واقعات کے جزئیات پر بھی نظر ہے۔ جن پر عام طور پر سیرت نگاروں کی نظر نہیں جاتی۔ مثلاً یہ اقتباس دیکھیے۔

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نہایت سرعت اور جلدی میں سامان سفر اور زادراہ تیار کیا تھا، ہمارے پاس اس وقت ایسی کوئی ڈوری نہیں تھی جس سے زادراہ کو باندھتے، اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنا کمر بند کھولا۔ عرب کی عورتوں کی عادت تھی کہ وہ تہ بند کے اوپر کمر بند باندھتی ہیں۔ پھر اس کمر بند کے دو ٹکڑے کئے۔ ایک سے توشہ کا دہانہ باندھا اور دوسرے ٹکڑے سے کمر باندھی۔ اس بنا پر ان کو "ذات النطاقین" یعنی دو کمر بند والی کہتے ہیں ------ ۱"

---

۱۔ حوالہ حسب بالا

مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک کے واقعات کو قسم دوم پر ختم کیا ھے اور قسم سوم سے مدنی زندگی کے واقعات کا آغاز ہوتا ھے ۔ اس قسم میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ہجرت کے بعد کے واقعات کو بہ اعتبار سنِ ہجری تحریر کیا ہے ، اسلئے ہر سن کے واقعات کو مستقل ایک ایک باب میں تقسیم کیا ھے ۔ پہلی ہجری میں جو واقعات پیش آئے ، ان میں مسجدِ قبا کی تعمیر ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام ، اہل بیت کا مدینہ تشریف لانا مسجدِ نبوی کی تعمیر ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمانا ، اذان کا حکم ، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام ، نماز کی تعداد میں اضافہ اور عاشورہ کا روزہ وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں ۔ ان موضوعات پر بحث بیس صفحات پر پھیلی ہوئی ھے

دوسری ہجری کے واقعات میں تحویل قبلہ ، حضرت فاطمۃ الزہرہ کا نکاح ، زکوٰۃ ، روزۂ رمضان ، نمازِ عید فطر اور صدقہ فطر کی فرضیت اور جہاد و قتال کا حکم وغیرہ بیان ہوئے ہیں ۔ نیز غزوۂ الواء ، غزوۂ عشیرہ ، غزوۂ بدرِ اولیٰ ، سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ، غزوۂ بدر ، سریہ عمیر رضی اللہ عنہ بن عدی ، غزوۂ قرقرۃ الکدر ، سریہ سالم رضی اللہ عنہ بن عمیر ، غزوۂ قینقاع ، نمازِ عیدِ قربان و قربانی اور غزوۂ سویق وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ھے ۔ تیسری ہجری کے واقعات میں غزوۂ غطفان ، غزوۂ نجران ، سریہ قردہ ، غزوۂ احد ، سریہ رجیع ، سریہ ابوسلمہ مخزومی اور سریہ عبداللہ بن انیس کا احاطہ کیا گیا ھے اور اسی باب میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ، حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کی شہادت نیز مسلمان عورتوں کی خدمت گذاریاں اور آپ صلعم کا زخمی ہونا وغیرہ واقعات بھی آگئے ہیں ۔

چوتھی ہجری میں صرف چند واقعات ہی رونما ہوئے ۔ ان میں سریہ بیر معونہ

---

۱ عبدالحق محدث دہلوی 'مدارج النبوت' حصہ دوم ص 97 ادبی دنیا (دہلی) 1989ء

غزوۂ بنی نضیر اور غزوۂ بدرِ صغریٰ کے علاوہ زانی پر رجم کرنا، چوری پر ہاتھ کاٹ دینا، اور شراب کی حرمت جیسے اہم احکام اسی ہجری میں صادر ہوئے غزوۂ مریسیع، آیتِ تیمم، حضرت عائشہؓ کے ہار کی گمشدگی، غزوۂ خندق غزوۂ بنو قریظہ، احکامِ شرع میں حضور صلعم کا اختیار، غزوۂ دومۃ الجندل اور سریۂ ابو عبیدہؓ بن الجراح، پانچویں ہجری کے اہم واقعات ہیں جن پر محدث عبدالحق نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

چھٹی ہجری کے آدھے سے زیادہ واقعات میں غزوات و سرایے حاوی ہیں ان میں غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ بنو لحیان، سریہ محمدؓ بن مسلمہ (بسوئے بنی کلاب، بنی ثعلبہ، بجانب نجد) غزوۂ ذی قرد، سریہ عکاشہؓ بن محصن سریہ زیدؓ بن حارثہ، بر موضع جموم سریہ، زیدؓ بن حارث بر موضع عیص، سریہ زید بن حارث بسوئے بجنش، سریہ عبدالرحمنؓ بن عوف (بسوئے بنی کعب) سریہ علیؓ مرتضیٰ (بسوئے فدک) اور سریہ عبداللہؓ بن رواحہ پر مصنف نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اسکے علاوہ اس باب میں حج کی فرضیت، عمرۂ حدیبیہ صلح نامہ حدیبیہ، سلاطین کی طرف وفود کا روانہ کرنا۔ مکتوبِ رسولؐ بنام نجاشی شاہِ حبشہ، ہرقل شاہِ روم، قیصر شاہ فارس، حارث بن ابی شمر غسانی مکتوبِ رسولؐ بجانب ملکِ عمان، ملکِ بحرین اور ام رومانؓ کی وفات وغیرہ کی تفصیلات بھی آئی ہیں، اور یہ باب قدرے طویل ہے، اسلئے مذکورہ موضوعات تقریباً 80 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

ساتویں ہجری کے جن اہم واقعات کا مصنف نے انتخاب کیا ہے، اسکی تفصیل یہ ہے غزوۂ خیبر، حضرت صفیہؓ اور اُمّ حبیبہؓ کا حضور صلعم سے نکاح۔ یہود کا آپؐ صلعم کو زہر دینا، حضرت علی مرتضیٰ کی نمازِ عصر کیلئے آفتاب کا لوٹ آنا، خر کے گوشت کی حرمت، گھوڑے کے گوشت کا حکم، لہسن و پیاز کا حکم فتح فدک غزوۂ وادی القریٰ

اور عمرۃ القضاء وغیرہ۔

اسکے بعد آٹھویں ہجری کے واقعات کا موصوف نے احاطہ کیا ہے اور اسمیں سریہ غالبؓ، سریہ موتہ، سریہ عمرو بن العاص (بجانب ذات السلاسل) سریہ الخبط، فتح مکہ، خانہ کعبہ سے بتوں کا ہٹانا، فتح مکہ کے بعد مدت اقامت اور فیصلہ مقدمات، غزوہ حنین، فتح قلعہ طائف، حضرت ابراہیمؓ بن رسول اللہ صلعم کی ولادت، سیدہ زینبؓ بنت رسول اللہ صلعم کی وفات، منبر شریف کی تعمیر اور وفد عبد القیس کی آمد وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے، اس باب میں مصنف نے سریہ موتہ، فتح مکہ اور غزوہ حنین پر تفصیلی بحث کی ہے۔ دیگر عنوانات پر اختصار سے کام لیا ہے۔

نویں ہجری کے واقعات میں زکوٰۃ کی وصول یابی کیلئے عمال کی روانگی اور واقعہ ایلاء پر پہلے روشنی ڈالی ہے، واقعہ ایلاء پر قدرے تفصیل سے بحث کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک مہینے کیلئے جو علیحدگی اختیار کی تھی، اسکے حوالے سے مولانا عبد الحق محدث نے ایلاء کے مفہوم کو سمجھایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء اور امتی کے ایلاء میں فرق ہے، یہ بحث انتہائی معلوماتی ہے، اسی باب میں رجم کے دو واقعہ (عامدیہ شبعیہ اور حضرت ماعزؓ) غزوہ تبوک، غزوہ جیش العسرت، مسجد ضرار کے گرانے کا حکم، غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والوں کا ذکر، رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی موت، شاہ حبشہ نجاشی کی وفات، حج مبارک درامارت حضرت ابو بکر صدیقؓ اور قضیہ لعان کو جگہ دی ہے۔ پھر دسویں ہجری کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ جن میں سریہ حضرت خالد بن ولید، حجۃ الوداع، غدیر خم (منزل غدیر خم پر کہی گئی حدیث "کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمانوں میں انکی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہوں) جیش جریرؓ بن عبد اللہ، حضرت ابراہیمؓ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی وفات اور صورتِ بشری میں حضرت جبرئیل ؑ کی آمد پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔

قسمِ سوم کا آخری باب گیارھویں ہجری کے واقعات پر مشتمل ہے، جس میں مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں رونما ہونے والے دیگر واقعات پر روشنی ڈالی ہے، اس میں پہلے مسلیمہ کذاب کے حالات لکھے ہیں، جس نے آپ صلعم کی حیات ہی میں نبوت کا دعوی کیا تھا۔ پھر اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد سجاح بنت الحارث جو مدعیانِ نبوت تھے، ذکر کیا ہے، اسکے بعد سریہ زید بن اسامہ کا تذکرہ کر کے قسمِ سوم کو ختم کیا ہے۔

قسمِ چہارم میں مولانا موصوف نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے آخری لمحات کا احاطہ کیا ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے سلسلے میں جو واقعات پیش آئے، جیسے آپ صلعم کی علالت، زمانہ علالت کے اہم واقعات، حضرت ابوبکر ؓ کو امامت فرمانے کا حکم، قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت، اس وقت کے گھریلو حالات (غربت وغیرہ) انصار کے حق میں وصیت کرنا، رحلت کے قریب آپ صلعم کا مسواک کرنا، ملک الموت کا اجازت طلب کرنا اور حضرت خضر کی آمد وغیرہ، ذیلی عنوانات قائم کر کے مصنف نے آخری ایام کی تصویر کھینچی ہے۔ پھر آپ صلعم کے غسل، تجہیز وتکفین اور نماز وصلوٰۃ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اسکے ساتھ ہی ذکرِ غم والم، قبر الانور اور مسجدِ نبوی کی زیارت، خصائص موت وتقسیم میراث اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ پر گفتگو کی گئی ہے۔

قسمِ پنجم مدارج النبوت حصۂ دوم کی آخری قسم ہے، جس میں دس ابواب قائم کئے گئے ہیں۔ اور مختصر طور پر ان کے مشمولات پر بحث کی گئی ہے۔ مثلاً باب اوّل میں ذکرِ اولادِ کرام (فرزندانِ رسول ؐ ودختران رسول ؐ) باب دوم میں آپ صلعم

کے ازواجِ مطہرات اور باندیوں کا ذکر، باب سوم میں آپ صلعم کے چچا، پھوپی اور رضاعی بھائیوں کا ذکر، باب چہارم میں، آپ صلعم کے خدام اور بارگاہِ نبوت کے خدمت گذار عورتوں کے حالات، باب پنجم میں دوست، مددگار، غلام اور ہم سائیوں کا ذکر ہے۔ باب ششم میں مخالفینِ بارگاہِ رسالت کا بیان ہے۔ باب ہفتم میں کاتبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور باب ہشتم میں آپ صلعم کے سفرا اور قاصدوں کا بیان ہے، باب نہم میں عمال (قبائل سے اموال و صدقات وصول کرنے والے) اور باب دہم میں آپ صلعم کے مؤذنین، خطیب، شعراء اور حُدی خوانوں کے تذکرے ہیں اور باب یازدہم میں آپ صلعم کے اسلحہ و آلاتِ حرب، مویشی گھریلو سامان، انگشتری، موزے اور عمامہ مبارک کا جائزہ لیا گیا ہے ۔

قسم پنجم میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جتنی معلومات فراہم کی ہیں اور اس سلسلے میں جتنے نام گنوائے ہیں، غالباً کسی سیرت نگار نے اپنی کتاب میں اتنی معلومات یکجا نہیں کی ہیں۔ اس اعتبار سے سیرت مدارج النبوت کے یہ آخری ابواب کافی اہمیت کے حامل ہیں ۔ اور یہ مشمولات 770 سے 1049 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، اس سے ان کی فراہم کردہ معلومات کی ضخامت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

اس ضمن میں شمس بریلوی فرماتے ہیں :

"—— جلد دوم کے آخری ابواب یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام عمات، برادرانِ رضاعی، جدات، خدامِ بارگاہ، موالی، محافظین، کاتبانِ وحی سفرا، عمال، خطاطم، مؤذنین، حُدی خوانان اور شعرائے بارگاہِ رسالت کے احوال میں تفحص اور ان کا استقصاء قابلِ داد ہے، حضرت محدث دہلوی سے پہلے اس مہم کو کوئی دوسرا سیرت نگار سر نہیں کر سکتا تھا ——" ۱

---

۱ـ عبدالحق محدث دہلوی / مترجم غلام معین الدین نعیمی "مدارج النبوت" حصہ دوم 1989

آخر میں مصنف موصوف نے "تکملہ" کے ساتھ مدارج النبوۃ کا اختتام کیا ہے ، یہ تکملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صفات کاملہ پر مبنی ہے جن کو اہل معرفت نے اپنی زبان میں بیان کیا ہے"

" مدارج النبوت " رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیات مقدسہ ایسی دستاویز ہے، جس کا مطالعہ اور جس سے استفادہ، آپ کے بعد آنیوالے ہر سیرت نگار نے کیا ہے، اس کتاب میں سیرت پاک ﷺ کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو، اسی لئے کتب سیر میں اسکو انفرادی حیثیت حاصل ہے۔ یوں تو عربی، فارسی اور اردو زبان میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن اس برصغیر ہندوپاک میں دو کتابیں بہت مشہور ہوئیں۔ علامہ شبلی نعمانی کی "سیرۃ النبی ﷺ" اور مولانا قاضی سلیمان منصور پوری کی "رحمۃ للعالمین ﷺ" ان کی شہرت اور مقبولیت کا باعث ان کا انداز بیان اور طرز استدلال ہے۔ حضرت محدث دہلوی کی مایہ ناز تصنیف "مدارج النبوت" چونکہ فارسی زبان میں تھی اسلئے عوام تک نہ پہنچ سکی ورنہ تحقیق و تفحص اور طرز استدلال میں موصوف جس بلندی تک پہنچے ہیں، وہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں ہوسکی —

اس سیرت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے موضوعات بڑی تلاش و تحقیق کے بعد ہی صفحہ قرطاس پر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت محدث جابجا حوالوں کی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ایسی کتابوں سے حوالے دیتے ہیں، جن کو اہل علم نے تسلیم کیا ہے، حضرت محدث نے خصوصی طور پر مواہب لدنیہ، روضۃ الاحباب، فتح الباری، طبری، سفر السعادت، الاعتدال، ابو النعیم کے رسائل، جمع الجوامع، طبرانی، حاکم کی مستدرک، صحیح بخاری، مسلم شریف، موطا، ابوداؤد اور ترمذی سے استدلال کیا ہے اور شمائل نبوی ﷺ اور سیرت پاک کے

بیان میں ان کی روایتوں پر نظر رکھی ہے ۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جہاں کہیں ایک ہی واقعہ کا تاریخ یا مقام پر متعدد روایتیں یا مختلف آراء موجود ہیں، وہاں وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کرتے، بلکہ مختلف روایتوں کو جوں کا توں پیش کر دیتے ہیں، یہ انکی بالغ نظری اور تاریخی درایت و احتیاط کا انداز ہے ۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ان دو جلدوں میں سرور دو عالم ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کے ہر پہلو کو پیش کیا ہے، پیغمبر اسلام کی حیاتِ طیبہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جہاں آپ ﷺ کی نظر نہ پہنچی ہو اور جس پر آپ نے محققانہ روشنی نہ ڈالی ہو ۔

اور چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس تصنیف کے ذریعہ سے حضرت محدث نے عہد اکبر میں اٹھنے والے فتنوں کا سدِ باب کیا ہے ۔ مثلاً عہد اکبری کا ایک زبردست فتنہ " نظریہ " تھا، اسکی رو سے یہ خیال عوام میں پھیلایا جا رہا تھا کہ اسلام کی مدت صرف ہزار سال تھی، اس مدت کے خاتمے کے ساتھ ساتھ احکام اسلامی اور شریعتِ اسلامی کی اتباع کی ضرورت بھی ختم ہو گئی ۔

شیخ محدث نے نہایت ہی شد و مد اور قوت و استقلال کیساتھ اس غلط نظریہ کی تردید کی اور بتایا کہ احکام اسلامی ہر زمانے اور ہر قوم کیلئے ہیں ۔ انکے لئے زمان و مکان کی پابندیاں بے معنی ہیں ۔

مدارج النبوت میں ایک باب " حقوقِ آنحضرت ﷺ " پر ہے، جس میں شیخ محدث نے بتایا ہے کہ کلمۂ توحید کے دو حصے ہیں، ایک وحدانیت، دوسرا رسالت، یہ دونوں حصے ایمان کیلئے لازمی جزو ہیں، اس اعلان سے بھی ایک زبردست گمراہی کا سدِ باب مقصود تھا، اکبری دور میں بہت سے لوگ اس گمراہی میں مبتلا کر دئے گئے تھے کہ ایمان کی تکمیل صرف وحدانیت پر اعتقاد رکھنے سے ہو جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور شریعت " مذہب اور ایمان کے لازمی جزو نہیں ۔

بہر حال شیخ محدث نے اپنے مخصوص اندازِ تحریر میں سیرتِ طیبہؐ کے جو واقعات مرتب کئے تھے، فاضل مترجم نے بڑی خوبی کیساتھ اسکو فارسی زبان سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ ترجمہ شستہ، رواں، اور دلکش ہے۔ ترجمے کی روانی کا یہ عالم ہے کہ ترجمے پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ نمونۂ ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

"۔۔۔۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نبوّت کے گیارھویں سال حج کے زمانے میں منیٰ میں عقبہ کے قریب تشریف فرما تھے کہ مدینہ منوّرہ کے قریب خزرج کا ایک گروہ حضورؐ کی خدمت میں آیا حضورؐ نے ان کو دعوتِ اسلام دی اور قرآنِ مجید سنایا اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے منصبِ رسالت عطا فرمایا ہے، اگر میری متابعت کروگے تو دنیا و آخرت میں نیک بخت و سعادت مند ہوگے انھوں نے چوں کہ مدینہ منوّرہ کے یہودیوں سے سن رکھا تھا کہ نبیِ آخر الزماں کے ظہور و بعثت کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ جب انھوں نے حضورؐ کی باتیں سنیں اور آپؐ کے جمالِ باکمال کا مشاہدہ کیا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے "خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہے جن کے بارے میں یہودی کہا کرتے ہیں ۔۔۔۔" [1]

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی "مدارج النبوّت" حصۂ دوم ص 84 ادبی دنیا دہلی 1989

# مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

"تاریخ اسلام" مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی شہرۂ آفاق تالیف ہے جو مولانا کی برسہا برس کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اور بلاشبہ ایک مفصل اور مستند تاریخ ہے، فنِ تاریخ مسلمانوں کا خصوصی فن ہے، مسلمانوں نے ہی اسے ایک باقاعدہ فن کا درجہ دیا۔ اسکے اصول وضوابط مرتب کئے۔ اور تاریخی روایات اور خرافاتی قصّہ کہانیوں کے درمیانی فرق کو واضح کیا۔ تاریخی روایات کو پرکھنے اور کھرے کھوٹے کے مابین امتیاز کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اور اس فن میں ابنِ قتیبہ، ابنِ خلدون ابنِ خاکان اور ابوالفداء اسماعیل جیسے یگانۂ روزگار ماہرین پیدا کئے۔

ہندوستان میں اسلامی تاریخ لکھنے والوں میں سرِ فہرست مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کا نام ہے، جنھوں نے تاریخِ اسلام کی تین جلدیں مرتب کی ہیں۔ ان میں صرف پہلی جلد کے دو ابواب کا تعلق میرے مقالے سے ہے اور دو ابواب ابتدائے اسلام سے لیکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ پر مشتمل ہیں۔ تاریخ اسلام کے کئی ایڈیشن آزادئ ہند سے قبل شائع ہو چکے ہیں۔ اسکی پہلی اشاعت غالباً ۱۳۴۳ھ میں ہوئی ہوگی۔ یہی سن ہجری پیش لفظ کے اختتام پر درج ہے۔

لیکن زیرِ نظر ایڈیشن آزاد ہندوستان میں چھپا، پہلا ایڈیشن ہے، جسے تاج کمپنی، دہلی نے 1989ء میں شائع کیا تھا۔ "تاریخ اسلام" جلد اوّل کی ابتداء مصنف کے پیش لفظ سے ہوئی ہے۔ اس میں مورخ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر زمانے میں جس قدر نبی، مصلح، پیشوا اور بانیانِ مذاہب گذرے ہیں

انھوں نے اپنے پیروی کرنے والوں کو ہدایت کا سبق دیا تھا اور یہی توحید باری تعالیٰ مشترک مسئلہ تھا جو انکی تعلیمات میں پایا جاتا تھا، اور جب تک یہ بانیان مذاہب زندہ رہے ان کے ماننے والوں نے ان کی تقلید کی اور جب یہ دنیا سے رخصت ہوئے اور اس پر صدیاں گذر چکیں تو پھر انسان حیوانوں سے بھی بدتر خون آشام و مردم کش درندہ بن گیا، ایسی حالت میں جب کہ تمام دنیا تیرہ و تار ہو چکی تھی - بہ قول مورخ ان سابقہ مذاہب کے ماننے والوں کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنے بانیوں کے ارشادات پر غور کرتے، یعنی مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اہل دنیا نے اپنے بانیوں کے ارشادات کو بھلا دیا جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری دی گئی تھی اور ان سے یہ تقاضہ کیا گیا تھا کہ وہ آپ صلعم کا عہد پائیں تو انکی پیروی کریں. اس بحث میں مولانا موصوف نے ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کا خصوصی ذکر کیا ہے، اس لیے کہ انکی مقدس کتابوں میں آپ صلعم کی بعثت کا تذکرہ موجود ہے -

بعد ازاں مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ اسلام ہی ایک واحد مذہب ہے جسکی تعلیمات سے اس دنیا کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تئیس سال کی مختصر مدت میں عرب دنیا کا بہترین ملک اور عرب کے جاہل وحشی لوگ ساری دنیا کے معلم اور سب سے زیادہ مہذب و با اخلاق بن گئے اور صرف اسی سال کے عرصہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مذہب کے ماننے والے بحر اطلانطک سے بحر الکاہل تک کا احاطہ کر لیا اور اسلام کے یہ واقعات تاریخ کا ایک حصہ بن گئے۔

اسکے بعد مورخ نے مسلمانوں کے ایک شاندار کارنامے کی طرف اشارہ کیا ہے - یعنی مسلمانوں کی فن تاریخ سے دلچسپی، اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں.

" اقوام عالم میں صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جو سب سے زیادہ شاندار تاریخ

رکھتی ھے - اور سب سے بڑھ کر اپنے بزرگوں کے کارناموں کی نسبت ایسا یقینی علم حاصل کر سکتی ھے جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ھے ۔۔۔ "[۱]

اور آگے چل کر افسوس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ

" مسلمان جو سب سے زیادہ شاندار تاریخ رکھتے ہیں وہی سب سے زیادہ اپنی تاریخ سے بے پروا اور غافل نظر آتے ہیں ۔۔۔ "[۲]

اسکے ساتھ ہی وہ اس بات پر فخر بھی محسوس کرتے ہیں کہ فن تاریخ میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری ھے اور عربی و فارسی میں اسلامی تاریخوں کی کمی نہیں مگر اردو کا دامن اس سے خالی ھے جو کچھ اس باب میں لکھا جا چکا ھے وہ جامع و مانع نہیں ۔ اس لئے پیش لفظ میں مصنف نے اس بات کا احساس بھی دلایا ہے کہ اردو میں اس قسم کی تاریخوں کی ضرورت ھے ۔

بہ قول مصنف جس قدر زیادہ اسلامی تاریخیں اردو میں لکھی جائیں گی اسی قدر زیادہ مسلمانوں کو اپنی تاریخ کی طرف توجہ ہوگی ۔

پیش لفظ کے بعد مؤرخ نے مقدمہ لکھا ہے، اسمیں فن تاریخ نویسی پر خاصی اچھی بحث کی گئی ھے، اس مقدمے کی ابتداء میں مورخ نے تاریخ کے مفہوم کی وضاحت کی ہے اور مختلف مورخین کی آراء پیش کی ہیں، اسکے بعد تاریخ نویسی کے فوائد اور اس کی ضرورت، تاریخ اور شرافت نفسی، مورخ کے فرائض، تاریخ کے ماخذ اور اسکی قسمیں، اقسام تاریخ (باعتبار کمیت عام اور خاص بہ اعتبار کیفیت روایتی اور درایتی) اور تاریخی عہد وغیرہ، عنوانات پر سیر حاصل بحث کی ھے، پھر اسلامی تاریخ پر مختصر اظہار خیال کیا ھے اور یہ ثابت کیا ھے کہ دنیا کی تمام قوموں اور تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے اور مسلمان ہی ایسی قوم ہے جسکی تاریخ ابتداء سے آخر تک بہ تمام مکمل حالت میں محفوظ ھے، اور اسکے کسی حصے اور کسی زمانے کی نسبت شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ۔ پھر آغاز تاریخ، تاریخ کی حقیقی ابتداء

۱،۲ اکبر شاہ نجیب آبادی تاریخ اسلام جلد اول ص 25,26 1989

تاریخ جسمانی (سلطنت) اور تاریخِ روحانی (نبوّت) پر مدلّل بحث کرتے ہوئے اسلام کے حوالے سے شخصیت و جمہوریت پر اظہارِ خیال کیا ہے اور اسکے ساتھ ہی مؤرخ نے تاریخ کی ابتداء کا اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"عام طور پر مسلمان مؤرخین نے اپنی کتابوں کو آدم علیہ السلام بلکہ بعض نے تو پیدائش زمین و آسمان سے شروع کیا ہے۔ میں اپنی تاریخ اسلام کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کرتا ہوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے حالات شک و اشتباہ سے خالی نہیں اور آپؐ کے زمانہ سے پہلے دنیا میں تاریخ نویسی کا کوئی خاص اہتمام بھی نہیں تھا۔ نیز یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے تاریخ اسلام کی ابتداء بھی سمجھی جاتی ہے" [1]

اور مقدمہ کو "تاریخ اور جغرافیہ کا تعلق" پر روشنی ڈالتے ہوئے ختم کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ تاریخ کا جغرافیہ سے قوی تعلق ہے، اسی لئے یوروپی مؤرخین نے تاریخ کیساتھ جغرافیہ کو بھی شامل کیا ہے۔ اصل موضوع کا آغاز پہلے باب سے ہوتا ہے، مورخ نے اسے "ملکِ عرب" کا عنوان دیا ہے۔ ظاہر ہے اس باب میں مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کے عرب کے حالات کا جائزہ لیا ہے، جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا کہ تاریخ کو مؤثر بنانے کیلئے جغرافیہ بھی شامل کرنا ضروری ہے، تاکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھنے اور پڑھنے والوں کو وہ حالات معلوم ہو جائیں کہ کن سنگین حالات میں آپ صلعم کی پیدائش ہوئی تھی اور ایک ایسے ماحول کو آپ صلعم نے کس طرح بدل دیا۔

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے پہلے ملکِ عرب سے متعلق چند باتیں بتائی ہیں مثلاً مکہ معظمہ، کعبہ اور مدینہ ملکِ عرب کے اہم مقامات ہیں جہاں آپ صلعم پیدا ہوئے، ہجرت فرمائی اور ساری دنیا کو یہیں سے روشنی ملی وغیرہ، اسکے بعد۔

---

1۔ اکبر شاہ نجیب آبادی "تاریخِ اسلام" جلد اوّل ص 49 تاج کمپنی دہلی 1989

جزیرہ نمائے عرب کے محل وقوع اور اسکی تقسیم کا محاسبہ کیا ہے، پھر یہاں کی آب وہوا، یہاں کے پہاڑ، ریگستان، جانور اور یہاں کی پیداوار کا احاطہ کرتے ہوئے مسدّس حالی سے چند بند درج کئے ہیں جو مرحوم نے عرب کے ابتدائی حالات سے متعلق کھینچے تھے، اس کا پہلا بند یہ ہے ۔

عرب کچھ نہ تھا اک جزیرہ نما تھا — کہ پیوند ملکوں سے جسکا جدا تھا
نہ وہ غیر قوموں پہ چڑھ کر گیا تھا — نہ اس پہ کوئی غیر فرماں روا تھا
تمدّن کا اس پر پڑا تھا نہ سایہ — ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

بعد ازاں عرب کی قدیم قوموں کا جائزہ لیا گیا ہے اور مصنف نے عرب کی قوموں کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے ۱۔ عرب بائدہ ۲۔ عرب عاربہ ۳۔ عرب مستعربہ اور ہر ایک قوم پر تفصیلی بحث کی ہے، مثلاً ان کے مختلف قبائل اور ان قبائل کا سابقہ پیغمبروں سے تعلق، نیز انکی حکومتیں، عمارات، آثارِ قدیمہ، انکی تہذیب و تمدّن پر روشنی ڈالی ہے۔ علاوہ ازیں ان قوموں کے شجرۂ نسب کی وضاحت بھی کی ہے۔

سیرت کی کتابوں میں صرف آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے ہی شجرۂ نسب کی تفصیلات ملتی ہیں۔ مگر تاریخ اسلام میں مولانا نے تین شجرۂ نسب نقل کئے ہیں۔ عرب بائدہ کا شجرہ نوح علیہ السلام سے عرب عاربہ کا شجرہ قحطان سے اور عرب مستعربہ کا شجرہ عدنان سے (اولادِ اسماعیل علیہ السلام) بتایا ہے اور عرب مستعربہ مراد بنو عدنان پر قدرے تفصیل سے بحث کی ہے۔ خاص کر حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت اسماعیل ؑ اور انکی اولاد کے حالات حضرت ہاشم تک مختصر لکھے ہیں۔

اسکے بعد موقعے کی مناسبت سے عبدالمطلب کا مختصر ذکر کیا (تفصیل دوسرے باب میں آپ صلعم کے تذکرے کیا گیا ہے) پھر عبد مناف کے خاندان کی طرف مختصر اشارہ کرکے عرب کی اخلاقی حالت کا جائزہ لیا ہے۔ جسمیں انکی معاشرتی زندگی، انکے شوق

اور دلچسپیاں مثلاً شاعری، عشق اور تیر اندازی وغیرہ پر بحث کی گئی ھے ۔ نیز انکے عادات و اطوار، ان کی سرکشی و جفاکشی کا بھی احاطہ کیا گیا ہے اور ان مہینوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کا وہ بڑا احترام کرتے تھے اور جنگ و جدال پر پابندی لگا دیتے تھے۔ پھر انکے دین و مذہب پر روشنی ڈالی ہے، اس میں خصوصیت سے بت پرستی، قربانی کی رسم، ستارہ پرستی، کہانت، فال، غارت گری، لباس و طعام توھم پرستی و ضعیف الاعتقادی اور قمار بازی کا جائزہ لیا گیا ہے، تاکہ قاری کو یہ معلوم ہو سکے کہ انکے عقائد کیا تھے اور انکا اخلاقی معیار کیا تھا ۔

اسکے ساتھ ہی "عرب جاہلیت اور دوسرے ممالک" کے عنوان کے تحت اس عرب کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے وقت تھا۔ اس کے علاوہ مصنف نے ممالک عالم کے حالات بھی اجمالی طور پر بیان کئے ہیں، جن میں اس وقت کے ایران، روم و یونان اور ہندوستان کا خصوصی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں کے اخلاقی حالات کیا تھے اور لوگوں کا مذہب کے حوالے سے کیا عقیدہ تھا۔ اور یہ ثابت کیا ھے کہ کم و بیش سارے عالم کی حالت ایک جیسی ہی تھی، مگر عرب میں یہ برائیاں تمام کی تمام شدت کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔

اس باب کے آخر میں ایک اہم بحث آئی ھے جس کا خلاصہ یہ ھے کہ نبی کریمؐ کی بعثت کیلئے عرب ہی کا انتخاب کیوں کیا گیا۔ یہ بحث خاصی دلچسپ بھی ہے اور معلوماتی بھی۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے اسکی دو وجوہ بتائی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی دوسرے ملک کی زبان ایسی مکمل اور ادائے بیان پر قادر نہ تھی جیسی کہ عرب کی زبان۔ کامل ہدایت نامہ کیلئے ضروری تھا کہ وہ ایسی زبان میں نازل ہو جو دنیا کی زبانوں میں حد کمال کو پہنچ چکی ہے۔ عربی کے سوا کوئی دوسری زبان ایسے ہدایت نامہ کی جو قیامت تک کیلئے اور ہر ملک اور ہر قوم کیلئے نازل ہو، متحمل نہیں ہو سکتی تھی اسلئے اللہ تعالی آں حضرت صلعم کی پیدائش کیلئے ملک عرب کا انتخاب کیا ——

مولانا موصوف نے دوسری وجہ یہ بتائی ہے کہ

" خدا نے تعالی نے جب ساری دنیا کیلئے ایک مذہب تجویز کیا تو وہ مذہب ایک ایسی قوم کے ذریعے ساری دنیا میں شائع کیا جو سب کیلئے یکساں بے تعلق قوم تھی، عرب کے اخلاق، تہذیب اور تمدن نے چونکہ اس سے پہلے کوئی ترقی نہیں کی تھی، لہٰذا اس عالمگیر مذہب نے انکو یکایک سب سے زیادہ شائستہ سب سے زیادہ مہذب، سب سے زیادہ با اخلاق، سب سے زیادہ متمدن اور ساری دنیا کا استاد اور رہبر بنا کر ثابت کر دیا کہ عرب کی ان تمام محیر العقول ترقیات کا سبب اسلامی تعلیم کے سوا اور کچھ نہیں ہے" ۱

دوسرا باب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ پر حاوی ہے جس میں مورخ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ شریف تک کے اہم واقعات بیان کئے ہیں جو ایک سو ساٹھ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ مولانا موصوف نے اس باب کی ابتداء "طلوعِ سحر" سے کی ہے۔ آفتاب کے طلوع ہونے سے قبل کے حالات کا مختصر جائزہ لیا ہے۔ یہاں کی جہالت اور کفر کی گھٹا کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ اسوقت عرب میں ایسے لوگ بھی تھے جو قبائل عرب میں شریفانہ جذبات اور برے کاموں سے نفرت کرتے تھے، ان میں ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث، عمر بن الخطابؓ، عبید اللہ بن جحش وغیرہ نے متفقہ طور پر بتوں کی پرستش سے بیزاری ظاہر کی تھی۔ اور ورقہ بن نوفل نے دین مسیح اختیار کر لیا تھا۔ اور بڑی محنت و توجہ سے توریت و انجیل کی کتابیں پڑھی تھیں اور ان پر مہارت حاصل کی تھی۔ نیز مصنف نے اسوقت کے یمن کے بادشاہ شاہ حبش اور ابرہہ کا ذکر کیا ہے، پھر ابرہہ کے کعبے پر چڑھائی کا تذکرہ بھی بیان کیا ہے۔ اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کیا ہے، آپ صلعم کی پیدائش کی مختلف تاریخیں درج ہیں۔ ۹ ربیع الاول عام الفیل مطابق سنہ جلوس

۱ حوالہ صہ پر

کسریٰ نوشیرواں مطابق 22 اپریل 571ء بروز دوشنبہ بعد از صبح صادق اور قبل از طلوع آفتاب ۔

بعد ازاں مولانا موصوف نے ذبیح ثانی عبداللہ بن عبدالمطلب کا واقعہ بیان کیا جو چاہ زمزم کے متعلق پیش آیا تھا[1] ۔ جس میں حضرت عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر چاہِ زمزم ڈھونڈ نکالنے میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی تو وہ اپنے تیرہ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کی قربانی دیں گے ۔ مولانا نے واقعے کی ساری تفصیل پیش کی ہے ۔ لیکن یہ ترتیب غیر مناسب معلوم ہوتی ہے ۔ اگر مصنف اس واقعے کو عرب کے حالات کو بیان کے فوراً بعد بیان کرتے تو اس میں تاریخی ترتیب برقرار رہتی ۔ ورنہ قاری تشویش میں مبتلا ہو جائے گا اور یہی سمجھے گا کہ یہ واقعہ آپ صلعم کی پیدائش کے بعد کا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو آپ[2] کے والد عبداللہ کا وصال ہو چکا تھا ۔

اس واقعے کے بعد مولانا نے حضرت عبداللہ کے حالات مختصر طور پر بیان کئے ہیں ۔ اسکے ساتھ ہی حضرت آمنہ کا مفصل حال لکھا ہے ۔ وہ تمام تفصیلات بیان کی ہیں جو آپ صلعم کی پیدائش سے قبل حضرت آمنہ کے گھر میں پیش آئی تھیں جیسے حضرت آمنہ نے ایامِ حمل خواب میں دیکھا تھا کہ فرشتے نے ان سے کہا تھا کہ جو بچہ پیدا ہوگا اسکا نام "احمد" رکھنا ۔ جب آپ صلعم پیدا ہوئے تو کوئی آلائش نہیں نکلی اور آپ صلعم ماں کے پیٹ ہی سے مختون پیدا ہوئے تھے وغیرہ ۔ اسکے ساتھ ہی ان نشانیوں کا ذکر کیا ہے جو آپ صلعم کے دنیا میں تشریف لاتے ہی رونما ہوئے تھے بعد ازاں ایامِ طفولیت ، رضاعت ، دائی حلیمہ کی پرورش ، شقِ صدرِ اوّل اور

---

۱ـ اکبر شاہ نجیب اکبر آبادی " تاریخِ اسلام " جلد اوّل ص 82 تاج کمپنی دہلی 1989

۲ـ اکبر شاہ نجیب آبادی " تاریخِ اسلام " جلد اول ص 100 تاج کمپنی دہلی 1989

دوم کی تفصیلات بیان کی ہیں، پھر عبد المطلب کی وفات سے آپ صلعم کی تجارت، حضرت خدیجہ رضؓ کا پیغام نکاح بھیجنا، قبائل قریش میں آپ صلعم کا حاکم مقرر ہونا اور حجر اسود کا نصب کرنا، غریبوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفالت کرنا اور غار حرا میں آپ صلعم کی ریاضت وغیرہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔

اس کے بعد مصنف نے "طلوع شمس" کے زیر عنوان آپ صلعم کی بعثت کے واقعہ کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں بیان کی ہے۔

"جب وہ روحانی قوتیں جو خدائے تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں ودیعت کی تھیں، عبادت وریاضت اور اس خلوت سے نشو ونما پاکر تحمل وحی اور برداشت منصب نبوت کے قابل ہوگئیں تو ایک روز غار حرا میں آپؐ کے سامنے فرشتہ نمودار ہوا اور آپؐ سے مخاطب ہوکر کہا کہ اقراء (پڑھو) آپؐ نے کہا ما انا بقاری (میں تو پڑھنا نہیں جانتا) پھر اس نے آپؐ کو پکڑ کر زور سے بھینچا، پھر چھوڑ دیا اور کہا "اقراء" آپؐ نے پھر جواب دیا "ما انا بقاری" اس نے پھر آپؐ کو پکڑ کر زور سے بھینچا، پھر چھوڑ دیا اور کہا "اقراء!" آپ صلعم نے پھر وہی جواب دیا "ما انا بقاری" فرشتے نے پھر تیسری مرتبہ آپؐ کو زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ کر کہا: اقراء باسم ربک الذی خلق ...... یہ کہہ کر فرشتہ تو غائب ہوگیا ـــــ" [1]

اس واقعے کے بعد موصوف نے وضاحتی الفاظ تحریر کئے ہیں جو حضرت خدیجہ رضؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف وہراس کو دیکھنے کے بعد کہے تھے۔ جب آپ صلعم غار حرا سے گھر لوٹے اور سارا قصہ بیان فرمایا اور کہا کہ مجھے تو اپنی جان کا خوف ہوگیا ہے تو حضرت خدیجہ رضؓ نے درج ذیل تاریخی الفاظ کہے تھے،

"نہیں نہیں! آپ کو خوش ہونا چاہیئے، واللہ! خدا آپؐ کو کبھی رسوا نہیں

---

۱۔ اکبر شاہ نجیب آبادی "تاریخ اسلام" جلد اول ص ۱۰۰ تاج کمپنی دہلی 1989

کرے گا، کیوں کہ آپؐ ہمیشہ صلہ رحمی کرتے ہیں اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور ان کے اخراجات برداشت کرتے ہیں جن کے پاس اپنے لئے کافی نہیں ہے اور آپؐ میں وہ تمام اخلاقی خوبیاں موجود ہیں جو لوگوں میں نہیں پائی جاتیں اور آپؐ مہمان نواز ہیں اور حق باتوں اور نیک کاموں کی وجہ سے اگر کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو آپؐ اس کے مددگار بن جاتے ہیں ——— [1]

حضرت خدیجہ کی تسلّی و تشفی کے بعد آپؐ کا ورقہ بن نوفل کے یہاں جانے کا حال مصنف نے بیان کیا ہے۔ پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے نبوّت کے اعلان اور تبلیغ اسلام کا جائزہ لیا ہے۔ آغازِ تبلیغ میں جن گھروالوں نے حصّہ لیا اور اسلام قبول کیا، پہلے مصنف نے ان کا اختصار سے ذکر کیا ہے اور وہ تمام تمام گنوائے ہیں، جنھوں نے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔

اسکے بعد علانیہ تبلیغ کے واقعات زیرِ بحث لائے گئے ہیں، اسمیں قریش کے مظالم اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اہلِ قریش اپنے آباواجداد کے دین پر کس پابندی سے قائم تھے اور ان کو اس سے روکنا آپ صلعم کیلئے آسان نہ تھا۔ اس علانیہ تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قریش مخالفت پر اتر آئے۔

مولانا موصوف نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی پہلی درس گاہ، قریش کی کھلی مخالفت اور آپ صلعم کی شان میں گستاخیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر آپ صلعم کو لالچ دینے اور ابو طالب کے ذریعہ آپ صلعم کو دین کی تبلیغ سے روکنے کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ نیز حبشہ کی ہجرت اور اس سے متعلق واقعات مثلاً شاہ حبش سے قریش کا مطالبہ، بادشاہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابو طالب کی تقریر کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

---

[1] اکبر شاہ نجیب آبادی، تاریخِ اسلامؒ (جلدِ اوّل) ص ۱۰۰ تاج کمپنی 1989

حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے واقعات کو تفصیلات کیساتھ پیش کیا گیا ہے۔ نیز ان دونوں صحابیوں کے قبولِ اسلام اشاعت میں جو تیزی آئی اور اسکے بعد مسلمان بے خوف و خطر دین کے فرائض انجام دینے لگے اسکی تفصیل بھی لکھی ہے۔

اسکے بعد مولانا موصوف نے شعبِ ابی طالب کے واقعات کی تفصیل بیان کی ہے، پھر حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات سے اسلام اور بانیٔ اسلام کو جو نقصان اور صدمہ پہنچا، اسکی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز سفرِ طائف اور اہلِ طائف کی گستاخیوں کا جائزہ لیکر آپ صلعم کی مکّہ واپسی، حضرت عائشہؓ سے نکاح، مختلف مقامات اور مختلف قبائل میں تبلیغِ اسلام اور حضرت ایاس بن معاذؓ، حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ اور ابوذر غفاریؓ کے قبولِ اسلام پر تفصیلی بحث کی ہے، پھر بیعتِ رضوانِ اولیٰ، مصعب بن عمیر کی مدینہ میں کامیابی، مدینہ کی طرف ہجرت کا اذنِ عام اور دار الندوہ میں قبائلِ قریش کا جلسہ و مشاورت کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اسکے ساتھ ہی "تہیۂ سفر" کے عنوان کے تحت ہجرتِ مدینہ سے قبل کے حالات خاص کر آپ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اسکی تفصیل بیان کی ہے، پھر ہجرت کے واقعات کی تمام تفصیلات کا احاطہ کیا ہے اور مصنف نے تمام امور کا جائزہ لیکر اختتامِ سفر پر ہجرت کے واقعہ کو پورا کیا ہے

بعد ازاں مدنی زندگی کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں، اس کی ابتداء آپ صلعم کے شہرِ مدینہ میں داخلہ سے کی ہے۔ اسکے علاوہ آپ صلعم کا ابو ایوبؓ کے گھر میں قیام اور ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تعمیر وغیرہ پر معلومات فراہم کی ہیں۔

ہجرتِ مدینہ کا واقعہ تاریخِ اسلام میں اہمیت کا حامل ہے۔ چونکہ مولانا موصوف تاریخِ اسلام لکھ رہے ہیں، اسلئے اس واقعے کی ان کے یہاں اور اہمیت بڑھ جاتی ھے، اسی لئے انھوں نے یہاں سے واقعاتِ نبوی ﷺ کو سنین ہجری کے لحاظ سے مرتب کیا ھے۔

ہجرت کے پہلے سال جو واقعات رونما ہوئے ان میں مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر اور مکانِ نبوی ﷺ کی تعمیر کے علاوہ وہ پہلی سیاسی دستاویز جو مہاجر و انصار کے درمیان باہمی اتفاق پیدا کرنے کیلئے آپ صلعم نے مرتب فرمائی تھی انکی تفصیلات مولانا موصوف نے قدرے تفصیل کیساتھ پیش کی ہیں۔

ہجرت کے دوسرے سال جو واقعات رونما ہوئے ان میں مسلمانوں کی بے سرو سامانی، جنگِ بدر کے واقعات، جنگ کے بعد اسیرانِ جنگ سے حسنِ سلوک کی تاکید، اسیرانِ جنگ کا مسئلہ اور کفارِ مکہ کا جوشِ انتقام وغیرہ پر مولانا موصوف نے روشنی ڈالی ھے۔

ہجرت کا تیسرا سال، یہودیوں کا معاندانہ رویّہ، غزوۂ احد اور منافقین کی شرارت پر مبنی ھے۔ ہجرت کے چوتھے سال میں جو واقعات پیش آئے تھے انمیں روح فرسا حادثہ وہ ھے جو نجد میں پیش آیا تھا۔ جہاں اہلِ قریش نے ستّر اصحاب کو شہید کر دیا تھا جو اسلام کی تبلیغ کیلئے وہاں بلوائے گئے تھے۔ اسکی تفصیل کے ساتھ مورّخ نے قبیلہ بنی نضیر کی عہد شکنی کے واقعے کا بھی ذکر کیا ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے تین جاں نثاروں، حضرت ابوبکر رضؓ، حضرت عمر رضؓ اور حضرت علی رضؓ کو ایک ساتھ دیوار کی منڈیر سے پتھر گرا کر شہید کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی تھی، اسی سال غزوۂ ذات الرقاع اور غزوۂ سویق پیش آیا تھا مولانا موصوف نے ان جنگوں کو بھی اختصار کیساتھ اسی سال کے واقعات کیساتھ پیش کیا ھے۔

ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ مصطلق، غزوۂ خندق اور مختلف حوادث پیش آئے تھے، مولانا نے انکی تفصیل اسمیں بیان کردی ہے۔ ہجرت کے چھٹے سال اہم واقعات رونما ہوئے جو اسلامی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہیں مثلاً منافقوں کی شرارتوں میں اضافہ، صلح حدیبیہ، بیعتِ رضوان، صلح حدیبیہ کے نتائج، حبشہ کے مہاجرین کی واپسی، فتح خیبر اور عمرو بن العاص کا قبولِ اسلام وغیرہ، ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات کا جو مصنف نے احاطہ کیا ھے وہ یہ ہیں۔ یعنی جنگِ موتہ، فتح مکہ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی خطبہ (جو فتح مکہ کے بعد دیا گیا تھا) غزوۂ حنین اور طائف کا محاصرہ وغیرہ، یہ واقعات پندرہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

غزوۂ تبوک اور اہلِ طائف کا قبولِ اسلام وغیرہ، ہجرت کے نویں سال کے اہم واقعات ہیں۔ بعد ازاں مصنف نے حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کی ہیں، اسی سال اسلام قبول کرنے والوں میں کافی اضافہ ہوا تھا اور کئی قبائل مسلمان ہو گئے تھے، اسکی تفصیل بھی مصنف نے بیان کی ھے۔ پھر خطبۃ الوداع کا خلاصہ اختصار کیساتھ بیان کیا ہے، اسکے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کا ذکر کیا گیا ھے اور اس ضمن میں کافی اہم معلومات مصنف نے ہم پہنچائی ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر رضؓ کی امامت پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ نیز آپ صلعم کی وفات سے قبل کے چند واقعات کو ضبطِ تحریر میں لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا تذکرہ کیا گیا ھے۔ اور ان بے قراریوں اور بے چینیوں کا بھی ذکر ھے جو آپ صلعم کی وفات کی خبر سن کر صحابۂ کرام رضؓ میں پیدا ہو گئی تھیں اور خصوصیت سے حضرت عمر رضؓ کی بے قراری کا ذکر کیا ہے اسکے بعد حضرت ابوبکر رضؓ کی استقامت اور تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

مولانا شاہ مجیب اللہ ابادی نے وصال کے واقعات کے بعد آپ صلعم کے "حلیہ

مبارک " اخلاق وعادات جسمیں آپ صلعم کی خوش خلقی، بے تکلّفی، میانہ روی خوش طبعی اور اخلاقِ حمیدہ جیسے ذیلی عنوانات قائم کرکے متعدد واقعات کی روشنی میں آپ صلعم کے اسوۂ حسنہ کی طرف اشارہ کیا ھے۔ یہ وہ اسوۂ حسنہ ہیں جو انسانوں کی روزمرّہ زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے ضروری ہیں۔ یہی وجہ ھے کہ آپؐ کی مقدّس زندگی کے چند واقعات پیش کرنے کے بعد موصوف نے اخلاق وعادات کو آخر میں پیش کیا ھے تاکہ قاری کیلئے یہ مشعلِ راہ بنیں۔

مولانا موصوف نے آپ صلعم کی زندگی کے جن واقعات کا انتخاب کیا ھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے بہت سے اہم واقعات کو چھوڑ دیا ہے وجہ یہ ھے کہ وہ تاریخ اسلام ترتیب کر رہے ہیں، اسلئے اختصار سے کام لینا ضروری ہوگیا، جس کے بارے میں انھوں نے دوسرے باب کے اختتام پر اظہار کیا ہے

"آں حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے نہایت مختصر حالات جو اوپر درج ہو چکے ہیں، ان کے ساتھ ہی ضرورت تھی کہ آپؐ کے خاتم النبیّن رحمۃ اللعالمین، سیّد البشر، خیر الاوّلین والآخرین ہونے کے دلائل وبراہین بھی لکھے جاتے۔ نیز قرآن کریم کا خاتم الکتب نور وھدایت کا کامل ومکمّل ہدایت نامہ ہونا بھی ثابت کیا جاتا ـــــــ" ۱

بہرکیف تاریخ اسلام کا یہ حصّہ جو سیرت النبی صلّی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ھے انتہائی تحقیق کے بعد لکھا ہے، اس حصّے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے ایسی تفصیلات سے پرہیز کیا ہے جو مسلمان کے اندر نا اتفاقی پیدا کرتے ہیں یا اسکے مطالعے سے جمعیت اسلامی کو نقصان پہنچتا ہو۔ مورّخ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کا اندازِ تحریر بے انتہا دلکش ہے۔ اور ان کی تحریر کی ہر ہر سطر سے اسلامی سطوت وعظمت جھلکتی ھے۔

---

۱ اکبر شاہ نجیب آبادی ' تاریخ اسلام ' جلد اوّل ص 241 تاج کمپنی دہلی 1989

# مفتی شمس الدین احمد

"شمعِ ہدایت" مولانا مفتی شمس الدین احمد کی تصنیف ہے جس کو مکتبہ ذکریٰ، دہلی نے 1998 میں شائع کیا۔ پانچ سو چوّن (554) صفحات پر مشتمل یہ ضخیم سیرتِ نبوی چھ ابواب میں منقسم کی گئی ہے۔ کتاب کی ابتداء سے پہلے مصنف نے قرآن کی آیات نقل کی ہیں، جن کے مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شمس الدین اصل کتاب کے آغاز سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و پیغام کی اہمیت و افادیت بتانا چاہتے ہیں، تاکہ قارئین کے ذہن میں یہ بات نقش ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نظامِ حیات سرورِ کائنات کے ذریعہ تمام عالم تک پہونچایا، اُس پر عمل پیرا ہوئے بغیر دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی حاصل نہیں ہو سکتی۔

"لوگو! تمہارے پاس اب تمہارے رب کی طرف سے نعمت آگئی ہے، یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں، انکے لئے رہنمائی اور رحمت ہے۔"

"اب کہہ دیجئے! کہ "لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے اب جو سیدھی راہ اختیار کرے، اسکی راست روی اسی کیلئے مفید ہے اور جو گمراہ رہے، اسکی گمراہی اسی کیلئے تباہ کن ہے اور میں تمہارے اوپر کوئی حوالہ دار نہیں ہوں۔"

مندرجۂ بالا الٰہی ارشاد کی روشنی میں جب سیرت کا مطالعہ کیا جائے گا تو بڑا مفید ہوگا۔ اسی لئے مصنف نے یہ آیات پیش کی ہیں اور اسی صفحہ پر مصنف نے اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"تذکرہ دہلی، بنگال، کراچی، انسانیت کیلئے پیام رحمت، جام نصیحت، شمع ہدایت، ضابطۂ حیات، راہ نجات" [1]

اپنے طویل دیباچہ میں بھی مفتی شمس الدین احمد نے اپنی باتوں کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے کہ قرآن اور صاحب قرآن واقعی برحق ہیں۔ پھر موجودہ دور کی خرابیوں کا ذکر کرکے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ابتدائے آفرینش میں جو کمزوریاں انسان کے اندر موجود تھیں وہ آج بھی کئی گنا زیادہ شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ ایک ہابیل کو اگر قابیل نے اسوقت قتل کیا تھا جب کہ وہ تہذیب و تمدن اور علم ثقافت سے ناآشنا تھا۔ تو آج کا مہذب اور تعلیم و ترقی سے آراستہ اور سند یافتہ انسان ہزاروں ابنائے جنس کو قتل کر دینے سے نہیں جھجکتا۔ یعنی آج کے انسان میں وہ تمام برائیاں پائی جاتی ہیں جو قبل از اسلام عرب میں پائی جاتی تھیں، اسلئے مصنف کہتے ہیں کہ دنیا نے اپنے آپ کو تباہی سے بچانے کیلئے مختلف نظام اور ازم کو آزمایا، مگر حیرانی اور تباہی کے سوا کچھ نہ ہاتھ آیا۔ اس لئے ضرورت تھی ایک ایسے نظام کی جو سبھوں کیلئے قابل قبول ہو، وہ نظام بقول مصنف اُن کا لایا ہوا ہے جنھیں سید الاولین والآخرین کہتے ہیں۔ جو دنیائے انسانیت کے سردار، سرتاج اور اولادِ آدم کے گلِ سرسبد ہیں۔ اور آپ ہی کی شخصیت پوری دنیائے انسانیت کیلئے آئیڈیل اور نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔

دیباچے کے بعد باب اول سے اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ جسکا مصنف نے "ہدایت و رہنمائی" عنوان قائم کیا ہے اور بتیس (32) ذیلی عنوانات کے تحت بحث کی ہے، جس میں پہلے اللہ کی وحدانیت یعنی ربوبیت کاملہ کا ذکر کیا گیا ہے، پھر حضرت انسان کو اللہ کا نائب اور خلیفہ قرار دے کر اسکے اختیارات کی وضاحت کی گئی ہے، اسکے بعد رہنمائی کا جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں تک پہونچا، اسطرف اشارہ کیا گیا ہے، پھر آخر میں آپ صلعم کی بعثت

---

[1] شمس الدین احمد "شمعِ ہدایت" ص 3 مکتبۂ ذکری 1998

کا تذکرہ قدرے تفصیل کیساتھ ہوا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دیگر انبیائے کرام کی نبوت و رسالت محدود تھی یعنی کسی خطے یا قوم کیلئے ہوا کرتی تھی، لیکن آپؐ کی بعثت سے اللہ نے اپنے دین کی تکمیل کی اور آپؐ کی رسالت و نبوت کو دنیائے انسانیت کیلئے تا قیامت لازمی و ضروری قرار دیا۔

فاضل مصنف نے آگے کے صفحات میں یہی بتانے کی کوشش کی ہے کہ آپ صلعم کس طرح روئے ارضی پر بسنے والوں کیلئے اللہ کی نعمت کی تکمیل اور اسکی رحمتوں کا مظہر بنے رہے، اس ضمن میں مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

"ــــ اس مقصد کیلئے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ آپؐ کی ذات سے دنیا کو کیا حاصل ہوا، وہ کیا نعمت ہے؟ اور رحمت کا وہ کیا فیضان ہے جسکی بدولت کشتِ انسانیت لہلہا اٹھی؟ اسکے مردہ جسم میں زندگی کی حرارت پیدا ہوگئی ــ "[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کو پیش کرنے سے پہلے فاضل مصنف نے وحدانیت کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ــــ خدا کی ذات ہی اس عالم کی خالق ہے اور وہی پوری کائنات کا پالنے والا ــــ

۱۔ "درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ــ" (اعراف)

۲۔ " اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابع فرمان ہیں ــ" (آل عمران ۸۳)

مندرجہ بالا مفاہیم کے بعد مصنف نے ایمان کو موجب سکون ثابت کیا ــ توحیدِ باری تعالیٰ، شرک، خالقِ حقیقی کی عبادت اور خدا سے راست تعلق وغیرہ

---

۱ے مفتی شمس الدین احمد "شمع ہدایت" ص 64 مکتبہ ذکری دہلی 1998

پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشادات فرمائے تھے مفتی شمس الدین نے ان کا احاطہ کیا ہے، پھر آپ صلعم نے عبادت کا جو طریقہ بتایا اسکی وضاحت کی ہے کہ عبادت کا جذبہ ہر انسان میں پایا جاتا ہے اگرچہ کہ اس کی عبادت کے طریقے مختلف ہیں، ان طریقوں میں خصوصیت سے رہبانیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ ترکِ دنیا کر کے خود بھی پریشان ہوئے اور اللہ کی خوشنودی سے بھی محروم رہے، اس سلسلے میں انھوں نے سات خطرناک خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو رہبانیت کو اختیار کرنیکے نتیجہ میں پیدا ہوئیں، اس سلسلے میں مصنف نے متعدد مذہبی پیشواؤں کی جنسی بدچلنی کا ذکر کیا ہے اور ثبوت میں 10 رجون 1996 میں شائع شدہ روزنامہ "دی ٹیلی گراف" کلکتہ کا وہ مضمون پیش کیا ہے جو شری اروند کلا نے "تجرّد پسندی (WHOLLY DESIRE) پر لکھا تھا، اسکے ساتھ ہی مصنف نے اسلام کی روشنی میں عبادت اور خدا پرستی کے صحیح تصوّر کو پیش کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اگر انسان اسلامی طریقہ عبادت پر عمل کرے گا تو مذکورہ بالا خرابیوں سے اپنے دامن کو بچا سکتا ہے اور خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ روزہ، حج اور زکوٰۃ کی اہمیت اور اسکے ذریعہ خدا تک رسائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ صلعم نے دینداری کا جو تصوّر دیا وہ مجرّد عقائد و عبادت تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ بندگانِ خدا کی خدمت سے بھی اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

"متعدد احادیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت مندوں کی حاجت روائی اور خدمت کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے ہر مال دار مرد اور عورت پر اپنے مال سے (نقد، سونا چاندی، مویشی کاشتکاری کے ذریعے حاصل کردہ اناج یا دیگر چیزیں) فقراء و مساکین

کا حق نکالنا فرض ہے ۔۔۔۔ خوشنودی رب کے حصول کا یہ ایسا تصوّر ہے جو رحمۃ للعالمین ؐ کے لائے ہوئے دین کا فیض خاص ہے ۔۔۔۔" [1]

اور اس تعلق سے مصنف نے آپ صلعم کی زندگی سے مثالیں پیش کی ہیں کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض و واجبات اور نوافل عبادات کی ادائیگی میں اپنے آپ ؐ کو مصروف رکھا ۔ نیز آپ صلعم کی بے مثال سخاوت و عبادت کے چند واقعات پیش کرکے آپ صلعم کے عملی کردار کو بھی پیش کردیا ہے

باب دوم سے باب ششم تک سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جن موضوعات کو پیش کیا گیا ہے ، انکی تفصیل یہ ہے کہ آپ صلعم کی تعلیمات کیا تھیں ، آپ صلی اللہ نے انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کیلئے کیا اصول و احکامات عطا فرمائے اور آپ صلعم کا یہ پیغام کس طرح واقعتاً سارے عالم کیلئے سراپا رحمت ہے ۔

باب دوم کا موضوع ہے " حقوق و فرائض " اس میں پہلے مصنف نے کائنات کے نظم و ضبط کی طرف اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ دنیا کی ہر چیز ایک مقصد کے تحت وجود میں آئی ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے اس کے ذمے کچھ کام سپرد ہوگئے ہیں اور اگر ہر اکائی اپنے فرائض ادا کرے تو بہ حیثیت مجموعی نہایت خوشگوار نتائج سامنے آئیں گے ۔ اس اصول کے تحت اس کائنات کا نظم چل رہا ہے اور دنیا کی ہر چیز جیسے سورج چاند ستارے ، لیل و نہار کی آمد و رفت ، بارش ہوا اور سردی گرمی سب اسی کے مطابق حرکت میں ہیں ، اسکے بعد مصنف کہتے ہیں کہ اسی طرح انسان کو اللہ نے اپنا خلیفہ بناکر کچھ خصوصی صلاحیتیں عطا کرکے اس روئے زمین پر بھیجا ہے تاکہ اس کا امتحان لیا جاسکے اور دنیا کو یہ بتلائے کہ ان میں کون بہتر ہے ۔

---

[1] مفتی شمس الدین احمد " شمعِ ہدایت " ص 99-98 مکتبہ ذکری دہلی 1998

اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ اور خوشگوار زندگی بسر کرنے کیلئے اپنے انبیائے کرام کے ذریعہ سے رہنمائی کردی اور آخر میں خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ صلعم نے اپنے قول و عمل سے اس پسندیدہ طرز عمل کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ سب کے حقوق و فرائض متعین کئے۔ جن کی روشنی میں انسان قیامت تک اپنے مسائل حل کر سکتا ہے۔

اس باب کی مندرجہ بالا تمہید کے بعد مفتی شمس الدین احمد والدین کے حقوق کا جائزہ لیتے ہیں اور قرآن مجید کے حوالے سے اسکی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس میں خصوصی طور پر ماں کے حقوق کی نشاندہی کرتے ہیں۔

"ہم نے انسان کو تاکید کی کہ اپنے والدین کیساتھ احسان کا برتاؤ کرے، اسکی ماں نے مشقت اٹھا اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اسکو جنا اور اسکے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگ گئے" (احقاف ۱۵)

اسکے ساتھ فاضل مصنف نے آپ صلعم کے ارشادات بھی بیان کئے ہیں

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسکی ناک خاک آلود ہو، اسکی ناک خاک آلود ہو، اسکی ناک خاک آلود ہو!" جس نے اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور (ان کی خدمت اور دلجوئی کرکے) جنت میں داخل نہ ہو سکا ——" (مسلم)

علاوہ ازیں مصنف نے والدین کی نافرمانی کرنے والوں سے متعلق آپ صلعم نے جو وعید بیان فرمائی تھی اسکی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور حدیث مبارک بیان کی ہے جس میں جزا وسزا کا ذکر ہے۔

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "وہ تمہارے لئے جنت اور جہنم (کا سبب) ہیں" یعنی والدین کی خدمت اور دلجوئی اور حسن سلوک سے جنت مل سکتی ہے اور اسکے برعکس

طرزِ عمل کے نتیجے میں جہنم کی آگ بھی ـــــ پھر مصنف نے ان احادیث کو نقل کیا ہے جن میں ماں باپ کی فضیلت بتائی گئی ہے ۔ مثلاً والدین کی خدمت ہجرت وجہاد سے بھی افضل ہے ۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے اور مرنے کے بعد والدین کے ساتھ نیکی وغیرہ (دعاؤں میں انکی مغفرت چاہنا، انکے دوستوں کی عزت وتکریم کرنا)

اسکے بعد جملہ عورتوں کے حقوق پر روشنی ڈالی ہے اور موازنہ کرکے دکھایا ہے کہ یونان وروم میں، عربوں کے ہاں، موجودہ دور میں عورت کی کیا عزت وعظمت ہے ۔ خاص کر کے موجودہ دور میں آزادی کے نام پر عورتوں کا استحصال ہو رہا ہے اور آج کے والدین رحمِ مادر ہی میں بچیوں کو قتل کر رہے ہیں ۔ اس ضمن میں ایک رپورٹ کے اعداد وشمار بھی مصنف نے پیش کئے ہیں ۔ پھر اسکے بعد اسلام میں بچیوں کی کیا حیثیت ہے ۔ بچیوں کی پیدائش پر گھروں میں جو برکتیں نازل ہوتی ہیں، اسکی طرف اشارہ کیا ہے ۔ نیز یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اسلام ہی ہے جس نے اپنی لڑکیوں کو وراثت میں حصہ دیا ۔ اور لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں کو ترجیح نہ دی ۔

بعد ازاں حقوقِ زوجین کا احاطہ کیا گیا ہے ۔ اس میں مرد وزن کو جو برابری کی حیثیت دی گئی ہے، پہلے اسکی وضاحت کی گئی ہے ۔ پھر عورت کی آزادیِ اظہارِ خیال کر کے یہ بتایا ہے کہ عورت کی مرضی کے خلاف کوئی اس کا نکاح نہیں کر سکتا ۔ اور اسے اپنی مرضی سے اپنے شوہر کے انتخاب کا حق حاصل ہے ۔ اسی طرح مرد وزن کے ایک دوسرے پر جو حقوق وفرائض ہیں، اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے ۔ مثلاً مساوات مرد وزن، دونوں ایک دوسرے کا لباس ہیں اور زوجین باہمی سکون کا ذریعہ ہیں اسکے علاوہ بیوی سے حسنِ معاشرت، حسنِ اخلاق کی تعلیم، فطری کجی کا لحاظ، اچھی بیوی کی اہمیت، ازدواجی زندگی کے مسائل وغیرہ ذیلی عنوانات قائم کر کے اس باب میں جو اسلامی تعلیمات ہیں ان کو اجاگر کیا گیا ہے ۔ پھر اولاد کے حقوق، قرابت

داروں کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق عام حاجت مندوں کے حقوق اور جانوروں کے حقوق پر مصنف نے قرآن واحادیث کی روشنی میں بحث کی ہے۔

باب سوم:

اخلاقیات پر روشنی ڈالتا ہے۔ اسمیں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان ہی میں اخلاقی حس پائی جاتی ہے، اسے چاہیے کہ وہ وہی کام کرے جو انسانیت کے شایانِ شان ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد مصنف نے آپ صلعم کے اخلاقِ حمیدہ سے متعلق جو قرآن کا ارشاد ہے۔ بیان کیا ہے، لکھتے ہیں

"رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم جو ساری دنیا کے لیے مثال اور نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں، اُن ؐ کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ آپؐ اخلاق وروحانیت کے اعتبار سے خلقِ مجسم اور اسکے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں، آپؐ کے اس وصف کی توثیق خود اللہ رب العالمین نے فرمائی ہے ----- ۱

"وانک لعلیٰ خلقٍ عظیم" (اور بے شک آپؐ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں)

اسکے بعد اخلاق کی اہمیت پر گفتگو کی گئی ہے، اسلئے کہ آپ صلعم کی تعلیمات کا بڑا حصّہ اخلاقیات پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلعم نے انسانوں کی اخلاقی تربیت پر سب سے زیادہ زور دیا۔ فاضل مصنف نے اسکی وجوہ کو بتاتے ہوئے کتنے پتے کی بات کہی ہے، لکھتے ہیں۔

"اسلام انسان کو اتنا اونچا اٹھانا چاہتا ہے کہ وہ اندر کی (اخلاقی) طاقت کے ذریعہ شریعت کی پابندی کرے ----- ۲

اسکے ساتھ ہی مصنف نے یہ بھی بتایا ہے کہ اخلاق کا درس بڑے بڑے فلاسفر اور مصلحین نے بھی دیا ہے، مگر آپ صلعم کا امتیازی وصف یہ ہے کہ آپ صلعم نے خود اسپر عمل کیا۔ مصنف نے اسکی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

---

۱،۲ مفتی شمس الدین احمد "شمیم ہدایت" ص 203 مکتبہ ذکریٰ دہلی 1998

اور آپ صلعم کی زندگی کے وہ واقعات قلمبند کیے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر روشنی ڈالتے ہیں، مثلاً آپ صلعم کا قوم کیلئے تڑپنا۔ جنگ کے میدان میں ہر حال میں دلیری کے ساتھ جمے رہنا، ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرنا، خدا پر آپؐ کا کامل اعتماد، معاہدے کی پابندی کرنا، عدل وانصاف سے کام لینا اور عوامی کمزوروں کو اپنے اور اپنے اہل خانہ کی کمزوریوں پر ترجیح دینا وغیرہ۔

اسکے بعد مصنف نے تکمیل اخلاق پر روشنی ڈالی ہے اور آپ صلعم کے ارشادات بیان کیے ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو جائے کہ اسلام نے اخلاق کو کتنی اہمیت دی ہے اور بانی اسلام نے اس کا کیا معیار قائم کیا ہے۔

"رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (۱) میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق فاضلہ کی تکمیل کروں۔" [۱]

"(۲) مسلمانوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے کامل وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے ان میں سب سے بہتر ہو۔" [۲]

"(۳) اور تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کیساتھ (سلوک میں) بہتر ہوں" [۳]

ان احادیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نسخہ شفا اور انسانیت کے درد کا درماں پیش فرمایا۔ اسمیں اخلاق کا کیا مقام ہے

اگلے صفحات میں اسکی تفصیلات دی گئی ہیں۔ جسمیں صدق، امانت، ایفائے عہد، عدل وقسط عفو ودرگذر، عفت وپاکدامنی، رحمت ومحبت، جودوسخا تواضع اور خاکساری، صبر واستقامت، اعتدال ومیانہ روی، خوش کلامی، رزائل اخلاق، ظالم اور نفاق وغیرہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے جو ایک سو اسی صفحات پر محیط ہوئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اپنی اخلاقی تعلیم سے انسان کے اندر سچائی دیانت اخلاقی جرات اور حق گوئی کی صفات پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ انسان میں ایسا کردار پیدا کرنا چاہتا ہے کہ حق کو سمجھ لینے کے بعد ایمانداری کیساتھ

---

ص ۱، ۲، ۳ حوالے اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہوں

اسے قبول کرے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرے، اسی سے سماج میں خیر اور امن و سلامتی پیدا ہو سکتی ہے۔

باب چہارم:

انسدادِ جرائم کا احاطہ کرتا ہے، آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے جو نسخۂ شفا انسانیت کے سامنے پیش کیا تھا، اس میں اخلاقی اعتبار سے معیوب باتیں اور انسانیت کے امراض کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ آپ صلعم نے اسکے ازالے کیلئے تعلیم اور تربیت بھی دی تھی، ان ساری تفصیلات کو اس باب میں مصنف نے پیش کیا ہے۔ مثلاً قانونی تدابیر، سزاؤں کی اقسام، حدِ زنا، ذرائع جرم کی روک تھام مرد اور عورت کا تخلیہ، غضِ بصر (گھورنے کی عادت) پردہ، اندازِ گفتگو اور لباس وغیرہ۔ ذیلی عنوانات قائم کرکے مصنف نے ان امور کا جائزہ لیا ہے جو جرم کے ارتکاب میں معاون ثابت ہوتے ہیں، پھر اسلامی سزاؤں کا ذکر کیا ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ اسکے بعد جنسی آزادی کی بدولت پلنے والے جرموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز ام الخبائث کی تباہ کاریاں اور اسکی سزا، حدِ سرقہ و محاربہ (چور کا ہاتھ کاٹ دینا) مسلح ڈکیتی اور قصاص وغیرہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اور اس بحث سے یہی نتیجہ مصنف نے نکالا ہے کہ:

”اسلام پیس Peace، شانتی اور امن و سلامتی کا دین ہے، قتل و غارت گری فساد فی الارض کی جتنی قسمیں ہیں۔ اس کا یہ شدید مخالف ہے اور جو لوگ فساد پھیلا کر معاشرے کو تباہ کرنے لگیں، ان سے سختی سے نپٹتا ہے افہام، تفہیم اور تعلیم و تربیت کی کوششوں کے علاوہ سخت سزائیں بھی اسلام نے مقرر کی ہیں تاکہ جو لوگ صرف سزا کی زبان ہی سمجھتے ہیں، انھیں ان کی زبان میں ہی سمجھا دیا جائے“ ۔۔۔۔ ۳

---

۱،۲ مفتی شمس الدین احمد ”شمع ہدایت“ ص 213 مکتبہ ذکری دہلی 1998

۳ مفتی شمس الدین احمد ” ص 425 ” ” ”

باب پنجم میں اسلام کے نظامِ حیات سے بحث کی گئی ہے، اس میں پہلے اسلام کا تصورِ دین، زندگی کے بدلتے ہوئے مسائل، ان مسائل کو حل کرنے کیلئے اجتہاد کی ضرورت اور کامیابی کا ضامن دینِ اسلام ہے پر روشنی ڈالی ہے، پھر اجتماعی زندگی گذارنے کیلئے اسلام نے کیا کیا ہدایات دی ہیں۔ ان کی تفصیل مصنف نے بیان کی ہے۔

اسلام کے نظامِ حیات کو مصنف نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) معاشرتی نظام ۲۔ معاشی نظام ۳۔ سیاسی نظام۔

۱۔ اسلامی معاشرتی نظام میں مصنف نے تشکیل اجتماعیت پر بحث کرتے ہوئے مرد و عورت کو اس نظام کی بنیاد بتایا ہے، لکھا ہے کہ خاندان، اعزاء و اقارب محلہ اور پڑوس برادری اور قبیلہ مل کر نسل اور قوم کی صورت اختیار کرتے ہیں یہ حصہ انتہائی مختصر ہے۔

۲۔ معاشی زندگی پر اظہارِ خیال کرنے سے پہلے مصنف یہ بتاتے ہیں کہ حیات دنیا و آخرت کا پیش خیمہ اور کھیتی ہے، یعنی یہاں محنت و مشقت کرکے جو بیج اور فصل لگاؤ گے، اسی کا پھل اور غلہ آخرت کی زندگی میں ہمیں ملے گا۔ چنانچہ حاصل زندگی بلکہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ ان خیالات کے پیش کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دنیا فانی اور یہاں کی کوئی چیز آخرت میں ہمارے ساتھ نہیں جائے گی بجز نیک عمل کے تو وہ بے جا طور پر اور غلط طریقے سے معاش حاصل کرنے کی سعی نہیں کرے گا، اسلئے مصنف نے دنیا کو آزمائش گاہ اور مسافر خانہ کہا ہے۔ اور ہمیں سب کو ایک دن یہاں سے لوٹ کے جانا ہے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان اس دنیا و مافیہا سے ترکِ تعلق کرلے، بلکہ دین کی روشنی میں دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

اسکے بعد مصنف نے انسان کی زندگی میں "مال" کی اہمیت بتائی ہے اور قرآنی آیات کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ حلال ہو، پھر اس مال کی حفاظت کی جائے اور اسے بے جا و بے دریغ خرچ نہ کیا جائے، اسلئے کہ قیامت میں اس تعلق سے باز پرس ہوگی۔

بعد ازاں اسلام اور اقتصادیات پر روشنی ڈالی ہے، اس میں معاشی میدان میں اسلام کا کیا پیغام ہے۔ اس تعلق سے اسلام کی تعلیمات کیا ہیں، اپنی جد وجہد سے کمائی ہوئی دولت کا کیا وقار ہے اور گداگری کی لعنت کیا ہے وغیرہ پر مفصل لکھا ہے۔ نیز اقتصادی نظام پر بحث کرتے ہوئے ان برائیوں کو اجاگر کیا ہے جو سرمایہ داری نظام اور اشتراکی نظام کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور اسکے مقابل اسلامی اقتصادی نظام کی خوبیوں کو بتلایا ہے اور اس نظام میں مزدور کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً مزدور کا حق فوراً ادا کیا جائے اور اس سے جتنا کام لو اتنی اجرت ادا کرو۔ وغیرہ، اسکے ساتھ ہی اسلام میں زکوٰۃ کی وضاحت کی ہے۔

اسکے علاوہ اس باب میں ذخیرہ اندوزی، سود کی لعنت، جوا، سٹہ بازی اور لاٹری (یہ بھی مال حاصل کرنے کے غلط طریقے ہیں) وغیرہ کی مذمت کرتے ہوئے جائز تجارت کی اہمیت، سچے تاجر کا مقام، دھوکے کا کاروبار نہ کرنے کی تاکید، زراعت کی حوصلہ افزائی، رشوت کی لعنت اور حرام مال کا صدقہ وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

تیسرے حصے میں "سیاسی نظام" پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ سیاسی جد وجہد بھی دینی کام ہے، مذہب اور سیاست کا فرق بتاتے ہوئے مصنف نے بہت لطیف نکات نکالے ہیں، مثلاً اسکے نزدیک حکومت وامارت عیش و عشرت کا عہدہ و منصب نہیں، بلکہ ذمہ داری اور مسؤلیت یعنی Accountibility سے لبریز ایک امانت ہے وغیرہ، اسکے ساتھ ہی حکومت کی غرض و غایت، نظام عدل کا قیام، جماعت سے علیحدگی کا مفہوم، صاحب امر کی اطاعت، امیر اور

شوریٰ کی اہمیت، شوریٰ کے ذریعہ انتخاب امیر، مثالی طرز حکومت، طالبِ منصب کا معاملہ، امانت کی ادائیگی، حکومت اہل لوگوں ہی کے سپرد کی جائے امانت کا بے جا استعمال، حکمرانوں کی ذمّہ داریاں اور عوام کی ذمّہ داریاں وغیرہ ذیلی سرخیوں کے تحت نظامِ سیاست کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔

باب ششم میں بعض دیگر اہم امور و مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے، جیسے تحصیل علم امر بالمعروف و نہی عن المنکر (خیر و شر کی تمیز اور بنی نوع انسان کو بھلائی کی طرف بلانے اور برائی سے روکنے کا کام) جہاد فی سبیل اللہ، شہادتِ دین، امن و سلامتی، مساوات، خدمتِ خلق اور ماحولیات وغیرہ۔

تحصیل علم کے باب میں مصنف نے علم کی اہمیت، عالم و جاہل میں فرق عالم کی عابد پر فضیلت اور تحصیل علم کیلئے گھر چھوڑنے کا حکم وغیرہ موضوعات پر روشنی ڈالی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ علماء، وارثِ انبیاء ہیں۔ اور علم کا حصول ہر مرد و زن کا فرض ہے، نیز علم صدقہ جاریہ ہے۔

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے تحت امّت کی ذمّہ داریاں، فرض ادا نہ کرنے کا انجام اور سابقہ امتّوں کا حشر وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے اور تین مثالوں کو پیش کیا ہے جو آپ صلعم نے ذمّہ داری کا احساس نہ کرنے والوں سے متعلق دی تھیں۔

"جہاد فی سبیل اللہ" میں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے اور جو آج 'جہاد' کا غلط مفہوم عام ہوا ہے، اسکی طرف اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام کے دشمنوں نے اسکی اخلاقی قوّت سے مرعوب ہوکر اسے بدنام کرنے کیلئے اس لفظ کو غلط مفہوم دے دیا۔

مصنف نے اسلامی جہاد کی تعریف یوں کی ہے ـــ

" یہ تو دنیا سے شر و فساد، انسانوں پر انسان کی خدائی کفر والحاد اور ظلم و استبداد کو مٹانے کیلئے مردِ مومن کی کوششوں کی انتہائی شکل ہے"[1]

اس کے بعد مصنف نے جہاد کی مختلف قسموں کا جائزہ لیا ہے۔ مثلاً سخت مشکل حالات و مخالف ماحول میں کلمہ حق کہنا، ظالم و جابر حکمراں کے سامنے حق بات کہنا، تحریر و تقریر کے ذریعہ حق کا دفاع اور باطل کا ابطال کرنا وغیرہ پھر بعد ازاں جان و مال اور زبان سے جہاد، اپنے نفس سے جہاد اور روح سے جہاد پر روشنی ڈالی ہے۔

شہادت کے باب میں پہلے شہادت کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے، اسکی تکریم و فضیلت حدیث شریف سے ثابت کی ہے نیز اسلام اور دہشت گردی کا ذیلی عنوان بنا کر یہ لکھا ہے کہ آج دہشت گردی کے نام سے جو فتنہ و فساد برپا ہے، اس کا اسلام کی تعلیمات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

" دین امن و سلامتی " کے عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں مصنف قرآن کے حوالے سے دین اسلام کو سارے عالم کیلئے سلامتی اور رحمت کہا ہے اور بتایا ہے کہ آپ صلعم سسکتی بلکتی انسانیت کیلئے نسخۂ شفا لیکر تشریف لائے اور یہ پورا قرآن انسانیت کے درد و درماں اور اسکے مرض کیلئے شفا بھی ہے اور رحمت بھی۔ اور آگے مصنف لکھتے ہیں کہ یہی وہ دین ہے جو مظلوموں اور یتیموں کی فریاد سنتا ہے۔ عالمی بھائی چارہ کا پیغام دیتا ہے اور جارحانہ قوم پرستی اور اونچ نیچ کی تقسیم سے روکتا ہے، یعنی اسلام ہی حقیقی امن کا ضامن ہے۔

مساوات کا عنوان قائم کر کے اسلامی مساوات کی طرف قرآن اور احادیث کے حوالے سے اشارہ کیا گیا ہے، رنگ و نسل کے امتیاز سے جو نتائج ہمارے سامنے آئے ہیں، ان کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ بعثت نبوی نے ان

---

[1] مفتی شمس الدین احمد "شمع ہدایت" ص 506 مکتبہ ذکری 1998

امتیازات کو ختم کر کے سارے انسانوں میں مساوات قائم کیا، خصوصیت سے مرد و زن میں جو امتیازات زمانہ قدیم سے پائے جاتے تھے، اسلام نے اس کا خاتمہ کیا۔

مصنف نے ایک لطیف نکتہ کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے اور اس عام تعریف کی تردید کی ہے جو "مساوات" سے متعلق کی جاتی ہے۔ مصنف ہی کے الفاظ میں یہ بحث دیکھیے۔

"مساوات کا مطلب ظاہر ہے یہ ہرگز نہیں ہے کہ دونوں صنفیں (مرد و عورت) حیاتیاتی Biological اعتبار سے بھی یکساں ہیں، مرد بیک وقت اگر ایک سے زائد بیویاں رکھ سکتا ہے تو عورتوں کو بھی یہ حق ہونا چاہیے کہ اس کے بھی ایک ہی وقت میں ایک سے زائد شوہر ہوں، عورت اگر بچہ پیدا کرنے کی تکلیف برداشت کرتی ہے تو مرد کیساتھ بھی یہی معاملہ ہونا چاہیے۔" [1]

اس سلسلے میں مصنف کہتے ہیں کہ "قدرت نے دونوں کی ساخت اور حالات کے اعتبار سے دونوں کے حقوق و فرائض بھی جدا جدا رکھے ہیں، اس حقیقت کو نظر انداز کر دینے کا جو خمیازہ مشرقی معاشرے کو جھیلنا پڑتا ہے، وہ آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہے ـــــ" [2]

اسکے علاوہ اسلام نے جو مساوات انسانوں کو دیئے، مثلاً قانون کی نگاہ میں مساوات اور نماز میں مساوات وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

"خدمتِ خلق" کے باب میں مصنف نے یہ لکھا ہے کہ یہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے، اگرچہ کہ اگلے صفحات میں اسپر تفصیلی گفتگو آچکی ہے اسکے باوجود مصنف نے اور چند معاملات کی طرف اسمیں اشارہ کیا ہے، یعنی بندے کی خدمت سے خدا ملتا ہے۔ لوگوں میں اچھا وہ ہے جو خدمتِ خلق کرتا ہے۔

---

[1] [2] مفتی شمس الدین احمد "شمعِ ہدایت" ص 531 مکتبہ ذکری دہلی 1998

نیز صدقۂ جاریہ یہ ہے کہ درخت لگائے جائیں وغیرہ، اور آخر میں مصنف نے ماحولیات کا ذکر کیا ہے اور اس کی اسلام میں کیا اہمیت ہے، مختصر طور پر لکھا ہے، اسمیں بتایا گیا ہے کہ تسخیرِ کائنات کے وقت پر ہی اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور اس زمین پر طرح طرح کے پیڑ پودے اُگائے اور ان میں پھل پھول عطا کئے تاکہ دنیا کا ماحول خوش گوار بن جائے۔ اسلام پاکی صفائی کا مذہب ہے، اُس نے جسم و دل کی پاکی کے ساتھ ساتھ ماحول کی صفائی پر بھی زور دیا ہے۔

بہر حال یہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مقصد کے تحت لکھی گئی ہے کہ دورِ حاضر کے مسلمانوں اور خصوصاً نوجوانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ آپ صلعم کی سیرتِ مقدسہ ہی اس عالم کو سکون و اطمینان فراہم کر سکتی ہے، چنانچہ مصنف فرماتے ہیں۔

"لہٰذا اس اکیسویں صدی کی دہلیز پر آپؐ کی ذاتِ گرامی منارۂ ہدایت اور آپؐ کا پیغام رحمت، تڑپتی، سسکتی انسانیت کیلئے مژدۂ جانفزا اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شعاعِ اُمید کی حیثیت رکھتا ہے" [1]

یعنی اس کتاب کے ذریعہ مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ صلعم کا پیغام نہ صرف ہر اعتبار سے مکمل اور سارے مسائل کا حل اور دکھوں کا علاج ہے، بلکہ آج دنیا میں یہی ایک واحد دین ہے جو ہر طرح کے خرد برد اور آمیزش سے محفوظ بھی ہے۔

مختصر یہ کہ مفتی شمس الدین احمد نے اس کتاب میں آپ صلعم کے پیغام اور تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ اور اس کیلئے انھوں نے جو اندازِ بیان برتا ہے وہ انتہائی پرکشش ہے۔ خاص کر نوجوان طبقہ کو وہ کافی متاثر کرتا ہے اس لئے کہ انھوں نے اپنی بحث کو تقویت دینے کیلئے نامہ نگاروں کے اقتباسات بھی دئے ہیں

---

۱ مفتی شمس الدین احمد، شمع ہدایت ص 52 مکتبہ ذکری دہلی 1998

جو پچھلی دہائی میں اخبار و میگزین کی زینت بنتے رہے ہیں - یقیناً یہ کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے - نمونہ عبارت ملاحظہ کیجئے۔

..... آپؐ کی تعلیمات کا بڑا حصّہ اخلاقیات پر مشتمل ہے، آپؐ نے جو پیغامِ رحمت دنیا کو دیا، اسمیں خدا کی صحیح معرفت عبادت و بندگی کا صحیح شعور، احکام و قوانین اور دنیا سے لیکر آخرت تک پیش آنیوالے سارے امور و مسائل پر ہدایت و رہنمائی موجود ہے، مگر ان میں ایک نمایاں مقام اخلاقیات کو حاصل ہے - آپؐ نے انسانوں کی اخلاقی تربیت پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔[1]

---

[1] مفتی شمس الدین احمد، شمیم ہدایت ص 203 مکتبہ ذکری دہلی 1998

# نعیم صدیقی

بیسویں صدی کے عظیم علمی و ادبی شخصیتوں میں نعیم صدیقی کا شمار ہوتا ہے جو بیک وقت معروف شاعر بھی ہیں اور ادیب بھی - انہوں نے سیرت کے موضوع پر بھی قلم اُٹھایا ہے اور بارگاہِ رسالت میں نذرانۂ عقیدت پیش کر کے دین و دنیا کی سعادت حاصل کی ہے - ان کی تصنیف " محسنِ انسانیت " اس قدر مقبول ہوئی اور اتنی بار چھپی کہ اسکی اشاعت کا شمار دشوار ہے - یہ کتاب پہلی بار پاکستان میں 1970 میں شائع ہوئی تھی، ہندوستان میں اسکی اشاعت 1964 میں ہوئی تھی - مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی نے اسے جمال پرنٹنگ پریس، دہلی سے شائع کیا تھا اسکے بعد ہر سال دو سال میں محسنِ انسانیت کی اشاعت عمل میں آتی ہے، اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ محسنِ انسانیت کے اب تک بیس ہزار سے زائد نسخے قارئین کے زیرِ مطالعہ ہیں -

یہ ایک ضخیم سیرت النبیؐ ہے، جو بڑی تقطیع کے سات سو پچاس صفحات پر مشتمل ہے - اس میں مصنف نے چھے وسیع ابواب قائم کئے ہیں - ابواب کے انتخاب میں نعیم صدیقی نے سیرت کے صرف اُن پہلوؤں پر نظر رکھا ہے جو عملی و افادی ہیں - وہ ان کے ذریعے حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں میں جذبۂ عمل پیدا کرنا چاہتے ہیں، ہر سیرت نگار کا موضوعات کے انتخاب میں ایک نقطۂ نظر ہوتا ہے وہ اپنے من پسند نظریے کی آنکھ سے تاریخی واقعات پر نظر ڈالتا ہے، چُن چُن کر اُن واقعات کو لیتا ہے جو اسکی بات کے مکمل اظہار میں معاون ثابت ہوتے ہیں، نعیم

صدیقی نے یہی اصول پیش نظر رکھا - تاکہ سیرت صرف محفلوں میں پڑھنے کی چیز بن کر نہ رہ جائے، بلکہ انسان اس پر عمل پیرا بھی ہو، اسلئے نعیم صدیقی آپ صلعم کو مافوق الانسان کی حیثیت سے پیش نہیں کرتے، بلکہ آپ صلعم کو "انسانِ کامل" کی حیثیت سے پیش کرکے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و تقدیس کے لئے ان داستانی کہانیوں (جو ضعیف روایتوں سے ترتیب دی گئی ہیں) کی نہ ضرورت ہے نہ آپ صلعم کے اہل بیت و صحابہ کرام رض کی جلالتِ شان کیلئے ان کی حاجت ہے، ان کی عظمت کا سب سے بڑا شاہد تو خود خدائے مطلق و قادر و علیم ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت اور آپ صلعم کے بے مثال کارنامے۔ نعیم صدیقی نے یہ نظریہ اس لئے بھی قائم کیا ہو کہ وہ جدید تعلیم سے آراستہ مسلم نوجوانوں کو جو ہر بات کی سچائی کیلئے عقلی دلیل چاہتے ہیں اور جن کی نظر میں دو جمع دو پانچ کبھی نہیں ہو سکتے۔ نیز غیر مسلموں کو آپ صلعم کے ذاتی خوبیوں سے روشناس کرانا چاہتے ہیں، اسلئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک بین الانسانی مشن کی داستان ہے، وہ قرآن کے ابدی اصولوں کی تفسیر ہے جسے عمل کی زبان میں مرتب کیا گیا ہے، وہ اس مقدس پیغام کی تکمیل ہے، جسکی مشعل آدم عل، ابراھیم عل، موسیٰ عل، عیسیٰ عل اور جملہ انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے دور میں روشن کرتے رہے ہیں۔

"محسنِ انسانیت" کے ابواب کے عنوانات یہ ہیں ۱) پیغام، نصب العین اور تاریخی مقام

۲) شخصیت ایک نظر میں ۳) محسنِ انسانیت، مکی دور میں

۴) محسنِ انسانیت ـ مدنی دور میں ۵) واقعاتِ سیرتِ پاک کی ترتیب زمانی ۶) اولیات و تقدمات

اس کتاب کا دیباچہ: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور تقریظ جناب ماہر القادری

نے لکھی ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ اسلامی دنیا کے دو مقتدر علماء نے اس کتاب سے متعلق اپنی آرا دی ہے۔ اصل کتاب کی ابتداء پہلے باب سے ہوتی ہے، جو دراصل محسنِ انسانیت کا مقدمہ ہے۔ اس میں مصنف نے بارہ ذیلی سُرخیاں بنائی ہیں۔ ان کے ذریعہ سے انھوں نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی ضرورت کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ دنیا میں ہر عہد میں مصلحین دکھائی دیتے ہیں، ان میں شیریں مقال واعظ اور آتش بیان خطیب بھی۔ ان میں مخلص رہبر بھی ہیں اور بادشاہ و حکمراں بھی ہیں۔ مگر ان میں کوئی ایسا نہیں دکھائی دیتا، بجز انبیائے کرام کے جو انسان کو پورے طور پر اندر بدل سکا ہو فرماتے ہیں:

"حضورؐ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپؐ کی دعوت نے پورے کے پورے اجتماعی انسان کو اندر سے بدل دیا اور صبغۃ اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے لیکر بازار تک، مدرسے سے عدالت تک اور گھروں سے لیکر میدان تک چھا گیا۔ ذہن بدل گئے۔ حقوق اور فرائض کی تقسیم بدل گئی، خیر وشر کے معیارات اور حلال و حرام کے پیمانے بدل گئے۔ اخلاقی قدریں بدل گئیں۔ دستور اور قانون بدل گیا..... اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایا پلٹ گئی ۔۔۔۔۔ [1]

مصنف نے آپ صلعم کی بعثت کے وقت عرب کے جو حالات تھے اس کا بھی مختصر ذکر کیا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان بدترین حالات میں عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر آپ صلّی اللہ علیہ وسلم تنہا اُٹھے تھے۔

اسی باب میں نعیم صدیقی نے کلمۂ توحید کی مختصر مگر جامع وضاحت کی ہے

1۔ نعیم صدیقی "محسنِ انسانیت" (طبع نہم) ص ۲۰ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1978ء

اور اسے کلمۂ تحریکِ اسلامی کا نعرہ کہا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاحِ معاشرہ کیلئے جو نصب العین اختیار کیا تھا اسکی وضاحت کی ہے۔ یعنی دعوتِ حق کیلئے آپ صلعم نے کیا کیا منصوبے بنائے تھے، کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کی اور کہاں کہاں اور کیسے کی اور اس میں کیا کیا دشواریاں پیش آئیں۔ کس طرح قریش نے تبلیغی کاموں میں رخنہ ڈالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین کس طرح تحریک میں تبدیل ہوگیا اور اس تحریک کے ذریعہ سے آپ صلعم نے زندگی کے تمام شعبوں میں کس طرح یکسانیت پیدا کی اور اس تحریک نے کس طرح اصلاحی، تعلیمی اور اخلاقی انقلاب پیدا کیا، جس کے نتیجہ میں ایک نئے انسان کا جنم ہوا۔ یہ ساری تفصیلات مختصر انداز میں موصوف نے پیش کی ہیں۔ علاوہ ازیں نتائج کے اخذ کرنے میں آپ صلعم کی قربانیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور دعوتِ فکر دی ہے کہ ہم غور کریں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں، کیا ہم اس مقدس انقلاب کی پاسبانی کر رہے ہیں؟ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رض کی قربانیوں کے بعد ہم تک پہونچا تھا۔ اسلئے وہ مشورہ دیتے ہیں کہ مطالعہ سیرت کا نقطۂ نظر کیا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ سیرت کا مطالعہ جس مقصد کیلئے کیا جا رہا ہے اس سے وہ حاصل نہیں ہو رہا ہے جو حاصل ہونا چاہیئے، لکھتے ہیں:

"بدقسمتی سے سیرتِ نبوی ص کا مطالعہ ہمارے ہاں اس اسپرٹ اور اس نقطۂ نظر سے کم ہو رہا ہے جس سے ہونا چاہیئے، ہماری دلچسپی اس میدان میں پوری طرح یہ نہیں رہی کہ ہمیں وہاں سے ایک نقشۂ زندگی حاصل کرکے اپنے آپ کو اسکے سانچے میں ڈھالنا چاہیئے، بلکہ بعض دوسری دلچسپیاں بیچ میں آگئی ہیں اور روز بروز بڑھ رہی ہیں"۔ ۱

آگے چل کر نعیم صدیقی لکھتے ہیں کہ سیرت کا مطالعہ صحیح بنیادوں پر ہو، جس سے

---

۱۔ نعیم صدیقی "محسنِ انسانیت" (طبع نہم) ص 82-83 مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1978ء

ہماری زندگی میں انقلاب آ سکے۔ اس باب کے آخر میں موصوف نے ان مغربی اقوام
کا ذکر کیا ہے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ نظام کو سمجھنے کی کوشش نہیں
کی۔ ان اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے ارباب کلیسا اور مستشرق مورخین نے
قرآن، اسلام اور بانیٔ اسلام سے متعلق جو لٹریچر پیش کیا ہے، اسکی وضاحت کردی
ہے۔ نیز یہ بھی بتایا ہے کہ سیرت پاک پر اعلیٰ درجہ کی علمی و تحقیقی کتابوں کی
موجودگی میں انھوں نے یہ کتاب کیوں ترتیب دی۔ فرماتے ہیں :

"اس کتاب کا اصل پیغام یہ ہے کہ ہم محسن انسانیت ﷺ کی دعوت کا احیاء کریں
حضور ﷺ کے قائم کردہ خطوط پر تبدیلی احوال کیلئے جدوجہد کریں اور نظام عدل
و رحمت کو ٹھیک اس عملی نقشہ پر استوار کریں جو قرآن کے اصولوں کو سامنے رکھ
کر اس قائد انسانیت نے وضع کیا تھا ۔۔۔" ۱

"شخصیت ایک نظر میں" محسن انسانیت کا دوسرا باب ہے۔ دراصل اسی باب
سے سیرت کے مضامین کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس میں موصوف نے آپ صلعم کا
تعارف کروایا ہے اور اس تعارف میں مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک
شخصیت کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، اسلئے کہ کسی بھی شخصیت کو سمجھنے
میں اسکی وجاہت بہت معاون ثابت ہوتی ہے۔ یعنی آدمی کا سراپا، اسکے بدن کی
ساخت، اسکے اعضاء کا تناسب خاص، اسکا ذہنی اخلاقی وجذباتی مرتبہ کا آئینہ
دار ہوتا ہے، خصوصاً چہرہ ایک ایسا قرطاس ہوتا ہے جس پر انسانی کردار اور کارناموں
کی ساری داستان لکھی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی ہم کسی شخص سے ملاقات
کرتے ہیں تو کلام سے پہلے ہم اسکے چہرے مہرے سے متاثر ہوتے ہیں، انہی
خیالات کے پیش نظر نعیم صدیقی نے آپ صلعم کی شخصیت کی ساری خوبیاں جو
احادیث و سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں، یکجا کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے

---

۱ نعیم صدیقی "محسن انسانیت" (طبع نہم) ص 83-82 مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
1978

نبی کریمؐ کی کوئی تصویر موجود نہیں ہے۔ یورپ میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی جو فرضی تصاویر بنائی گئی ہیں ان سے مسلمانوں کو اختلاف ہے۔ ان تصاویر کو بھی مستشرقین کی سازش تصوّر کرنا چاہیئے۔ نعیم صدیقی بھی اس بات سے واقف ہیں۔ اسی لئے انھوں نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک جو صحابہ کرام رضؓ نے بہترین الفاظ میں مرتّب کی ہے، احاطہ کیا ہے۔ تاکہ قارئین حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کرنے سے قبل ایک عظیم پیغمبر اور کامل انسان کی جھلک دیکھ لیں۔

نعیم صدیقی نے آپ صلعم کے حلیۂ مبارک کی جو جزئیات پیش کی ہیں، اس سے آپ صلعم کی لفظی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اسمیں پہلے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کی طرف اشارہ کیا ہے اور دس اشخاص کے تاثرات بیان کئے ہیں۔ چند تاثرات ملاحظہ ہوں۔

★ "میں نے جوں ہی حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو فوراً سمجھ لیا کہ آپ صلعم کا چہرہ ایک جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا ——" (عبداللہ بن سلام)

عبداللہ بن سلام یہود کے ایک بڑے عالم تھے جن کا نام حُصین تھا۔ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے پر آپ صلعم کو دیکھنے آئے تھے، دیکھتے ہی ان کے منہ سے یہ کلمات نکلے، پھر ایمان لائے اور عبداللہ بن سلام نام تجویز ہوا۔

ایک یہودی عالم کا آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان لانا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلعم کے چہرۂ مبارک سے ہی ثابت تھا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم سچے انسان ہیں، یعنی پیغام کو سن کر ایمان لانے والے تھے ہی، مگر ایسے اشخاص کی کمی نہیں تھی جنھوں نے آپ صلعم کے چہرۂ اقدس کو دیکھا اور ایمان لے آئے۔

★ مطمئن رہو، میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھا، وہ کبھی تمھارے ساتھ بدمعاملگی کرنے والا شخص نہیں ہو سکتا

اگر ایسا آدمی (اونٹ کی رقم) ادا نہ کرے تو میں اپنے پاس سے ادا کردوں گی ۔ (ایک معزز خاتون)

" واقعہ یہ ہے کہ مدینے میں ایک تجارتی قافلہ وارد ہوا اور شہر سے باہر ٹہرا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاقاً اس طرف گذر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کا سودا کرلیا اور یہ کہہ کر اونٹ ساتھ لے آئے کہ قیمت بھجوا دیتا ہوں ۔ بعد میں قافلے والوں کو تشویش ہوئی کہ بغیر جان پہچان کے معاملہ کرلیا، اسپر سردار قافلہ کی خاتون نے مذکورہ فقرہ کہا، حضور صلعم نے طے شدہ قیمت سے زیادہ مقدار میں کھجوریں بھجوادیں ۔

یعنی چہرہ ایسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات پر یقین کرنے کو جی چاہے، اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہ رض، حضرت علی رض، حضرت جابر بن سمرہ رض، حضرت کعب بن مالک رض وغیرہ کے تاثرات بیان ہوئے ہیں۔

اسکے بعد چہرہ اطہر، رنگت، آنکھیں، ناک، رخسار، دہن، دندان مبارک، ریش مبارک، گردن، سر مبارک، بال، کندھے اور سینہ مبارک، قدم مبارک اور مجموعی ساخت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس بیان کی خصوصیت یہ ہے کہ نعیم صدیقی نے بغیر کسی وضاحت کے من وعن صحابہ کرام اور دیگر اشخاص کے الفاظ رکھ دیے ہیں اور ان کی تعداد پچپن ہے، پھر ان مشاہدات کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جامع لفظی تصویر پیش کی ہے، اسکے لئے مصنف نے "رحمۃ للعالمین" میں آپ صلعم کی بزبان ام معبد جو تصویر کھینچی ہے، بیان کی ہے ۔

بعد ازاں آپ صلعم کا لباس، وضع قطع و آرائش، رفتار، تکلم اور خطابت کا تفصیلی ذکر کیا ہے، لباس سے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ آپ صلعم لباس میں موسمی تحفظ، ستر، سادگی، نظافت و نفاست اور وقار کا خاص لحاظ رکھتے تھے کرتا، پاجامہ عمامہ اور چادر آپ صلعم کے لباس میں شامل ہیں اور اسکی بناوٹ ایسی ہوتی جس سے

فقر و سادگی کی شان پیدا ہو۔ اکثر سفید رنگ کو پسند فرماتے اور سبز رنگ بھی پسند تھا۔ وضع قطع اور آرائش سے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کو بہت سلیقے سے رکھتے، سفر میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے وغیرہ، آپ صلعم کی رفتار و گفتار کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چال عظمت، وقار، شرافت اور احساس ذمہ داری کی ترجمان تھی اور تکلم بے انتہا دلکش و موثر تھا، موضوعات و الفاظ کا انتخاب، فقروں کی ساخت آواز کا زیر و بم، لہجے کا اسلوب اور بیان کا زور آپ صلعم کی گفتار کی نمایاں خصوصیات تھیں اور کلمات میں معانی کا ایک سمندر رواں تھا خطابت بھی تکلم ہی کا ایک جزو ہے جو تمام انبیائے کرام کو اللہ کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے آپ صلعم میں اسکی قوت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ ضرورت کے تحت اعتدال سے قوت خطابت کا استعمال کرتے، آپ صلعم نے جو کچھ فرمایا وہ دلوں میں جاں گزیں ہو گیا، اسکی اچھی مثال حجۃ الوداع کا وہ خطاب ہے جس میں آپ صلعم نے مختصر الفاظ میں دین اسلام کا نچوڑ پیش کیا تھا۔

اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام سماجی رابطہ آپ صلعم کی نجی حالات زندگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذائیں، نشست و برخاست، بشری حاجات سفر کے دوران آپ صلعم کے جذبات، آپ صلعم کا مزاج، دیگر معاملات میں آپ صلعم کا طریقۂ کار اور آخر میں آپ صلعم کے اخلاق حمیدہ کا مختصر احاطہ کیا ہے

تیسرا باب جو "محسن انسانیت"[2] (مخالفتوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے) مکی دور کے نام سے موسوم ہے۔ تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے، جس میں چھتیس ذیلی سرخیوں کے تحت مصنف نے آپ صلعم کی مکی زندگی کا احاطہ کیا ہے، اس کے لئے نعیم صدیقی نے بیانیہ انداز اختیار کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا مصنف ایک افسانہ نگار یا ناول نگار کی طرح آپ صلعم کی مکی زندگی کی کہانی Narate کر رہے

ہیں، جس میں آپ صلعم کی پیدائش، دائی حلیمہ، رضاعت، والدین کا رحلت زمانا اور قبل از بعثت اور آپ صلعم کے اخلاق و عادات کو موثر انداز میں پیش کیا ہے پھر تعمیر کعبہ کے موقع پر حجر اسود نصب کرنے میں آپ صلعم کی صلح، تجارتی صلاحیتیں امین لقب پانا، وعدہ وفا کرنا، حضرت خدیجہؓ سے نکاح، آپ صلعم کے احباب کا تذکرہ اور آپ صلعم کی غار حرا کی عبادت وغیرہ کا مختصر ذکر کیا گیا ہے، لیکن انداز ایسا ہے کہ ہر بات دل میں اتر جاتی ہے، ایک ابتدائی اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

" اس شاخ گل کی اٹھان دیکھیے جس کی تواضع کانٹوں سے کی گئی، عرب کے ایک ممتاز، مہذب اور اعلیٰ روایات رکھنے والے خاندان میں سلیم الفطرت والدین کے قران السعدین سے ایک انوکھا سا بچہ یتیمی کے سائے میں پیدا ہوتا ہے ایک غریب مگر شریف ذات کی دایہ کا دودھ پی کر دیہات کے صحت بخش ماحول کے اندر فطرت کی گود میں پلتا ہے۔ وہ خاص الٰہی انتظام سے صحرا میں تگ و دو کرتے کرتے زندگی کی جولان گاہ میں مشقتوں کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرتا ہے اور بکریاں چرا کر گلہ بانی اقوام کی تربیت پاتا ہے " [1]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کا ابتدائیہ بیان ہوا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلعم کے کلمہ حق پکارتے ہی کس طرح زمانے کی آنکھیں بدل جاتی ہیں اور کل تک جو شخص قوم کا مایہ ناز فرزند تھا، آج وہ اسکا دشمن اور مخالف بن جاتا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قریش کے وجوہ مخالفت کیا تھیں۔ ان اسباب کو نعیم صدیقی نے ایک الگ نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ یعنی سیرت کی کتابوں میں اکثر ایسے وجوہات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جن کا تعلق خدا کی ذات سے ہے کہ آپ صلعم نے قریشی خداؤں کا نقاب الٹ دیا۔ مگر اور بھی وجوہات تھیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ دعوت محمدیؐ ان کی عادات (شراب، بدکاری، جوا، سود خواری) ان کی

---

1۔ نعیم صدیقی، "محسن انسانیت" ص 138 طبع نہم مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1978ء

خواہشات (آزادوں کو غلام بنانا) ان کے فنونِ لطیفہ اور ان کے محبوب کلچر کی دشمن تھی، چنانچہ وہ جذباتی ہیجان کے ساتھ اسکی دشمنی کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ۔

اسکے بعد مصنف نے دعوت کے خفیہ دور کا احاطہ کیا ہے، جس میں ابتداء میں مسلمان ہونے والوں کے نام بتائے گئے ہیں، پھر دعوتِ عام پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اسمیں آپ صلعم کی اعلانیہ تبلیغ جو کوہِ صفا سے شروع ہوئی تھی اور آپؐ کی دعوتِ طعام جس میں تمام **افرادِ خاندان شامل تھے** خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے ۔ نیز اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کیلئے قریش نے جو منصوبے بنائے تھے ان کا بھی مختصر جائزہ لیا گیا ہے ۔ مثلاً قریش کے گندے پروپیگنڈے، قریش کی بے ایمانی، شرارت اور فتنہ پسندی و غنڈہ گردی وغیرہ بعد ازاں قریش کے اشتعال انگیز منصوبوں کا ذکر کیا ہے، جس کے ذریعے سے اسلام کی ترقی میں رخنہ ڈالنا چاہتے تھے، لیکن جو بھی قریش منصوبے بناتے اس کا اثر الٹا ہی ہوتا، تب قریش نے سودا بازی کا طریقہ اختیار کیا، اسکی تفصیلات بھی مصنف نے قدرے تفصیل سے بیان کی ہیں، اسکے بعد ہجرتِ حبشہ، حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کا قبولِ اسلام وغیرہ کے مضامین آئے ہیں ۔

اسکے بعد مصنف نے اس عظیم واقعے کا ذکر کیا ہے جو شعبِ ابی طالب کے نام سے مشہور ہے ۔ اسلام کی ترویج سے پریشان ہوکر کفارِ قریش نے آپ صلعم کا سماجی بائیکاٹ کیا تھا، اسکی ساری تفصیلات نعیم صدیقی نے بیان کی ہیں ۔

اسکے بعد دو عظیم سانحوں کا ذکر کیا ہے ۔ یعنی حضرتِ ابو طالب اور حضرتِ خدیجہ کی وفات کا تذکرہ ۔۔۔ پھر طائف میں دعوتِ حق کے وقت پیش آنیوالے واقعات کا جائزہ لیکر معراج کے واقعے کو پیش کیا ہے ۔ نعیم صدیقی نے اور سیرت نگاروں کی طرح معراج کی تفصیلات بیان نہیں کی ہیں، اس سلسلے میں صرف اتنا کہا ہے کہ اللہ نے سابق انبیاء کو بھی معراج عطا کی تھی ۔ آپ صلعم کو یہ شرف حاصل

ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج اپنے اندر شانِ کمال رکھتی ہے۔ نیز اس قربِ خاص میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل کی گئی تھی اسکے نکات بیان کئے ہیں اور اس باب کے آخر میں "الوداع اے مکہ" کے عنوان کے تحت ہجرت کے مختلف واقعات کی وضاحت کی ہیں۔

چوتھا باب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ جو تریسٹھ سال پر پھیلی ہوئی ہے۔ دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بیشتر ایام مکے کی سر زمین پر بسر ہوئے اور ان میں دس گیارہ سال ظلم و تشدد کو برداشت کرتے ہوئے مخالفتوں کے طوفان سے گذر کر دینِ اسلام کی تبلیغ کی۔ جس کی روداد نعیم صدیقی نے پچھلے ابواب میں بیان کر دی ہے۔ اس باب میں زندگی کا وہ حصہ زیرِ بحث لایا ہے جہاں اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ آقائے نامدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصرِ اسلام کو مضبوطی عطا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکی دور دعوت و پیغام کا دور تھا اور مدنی دورِ اقتدار کا۔

مصنف نے اس باب کی ابتداء میں اس غلطی فہمی کا ازالہ کیا ہے کہ اسلام اور بانیٔ اسلام پر امتحان کی کٹھن گھڑیاں صرف مکی دور ہی میں پیش آئیں اور مدینے میں حالات تمام تر سازگار تھے، اس ضمن میں موصوف نے ایک نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ:

"۔۔۔ تاریخی کلیہ یہی ہے کہ اصلاح و تعمیر کا کام جتنا جتنا آگے بڑھتا گیا ہے اسلام دشمن اور جمود پسند طاقتیں اسکو تباہ کرنے کیلئے جذباتِ عداوت میں اتنی ہی زیادہ بہکتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ حق جب مظلومی کے تختۂ دار سے ایک جست لگا کر تختِ اقتدار پر قدم رکھتا ہے تو باطل کا بغض و حسد بھی ساری حدوں سے آگے نکل جاتا ھے"۔ یہی صورت مدینہ میں نئی مسلم سوسائٹی

کے قیام اور امن وسلامتی کی ریاست کے بپا ہونے پر پیدا ہوئی ہے ۱

اسکے بعد مدینہ کی سیاسی و مذہبی فضا، مدینہ میں تبلیغ اسلام، بیعت عقبہ اولی، سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر کا قبول اسلام اور بیعت عقبہ ثانیہ کا ذکر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم کے سلسلے میں جو تیاریاں مدینے میں چل رہی تھیں اس کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ پھر آپ صلعم نے جو تعمیری اقدامات کئے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ مثلاً مدینے میں مسجد کی تعمیر۔ دعوت کے کام میں تیزی لانا، اسلامی ریاست کی تاسیس اور مہاجرین کی بحالی کے مسائل وغیرہ۔ اسکے ساتھ ہی یہودی اور منافقین کی چال بازیوں اور ان سے ہونے والے مناظروں کا بھی مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

بعد ازاں یہود کے بعض طریقوں کی نشاندہی کی ہے جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے، اس وجہ سے کہ یہ بھی اہل کتاب ہیں۔ پھر تحویل قبلہ کی طرف اشارہ کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ عالمی دعوت خیر و فلاح کا جو مرکز پہلے بیت المقدس تھا وہ اب حرم کعبہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ یعنی عالمی امامت کے منصب سے بنی اسرائیل کو معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ ملت اسلامیہ کو مامور کیا گیا۔

اسکے بعد قریش کی بدتمیزیاں، انکے مضحکہ خیز مطالبات۔ یہود کا طرز عمل، مفسدانہ پروپیگنڈہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام تراشیاں اور حضرت عائشہ رض پر گندے بہتان کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے، اور اس قسم کے پروپیگنڈے کی تاریکیوں کو توڑنے کیلئے جو آیات اتری تھیں۔ ان کی تشریح و تفسیر، تبصرہ، تجزیہ اور تزکیہ کے زیر عنوان کی گئی ہے اور اس بہتان تراشی میں جو اشخاص شامل تھے ان پر وعید کی گئی ہے۔ خصوصاً اس کا اثر حضرت حسان بن ثابت پر کچھ زیادہ ہی ہوا۔ نعیم صدیقی نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور حضرت حسان بن ثابت کا جذبہ ندامت جو

---

۱ نعیم صدیقی "محسن انسانیت" طبع نہم ص 238 مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1978

جو اشعار کی صورت میں امڈ پڑا تھا جس میں بقول نعیم صدیقی " شعر کے پانی سے انہوں نے اپنے ہی لگائے ہوئے درخت کو حضرت عائشہؓ کے دامن پاک سے دھونے کی کوشش کی۔ قارئین کی سہولت کیلئے مصنف نے عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔ نیز سورۂ نور کی روشنی میں جو تبدیلیاں مسلمانوں میں آئیں ان کا ذکر کیا گیا ہے مگر قریش کی شرانگیزیوں میں ابھی کمی نہ آئی تھی اور وہ اسکے لئے کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتے تھے۔ اس سلسلے کے شرپسند واقعات کو بھی مصنف نے جگہ دی ہے۔ اسکے علاوہ مخالف قوتوں نے کس طرح اسلامی ریاست کے نظام عدل میں رخنہ اندازیاں کیں اور نظم و نسق کو کمزور کرنے کیلئے کیا کیا اس کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ پھر مدینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی جو کوششیں ہوتی رہی ہیں ان کا بھی مختصر تذکرہ کیا گیا ہے، مثلاً اوپر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش۔ کعب ابن اشرف کا دھوکے سے حضور صلعم کو دعوت پر بلوا کر قتل کر دینے کی سازش کرنا اور ایک یہودی عورت کا بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مار دینے کی کوشش کرنا وغیرہ اسی طرح اور بھی واقعات مصنف نے اس ضمن میں بیان کئے ہیں۔ اور آخر میں ان انتقامی کارروائیوں کا ذکر کیا ہے جو اہل قریش آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں سے لینا چاہتے تھے۔

"تلواروں کی چھاؤں میں" محسن انسانیتؐ کا پانچواں باب ہے۔ اس باب کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دفاع کیلئے جو جنگیں لڑیں، ان کی تفصیلات آئی ہیں۔ ان کی تفصیل سے پہلے نعیم صدیقی نے اسلامی نظریۂ جہاد کی تشریح پر توجہ دی ہے اور جنگ کے جو غلط مفہوم کو فرنگیوں نے پیش کیا ہے، اس کو رد کیا ہے اور بتایا ہے کہ ریاست مدینہ کی جنگی کارروائیوں کی غرض و غایت اسلام کو جبراً لوگوں پر مسلط کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد قائم شدہ

اسلامی ریاست اور اسلامی سماج کا تحفظ ہے۔ اس کا مقصد اس آئیڈیالوجی کا تحفظ ہے جس کی اساس پر نظامِ حق قائم ہوتا ہے۔ اس کا مقصد ہر اس تخریبی قوت کا انسداد ہے جو اسلامی انقلاب کیلئے باعث خطرہ ہو اور جو اسکی تکمیل میں حائل ہونے والی ہو — اس کا مقصد ہر ایسے ظالمانہ اقتدار خواہ وہ سیاسی ہو، معاشی ہو، مذہبی ہو یا معاشرتی —— کا قلع قمع کرنا جو تہذیب کے نشو و ارتقاء اور انسانیت کی بھلائی کے راستے کا روڑا بن رہا ہو۔

اسی طرح قرآن کے فلسفۂ جنگ پر بھی بحث کی ہے۔ اور اس سلسلے میں مصنف نے پانچ آیات پیش کی ہیں جن سے جنگ کا قرآنی مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھائی جائے جن کے خلاف جنگ چھڑی جا رہی ہے اور خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے خلاف لڑیں۔ نیز بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کو ظلم سے بچانے کیلئے جنگ کرو وغیرہ۔ اسکے ساتھ نعیم صدیقی نے ان آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اختیار کردہ جنگی پالیسی سے جو نکات اخذ کئے ہیں، ان پر اچھی بحث کی ہے تاکہ ان اشارات کی روشنی میں اسلامی جنگوں کا جائزہ لیا جائے، پھر مدینے کی جنگی کارروائیوں کی نوعیت، حضور صلعم کا منصوبۂ جنگ، قریش کی جارحانہ ذہنیت، مدینے کا دفاعی نظام، حضور کی دفاعی تدابیر، دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر، قریش کے جنگی مسائل اور قریشی قافلۂ تجارت کا مدینہ کے زیرِ نگیں شاہ راہوں سے گزرنا اور اس میں پیدا ہونے والے تنازع وغیرہ پر بحث کی گئی تھی۔

بعد ازاں معرکۂ بدر کا ذکر کیا گیا ہے۔ عام سیرت نگاروں کی طرح نعیم صدیقی نے اس جنگ کی تفصیلات بیان نہیں کی ہیں۔ بلکہ غزوۂ بدر کے نتائج پر ان کی نظر ہے۔ جنگ سے متعلق وہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ "اس معرکے میں باپ اور بیٹے، چچا اور بھتیجے بھائی اور بھائی، خسر اور داماد خونی رشتوں کو فراموش کر

کے اپنے اپنے تصورِ حیات کے بچاؤ کیلئے آمنے سامنے آ گئے تھے ۔[1]

اس کے علاوہ جنگ کی تاریخ، شہیدوں کی تعداد، جنگ میں مارے گئے کفار کی تعداد، مارے جانے والے رؤسائے قریش کے چند اہم نام اور فدیہ لیکر قیدیوں کی واپسی وغیرہ پر اظہارِ خیال کیا ہے ۔ چوں کہ جنگ کے نتائج کا بیان مصنف کا مقصود ہے ۔ اس لئے اسکے جزئیات کا احاطہ نہیں کیا گیا، صرف اس کے نتائج کو بیان کیے ہیں یعنی اس جنگ نے قریش کو معاشی چوٹ پہنچائی، فدیے کی رقم میں قریش کو ۲ ۱/۲ لاکھ درہم مسلمانوں کو دینے پڑے، سیاسی حیثیت سے قبائل عرب کی نگاہوں میں اسلامی تحریک اور ریاستِ مدینہ کا وقار بڑھ گیا، مدینے کے بعض یہودی قبائل اس جنگ کے بعد ہی مدینے کے دستوری معاہدہ میں شریک ہوئے، بکثرت کفارِ مدینہ ایمان لائے اور صحیح معنوں میں اسلام معرکۂ بدر کے بعد ہی ایک مسلّمہ عام ریاست بنا، ان مادّی نتائج کے ساتھ مصنّف نے ان نعمتوں کا بھی ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جنگ کے موقع پر عطا ہوئی تھیں ۔ اسکے ساتھ ہی "دو قوتوں کا فرق" کے عنوان کے تحت نعیم صدیقی نے دو قوتوں (مسلمان و کفار) کے نظریاتی و اخلاقی فرق کو بھی واضح کر دیا، لکھتے ہیں:

"ایک لشکر دنیوی مقاصد و اغراض اور قبائلی و نسلی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر محض اللہ کی راہ میں نوعِ انسانی کی عظیم فلاح کیلئے اٹھتا ہے ۔ دوسرا لشکر اپنی سرداری اپنے نسلی غرور، اپنے تجارتی مفاد اور اپنے اندھے جذبات کی خاطر آگے بڑھتا ہے، وہ لشکر خدا کے سامنے عاجزی کرتا ہے، نمازوں اور رکوع و سجود میں مگن اور رضائے الٰہی پر نگاہیں جمائے میدان میں اترتا ہے ۔ یہ لشکر دعوتیں اور ضیافتیں، شرابوں کے دور چلاتا، موسیقی کی تانوں میں بہکتا، اور رقاصاؤں کی بدنی حرکتوں سے دل بہلاتا ہوا سامنے

---

[1] نعیم صدیقی "محسنِ انسانیت" طبع نہم ص 442 مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1978

آتا ہے۔ ... اور پھر قدرت دونوں کے درمیان فتح و شکست کا انتہائی بین فیصلہ کرتی ہے کہ اندھوں کو بھی دکھائی دینے لگے کہ مٹنے والی قوت کونسی ہے اور پھلنے والی کونسی ؟ ـــــــ ۱

یعنی جنگ صرف اللہ کے لئے لڑی جائے ۔ لشکر کی تعداد اور جنگی سامان کی کمی جنگ کے نتیجہ پر اثر انداز نہیں ہوتی ۔ اللہ جسے چاہتا ہے، فتح دیتا ہے ۔ اس جنگ نے یہ بھی بتا دیا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کیسی ہو؟ جس کی طرف مصنف نے صرف اشارے کر دئے ہیں ۔ اسکے ساتھ ہی معرکۂ بدر کے بعد کے رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لیا ہے ۔

اسلام میں دوسرا معرکہ احد ہے ۔ نعیم صدیقی نے اس پر اختصار سے روشنی ڈالی ہے، اسمیں قریش کی جنگی تیاریوں کی تفصیلات ۔ عورتوں میں انتقام لینے کا جذبہ ۔ اس جنگ میں قریشوں کی تعداد اور ان کے حوصلوں کا ذکر کیا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کرنا، اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد، جنگ کے میدان میں اترنے سے پہلے اس کا جائزہ پھر آپ صلعم کا جنگی نقشہ ترتیب دینا وغیرہ پر بحث کی گئی ہے ۔ پھر جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے، بعد میں اس جنگ کے چند خاص پہلوؤں پر اظہارِ رائے کی ہے مثلاً نظم و ضبط تحریکوں کی اصل طاقت ہوتی ہے اور ہر قسم کے مقابلوں میں اس کی اہمیت اساسی ہوتی ہے اور نظم اور ڈسپلن کی بنیاد اس اخلاقی صفت پر استوار ہوتی ہے جس کا نام صبر ہے ۔ قرآن نے بھی مسلمانوں کی شکست پر مفصل تبصرہ آلِ عمران میں کیا ہے ۔ اسکی تفسیر بھی مصنف نے بیان کی ہے اور مسلمانوں کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے ۔ اسکے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکست کے بعد جو معرکۂ احد پر تبصرہ فرمایا تھا اسکو تفصیل سے بیان کیا ہے

---

۱ ۔ نعیم صدیقی "محسنِ انسانیت" ص ۴۴۵-۴۴۴ طبع پنجم ۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1978 ۔

اس تبصرے کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی صلاحیت وبصیرت کس درجے کی تھی۔ اس تبصرے کا لب لباب یہ ہے کہ مسلمان فوج فتح کے نشے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو فراموش کرکے مالِ غنیمت لوٹنے کیلئے پہاڑی سے اتر آئی جس کے نتیجے میں انھیں شکست کھانی پڑی مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبصرے کی روشنی میں بارہ نکات پر بحث کی ہے۔ اسکے بعد احد کے بعد کے واقعات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ بعد ازاں تیرا معرکہ خندق کا تفصیلی بیان ہوا ہے اس میں قریش کا باہمی اتحاد اور عرب کے مختلف قبائل کے نوجوانوں کی فوج میں شرکت وغیرہ پر پہلے بحث کی گئی ہے اس کے بعد ابو سفیان کی کمان میں جو قافلہ جنگ کے لیے روانہ ہوا اور اسکی اطلاع ملنے پر آپ صلعم نے کیا کیا جوابی کارروائیاں کیں۔ خندق کھودنے کیلئے حضرت سلمان فارسی رضی کا مشورہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خندق کھودنے کیلئے جگہ متعین کرنا، خندق کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی وغیرہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ پھر معرکے کا مختصر ذکر کرکے اس جنگ کے اہم نکات پر روشنی ڈالی ہے۔

اس کے بعد فتح مکہ تک کے تمام حالات کا احاطہ کیا گیا ہے جو دو برس پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں بعض اہم سیاسی اقدامات اور چھوٹی چھوٹی فوجی کارروائیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر چوتھے بڑے معرکے یعنی فتح مکہ کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اسلام میں اس جنگ کی کافی اہمیت ہے۔ اسلئے کہ جنگِ بدر، احد اور خندق کے سارے معرکوں میں جاہلی قوتیں خود چڑھائی کرکے مدینہ آئیں اور ساری آویزشیں اسلامی دارالحکومت کے آس پاس ہوئیں۔ ان آویزشوں میں حکومتِ مدینہ نے محض مدافعانہ پوزیشن اختیار کی۔ مگر اب کے مسلمانوں نے خود چڑھائی کرنے کی ٹھان لی تھی۔ مصنف نے جنگ سے پہلے کے اہم واقعات، جیسے کفار اور مسلمانوں کی جنگی تیاریاں وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جو قافلۂ اسلام مکے کی طرف روانہ ہوا تھا۔

اسکی تفصیل بیان کی ہے۔

مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی بصیرت کا ایک واقعہ خصوصیت سے پیش کیا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرا الظہران کے مقام پر پہنچے تو آپ صلعم نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ہر سپاہی اپنے لئے علیحدہ علیحدہ آگ روشن کرے۔ ابوسفیان اور اسکے چند ساتھی دیکھ بھال کیلئے نکلے۔ بلندیوں سے دس ہزار چولہوں کو روشن دیکھا تو سکتے میں رہ گئے کہ اتنا بڑا لشکر مکے کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ نیز مصنف نے ابوسفیان اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسوقت جو گفتگو ہوئی وہ من وعن پیش کی ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ مکے کا سب سے بڑا لیڈر حالات سے مجبور ہو کر اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں داخل ہوئے۔ کفار قریش افرا تفری کے عالم میں تھے۔ مگر آں حضور صلعم نے عام معافی کا اعلان کر دیا جو عفو ورحم کی سب سے بڑی مثال ہے۔ نعیم صدیقی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فاتحانہ پالیسی کا اعلان کر دیا جو عفو ورحم پر مبنی تھی۔ یعنی جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہوگا یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا اور جو کوئی بھی مقابلہ کیلئے ہتھیار نہ اٹھائے گا اسکے لئے امن ہے۔ بعدازاں نعیم صدیقی نے فتح مکہ کے بعد کے تمام حالات کا جائزہ لیا ہے۔ اسمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقل قیام کو لیکر انصار کی چہ میگوئیاں کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں رہیں گے یا مدینے میں۔ آپ صلعم کا حرم میں تشریف لانا۔ توس کے اشارے سے ایک ایک بت کا گر جانا۔ کعبہ کا دروازہ کھولنا اور آپ صلعم کا خطاب۔ وغیرہ پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسکے بعد کے واقعات جیسے حضور صلعم کے حکم سے حضرت بلال رض کا کعبے پر چڑھ کر اذان دینا۔ ام ہانی کے مکان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل کر کے آٹھ رکعت نماز بطور شکرانہ فتح ادا کرنا۔ کوہ صفا پر دوسرے روز خطاب کرنا وغیرہ کو بھی مصنف نے "محسنِ انسانیت صلعم" میں جگہ دی ہے۔ اسکے علاوہ جنھوں نے آپ صلعم کی

شدید مخالفت کی تھی ان کے قبولِ اسلام کی روداد بیان کی ہے۔ مثلاً کعب بن زبیر۔ ہند بنتِ عتبہ اور قرتنا (ابن خطل کی لونڈی) وغیرہ۔

اسکے ساتھ ہی مصنف نے فتح مکہ کے چند اہم اشارات کی طرف توجہ دلائی ہے، اور اس سلسلے میں پانچ نکات پیش کئے ہیں۔ نیز فتح مکہ کے بعد کے واقعات کو مختصر پیش کیا ہے۔ ان میں ان دو غیر ملکی لڑائیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو فتح مکہ کے بعد ہوئی تھیں۔ لڑائی جو مشارف کے مقام پر ہوئی تھی، جس میں زید بن حارث شہید ہوئے تھے اور کمان خالد بن ولید نے سنبھالی اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور دوسری لڑائی قیصر کے خلاف ہوئی تھی۔

اس باب کے آخر میں مصنف نے ان جنگوں پر تبصرہ کیا ہے، لکھتے ہیں۔

"وہ ہستی اس لحاظ سے انسانیت کی عظیم ترین محسن ہے کہ اس نے سلامتی کے پیغام کو پورے عرب میں، پھر ساری دنیا میں پہنچانے میں تلواروں کی جھاڑی میں سے اپنا راستہ نکالا اور انتہائی جنگ پسند حریفوں کی مزاحمت کو توڑ کر نظام قسط کو برپا کیا اور اسے تکمیل دی ۔۔۔"[1]

"اور اُجالا پھیلتا گیا" کے عنوان سے نعیم صدیقی نے "محسنِ انسانیت" کا چھٹا باب لکھا ہے۔ اس میں اسلامی تحریک اور اسلامی ریاست کے پھیلاؤ سے متعلق خصوصی طور پر گفتگو کی ہے۔ ان میں ان نکات کی طرف اشارے ملتے ہیں جو تحریکِ اسلامی کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہوئے۔ مثلاً اسلام کی ہر بات کسی نہ کسی دلیل سے ثابت ہے، اسلئے دلیل کی قوت کی اہمیت کو بتاتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ تحریکِ اسلامی نے خدائے واحد کو خالق، مالک، رازق، حاکم اور ہادی کی حیثیت سے پیش کیا، تو اس زورِ استدلال سے پیش کیا کہ جاہلی اوہام کے اسلحہ کند ہو کر رہ گئے۔ اور اسکے ساتھ ہی اللہ کے بندوں سے خیر خواہانہ اپیل بھی کی گئی، اسکا اثر یہ ہوا کہ

---

1۔ نعیم صدیقی "محسنِ انسانیت" طبعِ نہم ص 527 مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1978

بڑے بڑے سنگ دلوں کو مسخر کر لیا اور جس نے حق کے دشمنوں کو حق کا خادم بنا دیا
نعیم صدیقی نے تحریکِ اسلامی کے فروغ کیلئے دلیل کی قوت اور خیر خواہانہ اپیل کیساتھ اسپر تنقید کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا ھے۔ اسکے بعد مسلم کردار کی اخلاقی قوت پر بحث کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ زبانی دعوت اخلاقی قوت بغیر دلوں کو جیت ہی نہیں سکتی۔
" دلیل جب کردار کے بغیر آئے۔ اپیل جب اخلاص سے خالی ہو اور تنقید جب اخلاقی لحاظ سے کھوکھلی ہو تو انسانیت اس سے متاثر نہیں ہوا کرتی، کردار کی اخلاقی طاقت ہی کسی دعوت میں اثر بھرتی ہے۔ عمل کی شہادت کے بغیر زبان کی شہادت بے کار ثابت ہوتی ہے ــــــ " [۱]
یہی وہ بحثیں ہیں جو نعیم صدیقی کو دوسرے سیرت نگاروں سے الگ کرتے ہیں اور ان کی بحثیں منطقی نہیں ہوتیں ان کی بنیاد ہمیشہ دلائل پر ہوتی ہے۔ اسی طرح اس باب میں مصنف نے آپ صلعم کی حکمتِ عملی اور دور اندیشی پر بھی تبصرہ کیا ہے جو آپ صلعم نے عرب قبائل اور حکمرانِ عرب کو اسلام کے قریب لانے کیلئے متعدد موقعوں پر اپنائی تھی۔ اس میں خصوصی طور پر آپ صلعم نے معاہدانہ روابط سے کام لیا۔ جسکے نتیجہ میں مختلف معاہدے ہوئے۔ جس میں بیعتِ عقبہ، دستوری معاہدہ اور دیگر متفرق قبائل سے معاہدات کے علاوہ اسلامی تاریخ کا عظیم معاہدہ جو صلحِ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے، شامل ہیں۔ مصنف نے اس معاہدے کی ساری تفصیلات قلم بند کی ہیں اور لکھا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ "محسنِ انسانیت" [۲] کی سیاسی بصیرت کا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی مثال ملنی مشکل ہے، جس کے نتیجہ میں اسلام اور اہلِ اسلام کی ترقی و بقا میں جو رکاوٹیں پیدا ہوئی تھیں، دور ہو گئیں اور مسلمانوں کو کعبۃ اللہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ جسے عمرۃ القضاء کہا جاتا ھے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے نعیم صدیقی نے جہاد اور پیغام کا جو اثر عوام پر ہوا جو بعد میں

---

۱ نعیم صدیقی "محسنِ انسانیت" طبع نہم ص 551 مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1978

ایک انقلاب کی صورت اختیار کیا، اُس کا محاسبہ کیا ہے، جس میں عوام کی معاشی فلاح، قائد ریاست کے وسیع تعلقات اور بین الاقوامی دعوت کا آغاز جیسے عنوانات پر بحث کی گئی ہے، پھر تحریک اسلامی کے اجتماع عظیم پر روشنی ڈالی گئی ہے سیرت نبوی کا وہ عظیم واقعہ ہے جس میں اللہ کے دین کے مکمل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ نیز اسلامی تعلقات کا نچوڑ بھی جو خطبہ حجۃ الوداع کی صورت میں ہمارے سامنے ہے

اس کے بعد مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد ایک اور خطبے کا ذکر کیا ہے جو تفصیلی ہے۔ اس میں وہی باتیں دہرائی گئی ہیں جو آپ صلعم نے مختلف اوقات اور خصوصاً خطبہ حجۃ الوداع کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو چیزیں اہل اسلام کے پاس رہ جاتی ہیں یعنی کتاب و سنّت، یہی دو چیزیں ہیں جو "محسنِ انسانیت" کے بعد اہل اسلام کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس سے پیدا ہونے والے صدمات کا بھی ذکر کیا ہے۔ نیز آپ صلعم کے عظیم دعوت کو پھیلانے میں خلفائے راشدین نے جو حصّہ لیا اس کا اعتراف بھی کیا ہے اور آخر میں ان کلمات سے اپنی بات ختم کی ہے۔

" حضور کی جاری کردہ تحریکِ حق کو پھر ایک زندہ حقیقت بنائیں اور تن من دھن صرف کر کے حضور کے پیش کردہ نظامِ عدل کو زمین پر استوار کردیں۔ حضور کے مشن کی تکمیل میں حصّہ لینا ہی حضور کی ممنونیت کا بہترین اظہار ہے"[1]

نعیم صدیقی نے ایک ضخیم سیرت نبوی تالیف کی ہے مگر بقول خود کام ابھی باقی ہے۔ اسی لیے موصوف نے ضمیمہ میں ان ابواب کا ذکر کیا ہے جو سیرت کے موضوع میں ابھی شامل ہو سکتے ہیں۔ ان کا ایک خاکہ بھی انھوں نے پیش کیا ہے۔ جسے پورا کرنے کا وہ ارادہ رکھتے ہیں۔

---

1۔ نعیم صدیقی "محسنِ انسانیت" ص 693 طبع نہم مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1978۔

اسکے بعد "واقعاتِ سیرتِ پاک کی ترتیبِ زمانی" کے عنوان سے تفصیلات پیش کی ہیں، تاکہ قاری کے ذہن میں تاریخ اور سیرت کے واقعات کی ترتیبِ زمانی آجائے اور ایک نظر میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اہم واقعات آنکھوں کے سامنے آجائیں۔ یہ ایک اہم کام ہے جس سے بیشتر کتابیں عاری ہیں۔ اس نقشہ میں آپ صلعم کے یومِ ولادت سے لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین تک کے اہم واقعات آگئے ہیں۔ ان کی تعداد ایک سو بیس ہے۔

دوسرے نقشہ میں بھی دینِ اسلام اور بانیٔ اسلام کے بعض اہم واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان میں ان واقعات کا ذکر ہے جنھیں اولیات و تقدمات حاصل ہے۔ مثلاً سالِ میلاد اولین نزولِ قرآن اولین حلقۂ رفاقت جنھوں نے پہلے اسلام قبول کیا (عورتوں میں، مردوں میں اور بچوں میں غلاموں میں وغیرہ) حضرتِ خدیجہؓ کے بعد پہلی خاتون اولین مرکزِ تحریک، سب سے پہلا خطابِ عام اور سب سے پہلا اسلامی گھرانہ وغیرہ۔ نعیم صدیقی نے ایک سو پندرہ واقعات اور ان سے تعلق رکھنے والے اشخاص و مقام کی فہرست اسمیں شامل کی ہے۔

تیسرے نقشے میں "تحریکِ اسلامی کا عددی نشوونما" پیش کیا ہے۔ مثلاً حضورؐ کی اسلامی تنظیم کا اولین حلقۂ رفاقت، حضرت ابوبکرؓ کی مساعی دعوت سے اسلام قبول کرنیوالے والوں کے نام اور دعوت کے ابتدائی سہ سالہ دور میں حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کے اسمائے گرامی وغیرہ، اسکے علاوہ مختلف غزوات میں حصّہ لینے والے جاں نثاروں کی تعداد بھی درج کی ہے۔

اور آخر میں ان کتب کی فہرست دی ہے جن سے استفادہ کیا گیا اور جن کے حوالے "محسنِ انسانیتؐ" میں شامل کئے گئے ہیں اور مشکوٰۃ شریف کی تین احادیث کو پیش کر کے محسنِ انسانیتؐ کے چند کارنامۂ حیات کی جھلکیوں کو پیش کیا ہے۔

"محسنِ انسانیتؐ" سیرت نگاری کی تاریخ میں ایک اہم اور مستند سیرت

نبوی ؐ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ یہ جدید ذہن کی نفسیات، اسکے مزاج اور عہدِ جدید کے تقاضوں کی رعایت اور شعور پر مبنی ہے، اسلئے نعیم صدیقی نے ایسے موضوعات کا انتخاب ہی نہیں کیا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق الانسان یعنی Superman بنا کر پیش کرے، بلکہ انھوں نے سیرتِ مقدسہ کے واقعات کے انتخاب میں بڑی دیدہ ریزی اور احتیاط سے کام لیا ہے اور آپ صلعم کو ایک "انسانِ کامل" کی حیثیت سے پیش کیا ہے، تاکہ آپ صلعم کی اتباع و اطاعت آپ صلعم کے اس وصف کو دیکھ کر کی جائے نہ کہ خرقِ عادات اور معجزوں کے زور کو دیکھ کر۔ اس ضمن میں ماہر القادری رقم طراز ہیں:

"نعیم صدیقی معجزات کے خدانخواستہ منکر نہیں ہیں، مگر وہ اس حقیقت کو پاگئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "خرقِ عادات" کیلئے نہیں بلکہ "انسانی عادات" کو مربوط اور متوازن بنانے کیلئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ جس کا بہترین اور کامل ترین نمونہ حضور کی زندگی تھی"۔[1]

ماہر القادری کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا ہے اور وہ گروہ جو صحیح و مستند معجزات کا قائل ہے، وہ یہ کہے کہ معجزات سیرتِ نبوی ؐ کا ایک اہم حصہ ہیں۔ اسلئے کہ ان کے ذکر کے بغیر سیرتِ نبوی ؐ کے اس پہلو پر روشنی نہیں پڑتی جہاں کفارانِ قریش نے نبوت کے اقرار کیلئے آپ صلعم سے دلائلِ نبوت دریافت کئے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ معجزہ دلائلِ نبوت میں سے ہے۔ لیکن آپ صلعم کی سیرت وہ معجزہ ہے جس کی طاقت، تاثر اور معنویت تمام معجزات سے زیادہ ہے، ایسے ہی دلائل و مباحث نعیم صدیقی کے پیشِ نظر رہے ہوں گے، اسی لئے انھوں نے اتنی

---

1۔ نعیم صدیقی "محسنِ انسانیت" ص طبع نہم ۱۴ تقریظ ماہر القادری

ضخیم کتاب میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں بیان کیا جس پر 'مافوق الفطرت' باتوں کا اطلاق ہو۔ ڈاکٹر ممتاز فاخرہ لکھتی ہیں ۔

"محسنِ انسانیت ؐ" واقعات کے دلکش انتخاب کے باعث قابلِ توجہ ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے حضور اکرم ؐ کو ایک تحریک کے بانی اور اس دور کے عظیم معرکۂ خیر و شر میں نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اسلئے تمام واقعات کو اس پہلو کی وضاحت کیلئے استعمال کیا ہے تاکہ وہ ثابت کر سکے کہ آج کی بدلتی ہوئی اقدار میں بھی حضور اکرم ؐ کا تتبع کس طرح کیا جا سکتا ہے[1]

اس میں دو رائے نہیں ہو سکتی کہ اول واقعات کا انتخاب، پھر ان واقعات کی ترتیب ہی پڑھنے والے کو سب سے پہلے متاثر کرتی ہے۔ ماہر القادری اس ضمن میں تحریر فرماتے ہیں ۔

"سیرت نگار کی شخصیت کے جوہر واقعات کے انتخاب و ترتیب اور ان کو خاص اسلوب کیساتھ پیش کرنے میں کھلتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب نعیم صدیقی کے ادب و انشاء، اسلوبِ نگارش، اندازِ فکر، دینی رجحان، مورخانہ بصیرت اور ذوقِ انتخاب کا نہایت حسین تعارف ہے ــــــ"[2]

نعیم صدیقی نے سیرت کے جن پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے، ان کی صداقت ثابت کرنے کیلئے مستند کتابوں کے حوالے فٹ نوٹ میں دیے ہیں۔ قرآنی آیات و احادیث کے حوالے بھی جا بجا ملتے ہیں ۔

---

1۔ ممتاز فاخرہ ، اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء ص 29-228 رونق پبلشنگ ہاؤس، دہلی 1984

2۔ نعیم صدیقی "محسنِ انسانیت ؐ" طبع نہم ص 17 تقریظ از ماہر القادری 1978

بہرکیف "محسنِ انسانیت" نعیم صدیقی کے قلم کی طہارت، فکر کی پاکیزگی، دل کے سوز اور دینی شغف کی ترجمان ہے۔ اور اسکی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ دنیا کی ایک بڑی زبان انگریزی میں بھی ہوا ہے، اردو داں حلقوں کی طرح مغربی ممالک میں بھی یہ کتاب مقبولِ عام ہوئی ہے۔

جناب رحم علی ہاشمی نے اس کا ترجمہ بہ عنوان:

"The Benefactor of Humanity"

کیا ہے۔ جسے بورڈ آف اسلامک دہلی کیشنز، دہلی نے شائع کیا ہے۔

—

# مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

آپ کا شمار عصرِ حاضر کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش 1942ء میں موضع حسین آباد، مبارک پور ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی، متاعِ علم دینی انھیں وراثت میں ملی تھی۔ اس خاندان کی علمی بالخصوص محدثانہ خدمات کو عرب و عجم کے علمی وادبی حلقوں میں بہت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، مولانا صفی الرحمٰن مدرسہ فیض عام سے فارغ التحصیل ہیں۔ اور اسی مدرسے میں 1963 سے درس وتدریس کے کام پر مامور ہوئے۔ 1974 سے جامعہ سلفیہ سے منسلک ہوگئے تا حال وہیں خدماتِ دینی انجام دے رہے ہیں۔

انھوں نے اکیس کتابیں عربی اور اردو زبانوں میں تحریر کی ہیں۔ ان میں "تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب"، "تاریخ آل سعود قادیانیت کے آئینہ میں"، "انکارِ حدیث حق یا باطل"، "اسلام اور عدم تشدد" اور "اہلِ تصوف کی کارستانیاں" قابلِ ذکر ہیں، مگر ان کی تصنیف "الرحیق المختوم" گلِ سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے، دورِ حاضر میں جدید سیرتِ نبویؐ کی ایک کامیاب مثال ہے۔

"الرحیق المختوم" اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو رابطہ عالم اسلامی کے تحت منعقد ہونے والے بین الاقوامی مقابلہ سیرت نگاری میں پیش کرنے کی خاطر مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے تصنیف کی تھی، اس مقابلے کیلئے رابطہ کمیٹی مکہ مکرمہ کو 1182 مسودات موصول ہوئے ان میں 171 مسودات کو شاملِ مقابلہ کیا گیا، جانچ کیلئے ایک آٹھ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی، اس

کمیٹی نے جس میں عالم اسلام کے جید علماء اور محققین و ماہرین ادب اسلامی شامل ہیں۔ کتاب ھذا کو اوّل انعام کا مستحق ٹھہرایا اور انعامی رقم پچاس ہزار سعودی ریال سے مصنف کو نوازا گیا۔ اس سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب جیساکہ اوپر ذکر ہوا ہے، عربی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے، مگر اسے ترجموں کے باب میں شامل نہیں کیا گیا، چونکہ فاضل مصنف اردو زبان کے بھی ادیب اور انشا پرداز ہیں۔ نیز یہ کہ انھوں نے عربی سے خود اردو زبان میں اسے منتقل کیا ہے، یعنی اصل کتاب اور اردو ترجمہ دونوں انہی کی تحریریں ہیں اسلئے مناسب سمجھا کہ اس کو اردو سیرت نگاری کے باب میں جگہ دی جائے، دوسرے یہ کہ عربی زبان کے ماہرین نے اس کتاب کو سراہا ہے تو ظاہر ہے کہ اسمیں شامل تمام روایات مستند ہیں۔ نیز یہ کتاب ترجمہ کے بجائے مستقلاً ایک طبع زاد تصنیف اردو معلوم ہوتی ہے۔

" الرحیق المختوم " کل 764 صفحات پر مشتمل ہے، جس میں پانچ بڑے ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب اپریل 1988ء میں المجلس العلمی لعلی گڑھ سے شائع کی گئی ہے۔ یہی نسخہ اب میرے زیر مطالعہ ہے۔

اصل کتاب کے آغاز سے پہلے کتاب پر مقدمہ، پیش لفظ اور مصنف کی سرگزشت پیش ہوئی ہے "

" عرب بوقت ظہور اسلام " کے عنوان کے تحت مصنف نے " الرحیق المختوم " کی ابتداء کی ہے، اس میں عرب کا محل وقوع اور وہاں بسنے والی قوموں کا جائزہ لیا گیا ہے، پہلے لفظ " عرب " کے لغوی معنی بتائے گئے ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب کا جغرافیہ بتاکر یہاں کی قوموں کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ضمن میں مصنف نے عرب کی تین بڑی قوموں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے تحت آنوالی

شاخوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور یہ بھی بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ اعلیٰ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا تعلق عرب مستعربہ سے تھا، اسکے بعد مولانا موصوف نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت سارہ، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی پر مختصر روشنی ڈالی ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جو کچھ اس تعلق سے بائبل میں ہے وہ قرآن کی رو سے صحیح نہیں۔ اس سلسلے میں مصنف نے دلائل بھی پیش کیے ہیں، اسکے علاوہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی کے مختلف واقعات پیش کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے خاندان سے ہونا ثابت کیا ہے، اس سلسلے میں یہ حدیث دلیل میں پیش کی ہے

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اسماعیلؑ کا انتخاب فرمایا پھر اسماعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ کی نسل سے قریش کو چنا پھر قریش میں سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم میں سے میرا انتخاب کیا ہے" [۱]

اسکے بعد عرب کی مختلف حکومتوں اور سرداروں کے نام گنوائے گئے ہیں اور اُن کی طرزِ حکومت کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ عرب کے ادیان و مذاہب پر روشنی ڈالتے ہوئے اہلِ عرب کے مذہبی اعتقادات، بتوں کے نام و مقام وغیرہ کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ پھر دینِ ابراہیمی کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اہلِ قریش کو اپنے مذکورہ عقائد کیساتھ عزیز تھا، لیکن اسمیں وہ بدعات بھی داخل کرتے تھے۔ مصنف نے اس باب میں "جزیرۃ العرب" کے اطراف واکناف بسنے والے یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کا مختصر تاریخی خاکہ بھی پیش کیا ہے، اسکے ساتھ ہی دورِ جاہلیت کی چند جھلکیاں بھی پیش کی ہیں۔

---

۱۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری "الرحیق المختوم" ص 30 ' المجلس العلمی' علی گڑھ 1988ء

"زمانۂ جاہلیت میں کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا بھی ایک معروف بات تھی۔ لوگ ایسی دو عورتیں بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو آپس میں سگی بہنیں ہوتی تھیں، باپ کے طلاق یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتا تھا ۔۔۔۔" [۱]

دوسرا جلی عنوان مصنف نے خاندانِ نبوت، ولادتِ باسعادت اور حیاتِ طیبہ کے چالیس سال بنایا ہے۔ اس میں اوّل آپ صلعم کے نسب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا موصوف نے اسکے تین حصّے بنائے ہیں۔ پہلے حصّے میں محمدؐ بن عبداللہ سے لیکر معد بن عدنان تک، دوسرے حصّہ میں عدنان بن اُدد سے لیکر اسماعیل بن ابراہیمؑ اور تیسرے حصّے میں حضرت ابراہیمؑ سے لیکر حضرت شیث بن آدم علیہ السلام تک کے تمام نام گنوائے ہیں۔ لیکن مصنف نے نسبِ رسولؐ کو تین حصّوں میں تقسیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ ہو سکتا ہے کہ قاری کی آسانی کیلئے یہ تقسیم کی ہو۔ اسلئے کہ سیرت کی کتابوں میں نسب کے حصّے نہیں کئے گئے ہیں یعنی حضور کریم صلّی اللہ علیہ وسلم سے بات شروع ہوتی ہے۔ عدنان سے ہوتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ سے حضرت آدم علیہ السلام پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد آپ صلعم کے اجدادِ اعلیٰ حضرت ہاشم اور عبدالمطلب کے حالاتِ زندگی کا مختصر تذکرہ کرکے واقعہ فیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے متعلق تفصیلی واقعات پیش کئے گئے ہیں۔ مصنف نے بھی وہی تاریخ ولادت بتائی ہے یعنی ۹ ربیع الاوّل سنہ عام الفیل، یوم دوشنبہ نوشیرواں کی تخت نشینی کا چالیسواں سال اور 20 یا 22 اپریل 571ء۔ مصنف نے اس کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے۔

بعدازاں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت، آپؐ کا آغوشِ حلیمہ میں پرورش

---

۱ صفی الرحمٰن مبارکپوری "الرحیق المختوم" ص 65 "المجلس العلمی" علیگڑھ 1988ء

پانا، واقعہ شق صدر، عبدالمطلب کی پرورش، شفیق چچا کی کفالت، تجارتی سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات اور ان کی پیشن گوئی وغیرہ کے واقعات کو مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اسکے بعد حضرت خدیجہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح، کعبے کی تعمیر نو اور حجر اسود کے تنازعے کا فیصلہ وغیرہ کا احاطہ کیا ہے، اس طرح نبوت سے قبل کی سیرت کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے، اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں شیریں کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے چنانچہ آپؐ سب سے زیادہ بامروت سب سے خوش اخلاق، سب سے معزز ہمسایہ، سب سے بڑھ کر دور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے نرم پہلو سب سے زیادہ پاک نفس، خیر میں، سب سے زیادہ کریم، سب سے نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابند عہد اور سب سے بڑے امانت دار تھے ـــــ"[۱]

"عہد نبوت اور حیات طیبہ کا مکی دور" عنوان بنا کر آپ صلعم کی مکی زندگی کے تیرہ سال پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں غار حرا کی عبادت، جبرئیلؑ کا وحی لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا، وحی کے بعد آپ صلعم کی بے قراری اور حضرت خدیجہؓ کا آپ صلعم کو تسلی دینا وغیرہ واقعات پیش ہوئے ہیں۔ مصنف نے یہاں وحی کے اقسام پر بھی بحث کی ہے، اسکے بعد خفیہ تبلیغ اسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افراد خاندان کا قبول اسلام، پھر اعلان تبلیغ کا جائزہ لیا ہے۔ کوہ صفا کا خطبہ، اسپر مشرکین کا ردعمل، اسلام کے بڑھتے ہوئے زور کو روکنے کی مختلف کوششیں، محاذ آرائی کے مختلف پہلو، نیز قریش کے ظلم وستم کی مکمل تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات پیش کئے ہیں۔

---

۱۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری "الرحیق المختوم" ص ۱۲۳ المجلس العلمی علی گڑھ 1988

جن سے اہل عرب کی آپ صلعم سے کھلی دشمنی ظاہر ہوتی ہے۔

اسکے بعد پہلی اور دوسری ہجرت حبشہ، مہاجرین حبشہ کے خلاف قریش کی سازش، ابو طالب کو قریش کی دھمکی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تجویز، حضرت حمزہ رضی اور حضرت عمر رضی کا قبول اسلام اور اسپر قریش کا ردِ عمل اور اسلام کی ترقی وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

بعد ازاں شعب ابی طالب کی محصوری، قریش کے ظلم و ستم کی زیادتی، محاصرہ کا خاتمہ قریش کا حضرت ابو طالب پر دباؤ، حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی کی وفات اور حضرت سودہ رضی سے آپ صلعم کا نکاح وغیرہ کو مصنف نے مختصراً بیان کیا ہے، اسکے ساتھ ہی مسلمانوں کا صبر و ثبات اور اسکے اسباب و عوامل ان کی اسلام کیلئے جاں نثاری، بیرون مکہ اسلام کی تبلیغ، اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف اور اس سفر کے کوائف وغیرہ کا ذکر ہوا ہے ان قبائل کی نشاندہی کی گئی ہے، جنھیں اسلام کی خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی تھی، پھر مکے کے باہر جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا ان کا تذکرہ کرکے حضرت عائشہ رضی سے آپ صلعم کے نکاح کا ذکر کیا ہے۔

اسکے بعد "اسرا اور معراج" کا عنوان بنا کر اس واقعہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اسکی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس واقعہ کے ظہور پذیر ہونے سے متعلق چھ آراء پیش کی ہیں۔ ان میں پہلے کی تین آراء کو مصنف نے مسترد کردیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ (۱) جس سال آپ صلعم کو نبوت دی گئی، اسی سال معراج بھی واقع ہوئی (طبری) (۲) نبوت کے پانچ سال بعد معراج ہوئی (امام نووی اور امام قرطبی) (۳) نبوت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو ہوئی (علامہ محمد سلیمان منصورپوری) اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

" ان میں سے پہلے تین اقوال اس لئے صحیح مانے نہیں جا سکتے کہ حضرت خدیجہ رضی

کی وفات سے نمازِ پنجگانہ فرض ہونے سے پہلے ہوئی تھی اور اس پر سبکو اتفاق ہے کہ نمازِ پنجگانہ کی فرضیت معراج کی رات ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات معراج سے پہلے ہوئی تھی اور معلوم ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات معراج سے پہلے ہوئی تھی اور معلوم ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات نبوت کے دسویں سال ماہِ رمضان میں ہوئی تھی۔ لہٰذا معراج کا زمانہ اسکے بعد کا ہوگا"[1]

مصنف نے ابنِ قیم کی روایات کی روشنی میں پورے واقعہ کو بیان کرکے یہ بتایا ہے کہ معراج کا واقعہ یا تو بیعتِ عقبۂ اولیٰ سے کچھ ہی پہلے کا ہے یا عقبہ کی دونوں بیعتوں کے درمیان کا ہے۔

بعدازاں پہلی و دوسری بیعتِ عقبہ اور اس سے تعلق رکھنے والے ضمنی واقعات کی تفصیل پیش کی گئی ہے، ہجرتِ مدینہ کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ہجرتِ مدینہ کے پورے واقعہ کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔

"حیاتِ طیبہؐ کا مدنی دور" عنوان بناکر مصنف نے پہلے اس وقت کے مدینے کے حالات کا جائزہ لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں جس نئے معاشرے کی تشکیل کی۔ اور اسکے لئے جو اقدام اٹھائے اس کا احاطہ کیا ہے، مثلاً مسجدِ نبویؐ کی تعمیر، مسلمانوں میں بھائی چارگی، یہود کے ساتھ معاہدے اور اسکے دفعات وغیرہ۔

بعدازاں سرایا و غزوات کی تفصیلات پیش ہوئی ہیں، اسمیں جنگ کے اسباب اور خدا کی جانب سے جنگ کی اجازت کا ذکر کرکے تمام اہم سرایے اور غزوات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، غزوات میں، غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب (جنگِ خندق) غزوۂ بنو قریظہ۔ غزوۂ بنی المصطلق، صلح حدیبیہ، غزوۂ خیبر، غزوات ذات الرقاع، غزوۂ موتہ، غزوۂ فتح مکہ، غزوۂ حنین

---

1۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری "رحیق المختوم" ص 219 المجلس العلمی علی گڑھ 1988

غزوہ طائف اور غزوہ تبوک پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان جنگوں کی تفصیل کیساتھ اسکے اسباب اور اس سے برآمد ہونے والے نتائج کا بھی محاسبہ کیا ہے۔

غزوات کے ساتھ ہی تمام سرایوں اور فوجی مہمات کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ ان کو مصنف نے ترتیب وار رکھا ہے۔ اور اسکے آخر میں "غزوات پر ایک نظر" کے عنوان کے تحت ان غزوات کی غرض وغایت، آپ صلعم کی معرکے میں حکمت عملی، لشکر کی ترتیب، مقامِ جنگ کا انتخاب اور جنگی منصوبہ بندی وغیرہ پر اظہار کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا مدبّر سپہ سالار ہی نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں!

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات، سرایا اور فوجی مہمات پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی شخص جو جنگ کے ماحول، پس منظر اور آثار و تاریخ کا علم رکھتا ہو، یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سب سے بڑے اور باکمال فوجی کمانڈر تھے، آپ صلعم کی سوجھ بوجھ سب سے زیادہ درست اور آپ صلعم کی فراست و بیدار مغزی سب سے زیادہ گہری تھی، آپ صلعم جس طرح نبوت و رسالت کے اوصاف میں سیّد المرسل اور اعظم الانبیاء تھے۔ اسی طرح فوجی قیادت کے وصف میں بھی آپ صلعم یگانہ روزگار اور نادر عبقریت کے مالک تھے ۔۔۔۔ "[1]

مصنف نے چھاسٹھ سرایوں اور غزوات کا ذکر کیا ہے، اسمیں تفصیلی بحث غزوہ بدر، احد، خندق، بنی المصطلق، ذی قرد، خیبر، ذات الرقاع، موتہ فتح مکہ، حنین اور تبوک وغیرہ پر کی گئی ہے۔ اسلئے کہ اسلامی جنگوں میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی باب میں تفصیلی بحث صلح حدیبیہ پر بھی آئی ہے۔

اس باب کے آخر میں مختلف وفود کا ذکر کیا ہے اور دعوت کی کامیابی کا جائزہ لیتے

---

[1] صفی الرحمن مبارکپوری "الرحیق المختوم" ص 685 المجلس العلمی علی گڑھ 1988

ہوئے حجۃ الوداع کا مفصل احاطہ کیا ہے، اس میں خصوصیت سے خطبۂ حجۃ الوداع پر روشنی ڈالی ہے جو اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

"حیاتِ طیبہ کا آخری باب" عنوان بنا کر پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الوداعی آثار بیان کئے ہیں، جن میں مرض کا آغاز، وصال سے قبل کا آخری ہفتہ اور اس میں رونما ہونے والے واقعات کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ پھر آپ صلعم کی رحلت، تجہیز و تکفین کے واقعات مختصراً بیان کئے ہیں۔

آخر میں خانۂ نبوت کے اخلاق و اوصاف پر روشنی ڈالی ہے، اس میں آپؐ کا حلیۂ مبارک جو امّ معبدؓ نے کھینچا تھا بیان کیا ہے۔ نیز آپ صلعم کے جسمِ اطہر سے متعلق حضرت علیؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابو الطفیلؓ، حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن بسرؓ، حضرت براءؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عباسؓ نے جو تاثرات و خیالات پیش کئے تھے اسکی تفصیل دی ہے، پھر آپؐ کے کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق کو پیش کیا ہے تاکہ جس مقصد کے تحت یہ سیرت لکھی گئی ہے وہ قاری کے ذہن نشین ہو جائے۔

ان جملوں سے "الرحیق المختوم" اختتام کو پہنچتی ہے۔

"بھلا عالمِ وجود کے اس سب سے عظیم بشر کی عظمت کی کنہ تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے جس نے مجد و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر اپنا نشیمن بنایا اور اپنے رب کے نور سے اس طرح منوّر ہوا کہ کتابِ الٰہی ہی کو اس کا وصف اور خلق قرار دیا گیا یعنی ع

قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

قصہ مختصر "الرحیق المختوم" جدید دور کی ایک سیرت ہے، جس میں مصنف نے تحقیق کے نئے اصولوں کو بروئے کار لا کر ایسی روایات کو مسترد کر دیا ہے جو سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں۔ پروفیسر عبدالجبار شاکر تحریر فرماتے ہیں۔

" سیرت کے نام پر بعض اہل قلم نے رطب و یابس کے کیسے کیسے انبار لگا دیے ہیں، مگر " الرحیق المختوم " ان سب میں ایسے ہی نمایاں ہے جیسے ظلمتِ شب میں چاند تاروں کی ضو فشانی ہے " ۱

مزید اس کتاب کے واقعات، ترتیب اور طرزِ بیان سے متعلق لکھتے ہیں کہ " واقعات کے انتخاب اور لوازمے کی فراہمی اور ترتیب، اسلوبِ نگارش کی چاشنی زبان پر دسترس، روزمرہ اور محاورات پر گرفت اور صحیح مصادر و منابع تک رسائی نے اس کتاب کی علمی و تحقیقی حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔

اس لحاظ سے یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ پیشِ نظر کتاب حالات و واقعات کی درستی اور تحقیق کے اعتبار سے سیرت کی اہم کتابوں میں ایک ہے " ۱

مصنف نے بڑی عرق ریزی و محنت سے اس کتاب کی تالیف کی ہے اور کوئی بات بغیر حوالے کے نہیں لکھی ہے۔ کتاب کے آخر میں جو حوالے کی کتب درج کر دی گئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کو اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ ہے مولانا موصوف نے کل ساٹھ کتابوں سے حوالے دیے ہیں جن میں زیادہ تعداد عربی کتابوں کی ہے۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف نے بعض غزوات اور ہجرت کے بیان میں نقشہ جات کا استعمال کیا ہے جس سے قاری فوراً سمجھ جاتا ہے کہ جنگ کا نقشہ کیا تھا اور آپ صلعم نے کن راستوں سے ہجرتِ مدینہ فرمائی تھی۔

زبان سلیس مگر ادبی ہے اسلوبِ بیان بارِ خاطر بن جانے والے طول اور اظہارِ بیان سے قاصر رہ جانے والے اختصار سے مبرّا ہے۔ اس لحاظ سے الرحیق المختوم سیرت کے حوالے سے ایک خوش گوار کوشش اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔

---

۱ صفی الرحمن مبارکپوری " الرحیق المختوم " ص 4 المجلس العلمی علی گڑھ 1988

# سوامی لکشمی پرشاد

اردو ادب کی یہ روایت رہی ہے کہ بلا امتیاز مذہب و ملت اور رنگ و نسل ہر ایک نے زبان و ادب کی ترقی میں حصّہ لیا ہے۔ اپنی بیش بہا ادبی تخلیقات سے اس کے سرمایہ کو وسعت بخشی ہے۔ خصوصاً صنفِ شاعری کے فروغ میں مسلمان شعراء کے ساتھ ساتھ ہندو شعراء کی ایک کثیر تعداد مل جاتی ہے، جنھوں نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ لیکن ایک خاص صنفِ سخن جس میں نبی آخر الزماں کی توصیف و ثنا بیان کی جاتی ہے اور اس ذاتِ مقدسہ سے مسلمانوں کا براہِ راست تعلق ہے، لیکن ہندو شعراء بھی اس صنفِ سخن کے ذریعے نبی رحمت ﷺ کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے رہے اور اپنے مجموعۂ کلام دیوان اور کلیات میں اس صنف کو جسے ہم نعت کہتے ہیں جگہ دے کر اپنے کلام کی وقعت بڑھاتے رہے ہیں۔ نیز اس کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار بھی کرتے رہے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ نثر کے میدان میں بھی اس طرح کی کوششیں ہوتی رہی ہیں، کبھی مضمون و مقالہ کی صورت میں تو کبھی کتابچہ کی شکل میں، مگر پیغمبر اسلام صلعم پر اردو زبان میں ایک غیر مسلم کی مستقل تصنیف پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہے۔ ایک نوجوان نے اس مقدس موضوع پر لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے جس کا نام سوامی لکشمی پرشاد ہے، ان کے متعلق صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ ان کا تعلق لوہانہ ضلع حصار سے تھا جنھیں علم کے دو شعبوں سے خاص دلچسپی تھی، یعنی طب اور تاریخ، ان کا خیال تھا کہ طب سے بیمار جانوروں کا علاج ہوتا ہے اور تاریخ سے بیمار قوموں کا، چنانچہ طبی

دنیا میں موصوف کرشن کنور کے فرضی نام سے کئی سال تک رسالہ "آبِ حیات" ٹوہانہ ضلع حصار سے نکالتے رہے اور افقِ تاریخ نے انھیں "عرب کے چاند" کا متوالا بنادیا۔

زیرِ نظر کتاب "عرب کا چاند" مذکورہ ادیب کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جس نے قومی تعصب سے بالاتر رہ کر حقیقت شناسی کے جذبہ سے خاتم الانبیاء کی حیاتِ طیبہ کو ادبی انداز میں پیش کیا ہے۔ زیرِ مطالعہ کتاب پہلی بار مکتبۃ الحسنات دہلی نے 1990 میں شائع کی تھی۔ بڑی تقطیع پر چھپی یہ کتاب تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے، لیکن مصنف کی تاریخِ وفات پر جب نظر پڑتی ہے تو یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا کہ "عرب کا چاند" کی اشاعت ایک عرصہ پہلے ہوئی ہوگی۔ کیوں کہ سوامی لکشمی پرشاد نے 1939ء میں ٹوہانہ میں وفات پائی، جب ان کی عمر صرف چھبیس سال کی تھی، لیکن نہ مصنف نے اسکی پہلی اشاعت کی طرف اشارہ کیا ہے نہ ناشر نے۔

مصنف کی خواہش تھی وہ دنیا کے عظیم المرتبت اور نادرِ روزگار ہستیوں کے حالاتِ بابرکات کو صفحۂ قرطاس پر لائیں بقولِ مصنف جنھوں نے دنیا کی جہالت کی شبِ تاریک میں علم و عرفان کی ضیاپاشیوں سے روشنی پھیلائی ہے اور اپنے اصول کے مذبح پر اپنی زندگی کے تمام عیش کو بے دریغ قربان کر دیا ہے، نبی کریم ہی کی ذاتِ مبارکہ کے انتخاب کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

" دنیا کی ان جلیل القدر ہستیوں میں جن کے اسمائے گرامی ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے ہیں، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبیین، باعثِ فخرِ موجودات، سرورِ کائنات، حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کئی اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اسی لیے میں نے سب سے پہلے اسی قابلِ تعظیم فخرِ روزگار ہستی کی حیاتِ مطہرہ کے حالات

قلم بند کرنے کا شرف حاصل کیا ہے ـــــ"

سوامی لکشمی پرشاد نے اس سیرت کا آغاز " بعثت " دنیا کے مطلع پر جہالت کی گھنگھور گھٹائیں " کے عنوان سے کیا ہے ۔ اس سے قبل تمہید کے طور پر موجودہ دور کا ہندوستان اور دورِ جاہلیت کے عرب کا موازنہ پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ جس طرح عرب کی جہالت کو ختم کرنے کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت تھی ـــ اسی طرح موجودہ دور کے ہندوستان کی اخلاقی گراوٹ، بے راہ روی کو ختم کر کے ایک صحت مند معاشرے کی تعمیر کے لئے آپ صلعم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

" آج سے تیرہ سو برس پہلے ایسی ہی سیاہ کاری اور ظلم و ستم کی گھنگھور گھٹائیں عرب کے مطلع پر چھائی ہوئی تھیں تو اسکے اُفق پر یثرب کا چاند طلوع ہوا ، جس نے اپنی ضیا بار کرنوں سے ایک دفعہ ریگستانِ عرب کے ذرّہ ذرّہ کو تجلی زار بنا دیا ـــ

اور ہندوستان سے اس کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے تحریر فرماتے ہیں ۔

" آج وہی حالات کم و بیش صورت میں ہندوستان میں پیش آرہے ہیں ۔ اس وقت بُت پرستی عام طور پر رائج تھی ۔ آج کل بت پرستی اور نفس پرستی دونوں کو فروغ ہے ۔ اُسوقت خونخوار بھیڑیئے کے لباس میں ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا تھا ، آج کل ظاہری محبت اور زبانی عذاب البیانی کی میٹھی چھری سے ایک انسان دوسرے انسان کو ذبح کرنے کی کوشش کرتا ہے ـــــ"

بہرکیف مصنف تمہید ہی میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آج کے ہندوستان اور گذشتہ عرب کے حالات میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے ۔ اسی لئے اس روشنی کی آجکل کے ہندوستان کو اشد ضرورت ہے ۔ جس روشنی نے عرب کے اندھیروں کو دور کیا تھا

مصنف نے "بعثت" کی ضرورت پر (د) اپنے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم کے بعد دنیا پھر سے ایک بار ظلمات میں گھر گئی۔ دن بدن شیطانی کے مریدوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ عورتوں اور غلاموں کی تحقیر ہونے لگی، شراب نوشی نفس پرستی، فحش شاعری، عصمت فروشی، بے حیائی و عریانیت، معصوم بچوں کی قربانی، رہزنی اور ہولناکی کی وارداتیں عام ہوئیں اور عرب اس کا مرکز بن گیا تب اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عرب میں بعثت فرمائی۔

اسکے بعد کعبہ کا مختصر ذکر کیا ہے، جہاں تین سو ساٹھ بت رکھے گئے تھے اور اہل عرب بے روح، بے حس اور بے اختیار بتوں کے سامنے جھک کر اپنی عبادت کا حق ادا کر رہے تھے۔ نیز نورِ محمدیؐ کا تذکرہ کیا ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی سے منتقل ہو کر (آدمؑ سے شیثؑ، ادریسؑ، نوحؑ اور ابراہیمؑ) حضرت عبداللہ کی پیشانی میں ایک تابندہ ستارے کی طرح چمکا۔ اور وہاں سے منتقل ہو کر حضرت آمنہؓ میں منتقل ہو کر نبی آخر الزماں کی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو گیا اور اس ظلمت کدۂ جہاں کو اپنی تابشوں سے منور کر دیا۔

مندرجہ بالا تفصیلات کو مصنف نے اختر شیرانی کی زبان میں پیش کیا ہے تاکہ نثر کے ساتھ ساتھ نظم کی شمولیت سے سیرت پڑھنے والوں میں دلچسپی پیدا ہو جائے۔ اختر شیرانی کی ساری نظم "شمع حرم" مصنف نے نقل کر دی ہے۔

دو شعر ملاحظہ ہوں ؂

جب کہ یہ دنیا سراسر ایک ظلمت خانہ تھی
محفلِ ہستی شعاعِ نور سے بیگانہ تھی !!

روحِ انسانی تھی جب نامحرمِ رازِ الست
ہستی شیطاں سراسر قدس کا افسانہ تھی

یک بیک فطرت میں اک ہیجان برپا ہو گیا
ایک قطرہ چھلکا، اور طوفان برپا ہو گیا

بعد ازاں سوامی لکشمی پرشاد نے "شمعِ حرم کی شعاع ریزیاں" کے عنوان کے تحت آپؐ کا نسب بیان کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل کے واقعات میں عبدالمطلب کے اُس خواب کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلعم کی ولادت سے متعلق خواب میں اشارہ کیا تھا۔ نیز ابرہہ کا حملہ اور اسکی تباہی کا ذکر بھی موجود ہے۔ اسکے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے متعلق مختلف پیش گوئیوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے حمل کے ایام، نورِ محمدیؐ کی برکتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری اور اس سے متعلق تعلق رکھنے والے اہم واقعات جیسے دعوتِ عقیقہ، حضرت حلیمہ کی گود میں پرورش شق صدر، عبدالمطلب ابوطالب کی کفالت، شام کا سفر، بحیرا کی پیش گوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بی بی خدیجہ سے نکاح اور ازدواجی زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ نبوت کے اعلان سے قبل کے اخلاقِ حمیدہ اور حالاتِ مبارکہ کو بھی احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے۔ جس میں آپ صلعم کی وعدہ فرمائی، دیانت داری، خاندان سے محبت، آپ صلعم کے بے نظیر فیصلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت وریاضت وغیرہ پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نازل ہونا۔ حضرت خدیجہؓ کا آپ صلعم کو تسلّی دینا، آپ صلعم کی نبوت پر ورقہ کی شہادت وغیرہ واقعات پر اختصار سے بحث کی گئی ہے۔ نیز حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے قبولِ اسلام پر روشنی ڈالتے ہوئے توحید کی دعوتِ عامّہ کا مفصّل جائزہ لیا گیا ہے۔ پھر کفار کے غیظ و غضب کی داستان بیان کی ہے اور مختصر طور پر فرزندانِ توحید پر ظلم وستم کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

ہجرتِ حبشہ کے واقعات، نجاشی کے دربار میں کفّار کی سفارت، کفّار کی عیّارانہ

سازشیں، امیر حمزہ رض اور حضرت عمر رض کا قبول اسلام، شعب ابی طالب میں قید و بند کے مصائب، حضرت بلال رض، حضرت خباب رض، حضرت عمار بن یاسر رض اور حضرت صہیب رومی رض پر ظلم و ستم وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے، اسکے علاوہ آپ صلعم کا سفر طائف اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والی اذیتوں کے ذکر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و تحمل کا بھی تذکرہ کیا ہے، پھر دعوتِ اسلام کے متعدد منصوبوں کا احاطہ کیا گیا ہے، نیز بیعتِ عقبہ اولیٰ و ثانیہ اور مدینہ میں اسلام کی کامیابی جیسے عنوان بنا کر مصنف نے مکی دور کا اختتام کیا ہے۔

اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی کو دیکھ کر کفارِ قریش کی سازشوں میں تیزی آگئی تھی اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرتِ مدینہ کا حکم ملا۔ مصنف نے اس اہم واقعے کو جو اسلامی تاریخ کا اہم موڑ ہے، انتہائی اہمیت دی ہے اور اس واقعے کو قدرے تفصیل سے لکھا ہے، مدینے میں آپ کی آمد پر جو واقعات پیش آئے ان کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی معاہدے جو سرداران یہود کے درمیان ہوئے تھے اسکی تفصیلات دی گئی ہیں۔

اس دور کا اہم واقعہ تحویلِ قبلہ کا ہے۔ مصنف اس واقعے کو بیان کر کے جنگِ بدر کو مفصل پیش کیا ہے، پھر حضرت فاطمۃ الزہرہ کے نکاح کے واقعات پیش کر کے جنگِ احد کا بھرپور جائزہ لیا ہے، اسمیں جنگ کے اسباب، اسکی تیاریاں منصوبے، جنگ کا مفصل حال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کی قربانیاں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت کا احاطہ کر کے ہجرت کے چوتھے سال ہونے والی سات لڑائیوں پر روشنی ڈالی ہے۔

اسلام کی اشاعت میں صرف کفار نے رخنہ نہیں ڈالا، بلکہ منافقین نے بھی اسمیں حصہ لیا۔ دوسرے سیرت نگار اسپر سرسری بحث کر کے گذر جاتے ہیں۔ مگر سوامی لکشمی پرشاد نے ان واقعات کو کافی اہمیت دی ہے اور اسپر

تفصیل سے لکھا ہے۔

"جنگِ احزاب" حیاتِ نبوی کی سب سے بڑی جنگ ہے، جسے عرفِ عام میں جنگِ خندق کہتے ہیں۔ مصنف نے اس جنگ سے متعلق بھی کافی معلومات فراہم کی ہیں اور خصوصی طور پر حضرت علی رضؓ کی شجاعت اور حضور صلعم کی پھوپھی حضرتِ صفیہ رضؓ کی دلیری کے واقعات پیش کئے ہیں۔ اس کے بعد یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ، یہودیوں کی صلح و آشتی کی درخواست اور حضور رحمتؐ کی کریم النفسی کا احاطہ کیا ہے۔ نیز ہجرت کے پانچویں سال کے اہم واقعات جیسے عورتوں کیلئے پردے کا حکم اور تیمّم کا حکم وغیرہ۔

ہجرت کے چھٹے سال کا اہم واقعہ صلح حدیبیہ ہے۔ مصنّف نے اس واقعہ کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، پھر خیبر کی شاندار فتح اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے سلاطین کو پیغامات پر روشنی ڈالی ہے، فتح مکّہ، جنگ حنین، غزوہ تبوک اور حجۃ الوداع کا مختصر جائزہ لیا ہے اور آخر میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر مختصر بحث کی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ موت کے پردے میں آپ صلعم کو حیاتِ جاوید مل گئی۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری ساعتیں پیش کرکے آپ صلعم کی آرام گاہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سوامی لکشمی پرشاد کی کتاب "عرب کا چاند" اپنی شاندار انفرادیت کے پیشِ نظر ایک عجیب شاہکار ہے، اسکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا مصنف ایک ہندو نوجوان ادیب ہے۔ نیز یہ کہ چار سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب سیرت نگاری کی بیش تر لوازمات سے متصف ہوتے ہوئے اپنے انداز کی ندرت وجدت کے اعتبار سے زبانِ اردو کے خزینۂ ادب میں ایک اضافہ ہے۔

سوامی لکشمی پرشاد نے اپنے موقف کی ادائیگی کیلئے اور کتاب کو دلکش

بنانے کیلئے جا بجا اشعار کا استعمال کیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کو نثر کے ساتھ ساتھ شاعری سے بھی دلچسپی ہے اور وہ اس فن سے بھی واقفیت رکھتے ہیں کہ محل کے لحاظ سے کب اور کیسے اشعار استعمال کئے جائیں۔ زبان نہایت فصیح استعمال کی ہے۔ نمونۂ تحریر ملاحظہ کیجئے۔

"آفتاب نبوت کو طلوع ہوئے دس سال گذرے تھے کہ ماہِ شوال میں آپؐ کو دو ایسے جاں گداز واقعات پیش آئے، جنھوں نے ایک دفعہ تو آپؐ کو بحرِ غم والم کی مواج لہروں کے حوالے کر دیا۔ آپؐ کے دو مخلص اور جاں نثار رفیق جو ہر وقت آپ صلعم کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار رہتے تھے، آپؐ کو داغِ جدائی دے گئے، آپؐ کے چچا ابو طالب کو موت کے جنگل نے آدبایا ـــــــ "[1]

---

[1] سوامی لکشمی پرشاد ، عرب کا چاند ص 147 مکتبۂ الحسنات نئی دہلی ۱۹۹۰

# غیر منقوطہ سیرتِ نبویؐ

# غیر منقوط سیرت نگاری

نبی رحمت ﷺ کی سیرت مبارکہ پر پچھلے چودہ سو برسوں سے لکھا جا رہا ہے اور ان شاء اللہ رہتی دنیا تک اسی آب و تاب اور محبت و عقیدت کیساتھ اس مقدس موضوع پر لکھا جاتا رہے گا۔ اور سیرت نگاران رسول صلعم اس بحر ناپید کنار کی تہ سے انمول موتی نکالتے رہیں گے اور سیرت مقدسہ کے نئے نئے گوشوں کو اجاگر کرتے رہیں گے نیز آج کے تناظر میں حیات طیبہ کی معنویت پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ عصر حاضر میں اسکی اہمیت و افادیت کو تسلیم بھی کروائنگے

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے        رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

سیرت ہو یا ادب کا کوئی بھی موضوع ہو نثر ہو یا شاعری ہر ادیب و شاعر اپنے موضوع کے مختلف پہلوؤں کو ضبط تحریر میں لاتا ہے اور اپنے موقف کے اظہار کے لئے طرح طرح کے اسلوب اختیار کرتا ہے تاکہ اسکے پیش کردہ موضوع میں اثر پیدا ہو۔ پھر یہ کہ اپنے ہم عصر شعراء و ادباء میں اسکی تحریریں منفرد کہلائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء سے لیکر اب تک بیان و اظہار کے کئی اسالیب ظہور پذیر ہوئے۔ سیرت طیبہ کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو حیات مقدسہ کو مختلف پیرائے اظہار میں بیان کیا گیا ہے۔ کسی سیرت نگار نے قافیہ بند نثر استعمال کی ہے تو کسی نے سیرت کو منظوم پیرائے میں بیان کیا ہے اور کسی نے دوسری ادبی صنف کا استعمال کرکے اپنی تحریروں میں انفرادیت و جاذبیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اسکی اچھی اور بے شمار مثالیں تو عربی کے متعدد علماء و شعراء کے عموماً نثری پاروں میں اور خصوصاً قصائد میں مل جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی "ہادی عالم" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"۔۔۔۔۔ عربی کے متعدد علماء اور شعراء نے تو سیرتِ طیبہؐ کو ایسے قصیدوں میں نظم کیا ہے جن کا ہر شعر ایک نئی ادبی صنعت پر مشتمل ہے۔ ان میں صفی الدین الحلّی (متوفی ۷۵۰ھ) ابنِ جابر اندلسی (ولادت ۶۹۸ھ) عز الدین موصلی (متوفی ۷۸۹ھ) شرف الدین سعدی (متوفی ۸۰۷ھ) اور زین الدین آثاری (متوفی ۸۲۹ھ) بطورِ خاص مشہور ہیں۔ مؤخر الذکر نے اس قسم کے تین قصائد کہے ہیں جن کا ہر شعر ایک نئی ادبی صنعت کا شاہکار ہے۔ یہاں تک کہ علمِ بدیع کی تمام صنعتیں ان قصیدوں میں جمع، اور سچ تو یہ ہے کہ ان پر ختم ہیں۔ یہ قصائد "بدیعیات الآثاری" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں ۔۔۔" [1]

فارسی زبان میں بھی ادبی صنعتوں پر فن پارے موجود ہیں، عہدِ اکبر میں ابوالفیض فیضی نے بھی ایسی ہی ایک صنعت میں قرآن کی تفسیر لکھنے کی سعی کی تھی جو "سواطع الالہام" کے نام سے منسوب ہے۔

ادبِ اردو میں بھی ادبی صنعتوں کے کامیاب تجربے گئے ہیں۔ خصوصی طور پر اردو شاعری کا دامن ایسی بے شمار صنعتوں سے پُر ہے۔ مثلاً صنعتِ حذف (نظم یا نثر میں کسی حرف کے نہ لانے کا التزام کیا جائے) صنعتِ رقطاء (عبارت یا مصرع یا پوری غزل میں ایک حرف بے نقطہ اور ایک حرف نقطہ دار علی الترتیب واقع ہو) صنعتِ فوقانیہ (عبارت یا نظم میں کوئی حرف ایسا نہ آئے جس کے نیچے نقطہ ہو بلکہ جس قدر حروف نقطہ دار ہوں سب کے اوپر نقطے ہوں) اور صنعتِ منقوط وغیرہ۔ سرِدست صنعتِ عاطلہ جس کو مہملہ اور غیر منقوطہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایسی عبارت یا نظم جس میں حروف منقوط نہ ہوں، جس کی پہلی کوشش فارسی میں ابوالفیض

---

[1] محمد ولی رازی "ہادیٔ عالم" (پاکستان ایڈیشن) مقدمہ از تقی عثمانی ص 12 ادارۂ علم و حکمت دیوبند 1989ء

فیضی نے "سواطع الالہام" میں کی تھی ۔

اردو میں مرزا سلامت علی دبیر نے ایک مرثیہ تین سو شعر کا اس صنف میں لکھا ہے ۔ نمونے کے طور پر دو بند ملاحظہ ہوں ۔

اول سرورِ دل کو ہو اس دم وہ کام کر ۔ ہر اہلِ دل ہو محو وہ مدحِ امام کر
حاصل صلہ کلام کا دار السلام کر ! ۔ کر اس محل کو طور وہ اس دم کلام کر
کہہ آہ آہ سرورِ والا گہر کا حال !
حال وداعِ اہلِ حرم اور سحر کا حال

ہمدم دمِ حسام کا اعدا کا دم ہوا ۔ درد والم سوا ہوا ، آرام کم ہوا
صمصام سکہ اور سرِ اعدا درم ہوا ۔ وہ سر اگر درم ہوا مالِ عدم ہوا
مداحِ حُر کا سرورِ والا گہر ہوا [۱]
اور رہروِ عدم وہ گروہِ عمر ہوا

میر انیس کے ہاں بھی اس صنف میں مرثیے کے اشعار ملتے ہیں ۔

اس طرح کا وہ الہام اس طرح کا سردار ۔ اس طرح کا ، عالم کا صمد اور مددگار
وہ مصدرِ الہام احد اور مددگار ۔ در اصل اُصولِ کرم داورِ داوار
حاصل اگر اک مردِ دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسد اللہ کو مارا [۲]

انشاء اللہ انشاء نے ایک مثنوی ایک قصیدہ منقبت اور ایک دیوان اس صنعت میں لکھا ہے ۔ دیوان کے ابتدائی ابیات یہ ہیں ۔

اور کس کا آسرا ہو سر گروہ اس راہ کا
آسرا اللہ اور آلِ رسول اللہ کا !

---

۱ ۔ حکیم محمد نجم الغنی نجمی ، بحر الفصاحت ص 977-78 منشی نول کشور لکھنؤ 1926
۲ ۔ ایضاً ، ، ، ص 978 ، ، ،

سلسلہ گر کلام کا وا ہو! سامع درد دل کو سوا ہو

دل کو سو سو طرح سرور ہو آہ وہ دل آرام ہمارا ہو!

کر ہو حمد دعا کہ انشا کا

کار ہر دو سرا الہٰا ہو! [1]

بہر کیف ادبی اصناف میں سے ایک صنف " غیر منقوط" تحریر کی بھی ہے ایسی تحریریں اور غیر منقوط اشعار عربی، فارسی اور اردو میں مل جاتے ہیں لیکن اردو میں اس کی مثالیں بہت ہی کم ہیں۔ اور اگر ہیں بھی تو نثر میں نہیں کے برابر، یعنی غیر منقوط تحریر پر مشتمل کوئی مستقل کتاب نہیں ہے، غالباً یہ اردو کی پہلی ضخیم کتاب ہے۔ جسکے لکھنے کا سہرہ محمد ولی رازی کے سر ہے جس پر تفصیل سے آئندہ صفحات پر بحث آئے گی۔

---

[1] حکیم محمد نجم الغنی نجمی "بحر الفصاحت" ص 978 منشی نول کشور لکھنؤ 1926

# مولانا محمد ولی رازی

مولانا محمد ولی رازی ممتاز علمی و دینی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کے والد محترم مولانا محمد شفیع قبلہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کے ممتاز و مخصوص خلفاء میں سے تھے علاوہ ازیں انہوں نے جس بے مثال جذبۂ اخلاص و ایثار کے ساتھ دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی وہ ان کے لئے ایک عرفانی یادگار ہے۔ انہوں نے عرصہ دراز تک مفتی اعظم کے فرائض بھی انجام دئے۔

مولانا محمد ولی رازی نے دینی و مذہبی تعلیم و تربیت کیساتھ کراچی یونیورسٹی سے اسلامی علوم میں ایم اے کی سند بھی حاصل کی۔ لیکن مزید برآں انہوں نے جہاں اپنے والد ماجد سے ذکاوت فہم اور فراست علم کی دولت پائی وہاں محبوب العالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق محبت کے جذبات کی میراث بھی حاصل کی۔ اس حقیقت کی شاہد خود ان کی یہ تصنیف "ہادی عالم" ہے۔

زیر مطالعہ سیرت نبوی ﷺ "ہادی عالم" مولانا ولی رازی کی وہ مایہ ناز تالیف ہے جس کی اشاعت نے اردو عالم اسلامی میں موصوف کا نام آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ ہادی عالم ﷺ اپنی تمام تر خصوصیات اور کامل آرائش و زیبائش کیساتھ 1983 میں ادارہ علم و حکمت دیوبند سے شائع ہوئی۔ اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا پانچواں ایڈیشن جون 1989ء سنہ میں شائع ہوا تھا۔ وہی نسخہ اب ہمارے پیش نظر ہے۔

ہادی عالم کی شان انفرادیت:

ابتدائے اسلام سے دور حاضر تک نہ جانے کتنی کتب سیر دنیا کی مختلف زبانوں

میں کبھی مورخانہ و عالمانہ انداز میں تو کبھی عارفانہ و عاشقانہ انداز میں لکھی جا چکی ہیں اور روزِ قیامت تک لکھی جاتی رہیں گی، لیکن ادیبانہ انداز میں سیرت کے موضوع پر اگرچہ کہ متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں، مگر محمد ولی رازی کی تالیف ہادیٔ عالم ﷺ اپنی شانِ انفرادیت کا ایک عجیب شاہکار ہے، یہ مصنف کا ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر اردو زبان میں ہی نہیں بلکہ دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی نہیں ملتی۔ مولانا محمد ولی رازی نے اس ضخیم کتاب کی ترتیب میں سیرت نگاری کے بیش تر لوازمات کو بروئے کار لاکر علمِ بدیع کی ایک مشکل ترین صنف کا استعمال کیا ہے۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے جس قدر مضامین تحریر کیے ہیں جن کی تعداد چار سو صفحات سے تجاوز کر گئی ہے۔ ان صفحات کے کسی بھی حرف پر نقطہ نظر نہیں آتا یعنی پوری کتاب صنعتِ غیر منقوطہ سے مرصع و مزین ہے۔ اہلِ اردو اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ عربی زبان کے مقابلہ میں اردو قواعد، تراکیب اور ذخیرۂ الفاظ کے اعتبار سے کتنی غریب زبان ہے۔ اسلئے کہ اس کے کل حروفِ تہجی میں سے صرف اٹھارہ حروف غیر منقوط ہیں۔ اسکے علاوہ تمام ضمائر سوائے چند کے منقوط ہیں۔ مثلاً میں، تو، تم، آپ، اُن، اُنھوں، ان کا، مجھ، تجھے وغیرہ، بیش تر حروفِ جار کا بھی یہی حال ہے، جیسے پر، تک، نے، میں وغیرہ۔ ان حروف کے بغیر کسی موثر عبارت کا لکھنا کس قدر دشوار ہے، اس کا اندازہ مذکورہ باتوں سے ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حروفِ شرطیہ و جزائیہ مثلاً چونکہ، چنانچہ، اگرچہ، جب اور تب وغیرہ اور سارے منفی الفاظ بھی نقطے کے محتاج ہیں جیسے نہیں، نہ، مت وغیرہ، نیز یہ کہ اردو کے عام طور پر 90 فی صد مصادر اور افعال نقطے والے ہیں اور خاص کر زمانۂ ماضی کی گردان بغیر نقاط کے ممکن نہیں۔ مثلاً سویا، کھایا، گیا، آیا وغیرہ، اسی طرح فعلِ حال اور جمع کی صورتیں بھی بغیر نقطے کی مدد سے وضع ہو نہیں سکتیں

مگر یہ مولانا محمد ولی رازی کا کمال ہے کہ انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ غیر منقوط حروف میں لکھ کر اپنی ذہانت و فطانت کا ثبوت دیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سید محمد عبداللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"انہوں (محمد ولی رازی) نے جہاں حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے واقعات زندگی رواں اور عام فہم زبان میں پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے وہاں علم بدیع کی ایک مشکل صنعت (غیر منقوط) کو مکمل طور سے با معنی عبارتوں میں استعمال کر کے جانفشانی کا ایک ایسا نادر نمونہ پیش کیا ہے جسے اردو زبان کے ذخیرے میں ایک بیش بہا اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے"۔[1]

اگرچہ محمد ولی رازی سے قبل، عربی، فارسی، اور اردو میں اس صنف میں کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس مخصوص صنف میں یہ کارنامے ضرب المثل بن گئے ہیں اور ادبی حلقوں میں ان کی پذیرائی بھی ہوئی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نثر میں غیر منقوط تحریریں چند صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور چند صفحات کی عبارت میں اس قسم کے التزامات آسانی سے مشکل نہیں ہوتے۔ بالخصوص جبکہ ان کا کوئی خاص موضوع بھی متعین نہ ہو۔ لیکن کسی دینی موضوع پر خصوصیت سے سیرت طیبہ پر صنعت عاطلہ میں کچھ لکھنا انتہائی نازک اور دشوار کام ہے۔ اس لئے کہ جس ذاتِ گرامی سے متعلق لکھا جا رہا ہے ان کا ادب و احترام کا پاس رکھنا ایمان کا جزو ہے۔ یہاں الفاظ کے استعمال میں مصنف کو احتیاط برتنی پڑتی ہے۔ تزئین و آرائش الفاظ کی یہاں گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے دین نے ایسے موضوعات کیلئے ہمیشہ سادہ طرزِ تحریر کو ہی پسند فرمایا ہے۔

لیکن بعض ادباء و شعراء ایسے بھی ہیں جن کی روش دوسروں سے الگ

---

1۔ محمد ولی رازی ہادیٔ عالم ص 27 ادارۂ علم و حکمت دیوبند 1989

ہوتی ہے اور وہ سنگلاخ زمینوں میں بھی خیالات کے وسیع ہونے کے عادی ہوتے ہیں اور اپنے ما فی الضمیر کے اظہار کے لئے ایسا اسلوب اور ایسی زبان اختیار کرتے ہیں کہ اس سے ان کی انفرادیت عیاں ہو جاتی ہے، مولانا محمد ولی رازی بھی اسی گروہ کے نمائندے ہیں۔ چنانچہ اس راہ کی دشواریوں کا علم رکھتے ہوئے انھوں نے پورے اعتماد کیا تھا اس وادی میں اپنے تحریری سفر کو جاری رکھا اس آرزو کے ساتھ کہ ؎

ہر سطر اس کی اسوۂ ہادی ﷺ کی ہو گواہ !!
اس طرح حالِ احمد مرسل ﷺ کہا کروں !!
معمور اس کو کرکے مقرا سطور سے !
ہر کلمہ اس کا دل کے لہو سے لکھا کروں !!۱

بقول مصنف ان کی آرزو پوری ہوئی اور اللہ کے کرم سے راہ کی ہر رکاوٹ دھول بن کر اڑ گئی ؎

اللہ کے کرم کا سہارا ملے اگر
کہسار ہو کہ دھول، ہوا کی طرح اڑے ۲

"ہادی عالم" کی ورق گردانی سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غیر منقوطہ الفاظ میں لکھی گئی یہ سیرتِ نبوی ﷺ اپنی ایک انفرادی شان رکھتی ہے۔ اردو میں بے شمار ضخیم و مختصر سیرتیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن سوائے ہادی عالم ﷺ کے ایک بھی منقوطہ تحریر میں اب تک لکھی نہیں گئی ہے۔ اس اعتبار سے ہادی عالم ﷺ کو ایک منفرد سیرتِ نبوی ﷺ سے تعبیر کرنا بے جا نہ ہوگا۔

## ہادیِ عالم

زیرِ مطالعہ سیرتِ نبوی ﷺ کا آغاز "تعارف" سے ہوتا ہے، جس میں مولانا

---

۱،۲۔ محمد ولی رازی "ہادی عالم" ص 27، 29 ادارۂ علم و حکمت دیوبند 1989

ڈاکٹر عبدالحق اور ڈاکٹر سید عبداللہ کی "ہادیٔ عالم" سے متعلق آراء شامل ہیں۔ پھر جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کا بسیط مقدمہ ہے، جس میں انھوں نے صنعتِ عاطلہ کے حوالے سے ہادیٔ عالم کی انفرادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ چار سو پچھ صفحات پر مشتمل یہ کتاب تین حصّوں میں منقسم ہے۔ اصل کتاب کی ابتداء مصنف کے "سطورِ اوّل" سے ہوتی ہے، جس میں انھوں نے اپنی اس آرزو کا اظہار کیا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور "پیغام" سے متعلق ایسا ایک رسالہ لکھوں جس کا ہر کلمہ اور ہر سطر "سواطع الالہام" کے کمال کی حامل ہو، اور اردوئے معرّا کے کمال سے معمور اور مرصّع ہو۔

اردو کو اک رسالۂ الہام دوں ولی　　لوگوں کو دورِ "ہادیٔ عالم" عطا کروں

حصّۂ اوّل: اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے دور کا احاطہ کیا گیا ہے جس میں مکۂ معظمہ اور اسکے اطراف واکناف کے ماحول کو بتاتے ہوئے حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ مکان کی مختصر تفصیل پیش کی گئی ہے اور مولودِ مسعود سے قبل ابرہہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آپ صلعم کی پیدائش واقعۂ فیل کے کتنے دنوں بعد ہوئی، پھر تفصیل سے آپ صلعم کی ولادت کا بیان کیا گیا ہے۔ اور آپ صلعم کے اسمائے گرامی، دائی حلیمہ کا تعارف، والدہ حضرت آمنہ اور عبدالمطلب کا وصال۔ حضرت خدیجہؓ اور آپ صلعم کی اولادِ مطہرات اور آپ صلعم کی عبادت گاہ پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔ محمد ولی رازی نے ان مذکورہ واقعات کو بیان کرنے کیلئے تقریباً 30 صفحات صرف کئے ہیں، مصنف نے "ہادیٔ عالم" کی ابتداء میں ان واقعات کا جائزہ نہیں لیا ہے جو اکثر سیرت نگار لیتے رہے ہیں یعنی آپ صلعم سے پہلے عرب کی جہالت وغیرہ واقعات سے ہادیٔ عالم میں گریز کیا ہے

حصۂ دوم :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے اہم واقعات اس حصے میں آئے ہیں ۔ پہلے حصے میں محمد ولی رازی نے مختصرًا آپ صلعم کی ولادت اور آپ صلعم کے اہل خانہ کا ذکر کیا ہے ۔ مصنف نے آپ صلعم کے عالم شباب کا ذکر نہیں کیا اور نہ آپ صلعم کی تجارتی سفر میں شرکت کا ذکر کیا ہے ، ممکن ہے کہ انھوں نے سیرت کی طوالت کے سبب واقعات کو چھوڑ دیا ہو۔

اس حصے میں وحیٔ اول سے لیکر وداعِ مکہ تک کے تمام اہم واقعات کا ذکر ہے ۔ اس حصے کی ابتداء وحیٔ اول سے کی گئی ہے ، پھر اول اسلام قبول کرنے والوں کا تذکرہ ہے ۔ نیز اعلانیہ اسلام کی تبلیغ کرنے کے حکم پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اس کے بعد جب اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں تیزی آئی تو کفار مکہ پریشان ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھتے ہوئے اثر کو ختم کرنے کیلئے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے جو منصوبوں پر عمل کیا تھا اور اسکے جواب میں مسلمانوں نے جو صبر و تحمل دکھایا تھا ، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی تھی اور کفار قریش کی ہر کوشش ناکام ہوئی تھی ، اسکی وضاحت کی گئی ہے ۔ اس سلسلے میں ان اہم واقعات کو بھی جگہ دی گئی ہے جو اسوقت پیش آئے ۔ مثلاً سردار قریش کا آپس میں مشورہ کرنا اور آپ صلعم کو سمجھانا کہ آپ صلعم ان کے خداؤں کو برا نہ کہیں اور دینِ مبین کی تبلیغ کرکے ان کے ساتھ ہوجائیں اور وہ اسلئے ہر قسم کی مراعات یعنی عزت ، شہرت ، دولت آپ صلعم کے قدموں پر نچھاور کرنے کیلئے تیار ہیں ۔ اسکے ساتھ ہی مصنف نے ان سرداروں کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے آپ صلعم کے نبی ہونے کی شہادتیں آپ صلعم سے طلب کیں اور اسلام قبول کیا ۔ اس سلسلے میں شق القمر کا واقعہ بھی مصنف نے مختصرًا بیان کیا ہے

اسکے بعد ہجرتِ حبشہ اوّل و دوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز اہلِ حبشہ کی فراغ دلی اور ان کے حسنِ سلوک کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ پھر حضرتِ عمرؓ کے قبولِ اسلام کا تفصیلی ذکر کیا ہے، بعد ازاں شعب ابی طالب میں محصوری کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، مصنف نے "صدموں کا سال" عنوان قائم کر کے حضرت ابوطالب اور حضرتِ خدیجہؓ کے وصال کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ آپ صلعم پر ان دو واقعات کا کتنا گہرا اثر پڑا، اسکے ساتھ ہی سفرِ طائف، واقعۂ معراج، قبیلہ خزرج کے چند افراد کا قبولِ اسلام مدینے میں اسلام کے حامی اور ہجرتِ مدینہ کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان میں معراج اور ہجرت کے واقعات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، خصوصیت سے ہجرت کی اہمیت و ضرورت اور اس سے نکلنے والے نتائج پر اظہارِ خیال کر کے حصۂ دوم کو ختم کیا ہے۔

حصۂ سوم:

یہ حصّہ دوسرے حصّوں کے مقابلہ میں انتہائی طویل ہے، جسے مصنف نے اعلائے اسلام کا دور کہا ہے جو 266 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس پورے حصّہ کو چار خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں آمد

۲۔ آپ صلعم کے اسلام کیلئے غزوات و سرایے۔

۳۔ پڑوسی ممالک کے حکمرانوں کو آپ صلعم کے مراسلے

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامیوں اور مددگاروں کی حوصلہ افزائی

اس حصّے کا آغاز مصنف نے رسول اللہ صلعم کی مدینے میں آمد سے کیا ہے اور آپ صلعم کی مدینے میں آمد سے مدینہ والوں میں جو جوش و خروش، محبت و عقیدت اور مہاجرین کیلئے اپنا سب کچھ لٹا دینے کی

ساری تفصیلات بیان کی گئی ہیں ۔ اسکے ساتھ ہی مدینے میں پہلی مسجد
کی تعمیر، اسلامی سال کا آغاز، آپ صلعم کے حجرۂ مبارکہ کی تعمیر اور انصار
کے مہاجرین کے ساتھ عمدہ سلوک کو احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے، نیز مدینے
کے مکاروں کا ذکر کر کے اس سال واقع ہونے والے دیگر احوال پر روشنی
ڈالی گئی ہے۔ پھر دوسرے سال کے ایک اہم حکم الٰہی کی طرف اشارہ کیا
گیا ہے۔ یعنی ہجرت کے دوسرے سال قبلہ "بیت المقدس" کو بدل کر
خانۂ کعبہ کیا گیا، اس حکم کی تفصیل مصنف نے یوں بیان کی ہے۔

"وداعِ مکہ کے دوسرے سال اک اہم حکم الٰہی وارد ہوا کہ اس سے
اہلِ اسلام اور رسول اکرمؐ کمال مسرور ہوئے۔ اس حکم الٰہی کا حال اس
طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے اہلِ اسلام کو حکم الٰہی رہا
کہ وہ محمدا داراسلام کیلئے "دار المطہر" سو رُو کر کے کھڑے ہوں۔ وہ سارا
عرصہ رسولِ خدا صلعم مکہ مکرمہ میں رہے، رسول اللہ اور اہل اسلام اسی
حکم الٰہی کے حامل رہے، مگر وہاں رہ کر اک معمول رہا کہ رسول اکرمؐ اس طرح
کھڑے ہوئے کہ "دار المطہرؐ اور دار اللہؐ" ہر دو آگے ہوں۔"[1]

بعد ازاں درس گاہِ نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کی تربیت و
اصلاح، ماہِ صیام کے احکام اور جہاد کا حکم وغیرہ پر مختصر بحث کی گئی ہے
نیز غزوات اسلام کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے جس میں غزوۂ بدر کے اسباب
اور اس معرکے کی ساری تفصیلات مصنف نے بیان کی ہیں۔ خصوصاً رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح بدر کی دعا، اہل اسلام کی مدد کیلئے ملائکہ کی آمد
اور فتح کے بعد قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور فدیہ ادا کر کے قیدیوں کی
رہائی وغیرہ، پھر دشمنانِ رسولؐ کی تباہی و ہلاکت کا ذکر کر کے غزوۂ

---

۱۔ محمد ولی رازی "ہادیٔ عالم" (پانچواں ایڈیشن) ص 163 ادارہ علم و حکمت دیوبند

احد کا نقشہ کھینچا ہے، غزوۂ بدر کی طرح مصنف نے غزوۂ احد کو بھی قدرے تفصیل سے پیش کیا ہے اور ان اسباب کا بھی ذکر کیا ہے جن کی بناء پر مسلمانوں کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے پر صحابۂ کرام رض نے جو محبت و عقیدت کا ثبوت دیا تھا، اس کی تفصیل بھی بیان کی ہے، خصوصی طور پر سے اس صحابیہ کی بے قراری کا ذکر کیا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کی خبر سنی تھی اور یہ خبر بھی گرم تھی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، اس خبر نے اس خاتون کو تڑپا دیا تھا، جب کہ اس لڑائی میں اس کا باپ شوہر اور بیٹا اللہ کی راہ میں شہید ہو چکے تھے، ایسے وقت میں بھی وہ یہ پوچھتی تھی کہ اللہ کے رسول ص کس حال میں ہیں؟

اس کے بعد معرکۂ حمراء الاسد اور کئی مہموں غزوات و سرایا کا اجمال بیان کیا ہے، جس میں غزوۂ بنو نضیر، غزوۂ ذات الرقاع، غزوہ موعد (بدر ثانی)، غزوۂ دومۃ الجندل اور غزوۂ مصطلق (غزوۂ مریسیع) کی تفصیل آئی ہے۔ بعد ازاں اس واقعے کو پیش کیا ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کارواں سے بچھڑ جانے کے وقت پیش آیا تھا۔ اور منافقوں کی کذب بیانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ لیکن قرآن نے حضرت عائشہ رض کی پاکی کی گواہی دی۔ مصنف نے غزوات کے سلسلے کو بڑھاتے ہوئے غزوۂ خندق، غزوۂ بنو قریظہ اور صلح حدیبیہ کے اہم واقعات بیان کئے ہیں۔ اسمیں خصوصیت سے صلح حدیبیہ کے تمام امور پر روشنی ڈالی ہے اور ان پانچ امور کو پیش کر کے معاہدے کے ردِ عمل سے کیا نتائج اخذ ہوئے اور اس سے اسلام کو کتنا فائدہ ہوا اس کا جائزہ لیا ہے یہ واقعات سترہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

"ملوکِ عالم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراسلے" اس عنوان کے تحت محمد ولی رازی نے ان مراسلوں کا احاطہ کیا ہے جو نبی کریمؐ نے اس وقت کے حکمرانوں کو لکھے تھے اور ان کے ذریعے انھیں اسلام کی دعوت دی تھی، ان میں حبش کے بادشاہ نجاشی (اصحمہ) روم کے بادشاہ ہرقل، شہنشاہ کسریٰ، حاکم مصر مقوقس، بحرین کے حاکم منذر بن ساوی اور دیگر ہمسایہ ملک کے حاکموں کے نام لکھے گئے مراسلوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے، اسکے بعد غزوۂ خیبر اس معرکے کے حاصل پر بحث کی گئی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرۂ اول، غزوۂ موتہ، غزوہ السلاسل اور سریہ خبط کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسکے ساتھ ہی تفصیل سے "فتح مکہ" کے احوال قلمبند ہوئے ہیں اور اس معرکے سے جو نتائج برآمد ہوئے اس کا مختصراً ذکر کیا ہے، مثلاً سردارِ مکہ اور دوسرے سرکردہ مخالفین کا قبولِ اسلام وغیرہ نیز غزوۂ حنین اور اسکے نتائج اور اس سال واقع ہونے والے حالات کا محاسبہ کیا ہے، غزوات کے سلسلے کی آخری کڑی غزوۂ تبوک کا ذکر ہے، مصنف نے اس غزوہ میں جو سخت حالات پیش آئے، اسکی نشاندہی بھی کی ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ کس طرح اسلام کے مخالفین نے جن میں بیشتر بادشاہ شامل تھے، ہتھیار ڈال دیے، جس کے نتیجے میں اسلام کو استحکام حاصل ہوا۔ اور مختلف قبیلوں نے اسلام قبول کیا۔

مصنف محمد ولی رازی نے اس کتاب کا اختتام 'حجۃ الوداع' اور آپ صلعم کے وصال سے کیا ہے۔ اسمیں اول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کی تمام تفصیلات بیان کی ہیں، یعنی آپ صلعم نے کس طرح، کب اور کیا کیا ارکان ادا فرمائے، مثلاً احرام باندھنا، صفا و مروہ کی سعی کرنا، سعی سے فارغ ہو کر مکہ سے باہر قیام فرمانا، اور آپ کا حجاج کرام سے خطاب فرمانا

وغیرہ، اس میں مصنف نے خطبۂ حجۃ الوداع کا خلاصہ، ہمدرد یونیورسٹی ٹرسٹ کراچی کی جانب سے طبع شدہ خطبۂ حجۃ الوداع سے اخذ کیا ہے اور وہ سارے اہم نکات بیان کئے ہیں، جسے ہم خطبۂ کا لب لباب کہہ سکتے ہیں۔

اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا تذکرہ کیا ہے، اس میں آپ صلعم کی علالت سے آپ صلعم کے وصال تک کے تمام لمحات کا احاطہ کیا ہے۔ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وداعی کلمات پر اس باب کا اختتام کیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی (اے اللہ، اے اعلیٰ گھر والے) ★

اور قارئین سے گذارش کی ہے کہ اس رسالے کا مطالعہ کر کے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول کرے۔

نقدِ ہادیٔ عالم:

جس طرح فارسی زبان میں علامہ فیضی کی تفسیر بے نقط جو "سواطع الالہام" سے منسوب ہے از اوّل تا آخر صنعتِ مہملہ میں لکھی گئی ہے، مذہبیات میں ایک شاندار کارنامہ اور ایک مثالی تفسیر ہے۔ اسی طرح "ہادیٔ عالم" اردو زبان میں محمد ولی رازی کی سیرتِ نبویؐ غیر منقوطہ تحریر کا ایک نادر نمونہ ہے اور یہ مثالی تحریر پانچ دس سو دو سو صفحات پر مشتمل نہیں۔ بلکہ ایک ضخیم مکمل سیرتِ نبویؐ ہے۔ جو چار سو سے بھی زائد صفحات پر محیط ہے۔ اس سے مصنف کی ذہانت اور زبان پر ان کی دسترس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس سلسلے

---

★ ترجمہ: اے اللہ! میں رفیقِ اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں۔

میں ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے صحیح لکھا ہے کہ

" محمد ولی رازی نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل زندگی غیر منقوطہ حروف کی ترکیب وترتیب سے اردو میں لکھ کر اپنی ذہانت وفطانت کا کمال کر دکھایا ہے۔ اردو میں نقطہ دار حروف بہت زیادہ ہیں اسلئے رازی کی مشکل کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے " [1]

اس دشوار گذار راستے سے گذر کر مصنف نے اپنی تحریروں میں زبان کی سلاست وروانی کو مجموعی طور پر برقرار رکھا ہے، نبی رحمت صلعم کی ولادت باسعادت کا یہ منظر ملاحظہ کیجئے۔

" ..... اللہ اللہ ! وہ رسول اکرم مولود ہوا کہ اس کیلئے صدہا سال لوگ دعاگو رہے۔ اہل عالم کی مرادوں کی سحر ہوئی۔ دلوں کی کلی کھلی، گمراہوں کو ہادی ملا، گلے کو راعی ملا، ٹوٹے دلوں کو سہارا ہوا۔ اہل درد کو درماں ملا، گمراہ حاکموں کے محل گرے۔ سالہا سال کی دہکی ہوئی وہ آگ مٹ کے رہی کہ لاکھوں لوگ اسکو الٰہ کر کے اسکے آگے سر ٹکائے رہے اور رود ساوہ ماءِ رواں سے محروم ہوا ..... " [2]

اس سیرت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنے موقف کے اظہار میں زبان کی بے بسی کے باوجود مصنف نے بہت ہی احتیاط سے کام لیا ہے اور واقعات کے بیان مکالموں کی نقل اور آیات واحادیث کے مفہوم میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہیں کی ہے، آیات واحادیث کے جو اردو ترجمے دئے ہیں اسمیں یہ کوشش کی گئی ہے کہ آیات واحادیث کی صحیح ترجمانی ہو۔

---

۱ے محمد ولی رازی 'ہادی عالم' (پانچواں ایڈیشن) ص ۹ ادارہ علم وحکمت دیوبند 1989

۲ے محمد ولی رازی 'ہادی عالم' (پانچواں ایڈیشن) ص 41 ادارہ علم وحکمت

کتاب ھذا کے تمام واقعات مصنف نے مستند کتابوں سے لئے ہیں۔
ان کتابوں کی تفصیل کتاب کے ہر صفحہ پر فٹ نوٹ پر دیئے گئے ہیں۔ نیز
کتاب کے آخر میں بھی اُن مستند کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کتاب کی
تیاری میں موصوف کے زیرِ مطالعہ رہیں۔

ان خصوصیات کی حامل یہ سیرتِ نبویؐ کے مطالعہ میں بعض اوقات
دشواری پیش آتی ہے۔ اگر قاری "ہادیٔ عالم" سے قبل سیرتِ نبویؐ کی
کوئی کتاب نہ پڑھا ہو تو اس کی دشواریوں میں اور اضافہ ہوگا۔
مثلاً سیرت کے حوالے سے جتنے ایسے افراد مقامات اور چیزوں کے
نام آتے ہیں جو نقطے والے ہیں۔ وہ فوراً ذہن میں نہیں آتے۔ سیرت
ہو یا سوانح عمریاں ان میں نام اور مقام کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔
چند اسمائے گرامی اور مقامات کے ناموں کو چھوڑ کر اسّی فی صد الفاظ
نقطے والے ہیں۔ اگرچہ کہ مصنف نے قاری کی سہولت کیلئے فٹ نوٹ میں
اسکی وضاحت کر دی ہے۔ لیکن قاری کیلئے ایک سیرت پڑھتے ہوئے کئی مرتبہ
فٹ نوٹ پر نظر دوڑانا ضروری ہو جاتا ہے، جسکی وجہ سے پڑھنے کا
تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اور نام ذہن نشین نہیں ہوتے۔ مصنف نے چند نقطہ
دار الفاظ کو غیر منقوطہ الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ جیسے حرا
(غارِ حرا) سردار ملائکہ (جبریل) آرام گاہ رسولؐ (روضۂ مبارک) اسرا
(معراج) اسرائیلی (یہودی) الہ (رب) معرکہ (غزوہ) وغیرہ، مگر بیش
تر الفاظ غیر مانوس لگے ہیں، جیسے دارالسلام (جنت) دار اللہ (بیت اللہ)
دعا گاہ (عبادت گاہ) اہلِ کہسار (طائف) درۂ کوہ (شعب ابی طالب)
ردِّ کلام (بات کا جواب) وغیرہ اور افراد کے ناموں کیلئے مصنف نے رشتوں
کا انتخاب کیا ہے۔ مثلاً دادا (عبدالمطلب) چچا (ابوطالب) ماں (حضرت
آمنہ)

دائی ماں (حلیمہ سعدیہ) عم سردار (ابوطالب) وغیرہ۔ سب سے زیادہ دشواری قاری کو غزوات کے ناموں کو سمجھنے میں ہوتی ہے۔ غزوۂ احد کے علاوہ کسی بھی غزوہ کا املا غیر منقوط نہیں تھے۔

۲) غیر مانوس الفاظ کی کثرت نے جملوں کی ادبیت کو بھی کئی مقام پر مجروح کیا ہے۔ مثلاً مصنف کو یہ بتانا ہے کہ آپ صلعم نے چالیس سال کی عمر میں نبوت کا اعلان کیا۔ لفظ چالیس کو غیر منقوط ایک لفظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اسلئے انھیں ایک لفظ کے مفہوم کو ادا کرنے کیلئے مجموعۂ الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے، لکھتے ہیں۔

"اللہ کے رسولؐ کی عمر ساٹھ کم سو سال ہوئی"[1]

اور حضرت عائشہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

رسول اکرمؐ کی عروسِ مطہرہؓ اور ہمدم مکرمؓ کی لڑکی سارا عرصہ رسول اللہؐ کے ہمراہ رہی[2]

اس طرح کی کئی مثالیں اس سیرت سے دی جا سکتی ہیں۔

۳) صرف غیر منقوط الفاظ کے استعمال سے جملوں کی ساخت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ مثلاً

"وہ سارا عرصہ کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ مکرمہ رہے"[3]

"دل سے کہا کہ اس امر محال سے دور ہی رہو۔"[4]

پہلے جملے میں "میں" نہ ہونے کی وجہ سے اس کی جاذبیت ختم ہو گئی ہے (مکہ مکرمہ میں رہے)

دوسرے جملے میں "دل نے کہا" کے مفہوم کو "دل سے کہا" سے ادا کیا۔

---

۱،۲ے محمد ولی رازی "ہادی عالم" پانچواں ایڈیشن ص 67 ، 262 ادارۂ علم و حکمت

۳،۴ے محمد ولی رازی "ہادی عالم" پانچواں ایڈیشن ص 28، 163 ادارۂ علم و حکمت

(۴) سیرت کی کتابوں میں جابجا آیاتِ قرآنی اور احادیث کے حوالے دئے جاتے ہیں، محمد ولی رازی کی "ہادیٔ عالم" میں یہ آیات اور احادیث صرف فٹ نوٹ میں آئے ہیں، پھر انھوں نے جو ترجمہ کیا ہے، وہ ان کے معنوں کے قریب قریب ہیں، لیکن اکثر جگہ مفہوم پوری طرح ادا نہیں ہوتا، لیکن حواشی میں مصنف نے پورا ترجمہ اور ضرورت جہاں محسوس ہوئی اسکی وضاحت بھی کر دی ہے۔

(۵) غیر منقوط الفاظ نہ ملنے کی صورت میں مصنف نے لفظ کے املے میں بھی تبدیلی کی ہے۔ مثلاً بادشاہ ہرقل کو "ہرکول" لکھا ہے۔

'ٹ'، 'ڈ'، 'ڑ'، منقوطہ ہونے کے باوجود ان حروف کو غیر منقوطہ تصور کیا جاتا ہے، کیوں کہ اسمیں لفظوں کے بجائے 'ط' کا استعمال ہوتا ہے۔

غیر منقوط تحریر میں مندرجۂ بالا باتوں کا آنا لازمی ہے۔ بقول محمد تقی عثمانی۔

"۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسی غیر منقوطہ کتاب میں جتنے اغلاق کا گمان ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کے گنجلک مقامات اس حیرت انگیز حد تک کم ہیں"[1]

اردو کا کوئی بھی نقاد محمد تقی عثمانی کی مذکورہ رائے سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ یہ مصنف کا کمال ہے کہ ایک مشکل صنف میں اتنی ضخیم و جامع کتاب پیش کی۔ اس سے مصنف کی اردو زبان پر کامل دسترس اور اسلوبِ نگارش کی جدت کا پتہ چلتا ہے۔

مختصر یہ کہ 'ہادیٔ عالم' سیرت نگاری کی تاریخ میں ایک اہم مقام کی حامل ہے اور اردو زبان و ادب کیلئے ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس پر بلاشبہ اردو زبان اور اہلِ اردو فخر کر سکتے ہیں۔

---

[1] محمد ولی رازی "ہادیٔ عالم" پانچواں ایڈیشن مقدمہ ۲۴ ص ادارہ علم و حکمت دیوبند

# منظوم سیرت نبویؐ

# قاضی غلام علی مہری

قاضی غلام علی مہری مصنف "مصباح المجالس" ہیں، ان کی نجی زندگی سے متعلق معلومات حاصل نہیں ہو سکیں، یہ منظوم سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کریمی مطبع بمبئی سے چھپی ہے ان کی پیدائش کہاں اور کب ہوئی، اس کا پتہ بھی کتاب کے مطالعے سے نہیں چلتا، مگر تاریخ وفات سنہ ۱۲۹۶ھ ہے، قاضی غلام علی مہری نے "مصباح المجالس" کی تکمیل ۱۲۶۰ھ میں کر لی تھی، "خاتمۂ کتاب" میں اس کتاب کی تاریخ ملتی ہے۔

سو یہ تاریخ خوش دل نے کہی ہے　　کہ احسن روضۂ مدح نبی ؐ ہے [1]

۱۲۶۰ھ

لیکن یہ منظوم سیرت پہلی مرتبہ ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوئی۔ کاتبِ کتاب رکن الدین بن مرحوم شیخ احمد تمنا نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے

تجسس میں ہے کیوں لکھے تمنا　　یہ باغ معطر سالِ زیبا ہے [2]

۱۳۱۲ھ

یہ سیرت اتنی مقبول ہوئی کہ طبع دوم و سوم کی نوبت آئی، ۱۳۲۲ میں دوسری مرتبہ اور ۱۳۲۳ھ میں تیسری مرتبہ شائع ہوئی۔ منشی محمد صدیق نے اشاعتِ دوم و سوم کی تاریخ نکالی ہے۔

لکھو اس کی صدیق تاریخ تم　　کہ یہ بارہ مجلس چھپی دل پذیر

۱۳۲۲ھ

بارِ سوم طبع سے سرسبز ہے　　ماشاء اللہ گلشنِ نعتِ رسول ؐ [2]

---

۱۔ غلام علی مہری (قاضی) مصباح المجالس ص ۳۹۲ مطبع کریمی، بمبئی ۱۳۳۷ھ

۲۔ غلام علی مہری (قاضی) مصباح المجالس ص ۳۹۶ مطبع کریمی بمبئی ۱۳۳۷ھ

لکھ دو اے صدیق یہ تاریخِ سال    ہے منزّہ گلشنِ نعتِ رسول[۴] ۳ے

بمبئی، کرناٹک کے علاقوں میں مسلمان اسے بہت ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں، جس طرح والدٔ میسور کے اطراف واکناف میں "جنان السیر" پڑھی جاتی ہے، جب ربیع الاوّل کا مہینہ آتا ہے تو عورتیں اپنے گھروں میں اسکو پڑھنے کا اہتمام کرتی ہیں۔ ربیع الاوّل کا چاند نظر آتے ہی یہ مجلس شروع ہو جاتی ہے اور ہر روز ایک ایک مجلس پڑھ کر ۱۲ ربیع الاوّل تک بارہ مجلسیں ختم کر دی جاتی ہیں اور صاحبِ حیثیت گھروں میں محفلِ میلاد النبی صلّی اللہ علیہ وسلم کا انعقاد کیا جاتا ہے، جہاں کثیر تعداد میں مرد عورتیں جمع ہوتی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک انتہائی عقیدت کے ساتھ سنتے ہیں، ایسی محفلوں میں دو دو مرد باری باری "مصباح المجالس" کا متن پڑھتے ہیں اور ایک شخص آسان زبان میں اسکے معانی بیان کرتا ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ خصوصًا ضلع دھاڑواڑ (قدیم ضلع) کے ہر مسلمان کے گھر میں یہ کتاب پائی جاتی تھی آزادی سے پہلے یہ سیرت بھی لڑکیوں کے جہیز میں قرآنِ کریم کیساتھ دی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے متعدد ایڈیشن منظرِ عام پر آئے ہیں اور آج بھی اس کی اشاعت کا یہ عالم ہے کہ ہر سال دو سال میں اس کا نیا ایڈیشن نکلتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب ۱۳۳۷ھ میں غالبًا چوتھی بار شائع ہوئی تھی، اس سلسلے میں مالکِ مطبع کریمی لکھتے ہیں۔

"الحمد للہ والمنہ کہ ان ایّام فرحت التیام میں کتاب مستطاب مفضی راہِ خیر و ثواب متضمن مضامین نفایس المسمّٰی بہ مصباح المجالس کہ جس میں یکتائے زماں وحیدِ دوراں عالم عامل فاضل کامل حامی دینِ نبیؐ واقفِ رموزِ جلی و خفی جناب قاضی غلام علی صاحب مرحوم الملقب بہ مہری نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی ذکاوت وفطانت کے فیض سے سطحۂ افلاکِ مضامین کو بردرج

---

۳ے غلام علی مہری (قاضی) مصباح المجالس ۳۹۶۴ مطبع کریمی بمبئی ۱۳۳۷ھ

دوازدہ گانہ بارہ مجلسوں پر تقسیم کیا ہے، بکمال تصحیح و تنقیح مظہر فیض عمیم قاضی نور محمد ابن قاضی عبدالکریم صاحب تاجر کتب مالک مطبع کریمی و فتح الکریم نے اپنے مطبع کریمی واقع بمبئی بھائیکلہ دلائل روڈ قاضی بلڈنگ نمبر 108 × 115 میں حلیہ طبع سے آراستہ کرکے ۱۳۳۷ھ میں اسی مطبع سے شائع کیا.... [1]

بمبئی کرناٹک کی یہ قدیم سیرت نبوی بڑی تقطیع کے جملہ چار سو صفحات پر مشتمل ہے، جس میں چھ ہزار چار سو سترہ اشعار موجود ہیں، شاعر نے مصباح المجالس کو بارہ مجلسوں میں منقسم کیا ہے جسکی وجہ یہی ہوگی کہ آپ صلعم کی تاریخ ولادت ہمارے ہاں بارہ ربیع الاول تسلیم کرلی گئی ہے اور مصنف کے خیال میں بھی یہ بات ہو کہ ربیع الاول کے آغاز سے ہی ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء ہو اور جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بارہ مجلسیں ختم کی جائیں، زیر مطالعہ کتاب کے سرورق پر آیت کریمہ "وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین" مزین ہے، اس کے نیچے یہ عبارت تحریر کی گئی ہے۔

"الحمد اللہ کہ دریں ایام نیک فرجام کتاب معجزات رسالت مآب، مصنفہ جناب قاضی غلام علی تہری"

سرورق کے درمیانی حصے میں دو بیضوی دائرے ہیں۔ اندرونی دائرے میں منظوم سیرت کا نام "مصباح المجالس" جلی حروف میں لکھا گیا ہے اور بیرونی دائرے میں مجلسوں کو بارہ خانوں میں مع صفحہ نمبروں کے رکھا گیا ہے اور نیچے ناشر اور مطبع کا نام درج ہے۔

اس سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء بھی حسب روایت "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے عنوان سے ہوئی ہے۔ جس میں شاعر نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ہے، اسمیں انھوں نے خدا کے مختلف صفات کا ذکر کیا ہے، پھر مناجات کہی ہے، اسمیں اپنی

---

[1] غلام علی تہری (قاضی) "مصباح المجالس" ص ۳۹۶ مطبع کریمی، بمبئی ۱۳۳۷ھ

کامیابی وکامرانی کی دعا کی ہے نعتِ نبیؐ اور مناجات در سیدِ کائناتؐ کے عنوان سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کر کے دعا مانگی ہے ؎

ثنا قرآن میں جن کی عیاں ہے     ثنا گو خالقِ ہر دو جہاں ہے
وہ ہیں ختم الرسل، سالارِ امت     شفیع المذنبیں، غمخوارِ امت
میں ہوں فدوی تمہارا سخت عاصی     سراپا غرقِ دریائے معاصی!
کرو آسان سب مشکل کو میرے     کشش بخشو تمہارے ذکر کو میرے ؎۱

اس کے بعد سببِ تالیفِ مجالس پر اظہارِ خیال کر کے اصل مضمون کو نظمایا ہے ۔

پہلی مجلس: اس مجلس کا آغاز، صفحہ نمبر ۱۲ سے ہوتا ہے ۔ یہ مضمون اکتیس صفحات پر پھیلا ہے ۔ اس میں پانچ سو ستّر ابیات ہیں ۔ اس میں شاعر نے نورِ احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہی سے عرش وکرسی افلاک، مہر ومہ اور کواکب وجود میں آئے اور یہ کائنات بنائی گئی ۔ تصویرِ کائنات میں جو رنگینی ہے، وہ اسی نور کے باعث ہے، فرماتے ہیں ؎

یہاں ہے بادشاہِ سرمدی کا     ہے جلوہ نورِ ذاتِ احمدیؐ کا!
ظہورِ کائنات اس نور سے ہے     شہودِ عینِ ذات اس نور سے ہے
ہوئی اس نور سے ظاہر خدائی     عدم ہستی سے پایا آشنائی ! ؎۲

شاعر نے یہ خیال بھی آگے چل کر ظاہر کیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو جسدِ خاکی عطا ہوا تو خدائے قدوس نے نورِ محمدیؐ کو آپؑ کی پیشانی میں رکھ دیا اور یہ نورِ مصطفوی آدم علیہ السلام سے حضرت انوش علیہ السلام میں آیا اس سے پہلے یہ نور حضرت شیثؑ پر ظاہر ہوا تھا، اسطرح یہ سلسلہ حضرت عبداللہ تک چلتا رہا ۔

غرض کرسی بہ کرسی دور در دور     ہر اک کو نور نے دکھلا عجب طور
پھر عبداللہ تک پہنچا ہے آکر!     ہوئے پیدا نبیؐ اون سے مقرر ؎۳

---

۳،۲،۱ ؎ غلام علی ہمراز (قاضی) مصباح المجالس ص 8,9,12,14 مطبع کریمی ۱۳۲۷

نورِ محمدی ؐ کے بیان کے بعد ارشاداتِ انبیاء کی تفصیل لکھی ہے جو آپ ؐ سے متعلق آسمانی کتابوں میں مذکور تھی، دراصل شاعر نے 'پہلی مجلس' کا سرنامہ بھی بنایا ہے یعنی "پہلی مجلس کے بیان میں فضیلتیں اور بزرگیاں آنسرور ؐ کے انبیائے کرام ؑ کے بیان فرمانے سے" ان پیش گوئیوں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلعم کی بزرگی اور جاہ و جلال کا اظہار کیا جائے تاکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت قارئین کے دل میں پیدا ہو اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو اپنی زندگی کے لیے نمونہ بنالیں۔

کہ حق نے جو کتاب اللہ یکسر | دیا بھیج سارے رسولوں پر
ہر اک میں نعت احمد ؐ کی نثر ہے | بزرگی اور عظمت کی خبر ہے! [1]

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے متعلق سیرت کی کتابوں میں جو واقعات آئے ہیں، ان کو پیش کیا ہے، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سے یہ روایت ہے کہ آپ ؐ نے حضرت شیث ؑ سے فرمایا کہ فردوس بریں کے ہر محل پر نام محمد ؐ لکھا ہوا ہے،

لکھا تھا نام احمد ؐ ہر مکاں پر | سبھی اوراق و برگ و بوستاں پر
نہیں خالی کوئی دیوار و در ہے | ثنا ان کی ہر اک جا منتشر ہے [2]

اسی طرح کئی روایات آپ ؐ کی بزرگی و عظمت بتانے کیلئے بیان ہوئی ہیں۔ اور اسی میں آپ صلعم کے اسم مبارک کی خصوصیات اور اس نام کے فیوض پر روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں حضرت نوح ؑ، حضرت ابراہیم ؑ، حضرت یوسف ؑ، حضرت موسیٰ ؑ، حضرت سلیمان ؑ اور حضرت عیسیٰ ؑ کے واقعات پیش کرکے آپ صلعم کے نام نامی اسم گرامی کی فضیلتیں بیان کی ہیں۔ اس پہلی مجلس میں شاعر نے نورِ محمدی ؐ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور ان کی بزرگی سے متعلق آسمانی کتب کی پیش گوئیاں اور اسم مبارک پر تفصیلی بحث کی ہے۔

---

[1,2] غلام علی جہری (قاضی) مصباح المجالس ۴ ۱۵ مطبع کریمی بمبئی ۱۳۲۷ھ

مجلسِ دوسری : یہ مجلس پہلی مجلس کی توسیع ہے، اس میں بھی شاعر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و توقیر ہی بیان کی ہے۔

بھرا ہے اس میں سب خوبی کا عالم تعشّق اور محبوبی کا عالم ![3]

آپ صلعم کی تعریف و توصیف کا سلسلہ روزِ اوّل سے ہی شروع ہو چکا تھا، شاعر کہتا ہے کہ آپ صلعم سے قبل جتنے انبیائے کرام اس دنیا میں تشریف لائے اُن کی مثال صبح کے نور جیسی ہے اور یہ نور طلوع ہونے والے آفتاب سے ہی نکلتا ہے، فرماتے ہیں

عجب چرخِ بریں کا ہے یہ دستور کہ دکھلاتا ہے پہلے صبح کا نور

پھر اسکے بعد آ خورشیدِ خاور جہاں کو نور سے کرتا ہے انور

اگرچہ صبح میں یہ روشنی ہے ! ولے خورشید سے وہ روشنی ہے [1]

غلام علی نہری نے متعدد واقعات کو پیش کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال و جلال کو بتایا ہے نیز آپ صلعم کے اسمائے گرامی کی برکت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ان میں جو واقعات پیش ہوئے ہیں، ان کا تعلق آپ صلّی اللہ علیہ وسلم سے قبل کے دور سے بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہر دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ اور ان سے نسبت رکھنے والی ہر چیز عظمت کی حامل ہے۔ اور روزِ قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اس ضمن میں شاعر نے آپ صلعم کے امتیوں کے روشن بخت کی طرف اشارہ کیا ہے، تمام انبیائے کرام کے امتیوں میں آپ صلعم کے امتیوں کا رتبہ بڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی امت سب سے پہلے جنّت میں داخل ہوگی

یہی امّت اُن کی جنت میں سبھوں سے چلیگی پیشتر سب اُمتوں سے !!

مراتب اُن کا اعلیٰ تر ہے سب سے ! مکاں جنت میں بالاتر ہے سب سے [2]

---

[3] غلام علی نہری (قاضی) ' مصباح المجالس ص 43 مطبع کریمی بمبئی ۱۳۳۷ھ

[4] غلام علی نہری (قاضی) ' مصباح المجالس ' ص 42 مطبع کریمی بمبئی ۱۳۳۷ھ

اس مجلس کے لیے غلام علی مہری نے ۵۷۱ اشعار لکھے ہیں۔

تیسری مجلس : یہ تیسری مجلس بھی پہلی اور دوسری مجلس کی توسیع ہے۔ اس میں غلام علی مہری نے نورِ مصطفیٰ کی فضیلت پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی نور سے حق تعالیٰ نے زمین و آسمان بنائے اور یہ دنیا آپ صلعم کے لیے ہی وجود میں آئی۔ آگے شاعر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہی وہ نور ہے جو آدمؑ کی پیشانی میں جلوہ گر ہوا۔ اسکے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمام انبیاء نورِ محمدیؐ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور یہ نور آدمؑ سے تمام انبیائے کرام اور آں حضرتؐ کے اجدادِ کرام تک پشت بہ پشت چلا آیا اور کئی انبیائے کرام کی حیات کے حوالے سے نورِ محمدیؐ کی شان و احتشام دکھایا ہے، پھر حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کو خدا نے قبول فرما کر آپ صلعم کو ان کی اولاد میں پیدا فرمایا۔ شاعر نے نورِ محمدیؐ کے فیوض و برکات کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور آدمؑ سے لیکر حضرتِ عبداللہ تک کے مختلف واقعات کو بیان کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ بنت وہب کی سیرت و صورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ان دونوں کی شادی مبارک کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر آپ صلعم کا حضرتِ آمنہؓ کے شکم مبارک میں جلوہ گر ہونے کا بیان کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں کئی واقعات نقل کیے ہیں جو قدیم سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ مثلاً آپ صلعم حضرتِ آمنہؓ کے شکم مبارک میں آتے ہی اللہ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ جہنم کے دروازے بند کر دو۔ اور حضرتِ جبرئیل امینؑ ایک سبز علم لیکر زمین پر تشریف لائے اور اس علم کو کعبہ پر نصب کر دیا۔ وغیرہ، پھر شاعر نے آپ صلعم کی برکت سے حضرتِ آمنہؓ کے ہاں جو انوار پھیلائے خوش حالی آئی اس کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے

خدا نے بھیج تب رحمت سے باراں ۔۔۔ کیا ہے سبز سارے کو ہساراں !!
زمیں میں آگئی اُس دم طراوت ۔۔۔ ہوئی پیدا درختوں میں لطافت
بہار آئی ہے سارے بوستاں میں ۔۔۔ کھلے ہیں پھول سب باغِ جہاں میں [1]

[1] غلام علی مہری مصباح المجالس ص ۹۷ مطبع کریمی ممبئی ۱۳۳۷ھ

چوتھی مجلس : یہ مجلس ولادتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے

سنو مولود سلطانِ زمن کا | حبیبِ حق رسولِ ذوالمنن کا
ولادت کا سبھی اسمیں بیاں ہے | طلوعِ آفتابِ دوجہاں ہے [1]

شاعر نے اس کے تحت بہت سی معلومات فراہم کی ہیں، جیسے آپ صلعم کی ولادت ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ کو صبح صادق ہوئی، جس گھر میں آپ صلعم پیدا ہوئے وہ گھر یوسف نزاری کا تھا، جو انھوں نے عقیل ابن ابی طالب کو انعام میں دیا تھا، پھر یہ گھر خدا کا گھر بن گیا، اس طرح آپ صلعم کی جائے پیدائش کو عظمت حاصل ہوئی

اسی منزل میں اب مسجد بنا ہے | بجائے ترمکاں وہ دلکشا ہے !
بزرگی اس مکاں کو دے یہ دائم | رکھا ہے حق نے عظمت اسکی قائم [2]

جب آپ صلعم کے دنیا میں تشریف لانے کی نیک گھڑی آئی۔ اس ماحول کو شاعر نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ وہ دوشنبہ کی صبح تھی، ولادتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرتِ آمنہ رض کے چہرۂ مبارک پر سکون و اطمینان تھا اور ایسی کوئی تکلیف حضرتِ آمنہ رض کو پیش نہیں آئی جو عام طور پر حمل کے ایام اور بعد میں عورتوں کو درپیش ہوتی ہے۔ ولادت کے موقع پر حوروں کا حضرتِ آمنہ کے گھر میں تشریف لانا، آپ کی خدمت گذاری کرنا، آپ کا گھر نور سے پرنور ہونا، نیز فرشتے کا جامِ شربت لانا، حضرتِ آمنہ رض کا اسے نوش فرمانا اور اس کے بعد آپ کے شکم میں خنکی پیدا ہونا وغیرہ، اس کے علاوہ حضرت آمنہ کا تین علموں کا دیکھنا جس

---

1. غلام علی مہری مصباح المجالس ۴ ۱۱۵ مطبع کریمی۔ بمبئی ۱۳۳۷ھ
2. غلام علی مہری مصباح المجالس ۴ ۱۱۱ مطبع کریمی۔ بمبئی ۱۳۳۷ھ

پر کلمۂ توحید لکھا ہوا تھا۔ اسمیں ایک علم مشرق کی جانب دوسرا مغرب کی جانب اور تیسرا کعبہ پر نصب تھا۔ اس باب میں شاعر کی منظر کشی انتہائی خوبصورت ہے اور تمام جزئیات کو بیان کیا گیا ہے، جو عام طور پر آپ صلعم کی ولادت کے موقع پر اہل سیر بیان کرتے ہیں۔

بعد ازاں آپ صلعم کی تشریف آوری کا تذکرہ کیا ہے۔ اسمیں متعدد روایات بیان ہوئی ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثروت و عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مثلاً پیدا ہوتے ہی آپ صلعم کا سجدۂ شکر بجا لانا، اس وقت آپ صلعم کے لبوں کا ہلنا، نیز سحاب نور کا آنا اور آپ صلعم کو اٹھا کر لے جانا اور کون و مکاں کی سیر کرانا وغیرہ واقعات نظم ہوئے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ شانِ رسالتؐ بتائی جائے اور یہ دکھایا جائے کہ آپ صلعم کے دنیا میں تشریف لانے کا انداز بھی بے مثل ہے۔ غلام علی مہری نے اس ضمن میں جتنے واقعات نظم کئے ہیں۔ اُن کا سیرت کی کتاب میں ملنا مشکل ہے۔ شاعر نے چھ سو بیس 620 ابیات حضرت آمنہؓ کے ایام حمل سے لیکر آپ صلعم کی ولادت اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کی پیش کش کے لئے صرف کئے ہیں۔

پانچویں مجلس: یہ مجلس پانچ سو چھیالس (546) اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ باب بھی چوتھے باب کی توسیع ہے، جس میں شاعر نے آپ صلعم کی مولودِ مسعود کے بعد جو اعجاز و کرامات وقوع پذیر ہوئے اور آپ صلعم کی پرورش دائی حلیمہ سعدیہ کے گھر کن حالات میں اور کیسے ہوئی، اسے تفصیل سے بیان کیا

مثلاً آپ صلعم کی ولادت کے بعد کا ایک مشہور واقعہ نقل کیا ہے کہ بولہب کی لونڈی ثوبیہ نے آپ صلعم کی ولادت کی خبر ابولہب کو دی تو مارے خوشی کے بولہب نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا تھا، جس کی برکت سے بولہب پر دو شنبہ کی شب عذاب الٰہی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ راہبوں کی پیشن گوئیوں

کا بھی ذکر ہے ۔ نیز حضرت ثویبہ اور حضرت حلیمہ سعدیہ کے دودھ پلانے کا تذکرہ بھی ہے ۔ اور حضرت حلیمہ سعدیہ کے حسب و نسب پر روشنی ڈالی ہے ۔ پھر یہ بتایا ہے کہ آپ صلعم جب آغوش میں آئے تو حضرت حلیمہ کی تنگ دستی ، خوش حالی میں بدل گئی اور آپ کی بکریاں پہلے سے زیادہ دودھ دینے لگیں یعنی آپ صلعم کی برکت سے حضرت حلیمہ کے گھر میں اجالا ہو گیا ۔

نبیؐ کے تب قدم سے انکے گھر میں     کہ برکت آ گئی سب خشک و تر میں
ہوا سارا مکاں نعمت سے معمور     ہوا گھر سیم و زر سے اُن کا بھرپور ١؎

اس کے بعد آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے حالات نظم کئے ہیں جو حضرت حلیمہ کے گھر پیش آئے ۔

چھٹی مجلس : یہ مجلس نبوت کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب آپ صلعم عبادت کے لئے غارِ حرا تشریف لے جاتے تو اشجار نبی کریمؐ کو سلام کرتے تھے ۔

جواہر کر نثار اک بار لب سے     یہی کہتے تھے تعظیم و ادب سے
سلام علیک یا بدر الکمالات     سلام علیک یا شمس الرسالت ٢؎

یہاں حضرت جبریل امین تشریف لائے اور پہلی وحی کو آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا ۔ وحی کے بعد وضو کرنے اور نماز کے طریقے حضرت جبرئیل نے آپ صلعم کو بتائے ۔ اس سارے واقعے کی تفصیل شاعر نے بیان کی ہے ۔

وضو یہ باعثِ دفع ضرر ہے     گناہوں کا کفارہ سر بہ سر ہے ٣؎

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ ، حضرت عمرؓ ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے

---

١؎ غلام علی مہری   مصباح المجالس   ٢   ١٦١   مطبع کریمی بمبئی ١٣٣٧ھ
٢؎ غلام علی مہری   مصباح المجالس   ٢   ١٧٩   مطبع کریمی بمبئی ١٣٣٧ھ
٣؎ غلام علی مہری   مصباح المجالس   ٢   ١٨٨   مطبع کریمی بمبئی ١٣٣٧ھ

قبولِ اسلام کا تذکرہ ہے، پھر نبوت کے روشن دلائل بیان کئے ہیں، اس سلسلے میں شاعر نے سابق انبیائے کرام کی خصوصیات کا ذکر کرکے آپ صلعم کی عظمت و وقار کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہر نبیؑ کو اللہ نے ایک ایک دو دو معجزات سے نوازا ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بے شمار معجزات عطا فرمائے۔ یہ واقعات ۱۵۱ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

ساتویں مجلس : اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں اور شمائل کا ذکر کیا گیا ہے ؎

عجب ہے مجلسِ ہفتم یہ نادر کرشمے ذاتیہ ہیں اسمیں باہر
بھری ہے یہ نوادر کیفیت سے کہ حالِ مصطفیٰ کی سب صفت سے [1]

مثلاً جسم مبارک کی خوبیاں بیان کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلعم کا سایہ زمین پر پڑتا نہیں تھا۔ شاعر نے آپ صلعم کا سایہ نہ ہونے کے اسباب بتائے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پہلا سبب یہ ہے کہ آپ صلعم کا جسم اللہ کا نور تھا اور نور کا سایہ نہیں ہوتا، دوسرا سبب یہ ہے کہ آپ صلعم کا جسم مبارک (ظاہر و باطن) شفاف و مصفا تھا، روح و جسم میں صفائی تھی آپؐ کا جسم اطہر اتنا صاف و شفاف تھا کہ سایہ پوشیدہ رہا۔ اور تیسرا سبب یہ ہے کہ قیامت کے میدان میں جہاں سورج سبھوں کے سروں پر ہوگا، وہاں آپ صلعم کا سایہ کام آئے گا، پھر آگے چل کر یہ بھی کہا کہ آپ صلعم کے سر پر ہمیشہ ابر کا ٹکڑا رہا کرتا تھا۔

سبب پہلا تھا اس صورت سے مسطور کہ تھا جسم نبیؐ اللہ کا نور!
سبب دیگر یہ ہے مرقوم نادر! کہ تھا جسم نبیؐ شفاف ظاہر
وہاں سایہ نبیؐ کا ہووے حاضر سوا امت کے سر پر اپنے ظاہر

---

[1] غلام علی بھری مصباح المجالس ۴ 201 مطبع کریمی ۱۳۳۷ھ

کرے اُس دم کرم سے سایہ بانی    تپش خورشید کی کر دے فانی !!
ہمیشہ ابر تھا وہ سر پہ قائم    عجب تھا سائباں رحمت کا دائم [1]

اور یہ نشانیاں بقولِ شاعر راہبوں نے قدیم کتابوں میں پڑھی تھیں۔ اسی لئے وہ ان علامتوں کے رونما ہونے کا انتظار کر رہے تھے اور جب یہ نشانیاں رونما ہوئیں تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے بیان میں کئی روایات نقل کی ہیں مثلاً کبھی آپؐ کے سر پر سے کوئی پرندہ گذرا نہیں۔ جانور بھی ہمیشہ آپؐ کا احترام کرتے تھے۔ آپ صلعم کے جسم اطہر پر کبھی مکھی بیٹھی نہیں۔ اس کے بعد آپ صلعم کے موئے مبارک، پسینہ مبارک اور اسکی خوشبو کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ پسینے سے نکلنے والی خوشبو سے متعلق کئی واقعات بیان کئے ہیں۔ پھر زلف و گیسوئے مبارک کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ترے گیسو میں جو خوبی عیاں ہے    پرِ جبرئیلؑ میں وہ بس کہاں ہے [2]

اس طرح جسمِ اطہر کی تمام خوبیاں بیان کی ہیں جیسے دندانِ مبارک، چہرۂ مبارک، سینۂ مبارک، قدمِ مبارک، بازوئے مبارک، لعابِ دہن وغیرہ کے کرشمے نظم کئے گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس مجلس میں آپ صلعم کے شمائل کا مفصل ذکر چھ سو ستاون (657) اشعار میں کیا گیا ہے۔

آٹھویں مجلس:

معجزاتِ نبیؐ، سیرتِ نبویؐ کا ایک اہم موضوع ہے۔ اسلام کے ابتدائی

---

۱؎ غلام علی مہری    مصباح المجالس    ص ۲۰۲ تا ۲۰۵    مطبع کریمی، بمبئی ۱۳۳۷ھ

۲؎ غلام علی مہری    مصباح المجالس    ص ۲۱۴    مطبع کریمی، بمبئی ۱۳۳۷ھ

دور میں جن دو امور پر سیرت نگار بحث کرتے تھے، ان میں معجزات کے ساتھ
غزواتِ نبوی شامل ہوتے تھے، معجزات کی اہمیت و ضرورت کو ذہن میں رکھتے
ہوئے غلام علی مہری نے یہ مجلس معجزاتِ نبوی کیلئے وقف کردی ہے۔ مقصد یہ
ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دکھائی جائے۔ یہ مجلس پانچ سو سترہ ۵۱۷
ابیات پر مشتمل ہے مصنف نے معجزات کی تین قسمیں بتائی ہیں، پہلی دو کا تعلق
نبی کریم صلعم کی ذات گرامی کی ذات سے ہے۔ اور تیسری قسم اولیائے کرام کی ذات
سے تعلق رکھتی ہے، جیسے کرامات کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلعم کے معجزات میں اوّل
کا تعلق ولادت سے نبوت تک کے معجزات سے ہے۔ اور دوم کا تعلق نبوت سے
آپ صلعم کی رحلت تک کے معجزات سے ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے شاعر نے
صرف نبوّت سے رحلت کے درمیان میں ظہور پذیر ہونے والے چند معجزوں کا ذکر ہے
ان میں قرآن کا معجزہ اور شق القمر کی طرف صرف اشارہ کیا ہے۔ وجہ یہ بتائی ہے
کہ یہ بہت ہی مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ ڈوبے ہوئے آفتاب کا نکلنا، ہیکل بت
کا آپ صلعم کی رسالت کی گواہی دینا۔ شیر خوار بچے کا آپ صلعم کی رسالت کی گواہی
دینا۔ اور ایک گونگے کا آپ صلعم کی رسالت کا اقرار کرنا وغیرہ معجزات بیان
ہوئے ہیں۔ ان میں ایسے معجزات کا ذکر ہوا ہے جو آپ صلعم سے کفارِ مکّہ نے
طلب کئے تھے تاکہ دینِ اسلام کو قبول کرسکیں اور شاعر نے یہ بتایا ہے کہ معجزات کی
وجہ سے تبلیغ اسلام میں آسانیاں پیدا ہوئیں اور کفار جوق در جوق مسلمان ہوئے

نویں مجلس: اس مجلس میں شاعر نے آپ صلعم کے فیوض و برکات پر روشنی
ڈالی ہے۔ جیسے آپ صلعم کی خاکِ پا سے آنکھوں میں بینائی پیدا ہونا، اندھی آنکھوں
پر آپ صلعم کا دست مبارک پھیرنے سے بصارت کا پیدا ہونا، اسی طرح کی متعدد روایات

کو شاعر نے جمع کیا ہے ۔ اس مجلس میں جملہ پانچ سو تیس اشعار ہیں ۔

دسویں مجلس : یہ مجلس آٹھویں اور نویں مجلس کی توسیع ہے ، جس میں جملہ پانچ سو اٹھاسی اشعار ہیں ۔ اس میں بھی شاعر نے آپ صلعم کے معجزات آپ صلعم کے فیوض اور نظرِ عنایت کے متعدد واقعات بیان کئے ہیں ۔ مثلاً کدو مشکیزوں کے پانی میں برکت کا ہونا ۔ دورِ نبی کریم صلعم کے قافلے کی پیاس بجھانا ۔ اور مشکیزوں کے پانی میں کمی نہ آنا ۔ آپ صلعم کی نظرِ عنایت سے دستر خوان میں برکت ہونا اور آپ صلعم کی دعاؤں سے حضرت جابرؓ کی ذبح کردہ بکری کا پھر سے زندہ ہونا وغیرہ واقعات اس مجلس میں جمع کئے ہیں ۔

گیارھویں مجلس : یہ مجلس بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و بزرگی کا بیان پیش کرتی ہے :

کرے تا گیارھویں مجلس کو مرقوم　　　فضائل نامہ سلطانِ معصوم
فضیلت کا عجب اس میں بیاں ہے　　　بزرگی اور عظمت کا نشاں ہے[1]

شاعر نے ان واقعات پر بہت زیادہ زور دیا ہے ، جس سے فضائل و مناقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوتی ۔ مثلاً روزِ میثاق میں تمام ارواحِ رسل سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلعم کی رسالت سے متعلق جو وعدہ لیا تھا ، اس واقعے کو نقل کیا ہے ۔ پھر آپ صلعم کے اسمِ مبارک کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ نام اللہ کے نزدیک بہت ہی معتبر ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ ہر جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا ہے ، نیز یہ کہ قرآن میں خدا نے آپ صلعم کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے آپ صلعم کو نام سے نہیں بلکہ صفات سے پکارا ہے

[1] غلام علی قہری　مصباح المجالس　ص ۳۲۲　مطبع کریمی بمبئی ۱۳۲۷ھ

جبکہ دوسرے انبیائے کرام کو قرآن میں انکے ناموں سے یاد کیا ہے۔ پھر اس واقعے کو نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متنبہ کرانے سے پہلے صحابۂ کرام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکارتے تھے جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہیں اس سلسلے میں خدا نے آیتِ کریمہ نازل فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبیؐ کو پکارنے میں آداب کا خیال رکھو اور اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور جب آپ نبی سے ملنے کا قصد کریں تو آپؐ کے حجرے کے باہر آپؐ کا انتظار کرو۔ ایسے متعدد واقعات جو شانِ رسالت ظاہر کرنے کیلئے رونما ہوئے تھے، شاعر نے نظمائے ہیں ؎

نبوّت آپؐ کو بخشی جہاں کی!	رسالت سر بہ سر جن انس و جاں کی
نبیؐ ہے شک کیا ہے خاص سب کا	نہ مختص کر رکھا ان کو عرب کا
یقیں سارے جہاں کی سروری دے	کیا سب کا نبی پیغمبری دے [1]

اس مجلس میں معراج کے واقعے کو شاعر نے کافی اہمیت دی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ ایسی معراج کسی اور نبی کو عطا نہیں ہوئی ۔ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور یہ فضیلت دوسرے انبیاء کے حصّے میں نہیں آئی ۔ اور مجلس کے آخری اوراق شفاعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتے ہیں ۔ اس مجلس کے کل ابیات سات سو تین ہیں۔

بارھویں مجلس : مصباح المجالس کی یہ آخری مجلس ہے ۔ اس میں شاعر نے وصالِ رسولؐ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں ۔ لکھتے ہیں کہ آپ صلعم کی عمر جب تریسٹھ سال کی ہوئی اور آپ صلعم نے خدا کا پیغام تمام بندوں تک پہنچا دیا،

---

[1] غلام علی نجری " مصباح المجالس " ص ۳۲۲ مطبع کریمی، بمبئی ۱۳۳۷ھ

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا وقت آگیا۔ اس وقت تمام صحابہ کرام مجسم غم بنے ہوئے تھے اور آخری لمحات میں بھی آپ صلعم کے لبوں پر "یا امتی یا امتی" کی رٹ لگی ہوئی تھی۔ آخر کار ماہ صفر میں دوشنبہ کے دن جنت البقیع کی زیارت کے بعد بخار میں اضافہ ہوا۔ اس گرمی کو دور کرنے کیلئے ہر ساعت پانی سے جسم کو تر کرتے رہے، اس وقت آپ صلعم حضرت میمونہ رض کے گھر میں تھے، پھر حضرت عائشہ رض کے ہاں تشریف لائے۔ دیگر ازدواج اور حضرت فاطمہ رض آپ کی خدمت میں لگ گئیں اور رفتہ رفتہ آپ صلعم کی طبعیت غیر ہوتی گئی اور صحابہ کرام غم میں رونے لگے اور آپ صلعم نے خطبہ دیا جس میں یہ وصیت فرمائی کہ محبت کے طریقہ کو نہ چھوڑو کام کے کرنے میں جلدی نہ کرو، میری شریعت پر عمل کرو۔ یہی راہ خدا ہے اور ہمیشہ اپنے دین پر قائم رہو۔ انشاء اللہ خدا تم سے راضی ہو جائے گا۔

رہے ثابت جو اس دین قوی پر     رہے اس کی ہمیشہ پیروی پر
یقیں مقبول وہ ہووے خدا کا     حشر میں مستحق دارالبقا کا[1]

غلام علی مہری نے ان غمگین واقعات کو انتہائی موثر پیرائے میں بیان کیا ہے۔ آپ صلعم کے وصال کے بعد کے واقعات بھی اسمیں نظم ہوئے ہیں مثلاً آپ صلعم کے وصال کے بعد صحابہ کرام پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ حضرت علی رض نے آپ کو غسل دیا اور آپ صلعم کے ہمراہ حضرت عباس رض، حضرت اسامہ رض، حضرت فضل رض، اور حضرت قثم تھے، آپ صلعم کے جسم اطہر کو جنازے میں رکھ کر صحابہ رض نے باری باری نماز پڑھی۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تھی وہیں لحد مبارک کھودی گئی اور آپ صلعم کو قبر میں سلایا گیا، تب بھی آپ صلعم کے لبوں پر جنبش تھی۔

---

ص1 غلام علی مہری، مصباح المجالس، 373 مطبع کریمی، بمبئی ۱۳۳۷ھ

مبارک لب سے یہ آتی تھی آواز    کہ یارب اُمتی با حشمت و نازے ۱

بعد ازاں شاعر نے صحابۂ کرام، ازدواجِ مطہرات، شہزادیٔ اسلام حضرت فاطمہ رضہ امام حسن رضہ، امام حسین رضہ اور دیگر بیبیوں اور خواتین کے اضطراب کو بیان کیا ہے۔ چھ سو اکیس (621) اشعار میں شاعر نے وصالِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر پیش کی ہے۔

بمبئی، کرناٹک میں لکھی گئی سیرت کے موضوع پر ایک طویل مثنوی ہے، جس میں سیرت کے اُن پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے، جس کے ذکر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ اس لئے اس منظوم سیرت میں سیرت النبیؐ کے اہم پہلوؤں کو نظمایا گیا ہے۔ جیسے آپ صلعم کے قبل کے واقعاتِ عرب، جس کے مطالعہ سے عرب کی سماجی و اخلاقی زندگی پر روشنی پڑتی ہے اور اس پس منظر کو سمجھے بغیر سیرت النبیؐ کی اہمیت و ضرورت کو سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ شاعر اس سیرت میں جن پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ عرب کے اُس ماحول کو پیش کیا جاتا جسکے تصوّر ہی سے انسانیت کانپ جاتی ہے۔ ایسے ماحول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کھولی اور اس وحشیانہ ماحول کو ایک مختصر سی مدت میں بدل دیا۔ جو آپ صلعم کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ شاعر نے اُن تمام واقعات کو چھوڑ دیا ہے، جن کا تعلق آپ صلعم کی تعلیمات، غزوات اور حکمت سے ہے۔ اس کے علاوہ شاعر نے ایک ایسے موضوع کے بیان سے بھی چشم پوشی کی ہے، جو اسلامی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے، یعنی "ہجرتِ مدینہ" کے واقعات سے یہ کتاب عاری ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کا مقصود یہ ہے کہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے گیت گائے جائیں

---

۱؎ غلام علی مہری، "مصباح المجالس" 387 مطبع کریمی ۱۳۳۷ھ

"مصباح المجالس" بہرحال ایک قدیم منظوم سیرتِ نبوی ﷺ ہے۔ اس کی زبان اگرچہ کہ ڈیڑھ دو سو سال پرانی ہے، لیکن اس کا احساس بہت کم ہوتا ہے، شاعر نے ہر جگہ اضافت کا خیال رکھا ہے جہاں ضرورت پیش آئی وہاں آیاتِ قرآنی کو بھی نقل کیا ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ شاعر نے حاشیہ میں مشکل الفاظ کے معانی بھی درج کئے ہیں تاکہ قاری کے لئے آسانیاں پیدا ہوں۔ ہر مجلس کے اختتام پر شاعر قاری اور سامع کو نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ اور ہر مجلس درود و سلام پر ختم ہوتی ہے۔

اس سیرت کے بیشتر واقعات کو شاعر نے سیرت کی معروف کتابوں سے اخذ کیا ہے جس میں مدارج النبوت، شواہد النبوت، معارج النبوت، اور مثنوی مولانا روم شامل ہیں۔ مثنوی کی زبان آسان و سلیس ہے۔ عربی و فارسی کے مانوس الفاظ کی کثرت ہے۔ کہیں کہیں عربی و فارسی اشعار بھی نقل کئے گئے ہیں۔ لفظوں کا املا قدیم طریقے پر ہی لکھا ہے، مثلاً جو بھی لفظ جس میں "نون" آئے۔ چاہے اس کا تلفظ نونِ غنہ ہی کیوں نہ ہوتا ہو، شاعر نے اعلانِ نون ہی برتا ہے جیسے میں کو 'مین' نہیں کو 'نہین' ہوں کو 'ہون' وغیرہ۔ اس کے علاوہ یہ کو 'یہ' کھول کو 'کہول' تھا کو 'تہا'۔ یہاں کو 'یہاں' وغیرہ۔ دو لفظوں کو ملا کر لکھنے کی روایت کو شاعر نے ساری سیرت میں برقرار رکھا ہے۔ مثلاً جسدم، اُسدن، یکبارگی پیانسے، ایکدم بہایا نمیں وغیرہ۔

بہرکیف دکن میں 'اخبار السیر' کی طرح مصباح المجالس بھی ایک اہم منظوم سیرتِ نبوی ﷺ ہے جس سے اردو دان طبقہ واقف نہیں ہے، یہ تحریر اس سیرت کو متعارف کرانے میں معاون ثابت ہوگی۔

# علامہ شاہ عبدالحی احقر بنگلوری

علامہ شاہ عبدالحی کا اصل نام بڑھن بیگ تھا۔ احقر تخلص کرتے تھے۔ ان کے اساتذہ نے ان کا نام بدل کر 'عبدالحی' رکھا۔ ان کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن قرینِ قیاس ہے۔ علامہ شاہ عبدالحی جمادی الاولیٰ ۱۲۳۲ھ میں بنگلور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قاری سید باقر اور مولوی سید غوث صاحب سے حاصل کی پھر ایک ممتاز منشی عالم دین سید شاہ سجاد شطاری سے صرف و نحو، معانی بیان و بدیع کلام اور نفسیات کے علاوہ تفسیر و حدیث اور فقہ و تاریخ جیسے عرق ریز علوم کو پڑھا۔ ویلور کے مدرسہ 'لطیفیہ سے درسِ نظامیہ کی تکمیل کرلی۔ یہ جنوبی ہندوستان کا بڑا عظیم الشان دینی مدرسہ ہے۔ جس کی فیض رسانی کے نقش کو زمانہ کبھی مٹا نہ سکے گا۔ اس کے مہتمم اور صدر مدرس سید محی الدین عبداللطیف ذوق سے بھی انہوں نے پورا پورا فیض اٹھایا اور علم و فن میں ایسی دسترس حاصل کرلی کہ ان کا شمار اس وقت کے جید علما میں ہونے لگا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر ایک عرصہ تک اسی مدرسہ میں درس و تدریس کے کام میں مصروف ہوئے۔ یہاں آکر وعظ و درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری کیا۔

علامہ شاہ عبدالحی احقر بنگلوری کا شمار جنوبِ ہند کی یگانہ روزگار شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم بھی تھے، قادر الکلام شاعر و ادیب بھی اور کثیر التصانیف بزرگ بھی، انہوں نے نظم و نثر میں ایک سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں ہیں۔ علوم حدیث، فقہیات، سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم، غرض کونسا علمی میدان ہے جسمیں ان کے 'شہبِ قلم' نے اپنی جولانیٔ طبع کے جوہر نہ دکھائے ہوں۔

ان کی تخلیقات میں فیض الباری ترجمہ تیسیر القاری، خلفائے اسلام سے متعلق 'التاریخ الخلفاء' سید البشر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق "جنان السیر" خلفائے راشدہ سے متعلق حدیقۃ الاحباب، اہل بیت سے متعلق روضۃ الابرار، امام حسن رضہ اور امام حسین رضہ سے متعلق قرۃ العینین، گلشنِ غم، حامیٔ شریعت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے متعلق تحفۂ مرغوب ائمۂ فقہ سے متعلق "تذکرۃ المجتہدین" اور ائمہ کبار سے متعلق "تذکرۃ المحدثین اور

تذکرۃ اولیاء کی دو ضخیم جلدیں انتہائی اہم ہیں، اس کے علاوہ ان کا نعتیہ کلام بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مگر یہاں ان کی مشہور ترین تصنیف جنان السیر پر روشنی ڈالی جائے گی اور اس تخلیق کی قدر و قیمت کا تعین کیا جائے گا۔

**جنان السیر:** سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کتاب "جنان السیر" علامہ شاہ عبدالحی بنگلوری کا شاہ کار ہے۔ دکن میں سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی گئی یہ ایک ضخیم منظوم سیرت نبوی ہے۔ جسمیں جملہ بیس ہزار ابیات بڑی تقطیع کے 512 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اسکی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ۱۲۹۵ھ سے لاکھوں کی تعداد میں مختلف مطبوں خاصکر کرناٹک سے اسکی اشاعت ہوئی۔ یہ منظوم سیرت اتنی مقبولِ عام ہوئی ہے کہ یہاں کے مسلمان قرآن مجید کے بعد اسی سیرت کا سب سے زیادہ ورد کرتے ہیں۔ گھروں میں عورتیں روزانہ بڑے ادب و احترام کے ساتھ اسے پڑھتی ہیں۔ اور خصوصًا ماہ ربیع الاوّل میں محفلِ عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی سیرت لحن کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور ایک عالم اس کی تشریح کرتا ہے تاکہ سامعین کے ان پڑھ طبقہ کو اس کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ اور تشریح کرنے والے کو یہاں معانی کرنے والا یا د زبان میں معنی چھوڑنے والا کہتے ہیں۔ اور سامعین اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ جھوم جھوم کر ادب و احترام سے سماعت کرتے ہیں۔ اس کی مقبولیت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے جہیز میں قرآن مجید کے ساتھ "جنان السیر" کا نسخہ بھی شامل رہتا ہے۔ جیسے عرفِ عام میں "سیر شریف" بھی کہتے ہیں۔ اُردو کی چند ہی کتابیں ایسی ہوں گی جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہوگا کہ سن تصنیف ہی سے اس کا طوطی بولنے لگا ہو۔ چنانچہ مصنف کے فرزند کلاں مولوی عبدالقادر علی صوفی فرماتے ہیں۔

"کیا ان کو مشہور ربِّ انام، | بھی مقبول طبع خواص و عوام
مصنف کی نیت بھی جب نیک تھی | ہدایت تھی منظور حق خلق کی
سو تصنیف کو ان پہ آساں کیا | بھی تشہیر کا ان کے ساماں کیا
کہ دو ثلث تک ان سے چھاپے گئے | بھی اقطار عالم میں شہرت لیے

نہیں کوئی شہر اور قریہ کہیں — کہ تصنیف اس کی وہاں پر نہیں
خصوصًا جنان السیر کے تئیں — دیا ایسی شہرت خدائے متیں
کہ دکن سے لے تا بہ ہندوستاں — ہے ہر شہر و قریہ میں اس کا نشاں ۔" [1]

علاّمہ عبدالحئی احقر بنگلوری نے " جنان السیر" کی تصنیف میں علاّمہ باقر آگاہ مدراسی کی تصنیف "ہشت بہشت" سے کافی استفادہ کیا ہے ۔ چناں چہ "جنان السیر" کی ابتداء میں فرماتے ہیں ۔۔۔۔۔

"ہے ہشت بہشت اسمِ جنان السیر اندر
آگاہ سے پوچھے تو میں واعظ کو دکھادوں

جاگے نہ کبھی صورِ سرافیل کے دم سے
یک پھول جو اس باغ سے فتنہ کو سنگھادوں" ۔ [2]

پھر آگے لکھتے ہیں کہ علاّمہ باقر آگاہ نے چوں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے حالاتِ مقدسہ مختصر لکھے ہیں ۔ اس لیے میرے بعض احباب نے یہ شوق ظاہر کیا ہے کہ میں اس اجمال کی تفصیل لکھوں ۔ ہشت بہشت کے علاوہ انہوں نے فتح العزیز، شرح مشکوٰۃ شریف، مواہب علیہ، روضۃ الاحباب، معارج النبوّت، شواہد النبوۃ اور مدارج النبوّت سے بھی استفادہ کیا ہے ۔

جنان السیر کے نام کی مناسبت سے ابواب کو چمن کہا گیا ہے ۔ شاعر نے اس میں دو دفتر قائم کئے ہیں ۔ پہلے دفتر کا نام جنان السیر فی احوالِ سید البشر اور دوسرے دفتر کا نام "جنان السیر فی فضائل سیّد البشر" رکھا ہے ۔ مولانا عبدالحئی احقرؔ نے جنان السیر کے دفتروں سے متعلق لکھا ہے کہ اس پہلے دفتر میں چار ابواب اور دوسرے دفتر میں چار ابواب شامل ہیں مگر زیرِ نظر کتاب میں دفتر اوّل میں چار ابواب (چمن) اور دفتر دوم میں چھ ابواب (چمن) شامل ہیں

---

[1] عبدالحئی احقر جنان السیر صفحہ 456 تاج بُک ڈپو سٹی مارکیٹ بنگلور، تاریخ اشاعت درج نہیں۔
[2] عبدالحئی احقر جنان السیر صفحہ 19 تاج بُک ڈپو سٹی مارکیٹ بنگلور، تاریخ اشاعت درج نہیں۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر سید قدرت اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"موجودہ جنان السیر میں 'ریاض الازہر' کے دو ابواب بھی شامل کر لیے گئے ہیں۔ مگر پورے اشعار نہیں، یہ ناشرین کی بدعنوانی معلوم ہوتی ہے۔" (۱)

بہرحال زیرِ نظر کتاب کے دس چمنوں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

جنان السیر کا دفترِ اوّل چار چمنوں پر مشتمل ہے۔ جسمیں تیرہ ہزار سات سو پینتالیس اشعار ہیں۔ منظوم سیرت کی ابتداء علامہ عبدالحی صاحب نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کی تشریح و توضیح اور فضائل سے کی ہے۔ اس کے بعد حمد و نعت شریف، منقبت و مدح شیخ طریقت اور اسباب تالیف کا ذکر کیا ہے۔

**چمنِ اوّل:** اس چمن کا نام مصنف نے انوار نبوت رکھا۔ جسمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے نورِ مبارک کا تذکرہ ہے۔ اور یہ دکھایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے نور کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ اور اس کے ثبوت میں کئی روایات کا حوالہ دیا ہے۔ مثلاً یہ حدیث نقل کی ہے، فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے "أوّل ما خلق اللّٰہ نُوْرِیْ"۔ پھر نور کی حقیقت کو واضح کر کے روز میثاق کا ذکر کیا ہے۔ اور اللہ نے جو وعدہ عالمِ ارواح میں تمام انبیاء کرام سے لیا تھا کہ تمہارے عہد میں میرے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلّم آئیں تو تم اُن پر ایمان لانا۔

بولا غرض حق نے رسولوں سے سب
پاس تمہارے وہ نبیؐ آوے جب
لائیو ایمان تم اُس پر ضرور
اُس کی نہ نصرت میں بھی لاؤ قصور

---

(۱) سید قدرت اللہ علامہ شاہ عبدالحی احقر حیات اور کارنامہ صفحہ ۱۷۹۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سنہ 1996

آئے زمانے میں تمہارے اگر
تن سے کرو اُس کی مدد بیش تر

اس کے بعد آغازِ کائنات حضرت آدمؑ سے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی کیفیت کا بیان لکھا ہے۔ پھر فرشتوں کا آدمؑ کو سجدۂ تعظیم کرنا اور شیطان کا انکار کرنا، اور شیطان کا حضرت حواؑ کو بہکانا اور حضرت آدمؑ و حواؑ کا جنت سے نکالے جانا وغیرہ واقعات کو نظم کیا ہے بعد ازاں آدمؑ اور حواؑ کا زمین پر بھیجا جانا۔ حضرت آدمؑ کی گریہ وزاری اور قبول توبہ کا ذکر ہے۔ پھر نبیؐ کے نور کا سلسلہ آدمؑ کی پیشانی سے منتقل ہوتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی پیشانی تک پہنچنے کا ذکر ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کا حضرت ہاجرہ اور اُن کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کے صحرا میں لاکر چھوڑنا اور آبِ زم زم ظاہر ہونے کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ بعد ازاں حضرت اسماعیلؑ کے ذبح ہونے کے واقعہ کی تفصیل آئی ہے۔ جس طرح عام سیرتوں کی کتابوں میں قبل از ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اہم واقعات حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت عبداللہ تک ہوئے تھے۔ اُن تمام واقعات کو علامہ عبدالحی احقر نے بھی بیان کیا ہے اور اس چمن کا اختتام قربِ ولادت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا ہے۔

یہ چمن تقریباً دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ مولانا عبدالحی احقر نے نظامی گنجوی کی مثنوی "مخزن الاسرار" کی بحر استعمال کی ہے جس کا وزن مفتعلن مفتعلن مفتعیل ہے۔

**چمن دوم:** اس کا سرنامۂ بیان "گلزارِ نبوت" ہے۔ اس میں اُنیس سو بیس 1920 اشعار ہیں، یہ چمن ۱۲۶۵ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

سنہ کی ہجرت سے برس بارہ سے ساٹھ پر پانچ برس تھے گذرے
اس کے ابیاتِ تمامی اے انیس ، ایک ہزار اور ہوئے نو سو بیس

اس میں ولادت باسعادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آپ صلعم کی نبوت کے گیارھویں سال تک جو واقعات رونما ہوئے ہیں اُن کو نظم کیا گیا ہے۔ اس میں پہلے محفلِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب اور اُس کی فضیلت پر روشنی ڈالی ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل اور بعد کے واقعات کی تفصیل لکھی ہے مصنف نے وہ تمام روایات کا احاطہ کیا ہے جو عام طور پر قدیم سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں اور جا بجا کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں جن سے انہوں نے واقعات اخذ کیے ہیں۔
اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام رضاعت کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز حضرت آمنہ رضہ کی رحلت، عبدالمطلب کی کفالت اور عبدالمطلب کی رحلت اور ابوطالب کی کفالت کا مختصر بیان ہوا ہے پھر سفرِ شام کا ذکر ہے جہاں ایک راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی اور اُس نے آپ صلعم کے نبی ہونے کی تصدیق کی تھی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضہ کا مال واسباب تجارت کے لیے لیجانا، اور آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام نکاح بھیجنا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بی بی خدیجہ سے نکاح ہونے کے واقعات نظم ہوئے ہیں۔
اس کے علاوہ اس ضمن میں نبوت سے قبل کی عباداتِ نبوی صلعم اور شق صدر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پھر آپ صلعم کی بعثت کا ذکر کر کے اُن صحابہ کرام کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضہ حضرت خدیجہ رضہ، حضرت علی رضہ حضرت زید بن حارث رضہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضہ کا خصوصیت سے مذکور ملتا ہے۔ بعد ازاں تبلیغ اسلام اور کفارِ قریش کی ساری داستان بیان ہوئی ہے۔
نبوت کے پانچویں سال کُفّار کے بڑھتے ہوئے ظلم کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صحابہ کرام کو ہجرت کا حکم دیا۔ اُس کا اختصار سے بیان کر کے حضرت حمزہ رضہ اور حضرت عمر رضہ کے قبولِ اسلام کے واقعات کو نظم کیا ہے۔ نبوت کے ساتویں سال

جو عظیم واقعہ پیش آیا یعنی شعیب ابی طالب کا مختصر ذکر کیا ہے۔ نیز محاصرہ کا ختم ہونا ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضہ کی وفات اور کفارِ طائف کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وستم کے واقعات کی تفصیل آئی ہے اور آخر میں نبوت کے گیارھویں سال کے احوال اور ابتدائے ایمانِ انصار کرام رضہ کے مختصر واقعات نظم ہوئے ہیں۔ اس چمن کے لیے مولانا عبدالحی احقر نے مولانا عبدالرحمن جامی کی مثنوی سبحہ الابرار کی بحر جس کا وزن ہو فاعلاتن فاعلاتن فعلن، استعمال کی ہے۔ یہ پہلے دو چمن مصنف نے ۱۲۶۵ھ میں مکمل کر لیے۔

چمنِ سوم :- مولانا عبدالحی نے تیسرے چمن کا عنوان "بہارِ نبوت قائم کیا ہے۔ اس میں معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی ابتداء سورۂ بنی اسرائیل سے کی گئی ہے۔ تاکہ قرآن مجید سے معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہو اور نثر میں اس کی تفسیر بھی پیش کی ہے۔ یہاں چند سطریں نمونے کے طور پر پیش کی جارہی ہیں تاکہ اس دور کی نثر کا اندازہ ہو جائے۔

"پاکی سزاوار ہے اس ذات پاک کیلئے، جو سیر کروایا اپنے بندۂ اکرم یعنی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شب مسجدِ حرام سے طرف مسجدِ اقصٰے کے وہ ایسی مسجد ہے کہ برکت دی ہم نے اسکے اطراف میں جو زمین شام ہے برکتِ دینی جو اسکو ہم نزولِ وحی کی جگہ اور انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ٹھرائی اور برکتِ دینوی جو وہاں بہت سے اشجار اور باغات میوہ دار اور معیشت کی فراخی حاصل ہے۔ ہم اپنے رسولِ مقبول کو وہاں لیگئے تا دکھلاویں ہم اسکو اپنی قدرت کی نشانیاں۔" ؎۱

قرآنی شہادت کے بعد احادیث کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ پھر واقعۂ اسرا کو پیش کیا ہے اور اس میں وہ سبھی واقعات نظم کیے ہیں جو قدیم سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں۔

---

؎۱ عبدالحیٔ احقر جنان السیر، صفحہ 131 ہمدرد بک ڈپو سٹی مارکیٹ بنگلور تاریخ اشاعت درج نہیں

مثلاً حضرت جبرئیل ؑ کا معراج کی شب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آنا، خانۂ کعبہ کی زیارت کرنا اور وہاں آپ صلعم کا چوتھی بار شقِ صدر ہونا پھر براق کے ذریعے بیت المقدس کی طرف کوچ کرنا اور وہاں سارے انبیاء کی امامت کرنا وغیرہ۔ بعد از آں معراج کا تذکرہ کیا ہے کہ آپ صلعم نے تمام آسمانوں کی سیر کی اور ہر آسمان پر ایک ایک نبی سے ملاقات کی۔ یہاں چمن سوم کا اختتام ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایک ضخیم تکملہ اور ایک ضمیمہ بھی شامل ہے۔ جو ایک سو پچیس 125 صفحہ سے شروع ہو کر ایک سو چوراسی 184 پر ختم ہوتا ہے۔

تکملہ و ضمیمہ "بہار نبوت" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے سوالوں اور اللہ رب العزت کے جوابات کے ساتھ ساتھ سیر گلستانِ جنت و طبقات دوزخ کا مفصل احوال بیان کیا گیا ہے۔ نیز عطیاتِ معراج اور شرفِ نزول کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ پھر معراج سے متعلق کفارِ قریش کے سوالوں کا ذکر کیا ہے معراج کی حکمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو عالم آخرت میں رب کی طرف سے جو فضیلتیں و نعمتیں ملیں ان کا تذکرہ کر کے اس چمن کا اختتام کیا ہے۔ دو ہزار تین سو چورانوے (2394) اشعار کے لیے خواجہ نظامی کی مثنوی "ہفت پیکر" کی بحر 'فاعلاتن مفاعلن فعلن' استعمال کی ہے۔

چمنِ چہارم: اس چمن کو "اخبار نبوت" سے منسوب کیا ہے۔ اس میں نبوت کے بارھویں سال کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ اسی اثناء میں تاریخِ اسلام کا ایک عظیم واقعہ پیش آیا جسے ہم ہجرت کہتے ہیں۔ اس چمن میں اسکی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت سے قبل ہی صحابۂ کرام کی ہجرت کی ابتداء ہو چکی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم سے صحابۂ کرام مکہ چھوڑ چکے تھے۔ اور جب کفارِ عرب کا ظلم و ستم بڑھنے لگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے قتل کے مشورے ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مولانا عبدالحی صاحب نے ان واقعات کو بہت ہی خوبصورتی سے نظم کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت کی ساری داستان بیان کی ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ حضرت صدیق رضؓ کی رفاقت سے لیکر مدینہ منورہ میں تشریف

آوری تک کے واقعات کی تفصیل لکھی ہے۔ مثلاً غارِ ثور میں حضرت صدیق اکبرؓ کے پاؤں کو سانپ کا ڈسنا، غار کے منہ پر مکڑی کے جالے کا آنا اور کبوتر کے انڈوں کا وہاں ہونا اور قدرتِ الٰہی سے کیکر کے درخت کا نمودار ہونا وغیرہ۔ مصنّف نے اُن معجزات کا بھی اس میں ذکر کیا ہے۔ جو ہجرت کے وقت ظہور پذیر ہوئے تھے، اس کے علاوہ شرفِ نزولِ مدینہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا قبا میں قیام، مسجد کی تعمیر اور مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے داخل ہونے اور ابو ایوبؓ کے گھر قیام فرمانے کا مختصر بیان ہوا ہے اس طرح ہجرت کے بعد ہونے والے واقعات جیسے حضرت سلمان فارسی کا ایمان لے آنا اور حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح ہونے کی تفصیل آئی ہے۔

اس چمن میں ہجرت کے واقعات کے ساتھ مدینہ منوّرہ میں قیام کے بعد مسلمانوں کو جو حکمِ جہاد ملا تھا اس کا ذکر کر کے اسلامی غزوات و سرایا کی تفصیل دی گئی ہے اور غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ حمراء الاسد، غزوۂ نضیر، غزوہ خندق، غزوۂ بنو قریظہ، غزوۂ الرقاع، غزوۂ ذی قرد اور غزوۂ حدیبیہ کے علاوہ بیشتر سرایہ کے مفصل واقعات لکھے ہیں، اور ان غزوات و سرایات میں پیش آنے والے معجزات، عنایاتِ ربّی بھی بیان کئے ہیں۔ پھر ان میں شہید ہونے والے صحابۂ اکرام کا مختصر ذکر بھی کیا گیا ہے۔ بیعتِ رضوان اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیغامات جو دعوتِ اسلام کی شکل میں سلاطین کو دئے گئے اُس کی تفصیل بھی پیش کی گئی ہے، بعد ازاں جنگ موتہ، فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک کے واقعات کو تفصیل سے نظم کیا ہے اور اس چمن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی رحلت کے ذکر سے ختم کیا ہے اور اس ضمن میں متعدد واقعات پیش کئے ہیں۔ اور صحابہ کرام کو جو محبت و عقیدت نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے تھی اس کا بھی اظہار ہوا ہے۔ اور آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے تجہیز و تکفین کے واقعات لکھے ہیں۔

اس چمن کی یہ خصوصیت ہے کہ ہجرت کے بعد واقعات سن وار لکھے ہیں۔ اور اس

کے لیے ذیلی سرخیوں کا استعمال کیا ہے۔ اس سے یہ فائدہ قاری کو ہوتا ہے کہ اگر وہ ہجرت کے کسی بھی سال کے واقعات معلوم کرنا چاہتا ہے تو اُسے پریشانی نہیں ہوتی ہے اور سیرت مقدسہ ارتقائی منزلیں طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اِس چمن کے لیے مثنوی مولانا جلال الدین رومیؒ کی معروف بحر برتی ہے یعنی فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلات۔ یہ چمن تقریباً چھ ہزار ابیات پر مشتمل ہے جو ۱۲۶۵ھ میں مکمل ہوا۔ فرماتے ہیں۔

ع بیتیں اس چوتھے چمن کی بے شمار ہیں گے تخمیناً قریب شش ہزار۔ ۱؎

اِس طرح مصنّف نے پہلا دفتر ختم کیا۔ اس میں کم و بیش تیرہ ہزار سات سو بینتالیس (13745) اشعار ہیں۔

پس مرتب ہو گئی پوری کتاب ۔۔۔ یعنی یہ چاروں چمن اے کامیاب
شہ کے احوال میں اے نیک فن ۔۔۔ دفتر اوّل ہے یہ چاروں چمن

**دوسرا دفتر:-** مولانا عبدالحی احقر صاحب نے پہلے دفتر کے چار چمنوں میں حیاتِ مقدسہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آ گئی ہے۔ پندرہ سولہ برس تک یہ ایک ہی دفتر "جنان السّیر" کے نام سے طبع ہوتا رہا۔ دوسرے دفتر کو نظم کرنے کی طرف مصنّف نے توجہ نہیں دی، ہو سکتا ہے کہ ان کی توجہ دوسری تصانیف کی طرف مبذول ہوئی ہو گی۔ لیکن پھر دوبارہ جنان السّیر کی طرف توجہ فرمائی اور ۱۲۹۱ھ میں انہوں نے دوسرے دفتر کے تین چمن خود لکھے اور باقی چمن اپنے فرزند سے لکھوائے۔ اس طرح دوسرا دفتر مکمّل ہوا۔ اور یہ دو دفتر ایک ضخیم جلد میں شائع ہونے لگے۔

جنان السّیر کا دوسرا دفتر چھ چمنوں پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز زیرِ نظر کتاب میں 334 صفحہ سے ہوتا ہے اور اختتام صفحہ 512 پر ہوا ہے۔ اگرچہ اس میں پہلے دفتر کے مقابلے میں دو چمن زیادہ ہیں لیکن کل ابیات کی تعداد کم ہے یعنی یہ دفتر انتہائی مختصر ہے

---

۱؎ عبدالحی احقر جنان السیر، صفحہ 332، ہمدرد بک ڈپو سٹی مارکیٹ بنگلور تاریخ اشاعت درج نہیں۔

اس لیے سیرت کے تمام واقعات پہلے دفتر ہی میں آ گئے ہیں اور دوسرے دفتر میں صرف فضائل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کی گئی ہے ۔

دفتر ثانی میں گر چاہے خدا  کچھ فضائل مصطفیٰ سے لاؤنگا

حرمت نبوی سے خلاق عباد  جلد تر بر لادے یہ میری مراد ...[1]

خود مصنف نے اس دفتر کو "جنان السیر فی فضائل سید البشر" کہا ہے

چمن نہ تجسم :"بشارت محمدی" اس چمن کا عنوان ہے اور عنوان سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو بشارتیں اگلی آسمانی کتابوں میں آئی ہیں اور اہل کتاب کے علماء نے جن کا ذکر اپنی کتابوں اور ارشادات میں کیا ہے اس کا احاطہ کیا ہے ۔ جن میں خصوصیت سے یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے دلائل پیش کر کے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب و فضائل بیان کئے ہیں۔

حسب معمول اس دفتر اور چمن کا آغاز بھی حمد و نعت سے کیا ہے پھر بشارات محمدی کی ابتداء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنا سے کی ہے ۔ جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے لیے کی تھی۔ اس کے بعد یہود کے عالم کی گواہی کا ذکر ہے جس میں توریت کے حوالے سے ایک عالم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی تھی ۔ بعد ازاں ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیان ہوا ہے جو توریت، زبور اور انجیل میں منقول ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جن آسمانی کتابوں میں آیا ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اس کے ساتھ ہی حضرت یحییٰ کی بشارت، یہود و نصاریٰ کے علما کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرنا جیسے واقعات نظم کئے گئے ہیں۔

سیرت کی کتابوں میں اسمائے محمدی پر خاص طویل بحث ملتی ہے۔ جس میں مصنفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کے فضائل پر روشنی ڈالی ہے ۔ علامہ عبدالحی

---

[1] عبدالحی احقر جنان السیر، صفحہ 332 ہمدرد بک ڈپو سٹی مارکیٹ بنگلور تاریخ اشاعت درج نہیں

احقر صاحب نے بھی "فضائلِ اسمائے محمدیؐ" کا عنوان قائم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دو نام یعنی محمدؐ اور احمدؐ کی فضیلت بیان کی ہے۔ ان ناموں کے معانی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان ہر دو نام کے رکھنے کے اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ اور واقعات کو پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسمائے گرامی سے کس قدر انبیاء و صحابہؓ نے فیض پایا اور آخر میں اپنی اولاد کے نام محمدؐ اور احمدؐ رکھنے کے باعث جو فضیلت اُنھیں ملے گی اُس کا ذکر کر کے چمن پنجم کا اختتام کیا ہے۔

چمن ششم: اس چمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسمِ اطہر کا بیان ہوا ہے اور وہ احادیث بیاں کی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے چہرۂ مبارک کے بیان میں آئی ہیں نیز چشمِ مبارک و بصارت شریف اور مژگان مبارک کا ذکر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سماعت مبارک، جبینِ مبارک، لب و دندان مبارک اور لعاب مبارک کا ذکر کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے موئے مبارک کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، پھر مہر نبوت پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلعم کی قامت، رنگ اور خون مبارک کا ذکر کر کے صحابۂ کرام کے اوصاف و آداب بیان کئے گئے ہیں۔ یہ چمن انتہائی مختصر ہے جسمیں کُل 533 ابیات ہیں اور اس چمن کی بحر "مفاعی لن مفاعی لن فعولن" ہے۔

چمن ہفتم: یہ چمن "عباداتِ محمدیؐ" کے عنوان سے منسوب ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی عبادتوں کا ذکر ہے اور اس سے تعلق رکھنے والے تمام اُمور پر بحث کی گئی ہے، حمد و نعت کے بعد اس چمن کی ابتدا ر وُضو کے بیان سے کی گئی ہے۔ جسمیں وضو کے معنی اور اُسکی عبادت میں کیا فضیلت ہے بیان ہوئی ہے۔ نیز مسواک سر کا مسح، تیمّم اور غسل کا بیان کر کے "کتاب الصلوٰۃ" کا عنوان قائم کر کے اسلام کی عین عبادت "نماز" پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر فضیلتِ نمازِ وقت کو نظم کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں حنفیہ اور شافعیہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اُس کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ پھر اذان کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے بعد اذاں نماز کے آداب بیان

کیے گئے ہیں۔ مثلاً نماز میں نیت کی اہمیت، قرأت مسنون، رکوع، سجود، جلسہ اور استراحت کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد سجدہ کا بیان ہے۔ اس میں سجدہ سہو، سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر ادا کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔

اس کے بعد فضیلت جمعہ و نماز جمعہ، جمعہ کا خطبہ، خطبہ میں عصا پکڑنے کا حکم نماز تہجد، نماز اشراق، نماز خسوف وکسوف، نماز قصر، عیدین کی نمازیں، نماز جنازہ وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز زکواۃ ماہ رمضان کے روزہ کی فضیلت، تراویح کی بیس رکعت کا بیان، حج کا بیان اور خطبۂ حج الوداع کو نظم کیا گیا ہے اور اخیر میں آداب زیارت روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر کے اس چمن کا اختتام کیا ہے اس چمن میں جملہ تین ہزار اشعار ہیں اور اس کی بحر "فاعلاتن مفاعلن فعلن" ہے۔

**چمن ہشتم:** قدیم دور میں معجزاتِ نبوی ؐ کا احاطہ ہر سیرت نگار خصوصیت کے ساتھ کرتا تھا۔ علامہ شاہ عبدالحی احقر نے بھی چمن ہشتم میں اس کو جگہ دی ہے اور حسب معمول حمد و نعت کے بعد معجزہ کی تعریف سے اس چمن کا آغاز کیا ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ جو رہتی دنیا تک باقی رہیگا اُس کا اوّل ذکر کیا ہے۔ یعنی قرآن کریم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر نازل ہونا۔ اس کے بعد معجزہ معراج شریف معجزہ شق القمر کی تفصیل بیان ہوئی ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشت مبارک سے پانی کی نہروں کا جاری ہونا، کھانے میں کثرت وبرکت کا ہونا۔ بیماروں کا اچھا ہونا، مُردوں کا زندہ ہونا، حیوانات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا، نباتات کا آپ صلعم کا حکم ماننا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا قبول ہونا وغیرہ واقعات کو بھی مصنف نے معجزات میں شامل کیا ہے اور آخر میں یہ بات بھی بتائی ہے کہ ہر نبی کو اللہ نے چند معجزوں سے نوازا تھا۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب سے بڑھ کر معجزات عطا ہوئے۔ مصنف نے کُل 79 معجزوں کا ذکر کیا ہے

اِس چمن میں 1393 ابیات ہیں۔ اس کی بحر فعولن فعولن فعولن علن ہے۔

**چمن نہم :** آثارِ نبوت 'چمن نہم' کا سرنامہ ہے۔ جسمیں سب سے کم یعنی صرف 176 اشعار ہیں۔ اس چمن کو چمنِ ہشتم کا ہی ایک حصّہ سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ اس میں شاعر نے معجزات کو ہی موضوعِ سخن بنایا ہے، جسمیں معجزات عقلیہ، دلائل عقلیہ بر ثبوت اور معجزاتِ حسّیہ کا احاطہ کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دوسرے انبیاء کے مقابلے میں بے شمار معجزات عطا ہوئے تھے۔ اس چمن کی بحر مفاعی لن مفاعی لن فعولن ہے۔

**چمن دہم :** "اطوارِ نبوت" اس کا عنوان قائم کیا ہے۔ حمد و نعت کے بعد مقدمہ پیش کیا ہے۔ پھر خلقِ عظیم کی وضاحت کی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو نیک اخلاق کی تعلیم اپنے صحابہ کرام رض کو دی تھی اُس پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا صبر و تحمل، علم و تواضع، خوش طبعی، جود و سخا، کمالِ شجاعت، لطف و شفقت، رحمت و عفت، صدق و عدالت، زہد و ایثار اور امانت کو متعدد روایات کے حوالے سے نظم کیا ہے۔ پھر جن برائیوں سے اخلاق میں گراوٹ آتی ہے۔ اُس کی مختصر تفصیل نظم کی ہے، مثلاً دروغ گوئی کی مذمّت اور غیبت کی برائی وغیرہ اور آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شدّتِ عبادت کا ذکر کر کے اس چمن کو اختتام تک پہنچایا ہے۔

**زبان اور اندازِ بیان :** علامہ شاہ عبدالحی احقر نے "جنان السیّر" کی صورت میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایک جامع منظوم سیرتِ مقدسہ یادگار چھوڑی ہے۔ کہ ڈیڑھ سو سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی یہ اتنی ہی عقیدت و دلچسپی سے پڑھی جاتی ہے، جتنی پہلے پڑھی جاتی تھی۔ اس منظوم سیرت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ شاعر نے ہر چمن کے لیے ایک الگ بحر اپنائی ہے۔ جب کہ منظوم سیرت کی دوسری تخلیقات میں ایک ہی بحر استعمال ہوئی ہے۔ "جنان السیّر" کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ علامہ عبدالحیٔ احقر صاحب نے سارے واقعات قرآن و حدیث سے اخذ کیے ہیں۔ بلا تحقیق و تصدیق کوئی روایت نقل نہیں کی ہے اور اپنی بات کے مستند ہونے کا جواز بھی پیش کیا ہے اور جا بجا

حوالے بھی دیتے ہیں۔ ان حوالوں میں بیش تر حوالے مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوت اور علامہ باقر آگاہ کی "ہشت دبہشت" سے دیے ہیں۔ شاعر چوں کہ واعظِ سحر البیان تھے۔ اس لیے جنان السّیر کے اسلوب و عنوانات کی ترتیب میں سوانحی انداز پر آپ کا واعظانہ ڈھنگ غالب آگیا ہے، کیوں کہ ہر واقعہ کے ساتھ پند و نصیحت یا نتیجہ خیزی کے جابجا اشارے پائے جاتے ہیں۔

جنان السّیر کی زبان بالکل سلیس اور نہایت عام فہم ہے اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس عہد کے جنوبی ہند کی عام زبان کا یہ بہترین نمونہ ہے۔ طرزِ بیان میں نہ کوئی رنگینی ہے نہ پیچیدگی، ہر شخص اس میں بیان کردہ واقعات کو بآسانی سمجھ لیتا ہے اور یہی مصنّف کا مقصود بھی ہے۔ آپ نے شاعری نہیں کی بلکہ حالات اور واقعات کے بیان کو دل نشین بنانے کے لیے فقط نظم کا پیکر استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"ہے مجھے مقصود کہ سمجھیں عوام شعر کی ہرگز نہ نزاکت سے کام"

"جنان السّیر" کی زبان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے عربی و فارسی اور اُردو زبان کے حسین امتزاج سے یہ مثنوی نظم کی ہے۔ مگر حیرت ہوتی ہے کہ مولانا عبدالحیٔ احقر نے اپنی زبان کو جو آپ نے جنان السّیر میں استعمال کی ہے دکنی یا اُردو کے بجائے ہندی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ اگرچہ آپ نے ہندی الفاظ کو بہت ہی برتا ہے ہو سکتا ہے کہ ہندی سے شاعر کی مراد ہند کی زبان سے ہو، جیسے کہ اس زمانے کے شعرا و ادبا کا بہ شمول امیر خسرو زبان کے تعلق سے یہی خیال رہا ہے۔ کوئی اسے دکنی، کوئی ہندی کوئی ہندوی اور کوئی ہندوستانی کہتا تھا۔ انہی کی پیروی میں مصنّف نے دکنی کو ہندی کہا ہو۔

جنان السّیر کی زبان پر مقامی رنگ غالب ہے۔ دو سو سال پُرانی زبان کی جو لسانی خصوصیات ہیں وہ اس کتاب کے ہر صفحے پر موجود ہیں۔ مثلاً الفاظ کی

تذکیر و تانیث اور واحد و جمع بنانے کے طریقے، تلفظ الفاظ اور اُن کا املا وغیرہ۔
ذیل میں چند مثالیں آپ کے کلام سے دی جاتی ہیں، جس سے شاعر اور اُس عہد کی زبان کا اندازہ ہو جائیگا۔

**تذکیر و تانیث** : اس دور میں تذکیر و تانیث شاعر و ادیب کے منشا کے مطابق ہوتی تھی۔ بہت سے الفاظ جو آج مذکر استعمال ہوتے ہیں اس دور میں مونث استعمال ہوتے تھے اور آج بھی اس طرح کی غلطیاں اُن لوگوں سے ہو جاتی ہیں۔ جن پر دکنی زبان کا اثر بہت زیادہ ہے وہ جب اردو میں گفتگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو تذکیر و تانیث واحد و جمع اور صرف نحو کا خیال نہیں رکھتے۔ جنان السیر میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

میں جو تھی اپنے مکان میں تنہا سُنی ناگاہ یک آواز بڑا ، ص۔72

آواز کو مذکر باندھا ہے۔

نقل ہے تھوڑی ہی گزری مُدت کیا دُنیا سے بھی ورقہ رحلت ص۔95

رحلت مونث ہے یہاں مذکر استعمال ہوا ہے۔

تب ابو سفیان کھولا ہے زبان شادماں ہو کر بہ توصیفِ بتاں ص۔226

زبان کو مذکر باندھا ہے۔

ابتدائی دور کی نظم و نثر میں تذکیر و تانیث کا یہی رواج تھا۔ لیکن مولانا عبدالحیٔ نے کئی جگہ ان الفاظ کی تذکیر و تانیث صحیح نظم کی ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھیے۔

جلد ورقہ کی ہوئی جو رحلت کہتے ہیں حق کی یہی تھی حکمت ص۔95

قلب بیدار خواب آنکھیں آئی آوازِ روح ایسے میں ص۔133

یہاں رحلت اور آواز کو مونث برتا ہے جو آج کے قاعدۂ تذکیر و تانیث کے مطابق ہے۔

**واحد جمع** : الفاظ کے جمع بنانے کا بھی یہی حال تھا۔ زیادہ تر الفاظ کی جمع "الف"

اور "نون" بڑھا کر بنائی جاتی تھی۔ یہ شعر دیکھیے:

مشرکاں آپکے ہونگے دشمن پس اسی واسطے چھوڑوگے وطن ص - 95

مشرک کی جمع۔

دشمناں کر نہ سکینگے کچھ گھات مثل سایہ کے رہوں تیرے ساتھ ص - 115

دشمن کی جمع۔

صبح کو سب کافراں پُر اضطراب ڈہونڈھتے آئے ہمارے گھر شتاب ص - 195

کافر کی جمع۔

تلفظ : علمِ لسانیات میں یہ بات واضح کی گئی ہے۔ دکنی یا ہندوستانی میں الفاظ کا تلفظ جو دکن میں رائج تھا۔ اسمیں ایک زمانے تک کوئی تبدیلی نہیں آئی اور جب یہ زبان دہلی پہنچی تب اُسکے تلفظ میں تبدیلیاں آئیں اور یہ زبان فصیح و بلیغ ہونے لگی۔ تلفظ کے فرق کو ذیل میں ملاحظہ کیجیے۔

| دکنی تلفظ | اُردو تلفظ |
|---|---|
| ادمی | آدمی |
| اسماں | آسماں |
| نئیں | نہیں |
| منجے | مجھے |
| کوں | کو |

ولی اورنگ آبادی، قلی قطب شاہ اور سراج اورنگ آبادی کے ہاں ان الفاظ کا یہی تلفظ ملتا ہے۔ جنان السیر بھی ان لسانی خصوصیات سے عاری نہیں ہے۔

واستہ میں شہؐ سے حمنہ آملی جو پھوپیری بہن تھی اس شاہؐ کی ص - 228

ہمیں کے جگہ حمنہ استعمال ہوا ہے۔

حضرت ہوئے سُنکے شاد و خرم اور اُسکے اُپر کئے ترحم ص - 353

اُوپر کا تلفظ دکنی میں "اُپر" کیا جاتا ہے ۔

کون پہچانتا نہیں اس کو مگر — بہن اُسے پہچانی اُنگلیاں دیکھ کر ص۔ 227

وزن میں اُنگ لیاں آتا ہے۔ صحیح تلفظ "اُنگلیاں (انگ لیاں) ہے۔

ایک دُسرے سے کہا دِل کو چیر — دور کر غل و حسد کو اے خبیر ص۔ 89

دُوسرے کے بجائے "دُس رے" استعمال ہوا ہے۔

**"نے" کا استعمال:-** دکنی میں "نے" کا استعمال بہت کم ہوتا ہے۔ اور اگر ہوتا ہے تو غلط، مثالوں سے بات واضح ہو جائیگی۔ پہلے وہ اشعار دیکھیے جن میں "نے" کی ضرورت تھی مگر شاعر نے چھوڑ دیا۔

پہلے خدا چیز جو پیدا کیا — نور ہے بے شبہ وہ جانو مرا ص۔ 29

شہ کو جبریل امیں بتلائے — سورہ الحمد کا بھی سکھلائے ص۔ 95

جا کے یکدن میں اُحد میں یوں کہی — السّلام علیک یا عمّ نبیؐ ص۔ 229

مندرجہ بالا کے پہلے مصرعوں میں "نے" کی ضرورت تھی ۔

ذیل کے اشعار میں "نے" کا غلط استعمال ہوا ہے۔

لاجرم اُس خلاف سے بچنے — کیا انکار اُس کا مالک نے ص۔ 420

موت سے ڈر کے چچا نے تیرا — آخری وقت میں ایمان لایا ص۔ 118

ان دو اشعار میں "اُس کا مالک نے" کی بجائے "اُس کے مالک نے" ہونا ہے اور "چچا نے تیرے" ہونا چاہیے۔

یہاں یہ بات بتانی ضروری ہے کہ مولانا عبدالحی احقر کے ہاں "نے" کا غلط استعمال بہت ہی کم ہوا ہے۔ مگر جہاں کہیں "نے" کو برتا گیا ہے وہ صحیح ہے۔ مثالیں دیکھیے۔

شہؐ سے صدیقؓ نے پھر عرض کیا — دید سے آپکےؐ سب رنج گیا ص۔ 111

حق نے اس عرض کو قبول کیا — حکم اس طرح فرشتوں کا دیا ص۔ 113

اُسکو تکریم سے بٹھلائے لیجا — ابو طالب نے یہ تب اُن سے کہا ص۔ 116

جنان السیر کا املا :- دکنی تلفظ کی طرح اس کے چند الفاظ کے املے پر دکنی کا گہرا اثر ہے ۔ اس کے علاوہ تراکیب اور دو لفظوں کو ملا کر لکھنے کا عمل بھی جا بجا دِکھائی دیتا ہے۔ مثلاً - دو چشمیں والی "ھ" بہت ہی کم استعمال ہوئی ہے ۔ جیسے ۔

آنکھیں کا املا آنکہیں

ادھر کا املا ادہر

باہر کا املا باھر

اگر وہ رویتِ بصری رہیگی تو ظاہر سے یہی آنکہوں کے ہوگی ص ۔ 370

طشتِ زریں میں تھا یک لاآب دوسرا دہوتا تھا سامان شتاب ص ۔ 89

'دھونا' کا املا 'دہونا' لکھا ہے۔ جہاں دو چشمی والی 'ھ' استعمال ہونی ہے وہاں نہیں ہوتی اور جہاں ہوئی ہے غلط ہوئی ہے اوپر کی مثالوں سے یہ ثابت ہے ۔ جنان السیر میں اکثر دو لفظوں کو ملا کر لکھا گیا ہے ۔ اُس عہد کی تمام کتابوں میں یہی رواج اپنایا گیا ہے ۔

حشرتلک ہووینگے جو آشکار کر دیا اس لوح پہ سب کا شمار ص ۔ 31

قطع کر دیویں سلام اور کلام نرکھیں اُنسے بھی ہرگز کچھ کام ص ۔ 115

جنان السیر کا کوئی صفحہ ایسا نہیں جسمیں اس طرح کا املا موجود نہ ہو ۔ اس کے علاوہ قدیم الفاظ جیسے آوے ۔ جاوے ، آویں ، جاویں ، دیویں اور لاویں وغیرہ اکثر استعمال ہوئے ہیں ۔ بہر حال دکنی زبان کی تمام خصوصیات جنان السیر کا حصہ ہیں ۔ مگر اس کے استعمال میں مولانا عبدالحی احقر کی زبان اُن کے ہمعصر شعراء و مصنفین کی زبان سے بالکل صاف ہے ۔ آپ نے ثقیل و مشکل الفاظ و غیر مانوس تراکیب سے پرہیز کیا ہے ، اس سلسلے میں ڈاکٹر سید قدرت اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"زبان و انداز بیان میں آپ (مولانا عبدالحی احقر) کے معاصرین سے موازنہ کیا جائے تو قدامت تصنع اور عبارت آرائی سے ایک لخت گریز کیا ہے ۔ گو زبان پر

کافی قدرت تھی، عبارت آرائی پر اگر علامہ احقر آجاتے تو سوانح نگاری ایک معمہ بن جاتی مگر آپ نے اپنی سادہ بیانی سے قارئین کا حلقہ وسیع کیا۔" [1]

جنان السیر کی لطافت و دلکشی سے متعلق منشی قلندر حسین اطہر مرحوم فرماتے ہیں

"گل کا ہنسنا کہیں غنچہ کا چٹکنا دیکھو
بلبلو آکے یہ گلشن کا تماشا دیکھو

ہاں غزل اور قصائد جو پڑھے خوش الحان
کیسی یہ نظم ہے، حاجت نہیں نغمہ دیکھو

خوب پڑھتے ہو میاں مثنوی خاقانی
عرش اورنگ شہنشاہ کا قصہ دیکھو

مثنوی میر حسن کی اجی پڑھنے والے
کسی محفل میں یہ پڑھکر تو ذرا سا دیکھو

خاک دکھلائے ہے کیا دور میں کلکتے کی
اسمیں ہے اپنے پیمبر کا سراپا دیکھو"۔ [2]

جس دور میں یہ منظوم سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لکھی گئی ہے۔ اس عہد کے زبان وادب کے پس منظر کو سامنے رکھ کر اگر نقد و تبصرہ کریں تو یہ کہنے میں بقول ڈاکٹر سید قدرت اللہ ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ

"... علامہ احقر کے کلام پر قدرے دکنی چھاپ اور زبان کی قدامت کا اثر ہوتے ہوئے بھی حسن ترتیب، سادہ بیانی، اور مقصد برآوری

---

[1] سید قدرت اللہ باقوی، علامہ شاہ عبدالحی احقر بنگلوری، حیات و کارنامہ، صفحہ 221 ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی 1996ء، [2] عبدالحی احقر بنگلوری جنان السیر (طبع ثانی) ص۔ 18 ہمدرد بک ڈپو سٹی مارکیٹ بنگلور، تاریخ اشاعت درج نہیں۔

کی وجہ سے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ آپ نے اپنی قلمی کاوش کی سحرکاری سے جنوب کو مسحور کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے جنان السّیر سدا بہار جنان السّیر بن کر پوری ایک صدی سے دین و ادب کے متوالوں کے دِل و دِماغ معطّر کر رہی ہے، اس کی مقبولیت، شہرت اور بار بار کی طباعت خود اس کے علمی و ادبی ہونے کی ضامن ہے"۔ ؎[1]

آخر میں اتنا کہوں گا کہ جسطرح مولانا جلال الدّین رومی کی مثنوی معنوی کو کسی نے "ہست قرآن در زبان پہلوی" کہا ہے۔ اگر ہم جنان السّیر سے متعلق یوں کہیں کہ ---
"ہے یہ قرآن بہ زبانِ اُردو" — تو غلط نہ ہوگا۔

---

؎[1] عبدالحئی احقر بنگلوری جنان السّیر (طبع ثانی)، صفحہ 222 ہمدرد بک ڈپو سٹی مارکیٹ بنگلور تاریخ اشاعت درج نہیں۔

# حافظ عبدالرزاق حافظ باقوی

عبدالرزاق حافظ کا شمار ٹملناڈو کے معدودے چند شعراء میں ہوتا ہے، ایم اے ایم فل کی اسناد انھوں نے مدراس یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ عہدِ شباب ہی سے مذہبی، تعلیمی و ادبی خدمات انجام دیتے رہے۔ بائیس سال کی عمر سے ہی وشارم کو اپنا وطنِ ثانی بنایا۔ یہاں کے خوشگوار ادبی ماحول نے ان کی ادبی زندگی کو پروان چڑھایا اور کئی تصانیفِ نظم و نثر منظرِ عام پر آئیں۔ نثر میں "سحرِ اعظم" (نواب سی عبدالحکیم مرحوم کے حالاتِ زندگی) اور وشارم میں اردو (تحقیقی مقالہ) کے عنوان سے دو کتابیں لکھ ڈالیں، اصنافِ سخن میں غزل، نظم اور نعت میں طبع آزمائی کی، غزلیات کا مجموعہ "بہارِ سخن" نعتوں کا مجموعہ "ذکرِ حبیب" اور شعری مجموعہ "نورِ علی نور" شائع کیے۔ حافظ عبدالرزاق باقوی نے بچوں کے ادب پر خصوصی توجہ دی، ان کے لیے حافظ صاحب نے متعدد نظمیں لکھیں جو بعد میں کتابی شکل میں "ننھی کلیاں" "ننھے پھول" "چاند تارے" اور "پھلواری" کے نام سے شائع ہوئیں۔

زیرِ نظر منظوم سیرتِ نبوی "قمر نامۂ اسلام" حافظ عبدالرزاق حافظ باقوی کی اعلیٰ ترین تالیف ہے۔ اس کتاب کا ہر صفحہ عشقِ رسول کی گواہی دیتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار پر مشتمل یہ منظوم سیرتِ نبوی آقائے نامدار احمدِ مجتبیٰ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کتاب کی ادبی حلقوں میں اہمیت اس لئے ہے کہ نثر میں بچوں اور معمولی پڑھے لکھے لوگوں کیلئے متعدد کتابیں تصنیف ہوئی ہیں مگر یہ پہلی سیرتِ نبوی ہے جو بچوں کی نفسیات کا لحاظ رکھتے ہوئے آسان و سلیس زبان میں منظوم کی گئی ہے۔ اسلئے بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ حافظ باقوی صاحب نے اس خلا کو پُر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

"قمر نامۂ اسلام" کی پہلی اشاعت ۱۴۱۰ھ میں ہوئی، پروفیسر نیر ربانی، دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور نے اس کی تاریخِ اشاعت نکالی ہے۔

نیّر نے بصد کیف کہا سالِ اشاعت    مطبوعہ قمر نامہ ہوا شمعِ ہدایت ۱ے
۱۰ ـــــ ھ ـــــ ۱۴

کتاب کے آخر میں حافظ عبدالرزاق حافظ نے قطعۂ تاریخ طباعت واشاعت کہا ہے:

ثنائے شہ کی خوشبو سے فضا ساری معطّر ہے
بہارِ عشقِ احمدؐ سے ریاضِ دل معنبر ہے!
کہی حافظ نے اس تصنیف کی تاریخ برجستہ
گراں مایہ دیا رعنا قمر نامہ منوّر ہے! ۲ے
۱۰ ـــــ ھ ـــــ ۱۴

منظوم سیرت کا آغاز شاعر کی ممنونیت مولانا الحاج نیّر ربانی کے مقدمہ، مولانا اشرف سعودی کے پیش لفظ اور ڈاکٹر مختارالدین احمد کے "حرفِ چند" کے بعد حمد سے ہوتا ہے۔ شاعر اللہ کی ثنا بیان کرنے کے بعد بارگاہِ الٰہی میں مناجات پیش کرتا ہے اس کے بعد اصل سیرت کی ابتداء "نورِ محمدؐ" سے ہوتی ہے، جس میں انھوں نے "نورِ محمدی" کو باعثِ تخلیقِ کائنات بتایا ہے۔ پھر خاندانِ قریش کا مختصر تعارف پیش کرکے قبل از ولادتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ عرب پیش کئے ہیں۔ پھر ولادتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نظمایا ہے۔

شہِ دوسرا آج پیدا ہوئے    رسولِ خداؐ آج پیدا ہوئے!
براہیمؑ کی التجا کا ثمر    شہِ انبیاؐ آج پیدا ہوئے ۱ے

شاعر نے یہاں دعائے ابراہیمؑ کا ذکر تو کیا ہے مگر نویدِ مسیحا کی طرف اشارہ نہیں کیا، جب بھی ہمارے سیرت نگار حضرتِ ابراہیمؑ کی آل حضرت صلی اللہ علیہ

---

۱ے عبدالرزاق حافظ باقوی قمر نامۂ اسلام ص ۱۰ حافظ پبلی کیشنز میل وشارم ۹۰
۲ے عبدالرزاق حافظ باقوی قمر نامۂ اسلام ص 128 حافظ پبلی کیشنز میل وشارم ۹۰
۳ے " " " " ص 26 " "

وسلم کے حوالے سے دعا کا ذکر کرتے ہیں تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری کا بھی تذکرہ ضرور کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر سن کر حضرت عبدالمطلب کے شکر بجا لانے کا بیان تو کیا ہے، لیکن اس سلسلے میں ابولہب کا خوش ہو کر اپنی لونڈی کو آزاد کرنے کی طرف بھی اشارہ نہیں کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہو کہ شاعر سیرت کی اہم باتوں کو ہی ضبطِ تحریر میں لانا چاہتا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاعر طوالت کے خوف سے ان واقعات سے دامن بچا رہا ہو، آپ صلعم کی ولادتِ باسعادت کے بعد آپ صلعم کے بچپن اور جوانی کے عنوانات قائم کر کے شیر خواری، بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کا انتقال، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور تعمیر کعبہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے،

بعد ازاں نبوت کے زیرِ عنوان نبوت سے قبل آپ صلعم کی غارِ حرا میں عبادت اور اسی غار میں آپ صلعم پر وحی کا اترنا، گھر والوں میں پھر تبلیغ اسلام اور نبوت کے عام اعلان کے بیان کے ساتھ صفا کی پہاڑی پر وعظ، تبلیغی کوشش، قریش کی مخالفت و ایذا رسانی پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ ایسے ماحول میں اور ایسے لوگوں کے درمیان آپ صلعم نے خدا کا پیغام سنایا جو ہر اعتبار سے گرے ہوئے تھے اور کسی بھی قیمت پر آپ صلعم کی یہ بات سننے کیلئے تیار نہیں تھے کہ ان کے خدا جھوٹے ہیں، اسلئے کفارِ قریش نے آپ صلعم اور آپ صلعم کے صحابہ کو ستانا شروع کیا، اور ہر ممکن کوشش کی کہ آپ صلعم اس کام سے باز آجائیں ؎

| | |
|---|---|
| اگر چاہیے تم کو مال و منال | تو کر دیں گے ہم تم کو دھن سے نہال |
| جو ہو بھا گئی کوئی بنتِ امیر | تمھیں سونپ دیں گے وہ بدرِ منیر |
| نئے دین کا چرچہ مگر بند ہو | یہ شور و شرابا مگر بند ہو [1] |

اس کے بعد "حبشہ کی ہجرت" حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا، کفار کا آپ صلعم اور ان کے چاہنے والوں کا بائیکاٹ کرنا اور حضرت ابوطالب کی وفات،

---

[1] عبدالرزاق حافظ باقوی "قمر نامۂ اسلام" ص 48 حافظ ملی لیتھو پریس ورنگل 90

معراج اور طائف کے سفر کا مختصراً احاطہ کیا ہے، شاعر نے معراج کے واقعے کے بیان میں صرف پانچ اشعار کہے ہیں۔

حافظ عبدالرزاق باقوی صاحب بھی دوسرے سیرت نگاروں کی طرح "ہجرت" کے واقعے کی وضاحت میں سب سے زیادہ اشعار صرف کیے ہیں، اور پورے واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے، پھر جہاد پر روشنی ڈالی ہے، اس میں جنگِ بدر، جنگِ سویق، جنگِ احد پر مفصّل بحث کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں میں کس قدر جہاد کا شوق تھا اور کس طرح اسلام کی بقا اور اس کی اشاعت کیلئے صحابہؓ نے اپنی جانیں پیش کیں۔ نیز شاعر نے کفار کی مختلف سازشوں اور فتنوں کا ذکر کرکے جنگِ احزاب، بنو قریظہ کا خاتمہ، صلح حدیبیہ، بیعتِ رضوان جنگِ خیبر، جنگِ موتہ اور فتح مکہ کے واقعات کو اختصار کے ساتھ قلم بند کیا ہے پھر جنگِ حنین، جنگِ تبوک، آپ صلعم کا آخری حج اور اس موقع پر دئے گئے خطبے کو مختصر مگر جامع انداز میں پیش کیا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ ان سارے احکامات کا ذکر ہو جو آپ صلعم نے خطبے میں ارشاد فرمائے، چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

بہم مال، خوں، عزتیں ہیں حرام — جوں یہ دن، مہینہ یہ بلدہ تمام !
عرب کو عجم پر نہ کچھ فضل ہے — کسی کو نہ اس باب میں پہل ہے
نہ گورے کو کالے پہ ہے برتری ! — نہ کالے کو گورے پہ ہے برتری !!
کرو عورتوں سے تم اچھا سلوک ! — غلاموں کے حق میں نہ ہو کوئی چوک
نہ گمراہ ہو پاؤگے تم کبھی !! — وہ قرآن ہے مصحف خالقی ۔[1]

بعدازاں آپ صلعم کی رحلت کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ تمام جزوی واقعات نظم ہوئے ہیں جو آپ صلعم کے وصال سے پہلے رونما ہوئے تھے، مثلاً رحلت سے قبل آپ صلعم کا جنت البقیع کی زیارت کرنا، آپ صلعم کا بخار کی شدت سے بیقرار

ہونا، کمزوری کا آنا، حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کیلئے امام بنانا اور آپ صلعم کا خالق حقیقی سے جاملنا وغیرہ، اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر سن کر مدینے میں جو کہرام اور نبوت کے تیئس سالوں میں آپ صلعم نے ایک غیر مہذب وناشائستہ قوم کو مہذب وشائستہ بنایا اس کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ کتاب کے خاتمہ پر "خلقِ عظیم" کے عنوان کے تحت آپ صلعم کی خلق کی خصوصیات بتائی گئی ہیں

تھے کیسے محمدؐ یہ پوچھا گیا　　جواب اس کا یوں عائشہ نے دیا

ہیں قرآن میں جتنی اچھائیاں　　وہ تھیں سبکی سب آپ میں بے گماں

بہت ہی تھے پیارے رسول کریم　　تھے آراستہ شہ بہ خلق عظیم [۱]

اس میں آپؐ کے چہرۂ مبارک، دندانِ مبارک اور دہنِ مبارک کے علاوہ آپ صلعم کا پاکیزہ لباس آپ صلعم کی سادگی، امانت و دیانت داری، دشمنوں سے سلوک، بزرگوں کی عزت کرنا، بچوں سے آپ صلعم کا پیار اور جانوروں پر آپ صلعم کے رحم وکرم پر روشنی ڈالی ہے، اس کے ساتھ ہی آپ صلعم کے ارشادات عالیہ کا مختصر ذکر کرکے 'اسلام' کیساتھ کتاب کا اختتام کیا ہے۔

"قمر نامۂ اسلام" حافظ عبدالرزاق باقوی کی اعلیٰ ترین تالیف ہے۔ اسلوب اور انداز نگارش میں انفرادیت پائی جاتی ہے۔ شاعر نے جو بحر استعمال کی ہے وہ چھوٹی اور مترنم ہے۔ عام طور پر مثنوی کیلئے یہی بحر یعنی بحر متقارب، فعولن فعولن، فعولن فعل استعمال ہوتی رہی ہے۔ اس منظوم سیرت کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں بلا کی روانی پائی جاتی ہے، ابتدا سے لیکر کتاب کے اختتام تک آمد ہی آمد ہے، آورد کا کہیں پتہ نہیں۔ طویل منظوم تخلیقات کی پیش کش میں ایک دشواری یہ ہوتی ہے کہ ضرورت شعری کے تحت شاعر کو کچھ ثقیل الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں، لیکن شاعر نے قاری کی سہولت کے لئے ان کے مطالب فٹ نوٹ کے ذریعہ ظاہر کردیئے ہیں۔

---

۱؎ عبدالرزاق حافظ باقوی　قمر نامۂ اسلام ص ۱۱۹ حافظ پبلی کیشنز وشارم 1990

شاعر نے یہ کوشش کی ہے کہ واقعات میں ربط و تسلسل آخر تک برقرار رہے، لیکن اُنھوں نے اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کی ہے، مختلف واقعات کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دو واقعات کے درمیان میں خلیج پیدا ہوگئی ہے، مگر جو بھی واقعات شاعر نے پیش کیے ہیں، وہ مستند ہیں اور شاعر کا منشا و مقصد ہے کہ خصوصاً بچے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی سے واقف ہوں بلکہ لاشعوری طور پر سیرتِ طیبہ کی جملہ خوبیاں بچوں کی طبیعت میں رچ بس جائیں، اس سلسلے میں مولانا اشرف سعودی فرماتے ہیں۔

"انشاء اللہ قمر نامۂ اسلام قبولِ عام کی سند حاصل کرے گا اور معصوم بچے اسکی خنک اور پاکیزہ چاندنی سے اپنے دل و دماغ کو روشن اور منور کریں گے۔"[1]

---

[1] عبدالرزاق حافظ باموتی قمر نامۂ اسلام، پیش لفظ از مولانا اشرف سعودی ص 15 حافظ پبلی کیشنز میل وشارم 1990

# حفیظ جالندھری

حفیظ جالندھری کا ذکر آتے ہی نہ معلوم کیوں ہمارا ذہن "شاہنامۂ اسلام" کی طرف منتقل ہوتا ہے اور شاہنامہ ـــ کی بات ہوتی ہے تو حکیم ابوالقاسم فردوسی کی طرف ہمارا دھیان چلا جاتا ہے، اس لئے کہ ان دونوں شاعروں کو جس طویل نظم نے شہرت عطا کی اور آسمانِ شاعری کا درخشندہ ستارہ بنا دیا وہ "شاہنامہ" ہی ہے۔

حفیظ جالندھری کی ولادت 1900 میں جالندھر میں ہوئی، ان کی تعلیم اگرچہ بہت معمولی تھی، مگر قدرت نے انھیں ایسا ذہن عطا کیا تھا کہ بہت کم عمری میں انھوں نے ادبی دنیا میں اپنی حیثیت منوالی، ابتداء میں جالندھری نے عام فہم اور شیریں زبان میں جو گیت لکھے، وہ اردو ہندی مشترکہ زبان کے چند اچھے نمونے ہیں جس نے حفیظ جالندھری کے نام کو دور دور تک مشہور کر دیا، انکے کلام کے کئی مجموعے شائع ہوئے جن میں "سوز و ساز" اور "تلخابۂ شیریں" اور "نغمہ زار" زیادہ مشہور ہوئے لیکن اردو دنیا کے قارئین کے خواب و خیال میں بھی شاید یہ بات نہیں تھی کہ جس شاعر کے قلم سے "ابھی تو میں جوان ہوں" جیسا نغمہ نکلا تھا اسی کے خامے سے "شاہنامۂ اسلام" جیسی معرکۃ الآرا مثنوی ظہور پذیر ہوگی۔ یہ ایک ایسی تصنیف ہے کہ وہ محض شاعری سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ یہ اسلام کی منظوم تاریخ بھی ہے اور یہ اخلاقِ اسلامی کی تعلیم کیلئے ایک درسی کتاب کا کام بھی دے گی۔

حفیظ جالندھری کا "شاہنامۂ اسلام" چار حصّوں پر مشتمل ہے۔ "شاہنامۂ اسلام" ایک ایسی منظوم سیرت و تاریخ ہے جو نہ صرف اپنی ادبی خوبیوں کے اعتبار سے دیرپا معلوم ہوتی ہے، بلکہ مذہبی و اخلاقی پہلو سے مسلمانوں کی موجودہ

اور آئندہ نسلوں کیلئے "چراغِ ہدایت" ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاص کر مسلمانوں میں اس تصنیف نے خاص شہرت و مقبولیت حاصل کی ہے۔

یہ بات ہم سبھی جانتے ہیں کہ انسان خصوصاً مسلمان بڑھاپے میں زیادہ مذہبی ہو جاتا ہے، اسی لئے وہ دنیا کے کاروبار کو چھوڑ کر دینی و اصلاحی کاموں میں لگ جاتا ہے یا یوں کہیئے کہ اللہ اللہ کرنے لگتا ہے۔ اس کلیہ سے ہمارا شاعر بھی مستثنیٰ نہیں ہے، یہی وجہ ہے ایسے بڑے کارنامے اکثر بڑھاپے میں سرانجام پاتے ہیں، مگر حیرت ہوتی ہے کہ "ابھی تو میں جوان ہوں" اور اس قبیل کی نظمیں لکھنے والا شاعر عالمِ شباب میں ہی اہلِ اردو کو ایک ایسی نظم دے گیا جو انکے نام کو زندہ رکھنے کیلئے کافی ہے۔ شیخ سر عبدالقادر فرماتے ہیں۔ [1]

"حفیظ عمر میں جوان ہے مگر شاعری میں بوڑھوں کی صف میں جلوہ گر ہے"۔ مگر جن شعراء کو خداداد صلاحیت حاصل ہے، اُنکے مابین عمر حائل نہیں ہوتی۔ وہ ابتداء میں ایسے کرشمے دکھانے کے عادی ہوتے ہیں، اُنہی شعراء میں حفیظ جالندھری کا بھی شمار ہوتا ہے، اسلئے یہ کہنا نامناسب ہوگا کہ حفیظ جالندھری کیلئے 'شاہنامۂ اسلام' جیسی نظم کا رقم کرنا کوئی دشوار بات نہیں تھی۔

عنوان "شاہنامۂ اسلام" پر اعتراض:

حفیظ جالندھری نے جب اس نظم کو شائع کرنے کا اعلان کیا تو بہتوں نے اس کے عنوان پر اعتراض کیا (یہ ہماری قدیم روایت رہی ہے کہ جب بھی کسی نئے کام کا آغاز ہوتا ہے تو ابتداء میں اسکی مخالفت بہت ہوتی ہے اور اعتراضات کی ایسی بارش ہوتی ہے کہ کام کرنے والے کی ہمت پست ہو جاتی ہے) کہ اس سے قبل فردوسی نے اس نام سے ایک مشہور نظم لکھی ہے اور حفیظ جالندھری بھی فردوسی سے برابری کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں، خیال تھا

---

[1] حفیظ جالندھری شاہنامۂ اسلام جلدِ اول، قرآن محل، دہلی۔

کہ پہلے حصے میں ہمارے مذہبی بادشاہوں کا حال درج ہوگا پھر آگے چل کر دنیاوی بادشاہوں کے حالات بیان ہوں گے اور یہ کسی قدر بے جوڑ سی بات ہوگی۔

اعتراض کرنے والوں کے ذہن میں فردوسی کا شاہنامہ تھا جو اس وقت تک کی معروف مثنوی تھی اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ حفیظ جالندھری اس نام کے سہارے اپنے نام کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اعتراض کرنے والوں کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ صرف کوئی اچھا سا نام کہیں سے اٹھا لینے سے نام نہیں ہوتا بلکہ اس نام یا عنوان کے تحت جو مشمولات آتے ہیں اور ان کو کس انداز سے پیش کیا گیا ہے، اس سے جب قاری متاثر ہوتا ہے تو مصنف کا نام ہوتا ہے، ورنہ وہ بدنام ہو جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کسی عنوان سے استفادہ کرنا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ بقول سر عبدالقادر بحیثیت مجموعی شاید کسی اور نام سے اس جامعیت کیساتھ مصنف کے ارادے کا اظہار نہ ہو سکتا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم شاہ دین بھی تھے (ہیں) اور شاہ دنیا بھی اور یہی حال خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ پس انھیں شاہ کہنا اور ان کے حالات کا نام "شاہنامہ" رکھنا غیر موزوں نہیں ہے۔ [1]

سر عبدالقادر کی رائے سے اتفاق کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ شاہنامہ فردوسی کا فارسی کارنامہ ہے۔ اس سے قبل بھی ابتدائی دور میں فارسی ادب کی بے شمار تخلیقات کو اردو کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ اور یہاں تو صرف نام کو فارسی مثنوی سے اخذ کیا گیا ہے۔ جو غلط بات نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے نہ تو فردوسی کی شان میں کوئی کمی آتی ہے۔ اور نہ ہی حفیظ جالندھری کی عظمت میں اس نام کی وجہ سے کوئی اضافہ ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر آج کوئی "شاہنامہ" کا نام لیتا ہے تو صرف دو شعراء کے نام زبان پر آجاتے ہیں۔

---

[1] حفیظ جالندھری شاہنامۂ اسلام جلد اول تقریظ از شیخ سر عبدالقادر ص ۹

ایک فردوسی کا، دوسرا حفیظ جالندھری کا ۔ اور اگر کلام فارسی ہے تو اس کا اطلاق فردوسی پر ہوتا ہے اور کلام اردو ہے تو حفیظ جالندھری پر۔ اسی بناء پر یہ مجموعۂ نظم "شاہنامۂ اسلام کہلانے کا مستحق ہے، رہا فردوسی سے ہمسری کا دعویٰ، مصنف نے اپنے عجز و انکساری کا اعتراف اپنے تمہیدی اشعار میں کر دیا ہے۔

تقابل کا کروں دعویٰ، یہ طاقت ہے کہاں میری
تخیل میرا ناقص نامکمل ہے، زباں میری !!
زبانِ پہلوی کی ہم زبانی ہو نہیں سکتی !!
ابھی اردو میں پیدا وہ روانی ہو نہیں سکتی [1]

اس اعتراض کے متعلق سر عبدالقادر نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے "اگر ادب کا مرتکب ہوتے بغیر مصنف نے یہ ہمت کی کہ رزم و بزم کے اس وسیع میدان میں تگ و دو کرے جس میں فردوسی جیسا بڑا شہسوار اپنی شہسواری کے جوہر دکھا چکا ہے تو کم از کم یہ بلندیٔ ہمت کی دلیل ہے، باقی حسنِ قبول خدا کے ہاتھ میں ہے"[2]

اس ضمن میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فردوسی نے یہ سوچ کر شاہنامہ لکھا تھا کہ انھیں اپنی محنت کا کچھ صلہ انعام و اکرام کی صورت میں سلطان وقت محمود غزنوی سے ملے گا مگر حفیظ نے بغیر کسی صلے کی تمنا کے اتنا بڑا کام انجام دیا۔ جس کا اظہار انھوں نے اس شعر میں کیا ہے ؎

کہاں ہے اب وہ دورِ غزنوی کی فارغ البالی
غلامی نے دبا رکھی ہے میری ہمتِ عالی !!

---

1۔ حفیظ جالندھری، شاہنامۂ اسلام جلد اول ص 19 قرآن محل بلبلی خانہ دہلی

بظاہر میں جو تصویرِ سخن میں رنگ بھرتا ہوں
کسی آواز کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں [1]

اس اعتبار سے حفیظ جالندھری کا کارنامہ، فردوسی کے کارنامے سے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

سببِ تصنیف: ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں ایسا کام کر جائے کہ اس کا نام اور کام دونوں رہتی دنیا تک یاد رکھیں جائیں۔ حفیظ جالندھری نے بھی کچھ ایسی ہی تمنا کی تھی، اگرچہ شاعری کی بدولت اردو دنیا میں ان کا نام نامی معروف ہو چکا تھا، مگر وہ دنیوی کامیابی کیساتھ ساتھ عقبیٰ کی کامرانی بھی چاہتے تھے، انھوں نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کا لہو سرد ہو گیا ہے، وہ اپنے جاہ و جلال کو کھو چکے ہیں اور ان کی یہ آرزو تھی کہ وہ اس نظم کے ذریعہ مسلمانوں کے لہو کو گرما دیں، فرماتے ہیں۔

تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں
اگر کچھ ہو سکے تو خدمتِ اسلام کر جاؤں
مسلمانوں پہ ہے پردہ دلی چھائی ہوئی ہر سو
سکوتِ مرگ نے چادر ہے پھیلائی ہوئی ہر سو
نظر آتے ہیں اب وہ صف شکن بازو شمشیریں
مقدر کی طرح سوتی پڑی ہیں آج تدبیریں
ارادہ ہے کہ پھر ان کا لہو اک بار گرما دوں
دلِ سنگیں سخن کی آتشیں تیروں سے برما دوں

شاعر کی یہ نیک تمنا اللہ نے پوری کر دی اور خدمتِ اسلام کرنے کا جو بیڑہ حفیظ جالندھری نے اٹھایا تھا اسمیں انھیں کامیابی و کامرانی حاصل ہوئی جس کے نتیجہ میں ایک عالی شان تصنیف ظہور پذیر ہوئی۔

## شاہنامہ اسلام

حفیظ جالندھری نے "شاہنامہ اسلام" کو چار ضخیم جلدوں میں تقسیم

---

[1] حفیظ جالندھری، شاہنامہ اسلام جلد اوّل ص ۲۰-۱۹ قرآن محل بُلبل خانہ دہلی

کیا ہے ۔ اور جلد خوب سے خوب تر ہے

جلد اوّل: شاہنامہ اسلام کی جلد اوّل 1929ء میں شائع ہوئی ، یہ جلد کل سات ابواب پر مشتمل ہے اور اسمیں 1993 اشعار موجود ہیں اور یہ اشعار ایک سو بیانوے صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں ، خدا کی حمد و ثنا اور بارگاہِ رسالت مآب میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے بعد سبب تالیف اور مناجات کو پیش کیا ہے

شاہنامۂ اسلام باب اوّل کا آغاز صفحہ ۲۸ سے ہوتا ہے ۔ بسم اللہ کے بعد قرآن کریم کی مشہور آیت

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے ساتھ پہلے باب کی ابتداء کی ہے قدیم سیرت کی کتابوں کی ابتداء اکثر بعثت نبیؐ کے قبل کے واقعات سے ہوتی ہے ، جس میں خصوصاً حضرت ابراہیمؑ کے ذکر سے سیرت نگار اپنی کتاب کا آغاز کرتے ہیں ، مگر حفیظ جالندھری نے ابو البشر حضرت آدمؑ کے ذکر سے شاہنامۂ اسلام کا آغاز کیا ہے ، کتاب کے عنوان کی مناسبت سے یقیناً یہ کتاب شاہنامۂ اسلام ہے ، اسلئے کہ دین اسلام کی پہلی اینٹ حضرت آدمؑ نے رکھی تھی اور اللہ نے تخلیق آدمؑ کے بعد ان کی پیشانی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور رکھا تھا ۔

خدا نے حضرت آدمؑ کو دنیا کی خلافت دی
جہاں میں اپنا نائب کرکے بھیجا یہ سعادت دی

یہی وہ نور ہے جس سے زمانہ جگمگائے گا
یہی آدمؑ کا رتبہ عرش اعظم تک اٹھائے گا [۱]

اس کے بعد حضرت آدمؑ اور شیطان کی درمیانی کشمکش کو اجاگر کیا ہے ، پھر نور محمدیؐ کے سینہ بہ سینہ منتقل ہونے کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے ، اس طرح بتدریج واقعات حضرت ابراہیمؑ تک پہونچتے ہیں ۔

---

۱ حفیظ جالندھری ، شاہنامۂ اسلام ص 28,30 قرآن محل ، بلبلی خانہ دھلی

پھر کچھ تفصیل سے حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کے مابین جو حق و باطل کی جنگ ہوئی۔ جس نے ایک عظیم واقعہ کو جنم دیا تھا نظم کیا ہے۔

خلیل اللہ کو اس آگ کے انبار میں پھینکا ۔۔۔ گل لو تند گویا تختۂ گلزار میں پھینکا !!

ہر دور کے کام آیا آج بھی وہ نور پیشانی !! ۔۔۔ ہوئی آگ ایک پل میں کوثر و تسنیم کا پانی

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت، حضرت ہاجرہؑ کے ساتھ نکاح، حضرت اسماعیلؑ کی ولادت اور ان کا اپنی ماں کے ساتھ ہجرت کرنا، حضرت ابراہیمؑ کی دعا، وادی میں ماں بیٹے کی تنہائی، حضرت ابراہیمؑ کا دوبارہ حضرت ہاجرہؑ سے ملنا، حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی، تعمیر کعبہ اور اولین حج اکبر کے واقعات مختصراً بیان کئے گئے ہیں۔

حفیظ کی شاعری اور ان کے اقتدارِ طبع کی یہ خوبی ہے کہ وہ بڑے سے بڑے واقعے کو کم شعروں میں یوں سمو دیتے ہیں جیسے کوئی ساگر کو گاگر میں بند کر دے، پھر طرفہ یہ کہ کلام کی رنگینی و چستی جو شاعری کا اہم جزو ہے اسمیں کوئی فرق نہ آئے۔ مثلاً آپکے ان تین شعروں میں تین افراد پر مشتمل قافلے کے سفر کی روداد ملتی ہے

خدا کا قافلہ جو مشتمل تھا تین جانوں پر
معزز جس کو ہونا تھا زمینوں آسمانوں پر
چلا جاتا تھا اس تپتے ہوئے صحرا کے سینے پر
جہاں دیتا ہے انسان موت کو ترجیح جینے پر
وہ صحرا جس کا سینہ آتشیں کرنوں کی بستی ہے
وہ مٹی جو سدا پانی کی صورت کو ترستی ہے

اس باب میں کل ایک سو پچانوے ابیات ہیں۔

دوسرا باب: اس باب میں شاعر نے حضرت ابراہیمؑ کی وفات، حضرت

اسمٰعیلؑ اور حضرتِ اسحٰقؑ کی اولادوں کا ذکر کر کے حضورِ انور اقدس صلعم کی بعثت سے پہلے کا منظر پیش کیا ہے۔ اور زمانہ جاہلیت کے عرب کی خصوصیات گنوائی ہیں۔

کوئی معیار ہی باقی نہ تھا شرم و شرافت کا!

کہ رتبہ بھیڑ بکری سے بھی کم تھا ایک عورت کا

زنا اور فحش کاری سے بڑی انکو ارادت تھی

شرابیں پی کے ننگے ناچنے کی عام عادت تھی[1]

اس کے ساتھ ہی جاہلیت کے میلوں اور ان میں ہونے والے مشاغل کی بھی تفصیل پیش کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عرب کی جہالت کا پورا نقشہ قاری کے ذہن نشین ہو جائے اور اس پس منظر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ ہو جائے، حفیظ جالندھری نے عرب کیساتھ دنیا کی عام حالت کا بھی ذکر کیا ہے جسمیں ہندوستان، چین، ایران اور یورپ کے اس وقت کے حالات پیش کئے ہیں "ساقی نامہ" کے عنوان سے اس باب کا اختتام ہوتا ہے۔ اس باب میں دوسو اٹھاسی اشعار ہیں۔

باب سوم: اس باب میں نبی کریمؐ کی ولادت سے قبل کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، جن میں آپ صلعم کے والد بزرگوار حضرت عبداللہ کی شخصیت اور ان کی پاکبازی، یہودیوں کا ان پر حملہ وغیرہ واقعات کو نظم کیا ہے پھر آپؐ کی والدہ ماجدہ کا ذکر خیر ہوا ہے۔ حضرت آمنہؓ کی پاکیزہ زندگی کو بیان کرنے کے بعد اصحاب فیل کے واقعے کو نظمایا گیا ہے اور اس سے تعلق رکھنے والے تمام ضمنی واقعات کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت عبدالمطلب اور ابرہہ کی گفتگو، کعبہ پر ہاتھیوں کی چڑھائی، ہاتھی کا کعبہ کی تعظیم میں سجدے میں

---

[1] حفیظ جالندھری، شاہنامہ اسلام، جلد اول ص 54 قرآن محل بلبلی خانہ دہلی

گرنا وغیرہ سے

حرم کی حد میں آیا ابرہہ تو رُک گیا ہاتھی  ۔  پئے تعظیم کعبہ عاجزی سے جھک گیا ہاتھی
گرا سجدے میں سر ایسا کہ پھر اوپر نہیں اٹھا  ۔  ہزار آنکس تن پر مگر یہ سر نہیں اٹھائے

اس باب میں شاعر نے دو سو سینتیس ۲۳۷ اشعار لکھے ہیں۔

باب چہارم : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ، والدین اور اصحاب فیل کے واقعات کے بعد ان واقعات کا ذکر ہوا ہے جن کا تعلق براہِ راست سیدِ مقدسہ سے ہے۔ اس باب کا عنوان شاعر نے "ختم المرسلین رحمۃ للعالمین (ولادتِ باسعادت) قائم کیا ہے اور آپ صلعم کی دنیا میں تشریف آوری کی تصویر کشی سے اس باب کی ابتداء کی ہے۔ کلام کی رنگینی اور اندازِ بیان اتنا خوبصورت ہے کہ عاشقانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے

تصدیق کے لئے ابتداء کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

یہ کس کی جستجو میں مہرِ عالم تاب پھرتا تھا
ازل کے روز سے بیتاب تھا بے خواب پھرتا تھا
یہ کس کی جستجو میں چاندنی سمتی سہی برسوں
زمیں پر چاندنی برباد و آوارہ رہی برسوں
یہ کس کے شوق میں پتھرا گئیں آنکھیں ستاروں کی
زمیں کو تکتے تکتے آگئیں آنکھیں ستاروں کی
یہ سب کچھ ہو رہا تھا ایک ہی امید کی خاطر
یہ ساری کاہشیں تھیں ایک صبح عید کی خاطر

---

حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام جلد اول ص ۸۶ قران محل بلبلی خانہ دہلی

مشیت تھی کہ یہ سب کچھ تہہ افلاک ہونا تھا

کہ سب کچھ ایک دن نذرِ شہِ لولاک ہونا تھا ؂۱

ولادت باسعادت کے وقت کی منظر کشی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ صلعم کی ولادت کا ذکر ایک شعر میں ملاحظہ کیجئے۔

بصد انداز یکتائی بغایت شانِ زیبائی!

امیں بن کر امانت آمنہؓ کی گود میں آئی ؂۲

حفیظ جالندھری نے آپ صلعم کی پیدائش کے ذکر کے فوراً بعد آپ صلعم پر درود و سلام بھیجا ہے۔ آپ صلعم کی ولادت کے ذکر کے ساتھ آپ صلعم کی خدمت میں سلام کا پیش ہونا اس قدر متاثر کرتا ہے کہ قاری کی زبان سے سبحان اللہ کی صدا بلند ہوتی ہے۔ ولادت کے بیان کے آخری شعر اور سلام کے پہلے شعر میں جو ربط پیدا ہوا ھے۔ اس سے سلام کی تاثیر میں اضافہ ہوا ھے

فرشتوں کی سلامی دینے والی فوج گاتی تھی

جنابِ آمنہؓ سنتی تھیں یہ آواز آتی تھی!

سلام اے آمنہؓ کے لال اے محبوبِ سبحانی

سلام اے فخرِ موجودات، فخرِ نوعِ انسانی!

نعتیہ شاعری میں بے شمار سلام لکھے گئے ہیں، جن سلاموں کو سن کر روح جھوم اٹھتی ھے۔ ان میں حفیظ جالندھری کے سلام ھذا کا شمار ہوتا ھے۔

اس کے بعد یتیمی، دائی حلیمہ کی گود میں آپ صلعم کا پلنا، دادا حضرت عبدالمطلب کے زیرِ سایہ پرورش پانا، ابو طالب کی تربیت میں رہنا، تجارتی سفر کرنا جوان ہو کر سچائی اور امانت میں شہرت پانا، حضرت بی بی خدیجہؓ سے نکاح کرنا وغیرہ واقعات کو مختصراً نظم کیا ہے۔ اس باب میں کل دو سو اٹھائیس

۱، ۲ ؂ حفیظ جالندھری شاہنامہ اسلام جلد اول ص ۸۸، ۸۹، ۹۲ قرآن محل بلبلی خانہ دہلی

اشعار ہیں

باب پنجم : یہ باب بہت ہی طویل ہے، اس لئے کہ اس باب میں مقصدِ بعثت پر روشنی ڈالی گئی ہے جو سیرت کی اصل روح ہے، حفیظ فرماتے ہیں ے

رسولِ پاک کی سیرت سے واقف اک زمانہ ہے
مجھے بعثت کے بعد اب نقطۂ اصلی پہ آنا ہے

اس میں پہلے آپ صلعم کی بعثت کے مقاصد بیان کئے گئے ہیں، پھر آپ صلعم کے نبوت کے اعلان کا ذکر کیا گیا ہے۔

اٹھا غارِ حرا سے ابرِ رحمت شانِ حق لے کر
لبِ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقْ لے کر
سنایا آ کے اہلِ بیت کو مژدہ رسالت کا
انھیں ایمان پہلے ہی سے تھا حق و صداقت کا[1]

نبوت کے اعلان کے بعد حضرتِ خدیجہؓ، حضرتِ ابوبکر صدیقؓ، حضرتِ علیؓ ابن ابی طالب اور حضرت زید بن حارثؓ کے قبول اسلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پھر حضرتِ عثمان بن خطابؓ، حضرت زبیرؓ بن عوامؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح، حضرتِ جعفرؓ، اور حضرت اسماءؓ بن عمیسؓ کا مشرف بہ اسلام ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پیغمبری کے مختلف تاریخی واقعات کو اختصار کے ساتھ مگر شاعرانہ خوش بیانی کو نبھاتے ہوئے لکھے گئے ہیں جن میں اسلام کی اشاعت اور اس میں پیش آنے والے مصائب کفار کی ایذا رسانی آپ صلعم کی توہین کرنا، شعب ابی طالب میں آپ صلعم اور آپؐ کے گھرانے کے افراد کی محصوری، معاہدہ کا باطل ہونا، پھر حضرت حمزہؓ

---

[1] حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" جلد اول ص ۱۱۱ قرآن محل بلبلی خانہ دہلی

حضرت عمرؓ اور نجاشی بادشاہ کا آپ صلعم پر ایمان لانا وغیرہ واقعات کی تفصیل آئی ہے۔

اس باب کا اختتام شاعر نے آپ صلعم کے سفر طائف سے کیا ہے اور اس میں سارے واقعہ کو پیش کیا ہے، اس باب میں چار سو بائیس 422 اشعار آئے ہیں۔

باب ششم: یہ جلد اوّل کا سب سے مختصر باب ہے، اسمیں ایک سو چوراسی ابیات ہیں، جن میں شاعر نے ہجرت نبویؐ کے مختلف واقعات کو نہایت موثر پیرائے میں بیان کیا ہے، اسکی ابتداء مشرکین کے ارادے اور مشاورتِ قتل کے واقعات سے کی ہے۔

یہ اچھا وقت ہے اب قتل کر ڈالو محمدؐ کو — مٹا دو آج تنہائی میں اس نورِ مجرّد کو
غرض طے پا گئی آخر یہی تجویز شیطانی — قسم کھا کھا کے لوگوں نے نبیؐ کے قتل کی ٹھانی [1]

اس کے بعد ہجرت کی رات کا منظر پیش کیا ہے

نظر آتی تھیں چاروں سمت تلواریں ہی تلواریں — اندھیرے میں چمک اٹھتی تھیں بجلی کی طرح دھاریں
وہ درّاتا ہوا وحدت کا دم بھرتا ہوا نکلا — تلاوت سورۂ یٰسین کی کرتا ہوا نکلا

کھنچی ہی رہ گئیں خوں ریز خوں آشام شمشیریں
کسی نے کھینچ دی ہوں جس طرح کاغذ کی تصویریں [2]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ غارِ ثور میں مقیم ہونا، آپ صلعم کی تلاش میں سراقہ ابن مالک ابن جعشم کا تعاقب کرنا اور اس کے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا وغیرہ کا ذکر کیا ہے

---

[1] حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" جلد اوّل ص 152، 153 قرآن محل بلبلی خانہ دہلی
[2] حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" جلد اوّل ص 155، 156 قرآن محل، بلبلی خانہ دہلی

اس کے علاوہ سفرِ مدینہ میں پیش آنے والے تاریخی واقعات مثلاً آپ صلعم کا قبا کے علاقے میں مہمان ہونا، مدینہ منورہ میں آپ صلعم کی آمد، مسلمانوں کا شوقِ میزبانی اور دارالامانِ مدینہ یعنی حضرت ابوایوبؓ کے گھر آپ صلعم کا اترنا وغیرہ کو نظمایا ہے ۔ اس کا آخری شعر دیکھئے ۔

ضیائے حق سے رشکِ طورِ سینا بن گیا یثرب
نبیؐ کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب[1]

باب ہفتم:

"شاہنامۂ اسلام" جلدِ اوّل کا یہ آخری باب ہے جس میں تین سو گیارہ اشعار ہیں، اس باب کا عنوان شاعر نے "مدینہ پر جنگ کے بادل ۔ قریشِ مکّہ کا جوشِ غضب" رکھا ہے ۔ عنوان سے ظاہر ہے کہ اس میں شاعر نے مدنی زندگی اور خاص کرہ واقعات جو غزوات و سریہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں نظم کئے ہیں ۔ اس کی ابتداء حفیظ جالندھری نے کفار کے قہر و غضب سے کی ہے جو انھوں نے آپ صلعم اور صحابۂ کرام سے روا رکھا تھا، لیکن مسلمان اس ظلم و ستم کو برداشت کرتے رہے اور جب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو اپنی مدافعت کرنی چاہی ۔

صحابہ حضرتِ اقدس سے التجا کرتے
مگر لڑنے سے اُن کو منع شاہِ دوسرا کرتے

مگر سرکارِ دو عالم نے لڑنے سے پہلے منع فرمایا، اس باب میں حکمِ الٰہی نازل ہوا ۔

بالآخر وقت آیا رحمتِ حق جوش میں آئی کہ اُدن جنگ بن کر غیرتِ حق جوش میں آئی

---

[1] حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" جلدِ اوّل ص 167 قرآن محل بلبلی خانہ، دہلی

معاً جبریلؑ لیکر آیۂ قرآں ہوئے نازل　　جہاد فی سبیل اللہ کے فرماں ہوئے نازل[1]

اس کے بعد شاعر نے جنگ بدر کے پہلے کے واقعات مختصراً بیان کئے ہیں جس نے غزوۂ بدر کے لئے جواز پیدا کیا اور قریش مکہ نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کی ٹھان لی ہے

اٹھا اک غلغلہ ہر شخص تیاری لگا کرنے　　ہر اک نا ئیدِ خوں ریزی و خونخواری لگا کرنے
درستی ہوگئی جھٹ نیزہ و شمشیر و خنجر کی　　چڑھی آندھی مدینے کی طرف باطل کے لشکر کی[2]

قریش کے ناپاک ارادے سے جب آگاہی حاصل ہوئی تو آپ صلعم نے صحابۂ کرامؓ اور مہاجرین سے مشورہ فرمایا۔ حفیظ جالندھری نے اسکی مختصر تفصیل پیش کرکے انصار کے جوشِ ایمانی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ہر قاری کے دل میں جہاد کا سچا ذوق پیدا کرتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے:-

قسم اللہ کی ! جس نے نبیؐ مبعوث فرمایا　　سبھی کچھ پالیا جس وقت ہم نے آپکو پایا
گدائی آپؐ کے در کی ہماری بادشاہی ہے　　ہمیں تو آپؐ کا ارشاد ہی وحیِ الٰہی ہے
ہمارا جینا مرنا آپؐ کے احکام پر ہوگا　　کسی میدان میں ہو خاتمہ اسلام پر ہوگا
نبیؐ کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر کو　　جہاں کو محو کر دیں نعرۂ اللہ اکبر میں
قریشِ مکہ تو کیا چیز ہیں دیووں سے لڑ جائیں !　[3]
سنانِ نیزہ بن کر سینۂ باطل میں گڑ جائیں

اس طرح غزوۂ بدر کے پہلے تمہید باندھی ہے۔ پھر آخر میں مجاہدینِ اسلام جہاد کے رستے پر" ذیلی عنوان قائم کر کے مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت نے غزوۂ بدر کی جو تیاریاں شروع کیں، اس پر روشنی ڈالی ہے۔

---

[1] حفیظ جالندھری " شاہنامۂ اسلام" جلد اوّل ص 173 قرآن محل بلبلی خانہ دہلی
[2] حفیظ جالندھری " شاہنامۂ اسلام" جلد اوّل ص 179 " "

بنا کر اپنے سینوں کی سپر آیاتِ قرآں کو    بظاہر چند تنکے روک لیتے آئے تھے طوفاں کو[1]

حفیظ جالندھری نے اس پہلی جلد میں حضرت آدمؑ کی تخلیق سے لیکر آپ صلعم کی مکی زندگی اور غزوۂ بدر کے آغاز تک کی مدنی زندگی کی مرقع کشی کی ہے۔

اردو مثنویوں میں اگرچہ بہت کامیاب منظر نگاری کی گئی ہے، مگر حفیظ جالندھری کی منظر کشی کا کیا کہنا کہ قاری اس کو پڑھتے ہوئے اس ماحول میں پہنچ جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنی آنکھوں سے وہ یہ منظر دیکھ رہا ہو یا یوں کہیے کہ وہ بھی اس منظر کا ایک حصہ ہے، اور یہ کیفیت شاہنامہ اسلام کے تینوں جلدوں کے واقعات میں ملے گی۔ چاہے آپ صلعم کے بچپن و جوانی کے واقعات ہوں۔ کفار سے گفتگو ہو یا مدینے کی ہجرت ہو یا جہاد پر جانا ہو۔ یا جاں نثاروں سے خطاب ہو، ہر واقعہ کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف گوشے ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

اس جلد کے آخری صفحہ پر "قطعۂ تاریخ" درج کیا گیا ہے۔ یہ تاریخ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے نکالی ہے۔

نسخۂ شاہنامۂ اسلام    ہست ہم نغمہ زار و ہم تاریخ
زانکہ از خامۂ ابو الاثر است    اثرِ خامہ گفتہ ام تاریخ

۱۳۴۷ھ

شاہنامۂ اسلام جلد دوم : شاہنامۂ اسلام کی جلد اوّل کو جو مقبولیت و کامیابی حاصل ہوئی، اس کا اندازہ خود شاعر کو بھی تھا۔ حفیظ جالندھری کی زندگی ہی میں اسکی چوتھی اشاعت ہوئی تھی۔ بقول شیخ سر عبدالقادر کتاب اگر مقبول ہو اور بکثرت اشاعت پائے تو یہ اسکی پہلی اور سب سے بڑی فتح ہے۔[1]

کثیر اشاعت اسی وقت ہوتی ہے جب قارئین کی تعداد میں اضافہ ہو اسلئے یہ منظوم سیرت اس قدر مشہور ہوئی کہ کوئی خطیب ایسا نہیں ملے گا کہ جس نے اپنی تقریر میں شاہنامۂ اسلام کے اشعار سے اپنے خطبہ کو مؤثر نہ بنایا ہو اور نہ ہی کوئی محرر ہوگا جس نے شاہنامۂ اسلام کے اشعار کے حوالے دے کر اپنی تحریر کی زینت نہ بڑھائی ہو۔ اسکی مقبولیت و خوبی کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ حفیظ جالندھری نے "ہیروز آف اسلام" کے کارناموں کو نظم کا پیکر عطا کرنے کی جو طرز ڈالی تھی، اس کی تقلید میں شعراء نے اسی طرز پر اسلامی موضوعات کو نظم کرنا شروع کر دیا۔ گویا پہلی جلد کو عام قدردانی حاصل ہوئی اور ایک قدردان نے اس دور میں ہی شاہنامۂ اسلام کی فی جلد ایک ہزار روپے میں خرید کر شاعر کی مالی پریشانی بھی دور کی اور دوسری جلد لکھنے کا اس میں حوصلہ بھی پیدا کیا۔ اگرچہ فی نسخہ کی قیمت صرف تین روپے تھی۔

حفیظ جالندھری نے دوسری جلد کو چار سال بعد یعنی 1933 میں شائع کیا۔ پہلی جلد کی طرح اس میں بھی ایک ہزار نو سو تینتالیس 1943 اشعار موجود ہیں۔ جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ شاعر نے واقعات کے بیان میں اختصار سے کام نہیں لیا، اسلئے کہ یہ جلد جنگ بدر کے سرفروشانہ کارنامے مدینے میں یہودیوں اور منافقوں کی شرارتیں، مکہ میں جوشِ انتقام

---

1 حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" جلد دوم ص 13 صدر دفتر شاہنامہ ماڈل ٹاؤن، لاہور

غزوۂ سویق اور غزوۂ احد تک ہی احاطہ کرتے ہیں۔

اس جلد کو شاعر نے تین ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں کئی ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں تاکہ واقعات کے فہم میں آسانی پیدا ہو۔ کتاب کا آغاز "سخن ہائے گفتنی در برایہ سرگزشت مصنف" کے عنوان سے ہوا ہے" پھر ٹوٹی ہوئی کشتی کا ملاح "عنوان قائم کرکے سوئی ہوئی قوم کو جگانے کی سعی کی ہے۔

خدا کے نام سے خوابیدہ بچوں کو جگانے کو چلا میں اب کتنا افسانۂ ماضی سنانے کو[2]

باب اوّل:

شاہنامہ کا آغاز باب اوّل سے ہوتا ہے۔ نو سو پینتیس 935 اشعار میں شاعر نے معرکۂ بدر کے تمام واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے اور اس جنگ سے رونما ہونے والے چھوٹے چھوٹے واقعات کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ اس ایک غزوہ کیلئے اتنے اشعار شاید اس لئے صرف کئے گئے ہیں کہ یہ جنگ تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کیوں کہ یہی جنگ تھی جس نے فیصلہ کر دیا تھا کہ ایمان کے مقابلے میں اکثریت اور سامان جنگ کوئی چیز نہیں۔ یعنی فتح کا دارو مدار تعداد سے پر نہیں بلکہ حوصلہ و ہمت اور خدائی تائید پر ہوتا ہے۔ حفیظ جالندھری کے ذہن میں شاید یہ بات بھی رہی ہو کہ اس وقت کے اکثر سیرت نگاران رسول آپ صلعم کے غزوات کو کافی اہمیت دیتے ہیں وہ اس کو پیش کرکے نوجوانانِ ملت کے دلوں میں اسلام کی خاطر مرمٹنے کا جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح کا جذبۂ قربانی وہ اپنی نظم کے ذریعہ سے نوجوانوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

حفیظ جالندھری نے سارے واقعہ کو ترتیب سے لکھا ہے وہ تمہید میں کہتے ہیں۔

جو دیکھا ان کی آنکھوں نے وہ کب افلاک نے دیکھا

حق و باطل کا پہلا معرکہ اس خاک نے دیکھا!

---

1۔ حفیظ جالندھری "شاہنامہ اسلام" جلد دوم ص 16 قرآن محل بلبلی خانہ، دہلی

مرے پیشِ نظر کوئی کہانی ہے نہ قصہ ہے
یہ قرآنی بیانِ تاریخ کا زرّیں حصّہ ہے [1]

اس کے بعد لشکرِ اسلام کا بدر کے مقام پر جمع ہونا، اُس میدان کی خصوصیت اور یہاں کی گرمی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بارش کیلئے دعا فرمانا اور بارش کا نزول ہونا وغیرہ واقعات کو شعر کے حسین پیکر میں ڈھالا ہے۔ پھر کفار اور ابوجہل کے بیان کے ساتھ آپ صلعم کی شب بیداری، میدانِ جنگ میں مجاہدین کی صف بندی، پھر جنگ کی ساری روداد موثر انداز میں بیان کی ہے۔ اس میں خصوصیت سے حضرت حمزہؓ اور عتبہ، حضرت علیؓ اور ولید، حضرت عبیدہؓ اور شیبہ کا مقابلہ، حضرت عبیدہؓ کی شہادت، فوجِ دشمن کا خوف زدہ ہونا ابوجہل کی تقریر، قریش کا عام دھاوا بولنا، مسلمانوں کی تیر اندازی، میدانِ کارزار میں ابوجہل کی سرگرمیاں، قتلِ ابوجہل، پیغمبرِ خدا کا خدا کے حضور میں نصرتِ حق کی طلب میں ہاتھ اُٹھانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرصۂ کارزار میں آنا وغیرہ واقعات کو نظم کیا ہے پھر "جنگِ بدر کا انجام" کے تحت قریشی فوج کی شکست کا منظر پیش کیا ہے۔

مجاہد جا پڑے کفار پر گھبرا گئے دشمن
ہوا کا رُخ بدلتے ہی ہزیمت کھا گئے دشمن
بھری تھی خاک آنکھوں میں سجھائی کچھ نہ دیتا تھا
سوا اللہ اکبر کے سنائی کچھ نہ دیتا تھا!

اس کے ساتھ ہی بدر کے میدان میں کفار کے مقتولوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور غازیوں کی مصروفیت اور آپ صلعم کا مشرکین کی لاشوں سے خطاب کرنا وغیرہ کو نظمایا گیا ہے۔ آخر میں غازیانِ اسلام کی حالتِ قلب اور غازیانِ اسلام کی بدر سے واپسی کے بیان کے ساتھ اس باب کو ختم کیا ہے۔

---

[1] حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" جلد دوم ص 65 قرآن محل بلبلی خانہ دہلی

باب دوم

یہ باب ان واقعات کا احاطہ کرتا ہے جو جنگِ بدر اور جنگِ اُحد کے درمیانی وقفہ میں رونما ہوئے۔ یعنی اس دور کے مکہ اور مدینہ کے حالات، منافقین اور یہود کی شرارتیں وغیرہ اس باب میں تفصیل سے پیش کی گئی ہیں۔ اس کی ابتداء مدینے میں مسلمانوں کی حالت بیان کرنے سے ہوئی ہے۔ پھر حضرت رقیہؓ کی رحلت کا ذکر کرکے مدینہ میں بدر کی فتح کی خوش خبری، مکہ میں شکست کی خبر اور شکست خوردہ مشرکین کی عام واپسی پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی باب میں مکہ میں انتقامی جنگ کی تیاریاں و تدبیریں، قیدیانِ جنگ سے متعلق آپ صلعم کا حضرت صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے مشورہ کرنا اور ان کی رہائی کیلئے فدیہ وغیرہ مقرر کرنا، قیدیوں سے مسلمانوں کا سلوک، حضرت عباسؓ کا فدیہ ادا کرنا، اور اس سے متعلق آں حضور صلعم کا معجزہ، حضرت عباسؓ کا ایمان لانا، حضرت ابو العاصؓ کا فدیہ اور آپ صلعم کی رقت کو نظم کیا گیا ہے۔ نیز مدنی زندگی میں جو مشکلات منافقین اور یہودیوں کے درمیان پیش آئیں، اسکی تفصیل بیان کی ہے۔

باب دوم کے آخر میں شہزادیٔ اسلام، حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح، آپ کی رخصتی، آپ کا جہیز وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے شہزادیٔ اسلام کی تقریبِ نکاح میں سطوت واحتشام کا شائبہ بھی نہیں تھا اور یہ تقریب سادگی کی عمدہ مثال تھی۔

زرہ بیچی علیؓ نے چار سو اسی درہم میں
بقولِ شبلیؒ مرحوم اس سے بھی بہت کم میں
تھی شادی فاطمہؓ کی سادگی کا طرفہ نظارہ
ولیمہ بھی اسی میں اور اسی میں مہر بھی سارا[1]

---

[1] حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" جلد دوم ص 107 قرآن محل بلبلی خانہ، دہلی

اس کے ساتھ خصوصیت سے شاعر نے اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ آپ صلعم نے اپنی چہیتی بیٹی کو جہیز میں کیا کیا چیزیں عطا کیں تاکہ اہل اسلام اپنی لڑکیوں کی شادیوں میں اس سادگی کو روا رکھیں ۔

پدر کے گھر سے رخصت ہو کے زہرا رض اپنے گھر آئی
توکل کے خزانے دولتِ صبر و رضا لائی ۱؎

" عذرِ مصنف " کے تحت حفیظ جالندھری نے سیرتِ نبوی صلعم کے ابتک کے واقعات کے بیان میں جو طریقۂ کار اپنایا ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ دعوی کیا ہے کہ میں نے ان واقعات کے بیان کرنے میں ادب کو ملحوظ رکھ کر صداقت سے کام لیا ہے ۔

باب سوم :

شاہنامۂ اسلام جلد دوم کے آخری باب میں مکے والوں کے انتقامی حملے کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ اس سلسلے میں کفار قریش کے سردار ابو سفیان کی قسم جو اُس نے جنگ بدر کی شکست کے بعد کھائی تھی ۔ اسکی وضاحت کر کے غزوۂ اُحد کی تیاریوں کا ذکر کیا گیا ہے ، جس میں اسلام کے خلاف شاعروں کا دوسرے قبائل کو بھڑکانا ، مکہ میں فوج کا اجتماع ، آں حضرت صلعم کو اس کی اطلاع ہونا شہر مدینہ کی حفاظت کے لیے مسجدِ نبوی صلعم میں مجلس شوریٰ کا طلب کرنا اور مشورہ کرنا ، اس سلسلے میں عبداللہ ابن ابی کی رائے ۔ مسلم نوجوانوں کا جوشِ جہاد اور آپ صلعم کا کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ وغیرہ پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے ، پھر مجاہدینِ اسلام کا اُحد کی جانب کوچ کرنا ، کفار کی جاسوسی ، ابو سفیان کی تدبیریں ، اس ضمن میں زنانِ قریش کی

---

۱؎ حفیظ جالندھری " شاہنامۂ اسلام " جلد دوم ص 108 قرآن محل بلبلی خانہ ، دہلی

تیاریاں اور حضرت حمزہؓ کو شہید کرنے کی سازش، وغیرہ واقعات کو نظمایا گیا ہے، اور آخر میں لشکرِ اسلام اور مومنوں کی جنگ کیلئے صف آرائی اور منافقین کی بے وفائی کا ذکر کرکے اس باب اور اس جلد کا اختتام کیا ہے

نہ کثرت تھی نہ ساماں: وفا موجود تھا ان میں
خدا تھا اور محمد مصطفیٰؐ موجود تھا ان میں !!۱؎

## شاہنامۂ اسلام جلد سوم:

جلد سوم دس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں کل ایک ہزار نو سو چھیاستر اشعار موجود ہیں، جس میں تاریخِ اسلام کے واقعات رزمِ حق بر باطل کے حملے اور غزوۂ احد کی مکمل تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس جلد کی تکمیل میں حفیظ جالندھری کو بہت سی دشواریوں سے گذرنا پڑا۔ جسکی وجہ سے اس جلد کے چھپنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ اسکی کئی وجوہ تھیں۔ جسکی طرف شاعر نے "ذکر و شکر" میں اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں۔

"آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ میری دشواریاں کیا تھیں، بس یہ سمجھ لیجئے کہ احد کے میدان میں داخل ہوتے ہی میرے حوصلے پست ہوگئے تھے، بدر کے میدان میں تین سو تیرہ نفوس اور بے سروسامان مجاہدوں نے اپنے ہادیؐ کی قیادت میں جو فتح حاصل کی تھی اسکو میرے لے کر بیان کرنے کے بعد ایک ہوش فرسا منظر میرے سامنے تھا"۲؎

یہ بڑی دشواری تھی کہ ایسے واقعہ کو تفصیل کیساتھ نظم کیا جائے جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی، اسلئے کہ شاعر کو اس بات کا خوف تھا کہ ان پاک نفوس کا ذکر کرتے ہوئے کوئی ایسا لفظ انکے قلم سے نہ نکل جائے جس سے سوءِ ادب کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ لیکن یہ بھی ضروری تھا کہ واقعہ کو واقعہ کی صورت میں پیش کرے۔ حفیظ جالندھری نے

---

۱؎ حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" جلد دوم ص 147 قرآن محل، بلبلی خانہ، دہلی

۲؎ حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" جلد دوم ص 6,7 قرآنی محل، بلبلی خانہ، دہلی

بارہا اس کا آغاز کیا، لکھا، پھاڑ ڈالا۔ دوسری دشواری و پریشانی یہ تھی کہ جلد اوّل ودوم کی فروخت میں کمی آگئی تھی، جس کی وجہ سے ان کو مالی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اسکے علاوہ مصنف کی خرابیِ صحت نے بھی اس کام میں خلل پیدا کیا۔

"چنانچہ اسوقت حالت یہ تھی کہ احد کی سنگلاخ گھاٹی سامنے اور پائے ہمت شل، حوصلہ تو ساتھ چھوڑ ہی گیا تھا، فقط خدا کے فضل وکرم نے دستگیری کی اور ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کی معارف پروری نے مجھے پناہ دی، اور میری مشکل کو بڑی حد تک آسان کر دیا۔"

شاعر کے درپیش ایک دقت یہ بھی تھی کہ جن کتب سے انہوں نے استفادہ کیا تھا ان میں اور تو سبھی کچھ موجود تھا، مگر واقعات کی ترتیب انکی سمجھ میں نہ آئی۔ کافی جدوجہد کے بعد ایک راستہ نکل آیا اور تصنیف کا سلسلہ چل پڑا۔ اس دوران حفیظ جالندھری نے یوروپ کا سفر بھی کیا۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس ششماہی قیام میں جلد سوم کا پہلا نصف حصّہ وہیں تیار ہوا، حفیظ جالندھری کو وہ تنہائی وخاموشی نصیب ہوئی جس نے انکے قلم کو جنگِ احد کے واقعات لکھنے کا سازگار ماحول فراہم کیا۔

باب اوّل:

حفیظ جالندھری نے دوسری جلد کا اختتام غزوۂ احد کے ابتدائی حالات کے بیان پر کیا تھا اور واقعہ کو جنگ کی صبح یعنی نمازِ فجر اور مومنوں کی صف آرائی پر ختم کیا تھا، حفیظ جالندھری کو چاہیئے تھا کہ دوسری جلد کا خاتمہ واقعہ کی جس کڑی سے ٹوٹا تھا، تیسری جلد کا آغاز اسی کڑی سے کرتے یعنی "منظر صبح احد" سے، مگر شاعر نے غزوۂ بدر کی فضیلت اور مشاہدہ بدر کے ذیلی عنوان سے کی ہے۔ اس میں انھوں نے بدر کی ہزیمت پر قریش مکہ کا جوش انتقام، قریش کا غرور، انتقامی کارروائی کا جوش وخروش اور اس سے تعلق رکھنے والے واقعات کا ذکر کیا ہے جو گذشتہ سے پیوستہ واقعات

کے تسلسل میں حائل نظر آتے ہیں۔ حفیظ جالندھری کے نظم کردہ بابِ اوّل کی غرض و غایت سمجھ میں نہیں آئی۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اُن قارئین کی سہولت کے لیے جنگِ احد سے پہلے جنگِ بدر کا پس منظر لکھا ہو جن کے نزدیک صرف جلدِ سوم ہو اور وہ صرف جنگِ احد کی تفصیلات سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں۔

بابِ دوم:

بہر حال واقعہ کا تسلسل دوسرے باب سے ملتا ہے۔ اس باب کا عنوان شاعر نے "نور و نار و ظلمت" قائم کیا ہے۔ اس باب کے آغاز میں جنگِ احد کی پہلی صبح کا منظر پیش کر کے ابو لہبی کردار کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس کے فوراً بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلے کے جو اشعار ہیں ان میں سورۂ احزاب کی منظوم شرح کی گئی ہے۔

ترجمہ: "اے پیغمبر ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف بلانے والا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے اور مومنوں کو خوش خبری سنا دو کہ ان پر خدا کا بڑا فضل ہے۔ پھر میدانِ احد میں جمع ہونے والے صحابہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں وہ بھی تھے جو پہلے آزمائے گئے تھے وہ بھی تھے جنہوں نے ابھی اسلام قبول کیا تھا اور وہ بھی تھے جو بظاہر مسلمان تھے مگر مسلمانوں کے دشمن تھے"۔ اسکے علاوہ اسلام کی مخالفت کے اسباب کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور مخالفت کرنے والوں کی نیّت اور ان کے ارادوں کو بھی فاش کیا ہے۔

یہ وحدت کے مقابل اکثریت لیکے آئے تھے
کچل دینے مٹا دینے کی نیّت لے کے آئے تھے
احد کی جنگ کیا تھی انتقام وحشیانہ تھی رعونت کے سمندِ ناز پر ایک تازیانہ تھی

یہ آئے تھے مسلمانوں کے قتلِ عام کی خاطر
یہ سب کچھ کس کی خاطر تھا نمود و نام کی خاطر [1]

باب سوم:

تیسرا باب دوسرے باب کی توضیح ہے۔ جس میں شامل مسلمانوں کی جماعتوں کو تین جماعتوں میں شاعر نے تقسیم کیا ہے، اور ان تینوں جماعتوں یعنی قریش، مسلمان اور منافق کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ یہ باب انتہائی مختصر ہے۔ اسمیں شاعر نے کل سینتالیس 147 اشعار رکھے ہیں۔

باب چہارم:

یہ باب اُحد میں لشکروں کی ترتیب کا احاطہ کرتا ہے۔ جس میں اسلامی فوجوں کے تعیناّت کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ صلعم نے تیر اندازوں کو کہاں تعین فرمایا تھا اور ان کو کیا تاکید فرمائی تھی۔ اور بقیہ فوج کی تقسیم کس طرح عمل میں آئی تھی نیز شاعر نے آپ صلعم کے اس خطبۂ عالیہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو آپ صلعم نے لشکرِ اسلام کے روبرو فرمایا تھا۔

مرتب کر لیا جب لشکرِ اسلام ہادیؐ نے ! سنایا اس طرح اللہ کا پیغام ہادیؐ نے
کہا جب تک نہ دشمن خود کرے اقدام مت نکلنا ہماری سمت سے آئے کسی نہ ہرگز الزام نکلا [2]

اس سے شاعر اس بات کی پرزور تائید کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی دفاع میں تلوار اٹھاتا ہے اور وہ لڑائی میں پہل نہیں کرتا۔ اس خطبے کو پیش کرنے میں شاعر کا یہ بھی مقصد ہے کہ وہ اس کے ذریعہ مستشرقین کی غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔ اسلامی صفوں کی ترتیب کے بعد فوجِ غنیم کی ترتیب پر روشنی ڈالی ہے۔ جس میں خالد و عکرمہ

---

١۔ حفیظ جالندھری شاہنامۂ اسلام جلد سوم ص 47 قرآن محل، بلبلی خانہ
٢۔ حفیظ جالندھری شاہنامۂ اسلام جلد سوم ص 544 قرآن محل، بلبلی خانہ

بن ابو جہل کے رسالوں کا مختصر ذکر کرکے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص بارہ مخالفین کے نام بتائے ہیں۔ اس باب میں کل ایک سو تینتالیس 143 اشعار ہیں

باب پنجم:

اس باب میں اوّل آغازِ جنگ سے پہلے کی ساعت کو نظمایا گیا ہے، یہ بتایا گیا ہے کہ قریش کی عورتیں جنگ سے قبل اپنے جوانوں کو اکسانے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کیلئے کس طرح ناچتی گاتی تھیں، دوم ابو عامر کے میدانِ جنگ میں آنے اور اسکی تقریر کو نظم کیا ہے۔ ابو عامر وہی فاسق کافر تھا، جس نے آغازِ جنگ کیا تھا، جو مدینہ ہی کے ایک قبیلہ اوس کا ایک فرد تھا اور مشرکین سے یہ دعویٰ کرکے آیا تھا کہ تمام قبیلے کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کردوں گا۔ اس کی تقریر کا جواب انصار نے حرف اتنا دیا کہ تجھ کو فراخی دست نصیب نہ ہو اور تیرا کوئی مونس و ہمدم نہ ہو۔

بعد ازاں لشکرِ اسلام پر کفار کی سنگ باری اور مسلمانوں کا اس کا جواب دینا ابو عامر کے فرزند حضرت حنظلہؓ کا اپنے باپ کے مقابل لڑنے کی اجازت چاہنا اور نبی رحمتؐ کا ایسے موقعے پر بھی انسانی جانوں پر رحم کرنا وغیرہ واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب ششم:

اس باب سے باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوتا ہے، اس باب میں حق کی اقلیت کو باطل کی اکثریت پر ترجیح دینے کی شاعر نے بات کی ہے پھر طلحہ کے میدانِ جنگ میں آنے حضرت علیؓ اور طلحہ کے مابین شمشیر بازی اور اس کا انجام اور قریشی فوج کے غضبناک حملے کو تفصیل سے پیش کیا ہے اس میں خصوصیت سے حضرت حمزہؓ کا جنگ میں حصّہ لینا اور شہادت

پانا، ابو دجانہ رضؓ کا آپ صلعم کی تلوار لیکر میدان جنگ میں آنا، پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاکر عام حملے کیلئے جمعیتِ اسلام کا میدانِ جنگ میں آنا وغیرہ واقعات کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اسکے بعد ابو سفیان کی بیوی ہندہ کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ قریشی عورتوں کے ساتھ کافروں کا دل بڑھاتی تھیں اور کافر میدانِ جنگ سے بھاگتا ہوا نظر آتا تھا، اسے اپنی چوڑیاں پیش کرتی تھیں، مسلمانوں کا متحد ہوکر جنگ کرنے پر روشنی ڈالی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت پر عمل پیرا ہوکر لڑنے سے اقلیت، اکثریت پر غالب آگئی تھی۔ اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی فتح یقینی ہوگئی تھی اور کفار میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔

باب ہفتم:

یہ اس جلد کا اہم باب ہے، باب اول سے باب ششم تک کے واقعات یہ بتاتے ہیں کہ جنگ کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی اور کس طرح جاں بازوں نے اپنے جوہر دکھائے اور اسلام کی فتح کو یقینی بنایا، باب ہفتم میں شاعر نے اس المناک منظر کو دکھایا ہے جو مال غنیمت کو وقت سے پہلے لوٹنے کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ اس لیے شاعر نے اس باب کا عنوان "فتنۂ مال غنیمت، شکستِ احد کی تمہید، تازہ ایمان مسلمین مال غنیمت کی دھن میں" رکھا ہے۔ اس میں جنگ کے اس نقشے کو پیش کیا گیا ہے جو ایک ساعت میں الٹ چکا تھا۔ جب مشرک شکست کھا کر بھاگنے لگے اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے لشکر گاہ کو لوٹنے میں مصروف ہوگئے، اس وقت تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، یہ سوچ کر کہ اب مسلمانوں کو فتح ہوگئی ہے، اگرچہ کہ نبی کریم صلعم

نے انھیں تاکید فرمائی تھی کہ وہ پہاڑیوں کو نہ چھوڑیں، لیکن مال غنیمت کی دھن میں تیر اندازوں نے آپ صلعم کی نصیحت یاد نہیں رکھی اور حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی تنبیہ کی بھی پرواہ نہ کی، یہ ساری کیفیت کو صرف تیس بتیس اشعار میں موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ بعد ازاں کفار کا ٹیلے کو خالی دیکھ کر وہاں پہنچنا، حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور انکے ساتھیوں کی شہادت مسلمانوں کی پشت پر خالد کے حملے اور بھاگی ہوئی قریشی فوج کا پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنا وغیرہ واقعات کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔

باب ہشتم:

یہ باب شہادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی افواہوں پر روشنی ڈالتا ہے شاعر نے اس افواہ کے پھیلنے کی وضاحت کرکے یہ بتایا ہے کہ حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ کو ابن قمیہ نے جب شہید کر ڈالا، یہ خبر اڑا دی گئی کہ آپ صلعم شہید ہوگئے، کہتے ہیں کہ حضرت مصعبؓ کی صورت آپ صلعم سے مشابہ تھی۔ ابن قمیہ نے سمجھا کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر ڈالا ہے

کہ لوگو دیکھو آؤ میں نے کس کا سر اتارا ہے — محمدؐ کو، مسلمانوں کے پیغمبر کو مارا ہے
مرے ہاتھوں نے آخر قتل کر ڈالا محمدؐ کو — بجھایا میں نے پھونکوں سے چراغ نور سرمد کو[1]

اس خبر نے میدان جنگ میں کھلبلی مچادی، صحابہؓ پر جو اثرات مرتب کیے، مسلمانوں میں جو بدحواسی پھیلی، حضرت فاروق اعظم اور دیگر مسلمانوں میں اس خبر کو سن کر سکتہ طاری ہوگیا، اسکی ساری تفصیل نہایت درد انگیز پیرائے میں شاعر نے بیان کی ہے۔ نیز یہ خبر سن کر جن صحابہؓ نے

---

۱۔ حفیظ جالندھری "شاہنامہ اسلام" ج ۲ ص ۱۲۱ قرآن محل بلبلی خانہ، دہلی

شہادت کا جام نوش فرمایا اس کا بھی مختصر ذکر کیا ہے، اس کے ساتھ ان ثابت قدم صحابہؓ کا ذکر کیا ہے۔ جو ابھی تک جنگ میں مصروف تھے، پھر حضرت حمزہؓ نے اسلام کی خاطر کس طرح جنگ کی اور دشمن نے آپؓ کے شکم مبارک سے کلیجہ نکال کر ہندہ کو بطور ہدیہ پیش کیا اور ہندہ نے اس کو منہ میں ڈال کر چبانا شروع کیا۔ ملاحظہ ہو اس واقعہ کی منظر کشی حفیظ جالندھری نے کس اثر انگیز پیرائے میں کی ہے ۔

قسم کھائی تھی حمزہ کا جگر کچا چبانے کی ۔ لہو کی پیاس تھی اور بھوک اسکو گوشت کھانے کی
ابا با کہتی جاتی ، منہ بناتی جا رہی تھی یہ ۔ جگر حمزہؓ کا دانتوں سے چباتی جا رہی تھی یہ
جگر تھا اسکے منہ میں خون باچھوں سے ٹپکتا تھا ۔ کھڑا تھا پاس وحشی اور منہ حیرت سے تکتا تھا
مری بھی نسل ہو ایسی یہ اسکا شوق بیجا تھا ۔ نگلنا اس کو مشکل تھا یہ حمزہؓ کا کلیجہ تھا [1]

اس کے بعد وہ منظر دکھایا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ جنگ کرتے جا رہے ہیں لیکن ان کی نگاہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی ہیں۔ حضرت کعب بن مالکؓ کی نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی - اور حضرت کعب پکار اٹھے ۔

چھلک اٹھا خوشی کے جوش سے غازی کا پیمانہ
صدا اٹھی زبانِ کعبؓ سے بے اختیارانہ !
یہاں آؤ، یہاں موجود وہ فخرِ امامت ہے
ہماری زندگی کا آسرا زندہ سلامت ہے [2]

بعد ازاں حضرتِ علیؓ کی جاں بازی ، مدینے میں شہادتِ رسولؐ

---

۱ حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" ص 121 قرآن محل، بلبلی خانہ، دہلی
۲ ص 130

کی افواہ، خواتین اسلام کی جنگ میں شرکت، ابو طلحہؓ، سعد اور وقاصؓ کی تیر اندازی اور ابو سفیان کا حضرت حنظلہ بن عامرؓ پر حملہ وغیرہ واقعات نظم ہوئے ہیں۔

باب نہم: "آفتاب اور برج عقرب" کے زیر عنوان شاعر نے جنگِ اُحد کے واقعہ کو آگے بڑھایا ہے اس میں قریشیوں کی سازشیں اور ان کے بے پناہ حملے، انصار کی فدا کاری، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے، آپ صلعم پر دشمنوں کی سنگ باری اور اسمیں آپ صلعم کا زخمی ہونا اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں و فیضانِ نبوتؐ پر روشنی ڈالی ہے۔

کہ اے پروردگار آمرزگاران کو معافی ہے
نہ کران کی خطاؤں کا شماران کو معافی دے
نہیں اُبھری ابھی یہ قومِ جاہل اپنی پستی سے
خداوندا یہ بندے بے خبر ہیں رازِ ہستی سے[1]

باب دہم:

یہ باب جلدِ سوم کا آخری باب ہے۔ اسمیں حفیظ جالندھری نے خاتمہ جنگِ اُحد کا نقشہ کھینچا ہے۔ اسمیں قریش کی بے دلی، اُبّی ابن خلف کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کا ناپاک ارادہ۔ اس سے متعلق آپ صلعم کی پیشن گوئی (کہ انشاءاللہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا) آپ صلعم کا دورانِ جنگ رخسارِ مبارک پر کڑیوں کا جمنا اور آپ صلعم کی شہادت کی خبر سن کر حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کا تشریف لانا وغیرہ نظم پایا ہے اس کے بعد شہادت گاہ کا منظر پیش کیا گیا ہے، پھر شہدائے اُحد کی تجہیز

---

1۔ حفیظ جالندھری "شاہنامۂ اسلام" جلد سوم ص 147 قرآن محل بلبلی خانہ دہلی

وتکفین پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس طرح تیسری جلد کا اختتام کیا ہے، یہ جلد ایک غزوہ کیلئے حفیظ جالندھری نے وقف کردی ہے۔ مقصد یہ ہو کہ وہ اہل اسلام کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی میں کامیابی ہے اور آپ صلعم کے حکم کی روگردانی ناکامیابی کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اسلئے کہ اس جنگ میں جب تک اصحاب کرام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے رہے، کفار قریش پر چھائے رہے اور جب مال و متاع کی خاطر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی جگہوں کو چھوڑا، جسکے نتیجے میں کفار قریش غالب آگئے اور مسلمانوں کو شکست اٹھانی پڑی۔

شاہنامۂ اسلام جلد چہارم : شاہنامۂ اسلام کی یہ آخری جلد ہے۔ اگرچہ کہ حفیظ جالندھری کا ارادہ پانچ جلدیں لکھنے کا تھا، اس جلد کو شاعر نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے،

اس جلد کا آغاز شاعر کے دیباچے سے ہوتا ہے، جس میں انھوں نے شاہنامۂ اسلام کی چار جلدوں کی تکمیل پر خدا کا شکر ادا کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ شاہنامۂ اسلام لکھنے کا مقصد و منشا کیا تھا، وہ صرف اور صرف دین اسلام اور بانی اسلام کی برتری ثابت کرنا چاہتے تھے اور وہ بھی ایسے واقعات کی ترتیب سے جو مستند و صحیح ہوں۔ اسلئے انھوں نے اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا کہ یہ تاریخ اسلام ہے۔ الف لیلیٰ، بوستان خیال، داستان طلسم ہوشربا نہیں

اصل جلد کا آغاز باب اوّل سے ہوتا ہے۔ ابتداء میں شہادت گاہ احد پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ اس میں شہیدانِ احد کی عظمتوں کا ذکر کرکے میدانِ احد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی، احد کی افتاد پر مجاہدین کی ندامت اور ان کا اضطراب، منافقین کا مہاجرین پر طعن اور ان کے طرزِ استدلال کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

باب دوم:

حفیظ جالندھری نے اس باب میں "شامِ احد کی صبح" کے تحت مجاہدینِ احد کی جرأت و ہمت، مجاہدینِ اسلام کا دوبارہ جہاد کے لیے کمربستہ ہونا اور پیغمبرِ خدا کا دشمنوں کے تعاقب میں نکلنا وغیرہ واقعات کو نظم کیا گیا ہے اسی باب میں لشکرِ کفار کی حالت کا جائزہ لیا گیا ہے، اس میں ابوسفیان کی آلِ ہاشم سے عداوت اور آپ صلعم سے متعلق ابوسفیان کے خیالات کا ذکر کیا گیا ہے "غلط ہے یہ کہ حاصل غیب سے امداد ہے اس کو

سکونِ قلب کا اچھا سا نسخہ یاد ہے اس کو!

اگر غیبی کوئی امداد ہوتی، زخم کیوں کھاتا!

پیمبر تھا تو کوئی معجزہ میداں میں دکھلاتا

پھر صفوان ابن امیہ اور معبد کی آرا کو نظمایا گیا ہے، جوان دونوں نے ابوسفیان کے دوبارہ مدینے پر حملہ کرنے کے مشورے کے جواب میں دی تھی، جس سے قریش کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور لشکرِ قریش میں بدحواسی پھیل گئی تھی۔ پھر اس کے بعد انجامِ کفار سے متعلق آپ صلعم نے جو ارشادات فرمائے تھے۔ اس کو مختصراً بیان کرکے اس باب کا اختتام کیا ہے۔

باب سوم: اس باب میں جنگِ احد کے بعد کے حالات بیان ہوئے ہیں۔

یعنی میدانِ اُحد سے جب آپ صلعم لوٹ آئے تو مدینے میں آہ و زاری اور ماتم برپا تھا، گھر گھر سے رونے پیٹنے اور بین کرنے کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ صلعم نے شہیدانِ احد کے پس ماندگان کو تسلّی دی۔ حفیظ جالندھری نے صرف چھ شعروں میں اس درد انگیز کیفیت کو بیان کیا ہے، نیز شہیدوں کے احترام سے متعلق آپ صلعم نے جو ارشادات فرمائے، اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| تمہیں اسلام صبر و ضبط کی تلقین کرتا ہے | صبوری کی خدائے پاک خود تحسین کرتا ہے |
| لہٰذا یہ بکا، یہ پیٹنا، یہ سوگ، یہ ماتم | یہ کپڑے پھاڑنا، یہ بین کرنا، بکھرنا باہم |
| کرو پرہیز ان سے جاہلیت کی ہیں یہ باتیں | بجائے گریہ ان کے لازم شکرِ حق ہے اور مناجاتیں |

(ج) مدینے کی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بستی امن کی بستی ہے، اس کے علاوہ مدینے میں اہلِ حق کی کارگزاریوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، جس میں حلقۂ ذکر، حلقۂ درس، اصحابِ صفہ، اصحابِ صفہ کی شان اور ان سے آپ صلعم کی محبّت وغیرہ کو نظمایا گیا ہے۔

باب چہارم: یہ باب دشمنانِ اسلام کی دغابازیوں اور تباہ کاریوں اور مدینے پر کفار کے چاروں طرف سے حملوں کا نقشہ پیش کرتا ہے، جس میں شاعر نے فتنہ انگیز قبائل کی سرکوبی، دغابازوں کے ہاتھوں مقتولانِ وفا کی شہادتوں اور واقعۂ بیرِ معونہ کو مختصر بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف واقعات مدینہ کو منظوم کیا ہے، جیسے ابوبرکات کا مدینے میں آنا، آپ صلعم کا اس کی طرف توجہ فرمانا اور اسکی شفایابی کیلئے آپ کا دعا فرمانا، مبلغینِ اسلام کا تبلیغ میں حصّہ لینا، رسول صلی اللہ علیہ

کا مبلغین سے خطاب، مبلغین کا نجد کی طرف روانہ ہونا، رئیس نجد کا مبلغین سے سلوک، نجدی قبائل کا مبلغین پر حملہ اور شہداء کے بیر معونہ وغیرہ شامل ہیں۔

بعدازاں "واقعہ رجیع" کو نظم کیا گیا ہے، اس میں یہ لکھا گیا ہے کہ کس طرح عضل اور قارہ نامی قبائل حضور رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام سیکھنے کی تمنا کی اور آپ صلعم نے حضرت عاصم کی سرداری میں دس مبلغین کو ان کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور انھوں نے مقام رجیع پہنچ کر حضرت عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں کو دغا دیا جس کے نتیجے میں آٹھ مبلغین کی شہادت ہوئی، اس پورے واقعہ کو کم از کم اشعار کے ذریعے پیش کرنے کی شاعر نے سعی کی ہے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ اس کے بعد دو مبلغ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کی گرفتاری اور نیلامی کا ذکر کرکے ان کی شہادت کا تفصیلی حال نظم کیا ہے، اس کے علاوہ بے گناہوں کے قتل کی منادی، بے گناہوں سے بدلہ نہ لینے کی ہدایت اور مسلمان قیدیوں سے کافروں کا سلوک وغیرہ پر اظہار خیال ہوا ہے۔

باب پنجم:

یہ باب فتنۂ اقوام یہود پر روشنی ڈالتا ہے، اس میں خاص کر ان حرکات کا ذکر کیا گیا ہے، جن پر یہود و کفار قریش مبتلا تھے، یعنی کفار کے ایسے کام جو غریبوں اور اہل اسلام کیلئے عذاب سے کم نہیں تھے، مثلاً مزدوروں کیساتھ مالک کا سلوک، غریبوں کیساتھ ساہوکار کا سلوک وغیرہ۔ اسی لئے اسلام کو بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں تاکہ سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ کو روکا جاسکے اور مزدوری کرکے زندگی بسر کرنے والوں کیلئے

آسانیاں پیدا ہوں۔

بہت ہی بیکس و مجبور ہے مزدور کی دنیا     طمانیت سے کتنی دور ہے مزدور کی دنیا
بسا اوقات بیچارے کو مزدوری نہیں ملتی     اگر ملتی بھی ہے کم ملتی ہے پوری نہیں ملتی[1]

شاعر نے اس عہد کے ساہوکار اور غریبوں کی غربت کا بھی نقشہ کھینچا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ساہوکار کس طرح سود کے سہارے غریبوں کا خون چوستا ہے اور یہ بیماری سارے سماج کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہود اور قبائل عرب کی اسلام دشمنی کی طرف اشارہ کر کے ان کے اشتعال انگیز کاموں کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ناکام کوشش بھی شامل ہے۔

باب ششم:

اس باب میں دو اسلامی جنگوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ پہلے جنگ احزاب پر روشنی ڈالی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ سارے عرب کے قبائل اسلام کے خلاف ایک ہو گئے۔ اور سارا عرب مشتعل ہو گیا۔ اقتدار شخصی کی ہوس میں مفت خوروں اور لیڈروں نے انتقام کے پردے میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ شاعر کہتا ہے کہ سارے عرب میں مدینہ ہی ایک ایسی بستی تھی جہاں اہل حق کا وجود تھا۔

مچا تھا جن دنوں اندھیر دنیا کے سفینے میں     وجود اہل حق موجود تھا بس اک مدینے میں
محمدؐ کا مدینہ ہی جہاں میں ایک بستی تھی     جہاں راحت کا سایہ تھا جہاں رحمت برستی تھی

یہ ساری سعادتیں انسان کامل حضرت محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کے باعث تھیں۔ اسکے بعد کفار کی مدینے پر چڑھائی کے منصوبے کو نظم کیا گیا

---

[1] حفیظ جالندھری "شاہنامہ اسلام" ص ۱۵۵ قرآن محل، بلیماراں، دہلی

نیز اس ضمن میں آپ صلعم نے اپنے صحابہ کرام سے جو مشاورت کی تھی اس کا ذکر کرکے حضرت سلمان فارسی رضؓ کے مشورے کو پیش کیا گیا ہے۔ پھر اس مشورے کو عملی جامہ پہنانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یعنی خندق کے کھودے جانے کی تفصیل کا ذکر کیا ہے، بعدازاں لشکرِ کفار کی آمد، قبیلہ قریظہ کی بغاوت، یہودیوں کی عہد شکنی اور نئے خطرے سے نمٹنے کی تدبیریں کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے، پھر جنگ کی ساری تفصیلات بیان کی گئی ہیں، مثلاً طریقۂ جنگ، کفار کے اتحادی لشکروں کا بے پناہ دھاوا، مسلسل حملے اور اسکی مدافعت، شیرِ خدا کا میدانِ جنگ میں آنا، صاحب ذوالفقار کا جلال اور ابوسفیان کی تقریر وغیرہ۔ اسکے علاوہ مختلف ذیلی عنوانات قائم کرکے جنگ کے اسباب مقاصد اور اسکے انجام کو بیان کیا گیا ہے اور آخر میں " مدینہ کی صبح " کے عنوان پر شاہنامۂ اسلام کی چوتھی اور آخری جلد اختتام کو پہنچاتی ہے۔

بلا کا عبرت افزا انقلابِ چرخِ گرداں تھا
ابھی اک شور برپا تھا ابھی اک ہُو کا میداں تھا
سحر کے وقت جب گونجی صدا اللہ اکبر کی!!
تو باطل ہو چکی تھیں ظلمتیں باطل کے لشکر کی
نہ آندھی ہی رواں تھی اب نہ قائم وہ اندھیرا تھا
ہوائیں معتدل تھیں اور نورانی سویرا تھا
نسیمِ صبح کے آزاد جھونکے سرسراتے تھے!!
طلوعِ مہر کا عالم تھا ذرّے مسکراتے تھے
نظارے کا سہارا پا لیا تھا مہرِ خاور نے!
محمدؐ کا مدینہ چھا لیا تھا فضلِ داور نے

'شاہنامۂ اسلام' کی چوتھی جلد میں ایک ہزار آٹھ سو ستاون (1857) ابیات شامل ہیں، ان میں حفیظ جالندھری نے تاریخ اسلام کے زرّیں واقعات رزم و بزم جو جنگ احد کے بعد پیش آئے، جن میں منافقین کی شرارتیں، دارالامان مدینہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہؓ کے مشاغل، حلقہ ہائے فکر و ذکر، مدینہ پر عرب قبائل کے حملے، واقعات بیر معونہ و رجیع، مکہ میں مسلمان قیدی، مسلمانوں کے قید کا میلا۔ یہود و کفار کے 'فتنے اور سارے عرب کا مدینۂ منورہ پر حملہ وغیرہ واقعات کی کبھی تفصیل سے اور کبھی اختصار سے بحث آئی ہے۔

شاہنامۂ اسلام کی چاروں جلدوں میں سات ہزار چھ سو اکتالیس 7641 اشعار ہیں، اسکے علاوہ وہ اشعار الگ ہیں جو حفیظ جالندھری نے ہر جلد کے حصۂ اوّل میں حمد، نعت، سبب تصنیف، مشکلات، مزار قطب الدین ایبک ضمیر کی آواز، مناجات، سخن ہائے گفتنی در پیرایہ سرگذشتِ مصنف مسجد و مکتب ٹوٹی ہوئی کشتی کا ملاح، بسم اللہ اے ساقی اور مردان بگوشید کے عنوان کے تحت لکھے ہیں، اس طرح شاہنامۂ اسلام کے جملہ شعروں کی تعداد دس ہزار سے بھی زاید ہو جاتی ہے اور دس ہزار اشعار میں تاریخ اسلام کو سمونا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اس ضمن میں شاعر کا یہ کہنا کہ "شاہنامۂ اسلام معرکۂ حیات ہے، بازیچۂ اطفال نہیں۔ یہ شاعر کا کمال ہے کہ تاریخی واقعات میں رنگینی و تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعرانہ لطافت اور کسی رنگ آمیزی کے بغیر واقعات بزم و رزم سلیس و عام فہم زبان میں نظم کرنا، حفیظ جالندھری ہی کا حصّہ ہے۔

# مولانا سیّد عابد علی وجدی الحسینی

مولانا سید عابد علی نے ۵ اگست 1918ء میں شہر بھوپال میں آنکھیں کھولیں۔ آپ سیّد صابر علی کے چشم و چراغ ہیں۔ مدرسہ سلیمانیہ واحمدیہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور مزید تعلیم کیلئے دار العلوم دیوبند کا رُخ کیا۔ قابل اساتذہ سے دینی تعلیم حاصل کی۔ گھر کا ماحول بھی ادبی تھا۔ والدِ محترم سیّد صابر علی حضرتِ داغ دہلوی کے غائبانہ شاگرد تھے۔ اس لئے بچپن سے اردو شاعری کا ذوق تھا، ابتداء میں جو کچھ لکھا اپنے جدِّ امجد حکیم عبد الحفیظ صاحب کو دکھایا۔ بعد ازاں علامہ سیماب اکبر آبادی سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ اور ہندوستان کے معروف رسائل میں آپ کا کلام شائع ہوا۔ ان میں ہمایوں، ساقی، عالمگیر، نیا ادب اور ندیم قابلِ ذکر ہیں۔ اس منظوم سیرت کے علاوہ نظم و نثر کی درجِ ذیل نو کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔

۱۔ صبحِ تجلّی ۲۔ چہل حدیث (منظوم) ۳۔ ہندوستان اسلام کے سائے میں ۴۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی ۵۔ بھوپال تحریکاتِ آزادی کے آئینہ میں۔ ۶۔ تاریخ قضاۃ و مفتیانِ بھوپال ۷۔ قطبِ مالوہ ۸۔ تفسیر بسم اللہ شریف اور خطبات جمعہ و عیدین۔ ان کے علاوہ دس کتابیں نثر و نظم زیرِ طبع ہیں۔ ادیب و شاعر کے علاوہ ایک اور حیثیت سے بھی مولانا سیّد عابد علی وجدی کا مقام ہے۔ یعنی وہ دینی عالم اور شیخ الحدیث ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اس کتاب میں مستند روایات ہی کو جگہ دی گئی ہے۔

زیرِ نظر منظوم سیرت کا عنوان "سیرت النبی صلّی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ اسمیں جملہ سات سو بائیس اشعار ہیں، جس کو وجدی پبلی کیشنز امان منزل، ابراہیم پورہ، بھوپال نے 1940 میں شائع کیا۔ ایک سو بیس صفحات پر پھیلے مواد کو شاعر نے ایک سو گیارہ عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ

شاعر نے بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہو کہ شاعر منظوم سیرت نبوی صلعم کو تین حصوں میں نظم کرنے والے تھے۔ ناشر نے "چند سطور" میں لکھا ہے کہ وجدی پبلی کیشنز سلسلہ وار سیرت منظوم کے دو حصے شائع کرے گا۔ سیرت سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اول زیر بحث ہے۔

کتاب کا آغاز شاعر کے لکھے ہوئے دیباچہ سے ہوتا ہے۔ جس میں انھوں نے کہا ہے کہ حیاتِ مبارکہ اور سیرتِ طیبہ کو بیان کرنے کا سلسلہ صبح ازل سے جاری ہے اور خود خدائے قدوس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کو قرآن حکیم میں پیش کرتا ہے۔ دنیا کی مختلف معروف زبانوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس حیات ملتی ہے۔ اسکے بعد "سطور تعارف" کے عنوان کے تحت اپنے تعلق سے مختصر معلومات فراہم کی ہیں۔

"حرفِ مدعا" اس سیرت کا پہلا عنوان ہے۔ اس میں شاعر نے خدا کے حضور اپنا مدعا بیان کیا ہے اور خواہش ظاہر کی ہے کہ یہ تحفۂ سیرت قبول ہو

تیرے محبوب کی سیرت کا تحفہ لیکے آیا ہوں
تیرے دربار میں چھوٹی سی اک سوغات لایا ہوں
خدایا! تحفۂ ناچیز یہ مقبول ہو جائے!
کھلا ہے دل میں جو غنچہ چٹک کر پھول ہو جائے[1]

حرفِ مدعا کے بعد اللہ کی حمد و ثنا میں چند شعر کہے گئے ہیں۔ پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام کا نذرانہ پیش کر کے اصل سیرت نبوی صلعم کا آغاز کیا ہے۔ سید عابد علی نے سیرت نبوی صلعم کی ابتداء ظہور نور سے کی ہے۔ اسمیں نور محمدی صلعم کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہی وہ نور تھا جو حضرت

---

[1] سید عابد علی وجدی منظوم سیرت النبی صلعم ص 28 وجدی پبلی کیشنز بھوپال 1990

آدم ع کی پیشانی میں جلوہ گر تھا، پھر روزِ میثاق کا تذکرہ کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق انبیائے کرام نے جو بشارتیں دی تھیں ان کا مختصراً ذکر کیا ہے۔

سلام ان پر کہ جن کا مژدہ دینے انبیاء آئے
ولادت کی بشارت لے کے سارے اصفیاء آئے [1]

بعد ازاں اصحابِ فیل کے واقعے کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسکے لئے شاعر نے ایک سو چار اشعار وقف کئے ہیں۔ ان اشعار کو پڑھتے ہی سارا واقعہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ آخر کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

اشارہ تھا کہ دنیا میں مسرت آنیوالی ہے گھٹا اللہ کا لطف و کرم برسانے والی ہے
جو آتی ہے مصیبت عشق کی تمہید ہوتی ہے ہجومِ نا امیدی پہلے پھر امید ہوتی ہے
اشارہ تھا کہ اب شانِ محمدؐ رونما ہو گی!
ولادت با سعادت سے یہ دنیا پُر ضیا ہوگی [2]

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب بیان کیا گیا ہے اور چند نسب عالی کے نام گنوائے ہیں۔ یعنی حضرت آدم ع، حضرت شیث ع، حضرت نوح ع، حضرت ابراہیم ع، حضرت عدنان، حضرت سعد، حضرت قصی، حضرت عبدالمطلب اور حضرت عبداللہؓ اسکے ساتھ ہیں، صبح ولادت کے عنوان کے تحت آپ صلعم کی اس دنیا میں تشریف آوری کا ذکر کیا ہے۔ آپ صلعم کی ولادت سے پہلے کا منظر ملاحظہ فرمائیے۔

سلام ان پر ہوئی صبحِ ولادت جب افق آرا تو برسانے لگا جلوؤں کی بارش حسن نظارہ

---

[1] سید عابد علی وجدی منظوم سیرت النبیؐ ص ۳۸ وجدی پبلی کیشنز بھوپال ۹۵

[2] سید عابد علی وجدی منظوم سیرت النبیؐ ص ۳۸ وجدی پبلی کیشنز بھوپال ۹۵

نسیم صبح کے پیغام سے غنچے چٹکتے تھے　　معطر خوشبوؤں سے سارے ویرانے مہکتے تھے
مسرت سے پرندے جنگلوں میں چہچہاتے تھے　　یہ عالم تھا کہ مستی میں خوشی کے گیت گاتے تھے
اندھیرا چھا نٹی آخر وہ نورانی گھڑی آئی　　سوادِ مکہ پر نورِ ازل کی برق لہرائی ہے[1]

پھر حضرت آمنہؓ کے گھر اللہ کے رسولؐ پیدا ہوئے۔ اس طرح دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ پوری ہوئی کہ

فضا میں شور اٹھا لو وہ ختم المرسلین آئے　　خدا کا نور بن کر رحمۃ للعلمین آئے[2]

اس کے بعد شاعر نے آپ صلعم کے عہدِ طفلی، حلیمہؓ کی آغوش میں پرورش اور ان کے یہاں سے نبی اکرمؐ کی واپسی، شقِ صدر، والدہ اور عبدالمطلب کی وفات کا تذکرہ کیا ہے، بعد ازاں آپ صلعم کا ابوطالب کے ساتھ سفرِ شام کا واقعہ، حربِ فجار میں شرکت، آپ صلعم کی جوانی اور پاک دامنی، حضورؐ کی گلہ بانی، معاہدۂ حلف الفضول اور شام کا دوسرا سفر وغیرہ واقعات کو نظمایا گیا ہے پھر آپ صلعم کے نکاح کا بیان ہے اس میں حضرتِ خدیجہؓ کے نکاح کے بیان کے ساتھ نبی کریمؐ سے حضرتِ خدیجہ کو جو اولادیں ہوئیں اس کا مختصر احوال آیا ہے۔ نیز آپ صلعم کے امین و صادق ہونے پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر اس عظیم تنازعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جسکو رسولؐ اپنی حکمتِ عملی سے حل نہ فرماتے تو سارا مکہ خون میں تر بہ تر ہو جاتا، یعنی کعبے کی تعمیرِ نو میں سنگِ اسود کو نصب کرنے کا واقعہ۔ شاعر نے کم سے کم الفاظ میں اس واقعہ کی تصویر کھینچی ہے اور اس کے لیے صرف سترہ شعر لکھے ہیں۔ آغازِ نبوت کے بیان سے پہلے شاعر نے دورِ جاہلیت کا نقشہ کھینچا ہے اور اہلِ عرب کی برائیوں کو بیان کیا ہے۔

"آغازِ نبوت" کے عنوان سے آپ صلعم کی بعد از نبوت کی حیاتِ مقدسہ

---

1. سید عابد علی وجدی　منظوم سیرت النبیؐ　ص 41　وجدی پبلی کیشنز بھوپال 90
2. سید عابد علی　منظوم سیرت النبیؐ　ص 42　وجدی پبلی کیشنز بھوپال 90

بیان ہوئی ہے، اس میں غارِ حرا کی عبادت، پہلی وحی، قرآن کا دیباچہ، رشتہ داروں کو دعوت، پہاڑی کا وعظ اور مقامِ نبوت جیسے عنوانات قائم کر کے شاعر نے اعلانِ نبوت، مقامِ نبوت اور تبلیغِ اسلام پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں خصوصیت سے ورقہ کا پہلی وحی سے متعلق آپ صلعم کو خوشخبری دینا کہ آپ صلعم اللہ کے رسول ہیں اور آپ صلعم کے رشتہ داروں حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابۂ کرام کے قبولِ اسلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ شاعر نے جن عنوانات کا سیرت کے بتدریج ارتقاء کیلئے انتخاب کیا ہے، وہ یہ ہیں، اسلام کا بنیادی اصول، ظلم و ستم کا طوفان، دعوتِ توحید حضرت حمزہؓ و عمرؓ کا اسلام، ہجرتِ حبشۂ اول۔ کفر کی دھمکی، بنو ہاشم کا مقاطعہ (نظر بندی شعب ابی طالب میں)، حرص و طمع کا جال، عام الحزن، سفرِ طائف، اہلِ طائف کی سنگ دلی۔ آپ صلعم کی خصوصی دعا اور یمن میں اسلام

بعدازاں شاعر نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اہم واقعے کو بنظم یا ہے۔ یعنی شاعر نے معراج النبی صلعم سے متعلق تفصیل سے لکھا ہے، اسی میں حضورؐ کی شانِ محبوبی، کائنات کی حیرت سامانی، بیت المقدس کا سفر، یہاں امامتِ انبیاء، پھر آسمانی دنیا کا سفر، مشاہدۂ دوزخ، نظارۂ جنت، سیرِ لامکاں اور باریابی) معراج کا تحفہ (نماز) اور معراج کی حقانیت کا بیان ہوا ہے۔

اس کے بعد سید عابد علی وجدی نے معجزۂ شق القمر پر روشنی ڈالی ہے، موسم حج میں آپ صلعم اہلِ عرب کو اسلام کی عام دعوت دیتے تھے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر بیعتِ عقبہ، حضرت مصعبؓ کا تبلیغ کیلئے مدینہ تشریف لانا، اور آپؐ کی کوششوں کی وجہ سے مدینے کے گھر گھر میں اسلام کا پھیلنا، دورِ اسلامی دائرے کو بڑھتا ہوا دیکھ کر کفارِ قریش کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ

بنانا وغیرہ واقعات نظم کئے ہیں ۔

سید عابد علی صاحب نے بھی اپنی منظوم سیرت میں سابق سیرت نگاروں کی طرح واقعۂ ہجرت کو کافی اہمیت دی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے قدرے تفصیل سے اس واقعے پر روشنی ڈالی ہے اور اس بیان کے لئے ایک سو انچاس اشعار کہے ہیں اور اس کے ایک ایک پہلو کی وضاحت کی ہے ۔ اس ضمن میں سرخی کے دو دو شعر پیش خدمت ہیں تاکہ ہجرت کا واقعہ آنکھوں میں آجائے ۔

حکم ہجرت :

سلام اس پر وطن سے اپنا رشتہ جس نے توڑا تھا
سلام اس پر ہو جس نے بسترِ راحت کو چھوڑا تھا
مسلمانانِ مکہ پر مظالم حد سے جب گذرے
ہوئے احکام نازل، سرورِ عالمؐ کو ہجرت کے

یارِ غار کی رفاقت :

لیا ہمراہ اپنے عمر بھر کی ساری پونجی کو !!!
نہ ہو پہنچے کوئی زحمت راستے میں ذاتِ نبوی کو
اندھیرا ہوتے ہی تلواریں ہر جانب کھڑک اٹھیں
کہ کالی بدلیوں میں بجلیاں جیسے چمک اٹھیں

ہجرت کیلئے روانگی :

جب آدھی رات گذری حکم ہجرت کا اُتر آیا !
نبیؐ نے قصد اب باہر نکل آنے کا فرمایا
نبیؐ کا گھر سے باہر آنا تھا اک معجزہ رب کا
کھنچی دیوار اور دشمن کی آنکھوں پر پڑا پردہ

ہجرت کا ہنگام :

خدا کے سایۂ امن و اماں میں چھوڑا مکے کو
کیا حسرت بھرے دل سے مخاطب اس نے کعبے کو
جہاں کے سارے خطوں میں تو ہی محبوب ہے مجھ کو
خدا کے حکم کی تعمیل اب مطلوب ہے مجھ کو

غارِ ثور میں :

کبوتر بن گیا انڈوں کو دیکر ان کا رکھوالا
حفاظت کیلئے مکڑی کے منہ پر تن دیا جالا
حفاظت کی نبیؐ کی حق نے اک مکڑی کے جالے سے
حفاظت کی نبیؐ کی حق نے نادیدہ رسالے سے

راہِ ہجرت پر:

سلام اس پہ کہ جس نے راہِ ہجرت میں قدم رکھا
روا اپنے لیے مخلوق کا بارِ ستم رکھا

قدم بوسی کی خاطر خود بھی جاتی تھی ہر وادی
وفورِ شرم سے صحرا میں چھپ جاتی تھی آبادی

سراقہ کا تعاقب:

ابھی پیچھا نہ چھوڑا تھا، مگر کفارِ مکہؐ نے
تعاقب کیلئے گھوڑے کو دوڑایا سراقہ نے

وہ دوڑاتا ہوا گھوڑے کو حضرتؐ کے قریب آیا
زمیں میں اپنے گھوڑے کو مگر دھنستا ہوا پایا

بریدہ اسلمی کا دستہ:

تعاقب میں بریدہ اسلمی بھی انکے آیا تھا
اسی لالچ میں وہ ستّر سوار ہمراہ لایا تھا

مگر مل کر نبیؐ سے دل کے دروازے کھلے ان کے
چراغِ معرفت صحبت سے کو دینے لگا انکے

اُمِ معبد کا خیمہ:

ملا پھر راستے میں ان کو خیمہ اُمِ معبدؓ کا
جہاں کچھ دیر ٹھیرا قافلہ حضرت محمدؐ کا

لگے مکہؐ سے چودہ دن پہنچنے میں مدینے کے
قیامت بن گئے یہ چند دن آدھے مہینے کے

مدنی زندگی کا آغاز:

مدینے کی زمیں تھی عشقِ پیغمبرؐ کا گہوارہ
لیے بیٹھے ہوئے تھے دشت و صحرا شوقِ نظارہ

لگی رہتی تھیں نظریں روزنِ دیوار کی اس دم
وہ دن برکت کا کب آئے گا جب آئیں گے پیغمبرؐ

انتظار:

مدینے والے تھے نظریں جمائے راہِ مکہؐ پر
کہ ہر اک فرد تھا آنکھیں بچھائے راہِ مکہؐ پر

ورودِ مسعود:

اسی عالم میں اک دم غنچۂ سرخ و طرب چٹکا
ستارہ چرخ کے ظلمت کدے سے یک بیک چمکا!

یکایک بزمِ خاموشی سے شور و غلغلہ اٹھا
نظر پڑتے ہی حضرتؐ کے لبوں سے مرحبا نکلا

اقامتِ جمعہ:

اقامت پہلے پیغمبرؐ نے گلزارِ قبا میں کی
وہاں جمعہ کو قائم کر کے تعلیمِ جماعت دی

ہجرت کے طویل بیان کے بعد تنظیم ملت، مسجد نبوی کی تعمیر، ازواج مطہرات کے حجرات اصحاب صفہ (تعلیم امت) انصار و مہاجر کے تعلقات و اسلامی بھائی چارگی اور اسلامی معاشرہ پر روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد شاعر نے سیاست نبوی، اخلاقی تربیت صحابہ درس فضائل اور عدل و انصاف جیسے موضوعات کو نظمایا ہے اور اس کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کی اہمیت و خصوصیت بھی بتائی ہے۔

بعد ازاں اسلامی عبادات کا احاطہ کیا گیا ہے، اسمیں نماز کی حقیقت، اذان کی ابتداء تحویل قبلہ، کعبہ کا قبلہ ہونا، روزے کا فریضہ، حکمت زکوٰۃ اور فریضہ حج کو نظم کیا ہے اسکے بعد کعبے کی پرانی تاریخ، اسلامی معیشت، انسانی قدروں کا احیاء اور کفر کے ردّ عمل پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ نیز پہلے بدر صغریٰ اور جہاد سے متعلق خدا کا حکم اور اسکی مشروعیت پر روشنی ڈالی ہے۔

بجھانے کیلئے اس آگ کو حکم جہاد آیا! — خدا کے اس جلالی حکم سے خود کفر تھرایا
دفاع باہمی ستھراؤ کر دیتا ہے باطل کا — کہ حق کی فتح یابی سے پتہ چلتا ہے منزل کا
مٹانے کیلئے طاقت پرستوں کے جہاد آیا — فریضہ جنگ کا بہر دفاع ہر فساد آیا[1]

کتاب کے آخر میں شاعر نے صرف غزوۂ بدر کے ابتدائی واقعات پر روشنی ڈالی ہے اسمیں اہل مکہ کا تجارت کے بہانے مدینے کی طرف حملے کی غرض سے کوچ کرنا، آپ صلعم کا صحابۂ کرام سے مشورہ کرنا اور ابو سفیان کا پریشان ہوکر اہل مکہ سے مزید امداد طلب کرنا وغیرہ نظمایا ہے۔ شاعر کو اسی حصّے میں غزوۂ بدر کے مکمل واقعات کو پیش کرنا چاہیے تھا تاکہ قاری کو دوسرے حصّے کی غزوۂ بدر سے متعلق مطالعے کی ضرورت محسوس نہ ہو اور اس کا بقیہ حصّہ دوسری جلد میں آیا بھی ہو تو مناسب ہوتا، شاعر دونوں جلدوں کو ایک ہی وقت میں شائع کرتے۔

بہرحال سیّد عابد علی وجدی نے اس حصّے میں سیرت النبی کے ان واقعات کا انتخاب کیا ہے جنہیں وہ اس حصّے کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ اس ضمن میں شاعر رقمطراز ہیں

[1] سید عابد علی وجدی منظوم سیرت النبی ۲ ۱۱۶ وجدی پبلی کیشنز ۹۵

" حضور علیہ السلام کی سوانحِ شریفہ کے اس لق و دق صحرائے اعظم میں قدرت خداوندی کی عجیب و غریب نشانیاں ہیں، حوادث و مشکلات کے سنگین پہاڑ، محنتوں ریاضتوں اور بے پناہ مشقتوں کے پھیلے ہوئے چٹیل میدان اور بعثت و دعوت کی قبولیت کے نشیب و فراز اور پھر منزلِ کامیابی کے درخشاں آثار ہیں۔ اس دشتِ بے کراں میں شعریت کے چمن کھلانا اور اس کو گل و لالہ کے تختوں سے سجانا اور سبزہ و گل کی روش بندی کا التزام کرنا ایک امر دشوار ہے، تاہم اس عظیم ریگستان میں جا بجا دلکش نخلستان آنکھوں کو تراوٹ بخشنے کیلئے نمودار ہوں گے اور اس دشت میں جا بجا خوشنما سبزہ زار باغ و بہار اور مناظر خوشگوار نظر آئیں گے ۔" [1]

اس منظوم سیرت النبیؐ کی خصوصیت یہ ہے کہ شاعر نے مستند واقعات کو سادہ مگر موثر انداز میں نظم کیا ہے۔ اور یہ کوشش کی ہے کہ واقعیت کے بیان پر تشبیہ و استعارہ کے گل بوٹوں سے تزئین کی جائے کہ اصلی واقعہ پردۂ شاعری میں گم نہ ہونے پائے۔ بہر کیف صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اور دو حصوں کے مطالعہ کے بعد ہی اس کتاب کی قامت و قیمت متعین کی جا سکے گی۔

---

[1] سید عابد علی وجدی، منظوم سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۸، وجدی پبلی کیشنز بھوپال 1990

# دانش فرازی

جنوبی ہندوستان کے ادباء و شعراء میں دانش فرازی کا نام انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اسلئے کہ ان کی مادری زبان اردو نہ ہونے کے باوجود دانش فرازی نے ایک عہد کو متاثر کیا ہے۔ دانش فرازی جن کا اصل نام باگی عبدالقادر تھا، یکم جولائی 1924ء کو آمبور میں پیدا ہوئے، ستاون سال کی عمر پاکر 25 فروری 1981ء میں مدراس میں وفات پائی۔

موصوف نے پانچ شعری تصانیف اور ایک نثری تصنیف یادگار چھوڑی ہے۔
(۱) "رگِ سنگ" قطعات کا مجموعہ ہے جو 1959 میں شائع ہوا تھا (۲) "آیاتِ فطرت" دراصل ایک طویل نظم ہے جو سورۂ فاتحہ کی منظوم تفسیر ہے۔ 1964 میں چھپی تھی۔
(۳) "نالۂ فرات" یہ مرثیہ حضرت امام حسینؑ کا ہے جو 1967 میں شائع ہوا تھا۔ (۴) "محسنِ اعظم" منظوم حیاتِ طیبہ ہے جو 1974 میں شائع ہوئی۔ (۵) "خدنگِ جستہ" یہ شعری مجموعہ ہے جو 1981ء میں شائع ہوا تھا۔ (۶) "فروغِ ادب و اخبارِ وطن" 1976 میں شائع ہوا۔ جو تذکرۂ شعرائے تملناڈو پر مبنی ہے۔

دانش فرازی کی ادبی خدمات کا اعتراف گذشتہ چالیس برسوں سے ادبی و علمی حلقوں میں کیا جاتا رہا ہے۔ مولانا نیاز فتح پوری اور ڈاکٹر وزیر آغا نے دانش فرازی کی نظموں کو ہمیشہ صفحۂ اوّل میں جگہ دی ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی نے 1951 میں یہ پیشن گوئی کی تھی کہ دانش فرازی کے پیکر میں ایک مفکر شاعر ہماری زبان میں ابھر رہا ہے۔ ایک عظیم نقّاد کی زبان سے ایسی رائے کا نکلنا یقیناً دانش فرازی کی شعری عظمت

کا اعتراف ہے۔ ذاکر حسین مرحوم نے دانشؔ کے قطعات کے مجموعے سے متاثر ہو کر دو صفحوں پر سیر حاصل تبصرہ لکھا تھا۔

زیر نظر مختصر سیرتِ طیبہ "محسنِ اعظمؐ" دانشؔ فرازی کی اولین خدمت ہے، اگرچہ کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں متعدد نعتوں کا نذرانہ پیش کیا ہے لیکن یہ پہلی طویل نظم ہے جس میں انھوں نے محسنِ انسانیت صلعم کی مختصر حیاتِ مقدسہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس طویل نظم میں پانچ سو اکتالیس اشعار ہیں جو بیالیس صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ابیات کی تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ "محسنِ اعظمؐ" ایک مختصر ترین منظوم سیرتِ نبویؐ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دانشؔ فرازی نے موضوعات کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اور صرف ان موضوعات کو شامل سیرت کیا ہے جس سے نبی کریمؐ کی زندگی کا مختصر سا خاکہ قاری کے سامنے آجائے۔ انھوں نے اس میں نثری اقتباس سے بھی کام لیا ہے جو منظوم سیرت میں کامنٹری کا کام دیتے ہیں۔ کتاب کی ابتداء نثری اقتباس سے ہوتی ہے

"حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو جب ایک ویران اور ہولناک بیابان میں چھوڑ دیا اور دور تک بے کسی اور سناٹے کا عالم طاری تھا، ہاجرہ نے سوچا، مشک میں ایک بوند پانی بھی نہیں ہے۔ ڈستے ہوئے اس ریگ زار میں پانی کے بغیر اس معصوم بچے کا انجام کیا ہوگا، کہیں اس ویرانے میں یہ دم نہ توڑ دے، ہاجرہ نے اس احساس سے چلا کر رو دیا۔"[1]

ظاہر ہے شاعر نے سیرتِ نبویؐ کی ابتداء حضرتِ ہاجرہ اور حضرتِ اسمٰعیلؑ کے اس واقعے سے کی ہے جب یہ دونوں صحرائے عرب میں بے یار و مددگار تھے اور ان کے مشکیزے کا پانی ختم ہو چکا تھا اور حضرتِ ہاجرہؑ پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے پہاڑوں پر دوڑ رہی تھیں، ہولناک بیابان کی خاموش فضا میں ایک انجانی آواز گونجی کہ ہاجرہ خدا

---

۱۔ دانشؔ فرازی "محسنِ اعظمؐ" ص ۵ نفیس پاور پریس بنگلور تاریخ اشاعت درج نہیں۔

خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو، پھر کیا تھا حضرت ہاجرہ نے دیکھا

ہاجرہ نے پھر یہ دیکھا ریت کے آغوش میں
ایک چشمہ پھوٹ کر نکلا ہے لطفِ خاص سے

دفعتاً نمناک آنکھوں میں چمک سی آگئی!
دور تک کوندے اٹھے موجِ شبنم کے دیئے

رفتہ رفتہ تھم گیا احساسِ تنہائی کا درد
گونج اٹھے دشتِ ویراں میں خوشی کے زمزمے [1]

اس مختصر بیان کے بعد شاعر اپنی بات بھی راوی کی حیثیت سے کہتا ہے۔

دے رہی ہے ہم کو یہ تاریخِ انسانی ثبوت
تھام لیتا ہے ہر اک بے کس کو دستِ کردگار [2]

اس کے بعد فوراً شاعر "بنائے کعبہ" کے موضوع پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باپ بیٹے نے مل کر اللہ کے پہلے گھر کی بناء ڈالی اور توحید کی صدا بلند ہوئی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کے خواب کا تین شعروں میں ذکر کیا ہے۔

[3]

خواب کو سچ کر دکھایا تو نے اے مردِ خلیلؑ     امتحان گاہِ محبت میں تو نکلا کامیاب

"اندھیرا گھپ اندھیرا" عنوان کے تحت عرب کا نقشہ کھینچا ہے، ان برائیوں پر روشنی ڈالی ہے جو اہلِ عرب میں پائی جاتی تھیں۔ اس کے بعد دعائے خلیلؑ کی مقبولیت کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ اب وہ نورِ مجسم دنیا میں جلوہ گر ہونے والا ہے جس کی روشنی میں جھوٹے خدا یعنی لات و منات بے نقاب ہو جائیں گے۔ شاعر نے آپ صلعم کی ولادت کا مختصر ذکر کیا ہے اور اسی کے ساتھ آپ صلعم کا دائی حلیمہ کے سپرد کرنے کا

---

1۔ دانش فرازی "محسنِ اعظم" ۴ ۵ نفیس پاور پریس بنگلور تاریخ اشاعت درج نہیں

2۔ " " " "

بھی ذکر کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پاکر دائی حلیمہ نے دونوں جہانوں کی نعمت پالی تھی، اس کے بعد آپ صلعم کے مکہ واپس آنے کا تذکرہ کیا ہے جب آپ صلعم کی عمر شریف چھے سال کی تھی، دادا عبد المطلب اور آپ کے انتقال کے بعد، ابو طالب نے آپؐ کی پرورش کی۔ نیز شاعر نے ابو طالب کے ہمراہ بارہ سال کی عمر میں آپ صلعم کے تجارتی سفر کو نظمایا ہے اور تجارت کے فروغ میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، جسکی اسلام تعلیمات دیتا ہے اسکی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

تھا جو معیار دیانت پہ نبیؐ کا این دین ہر طرح اہلِ عرب کرتے تھے دل سے احترام
راست گوئی اور امانت کا نبایا وہ اصول ! صفحۂ عالم پہ اب تک نقش ہے ہر ایک کام
آپ کا قبل نبوت بھی تو وہ کردار تھا !! صادق و نیک و امانت دار کہتے خاص و عام ۲

بعد ازاں آپ صلعم کی عبادتِ غارِ حرا کا ذکر کر کے آغازِ نزولِ وحی کے واقعہ کو نظم کیا ہے۔ نیز حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زیدؓ کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ آپ صلعم نے تبلیغ دین کی شروعات اپنے گھر اور اپنے رشتہ داروں سے کی تاکہ آغاز ہی میں اسلام کو نقصان نہ پہنچے پھر دعوتِ عام کے عظیم واقعہ کو نظم کیا ہے، جب آپ صلعم نے کوہِ صفا سے اعلانِ حق کیا تھا، شاعر نے کفار کے ظلم و ستم کی داستان بیان کی ہے۔ اور قدرے تفصیل کیساتھ مختلف واقعات پیش کئے ہیں، جن میں آپ صلعم پر ہوئے ظلم و ستم کے واقعات کے علاوہ آپ صلعم کے چاہنے اور ماننے والوں پر جو ظلم و ستم توڑے گئے ہیں ان کی تفصیل بھی پیش کی ہے اور ان واقعات کیساتھ ہجرتِ حبش پر روشنی ڈالتے ہوئے شعب ابی طالب کے قید و بند کی داستان بیان کی ہے۔ شعب ابی طالب کا محاصرہ ختم ہوا تو آپ صلعم ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی رحلت سے غم زدہ ہوئے اور قریشوں کے جور و ستم میں اضافہ ہوا۔ ان واقعات کی تفصیل شاعر نے بیان کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تبلیغ

---

۲ے دانش فرازی 'محسنِ اعظم' ۴ ۸ نفیس پاور پریس ملس بنگلور تاریخ اشاعت درج نہیں۔

اسلام سے دینِ اسلام کا جو دائرہ وسیع ہو رہا تھا، اس کا بھی ذکر کیا ہے۔

ہجرتِ حبشہ کے بعد ہجرتِ مدینہ کا مختصر حال بیان کیا گیا ہے، اسمیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا آپ صلعم کے ہمراہ ہونا، دشمنوں کا تعاقب کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بعافیت مدینہ تشریف لانا اور ایک مسجد کی بنیاد ڈالنا وغیرہ واقعات کو نظمایا گیا ہے۔

محسنِ اعظم نے ڈالی ایک مسجد کی بنا        مسجدِ نبوی سراپا مرجعِ خیر الانام!
جسکی ہر دیوار سے جھنکتا ہے نورِ جاں فروز        ہے جہاں صدیوں کا حاصل ایک لمحے کا قیام[1]

اور کتاب کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبے کا خلاصہ پیش کیا ہے جو آپ صلعم نے حج الوداع کے موقع پر دیا تھا، درج ذیل ان تین شعروں سے اس منظوم سیرت کا اختتام ہوا ہے۔

حل ہو گئے سارے مسائل کا ہے پیغامِ رسول        جلوۂ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا وہی!!
ذات سے وابستہ جن کی عظمتِ انسانیت        سارے عالم کیلئے ملجا وہی، ماوا وہی!
ہو گئی ہے آپ پر تکمیلِ دینِ حق رسا        حلقۂ آفاق کی تخلیق کا منشا وہی![2]

اس کتاب میں دانش فرازی کے پیشِ نظر علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی رہی ہے، اس کے ایک دو اقتباسات کو بھی انھوں نے پیش کیا ہے۔ یہ سیرتِ پاک پر ایک مختصر کتاب ہے اور غالباً اس غرض سے لکھی گئی ہو کہ اس سے عام مسلمان اور طلباء جنھیں شاعری سے دلچسپی ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی اور تعلیمات سے واقف ہو سکیں۔ کتاب کی زبان سادہ اور سلیس ہے کلام میں رنگینی کی جگہ سنجیدگی پائی جاتی ہے مگر یہ سنجیدگی دلچسپی سے خالی نہیں

---

[1,2] دانش فرازی "محسنِ اعظم" ص 45–47 نفیس پاور پریس بنگلور تاریخ اشاعت درج نہیں۔

# قیصر الجعفری

جدید دور کے جن شعراء نے صنفِ غزل کے ساتھ ساتھ نعتیہ شاعری میں بھی اپنی شناخت و پہچان بنائی، ان میں اہم نام قیصر الجعفری کا ہے۔ ماں باپ نے 14 ستمبر 1926ء میں سید زبیر احمد جعفری نام رکھا تھا، ادبی دنیا میں آپ قیصر الجعفری کے نام سے معروف ہیں، آپ دراصل غزل کے شاعر ہیں۔ آپ کا پہلا مجموعۂ کلام "رنگِ حنا" کے نام سے 1964 میں شائع ہوا۔ 1977 میں "سنگ آشنا" اور 1987 میں "دشتِ بے تمنا" کے نام سے دو اور مجموعے شائع ہوئے۔ لیکن قیصر الجعفری کو نعت گوئی سے بھی دلچسپی تھی اور یہ دلچسپی صرف اس حد تک نہیں جیسا کہ دوسرے شعراء کے یہاں ہوا کرتی ہے یعنی ہر مجموعے اور کلیات میں نعت و قصائد تبرکاً شامل کئے جاتے ہیں۔ بلکہ آپ ابتداء ہی سے اس صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ "رنگِ حنا" جب چھپا، اسی سال آپکی نعتوں کا مجموعہ "نبوت کے چراغ" شائع ہوا۔ تبھی اردو دنیا نے سمجھا کہ فنِ نعت گوئی کو نکھارنے کیلئے ایک اور شاعر قیصر الجعفری کی صورت میں مل گیا۔ اس مجموعے کی ایک نعت نے سارے ہندوستان میں دھوم مچا دی۔ محفل میلاد النبیؐ میں اکثر نعت خواں اس نعت کے شعر پڑھتے تھے، چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

کسی باقی نہ رکھی بزمِ امکاں جگمگانے میں ۔۔۔ عرب میں چاند نکلا چاندنی چھٹکی زمانے میں

کسی شے کی تمنا بھی نہیں ہمکو زمانے میں ۔۔۔ مدینہ لکھ دیا جائے ہمارے آب و دانے میں

حرا کے غار سے شمعِ نبوت کی کرن پھوٹی ۔۔۔ اُجالا ہی اُجالا ہو گیا سارے زمانے میں

محمد مصطفیٰ کے نام سے طوفاں کا رُخ پھیرا — ذرا سا فاصلہ تھا دل کی کشتی ڈوب جانے میں

یہ تمہید باندھنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ نے دفعتاً نعتیہ شاعری کی طرف توجہ مرکوز نہیں فرمائی، بلکہ آپ کا طبعی میلان صنفِ نعت کی طرف بچپن ہی سے تھا۔ اس لئے 'ادارہ ادب اسلامی ہند' کے جنرل سکریٹری محترم جناب انتظار نعیم نے امیر جماعتِ اسلامی ہند مولانا محمد یوسف کی خواہش آپ کے سامنے رکھی۔

"..... عوام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بڑے پیمانے پر روشناس کرانے کیلئے اسکو منظوم کرکے پیش کیا جائے تو بہت مفید ہوگا....." ۱

تو قیصر الجعفری کے ذوقِ عقیدت کا جام چھلکا اور آپ نے سیرت کی تمام تر عظمت اور تقدس برقرار رکھتے ہوئے اس عظیم کام کے کرنے کا عزم کرلیا۔ جس طرح مولانا الطاف حسین حالی نے سر سید احمد سے تحریک پاکر اردو کی مشہور نظم مدوجزرِ اسلام (مسدسِ حالی) لکھ ڈالی تھی، کچھ اسی طرح قیصر الجعفری کو تحریک ملی تو آپ کو "چراغِ حرا" لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

زیرِ نظر سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "چراغِ حرا" کی ابتداء قیصر الجعفری نے 7 مارچ 1996 میں کتاب کے ابتدائیہ سے کی، شاعر نے اس ابتدائیے کو ایک رسالے "ذہنِ جدید" میں پہلے شائع کیا تھا، قارئین نے اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا، دادِ تحسین کے خطوط موصول ہوئے۔ اس سے شاعر کا حوصلہ بڑھا اور ایک سال کی قلیل مدت میں بقولِ قیصر الجعفری وقفے وقفے سے واقعات نظم ہوتے گئے، اگرچہ کہ ایک منظم ترتیب کے تحت یہ واقعات نظم نہیں کئے گئے بلکہ جس عنوان نے پہلے متاثر کیا یا جس پر ذہن آمادہ ہوا وہ نظم کے پیکر میں ڈھلتا گیا۔ یعنی واقعات تاریخی ترتیب سے نظم نہیں ہوئے لیکن بعد میں ترتیب دے گئے جسکا اعتراف خود شاعر نے "پہلا ورق" میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

---

۱ قیصر الجعفری "چراغِ حرا" عنوان "سیرتِ سیدِ کونین ﷺ" از انتظار نعیم ص ۹۲ ادارہ ادب اسلامی 1997

"حیاتِ نبوی ؐ" کے حالات اطبقہ آگئے پیچھے لکھے گئے اور ترتیب بعد میں ہوئی ہے۔ اسلئے دو ابواب کے بیچ اگر کہیں بے ربطی کا احساس ہو تو اسے ناظرین دیکھا جائے ۔۔۔۔ ۱

جب "چراغِ حرا" کے ابواب پر نظر پڑتی ہے تو ایسا نہیں لگتا کہ دو واقعات کے مابین کوئی خلا پیدا ہو گیا ہو اور اگر کہیں واقعات کا تسلسل ٹوٹ بھی گیا ہے تو اسکی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہمہ جہات پہلو رکھتی ہے۔ اور اس میں اتنا تنوع ہے کہ ان تمام واقعات کو جو ہزاروں صفحات پر پھیل سکتے ہیں ایک مختصر کتاب میں لکھا کرنا ناممکن ہے۔ تاہم اس کتاب کے مطالعے سے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا عکس نظروں کے سامنے آجاتا ہے یعنی اس منظوم سیرت میں شاعر نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی اہم اور خصوصی اہمیت کے حامل واقعات اور آپ صلعم کی زندگی کے مختلف گوشوں کو بڑی خوش اسلوبی سے نظم کیا ہے۔

یہ منظوم سیرت "چراغِ حرا" 1997 میں ادارۂ ادبِ اسلامی ہند، دہلی کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی، عنوان کی مناسبت سے سرورق پر پس منظر میں چراغ کی لو دکھائی گئی ہے اور اس لو سے سات رنگوں میں روشنی پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہے اور جلی حرفوں میں "چراغِ حرا" (منظوم سیرتِ نبوی ؐ) لکھا ہوا ہے۔

یہ کتاب دو سو سینتالیس صفحات کی ضخامت رکھتی ہے، جس میں شاعر نے پچپن عنوانات قائم کیے ہیں۔ ایک پورے صفحے پر بارہ اشعار آئے ہیں۔ اصل کتاب کا آغاز جیسا کہ اوپر ذکر گزر چکا ہے۔ "ابتدائیہ" کے عنوان سے ہوتا ہے۔ جس میں مصنف نے اپنی گذری ہوئی زندگی پر افسوس کا اظہار کیا ہے ۔۔۔۔۔

---

۱۔ قیصر الجعفری "چراغِ حرا" پہلا ورق ۲ 13-12 ادارۂ ادبِ اسلامی ہند دہلی 1997

کہ یہ رائیگاں گذر گئی، لیکن خدا کا شکر ہے۔ ہر وقت خیالوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس رہی، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج سیرت کی تمہید کا آغاز کیا ہے

کوچہ دل میں بڑی گرد اڑائی میں نے — تھک گئے پاؤں مگر راہ نہ پائی میں نے
پھر بھی اک نورِ رسالت کہ خیالوں میں رہا — میں اندھیروں میں رہا ذہن اجالوں میں رہا
رائیگاں ہونیکا احساس دلایا تو سہی — زندگی! تو نے مجھے آج رلایا تو سہی

اور آگے لکھتے ہیں ؎

سیرتِ احمد مختار مجھے لکھنی ہے! — مدحتِ سیدِ ابرار[۲] مجھے لکھنی ہے!

قیصر الجعفری نے ابتداء ہی میں اپنے کلام کو اتنا موثر بنا دیا ہے کہ یہ غیر ممکن ہے کہ قاری یہ ابتدائیہ پڑھے اور اسکے دل میں ساری کتاب پڑھنے کی تمنا جنم نہ لے۔ استطار نعیم اس ضمن میں رقمطراز ہیں۔

"چراغِ حرا" کا ابتدائیہ ہی غزل کے تمام تر حسن اور فن کی پختگی سے آراستہ اور نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق و وارفتگی کی ایسی کیفیت سے سرشار ہے کہ اسکے پڑھ لینے کے بعد پوری کتاب کے مطالعے کی خواہش اور تڑپ خود بخود بیدار ہوتی ہے اور یہ شاعر کی بہت بڑی کامیابی ہے ـــــــ [۱]

تمہید میں سیرت نبوی کے لکھنے کا پروگرام پیش کرتے ہیں کہ وہ اس میں کیا کیا لکھنا چاہتے ہیں ؎

رنگ سوکھے ہوئے پھولوں میں سمونا ہے مجھے — اپنے اشعار میں صدیوں کو پرونا ہے مجھے
ورق سادہ کی تقدیر سنورتی جائے !! — میری تحریر سے تاریخ ابھرتی جائے!

اور اسکے لیے وہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ خدا انکی صحت و قلم میں توانائی عطا کرے اور شعروں میں تاثیر ؎

---

۱۔ قیصر الجعفری "چراغِ حرا" "سیرتِ سید کونین ہے" از استطار نعیم ص ۱۱۵ ادارۂ ادب اسلامی ہند، دہلی 1997

ساری تاریخ سمو دے مری بینائی میں        آ بسے مضمون اتر کر مری تنہائی میں
سیرتِ پاک پہ لکھنے کی سعادت دیدے        میرے افکار مری عمر میں برکت دیدے
میرا اللہ لکھائے تو لکھا جائے گا!        ورنہ سیرت کا احاطہ نہ کیا جائے گا

آں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ لکھنے والوں کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل آپؐ کے جدِّ اعلیٰ کے ذکر سے سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء کرتے ہیں۔ قیصر الجعفری نے "دورِ ابراہیمؑ" کے عنوان سے حضرت ابراہیمؑ کی مختصر حیات پر روشنی ڈالی ہے اشاروں اور کنایوں کی زبان استعمال کر کے دورِ ابراہیمؑ کو نظمایا ہے ابتدائی دو شعروں میں نمرود اور حضرت ابراہیمؑ کی کشمکش کو ظاہر کیا ہے جس سے حضرت ابراہیمؑ کا بے خطر شعلوں میں کود پڑنا اور پھر شعلوں کا ——— گلزاروں میں تبدیل ہونے کا منظر قاری کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

آگ بھی بھول گئی سارا جلانا جلنا        حق پہ ایمان تھا مشکل تھا نبیؐ کا جلنا

پھر حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش جو خدا نے کی تھی اس کا ذکر کیا ہے، جس میں اللہ نے اپنے رسول حضرت ابراہیمؑ سے خواب میں اُن کی قیمتی چیز خدا کی راہ میں نذر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اونٹوں کی قربانی دے کر اس خواب کو پورا کرنا چاہا، مگر مسلسل خواب میں سب سے عزیز چیز طلب کی گئی اور حضرت ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ اللہ کو فرزند عزیز کی قربانی مقصود ہے۔ قیصر الجعفری نے اس پورے واقعہ کو کم سے کم الفاظ میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ صرف چھتیس 36 شعروں میں پورے واقعہ کیساتھ ساتھ حضرت اسمٰعیلؑ کے صبر و رضا، اطاعت و فرمانبرداری کا احاطہ کیا ہے اور اس انداز سے اس عنوان کو تکمیل تک پہنچایا ہے کہ آخر کے شعروں کو پڑھتے ہی یہ محسوس ہوتا ہے کہ آئندہ کے باب میں شاعر کس واقعے

کو منظوم کرنا چاہتا ہے۔

آؤ نقوشِ ہم کے اوراق پلٹ کر دیکھیں! — آؤ صدیوں کے حجابات الٹ کر دیکھیں
دیکھیں اس دشت میں کعبے کی بنا کیسے پڑی — آسمانوں کی سماعت میں صدا کیسے پڑی

"چشمۂ زم زم" چراغِ حرا کا دوسرا عنوان ہے۔ اور عنوان سے پہلے باب کے آخر شعروں سے ظاہر ہے کہ اس میں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی مصیبت زدہ زندگی کو پیش کیا گیا ہے، جب حضرت ابراہیمؑ نے خدا کے حکم سے دونوں کو صحرا کے حوالے کر دیا تھا جہاں زندگی کے آثار ہی نہیں تھے، اس منظر کو کس خوش اسلوبی سے شاعر نے پیش کیا ہے، ملاحظہ کیجیے۔

وہ احترامِ مشیت، وہ جذبۂ تسلیم — اکیلا چھوڑ گئے ہاجرہ کو ابراہیمؑ!
نظر اٹھائی تو تا دور ریت پھیلی تھی — بس ایک جان کہ بچے کے ساتھ اکیلی تھی
عجیب حال تھا بے بام و در سرائے کا — نہ پانیوں کا ٹھکانہ کہیں نہ سائے کا

اسکے بعد حضرت ہاجرہ کا بے زار ہو کر پانی کی تلاش میں کوہِ صفا و مروہ پر دوڑنا نیز حضرت اسمٰعیلؑ کی ایڑیوں کی رگڑ سے صحرا میں پانی کا چشمہ جاری ہونا وغیرہ واقعات کو منظوم کیا ہے، اس عنوان کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ منظر نگاری کی عمدہ مثال ہے۔

اس واقعے کے بعد دورِ جاہلیت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ یہ دکھانے کیلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف آوری سے پہلے عرب کی کیا حالت تھی اہلِ عرب کا کردار کیسا تھا اور وہ کن کن برائیوں میں ملوث تھے، ان کا دینی عقیدہ کیا تھا۔ خانۂ کعبہ میں کتنے بت تھے، بتوں کے علاوہ وہ کن کن کی پرستش کرتے تھے جنگ و جدال کا کیا عالم تھا لڑکیوں اور عورتوں کیساتھ ان کا کیا سلوک تھا اور ان کی تجارت کن ملکوں میں ہوا کرتی تھی، وغیرہ واقعات کو "دورِ جاہلیت" کے عنوان کے تحت نظم کیا ہے، پھر عبدالمطلب اور انکے گھرانے کا ذکر کیا ہے اور انکی خوبیاں

بیان کی ہیں ۔۔۔

سر برآوردہ عرب میں تھا گھرانا ان کا ۔۔۔ پاؤں چھوتا تھا زمانے کا زمانا ان کا

اسکے بعد ابرہہ کے لشکر کی کعبہ پر چڑھائی اور لشکر کی تباہی کا احوال تفصیل سے لکھا ہے اور قرآن کے حوالے سے اس واقعہ کی تصدیق بھی کی ہے ۔۔۔

کعبے والے ہی نے کعبے کی حفاظت کردی ۔۔۔ سورۂ فیل نے تصدیق حقیقت کردی

اور آخر میں آئندہ ہونے والے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

اسکے پیچھے ہی تھی محبوب خدا کی آمد ۔۔۔ ایک ویران بیاباں میں صبا کی آمد!
راہ سے لوٹ گئی جو شب تار آئی تھی ۔۔۔ جب خزاں لوٹ کے بکھری تو بہار آئی تھی [1]

پھر سیرت نگار عرب کے حالات کو بیان کرکے آپ صلعم کی آمد کا ذکر کرتا ہے قیصر الجعفری بھی اسی روش پر چل پڑے اور ایک عنوان قائم کیا، "آمد" ظاہر ہے اس میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ آپ صلعم اس دنیا میں کب تشریف لائے ؟ اسوقت زمین و آسمان کا کیا منظر تھا ۔ اور آپ صلعم کے پیدا ہوتے ہی کس طرح مکّہ کی فضا میں نام "محمدؐ" سے گونج اٹھیں

روشنی عرش کی مکّہ کے در و بام پہ تھی ۔۔۔ منزل بعثت نبیؐ سامنے دو گام پہ تھی [2]
بطن مادر میں جو موتی تھا زمرّد ٹھہرا ۔۔۔ دھوم مکّے میں ہوئی نام محمدؐ ٹھہرا

اور آگے کہتے ہیں ۔۔۔

وہ محمدؐ جسے سرمایۂ جاں ہونا تھا ۔۔۔ وہ نبیؐ جس کو یتیمی میں جواں ہونا تھا [3]

شاعر نے آپ صلعم کے تولد کے بعد جو نشانیاں ظاہر ہوئیں جن کی بیش تر سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے، ان کو مختصراً پیش کیا ہے ۔

---

۱ قیصر الجعفری "چراغِ حرا" ص 32 ادارہ ادب اسلامی، دہلی 1997
۲،۳ قیصر الجعفری "چراغِ حرا" ص 33 ادارہ ادب اسلامی، دہلی 1997

اسکے بعد "وہ نبیؐ" "وہ محمدؐ" کی تکرار سے آپ صلعم کی صفات کو بیان کیا ہے اس تکرار سے شاعر نے کلام میں دلکش کیفیت پیدا کردی ہے۔

وہ محمدؐ، ابو طالب کی نظر کا تارا ! وہ نبیؐ، ظلمتِ عالم میں سحر کا تارا[1]

وہ محمدؐ، کہ صحیفوں میں خبر تھی جس کی وہ نبیؐ، عالمِ فردا پہ نظر تھی جس کی

وہ محمدؐ، جیسے صبا کی اذاں ہونا تھا وہ نبیؐ، جس کو زمانے کی زباں ہونا تھا

(اسی قبیل کے شاعر نے جو بیس شعر انتہائی عقیدت سے لکھے ہیں، میرا خیال ہے کہ اگر ان شعروں کو الگ سے لکھا جائے تو ایک موثر نعت بن جائے (ان اشعار کو پڑھتے ہی ماہر القادری کے سلام کے اشعار یاد آتے ہیں۔ جس میں انھوں نے "سلام اس پر کہ جس نے " کی تکرار سے سلام لکھا تھا، جیسے لطف لے کر آج بھی نبیؐ کی امت پڑھتی ہے)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد شاعر نے اس بات کا اظہار کیا ہے اب "طلوعِ سحر" ہوئی، ایک ایسی صبح جس کی روشنی نے ساری زمین روشن کردی جس سے انسانوں کے ضمیر روشن ہوئے، سکوتِ وجود ٹوٹا، سیاہی کے داغ مٹ گئے۔ اسی صبح نے محبت کے راستے کھول دیے، وفا، حمیت وقار و حیا کی زندگی میسر ہوئی اور زندگی کو ایک نیا راستہ ملا - پھر یہ کہ اس صبح نے توحید کی شمع جلائی -

پھر اسکے بعد نئے طور آشکار ہوئے پھر اسکے بعد چراغِ حرا ہوا روشن

پھر اسکے بعد محبت کے راستے نکلے پھر اسکے بعد سراغِ وفا ہوا روشن[2]

بعد ازاں "سراپائے رسولؐ" کھینچا ہے، جس میں آپ صلعم کے رخِ مبارک، قدِ مبارک، دندانِ مبارک، سینۂ مبارک، زلفِ مبارک اور آپ صلعم کے تبسم و تکلم کی خصوصیات کو تشبیہات و استعارات کی مدد سے نظم کیا ہے۔

---

1 قیصر الجعفری "چراغِ حرا" ص 34 ادارۂ ادبِ اسلامی 1997

2 قیصر الجعفری چراغِ حرا" ص 37 ادارۂ ادبِ اسلامی 1997

چہرۂ پاک پہ والشمس کی تابانی تھی — دیکھ کر چاند سا منہ، چاند کو حیرانی تھی

لب لعلیں سے گلابوں کی مہک آتی تھی — دیکھ لینے سے ستاروں میں چمک آتی تھی [۱]

اسی باب میں سراپا کیسا تھا آپ صلعم کا انداز مسیحائی، آپ صلعم کی امت کیلئے تڑپ، آپ صلعم کی دعائیں، اور ان کا قبول ہونا وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دائی حلیمہ رضہ کے سپرد کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے اور آپ صلعم کے بچپن کے حالات نظم کئے ہیں جو آپ صلعم نے سعدیہ حلیمہ رضہ اور ان کے بچوں کے ہمراہ گذارے اور اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دائی حلیمہ رضہ کے گھر سے مفلسی کا سایہ ہٹ گیا۔

سعدیہ رضہ گود میں انوار سمیٹے گئیں — مل گئی دولت کونین تو گھر لے کے گئیں [۲]

اسی عنوان کے تحت پہلے شق صدر کا واقعہ بھی بیان کیا ہے، جو آپ صلعم کو بچپن میں بکریاں چراتے ہوئے پیش آیا تھا اور دائی حلیمہ اس واقعے کو سن کر پریشان ہوئی تھیں اور آپ کو حضرت آمنہ رضہ کے حوالے کرنے کا قصد کر لیا تھا۔

اس کے بعد خاندانِ ہاشم کی عظمت و وقار کا ذکر کیا ہے۔ پھر حضرت بی بی آمنہ اور حضرت عبدالمطلب کی وفات کا ذکر کرکے حضرت ابو طالب کی پرورش میں آپ صلعم نے جو زندگی گذاری اسکی تفصیل بیان کی ہے، جس میں خصوصیت سے تجارتی سفر کا تذکرہ ہے اور بحیرا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئی کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوں گے

سنو کہ اسے نبوت اترنے والی ہے — تمہارے گھر سے یہ خوشبو بکھرنے والی ہے

---

۱۔ قیصر الجعفری "چراغ حرا" ص 38 ادارہ ادب اسلامی، دہلی 1997

۲۔ قیصر الجعفری "چراغ حرا" ص 42 ادارہ ادب اسلامی، دہلی 1997

پھر اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہؓ کے نکاح کا بیان آیا ہے، قیصر الجعفری نے جن خاص خاص واقعات کا انتخاب کیا ہے انکو ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے بعد کعبہ کی تعمیر نو، حرا اور مدینے کا پس منظر کے زیرِ عنوان کعبہ، غارِ حرا اور مدینے کی خصوصیات و تقدس پر روشنی ڈالی گئی ہے

بعد ازاں اعلانِ نبوت اور اس سے متعلق واقعات کو نظم کیا ہے اور کفارِ مکہ کی ایذا رسانیاں اور آپ صلعم کا شعب ابی طالب میں محصور ہونا وغیرہ واقعات کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔ اسکے بعد بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانی نیز وادیٔ طائف کا ذکر کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا واقعہ "معراج" کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

سیرتِ نبوی میں واقعہ "ہجرت" کی کافی اہمیت ہے۔ اس واقعے کو ہر سیرت نگار نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ قیصر الجعفری نے اس واقعے کو قدرے تفصیل سے پیش کیا ہے اور اس سے تعلق رکھنے والے واقعات یعنی "مدینے میں انتظارِ رسولؐ" "مدینے میں دار القیام" "مسجدِ وادی" "مسجدِ نبویؐ" اور اذان پر روشنی ڈالی ہے۔

غزوات میں "معرکۂ بدر" غزوۂ قینقاع، غزوۂ سویق، جنگِ احد، اور غزوۂ خندق، جنگ بنی قریظہ۔ غزوۂ خیبر، غزوۂ موتہ، فتحِ مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک وغیرہ کا تفصیلی ذکر کر کے شہیدانِ رجیع، بیرِ معونہ اور مسجدِ ضرار جیسے موضوعات پر اظہارِ خیال کیا ہے، ان کے علاوہ چند اور عنوانات جن پر شاعر نے روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں، زوالِ قیصر و کسریٰ، عمرۃ القضا اور انقلابِ اسلام وغیرہ۔ ان عنوانات و موضوعات کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قیصر الجعفری کو نہ صرف تاریخِ اسلام سے دلچسپی ہے، بلکہ وہ اسمیں دسترس بھی رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں شفیق الرحمٰن شارق لکھتے ہیں:

"...... یہ تمام عنوانات اس لئے ذکر کئے گئے ہیں کہ ان سے شاعر کے تاریخی شعور اسکی فکری حدود اور اسلامی انقلاب سے متعلق اسکے تہذیبی و تمدنی ادراک اور نظریات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔۔۔ ۱

غزوات کے بیان پر قیصر الجعفری نے بہت زور دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ کفارِ قریش نے جو ناپاک منصوبے بنائے تھے اسکی جوابی کارروائی کے نتیجے میں ہی اہلِ اسلام نے جہاد کیا اور اپنے ہاتھوں میں تلوار اٹھائی۔ شاعر نے ان تمام عوامل کا ذکر "غزوات کا پس منظر" کے عنوان کے تحت کیا ہے اور غزوات کے پیش آنیکی وجوہ بتائی ہیں۔

معاشرے کو برائی سے پاک کرنا تھا　　منافرت کے گریباں کو چاک کرنا تھا!
جہاں کو رشتۂ توحید میں پرونا تھا　　جبینِ وقت سے صدیوں کا داغ دھونا تھا

اسکے ساتھ اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اسلام نے جہاں ضرورتوں کے تحت تلوار اٹھائی، وہیں اسلام اور اہلِ اسلام کے کرم اور فیاضی کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ جو یقیناً اسلامیوں کا شیوہ ہے، فرماتے ہیں

جو انکے ہاتھ میں تلوار تھی تو پھول بھی تھے　　وہ تاجدارِ مدینہ بھی تھے، رسولؐ بھی تھے
وہ قتل و خون پہ آنسو بہانے لگتے تھے　　وہ زخم کھا کے دعائیں لٹانے لگتے تھے
جہاں لہو تھا وہاں چشمۂ مروت بھی　　یہ ذاتِ پاکِ محمدؐ میں تھی محبت بھی ۲

اور ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، جن کا خیال ہے کہ اسلام تلوار پر بھروسہ کرتا ہے۔ اور زور زبردستی اسلام کی اشاعت میں مصروف ہے۔

کہاں ہیں وقت کے آثار دیکھنے والے　　کرم بھی دیکھ لیں تلوار دیکھنے والے ۳

آخر میں کہتے ہیں

فسادِ خون کو نشتر بہت ضروری ہے　　ستم کی کاٹ کو خنجر بہت ضروری ہے

---

۱ آدم سیم مرتب نوائے ادب جلد 49 شمارہ ۱ مضمون قیصر الجعفری کی نعت گوئی ص 28 1999

ایک شعر میں جنگ کے پورے فلسفے کو سمو دیا ہے۔

اس ضمن میں "حدیبیہ کا سفر" صلح حدیبیہ اور خاص کر 'فتح مکہ' کا حصہ سب سے اہم اور سب سے بڑا ہے، اسکے لئے شاعر نے ایک سو چار اشعار وقف کئے ہیں، چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

یہ فیصلہ ہوا کہ لڑا جانا چاہیے
سب بتوں کا بھی جواب دیا جانا چاہیے

مکے کے لوگ وعدہ خلافی تو کر گئے
انجام کا خیال جو آیا تو ڈر گئے

—

سارا غرور اہل ستم خاک ہو گیا
آلا سُتوں سے صحن حرم پاک ہو گیا [1]

غزوات اور اس سے تعلق رکھنے والے موضوعات کے بعد قیصر الجعفری نے اس منظوم سیرت کا آخری حصہ جو اسلامی تاریخ و اسلامی تعلیم کا انتہائی اہم حصہ ہے، نظم کیا ہے۔ یعنی "حجۃ الوداع" کو بہت ہی اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے اور صرف تیس اشعار میں "حجۃ الوداع کا سفر"، مناسک حج کی ادائیگی، آخری وحی الٰہی کا نزول، حضرت صدیق اکبرؓ کا اس موقعے کی نزاکت کو سمجھنا اور اس عظیم خطبے کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ کہ ان مضامین کو قدرے تفصیل سے پیش کیا جانا تھا اس ضمن میں شفیق الرحمن شارق رقمطراز ہیں :

"...... بیان کیلئے کچھ اور وسعت چاہیے تھی، اس حصّے کیلئے تیس اشعار کافی نہیں تھے، ان تمام باتوں کو قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت تھی یہاں اختصار نے ہمیں اللہ کے آخری نبی اور رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کی حاضری میں رہنے اور آپ صلعم کی شایعت کیلئے وقت کم دیا ہے، ہم آپؐ کے خطاب کو بھی پورے طور پر سننے سے محروم رہے ــــــ" [2]

---

1۔ قیصر الجعفری 'دراغ حرا' ص 216, 224 ادارۂ ادب اسلامی ہند دہلی 1997

2۔ آدم شیخ (مرتب) سہ ماہی 'نوائے ادب' جلد 49 شمارہ 1 مقالہ قیصر الجعفری کی نعت گوئی "دراغ حرا کی روشنی میں" ص 29 1999

بہر کیف شاعر نے ان تیس[30] شعروں میں "حجۃ الوداع" کی کیفیت پیش کرنے کی سعی کی ہے اور اس موضوع کا اختتام ان اشعار سے کیا ہے۔

یہ حرف حرف بشارت ہے بشر تک کیلئے ۔ حجاز میں نہ رہے گا نشانِ کفر کہیں
نبی ﷺ کے بعد کوئی آسرا نہیں قیصر — ! خدا کے بعد کوئی ہمدم و انیس نہیں !!

اس سیرت کا آخری ذیلی عنوان "وصالِ پاک ہے" عنوان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسمیں رسول پاک صلّی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا بیان ہے، لیکن شاعر نے صرف دو شعروں میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ کرنیکا ذکر کیا ہے اور جب یہ دو شعر پڑھے جاتے ہیں تو مایوسی ہوتی ہے، وہ دو شعر یہ ہیں ۔

سمجھ رہی ہے مشیّت بساطِ فکر مری ۔ قلم سکوت زدہ ہے تو کوئی بات نہیں !
وصالِ سرورِ عالم پہ یہ سخن ہے بہت ۔ کہ نور سطحِ زمیں پر ہے شمع زیرِ زمیں

صرف آخری مصرعہ ع
"کہ نور سطحِ زمیں پر ہے، شمع زیرِ زمیں"
میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا تذکرہ ملتا ہے ۔

بہر کیف یہ سیرت نبوی ﷺ بہت سی خوبیاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ مقدسہ کا احاطہ کرتی ہے، شاعر نے سیرت کی مکمل تصویر کشی کیلئے مختلف عنوانات کا انتخاب کیا ہے۔ واقعات کے بیان میں کہیں تفصیل سے تو کہیں اختصار سے کام لیا ہے، یہی وہ چیز ہے جو قیصر الجعفری کی منظوم سیرت نگاری کو عام نعت نگاری سے الگ کرتی ہے "چراغِ حرا" کا فنی تجزیہ کرتے ہوئے شفیق الرحمٰن شارق نے کتنی صحیح بات کہی ہے ۔

"پوری نظم ایک نہایت اہم شعری تخلیقی کاوش ہے اور ایک روشن پاکیزہ فضا کی حامل ہے ۔ یہ ہر لحاظ سے سراہے جانے کی مستحق ہے —"[1]

---

[1] آدم شیخ مرتب سہ ماہی نوائے ادب جلد نمبر 49 شمارہ نمبر 1 مقالہ "قیصر الجعفری کی نعت گوئی" "چراغِ حرا" کی روشنی میں از شفیق الرحمٰن شارق ص 30

اس منظوم سیرت کا ہر عنوان قاری کو متوجہ کرتا ہے، کتاب کا کوئی صفحہ ایسا نہیں جس میں روانی و آمد نہ ہو — اس پوری نظم میں ایک ایسی دلکشی اور دل آویز کیفیت ہے جو بہت کم دیکھنے میں آئی ہے، چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

جو در و بام ہیں سب ایک ہی بنیاد سے ہیں
جو رسول آئے براہیمؑ کی اولاد سے ہیں!
سلسلے جتنے ہیں ذریّتِ اسحاقؑ سے ہیں
جو ستارے ہیں وہ روشن اسی آفاق سے ہیں

درود ابراہیمؑ ۱ ؎

وہ محمدؐ وہ پیمبر وہ رسولِ آخر
وہ نبیؐ سارے اصولوں میں اصولِ آخر
وہ محمدؐ جسے دنیاؤں کی دنیا کہیئے
وہ نبیؐ جسکو مشیّت کا ارادہ کہیئے
وہ محمدؐ جسے انسانِ مکمل کہیئے!
وہ نبیؐ جسکی رسالت کو مسلسل کہیئے ۲ ؎

آمد

آمنہ کی جو محمدؐ پہ نظر پڑتی تھی!
چاندنی ان کی نگاہوں میں اتر پڑتی تھی
انکی انگنائی میں چمکا تھا ستارا ایسا!
چشمِ آفاق نے دیکھا نہ دوبارا ایسا
بچپنا دوسرے بچوّں سے جدا گانہ رہا
کھیل اور کود سے، ہر چیز سے بیگانہ رہا ۳ ؎

سعدیہ حلیمہؓ

وہ ملک ٹل گئی سر سے جو ہونیوالی تھی!
جو دشتِ ودر کو لہو میں ڈبونے والی تھی
جمالِ دستِ محمدؐ چھلک رہا ہے وہیں
جہاں رکھا تھا وہ پتھر چمک رہا ہے وہیں
نبیؐ کا نور حجابات میں چھپا تھا ابھی
یہ آفتاب سحر رات میں چھپا تھا ابھی
کتابِ عہد کی ترتیب ہو رہی تھی ابھی!
نئے شعور کی تہذیب ہو رہی تھی ابھی ۴ ؎

کعبہ کی تعمیر نو

---

۴،۳،۲،۱ ؎ قمر الجعفری "چراغِ حرا" ۲۰ ص بالترتیب ۳۵، ۴۱، ۵۱، ادارۂ ادبِ اسلامی ہند ۱۹۹۷

اذاں روح کی پرواز دل کی دھڑکن ہے
اذاں ارض و سما کی صدائے روشن ہے!
اذاں روحِ ثریا کا اہتمامِ سفر!
اذاں مشرق و مغرب، اذاں شام و سحر
اذاں موسمِ گل ہے، اذاں، موجِ صبا
اذاں ذوقِ عبادت، اذاں حرفِ دعا!
اذاں عشقِ خدا ہے اذاں عشقِ نبی ﷺ
اذاں بادۂ وحدت، اذاں تشنہ لبی [1]
اذاں

دلکشی کی یہ کیفیت دو چار صفحات پر ہی نہیں بلکہ پوری کتاب میں ملے گی اور شاعر کی یہ نوا لحنِ داؤدی سے کم نہیں۔

چراغِ حرا، ایک طویل منظوم سیرتِ نبوی ﷺ ہے۔ اور ایسی نظموں میں خامیاں بھی در آتی ہیں، مثلاً "چشمۂ زم زم" کا یہ شعر دیکھئے۔

قدم رکھیں تو رکھے بھی نہ جائیں پتھر پر
برس رہے تھے وہ شعلے زمیں پر تر تر پر

"زمیں پر تر پر" سے شاعر کی کیا مراد ہے، سمجھ میں نہیں آئی۔

"دورِ جاہلیت" کا پہلا شعر یہ ہے۔

اُڑا چلا میرا قلم کیوں صدی کے پہلے
کتنی تاریکی تھی یہاں عہدِ نبوی ﷺ کے پہلے

عہدِ نبوی ﷺ سے پہلے صحیح ہے۔ مگر ردیف کو نبھانے کیلئے شاعر نے ایسا کہا ہے
اسی کا اور ایک شعر ہے

دوسرے کا میں نہیں بوجھ اٹھانے والا
میں تو چرواہا ہوں اک اونٹ چرانے والا

دوسرے مصرعے میں "اک" کے بجائے "بس" استعمال ہوتا تو مصرعے کی چول ٹھیک بیٹھتی "حرا" عنوان کا ایک شعر ہے۔

یہ نور دامنِ مریم ؑ کو دھونے والا تھا
یہ نور لاشۂ عیسیٰ ؑ پہ رونے والا تھا

دوسرا مصرع بے معنی ہے۔ اور قرآنی احوال کے خلاف ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ ؑ
- کے لاشے

---

۱۔ قیصر الجعفری "چراغِ حرا" ص 107, 108 ادارۂ ادب اسلامی ہند، دہلی 1997

کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، اسلئے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ جہاں تک واقعات کے انتخاب کا تعلق ہے، قیصر الجعفری اسمیں کامیاب ہوئے ہیں۔ مگر ایک عظیم واقعہ اس سیرت میں جگہ نہ پا سکا، یعنی حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے واقعے پر بھی روشنی ڈالی جاتی تو بہتر و مناسب تھا، پھر یہ کہ کاتب کو زیر اضافت استعمال کرنے کی تاکید کی جاتی۔ تو عام پڑھے لکھے کو شعر روانی کے ساتھ پڑھنے میں سہولت ہوتی۔ اس طرح کی چند خامیاں "چراغِ حرا" میں نظر آتی ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بے شمار خوبیوں کی اس سیرت میں زبان و بیان کی ہزاروں خوبیاں خامیوں پر غالب آگئی ہیں۔

قیصر الجعفری کی اس منظوم سیرتِ نبویؐ کو پڑھ کر دوسرے شعراء سے بھی اس طرح کی خواہش کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی شاعرانہ اور تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر سیرتِ مقدسہ کے مختلف گوشوں اور زاویوں کو نظم کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی کو دور دور تک پھیلا سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں شفیق الرحمٰن شارق لکھتے ہیں۔

"قیصر الجعفری نے "چراغِ حرا" لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ نظم میں نعت نگاری کے بہت سے زاویے ہو سکتے ہیں جو ذہنِ رسا، طبع رواں، پختہ مشقی، قدرتِ کلام، تازہ بیانی اور لہجے کی شگفتگی کے منتظر ہیں ——" [1]

مختصر یہ کہ "چراغِ حرا" یقیناً منظوم سیرتِ نبویؐ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔

---

[1] آدم شیخ سہ ماہی 'نوائے ادب' جلد نمبر 49 شمارہ نمبر 1 مقالہ "قیصر الجعفری کی نعت گوئی 'چراغِ حرا' کی روشنی میں" از شفیق الرحمٰن شارق ص 33 انجمن اسلام ریسرچ انسٹیٹیوٹ ممبئی اپریل 1999

# مختصر سیرت نبویؐ

# مولانا اشرف علی تھانوی

حکیم الامت مجدد الملت و پیر طریقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی شخصیت دینی و علمی دنیا کیلئے تعارف کی محتاج نہیں۔ بیسویں صدی کے نصف اوّل کے مقتدر علماء میں مولانا موصوف کا شمار ہوتا ہے۔ مولانا اشرف علی بن عبدالحق ضلع مظفر نگر کے قصبہ تھانہ بھون میں ۱۲ ربیع الاوّل ۱۲۸۰ھ ۱۹ مارچ 1863 کو پیدا ہوئے۔ مولانا کا گھرانہ اپنے علاقے میں بہت مشہور تھا۔ وہ دادھیال کی طرف سے فاروقی اور ننھیال کی طرف سے علوی ہیں۔ انکی تعلیم کی ابتداء حفظ قرآن سے ہوئی، پھر فارسی میرٹھ میں پڑھی۔ دینی تعلیم کی تکمیل کیلئے چھ سال تک دارالعلوم دیوبند میں قیام کیا۔ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر کانپور میں بطور معلم اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔

مولانا نے جن اساتذۂ کرام سے دیوبند میں استفادہ کیا وہ لوگ اپنے فن کے امام تھے، جن میں مولانا یعقوب صاحب، مولانا سیّد احمد صاحب اور جناب ملا محمود صاحب کے نام شامل ہیں۔ وہ ایک ممتاز فاضل عالم دین اور صوفی تھے۔ انہوں نے بہت ہی مصروف زندگی گذاری۔ ان کے اشغال، تعلیم و تدریس، وعظ خطابت اور تصنیف و تالیف تھے ان کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد آٹھ سو سے ہزار بتائی جاتی ہیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر، تفسیر قرآن، شرح حدیث، منطق، الکلام، عقائد اور تصوّف سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان کی پہلی تصنیف "زیر و بم" تھی جو طالب علمی کی یادگار ہے۔ اسکے علاوہ جو

کتابیں بہت مشہور ہوئیں ۔ ان کے نام یہ ہیں ۔ بیان القرآن (تفسیر بارہ جلدوں میں) شرح مثنوی، فتاویٰ امدادیہ، التشرف الی التصوف، حیات المسلمین، الکمال فی الدین النساء اور بہشتی زیور وغیرہ (دس جلدوں میں)، ان کی آخری تصنیف البوادر والنوادر ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے ان موضوعات کے علاوہ سیرۃ النبی صلعم پر لکھا ہے ۔ اس سلسلے کی مشہور و معروف حیات طیبہ " النشر الطیب " ہے جو مختصر ہے ۔ مگر ان میں جن موضوعات پر بحث کی گئی ہے اس سے اس کتاب کی قیمت کا اندازہ ہوتا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

سیرت کا پورا نام " نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب " ہے۔ جو چھوٹی تقطیع کے ایک سو اٹھاسی صفحات پر محیط ہے ۔ جس کو کئی ہندو پاک کے ناشروں نے شائع کیا ہے ۔ زیر مطالعہ کتاب دینی بک ڈپو، دہلی نے شائع کی ہے ۔ اور یہ اس کا پانچواں ایڈیشن ہے ۔ تاریخ اشاعت درج نہیں ۔ مصنف نے اس چھوٹی کتاب میں تقریباً پچاس عنوانات قائم کئے ہیں ۔

بغیر کسی پیش لفظ، مقدمہ یا تمہید کے مابعد فہرست مضامین اس سیرت کی ابتداء ایک اہم عنوان " نور محمدیؐ " سے ہوتی ہے جو اس کتاب کی پہلی فصل ہے ۔ اس میں مولانا اشرف علی تھانوی نے نور محمدیؐ کی اولیت ثابت کی ہے ۔ اور متعدد احادیث کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ صلعم کا نور پیدا کیا ۔ دوسری فصل " آپؐ کے فضائل " سے متعلق ہے، جس میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کے واقعات کو پیش کر کے آپؐ کی فضیلت بتائی ہے ۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام نے آپ صلعم کا نام مبارک عرش معلیٰ پر لکھا دیکھا ۔ اللہ نے آدمؑ سے فرمایا کہ اگر محمدؐ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا ۔ یعنی آپ صلعم کی فضیلت کا اظہار اللہ نے آدم علیہ السلام کے

سامنے کیا۔ اسی طرح اسی قبیل کی چھ اور روایتیں پیش کی ہیں۔ تیسری فصل میں آپ صلی اللہ علیہ السلام کے شرفِ نبوت پر روشنی ڈالی گئی ہے، یعنی اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشرف المخلوق میں پیدا فرمایا۔ یعنی انسانوں میں، فرقوں میں افضل فرقے عرب میں، عرب میں بھی اچھے قبیلے میں یعنی قریش میں اور قریش میں بھی اچھے خاندان میں یعنی بنو ہاشم میں۔ اس سلسلے میں مصنف نے پانچ احادیث پیش کی ہیں۔ چوتھی فصل آپ صلعم کے نور مبارک کے بعض آثار سے متعلق ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ نورِ محمدیؐ آدمؑ سے منتقل ہوتے ہوئے حضرت عبد المطلب کی پیشانی میں آگیا اور یہاں سے حضرت عبداللہ کی پیشانی میں منتقل ہوا یہاں تک کہ آپ صلعم منور ہوکر اپنے والدین سے ظاہر ہوئے۔ پانچویں فصل میں آپؐ سے بعض برکات کا ظہور مثلاً آپ صلعم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب کو بشارت ملنا کہ آپ کے شکم مبارک میں امت کے سردار جلوہ گر ہیں، جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمدؐ رکھنا وغیرہ چھٹی فصل میں ان نادر واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ صلعم کے اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد پیش آئے ہیں مثلاً آپ صلعم کے پیدا ہوتے ہی حضرت آمنہ رضؓ نے آپکے نور سے شام کے محلات دیکھے، محل کسریٰ میں زلزلہ پڑ گیا، بحیرۂ طبریہ دفعتاً خشک ہوگیا اور آتش کدۂ فارس بجھ گیا وغیرہ۔

ساتویں فصل میں ولادت کے دن اور تاریخ کا ذکر کر کے آٹھویں فصل میں بچپن کے بعض اہم واقعات کو بیان کیا ہے، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابر کا سایہ ہونا آپ صلعم کی آمد سے دائی حلیمہ کے گھر میں برکتوں کا نزول ہونا اور اوّل شق صدر کا واقعہ پیش آنا وغیرہ۔ نویں فصل میں ان شخصیتوں کا ذکر ہے، جنہوں نے حضرت آمنہ کی وفات کے بعد آپ صلعم کی پرورش کی۔ اور دسویں فصل شباب سے نبوت تک کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ اسمیں آپ صلعم کے تجارتی سفر، حضرت خدیجہ سے آپؐ کا نکاح، خانۂ کعبہ کی تعمیر میں آپ صلعم کا حصہ لینا اور حجرِ اسود کا نصب کرنا وغیرہ

واقعات کو مختصر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

گیارھویں فصل میں مصنف نے نزولِ وحی اور اس سے تعلق رکھنے والے سبھی اہم واقعات اور کفار کی مخالفت کے اسباب اور ان کی شدید مخالفت کا احاطہ کیا ہے۔

بارھویں فصل میں "معراج شریف" کے واقعے کو بحث کا موضوع بنایا گیا ہے۔ مولانا اس واقعہ کی پوری تفصیل بیان کی ہے۔ حضرت ام ہانی رضؓ کے مکان سے لیکر خانہ کعبہ اور خانہ کعبہ سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے آسمانی سفر کے تمام واقعات ترتیب وار پیش کئے ہیں اور اس سلسلے میں موصوف نے تمیس واقعات کو یکجا کیا ہے، معراج کی ایسی تفصیل بہت ہی کم کتابوں میں دیکھنے میں آئی ہے۔

اس کے بعد موصوف نے بڑی ہی تفصیل سے ان عوامل پر روشنی ڈالی ہے جو معراج سے لوٹنے کے بعد پیش آئے تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی بات سنکر مشرکوں اور چند مسلمانوں کا انکار کرنا، حضرت ابوبکر رضؓ کا سب سے پہلے اقرار کرنا کفار معراج کے تعلق سے دلائل طلب کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا وغیرہ، چوں کہ یہ واقعہ نہایت اہم ہے، اسلئے برخلاف دوسرے فصول کے مصنف نے اسکے بعض فوائد کو اسکے متن ہی میں لکھنا ضروری سمجھا ہے۔ اور دو قسم کے فوائد حکمیہ تحریر کئے ہیں۔ یعنی مصنف نے ان واقعات کی روشنی میں جو بعض نکات اخذ کئے ہیں، ان کی اس میں تفصیل بیان کی ہے، مثلاً آپ صلعم کا سینۂ مبارک شق کیا گیا اس سے ثابت ہوا کہ مرد کو مرد کے سینے کی طرف دیکھنا درست ۲۔ بیت المقدس پہنچ کر براق کو حلقہ سے باندھ دیا گیا، اس میں معاملات میں احتیاط اور ظاہری اسباب سے کام لینا توکل کے خلاف نہیں ۳۔ حضرت موسیٰ علیہ نے آپ ص کو مشورہ دیا کہ نماز کی تعداد میں کمی کی درخواست کیجئے، اس سے معلوم ہوا کہ نیک مشورہ دینا اور خیرخواہی کرنا اچھی بات ہے وغیرہ۔

بعد ازاں مصنف نے آیتِ اسریٰ کی مکمل تفسیر پیش کی ہے اور ثابت کیا ہے آپ صلعم

کو معراج جسمانی ہوئی تھی، اسکے لئے دلائل اتنے مضبوط دئے ہیں کہ ان سے انکار ممکن نہیں۔ اسپر مدلّل بحث کرنے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس کو من وعن پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

..... اور موٹی بات یہ ہے کہ معراج جسدِ عنصری سے نہ ہوتی تو اتنا انکار اسپر نہ ہوتا اور اگر غلط فہمی سے ہوتا تو آپؐ یہی جواب دیتے کہ میں جسدِ عنصری سے دعویٰ نہیں کرتا اسپر اسقدر استبعاد کیا جاوے اور اسی سے یہ احتمال بھی دفع ہوگیا کہ شاید جسم عنصری بیان رہا ہو اور جسد مثالی سے معراج ہوئی ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپؐ استبعاد کو اس طرح دفع فرما دیتے نیز جسدِ مثالی کو براق پر سوار ہونے کی حاجت نہ ہوتی اسپر خود روحانیت غالب ہے بعد قطع حجب تنہائی میں آپؐ کو وحشت نہ ہوتی جو حضرت ابوبکرؓ کی آواز کے مشابہ آواز رفع کی گئی"[1]

مصنف نے اس طویل بحث کیلئے اڑتالیس صفحات صرف کئے ہیں۔

تیرہویں فصل میں ہجرتِ حبشہ اور چودھویں فصل میں اعلانِ نبوّت کے بعد مکّے کے حالات بیان کئے ہیں اور یہاں مکی زندگی پر بات ختم کی ھے۔

پندرہویں فصل میں ہجرت کے عظیم واقعہ کو مختصر طور پر بیان کیا ہے اور سولہویں فصل میں آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کے مدینے میں تشریف آوری کے بعد کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ سترہویں فصل آپ صلعم کے غزوات کیلئے مختص کی گئی ہے۔ جس میں غزوہ بواط، غزوۂ عشیرہ، غزوۂ بدر، غزوۂ سویق، غزوۂ احد، غزوۂ حمراء الاسد، غزوۂ بنی نضیر، غزوۂ دومۃ الجندل، غزوۂ بنی مصطلق غزوۂ خندق، غزوۂ موتہ اور فتح مکّہ پر انتہائی مختصر لکھا ہے یا یوں کہیئے کہ صرف نشاندہی کی ہے۔ اسکے ساتھ بعض دوسرے واقعات مثلاً صلح حدیبیہ اور آپ صلعم حجۃ الوداع وغیرہ۔

اٹھارویں فصل میں مختصر وفود کا ذکر کیا گیا ہے، جو اسلام کی تبلیغ کے سلسلے

[1] اشرف علی تھانوی نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ص 76 دینی بک ڈپو دہلی 89

میں دوسرے سلاطین اور قبائل کی طرف روانہ کئے گئے تھے، انیسویں فصل ملکی انتظامات اور احکامات کیلئے، بیسویں فصل فرمانوں کی روانگی کیلئے وقف کی گئی ہے۔

اکیسویں فصل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بیان ہوئے ہیں۔ اس میں مصنف نے پہلے آپ صلعم کے معجزوں کی تعداد بتائی ہے جو دس ہزار کے قریب ہے۔ پھر معجزہ کی تعریف بیان کی ہے اور اسکی قسمیں بناکر تیئس 23 معجزات کو پیش کیا ہے۔ بائیسویں فصل میں آپ صلعم کے اسمائے مبارکہ اور ان کی مختصر تفسیر لکھی ھے۔ تیئسویں فصل آپ صلعم کے خصائص پر مبنی ہے۔ چوبیسویں فصل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے اور سواریوں کا ذکر کیا ہے۔ پچیسویں فصل میں ازواج مطہرات اور اہل و عیال کے حالات بیان کئے ہیں چھبیسویں فصل میں وفات شریف اور نعمت الہی کے پورا ہونے کا بیان ہے۔ ستائیسویں فصل میں عالم برزخ کے متعلق حالات و فضائل ہیں۔ اٹھائیسویں فصل میں میدان حشر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ھے انتیسویں فصل جنت میں آپ صلعم کی خصوصیات اور فضائل بیان کرتی ھے، فصل تیس میں آپ صلعم کی افضلیت تمام مخلوقات پر بیان کی گئی ھے۔

اکتیسویں فصل مصنف نے بعض آیات کی تفسیر اور شبہات کے جوابات کے لئے وقف کی ہے۔ اسمیں ان بعض آیات کی مختصر تحقیق ھے۔ جن کے ظاہر الفاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے معارضہ کا وسوسہ پیدا ہو سکتا ھے اور اس ضمن میں مولانا نے دس آیات کی تفسیر پیش کی ھے

بتیسویں فصل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال عبودیت کے بعض لوازمات اور خصوصیات اور تینتیسویں فصل میں امت پر آپ صلعم کی شفقت کا بیان ھوا ہے۔ چونتیسویں فصل میں آپ صلعم کے حقوق پر بحث کی گئی ھے جو امت کے ذمہ ہیں۔ اور

فصل پینتیس، آپ صلعم کا ادب واحترام اور عظمت کے بیان کیلئے مختص کی گئی ہے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کی فضیلت، دعا میں آپ صلعم کا توسل حاصل کرنا، آپ صلعم کے اخبار و آثار کی کثرت ذکر و تکرار، خواب میں حضرت صلعم کی زیارت اور حضرات صحابہ و اہل بیت و علما کی محبت و عظمت، آخری پانچ فصول کے عنوانات ہیں، جن پر مختصر انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے

اس مختصر سیرت کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے ہر واقعہ کیلئے قرآن و احادیث سے ٹھوس دلائل پیش کئے ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے اس چھوٹی سی سیرت میں بے شمار تفصیلات پیش کی ہیں۔ اگر اس کتاب کے متعلق یہ کہا جائے کہ مصنف نے ساگر کو گاگر میں بند کر دیا ہے تو شاید صحیح ہوگا، تحریر کی پرکاری اور سادگی کا جواب نہیں

# مولانا عمار احمد

"رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" مولانا عمار احمد کی مختصر تالیف ہے، جو انھوں نے ابتدائی درجوں کے طلباء کیلئے لکھی تھی۔

مولانا کا تعلق بھی درس وتدریس سے ہے، وہ مدرسۂ عربیہ بیت المعارف الہ آباد کے صدر مدرس بھی رہ چکے ہیں اسلئے بچوں کی نفسیات سے واقف بھی ہیں وقتی ضرورت کے لحاظ سے انھوں نے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ جسکی طرف مقدمے میں انھوں نے اشارہ بھی کیا ہے۔ اس مختصر رسالے کی اشاعت ڈاکٹر محمد سعید ناشر کریمی پبلی کیشنز الہ آباد نے کی تھی۔ تاریخِ اشاعت درج نہیں ہے۔ لیکن گمان یہ ہے کہ یہ رسالہ سنہ ۱۴۰۰ھ میں شائع ہوا ہوگا، مرتب نے مقدمے کے اختتام پر جو تاریخ لکھی ہے وہ ۲۳ر محرم الحرام سنہ ۱۴۰۰ھ ہے۔

چھوٹی تقطیع کے ایک سو ستاون صفحات پر مشتمل یہ مختصر سیرت النبی صلعم کی ابتداء مؤلف کے مختصر مقدمے کے ساتھ مولانا محمد احمد پرتاپگڑھی کی لکھی حمد اور نعت پاک سے ہوتی ہے، سیرت کے واقعات کا بیان عرب کے جغرافیہ سے شروع ہوا ہے۔ اسکے محل وقوع کیساتھ اسکی آب وہوا، یہاں کے پھول وپھل، یہاں کے جانور وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ پھر وہاں کے باشندوں کی تہذیب، ان کے پسندیدہ مشاغل ان کی مہمان نوازی لین دین اور ان کے ذوقِ شاعری کا ذکر کرکے ان کی صرف وحشیانہ عادات (لڑائی جھگڑے) کی نشاندہی کی ہے۔ نیز ان کے مذہبی عقائد کا بھی مختصر تذکرہ کیا ہے)۔

اس کے بعد سیدنا ابراہیمؑ کا مختصر تعارف کرواکر حضرت اسماعیلؑ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے۔ پھر بیت اللہ کی تعمیر کی طرف اشارہ کیا

ہے۔ اور اس کی تعمیر میں جتنے پیغمبروں نے حصّہ لیا، ان کے اسمائے گرامی گنوائے ہیں۔ نیز کعبۃ اللہ پر ابرہہ کے حملے کا ذکر بھی کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ سے پہلے مذکورہ بالا واقعات بیان کئے ہیں تاکہ قاری کو یہ معلوم ہو سکے کہ آپ صلعم جب دنیا میں تشریف لائے اُس وقت عرب کی حالت کیا تھی۔ اسکے بعد آپ صلعم کی حیات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ جس میں پہلے آپ صلعم اور آپ صلعم کے آبا و اجداد کے بارے میں مختصر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ پھر آں حضرت صلعم کی پیدائش کا ذکر کرکے ان واقعات کی جانب اشارہ بھی کیا ہے، جو آپ صلعم کی پیدائش کے وقت ظہور میں آئے تھے۔ آپ صلعم کی پرورش جو دائی حلیمہ کی گود میں ہوئی تھی مختصر بیان کی ہے۔ بچپن و جوانی کے چند اہم واقعات بیان کرکے بی بی خدیجہ رض کی شخصیت، آپ صلعم سے آپ کا نکاح وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے، اسکے ساتھ ہی حجرِ اسود کے نصب کرنے کا واقعہ بھی بیان کیا ہے۔

بعثت سے قبل کے مذکورہ واقعات کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا ذکر کرکے اُن اشخاص کے نام بھی بتائے ہیں جنھوں نے پہلے اسلام قبول کیا، پھر اعلانیہ تبلیغ اسلام، اسکی مخالفت اور ابو طالب کی حوصلہ افزائی وغیرہ کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ پھر حضرت عمر رض، حضرت حمزہ رض کا قبول اسلام، کافروں کا ظلم اور پہلی ہجرتِ حبشہ وغیرہ واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اسکے بعد نجاشی کے دربار میں تبلیغ اسلام آپ صلّی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثاروں کی گھاٹی میں محصوری، ابو طالب اور بی بی خدیجہ رض کی وفات، طائف کا سفر اور یہاں آپ صلعم پر ہونے والے ظلم پر روشنی ڈالی ہے۔

معراج اور ہجرت سیرت کے دو اہم واقعات ہیں۔ اس کا جائزہ مؤلف نے مختصر طور پر لیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ معراج کے ذریعہ نماز کا تحفہ ملا۔

اور ہجرت کے بعد اسلام کے فروغ میں وسعت آئی ۔ اسکے ساتھ ہجرت کے
اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔ مولانا نے مدنی زندگی کا آغاز مسجد قبا کی تعمیر
سے کیا ہے ، پھر آپ صلعم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری ، مہاجرین وانصار
کے باہمی تعلقات اور مسجد نبوی کی تعمیر پر اظہار خیال کیا ہے ۔ اسکے بعد تین
غزوات یعنی غزوۂ بدر ، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق پر روشنی ڈالی ہے ۔
اور لڑائیوں کے اسباب اور ان کے نتائج کا بھی ذکر کیا ہے ، صلح حدیبیہ کا
مختصر ذکر کرکے غزوۂ خیبر ، فتح مکہ ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک کا
جائزہ لیا ہے ، اس میں اس کا جائزہ لیا گیا ہے کہ کفار قریش پچھلی ہونے والی
جنگوں میں شکست فاش کھانے کے باوجود بھی اپنی بے ہودہ کرتوتوں سے
باز نہیں آئے ۔ انھوں نے ہمیشہ اسلام اور بانیٔ اسلام کو زک پہنچانے کی
کوشش کی اور اسلام کی اشاعت میں رخنہ ڈالا ۔ جسکے سبب آپ صلعم کو یہ
چار جنگیں کرنی پڑیں جن سے کفر پسپا ہوا اور تبلیغ اسلام کی راہیں ہموار ہوئیں
اسکے بعد مولانا اعمار احمد نے حجۃ الوداع پر روشنی ڈالی ہے اور مختصر انداز
میں بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ اس میں خصوصیت سے خطبۂ
حجۃ الوداع کو مختصر مگر جامع انداز میں پیش کیا ہے تاکہ طلباء کے ذہن میں اس
خطبہ کی باتیں ذہن نشین ہو جائیں ، پھر دین کے مکمل ہونے ، آپ صلعم کی
آخری وصیت اور آپ صلعم کی وفات کا ذکر کرکے آپ صلعم کے حلیۂ مبارک
کو پیش کیا ہے ، مؤلف کی یہ ترتیب کچھ عجیب معلوم ہوتی ہے ، چہرۂ مبارک
کا ذکر پیدائش کے فوراً بعد ہونا چاہیئے تھا ، اسلئے کہ پیغام کے ساتھ ساتھ
پیغام لانے والے کی شخصیت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے ۔ بعد ازاں "اخلاق و
عادات" عنوان کے تحت مؤلف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ
کی نشاندہی کی ہے ۔ قدرے تفصیل سے آپ صلعم کے افعال کو پیش کیا ہے ۔

اور اس انداز سے پیش کیا ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں اسپد عمل کرنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور مطالعۂ سیرت کا مقصد بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی تحریک قاری کے دل میں پیدا ہو۔

اس رسالے میں اُمّ المومنین خدیجہؓ کے علاوہ کسی اور اُمّ المومنین کا ذکر پیش کیا گیا ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے مولف نے آخر میں ازدواجِ مطہرات سے متعلق یہ جدول پیش کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج کا ذکر ہے۔ یہ جدول اگرچہ کہ ایک صفحہ پر ہے، لیکن اسمیں اتنی معلومات آگئی ہیں جو دو چار صفحات میں بھی ممکن نہیں تھیں۔ اس جدول کو دیکھنے سے ایک ہی نظر میں آپ صلعم کی گیارہ ازدواج کی تفصیل ذہن کے پردے پر نقش ہو جاتی ہے۔ اسمیں مولف نے ازدواج کے نام، سنِ نکاح، ام المومنین کی عمر بہ وقتِ نکاح آپؐ کی عمر، سنِ وفات، جائے مقبرہ حضورؐ کی خدمت میں رہنے کی میعاد، حضور صلعم کی عمر بہ وقتِ نکاح اور کیفیت وغیرہ۔

کتاب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جناب انصار احمد صاحب کی منظوم تقریظ کے ساتھ اختتام کو پہنچی ہے۔ یہ مختصر رسالہ آسان و سلیس زبان میں مرتب ہوا ہے۔ اسکے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف نے سیرت کی دوسری معتبر و مستند کتابوں کی مدد سے ضروری ترمیم و اضافے کے بعد یہ کتاب پیش کی ہے۔ اس مختصر کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مختصر ہونے کے باوجود کافی معلومات فراہم کرتی ہے۔ اسکی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ہر عنوان پر بحث کرنے کے بعد مولف اس کے اختتام پر اس عنوان کی مناسبت سے شعر پیش کر دیتے ہیں۔ اس میں مولف نے جو شعر یا بند استعمال کیے ہیں، وہ مسدسِ حالی سے ہیں، نمونۂ شعر ملاحظہ ہو:

" ایک بار بی بی حلیمہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں۔ اب وہ

بہت بوڑھی ہوگئی تھیں، انھیں دیکھ کر بچپن کا زمانہ آپ صلعم کی نظروں تلے پھر گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بڑی خاطر کی۔ اور چلتے وقت چالیس بھیڑیں انکے ساتھ کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں کی وجہ سے چھوٹے بڑے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کرتے اور آپ صلعم کا نام گرامی بڑے ادب سے لیتے تھے۔ اکثر لوگ آپ صلعم کے پاس اپنی امانتیں رکھ جاتے۔ چنانچہ مکہ بھر میں آپ صلعم "امین" کے لقب سے مشہور تھے ـــــــ

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

مرادیں غریبوں کی بر لانے والا[1] !!

---

[1] عمار احمد 'رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' ص 27 کریمی پبلی کیشنز الہ آباد ۱۴۰۰ھ

# مولانا مناظر احسن گیلانی

گیلانی ضلع پٹنہ کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، اس گاؤں کو دینی و علمی دنیا میں متعارف کرانے کا سہرا مولانا مناظر احسن گیلانی کے سر ہے، یہی وہ گاؤں ہے جس نے مولانا کی شخصیت کو پروان چڑھایا۔ مولانا موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن گیلانی میں اپنے چچا سے حاصل کی، وہاں سے ٹونک گئے جہاں مولانا برکات احمد ٹونکی کے حلقہ درس میں نو سال تک رہے، پھر دیوبند گئے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اور علامہ شاہ انور صاحب کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا اصغر حسین صاحب سے فیض یاب ہوئے۔ دار العلوم کے ماہوار رسالوں 'القاسم' اور 'الرشید' کی ادارت سے وابستہ رہے۔ سنہ 1920ء میں عثمانیہ یونیورسٹی میں شعبۂ دینیات کے استاد مقرر ہوئے اور 1949 میں صدر شعبہ کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا بیک وقت عالم، ادیب، مورخ، فقیہ، محدث و مفسر بھی تھے فارسی اور اردو کا یکساں مذاق رکھتے تھے اور شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا، جس زمانے میں مولانا کا طوطی بولتا تھا وہ مناظروں کا زمانہ تھا اور مولانا ایسی مجالس میں اکثر حصہ لیتے تھے، اسی لیے مناظر اسلام کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ 5 جون 1958 میں مولانا نے وفات پائی۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان میں روحانی کائنات" حضرت ابوذر غفاریؓ، الدین القیم، تفسیر سورۂ کہف، ہندوستان میں مسلمانوں

کا نظامِ تعلیم و تربیت، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، تدوینِ فقہ، اسلامی معاشیات، سوانح حضرت مولانا نانوتوی، اسکے علاوہ بے شمار بلند پایہ مضامین شامل ہیں۔ اور جن کتابوں نے انھیں عالموں کی صف میں کھڑا کیا، وہ ہیں "تدوینِ حدیث اور "النبی الخاتم"

سیرتِ نبوی ؐ کے حوالے سے مولانا مناظر احسن گیلانی نے غالباً 1936ء میں "النبی الخاتم" لکھی، زیرِ نظر مختصر سیرتِ نبوی ؐ کو مکتبہ فیض دیوبند نے 1996 میں شائع کیا ہے، ایک سو بیانوے صفحات پر پھیلی یہ مختصر سیرت دو ابواب میں منقسم ہے، مصنف نے علامہ اقبال ؒ کے ایک فارسی شعر سے اس سیرت کی ابتداء کی ہے ؎

فقرِ شاہی وارداتِ مصطفےٰ است　　　این تجلی ہائے ذاتِ مصطفےٰ است

پہلا باب مکی زندگی کا احاطہ کرتا ہے اس میں سیرت کے واقعات کو تاریخی ترتیب کیساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ بجائے 'واقعات' کے صرف اس سے اخذ ہونے والے نتائج سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کی ابتداء ان الفاظ سے کی ہے، فرماتے ہیں۔

"یوں تو آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے، لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کیلئے آیا ——" [1]

یہ اندازِ تحریر اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ مصنف اگلے انبیاء کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ اُن ادیان کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو انبیاء اپنے ساتھ لائے تھے۔ پھر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اُن انبیاء کی نبوت و رسالت ایک قوم اور ایک خطے اور ایک وقت کیلئے تھی اور یہ سلسلہ حضرت

---

[1] مناظر احسن گیلانی "النبی الخاتم" ص 48 مکتبہ فیضی دیوبند 1996

آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چلتا رہا اور جب یہ پیغمبر دنیا سے رخصت ہوئے، ان کے ماننے والوں نے ان کی تعلیمات کو فراموش کر دیا۔ اور اپنی مقدس کتابوں میں ترمیم کی، اسی لئے مولانا موصوف کہتے ہیں کہ جس طرح سب جانے کیلئے آئے اسی طرح ان کی کتابیں اور صحیفے بھی دنیا سے اٹھالئے گئے۔ اسلئے کہ وہ نبی اب دنیا میں مبعوث ہونیوالا ہے، جس کے آنے کی گواہی یہ جانے والے دے گئے ہیں، وہ کتاب آرہی ہے جو تمام کتابوں کی ماں ہے۔

مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے متعلق اگلی کتابوں اور اگلے بانیانِ مذاہب نے جو پیشن گوئیاں کی تھیں، انکو پیش کرکے ہی کہا ہے۔ یہ جانے والے جانتے تھے کہ کوئی ایسا آئے گا جس کا دین جسکی حکومت کبھی نہ ختم ہوگی۔ اس سلسلے میں موصوف نے مہاتما بدھ، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے متعلق جو کلمات ادا کئے تھے، ان کو بھی نقل کیا ہے۔

اس طویل بحث کا خلاصہ مصنف ہی کی زبان سے سنئے۔

"۔۔۔ جتنے آنے والے آئے، سب جانے کیلئے آئے اور بینات واضح شہادت کی روشنی میں دیکھا جا چکا کہ جو بھی آیا، بالآخر ایک ایک کرکے کسی نہ کسی طرح خود وہ، ان کی زندگی، ان کی تعلیم جہاں سے طلوع ہوئی تھی، وہیں بالآخر غروب ہوگئی اور بلاشبہ انکے لئے یہی مقدر تھا۔ پھر اب دیکھو، وہ آتا ہے جو آنے ہی کیلئے آیا ۔۔۔ کس شان کیساتھ آیا، کس آن کیساتھ آیا۔"[1]

اس طویل بحث کے بعد جو کہ چالیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ پھر عبد المطلب کی کفالت اور ان کی وفات کا تذکرہ کرکے ابو طالب کی کفالت کا ذکر کیا ہے۔

---

1۔ مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتم، ص 48، مکتبہ فیض دیوبند 1996

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرورش پاتے رہے۔ یہاں مصنف نے ابوطالب اور ابی لہب کے کرداروں کا موازنہ کرکے دونوں بھائیوں کے مزاج کے فرق کو واضح کیا ہے اور ایسا موازنہ مولانا موصوف سے پہلے کسی سیرت نگار کے یہاں نظر نہیں آتا ، فرماتے ہیں :

" حقیقت جینے بنّی اور شاندار چہرے کے ساتھ اب بے مادر و پدر لاوارث یتیم کی پیشانی سے چمک رہی تھی ، نہ چمکتی، اگر کہیں خدانخواستہ آپؐ کی نگرانی مکہ کے ساہوکار عبدالعزیٰ المشہور بہ ابی لہب کے سپرد ہوتی، لیکن شیر کے بچے لومڑی کے بھٹوں میں نہیں پالے جاتے جس قطرہ کی قسمت میں موتی ہونا ہے، وہ گھونگھوں اور مینڈکوں کے منہ میں نہیں گرتا ۔" [1]

اسکے بعد دائی حلیمہ سعدیہ کے دودھ پلانے کا تذکرہ کرکے یہ نکتہ پیش کرتے ہیں کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلیمہؓ سے دودھ ملا یا حلیمہؓ، حلیمہؓ کی اونٹنی، حلیمہؓ کی بکریوں، حلیمہؓ کے شوہر، حلیمہؓ کے بچوں، بلکہ آخر میں قبیلہ والوں تک کو ان سب کو دودھ آپؐ ہی کے ذریعہ سے ملا تھا ۔

ساری سیرت میں اسی طرح کا انداز اختیار کیا ہے، بعد ازاں ملک عرب کی خصوصیات قریش اور قریش کی حالت، آپ صلعم کی طفولیت و شغل گلہ بانی حجر اسود کا جھگڑا، حضرت خدیجہؓ سے نکاح اور غار حرا کی خلوت پسندی وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے ۔ نیز ابتدائے وحی اور منصب نبوت کے فرائض، قریش کی دھمکیاں، سازشیں اور آپ صلعم کو لالچ دے کر انکے مشن سے باز رکھنے کی کوشش وغیرہ پر اظہار خیال کیا ہے ۔

بعد ازاں ہجرت حبشہ، نجاشی کے دربار میں جعفرؓ طیار کی تقریر، آپ صلعم کے ساتھ ایذا رسانیوں کا آغاز، شعب ابی طالب کا محاصرہ اور اسکے ختم ہونے کا جائزہ لیتے ہوئے واقعۂ معراج پر تبصرہ کیا ہے، پھر حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوطالب

۱۔ مناظر احسن گیلانی " النبی الخاتم " ص 51 مکتبۂ فیض، دیوبند 1996

کی وفات، طائف کی روانگی جبریلِ امین کا طائف میں ظہور، جنوں سے ملاقات اور بیعت، مدینہ والوں سے پہلی ملاقات اور انصارِ مدینہ کی ملاقات وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔

اسکے بعد ہجرت مدینہ، سفر کا آغاز اور اسکے تمام واقعات پر قدرے تفصیل سے بحث کی ہے، اس طرح ایک سو سینتیس 137 صفحات میں مکی زندگی کو سمونے کی مصنف نے صرف کوشش ہی نہیں کی، بلکہ اس سے نتائج بھی نکالے ہیں۔

مدنی زندگی کا آغاز، انصار کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جاں نثاری سے کیا ہے۔ بعد میں مسجدِ قباء کی تعمیر، مسجد نبوی اور مدرسے کی تعمیر، تحویلِ قبلہ، اذان کی ابتداء، تبلیغ کا عام آغاز اور اس راہ میں حائل دشواریوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اسکے ساتھ ہی عہدِ نبوت میں شہید ہونے اور قتل ہونے والوں کی تعداد بتائی گئی ہے۔ بقولِ مصنف، ان کی تعداد اٹھارہ سو ہے۔ مصنف نے اس ضمن میں جو جرح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دس سال کی مدت میں دس لاکھ مربع میل کی طویل وعریض سرزمین میں جہاں بت پرست، یہودی، عیسائی، صابی اور عقل پرست سبھی تھے، امن و امان کی جدوجہد میں طرفین کے جتنے آدمی کام آئے ان کی تعداد صرف اٹھارہ سو تھی، جبکہ نیویارک کی سڑکوں یا لندن کی شاہراہوں پر موٹر کے نیچے سے روزانہ اس سے بھی زیادہ لاشیں اٹھائی جاتی ہیں اور ہندوستان کی معمولی جھڑپوں میں اس سے زیادہ کی تعداد میں لاشوں کا انبار لگتا ہے۔

مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں، اسلام دشمن اسلامی جہاد کو قتل وغارت گری کا نام دے کر اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں، ان کی نظر عالمگیر جنگ کے مقتولوں کی طرف نہیں جاتی ہے، جس میں تین کروڑ لوگ موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔

اسکے بعد مصنف نے بیرونِ عرب میں اسلام کی تبلیغ، اسلامی جہاد کی ترتیب

ازواج مطہرات اور مدینہ کے دیگر مدا یب پر روشنی ڈالی ھے، ازواج مطہرات کے باب میں مصنف نے جو بحث اٹھائی ہے، وہ بہت اہم ہے، اس میں مولانا موصوف نے ان شکوک و شبہات کا جواب دیا ہے، اور ان الزاموں کی تردید کی ھے۔ جو اس تعلق سے اسلام دشمن لگاتے ہیں، اسکے علاوہ مولانا نے حضرت خدیجہ رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کے اخلاقی، دینی و علمی صلاحیتوں کی بھی نشاندہی کی ھے، خصوصًا حضرت عائشہ رضؓ کی صلاحیتوں کا ذکر کیا ھے، جو آپ صلعم کی رفاقت کی وجہ سے آپؓ میں پیدا ہوئی تھیں۔

اور آخر میں "ختم نبوت" پر روشنی ڈالتے ہوئے، النبی الخاتم" کو ختم کیا ہے، اسمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کا دین جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوگیا، اب آسمان کا پیغام لیکر زمین پر کوئی نہیں آئے گا۔ جو آیا، اُسی کی نبوت و رسالت ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گی ——— فرماتے ہیں

"جس طرح وہ بھیجا گیا جن صفات و کمالات کے ساتھ بھیجا گیا، اسی شان اسی آن کے ساتھ چمکتے ہوئے آفتاب اور دمکتے ہوئے سورج کی مانند ہم میں وہ اسی طرح موجود ھے، ہر جگہ موجود ھے، ہر خطہ میں موجود ہے۔ اس کا وجود مغرب میں بھی اسی طرح نمایاں ھے، جس طرح وہ مشرق میں آب و تاب کیساتھ چمک رہا ھے، وہ سب کیلئے برابر ھے، سبکے لئے یکساں ھے، وہ فضا میں بھری ہوئی ھوا ہے، جس میں سب سانس لیتے ہیں ———"

آخر میں مصنف نے دعائیہ کلمات کیساتھ اس سیرت کا اختتام کیا ھے ———

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے — دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کردے

وقت فرصت ھے کہاں کام ابھی باقی ھے — نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ھے !!

بہر حال مولانا مناظر احسن گیلانی نے مختصر صفحات میں سیرت النبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف گوشوں کو پیش کر کے اس سے اہم نتائج اخذ کیے ہیں
اس کتاب کو بیشتر علمائے کرام نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مولانا سید سلیمان
ندوی کی رائے ہے کہ :

" النبی الخاتم " ایک گلدستۂ عقیدت ہے جسے مولانا مناظر احسن کے
عقیدت مند قلم نے سجایا ہے ، اسمیں مولانا نے اپنے خاص والہانہ رنگ میں
سیرت پاک کے واقعات کو ایک خاص انداز اور ترتیب کیساتھ پیش کر کے نہایت
لطیف نتائج اخذ کیے ہیں اس حیثیت سے یہ اپنے طرز میں منفرد ہے کہ تاریخی
واقعات کی وارفتگی کے بیان کیساتھ اس طرح نبھایا گیا ہے کہ ناموس مورخین اور ارباب
وجد و حال دونوں اپنے اپنے ذوق کے مطابق لطف اٹھا سکتے ہیں ، زبان صاف
و سادہ لیکن صنائع لفظی سے مالا مال ہے ـــــــ "

" مولانا سید عبدالحسن ندوی فرماتے ہیں :

" مولانا کی تصنیفات میں سے غالباً سب سے پہلے " النبی الخاتم " پڑھی
کتاب عجیب البیلے انداز میں لکھی گئی ہے ، صحف سماوی کا انداز بیان
خطیبوں کا جوش و برجستگی ، عشاق کی مستی و وارفتگی ، عقل و جذب
کی لطیف آمیزش حسب معمول ، معمولی اور مشہور واقعات سے لطیف نکتے
اور عظیم نتیجے نکالتے چلے جاتے ہیں ـــــ میں نے اپنی ساری عمر میں سیرت
نبوی میں رحمتہ للعالمین اور النبی الخاتم سے زیادہ موثر کتاب نہیں پڑھی "

یقیناً یہ کتاب مواد کیساتھ علم و انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے ۔ یہی
وجہ ہے کہ یہ کتاب ہندو پاک کے متعدد مدارس کے نصاب میں شامل ہے ،

# مولانا راشد الخیری

مولانا راشد الخیری دہلی کے رہنے والے تھے۔ اور ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو ہمیشہ مرکز خیر و برکت اور رشد و ہدایت رہا۔ وہ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ اس محرومی نے ان کی طبیعت میں گداز پیدا کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر تحریر درد و غم میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کو اردو ادب میں مصورِ غم کہا جاتا ہے۔

مولانا کثیر التصانیف تھے، ناول نگاری اور افسانہ نویسی میں ان کا مقام بلند ہے انہوں نے اپنے حقیقی پھوپھا نذیر احمد کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر اپنی تمام تر صلاحیتوں کو نسوانی زندگی کی اصلاح کے لیے صرف کر دیا تھا۔ اور اسی کو اپنی تحریروں کا مقصد بنایا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انہوں نے کئی ناول لکھے۔ ان مشہور ناولوں میں آمنہ کا لال، سیدہ کا لال، جوہر قدامت، منازل السائرہ، حیاتِ صالحہ نوبت پنج روزہ سیلاب اشک، جوہر عصمت تمغہ، شیطانی بنت الوقت، تفسیر عصمت، بیلہ میں میلہ وداع خاتون، نوحہ زندگی، عروس کربلا، صبح زندگی، شام زندگی، شب زندگی، زہرہ العرب اور ماہِ عجم شامل ہیں۔

یہاں صرف ان کی اس کتاب پر بحث مقصود ہے جس کا تعلق میرے مقالہ سے ہے یعنی "آمنہ کا لال"۔

زیرِ نظر کتاب میں سن اشاعت درج نہیں۔ لیکن صاحب کتاب نے جو دیباچہ لکھا ہے اس کے اختتام پر اپنے نام کے ساتھ جو تاریخ تحریر کی ہے وہ اکتوبر سنہ 1929ء ہے۔ اس حساب سے شاید یہ کتاب "آمنہ کا لال" پہلی بار 1929ء میں شائع ہوئی ہوگی۔ یہ مختصر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم 95 صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا راشد الخیری کو اس بات کا بے حد ملال تھا کہ مولود شریف کی محفلوں میں آداب کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ مسلمانوں نے مولود شریف کو گڑیوں کا کھیل بنا دیا ہے۔ وہ منتظمین مجلس اور مولود خواں کے گستاخانہ رویّہ سے کافی ناراض تھے۔ لکھتے ہیں ـــ

"مولود خواں ہیں تو (باطن کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے)۔
بظاہر جیب میں دیا سلائی، ہاتھ میں بیڑی، منہ میں زردہ،
صاحب خانہ ہیں تو ان کی یہ کیفیت کہ واعظ چیخ رہا ہے اور
وہ مہمانوں کی خاطر میں مصروف اور صلارات میں منہمک، سامعین
کا یہ حال کہ اونگھ رہے ہیں اور جھوم رہے ہیں۔[1]

مولانا مولود شریف کی محفلوں کے مخالف نہیں تھے، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں احتیاط سے کام لیں اور توقیر و عظمت کا بھی پاس رہے اور کوئی ایسی بات آپ صلعم کی شان میں نہ کہی جائے جو مستند روایتوں کے ذریعے ہم تک پہنچی نہیں ہے۔ مولانا نے مجالس میلاد منعقد کرنے والوں اور پڑھنے والوں پر جو کاری ضرب لگائی ہے، اُسے پڑھنے کے بعد کوئی بھی میلاد کی پاک محفلوں میں ایسی حرکتیں نہ کر پائے گا جن سے محفل کا تقدس باقی نہیں رہتا۔

"کیا خدا کا رسول صلعم جس پر کتاب اللہ فخر کر رہی ہے۔ اس لائق ہے
کہ میلے کچیلے ذاکر کی گندی زبان بار بار اس کا نام دہرائے؟ کیا فخرِ
موجودات جس کے مقدم نام کو کائنات نے سر آنکھوں پر رکھا
اسی قابل ہے کہ اس کی بے مثل خدمات گندی اور غلیظ دیواروں
میں گونجیں اور خاک عرب سے اٹھنے والے آقا صلعم کا نام حقہ
اور سگریٹ کے دھوئیں پر اور چائے کے دور میں بلند ہو؟
ذاکر صاحب کی زبان پر لفظ محمد صلعم اور چہرے پر مسکراہٹ اور
سامع کے منہ میں زردہ اور ہاتھ میں سگریٹ؟"[2]

---

[1] راشد الخیری آمنہ کا لال صفحہ ۳ مرکزی ادارۂ تبلیغ دینیات دہلی تاریخ اشاعت درج نہیں
[2] راشد الخیری آمنہ کا لال ص ۴ مرکزی ادارۂ تبلیغ دینیات دہلی تاریخ اشاعت درج نہیں دیباچہ کی تاریخ ۱۹۲۹ء

مندرجہ بالا عبارت سے مولانا راشد الخیری کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ذاتی وابستگی و عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو ناول کی صورت میں پیش کیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب انتہائی مختصر ہے جس کے تمام مشمولات 95 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کی ضخامت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ سیرت پاک خاص کر کے مسلمان لڑکیوں کے لیے لکھی تھی۔ مولانا راشد الخیری بھی نذیر احمد کی طرح عموماً مسلمانوں اور خصوصاً مسلم لڑکیوں کی اپنے ناولوں کے ذریعہ اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ نذیر احمد کا خیال تھا کہ مولود شریف کی سینکڑوں کتب موجود ہیں۔ لیکن وہ غیر مستند روایات، جھوٹے واقعات، افسانوں اور بے تکی باتوں کا مجموعہ ہے۔

اِن میں پیش کردہ واقعات کو چھان بین کے بعد لکھا نہیں گیا۔ ان کے پڑھنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت تو بڑھ جاتی ہے۔ مگر تقلید کرنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا راشد الخیری ایک ایسی کتاب تحریر کرنا چاہتے تھے جو مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کو بھی متاثر کرے۔ چناں چہ فرماتے ہیں ـــ

"مولود شریف کی سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں مگر میری رائے میں مسلمان لڑکیوں کے واسطے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو رطب و یابس سے بالکل پاک ہو اور نہ صرف ان ہی کو مطمئن کر سکے بلکہ وہ اپنی مجلسوں میں غیر مسلموں کے سامنے بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر سکیں۔" ـــ [1]

مصنف کے دیباچہ کے بعد اصل کتاب کا آغاز صفحہ دس سے ہوتا ہے۔ تمہید

---

[1] راشد الخیری، آمنہ کا لال، صفحہ 4 مرکزی ادارۂ تبلیغ دینیات دہلی، تاریخ اشاعت درج نہیں

کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کا خلاصہ بیان کیا ہے۔

"اُن میں سے ایک رسول پیدا کر دے جو ان کو تیری طرف بلائے
ان کی اصلاح کرے اور سیدھا راستہ بتا دے۔"

پھر عرب کی حالت اور خاندان نبوّت کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے آبا و اجداد میں حضرت عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ کا مختصر بیان ہوا ہے۔ مصنّف نے موقع و محل کی مناسبت سے اپنی بات کو پر اثر بنانے کے لیے مسدس کے پیکر میں جا بجا بند پیش کیے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس دیکھیے پھر یہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ نثری وضاحت کے ساتھ شعری ٹکڑوں کی پیش کش واقعات کو کتنا پُر اثر بنا دیتی ہے۔

مظالم کی اس عالمگیر گھٹا سے جب انسانی خون کی دھواں دھار
بارش شروع ہو گئی اور زمین کا ذرہ ذرہ اس میں غرق ہو گیا
تو دُنیا اس ہولناک کیفیت سے گھبرا اُٹھی، کمزور جانکنی میں
تڑپ رہا تھا غریب افلاس کی چھاؤں میں دم توڑ رہا تھا
زندگی کی آخری سسکیاں غلام کے حلق سے نکل رہی تھیں
اور موت کی آرزو قلب سے باہر آ رہی تھی۔[1]

انصاف لُٹ چکا تھا ایمان مِٹ چکا تھا الطاف و مہر کیسی، رحم و کرم کہاں کا
مفلس کی تھی مصیبت کمزور پٹ رہا تھا ظالم کے بیس بسوے اندھیر مچ رہا تھا
اِنسانیت کے جوہر کونوں میں رو رہے تھے
رحم و کرم کے پتلے قبروں میں سو رہے تھے

اِس کے بعد "دعائے ابراہیم" سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تشریف

---

[1] راشد الخیری، آمنہ کا لال صفحہ 14 مرکزی اِدارۂ تبلیغ دینیات دہلی، تاریخ اشاعت درج نہیں

آوری کی تمہید باندھی گئی ہے۔ یعنی " الٰہی ان ہی میں سے ایک رسول ؑ پیدا کر دے" —
پھر آپ ظہور فرما، تشریف لا" کے عنوان کے تحت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
پیدائش کا پورا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اور اس بیان کے لیے ایسا اسلوب استعمال کیا
ہے کہ سارا منظر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ولادتِ رسول صلی اللہ علیہ
وسلم کے بیان میں مولانا راشد الخیری نے ان نشانیوں کا ذکر نہیں کیا جو عام طور
پر سیرت کی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے
وقت فارس کی آگ کا ٹھنڈا ہونا، ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگوروں کا گر پڑنا
وغیرہ۔ اس لیے کہ مصنف نے اس کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا اس ضمن میں
مولانا راشد الخیری یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔

> " معشوق کا سراپا شاید عاشق سے بہتر کوئی اور ادا نہیں
> کر سکتا۔ قرآن نے اس کی ضرورت نہ سمجھی تو پھر اس نے
> روشنی نہ ڈالی۔ فارس کی آگ کا تذکرہ اس نے نہ کیا، ایوان کسریٰ
> کے کنگورے وہاں نہ پہنچ سکے۔ مگر مسلمان خدا کی خاموشی پر
> (نعوذ باللہ) کیوں چپ رہتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضور اکرم صلی
> اللہ علیہ وسلم کے خلاف مغربیت زہر اگلا" [1]

مصنف کی اس رائے سے اتفاق ضروری نہیں۔ اس لیے کہ پیدائش کے
وقت جو عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے اس سے حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کی عظمت بتانی مقصود تھی، یہ اور بات ہے کہ سیرت
کا جو اصل ماخذ (قرآن کریم) ہے اس میں ان واقعات کی تفصیل نہیں ملتی۔ مگر
جو واقعات ظہور پذیر ہوئے وہ بھی تو اللہ ہی کے حکم سے ہوئے ہوں گے۔ نیز یہ کہ

---

[1] راشد الخیری، آمنہ کا لال، صفحہ 7 مرکزِ ادارہ تبلیغ دینیات دہلی، تاریخ اشاعت درج نہیں

قرآن میں صاحبِ قرآن کی اجمالی تصویر پیش کی گئی ہے اور انتہائی اختصار کے ساتھ دوسرے دینی معاملات بھی پیش ہوئے ہیں۔ مگر ان کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہی ہوتی ہے۔ بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشیوں میں سارا عالم محو ہو گیا۔ قریش کی عورتیں لڑکے کی پیدائش پر باغ باغ ہوئیں۔ عبدالمطلب نہال نہال تھے اور آمنہ رضہ بی بی کی باچھیں کھل رہی تھیں۔ مختصر یہ کہ دنیائے ناپائیدار کا وہ بہترین رسول جو زندگی کی روح اور انسانیت کی جان تھا ظہور فرما چکا۔
پیدائش کے ذکر کو مولانا راشد الخیری درود و سلام سے ختم کرتے ہیں۔

ع درود ہے تجھ پہ اے مولا، سلام ہے تجھ پہ اے آقا

اس کے بعد آپ صلعم کی زمانۂ شیر خوارگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آغوش حلیمہ میں آنے کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ عرب کے رواج کے مطابق آپ صلعم کو دائی حلیمہ سعدیہ کے حوالے کیا گیا۔ اس پر مصنف نے حلیمہ اور اس کے قبیلہ والوں کی قسمت پر رشک کا اظہار کیا ہے اور کیوں نہ ہو جس کے گود امام الانبیاء ہوں وہ اپنی تقدیر پر جتنا بھی ناز کرے کم ہے بعد از دودھ پلانے کی رسم ختم ہوتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے گھر واپسی کا ذکر آیا ہے۔ اور اس سفر میں جو واقعہ پیش آیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اچانک دائی حلیمہ سے بچھڑ جانا پیش ہوا ہے۔ پھر اس وقت حلیمہ کی جو حالت ہو رہی تھی اُس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس کے بعد بچّے کا اُسی جگہ پائے جانا جہاں دائی حلیمہ نے کھویا تھا ذکر ہوا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے تذکرے کے بعد اہل قریش کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "امین" کا خطاب دینا اور آپ صلعم نے جو پہلا فیصلہ "حجرِ اسود" کے نصب کرنے سے متعلق دیا تھا۔ وہ بیان ہوا ہے۔ ان متفرق واقعات کو مولانا راشد الخیری نے اس انداز میں ایک دھاگے میں پرویا ہے کہ کہیں بھی سلسلہ منقطع ہونے نہیں پاتا اور قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ سن دار

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے واقعات زندگی پڑھ رہا ہے۔ مصنّف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا عالم شباب، بی بی خدیجہ رضؓ کے ہاں ملازمت، ایفائے وعدہ، ملازمت کا پہلا سفر، بی بی خدیجہ رضؓ سے نکاح، معاملہ داری، غارِ حرا میں عبادت وغیرہ پر مختصر روشنی ڈالی ہے، اور سیرت کے یہ مذکورہ واقعات کو 62 صفحات پر پھیلایا ہے۔ اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیغمبرانہ زندگی کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کا یہ ایک اہم حصّہ ہے۔ جس کی ابتداء مولانا راشد الخیری نے عام سیرت کی کتابوں کی طرح "وحی الٰہی" کے عنوان سے کی ہے جس کے ذریعہ آپ صلعم کو اعلانِ نبوّت کی بشارت دی گئی تھی۔ پھر اس کی تصدیق کے لیے بی بی خدیجہ رضؓ کا ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے جانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا تبلیغ اسلام میں مصروف ہونا اور اوّل اوّل تین اشخاص کا اسلام قبول کرنا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شریکِ حیات حضرت خدیجہ الکبریٰ رضؓ اور آپ صلعم کے چچا زاد بھائی حضرت علی رضؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضؓ شامل ہیں، مذکور ہے۔ بعد ازاں حضرت عمر رضؓ بن خطاب اور حضرت حمزہ رضؓ کے قبول اسلام کے واقعات درج ہیں۔ نیز بی بی خدیجہ رضؓ اور ابو طالب کے انتقال کے ذکر کے بعد مکّی زندگی کا اختتام کیا ہے۔

مدنی زندگی کے واقعات کے بیان میں مصنّف نے انتہائی اختصار سے کام لیا ہے۔ مدنی زندگی کا آغاز "ہجرت کے عنوان سے ہوتا ہے اگرچہ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں کافی اہمیت رکھتا ہے، مگر مصنّف نے صرف چار صفحات ہی اس بیان کے لیے صرف کئے ہیں۔ اس کے بعد مدینہ کی پُرسکون زندگی اور اسلام کی اشاعت کی سرگرمیاں جن میں تیزی آگئی تھی بیان ہوئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی سے متاثر ہو کر جو بیانات یہودیوں اور نصرانیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت و رفعت سے متعلق دیے تھے وہ بھی بیان ہوئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ

حضرت خباب رضؓ اور حضرت زید بن حارث رضؓ کی محبت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تھی اس کا بھی مختصر بیان ہے۔

"سرورِ کائنات کے نکاح" کے عنوان کے تحت مولانا راشد الخیری نے اس سلسلے میں اُٹھنے والے غیر مسلموں کے بے جا سوالات کا جواب بھی دیا ہے نیز عورت کی حمایت میں معتبر احادیث بھی پیش کئے ہیں۔ تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو کہ اسلام عورتوں پر ظلم و تشدد نہیں کرتا، بلکہ اُس کی بھلائی، اُس کی عظمت و وقار کا ہمیشہ سے خواہاں رہا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ 'آمنہ کا لال' ایک مختصر سیرت کی کتاب ہے جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے منتخب پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ بچوں اور عورتوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قلمی تصویر آجائے اس کتاب میں جہاں بہت سے واقعات کو زیرِ بحث نہیں لایا گیا اُن میں دو اہم واقعات جن کو پیش رو سیرت نگار بہت ہی اہم سمجھتے ہیں وہ ہیں "معراج" اور "غزوات"۔ اِس لیے کہ اس میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اور اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ مولود شریف کی محفلوں میں پڑھی جائے اگر یہ کتاب ضخیم ہوتی تو ایک نشست میں پڑھی نہیں جا سکتی تھی۔ اس کا اعتراف خود مصنف نے کتاب کے ابتدائی حصہ میں کیا ہے۔

"آمنہ کا لال" چونکہ (مکمل) سیرت نہیں ہے اس لیے
معراج اور لڑائیوں کے حالات میں نے چھوڑ دیئے ہیں۔" [1]

مولانا راشد الخیری کا اندازِ بیان خطیبانہ ہے۔ زبان نہایت ہی شستہ استعمال کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے نثر میں شاعری کی ہے۔ اسی لیے

---

۱؎ راشد الخیری، 'آمنہ کا لال'، صفحہ ۸، مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات دہلی، دیباچہ لکھنے کی تاریخ ۱۹۲۹ء

وہ واقعات کے اثر کو تقویت دینے کے لیے جا بجا اشعار سے کام لیتے ہیں، یہ کہنا نامناسب نہیں ہوگا کہ ان کی تحریریں ادب لطیف کی بہترین مثالیں ہیں۔ بقول سید احتشام حسین ـــــ

"ان کی زبان دلّی کی خالص اور پرکیف بول چال کی زبان تھی"۔ [1]

اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو واقعات اس میں درج ہوئے ہیں۔ وہ تمام تر مستند ہیں۔ نیز یہ کہ ان کی اسلامی معلومات سے پتا چلتا ہے کہ تاریخ اسلام پر ان کی گہری نظر تھی۔

[1] سید احتشام حسین، اردو کی تنقیدی تاریخ، صفحہ 206 ترقی اردو بیورو نئی دہلی

## سیّد سلیمان ندوی

"خطبات مدراس" کے بعد سید سلیمان ندوی نے ایک اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "رحمتِ عالم" کے نام سے تصنیف کی۔ جو اس سلسلے کی تیسری اور آخری تصنیف ہے۔ غالباً یہ مختصر سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم 1940ء میں لکھی گئی ہوگی۔ اس کتاب کے دیباچہ طبع اوّل میں سیّد سلیمان ندوی نے جو تاریخ درج کی ہے یعنی 20 رجب ۱۳۵۹ھ سے انگریزی تاریخ 1940ء نکلتی ہے۔ اس وقت سید سلیمان ندوی کی عمر 60 سال کے آس پاس تھی۔ اس سے بہت پہلے سیرت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ضخیم جلدیں اور خطباتِ مدراس منظرِ عام پر آچکے تھے اور ان تصانیف کو ادبی حلقوں میں مقبولیت بھی حاصل ہوچکی تھی۔ لیکن ان سے ایک خاص طبقہ ہی استفادہ کرسکتا تھا۔ اس لیے کہ اس کے مشمولات زبان اور طرزِ بیان ہر کس و ناکس کے سبک ذہنوں پر گراں گزرتا تھا۔ نیز یہ کہ وہ کتابیں بہت مفصل اور ضخیم بھی تھیں۔ جس سے ایک عام آدمی جو اپنا زیادہ وقت صرف نہیں کرسکتا استفادہ نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے پیشِ نظر سیّد سلیمان ندوی نے "رحمتِ عالم" لکھنے کا ارادہ کیا۔ اس کتاب نے جہاں وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا وہاں ایک عام پڑھے لکھے (جن میں اکثر نوجوان شامل ہیں) کے لیے آسان زبان میں ایک مختصر مگر جامع سیرت بھی لکھ دی۔ اس ضمن میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں

> "ایک زمانے سے دوستوں کا اصرار تھا کہ چھوٹے لڑکوں اور معمولی لکھے پڑھے لوگوں کے لیے سیرت کی ایک ایسی چھوٹی سی کتاب لکھوں جس کا پڑھنا اور سمجھنا سب کے لئے آسان ہو اور اس میں کوئی اہم بات چھوٹنے بھی نہ پائے۔" [1]

---

[1] سید سلیمان ندوی، رحمتِ عالم، صفحہ 5، مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات دہلی ۱۳۸۹ھ

اپنے احباب کی اسی فرمائش کی تعمیل میں سید سلیمان ندوی نے ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ترتیب دی۔ جو سیرت پر معلوماتی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ دیگر خصوصیات کی بھی حامل ہے۔ اس کتاب کی زبان اور طرزِ بیان پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔

"اس میں عبارت کی سادگی، طرزِ ادا کی سہولت اور واقعات کے سلجھاؤ کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ تاکہ چھوٹی عمر کے بچے اور معمولی سمجھ کے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔" [1]

"رحمتِ عالم" کے ایک ایک فقرہ سے سید سلیمان ندوی کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ در اصل اس کتاب کو "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (جلد اول و دوم) کی تلخیص کہنا چاہیے، اس لیے کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں جلدوں کو سامنے رکھ کر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ اور مضامین کی ترتیب بھی وہی ہے۔ مثلاً سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مقدمہ کے طور پر کتاب کا آغاز عرب و حجاز کے جغرافیہ و تاریخ سے ہوا ہے۔ اور رحمتِ عالم کی ابتداء بھی اسی طرح ہوئی ہے۔ اس کے بعد پیغمبر کی اہمیت و ضرورت کو مختصراً "خدا کے قاصد" کے عنوان کے تحت اُجاگر کیا گیا ہے۔ پھر پیغمبروں کا سلسلہ نسل ابراہیمی و اسمٰعیلی کا مجمل ارتقاء اسی نسل میں قبیلہ قریش کے ایک معززِ خاندان بنو ہاشم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کو بڑی منطقی اور تاریخی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے چونکہ اختصار ہر لمحہ مصنف کے پیش نظر تھا۔ اس لیے طویل بحثوں میں اُلجھنے کے بجائے سلجھے ہوئے انداز میں نفس مطلب کی طرف صرف اشارے کر گئے ہیں۔ کبھی کبھی ایک ذیلی عنوان کے تحت صرف دو یا تین جملوں سے بھی کام لیا گیا ہے۔

---

[1] سید سلیمان ندوی، رحمتِ عالم، صفحہ ۷، مرکزی ادارۂ تبلیغ دینیات دہلی ۱۳۸۹ھ

اِس تمہیدی بحث کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش، ابتدائی حالات، کعبہ کی تعمیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم کردار، مشغلہ، تجارت اور پہلی شادی کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بہت ہی اختصار کے ساتھ وحی کی تعریف، پہلی وحی و نبوت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد اول اول اسلام قبول کرنے والوں کا بیان ہے۔ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی، عورتوں میں اور مردوں میں حضرت ابوبکر رضی، حضرت عثمان رضی بن عفان، حضرت زبیر رضی، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی حضرت سعد رضی بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ رضی بچوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے فرزند حضرت علی رضی اور خادموں و غلاموں میں حضرت زید رضی بن حارثہ، حضرت بلال رضی، حضرت عمار بن یاسر رضی، حضرت خباب رضی بن ارت اور حضرت صہیب رضی وغیرہ کے نام شامل کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد تبلیغ اسلام کے سلسلے میں ان کو جو دشواریاں پیش آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ان پریشانیوں اور دشواریوں کا مقابلہ کیا۔ اور صحابہ کرام رضی کو ان کے اپنے قبیلے کے لوگوں نے جو اذیتیں پہنچائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان ظالموں کے ساتھ کیا طرزِ عمل اور سلوک رہتا تھا۔ سید سلیمان ندوی نے اختصار سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تبلیغ پر روشنی ڈالی ہے کہ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے قبیلوں میں جاکر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیتے اور اس کے مثبت اور منفی نتائج کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتے۔ معاہدہ و صلح کی ضرورت ہوتی تو اس میں پیش قدمی کرتے یا جنگ ناگزیر ہو جاتی تو منصوبے کے ساتھ اول تا آخر اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کردار ادا کرتے اُن سبھی باتوں کو مختصراً مگر دل نشین انداز میں بیان کیا ہے اِن واقعات و حالات سے بلا ارادہ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعض منفرد و بے مثال پہلو اُجاگر ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایفائے عہد راست گفتاری حق پرستی، انصاف پروری، معاملہ کی صفائی، دیانتداری، استقامت مروّت شفقت و محبت حلم و عفو درگزر، زہد و تقویٰ، عبادت اور ریاضت

وغیرہ کے بنیادی اوصاف ارتقائی شکل میں سامنے آتے ہیں۔

اس میں اسلام کی دو عظیم عبادتیں، نماز اور روزے پر خصوصیت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مکہ اور ہجرت کے بعد مدینہ کی نمازوں میں جو فرق تھا اس کی وجہ بھی بتلائی ہے۔ پھر اسلامی جنگوں میں جنگِ بدر، جنگِ اُحد، جنگِ خندق اور جنگِ موتہ پر روشنی ڈالی ہے۔ تاکہ نوجوانوں میں اسلام کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ پیدا ہو اور وہ اسلام کی شان و شوکت کو سمجھیں۔ پھر اس کے بعد تاریخِ اسلام کے اس عظیم واقعہ کو قدرے تفصیل سے لکھا ہے جسے ہم صلحِ حدیبیہ کے نام سے جانتے ہیں۔ نیز فتح مکہ کا واقعہ، مالِ غنیمت کی تقسیم، پہلا باقاعدہ حج اور عرب کے صوبوں میں اسلام کی عام منادی کو احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے اور جب اسلام عرب کی حدوں سے نکل کر بحرین، اعمان اور شام وغیرہ تک پہنچا اس کا مختصر ذکر ہے۔

آخری صفحات میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جمعہ وغیرہ کی اہمیت پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ پھر تفصیل سے حجۃ الوداع پر بحث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارکان ادا کئے، جو کلمات ارشاد فرمائے اور خصوصیت سے جو خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا اُس کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جو اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے دینِ اسلام کی تکمیل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی روشنی سے دُنیا کا اندھیرا دور کیا۔ جب یہ کام پورا ہو چکا تو پھر خدا کے پاس واپسی کا حکم آ پہنچا، اس واقعہ کو "وفات" کے عنوان کے تحت کچھ تفصیل سے لکھا ہے۔ ذکرِ وصال النبیؐ کے بعد سیرتِ مقدسہ کو ختم ہونا چاہیے تھا۔ مگر سید سلیمان ندوی نے حضرت خدیجہ رضؓ کے علاوہ دوسری ازواجِ مطہرات اور آپ کے فرزندوں کے نام بتائے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی بیویاں تھیں اور اُن

کے زہد و تقویٰ کا کیا حال تھا۔

اور آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و اخلاق پر مثالوں کے ذریعے روشنی ڈالی ہے تاکہ قارئین (بچوں اور نوجوانوں) کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات رہیں۔ اور ان کو اپنا کر وہ اپنی دنیا و آخرت کو سنواریں۔ ڈیڑھ سو صفحات کی اس مختصر سیرت میں سید سلیمان ندوی نے 87 عنوانات قائم کیے ہیں اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مصنف نے بے شمار معلومات کو بہت کم صفحوں پر پھیلا دیا ہے لیکن اُن کا یہ اختصار سیرت کے گوشوں کو تشنہ بھی نہیں چھوڑتا اور وہ ادبیت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یہ مصنف کا کمال ہے کہ وہ اہم سے اہم نکتہ بھی غزل کی زبان میں یوں بیان کرتے ہیں کہ کہنے والا کہہ اُٹھے کہ اس بات کو اس سے بہتر انداز میں پیش ہی نہیں کیا جا سکتا۔ سید سلیمان ندوی کی طرز تحریر کے متعلق اعجاز حسین رقم طراز ہیں۔

> "آپ (سید سلیمان ندوی) نثر لکھنے میں ایک خاص طرز کے مالک ہیں۔ اُن کی عبارت میں ادبیت و پختگی کے علاوہ علمیت کا بھی ذخیرہ ملتا ہے، لیکن علمیت ایسی نہیں جو کانوں کو گراں محسوس ہو بلکہ عربی اور فارسی کے ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن کا استعمال کرنا اب ناگزیر ہو گیا ہے۔ جن کے بغیر ہم اپنے خیالات کا اظہار آسانی سے نہیں کر سکتے۔ سید سلیمان ندوی لفظوں کی رنگینی سے اپنا گرویدہ نہیں بناتے۔ ان کے نزدیک رنگینی کا نام ادبیت نہیں بلکہ اپنے خیالات اور الفاظ کو اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ پڑھنے والا ان عالمانہ حقیقتوں میں ادبیت کے مزے لیتا ہے۔" [1]

---

[1] اعجاز حسین، مختصر تاریخ ادب اُردو صفحہ 423-422۔

اس مختصر سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصفِ خاص یہ ہے کہ سید سلیمان ندوی نے واقعات کے انتخاب میں اپنے قاری کے ذہن کو سامنے رکھا ہے۔ اس کی نفسیات، اس کی مصروفیت اور اُس کی زبا ندانی سے بھی وہ واقف ہیں۔ اس لیے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ زبان کی سادگی، بیان کی دلکشی اور حُسنِ ترتیب نے اس سیرت کو مقبولِ خاص و عام بنا دیا۔ پچھلے صفحات میں ہم سید سلیمان ندوی کی دو اہم کتابوں کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ سید سلیمان ندوی جگہ جگہ معمولی سی معمولی جزئیات کو بیان کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن رحمتِ عالم میں صرف وہی جزئیات پیش کی گئی ہیں جو نفسِ واقعہ کی وضاحت میں ضروری و معاون ہوں۔ اس لئے سید سلیمان ندوی مسائل کی پیچیدگی میں اُلجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنی بات اختصار کے ساتھ دلنشین پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔

سید سلیمان ندوی نے اُن موضوعات کو اس سیرت میں جگہ نہیں دی ہے جن کی تفصیل کو بچے اور معمولی پڑھے لکھے لوگ آسانی سے سمجھ نہیں سکتے۔ اسی لیے سید سلیمان ندوی نے وحی، معجزات، اسلام کا سیاسی نظام اور مکمل نظامِ حیات جیسے عنوانات سے گریز کیا ہے۔ اِسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف پہلے نکاح کا ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ دوسرے مضامین سے قطع نظر مصنف کو چاہیئے تھا کہ وہ باقی نکاح پر اختصار سے ہی ہی روشنی ڈالتے۔ اس لیے کہ یہ سیرت کا انتہائی اہم پہلو ہے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی قاری کے سامنے آتی۔ اور ان باتوں کا پتا چلتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازواجِ مطہرات کے ساتھ کیسے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور بحیثیتِ شوہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرائض کس طرح ادا کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیویوں کے ساتھ کیا سلوک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معاملات کو کس طرح حل کرتے۔ ان سے محبت و شفقت رواداری و انصاف پسندی کا

کیا حال تھا۔ وغیرہ۔ اس لحاظ سے سیرت کا یہ پہلو تشنہ دکھائی دیتا ہے، بہر کیف سید سلیمان ندوی کی "رحمت عالم" ان تمام خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ جو خوبیاں کسی مختصر سیرت میں ہو سکتی ہیں یا ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے یہ کتاب خاص و عام میں کافی مقبول ہوئی۔ اس کا اندازہ ہمیں اس کی بار بار اشاعت سے ہوتا ہے۔ جب اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو اسکی 5 ہزار کاپیاں ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔ سید سلیمان ندوی کی حیات میں ہی اس کا دوسرا تصحیح و اضافے کے ساتھ ایڈیشن شائع ہوا تھا۔ اس سلسلے میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

> "کتاب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو قدر ہوئی وہ مصنف کی توقع سے زیادہ ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک پانچ ہزار کتابیں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں.........اب نیا ایڈیشن آپ کے پیش نظر ہے۔ آخر میں اخلاق کا حصہ کچھ اور بڑھا دیا گیا ہے.......دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی کتاب سے ہمارے بچوں میں اپنے (ہمارے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اور اُن کی (آپ صلعم) کی پیروی کا خیال پیدا کرے۔" [1]

اس کتاب کے متعدد ایڈیشن اب تک ہندوستان و پاکستان میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب ہند و پاک کے بے شمار اسکولوں اور دینی مدرسوں کے نصاب میں شامل ہے۔ اور اس کے ہندی، گجراتی اور بنگالی میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

آخر میں صرف اتنا کہوں گا کہ سید سلیمان ندوی کی تصانیف پڑھ کر ہماری دینی معلومات میں زبردست اضافہ ہوتا ہے، ہمارے ذہن اور دِل کو توانائی ملتی ہے۔ اور ہمارا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ ہمارے ایمان کو تازگی و قوت عطا کر کے اسلام کی یہ عظیم شخصیت ہم سے رخصت ہو گئی۔

---

[1] سید سلیمان ندوی 'رحمتِ عالم' دیباچہ طبع ثانی صفحہ 6 مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات دہلی 'دیباچہ لکھنے کی تاریخ مئی سنہ 1943'

# مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی

آپ کی ولادت ۵ر رجب المرجب ۱۲۹۸ھ مطابق 3 جون 1881ء کو بروز جمعہ ہوئی، بچپن ہی سے ذہن مطالعے کی طرف مائل تھا، چھ سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ اور کچھ اردو کی کتابیں پڑھ لی تھیں، اسکے بعد انگریزی اسکول میں داخلہ ہوا، وہاں دو سال تعلیم پائی۔ پھر تین سال کی عمر میں مدرسہ قومی میرٹھ میں شریک ہوئے، دو سال میں جملہ کتب صحاح و دینیات ختم کردیں اور سولہ سال کی عمر میں مولانا سید حسن امروہی کے ہاتھوں دستار بندی ہوئی، کئی حج کیے۔ حضرت قطب عالم گنگوہی سے بیعت بھی کی۔ اور تمام عمر درس و تدریس مطالعہ و تصنیف میں صرف کی۔ ان کی مشہور تصنیف "تذکرۃ الخلیل" ہے جس میں حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن، حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم رائے پوری، مولانا صدیق احمد اور مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے مختصر حالات بیان کئے ہیں۔ مولانا محمد عاشق الٰہی کا انتقال یکم شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق 25 اگست 1941ء کو ہوا۔

زیر نظر کتاب "ماہ تاب عرب" مولانا موصوف کی پہلی سیرت کی کتاب ہے جس کو مکتبہ ملت دیوبند نے 1997 میں شائع کیا۔ اگرچہ کہ یہ کتاب مولانا موصوف نے ۱۵ر جمادی الاول ۱۳۴۳ھ میں مکمل کرلی تھی، ہوسکتا ہے، اسکی پہلی اشاعت مولانا کی حیات میں ہوئی ہو۔ یہ ایک مختصر تصنیف ہے جو ایک سو چھہتر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مشمولات اور اسکے عنوان سے متعلق مصنف لکھتے ہیں کہ

" نسخہ مفیدہ جسمیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے کارنامے اور مساعی جمیلہ بالاجمال اور سید ولد آدم فخر عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارکہ بالتفصیل مذکور ہیں اور اس کا نام " ماہتاب عرب " اسلئے رکھا گیا ھے کہ نظائر و واقعات سے فضیلت محمدیہ اور آپ کی شریعت سینہ کی جامعیت اسمیں چمکتی ھے ۔۔۔۔ " [1]

اس کتاب میں مصنف نے چار ابواب قائم کئے ہیں - باب اول میں "نبوت کی ضرورت" کے عنوان کے تحت عام بحث کی گئی ھے - اور بتایا گیا ھے کہ دنیا میں دو نظریات پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ جن کے نزدیک آخرت کوئی چیز ھے، اسلئے سعود بہر دنیا کی ترقیات و راحت کے ختم ہو جانے کے بعد پیش ہونے والی آخرت کی راحت و تکلیف کی فکر و اہتمام کرنا ضروری ھے - دوسرا یہ کہ جن کے نزدیک آخرت ایک افسانۂ بے اصل اور انسان کیلئے دل بہلاؤ کہانی ھے، ان اختلافی عقائد کو مٹانے کیلئے مصنف کہتے ہیں کہ راہنماؤں، پیشواؤں اور انبیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔ مصنف علامتی انداز اختیار کرتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ بادشاہ (مالک حقیقی) اپنی رعایا (جان نثار بندے) ہی میں سے انبیاء کا انتخاب کرتا ھے تاکہ وہ باغی رعایا کو اپنی تعلیمات کے ذریعے راہ راست پر لائے - اس کوشش میں انبیاء کرام جن دشواریوں سے گذرے ہیں - ان کا مصنف نے جائزہ لیا ہے اور یہ بھی بتایا ھے کہ ان حالات میں انبیاء علیہم السلام نے کس ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا، اور یہ باغی رعایا آخرکار انبیاء علیہ السلام کے سامنے گردن جھکا کر کھڑی ہوگئی ان کی سچائی کا اقرار کیا - اور ایمان لاکر ان کے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات میں ان کی تقلید و اتباع کرنے لگی - اور یہ سلسلہ آدم ع کی پیدائش سے شروع ہوکر آپ صلعم تک آپہنچا - اور قیامت تک، اللہ کے خلاف ہونے والی

---

[1] محمد عاشق الٰہی صدیقی " ماہتاب عرب " ص 3 مکتبہ ملت دیوبند 1997

بغاوت کو رفع کرنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔

باب دوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل کی دنیا کے حالات، عرب میں پائے جانے والے فساد و بگاڑ کی داستان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حالات میں بعثت، آپ صلعم کی حیرت انگیز کامیابی، آپ صلعم کی قبل از نبوت زندگی، دعوت اور اس سلسلے میں پیش ہونے والے تمام اہم واقعات کا احاطہ کرتا ھے۔

مولانا موصوف نے پہلے عالمگیر فساد کا تذکرہ کرکے شاہی دارالحکومت یعنی عرب کی بغاوت جو صحیح عقائد اور وحدانیت کے خلاف تھی ذکر کرکے آپ صلعم کی تشریف آوری کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی ھے۔ اور بتایا ہے کہ بلکتی ہوئی انسانیت کو بچانے اور خدائی حکومت کو قائم کرنے کیلئے اللہ نے اپنے محبوب نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا جو ۱۲ ربیع الاول ۴۲ کسروی کو دوشنبہ کے دن صبح کے وقت مکہ میں پیدا ہوئے اور تریسٹھ سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دوشنبہ کے دن بوقت صبح مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اسکے بعد مصنف نے بعثت نبوی سے پہلے کے تمدن پر روشنی ڈالی ھے اور ان کی جملہ برائیوں کا مختصر طور پر احاطہ کیا ہے، اسکے ساتھ ہی نبوت سے قبل کی آپ صلعم کی ذاتی زندگی کا جائزہ لیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی دعوت (خطبۂ کوہِ صفا)، عوام کا اسپر ردِ عمل، اہل عرب کا سوشیل بائیکاٹ وغیرہ پر اختصار سے روشنی ڈالی ہے

بعد ازاں اہل عرب کے قبولِ اسلام کا جائزہ لیا ھے، اس میں مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ھے کہ اسلام کی کن کن چیزوں سے متاثر ہوکر لوگوں نے اسلام قبول کیا، یعنی کچھ لوگ آپ کی طرزِ معاشرت سے، کچھ بلاغتِ قرآن سے، کچھ شعرائے

عرب کی طرف سے قرآن کا جواب نہ پاکر کچھ قرآن کی حقانیت سے، کچھ سابقہ کتب میں بیان کردہ محاسن دیکھ کر، کچھ معجزات کا مشاہدہ کرکے، کچھ غیبی اطلاعات کی صداقت پر، کچھ تعلیم شریعت و ذاتی حسن دیکھ کر اور کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نصرتِ خداوندی دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ اس کا بھرپور جائزہ مصنف نے لیا ہے۔

اسکے بعد کفار کا ظلم اور صحابہؓ کی ثابت قدمی، آپ صلعم کی آوازِ حق دبانے کی قریش کی تدبیریں، حج کے مہینوں میں اسلام کی مقبولیت، ہجرتِ حبشہ، آپ صلعم کے قتل کا منصوبہ، ہجرتِ مدینہ، مدینے میں آپ صلعم کا استقبال وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے، معرکۂ بدر کے مکمل واقعات درج کئے ہیں۔ پھر غزوۂ خندق، صلح حدیبیہ، غزوۂ تبوک، فتح مکہ اور اس سے تعلق رکھنے والے واقعات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

بعد ازاں غزوۂ حنین، قبائل عرب کے وفود کی آمد، حجۃ الوداع، آپؐ کی زندگی کے آخری لمحات، مرض و وفات پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز فتح مکہ کی کامیابی پر تبصرہ کرکے آپ صلعم کے بیس سالہ کارناموں کا مختصر جائزہ پیش کرکے یہ بتایا ہے کہ اتنی قلیل مدت میں جو انقلاب آپ صلعم نے برپا کیا اسکی نظیر تاریخ دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ اسکے ساتھ ہی باب دوم اختتام پذیر ہوا ہے۔

باب سوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت پر مشتمل ہے تقریباً بیس صفحات میں مختصراً اسکا جائزہ لیا گیا ہے، اسمیں نبوت کا دوسرا جزو یعنی تعلیم کا عظیم الشان منصب بیان کیا گیا ہے اور دکھایا ہے کہ آپ صلعم نے کس طرح باغیوں کو زیر کیا، اور بیگانہ کو یگانہ بنایا، جاہلوں کو عالم اور ناقصوں کو کامل بنا دیا۔ اسکی ساری تفصیل اس باب میں بیان کی ہے، جس کو مصنف نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور وہ چار امور جن سے آپ صلعم کے کام کی عظمت ظاہر ہوتی ہے

وہ یہ ہیں :

۱۔ نصابِ تعلیم، مدّتِ تعلیم، طرزِ تعلیم اور متعلّمین کی تعداد (کہ آپ صلعم کتنی بڑی جماعت کو کتنے تھوڑے زمانے میں کس قدر وسیع تعلیم کس سہل اسلوب کیساتھ دینے کیلئے دنیا میں بھیجے گئے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اسکو کس خوش اسلوبی سے پورا کیا)

نصابِ تعلیم کو بھی مصنف نے دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی تحصیلِ معاش اور تحصیلِ معاد، تحصیل معاش سے مصنّف کی مراد یہ ہے کہ عالمِ وجود میں زندگی گذارنے کیلئے مخصوص تعلیم کی ضرورت ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلعم نے اپنی تعلیم کے ذریعے بادشاہوں کو سیاست وآئین سکھائے۔ تاجروں کو اُصولِ تجارت و طریق بتائے۔ زمین دار وکاشت کار کو اسکی جملہ ضروریاتِ کاشت کے حسن وقبح بتلائے ہیں۔ اور اہلِ حرفہ و صنعت کو اُن کے گذران و تحصیلِ معاش کی صورتیں بتلائیں۔ پھر اگر ملازم کو طریقِ خدمت سکھایا تو آقا کو مخدومیت کے پہلوؤں سے آگاہ بھی کیا۔

دوسرے حصّے میں تعلیمِ معاد ا یعنی وہ تعلیم جسکے ذریعے آخرت میں نجات ملتی ہے۔ پھر اظہارِ خیال کیا ہے اور یہ وہ تعلیم ہے جو اعداء اللہ کو احباء اللہ، شقی کو سعید، توہم پرست کو خدا پرست، بزدل کو شجاع، بخیل کو سخی بناتی ہے عقائد درست کرتی ہے اور اخلاقِ حمیدہ کے حاصل کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔

بعد ازاں متعلمین کی حیرت انگیز تعداد کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ ایک فردِ واحد نے زمین کے اس کنارے سے لیکر اس کنارے تک کے باشندوں کو آپ کی تعلیم کا طالب علم بنا دیا اور اس حیرت انگیز ترقی کیلئے جو مدّت آپ صلعم کو ملی وہ صرف تیئیس سال کی تھی۔ اتنی قلیل مدّت تو بسا اوقات ایک مدبّر وذی اختیار شخص کیلئے نا کافی ہوتی ہے کہ وہ اپنے زیرِ نگراں بیوی اور بچّوں کی اصلاح

کر سکے۔ مولانا موصوف اس حیرت انگیز تبدیلی کی وجہ ۔ آپ صلعم کی طرز
تعلیم بتاتے ہیں۔ یقیناً آپ صلعم نے جو طرز اختیار کیا تھا وہ اتنا عمدہ تھا کہ جو
سکھایا، دل میں اتر گیا۔

" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز تعلیم پر نظر کی جائے تو حیرت ہوتی ہے
کہ نہ اتنی سخت ہے جس کا تحمل دشوار ہو اور نہ اتنی نرم ہے کہ اثر کرنے سے
قاصر رہے۔ نہ اتنا عالی مضمون ہے کہ کند ذہن سمجھ نہ سکے اور نہ اتنا گرا ہوا ہے
کہ عاقل، فلاسفر گرفت کر سکے ـــــ "

باب چہارم کا عنوان ہے " تزکیہ نفوس اور تکمیل " اس باب میں مصنف
نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کی عظمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے
کہ وہ آپ صلعم کی نظر کیمیا ہی کا اثر تھا جس نے جاہلوں کو عالم، عالموں کو عامل
عاملوں کو صالح اور صالح کو متقی اور متقی کو مخلص اور مخلص کو صدیق بنایا
اور اس ضمن میں متعدد واقعات بھی پیش کیے ہیں تاکہ مذکورہ باتوں کی شہادت
ہو جائے۔ اسکے بعد مولانا موصوف نے صحابہ کی شان کا جائزہ لیا ہے، یعنی یہ
بتایا ہے کہ آپ صلعم نے صحابہ کی ہر طرح سے تربیت کی انھیں مکمل بنایا اور ان
کے اندر وہ استطاعت پیدا کی کہ وہ آئندہ دوسروں کی تکمیل کر سکیں۔ خصوصی
طور پر حضرت صدیق اکبر رض اور حضرت عمر رض کی شان بتائی ہے، اور آخر میں آپ صلعم
کی خدمات مبارکہ کا مختصر جائزہ لیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ صرف تیئیس سال
کے اندر اصلاح و تعلیم، تزکیہ و تکمیل کے تمام مراتب آپ صلعم نے انجام دیئے۔
اور اپنی اس عظیم خدمات کا کوئی صلہ نہیں چاہا۔

مختصر یہ کہ " ماہتاب عرب " ایک مختصر مگر جامع سیرت النبی صلعم ہے جس میں
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے آپ صلعم کے اوصاف و کمالات، محاسن و محامد اور
خصائل پر انوکھے طرز سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہم پر واضح کریگا

کہ یقیناً اس کتاب پر "دریا بہ کوزہ" کی مثال کسقدر صادق آتی ہے اور یہ بھی بتائے گا کہ مصنف نے واقعاتِ سیرت سے کس طرح نفیس و لطیف نتائج اخذ کئے ہیں، اس بناء پر کتبِ سیرت میں اس کتاب کو ایک منفرد اور امتیازی مقام حاصل ہے، اسکی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ الفاظ و بیان سے حُسنِ عقیدت کے اظہار کے باوجود اس کتاب میں سیرتِ طیبہ کو محض عقیدت کے لحاظ سے پیش نہیں کیا گیا، حقیقت و واقعیت کے لحاظ سے پُر مغز تجزیہ و تبصرہ کیا گیا ہے

مصنف نے عام فہم زبان استعمال نہیں کی ہے، بلکہ عربی فارسی کے بے شمار الفاظ اس میں آتے ہیں، اسی لئے مشکل الفاظ کے مصنف نے فٹ نوٹ میں معانی بھی بتلائے ہیں، نمونۂ عبارت دیکھئے۔

"قریش جو اس پانچ جماعت کے سردار تھے، چونکہ نسبی شرافت، بیت اللہ کی مجاورت، ملکی سیادت اور زائرین کے مخدوم ہونے کی وجہ سے گویا لوگوں کے اجسام ہی پر نہیں، بلکہ دلوں پر حکومت جمائے ہوئے تھے۔ اسلئے آن بان میں کھڑے رہے اور شروع میں یوں سمجھ کر کہ یتیم بچے کی ناآشنا صدا کو ہذیان سے زیادہ وقعت نہ ہوگی۔۔۔۔۔" [1]

---

۱ محمد عاشق الٰہی میرٹھی "ماہتاب عرب" ص 87 مکتبۂ ملت دیوبند 1997

# مولانا احمد یار خاں نعیمی

بیسویں صدی کے مقتدر علمائے کرام میں مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں نعیمی کا شمار ہوتا ہے، وہ بیک وقت اپنے زمانے کے عالم، مفسّر اور مفتی تھے، انہوں نے متعدد مضامین اور بے شمار تقاریر کے ذریعے حضور پُرنور صلّی اللہ علیہ وسلم پر کیے گئے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے حلقہ میں عظیم مناظر کے لقب سے معروف ہیں۔ اور بہ حیثیت معلم، مفسّر اور مفتی مختلف عربی و دینی مدارس میں اپنے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ سلطنت مصطفےٰ در مملکتِ کبریا، صحابۂ پیغمبری، مراۃ المناجیح، مشکوٰۃ المصابیح اور شانِ حبیب الرحمٰن مع آیات القرآن آپ کی مقبولِ عام تصانیف ہیں۔

سیرتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے "شانِ حبیب الرحمٰن مع آیات القرآن" مولانا احمد یار خاں نعیمی کی ایک اہم کتاب ہے جو بشمول ضمیمہ 325 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں 290 صفحات پر سیرت پھیلی ہوئی ہے ضمیمہ میں مصنف نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے خدّام یعنی اولیائے کرام کا ذکر کیا ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے۔

مولانا احمد یار خاں نعیمی نے "شانِ حبیب الرحمٰن مع آیات القرآن" کی ابتداء 3، جون 1942ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ میں کی تھی اور محرم ۱۳۶۵ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچائی۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ نامی پریس پیسہ اخبار اسٹریٹ لاہور سے شائع ہوئی اور ہندوستان میں جنید بکڈپو گوبیدرہ ضلع بالیسر

(اڑیسہ) نے شائع کی، ہندوستان کا یہی نسخہ زیر بحث ہے

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف محاذ آرائی ہر دور میں ہوئی ہے اور ہر زمانے میں شیدایانِ رسول ﷺ ان اعتراضات والزامات کا جواب دیتے رہے ہیں، جواب دینے کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ جو اعتراضات کئے جارہے ہیں، ان کا صاف صاف جواب دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ آپ صلعم سے متعلق غلط بیانی سے کام لیکر جو آپ صلعم کی عظمت و مرتبہ کو گھٹانے کی سازش کی جارہی ہیں، اسکے جواب میں آپ صلعم کی شان وعظمت کو قرآن و وحدیث کی روشنی میں اجاگر کیا جائے اور مولانا احمد یار خاں نعیمی نے آخر الذکر روش کو ہی اپنایا ہے۔ چنانچہ مصنف نے چند آیات کو اکٹھا کرکے یہ کتاب مرتب کی ہے، جسے عظیم الشان قرآنی گلدستۂ نعت کہنا چاہیئے۔

اگرچہ یہ کہ سارا قرآن کریم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کیلئے اترا ہے۔ اور اس کا ایک ایک حرف ولفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا کا لازوال مخزن ہے۔ جس کی تصدیق ام المومنین حضرت عائشہ رض نے بھی 'کَانَ خُلُقُہُ القُرْآن' کہہ کر کردی تھی، لیکن بعض آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کے مختلف پہلوؤں پر نص قطعی کا حکم رکھتے ہیں اور ان سے تاجدار انبیاء کے فضائل وکمالات اس انداز سے آشکار ہوتے ہیں کہ شک وشبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ ایسی ہی آیات کو یکجا کرکے مصنف نے 'شان رسالت' بتانے کی کوشش کی ہے۔

'شان حبیب الرحمن مع آیات قرآن' کی ابتداء 'حمد' سے ہوتی ہے، جسمیں مصنف نے نثر میں اللہ کی تعریف کی ہے اور کتاب ھٰذا کی وجہ تصنیف کی طرف اشارہ کرکے اللہ سے دعا کی ہے کہ یہ مقدس کام بحسن وخوبی انجام کو پہنچے۔ اور مقدمہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن اول سے آخر تک نعت سرور دو عالم ﷺ ہے۔

یہاں تک کہ سورۂ اخلاص (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) اور سورۂ لہب (تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ) میں بھی خدائے قدوس نے اپنے محبوب کی تعریف کی ہے۔ اگرچہ پہلی سورت میں خدا کی صفات کا ذکر ہے اور دوسری میں ابولہب اور اسکی بیوی کا تذکرہ ہے۔ لیکن مصنف نے اسکی تفسیر میں ایسی بحث اٹھائی ہے کہ ان کی بات کی تصدیق ہوجاتی ہے۔

اس کتاب میں قرآن مجید کی وہ ایک سو ایک آیات مع مطالب جمع کی گئی ہیں، جن میں مراحتاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت بیان فرمائی گئی ہے۔ اسکی ابتداء هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۝ سے ہوتی ہے (سورۂ حدید رکوع ۱) پارہ ۲۷

ترجمہ:

وہ ہی اول ہے، وہ ہی آخر ہے، وہ ہی چھپا اور وہ ہی ہر چیز جانتا ہے۔ اس سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ صلعم اول و آخر ظاہر و باطن ہر چیز کو جانتے ہیں۔ اس ایک آیت میں مصنف نے آپ صلعم کی پانچ صفات بیان کی ہیں۔ جن سے آپ صلعم کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

اس کتاب کی آخری آیت سورۂ فاتحہ کی یہ آیت کریمہ ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۝

ترجمہ:

ہم کو سیدھا راستہ چلا، ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔

مصنف نے اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ بھی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی نعت شریف ہے، وہ آگے لکھتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ یہ دعا مانگو کہ اللہ ہم کو سیدھا راستہ چلا ان کا راستہ جن پر تو نے احسان فرمایا ہے، اور اسکی صراحت کرتے ہوئے مولانا احمد یار خان نعیمی

لکھتے ہیں کہ یہ سیدھا راستہ دینِ اسلام ہے اور دینِ اسلام پیرویٔ مصطفیٰ کا نام ہے، اسکی تصریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ راستہ یہی ہے جس پر منعم چلے ہیں۔ اور سب سے بڑا جن پر اللہ نے انعام فرمایا، وہ حضور صلعم کی ذاتِ مقدسہ ہی ہے۔

اس طرح مصنف نے ایک سو تین آیاتِ کریمہ کی تشریح و تفسیر سے آپ صلعم کی عظمت ثابت کی ہے۔

مثلاً حضور صلعم جامع کمالاتِ انبیاء ہیں۔ حضورِ صلعم صفاتِ الٰہی سے موصوف ہیں، حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی فضائل میں ـــ

' حضور شافعِ محشر ہیں، حضور صلعم از سرتا پا معجزہ ہیں، حضور صلعم کا نسب شرک و زنا سے پاک ھے۔ حضور صلعم کی ہر چیز افضل ہے، معراج کی حکمتیں، حضور صلعم کی رحمتِ عام ہے۔ حضور جامع صفات انبیاء ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی حیات عالم کیلئے نمونہ ہے، حضور صلعم عفو و کرم کے پیکر ہیں، حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت بے مثل ہے، حضور صلعم خاتم النبیّین ہیں۔ دیگر انبیاء اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں فرق ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم اور دیگر پیغمبروں کی رسالت میں فرق ہے۔ وغیرہ۔

اور آگے یہ بھی لکھا ہے کہ ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ قرآن کریم میں صرف اس قدر آیات ہیں جو آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی شان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی ایک ایک آیت آپ صلعم کی نعت ہے۔

ان آیات کے انتخاب میں مصنف نے قرآنی ترتیب کا خیال نہیں رکھا ہے تاہم پڑھتے ہوئے کہیں محسوس ہی نہیں ہوتا کہ سلسلۂ کلام ٹوٹ رہا ہے۔ زبان آسان و سلیس ہے اور انداز بیان دلکش ہے، ایک مقرر ہونے کی وجہ

سے موصوف کی تحریر میں کہیں کہیں خطیبانہ انداز آگیا ہے

ان کی تحریر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مولانا موقع ومحل کے اعتبار سے اشعار کا استعمال خوب کرتے ہیں۔ انھوں نے نفس مضمون میں جان ڈالنے اور تاثر کو شدید بنانے کیلئے اشعار کے حربے سے کام لیا ہے۔

بہرحال مولانا مفتی یار خاں صاحب نے کتاب ھٰذا کو نہایت مدلّل، مربوط اور مثبت انداز میں تحریر کیا ہے اور اس موضوع پر ان کی یہ اوّلین تصنیف ہے

—

# مولانا قاری محمد طیّب

حکیم الامت حضرت مولانا محمد طیّب کا نام دینی و علمی دنیا میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ان کا شمار حضرت علاّمہ انور شاہ کشمیری کے مخصوص و معروف شاگردوں میں ہوتا ہے۔ دینی و علمی دنیا میں آپ قاری طیّب کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے متعدد کتابیں دینی و مذہبی عنوانات کے تحت تصنیف کی ہیں جن میں "اسلام اور فرقہ واریت" روایات الطیب، مشاہیر امت، مقالات طیّبات، عالمی مذہب، اسلام اور مغربی تہذیب، کلمۂ طیّب اور فلسفۂ نماز شامل ہیں۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی تین کتابیں منظرِ عام پر آئیں، یہ تینوں کتابیں شانِ رسالت، خاتم النبیّن اور آفتاب نبوت کافی مقبول ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر دینی مدارس کے نصاب میں یہ کتابیں داخل کی گئی ہیں۔ یہاں آپ کی ان تینوں تصانیف کا جائزہ لیا جائے گا۔

شانِ رسالت:

مولانا کی یہ تصنیف ادارہ تاج المعارف دیوبند (یوپی) نے دسمبر 1954 میں شائع کی تھی اور اسکی طبع ثانی مارچ 1956 میں ہوئی۔ قاری اخلاق احمد صدیقی کے زیرِ نگرانی شائع شدہ اس سیرتِ نبوی کی ضخامت (چھوٹی تقطیع میں) ۱۰۹ صفحات ہے۔ مولانا موصوف نے سیرت النبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے روح پرور موضوع پر ایک خصوصی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے۔ اس میں قدیم سیرت نگاری کے موضوعات کو زیرِ بحث نہیں لایا گیا یعنی سیرت کے موضوع پر آج

سے قبل جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں، ان میں بیشتر وہی ہیں جو پیغمبر علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کی سوانح کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان میں ولادت سے لیکر وفات تک کے احوال و کوائف کو کتاب کی نوعیت کے لحاظ سے کہیں اجمال اور کہیں تفصیل سے سامنے لایا گیا ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ اربابِ ایمان کیلئے ان میں سے ہر کتاب غذائے روح اور ایمان افروز ثابت ہوئی ہے اور سادہ لوح، با ایمان اور کم تعلیم یافتہ مسلمانوں کیلئے اس قسم کی کتابوں کی بنیادی ضرورت سے کسی کو انکار بھی نہیں ہو سکتا۔

لیکن مولانا محمد طیبؒ نے ان موضوعات سے ہٹ کر صرف آپ صلعم کی شانِ رسالت پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔ بقولِ ناشر "نبیؐ کی سیرت درحقیقت ان "عظیم ملکات" کا عنوان ہے کہ جن پر شریعتِ ربانی کا ورود و نزول ہوتا ہے اور اس بارِ عظیم سے انبیاء علیہ السلام اسوقت تک سبکدوش نہیں ہوتے تاوقتیکہ اللہ کی نازل فرمودہ شریعت سے اقوام و مللِ عالم کو شناسا نہ بنادیں ؎ا"

اسلئے سیرت کا حقیقی بیان وہی ہو سکتا ہے جس میں اولاً پیغمبرؐ کی سیرتِ مبارکہ یعنی ملکاتِ فاضلہ کا تعارف ہو اور پھر ان ملکات پر نزول شریعتِ مقدسہ کی کیفیات کا بیان ہو اور سب سے آخر میں حیاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شریعتِ نازلہ سے مطابقت کا اظہار ہو۔ یعنی سیرت کے بیان میں تین چیزوں کو پیشِ نظر رکھا جائے، اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ سیرت، دوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شریعت اور سوم سیرت و شریعت کے ساتھ عملاً مطابقت، جس کو سیرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہا جا سکتا ہے۔

---

؎ا مولانا قاری محمد طیب "شانِ رسالت" (طبع ثانی) ۲ ۵ ادارہ تاج المعارف دیوبند (یوپی)

مصنف نے ان اجزائے سیرت کو پیش نظر رکھ کر پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ فطرت، پاک سیرت اور کامل شریعت کو نئے انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ اس کتاب میں شانِ رسالت کے پانچ اصول بیان کیے گئے ہیں ان میں دو کا تعلق آپ صلعم کی ظاہری شان سے ہے اور تین کا باطنی شان سے ہے، ظاہری شان میں مصنف نے شانِ عبادت اور شانِ خلافت کو اور باطنی شان میں شانِ قرب، شانِ ہمت اور شانِ ہدایت کو دکھایا ہے۔

اصل کتاب کا آغاز صفحہ نمبر ۹ سے خطبۂ مسنونہ سے ہوتا ہے اور اسکے بعد ایک حدیث پیش کی گئی ہے، اور بقول مصنف اسی حدیث کا خلاصہ یہ سیرتِ نبویؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں

"یہ تحقیق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے بعد ہم کسے امیر بنائیں؟ فرمایا کہ ابوبکر رضؓ کو امیر بناؤ تو تم انھیں امین اور دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا شائق پاؤگے اور عمر رضؓ کو امیر بناؤ تو تم انھیں قوی اور امین پاؤگے، خدا کے معاملے میں کسی ملامت کی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں اور اگر علی رضؓ کو امیر بناؤ (اور میں دیکھتا ہوں کہ تم ایسا کرنے والے ہو نہیں) تو تم انھیں ہدایت کنندہ اور ہدایت یافتہ پاؤگے، جو تمہیں سیدھے راستہ پر چلائیں گے۔"

اگرچہ کہ یہ حدیث مسئلہ خلافت پر روشنی ڈالتی ہے، لیکن بقول مصنف اس سے شانِ رسالت کے مضمون کا استنباط کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیتِ مجموعی وہ کیا شان تھی جس کے سبب آپ کا ذکر اللہ کے ذکر کے ساتھ بلند کیا گیا، آپ صلعم کو عالموں پر فضیلت دی گئی۔ حق تعالیٰ نے خود آپ صلعم کی مدح سرائی کی اور وہ کونسی ارفع شان ہے کہ نبوت سے کسریٰ اور خلافتِ عظمیٰ

کی بنیاد اس پر قائم کی گئی اور اس سے پھر تمام فضائل و کمالات کا چشمہ ابلا۔

اس کے بعد مصنف نے سیرت کے عنوان کی مناسبت سے اول "شان" کی تشریح کی ہے، جس میں پہلے احادیث کے حوالے سے شان کا مفہوم بیان کیا ہے، پھر صوفیوں کی اصطلاح میں اسکے معنی و مفہوم کیا ہیں، اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ بعدازاں اس تشریح کی روشنی میں "شانِ رسالت" صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہارِ خیال کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبادت کا احاطہ کرنے سے قبل درجاتِ محبت پر بحث کی ہے اور اسی میں شانوں میں پائے جانے والے فرق کو بتایا ہے تاکہ اہلِ دنیا کی شان اور اہلِ دین کی شان کا فرق واضح ہو جائے اور پھر اہل اللہ کی شانوں کی وضاحت بھی کی ہے۔ پھر شئونِ الٰہی سے شانِ رسالت کا تعلق بتایا گیا کہ خدائے تعالیٰ تمام شانوں کا مرکز و مجموعہ ہے اور اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانیں وابستہ ہیں۔ اور آپ صلی اللہ کی ہر شان حق تعالیٰ ہی کی شانوں سے بنتی ہے۔ اس کے بعد آپ صلعم کی شانِ عبادت پر روشنی ڈالی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلعم کی شانِ عبادت تمام بنی نوعِ انسانی میں عظیم ہے، مولانا محمد طیبؒ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ہر ہر شان کے تقاضے کے مطابق اس کا حق ادا فرماتے ہیں اور ہر ہر شانِ ربوبیت کا حق اسکے مناسبِ حال اپنی شانِ عبودیت سے ادا فرماتے ہیں، جس سے آپ صلعم کی شانِ عبادت واضح ہوتی ہے۔"[1]

مولانا کے نزدیک عبادت بغیر معرفتِ معبود اور بغیر معرفتِ شئونِ معبود کے نہیں ہوتی اور معرفت میں آپ صلعم سارے عالم پر فائق ہیں۔

---

[1] 'شانِ رسالت' (طبعِ ثانی) ص 64 ادارہ تاج المعارف دیوبند 1956

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبادت بھی سب عابدوں کی شانوں سے برتر نکلتی ھے - مصنف نے اپنی بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ...

" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شانِ عبادت سے تو اللہ کی صفاتِ جلال وجمال کا حق ادا فرمایا ہے ۔ جلالی صفات کا حق عبادت صبر سے اور جمالی صفات کا حقِ عبادت شکر سے جس کو ہم نے حمد وثنا اور نعوذ و استغفار سے تعبیر کیا تھا، اسلئے شانِ عبادت کا حاصل صبر اور شکر نکلتا ہے ۔ یعنی صبر شانِ جلال کے مقابلہ میں اور شکر شان جمال کے مقابلہ میں ۔"

یعنی سلسلۂ شانِ عبادت، صبر وشکر یا حمد واستفادہ میں آپ صلعم کا کوئی ہم پلہ نہیں ، اسی لئے آپ صلعم کو " احمدؐ " کہا گیا -

شانِ عبادت کے بعد شانِ خلافت پر مصنف نے اختصار سے اظہار خیال کیا ہے ۔ شانِ خلافت کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ اللہ کی مخلوق کی ظاہری و باطنی تربیت کرنا ہی شانِ خلافت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی نبی نے مخلوق کی تربیت نہیں فرمائی اور روزِ قیامت تک آپ صلعم کی تعلیمات کی روشنی میں مخلوقِ خدا تربیت ورہنمائی پاتی رہے گی ، اسلئے یہ کہا گیا ہے کہ شانِ خلافت میں بھی آپ صلعم کا کوئی ہم مرتبہ نہیں ہے ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ صلعم کی رسالت یا آپ صلعم کی سیرتِ مقدسہ کا حاصل شانِ عبادت اور شانِ خلافت کا کمال نکل آتا ہے یعنی اُدھر اللہ سے واصل ، ادھر مخلوق میں شامل

اس بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر رسالت کی دو

شانیں ہیں۔ شانِ عبادت اور شانِ خلافت، شانِ عبادت سے آپ صلعم کے تعلق مع اللہ کا کمال واضح ہوتا ہے اور شانِ خلافت سے تعلق مع الخلق کا کمال کھلتا ہے۔ دو ظاہری شانوں کے بعد مصنف نے نبوت کے باطنی شانوں کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی شانِ قرب، شانِ ہدایت اور شانِ ہمت جو دراصل ضروریاتِ نبوت ہیں، مصنف کے مطابق کمالِ قرب ضروریاتِ نبوت میں سے پہلی بنیاد ہے، جس پر شانِ نبوت کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی فرد کو اپنی کائنات کی افسری عطا کرتا ہے جو مقربانِ بارگاہِ الٰہی ہو۔ اس لئے اس باب میں مولانا محمد طیب نے آپ صلعم کی خدا سے قربت کا اظہار کیا ہے اور معراج کا واقعہ پیش کرکے یہ بتایا ہے کہ آں حضرت صلعم کو خدا سے کتنا قرب تھا کہ اس نے اپنے پیارے محبوب کو فرشِ خاک سے ارض سمٰوٰت پر بلوایا۔ اس شان کو ظاہر کرنے کیلئے مصنف نے متعدد واقعات کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ قرب کا ابتدائی رتبہ ایمان ہے اور انتہائی مرتبہ احسان ہے اور یہ شانِ قرب دراصل نبوت کی حقیقی اساس ہے۔ اس کے بعد مصنف نے نبوت کی دوسری بنیاد شانِ ہمت کا ذکر کیا ہے، اسکی نبوت میں اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نبی کو اپنے مشن اور مقصد کی تکمیل میں نہ ننگ و ناموس کی پرواہ ہو نہ بدنامی و رسوائی کی، نہ ملامت کی، نہ بدگوئیوں کی، نہ جان کی نہ مال کی، نہ عزیز و اقربا کی محبت حائل ہو ...... بلکہ صرف اور صرف ایک ہی مقصد سامنے ہو اور وہ اعلائے کلمۃ اللہ اور ترویج دین و دیانت ہو۔ ظاہر ہے کہ مخلوق سے یہ استغنائے کل اور تکمیل مقصد کا یہ جذبہ بغیر ہمتِ قوی اور عزم بلند کے وجود پذیر نہیں ہوسکتا۔"[1]

جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا مطالعہ کرتے ہیں

---

1۔ محمد طیب "شانِ رسالت" (طبع ثانی) ص 82 ادارہ المعارف دیوبند (یوپی) 1956

تو ہمیں مصنف کی کہی بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ منصبِ نبوت اسوقت تک ادا ہو ہی نہیں سکتا جب داعی میں ہمت وجرأت نہ ہو اور وہ ہمت سے ان ظلم وستم کا مقابلہ کرتا ہے جو اسکی تحریک میں حائل ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلعم کی مساعی تبلیغ وتربیت کو روکنے کیلئے تو راہوں کے روڑے ڈالے گئے، ملامتوں اور تمسخر وتشنیع کا راستہ اختیار کیا گیا، ایذا رسانیوں کی حد کر دی گئی، پتھر برسائے گئے، راستوں میں کانٹے بچھائے گئے، سحر کرایا گیا، زہر دلوایا گیا، جنگیں لڑی گئیں، لیکن ان میں سے کوئی چیز آپ صلعم کو اپنے مشن سے ہٹا نہ سکی، جس کا راز یہی ہمتِ قوی اور عزم بلند تھا۔ اسی لئے مصنف کہتے ہیں۔

"..... جس قلب میں یقین درجۂ عین الیقین پر ہو اور توکل واعتماد آخری حدود تک پہنچا ہوا ہو۔ اس سے ہی ایسی ہمت کے کارنامے سرزد ہو سکتے ہیں۔ اسلئے شانِ رسالت میں دوسری بلند شان کمالِ ہمت نکلی"[1] نبوت کی تیسری شان شانِ ہدایت ہے، مصنف نے اسکی وضاحت میں یہ لکھا ہے کہ جس مقصد کیلئے ہمتِ عالی استعمال ہوتی ہے، اُسی کا نام ہدایت ہے، جسکے لئے نبی[؟] مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ چونکہ نبی[؟] کی بعثت ایسی جگہ عمل میں آتی ہے جہاں دنیا بھر کی برائیاں ہوتی ہیں۔ ظالم وجاہل کی رہنمائی بغیر ہمت کے ممکن نہیں اس طرح مصنف نے شانِ رسالت کی پانچ خصوصیات پر مختصر مگر جامع بحث کی ہے اور آخر میں ان شانوں پر مختصر تبصرہ بھی کیا، تاکہ بیان کی گئیں تفصیلات کا اعادہ ہو جائے۔

اس سیرت کی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے ایک دقیق مضمون کو آسان بنا کر پیش کیا ہے۔ عام پڑھے لکھوں کے لئے یہ باتیں ہضم ہو ہی نہیں سکتی تھیں اگر

---

[1] مولانا قاری محمد طیب "شانِ رسالت[؟]" (طبعِ ثانی) ص 81 ادارۂ المعارج دیوبند 1956ء

مصنف نے جابجا مثالوں سے کام نہ لیا ہوتا - اس اعتبار سے یہ کتاب جہاں تعلیم یافتہ طبقوں کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہے، وہیں عام پڑھے لکھوں کے دلوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے نقوش بھی بٹھا دیتی ہے اسکی دوسری خصوصیت یہ ھے کہ مصنف نے صرف قرآن وحدیث ہی کے حوالے دیے ہیں اور موقع ومحل کے لحاظ سے مصرعوں اور اشعار کا استعمال بھی کیا ہے، جس سے اس کتاب کی دلکشی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ الغرض قاری محمد طیب نے "شانِ رسالت" کے ذریعہ نئے انداز میں سیرتِ نبوی لکھنے کی روایت قائم کی ہے۔

خاتم النبیین:

مولانا محمد طیب کی یہ دوسری سیرتِ نبوی ہے جو ادارہ تاج المعارف دیوبند (یوپی) نے سہ ماہی سلسلہ مطبوعات میں 1958 میں شائع کی تھی۔ یہ اس ادارے کی بائیسویں کتاب ھے۔ چھوٹی تقطیع میں چھپی یہ سیرت اسی صفحات پر مشتمل ہے، سرورق کی پیشانی پر سہ ماہی سلسلہ مطبوعات ۲۲ لکھا ہوا ھے اسکے نیچے علامہ اقبال کا شعر درج ہے۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری    آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور درمیان میں جلی حروف میں "خاتم النبیین" ثبت ھے،

"خاتم النبیین" سیرتِ پاک پر ایک مختصر سی تالیف ھے، حرفِ آغاز سے کتاب کی ابتداء ہوتی ہے۔ نگراں وناظم ادارہ محمد سالم نے کتاب ھذا سے متعلق لکھا ہے کہ "

"قدیم ترین اجمال کی یہ جدید ترین یکجائی تفصیل ہے کہ جو پیشِ نظر صورت میں عربی اور فارسی کے علمی ذخیرہ میں بھی نایاب ھے" [1]

---

۱ے "خاتم النبیین" ص 3 ادارہ تاج المعارف دیوبند یوپی 1958

اصل کتاب کا آغاز صفحہ سات سے ہوتا ہے، مصنف نے ابتداء ہی میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صفات پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء میں افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین مکمل ہوگیا، اسطرح آپ سے رسالت کی تکمیل ہوگئی۔ مصنف نے مسئلہ ختم نبوّت پر خاص عصری تناظر میں گفتگو کی ہے۔ اور اس سلسلے میں انتہائی تفصیل سے کام لیا ہے۔ متعصب ذہن رکھنے والے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے 'خاتم' ہونے میں شک و شبہ کرتے ہیں۔ اس لیے مصنف نے اپنی بحث میں ایسے دلائل پیش کیے ہیں، جن کی صداقت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا، یعنی قرآن و حدیث کے حوالے سے محمد طیبؒ نے آپ صلعم کے خاتم النبیّن ہونے کو ثابت کیا ہے۔ مثلاً سیرت کے آغاز میں یہ آیت کریمہ نقل کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف اسی آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر اس پوری کتاب میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ارشاد ربّانی ہے،

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۝

ترجمہ: نہیں تھے محمد صلّی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ، لیکن آپ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن ہیں۔

اس ضمن میں موصوف نے سب سے پہلے یہ حدیث پیش کی ہے، جس میں آپ صلعم نے خود کو خاتم النبیّن کہا ہے۔

اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ

ترجمہ: میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیّن ہوں۔

اسکے علاوہ مصنف نے اور احادیث کو پیش کیا ہے جس سے آپ صلعم کے ختم نبوت پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً آپ صلعم نے ارشاد فرمایا۔

فَاَنَا سَدَدْتُ مَوْضَعَ اللَّبِنَةِ وَخُتِمَ بِيَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ

ترجمہ: پس میں نے ہی (قصرِ نبوت کی آخری) اینٹ کی جگہ کو پر کیا اور مجھ ہی پر یہ قصر مکمل کر دیا گیا اور مجھ ہی پر رسول ختم کر دیے گئے (کہ میرے بعد اب کوئی رسول آنے والا نہیں)

اس حدیث سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ صلعم قصرِ نبوت کی آخری خشت ہیں، وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس قصر کی میں اولین خشت بھی ہوں

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمَ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ

ترجمہ: میں اسوقت بھی نبی تھا جبکہ آدم ابھی روح و بدن کے درمیان ہی میں تھے۔ یعنی آدم علیہ السلام میں ابھی روح بھی پھونکی نہیں گئی تھی۔

مصنف نے اسکے بعد لکھا ہے کہ آپ صلعم خاتم ہونے کے ساتھ ساتھ فاتح بھی تھے، اول بھی تھے اور آخر بھی، پھر چونکہ خاتم ہونے کیلئے اول و آخر ہونا بھی لازم تھا، اسلئے حدیث میں واضح فرما دیا اور آدمؑ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور دکھلاتے ہوئے بطور تعارف کہا گیا کہ

هٰذَا ابْنُكَ أَحْمَدُ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ ۝

یہ تمہارا بیٹا احمد ہے جو (نبوت میں) اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔

مصنف نے حدیث بہ روایت ابوہریرہؓ میں اس اولیت و آخریت جیسی اضداد کے جمع ہونے کی نوعیت پر روشنی ڈالی ہے۔

كُنْتُ أَوَّلَ النَّبِيِّينَ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ

ترجمہ:

میں نبیوں میں سب سے پہلا ہوں بہ لحاظِ پیدائش، سب سے پچھلا ہوں بہ لحاظِ بعثت۔

ان چند احادیث کو پیش کر کے محمد طیبؒ نے نبی صلعم کے خاتم النبیینؐ کے حوالے سے تمام امتیازی فضائل و کمالات کی خصوصیات بیان کی ہیں۔

اور یہ بتایا گیا ہے کہ اولین و آخرین میں سے جس باکمال کو جو کمال دیا گیا، اس کمال کا انتہائی نقطہ حضور کو اللہ نے عطا فرمایا، اس سلسلے میں مصنف نے جملہ ایک سو تیرہ حوالے قرآن و احادیث سے دئے ہیں۔

ان احادیث و آیات کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے محمد طیب تحریر فرماتے ہیں "—— یہ سارے امتیازی فضائل و کمالات جو جماعت انبیاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت غلامی سے امتوں میں اس امت کو دئے گئے تو اسکی بناء یہی ہے کہ اور انبیاء نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور امتیں امم و اقوام ہیں اور یہ امت خاتم الامم اور خاتم الاقوام ہے اور انبیاء کی کتب آسمانی کتب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب خاتم الکتاب ہے اور ادیان میں —— اور یہ دین خاتم الادیان ہے اور شرائع شریعتیں ہیں اور یہ شریعت خاتم الشرائع ہے۔ پس یہ امتیازی خصوصیات محض نبوت کے اوصاف نہیں بلکہ ختم نبوت کی خصوصیات ہیں۔" [1]

موصوف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی شمائل و فضائل کو متعدد دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے جنھیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کی تفسیر و شرح کہہ سکتے ہیں۔

اس کے بعد "مصدقیت" عنوان کے تحت مذکورہ بالا دلائل کی تصدیق پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اور یہ ثابت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سابقین کی ساری شریعتوں اور ان کی لائی ہوئی ساری کتابوں کے تصدیق کنندہ ہیں جسکی طرف قرآن میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ ۝

ترجمہ: پھر تمہارے پاس (اے پیغمبران الٰہی) وہ عظیم رسول آجائیں

---

[1] خاتم النبیین ص 66-65 ادارہ تاج المعارف دیوبند یوپی 1958ء

جو تمہارے ساتھ کی ہر چیز (سماوی کتب، نبوت، معجزات، تعلیمات وغیرہ کے تصدیق کنندہ ہوں (تو تم اُن پر ایمان لانا اور ان کا تصرف کرنا)

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں :

"آپ صلعم کی شریعت میں تمام پچھلی شریعتیں جمع ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب (قرآن) میں پچھلی کتب سماویہ مندرج ہیں تو ان کی تصدیق خود اپنی تصدیق ہے۔ جیسے ہر انتہا میں اُسکے ابتدائی مراتب جمع ہوتے ہیں ۔۔۔۔ اسلئے سابق شریعتیں درحقیقت اس انتہائی شریعت کے ابتدائی مراتب ہونے کے سبب اسی میں نکلتی ہوئی مانی جاویں گی، ورنہ یہ شریعت ابتدائی اور انتہائی نہ رہے گی۔ پھر اس جامع شریعت کی تصدیق کے بعد یہ ممکن ہی نہیں کہ ابتدائی شریعتوں کی تصدیق نہ کی جائے، بلکہ خود اس مصدقہ شریعت میں جمع شدہ ہیں ــــــ"[1]

اسی لئے مصنف نے یہ خواہش بھی ظاہر کی ہے کہ جب ہمارے پاس اور ایک ایسی جامع شریعت موجود ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم دینِ اسلام کی قدر کریں اور نبی صلعم کی شریعت کو دستورِ زندگی بنالیں۔

آخر میں مصنف نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی شمائل و فضائل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے ہزاروں وجوہ و دلائل میں سے یہ چند نمونے ہیں جنھیں خاتم النبیین کی تفسیر اور شرح کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ "خاتم النبیین" پچھلے تمام انبیائے کرام کے کمالات و صفات کی جھلکیاں آپ صلعم کی ذاتِ گرامی میں بیک وقت جمع ہونے کی بے مثال تفصیلات پیش کرتی ہے، یعنی اس کا مطالعہ ہم پہ واضح کرے گا کہ آدم ع کی توبہ، نوح ع کی استجابت، نارِ ابراہیم ع کی گلزاری

[1] محمد طیب "خاتم النبیین" ص 69 ادارہ تاج المعارف دیوبند 1958ء

گریۂ یعقوبؑ، صبر ایوبؑ، موسیٰؑ کا یدِ بیضا اور عیسیٰؑ کا احیاءِ موتیٰ کس انداز سے ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ظاہر و جلوہ گر ہو۔

"خاتم النبیینؐ":

اپنے موضوع پر ایک اہم و نایاب کتاب ہے، تحریر ایسی دلکش ہے کہ ایک ایک حرف مرصّع ہے، قارئین کی سہولت کیلئے مصنف نے حاشیوں میں کچھ وضاحتیں بھی کی ہیں۔ ایک ہی عنوان پر ساری بحث کی گئی ہے اسلئے فہرستِ مضامین شامل نہیں۔

آفتابِ نبوتؐ:

مولانا محمد طیبؒ کی اور ایک مایہ ناز تصنیف جو مضامینِ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزیّن ہے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم صفت "سراجِ منیر" کی وضاحت جامع و مبسوط اور دلائل و براہین کے ساتھ کی گئی ہے ان کی اگلی کتابوں کی طرح یہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ صلعم کے احوال بیان نہیں کرتی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ صفتِ عالیہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ بقولِ صاحبِ تصنیف یہ سیرتِ نبویؐ بعض بنیادی پہلوؤں کی ایک طالب علمانہ یادداشت ہے، جسے سیرت نگاری کا نام دینا تو مشکل ہے۔ البتہ شوقِ سیرت نگاری کے جذبات کی تسکین کا نام اسے ضرور رکھا جا سکتا ہے، میں نے پچھلے صفحات میں یہ بات ظاہر کی تھی کہ سیرت نگارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس پہلو پر پڑیں اور جن پہلوؤں نے انھیں اوّل متاثر کیا۔ اسی کو انھوں نے اپنی سیرت کا موضوع بنایا۔ مولانا محمد طیبؒ بھی ایسے ہی سیرت نگاروں میں ایک ہیں۔

مصنف نے اسمیں نبوتؐ کے اساسی مقامات کو کھولنے کیلئے جو آپ زیبِ عنوان کی ہے وہ ہے:

یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا ہ

اس میں سارے مقاماتِ نبوت چھپے ہوئے ہیں، جنھیں اس آیتِ کریمہ میں تدبیر کر کے کھولنے کی سعی کی گئی ہے۔ اور اس بحث کیلئے چھوٹی تقطیع کے ایک سو اکاون صفحات صرف کئے گئے ہیں اور یہ کتاب بھی سلسلہ مطبوعاتِ ادارہ تاج المعارف دیوبند کی بیسویں کڑی ہے۔ جو دسمبر 1959 میں شائع ہوئی تھی، اس میں مصنف نے آفتاب کی تمثیل سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مخصوص اوصاف و مقامات پر روشنی ڈالی ہے۔ جو ذاتِ بابرکات کو اللہ کی جانب سے تمام طریق پر عطا ہوئے۔ ان اوصاف و صفات کو ظاہر کرنے کیلئے مصنف نے اٹھائیس ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں، اس میں مصنف کا کمال یہ ہے کہ ان سارے عنوانات کا تعلق آفتاب ہی سے ہے۔

"کتاب کی ابتداء "دوامِ ظہور" سے کی ہے، اسمیں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے انبیاء کی مثال ستاروں جیسی ہے، اگر یہ ستارے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں تو ہماری دنیا میں اس سے کوئی نمایاں فرق پیدا نہیں ہوتا، لیکن آفتاب کو دیکھو تو بارہ مہینہ موجود اور چوبیس گھنٹہ میں اپنا دورہ پورا کر کے روزانہ ہمیں زیارت بھی کراتا ہے، نور بخشتا ہے، گرمی بھی پہنچاتا ہے اور راستہ بھی دکھاتا ہے، اس تمثیل کی شرح کرتے ہوئے مصنف کہتے ہیں۔

"ستاروں کا ظہور (انبیاء سابقین) وقتی تھا لیکن آفتابِ نبوت کا ظہور دوامی اور ازل تا ابد ہے، یعنی یہ آفتاب کا ظہور ہمیشہ سے ہے۔ حتیٰ کہ اس ظاہری ظہور سے پہلے بھی آپ صلعم ہی کا علمی ظہور تھا۔ اور وصال کے بعد بھی تاقیامت اسی آفتاب کی روشنی بنی نوع انسان کی رہنمائی کرے گی

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے     نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

"عظمت و شہرتِ عامہ، قبولِ عام اور پیروئ اقوام" کے باب میں کیا خوب وضاحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں،

"سارے ستاروں میں آفتاب ہی سب سے زیادہ رفیع و بلند پرنور اور بزرگ ترین ستارہ ہے جو سب سے زیادہ معروف ہے۔ اسکی جو خصوصیات ہیں کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ اکثر ستاروں کے نام سے بھی دنیا واقف نہیں ہے اسی طرح قرآن میں صرف معدودے چند انبیائے کرام کا تذکرہ ہے۔ لیکن آفتاب نبوت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی دنیا کی ہر قوم میں معروف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت آسمانوں اور زمینوں میں یکساں بحر و بر اور صحرا و بیابان میں اذانوں کی آوازیں گونجتی ہیں، جہاں اللہ کے نام کیساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کا تذکرہ لازم ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آسمانِ نبوت کے تمام ستاروں میں آدم ؑ سے لیکر حضرت مسیح ؑ تک آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عظمت و رفعت اور شہرت و وجاہت حاصل ہے وہ کسی ستارے کو نہیں۔ اسلئے کہ آپ صلعم مقامی پیغمبر نہیں، بلکہ عالمی پیغمبر ہیں رہتی دنیا تک عالم انسانیت کے مصلح اور مربی ہیں۔ مصنف نے متعدد مثالیں پیش کرکے آپ صلعم کے عالمگیر فیض رسانی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اسی طرح شئون جامعیت، رحمت مطلقہ، پختگی اور تکمیل حکمت، ترتیب اور نسخ شرائع، عموم فیضان اور عمومیت بعثت، غیر ذی روح اشیاء پر آفتاب کے آثار، آفتاب نبوت کے آثار زمانہ پر، زمانے کا وجود آفتاب سے آفتاب نبوت کے ایام، آفتاب نبوت کی پیروی میں نجات کا انحصار، آفتاب نبوت اور خلافت اور انحصار نجات وغیرہ عنوانات قائم کرکے آفتاب کی تشبیہ کا استعمال کرتے ہوئے مولانا محمد طیب قبلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس صفات کا احاطہ کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آفتاب نبوت کی ضیا روزِ ازل سے ہی پھیلی ہے اور پھیلتی رہے گی۔ اس دوران نہ اسکے نور کا کسی وقت انقطاع ہوا اور نہ ہوگا۔ کہیں بلاواسطہ، کہیں بالواسطہ اسکی روشنی کام کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی،

بقول محمد طیب قبلہ :

"غرض بشری ازل سے بشری ابد تک اولیت کیساتھ اور خاتمیت کیساتھ ہی نور چمکتا رہا اور چمکتا رہے گا، نہ اسکے لئے انتہا ہے نہ اختتام اور اسی کے فیضان سے کائنات چمکتی رہی اور مختلف رنگوں میں چمکتی رہے گی"

اور جس زمین وآسمان کو آفتاب رسالت کی روشنی مل گئی ہو۔ اس کی نظر کسی اور روشنی کی طرف کیوں اٹھے گی۔

آفتاب رسالت تو روشن ہوا — اے ستارو تمہاری ضرورت نہیں
چھٹ گیا ہے اندھیرا جہاں سے مرے — ماہ پارو تمہاری ضرورت نہیں

یہاں مولانا محمد طیب کی تین مختصر سیرتوں کا جائزہ لیا گیا، جو چیز مولانا کو دوسرے سیرت نگاروں میں امتیازی مقام عطا کرتی ہے۔ وہ موصوف کے موضوعات ہیں اور تینوں سیرتوں میں جو بات قدرے مشترک ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ کا بیان ہے۔ صرف "سراجاً منیراً" کی تشبیہ کی روشنی میں تقریباً ایک سو پچاس صفحات کی کتاب لکھنا کوئی آسان کام نہیں یہ کام وہی کرسکتا ہے جس کا مطالعہ (قرآن وحدیث) وسیع، جس کی نگاہ عمیق اور جس کے علم میں جادو ہو، اور یہ تینوں باتیں بیک وقت مولانا محمد طیب میں جمع ہوگئیں، نمونۂ تحریر یہ ہے۔

"— پھر یہ فیضانِ عام نہ صرف عالمِ بشریت ہی تک محدود رہا، بلکہ جماد، نبات اور حیوان وجنات تک بھی اس صدائے عام کے اثرات پہنچے، جیسے مادی آفتاب کی روشنی اور گرمی کا اثر ان تک پہنچتا ہے، کنکریاں

دستِ مبارک میں آئیں تو تسبیح پڑھنے لگیں، کھجور کے سوکھے تنے کو کچھ دن آفتابِ نبوت کی صحبت و معیت کی گرمی ملی تو وہ عشقِ نبوی ﷺ سے آشنا کر دیا کہ عارفین، کاملین کی طرح فراقِ نبوی ﷺ میں گریہ و بکا کرنے لگا، حدیبیہ میں کیکر کے درخت سے آفتابِ نبوت ﷺ کا بدنِ مبارک قریب ہو گیا تو وہ "شجرۃ الرضوان" بن گیا ..... شجر و حجر میں سلام کرنے اور نبوت کی شہادتیں دینے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔[1]

---

1. مولانا محمد طیب "آفتابِ رسالت" ص 38 ادارہ تاج المعارف دیوبند 1959

# ابوسلیم محمد عبدالحیؒ

"حیاتِ طیّبہ" ابوسلیم محمد عبدالحیؒ کی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مختصر کتاب ہے، اس کتاب کی وجہِ تالیف بقول مؤلف یہ ہے کہ 12 اگسٹ 1954ء سے 11 اگسٹ 1955 تک ڈسٹرکٹ جیل رائے بریلوی میں نظر بندی کے دوران انھیں یہ خیال آیا کہ ان فرصت کے لمحات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے تحریر کرنے میں صرف کیا جائے اور اس کے ذریعہ قارئین کے سامنے اس کارِ عظیم اور اس تحریک کا نقشہ کھینچ جائے جس نے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کیا، 'حیاتِ طیبہ' کی تالیف میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، ان میں شبلی نعمانی کی 'سیرۃ النبیؐ' اور ابوالاعلیٰ مودودی کی 'تفہیم القرآن' قابلِ ذکر ہیں۔

زیرِ نظر 'سیرت النبی' صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی تقطیع کے ایک سو اسی 184 صفحات پر محیط ہے، یہ کتاب مکتبہ الحسنات دہلی نے شائع کی ہے اور اس میں مصنف نے بارہ ابواب قائم کئے ہیں اور ہر باب میں متعدد ذیلی سرخیوں کے تحت، تحریک اسلامی، اسکی اہمیت و امتیاز اور اسلام کی دعوت کے موقع پر دنیا کے جو حالات تھے اس پر روشنی ڈالی ہے جیسے کہ عام سیرت کی کتابوں کی روایت ہے، اس باب کی خصوصیت یہ ہے کہ دیگر سیرت کی کتب میں عرب کے حالات قبل از ولادتِ نبویؐ اور بعد از ولادتِ رسولؐ بیان ہوئے ہیں۔ مگر ابوسلیم عبدالحیؒ نے اس وقت روم اور ہندوستان کے کیا حالات تھے اس کا بھی مختصراً جائزہ لیا ہے۔

دوسرا باب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور آپؐ کے حالاتِ زندگی پر مبنی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان قریش کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس خاندان کے معزز اشخاص عرصۂ دراز سے حرم کعبہ کی نگہبانی کرتے آرہے ہیں، اسکے ساتھ ہی آپ صلعم کی پیدائش کا حال بیان کیا ہے اور ابوسلیم عبدالحیؒ نے بھی آپ صلعم کی تاریخ پیدائش 9 ربیع الاول بتائی گئی ہے۔ پھر آپ صلعم کی پرورش اور بچپن کے بہت مختصر حالات تحریر کئے ہیں۔

تیسرا باب نبوت کے پہلے ہونے والے واقعات پر روشنی ڈالا ہے، اور اس میں خصوصیت

سے فجار کی لڑائی، حلف الفضول، کعبے کی تعمیر، آپ صلعم کے چچا ابوطالب کے ساتھ تجارت کی غرض سے شام، بصریٰ اور یمن کے سفر اور حضرت خدیجہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح وغیرہ واقعات کو جگہ دی گئی ہے، اس کے علاوہ اس وقت کے دیگر واقعات کو بھی لکھا ہے۔

چوتھا باب بہت ہی مختصر ہے اور یہ باب نبوت کے ابتدائی دو واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہے اول یہ کہ "غار حرا" میں آپ صلعم کا بغرضِ عبادت قیام اور دوم اللہ کی طرف سے آپؐ پر پہلی وحی کا نزول۔

پانچواں باب قدرے طویل ہے، دراصل یہ باب چوتھے باب کی توسیع ہے، اگرچہ دونوں ابواب ایک ہی باب میں آجاتے تو کوئی فرق پیدا نہ ہوتا، تاہم مصنف نے دو ابواب میں تقسیم کیا ہے، پانچویں باب کا عنوان "دعوت کی ابتداء" ہے، اس میں مصنف نے دعوتِ اسلام پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اور اس کے چار ادوار قائم کئے ہیں، پہلے دور میں ان واقعات کا جائزہ لیا گیا ہے جو نبوت کے ابتدائی دور کے ہیں، مثلاً قرآن کی تاثیر، اعتقادات کی اصلاح، کفار سے چھپ کر مسلمانوں کا نمازیں ادا کرنا اور اس دور کے مومنین کی خصوصیات وغیرہ، دوسرے دور میں اعلانیہ دعوت کے سبب پیش آنے والے واقعات مثلاً دعوت کی کڑی مخالفت اور اس کے اسباب نیز ان حالات کا مقابلہ اور مخالفوں کی آپ صلعم کو پیشکش بیان ہوئے ہیں، تیسرے دور میں ان ظلم وستم کا ذکر ہوا ہے جو کفارِ قریش نے آپ صلعم اور صحابۂ کرام پر توڑے تھے، اسی باب میں ہجرتِ حبشہ، نجاشی کا قبولِ اسلام، حضرت حمزہؓ، حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام اور شعب ابی طالب میں آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کا محصور ہونا وغیرہ واقعات آگئے ہیں، چوتھے دور میں مظالم کی شدت کا تذکرہ ہے، اس کے علاوہ مدینے میں اسلام کی تبلیغ، بیعتِ عقبہ اولیٰ اور بیعتِ عقبہ ثانی پر مختصر گفتگو آئی ہے۔

چھٹا باب معجزات کا احاطہ کرتا ہے، اس میں مصنف نے صرف شق القمر، معراج اور قرآن کا ذکر کیا ہے، دوسرے معجزاتِ نبویؐ کو اس میں جگہ نہیں دی ہے، ساتویں باب میں ہجرت کے واقعات قلم بند ہوئے ہیں۔ عام مسلمانوں کی مدینے کو ہجرت، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے قتل کا مشورہ، مکّے سے آپ صلعم کی روانگی، غارِ ثور میں پناہ، مدینے تک کا سفر، مدینہ میں تشریف آوری، مدینہ میں قیام اور مسجدِ نبوی کی تعمیر وغیرہ اس باب کے ذیلی سُرخیاں ہیں، ان سُرخیوں کے ذریعہ مصنف نے ہجرت کا نقشہ کھینچا ہے۔

ساتویں باب تک ابوسلیم محمد عبدالحیؒ نے مکۂ معظّمہ میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی پیش کئے ہیں اور آٹھویں باب سے بارہویں باب تک مدنی زندگی کے اہم واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ آٹھواں باب بہت ہی مختصر ہے، مصنف نے اسے دعوتِ اسلامی کے ایک نئے دور سے تعبیر کیا ہے، اس لیے کہ مدینے میں آزادی کے ماحول میں اسلام کی تبلیغ ہونے لگی تھی اور کفارِ قریش کے ممکنہ حملوں سے بچنے یا اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینے کے اطراف واکناف آباد قبائل کو آپ صلعم نے صرف دعوتِ اسلام دی، بلکہ ان کے ساتھ سیاسی تعلقات قائم کئے اور ان سے معاہدے بھی کئے۔

نویں باب میں چند غزوات کا جائزہ لیا گیا ہے، جس میں غزوۂ احد، غزوۂ بنی قینقاع غزوۂ احزاب اور صلح حدیبیہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور ان تمام واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے جو ان غزوات کے تحت قدیم سیرت نگار کرتے رہے ہیں، دسویں باب میں اُن خطوطِ نبویؐ پر گفتگو کی گئی ہے جو آپ صلعم نے سلاطین کو لکھے اور انھیں ان کے ذریعہ سے اسلام کی دعوت دی، ان میں قیصرِ روم، شاہِ ایران، نجاشی اور عزیزِ مصر کے نام خطوط شامل ہیں۔

گیارہویں باب میں حکومتِ اسلامی کا استحکام پر بحث کے بعد مصنف پر فتح مکّہ، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک، منافقوں کے ساتھ معاملہ اور مسلم معاشرے کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہیں اور آخری باب یعنی بارہویں باب میں آپ صلعم کے آخری حج اور وفات کا ذکر آیا ہے، صرف تین صفحات میں آپ صلعم کی حج کے لیے روانگی، خطبۂ حج، آپ صلعم کی علالت، آپ صلعم کا آخری خطبہ و ہدایات نیز آپ صلعم کی رحلت کا تذکرہ کیا ہے۔

"حیاتِ طیبہ" ایک نئے انداز سے لکھی گئی ہے مختصر سیرتِ نبویؐ ہے۔ جو یقیناً اپنے قارئین تحریکِ اسلامی کے مزاج اور اس کے طریقۂ کار کو سمجھنے میں رہنمائی کرے گی، اس کے مصنف

ابوسلیم محمد عبدالحیؒ نے سلیس و آسان زبان استعمال کی ہے تاکہ عام پڑھے لکھے لوگوں کے فہم سے یہ سیرتِ نبویؐ باہر نہ ہو، نمونہ تحریر و اسلوبِ بیان ملاحظہ کیجئے۔

"۹، ربیع الاول دوشنبہ کا دن مطابق ۲۰، اپریل ۵۷۱ء کی وہ مبارک صبح تھی، جب رحمتِ الٰہی کے فیصلے کے مطابق اس باسعادت ہستی کی پیدائش ہوئی جس کے وجود سے سارے عالم کی اندھیاریوں کو دور ہونا تھا اور انسانیت کو وہ نورِ ہدایت ملنا تھا جو قیامت تک اس زمین پر بسنے والے سارے انسانوں کے حق میں مالکِ کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے" [1]

---

[1] ابوسلیم محمد عبدالحیؒ "حیاتِ طیّبہ" ص ۲۳ مکتبۂ الحسنات دہلی 1996

# ڈاکٹر مصطفےٰ اسباعی

"سیرت النبیؐ" دراصل ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی اُن تقاریر کا مجموعہ ہے جو انھوں نے دمشق شریعت کالج کے طلبہ و طالبات کے سامنے کی تھیں، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کا شمار دمشق کالج کے معزز اساتذہ میں ہوتا ہے، وہ ایک بہترین استاد بھی تھے اور عالم دین بھی۔

محترم جناب مزمّل حسین فلاحی نے اپنے استاذ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی تقاریر (نوٹس) کا اردو ترجمہ کرکے کتابی شکل میں شائع کیا اور "سیرت النبیؐ" نام تجویز کیا۔ جسے چھوٹی تقطیع پر ہندوستان پبلی کیشنز دہلی نے مارچ 1987ء کو شائع کیا۔ یہ مختصر سیرت کل 215 صفحات پر مشتمل ہے۔

سیرتِ نبویؐ کے واقعات کو ضبطِ تحریر میں لانے کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ ہر سیرت نگار اپنی کتاب میں کہیں نہ کہیں اسکی طرف اشارہ بھی کرتا ہے۔ مترجم مزمّل حسین فلاحی نے بھی اپنے استاد محترم ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے مقصدِ تحریر کی ان الفاظ میں نشاندہی کی ہے۔

"____ نبی اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ پر یہ چند تابناک اور ضو فشاں صفحات ہیں، جنھیں استاذِ مکرم ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم نے اسلئے تحریر فرمائے تھے تاکہ شریعت کالج کے طلبہ طالبات کے اندر اس نے بیداری پیدا ہو اور ان کے اندر اور جملہ نوجوانانِ اسلام اور داعیانِ دین کے اندر یہ ذوق و حوصلہ ابھر سکے کہ وہ نبی اکرمؐ کی پاکیزہ سیرت کے مطالعہ کے عاشق ہوں۔ اور اپنی تعمیرِ سیرت اور اصلاحِ احوال کیلئے آپؐ کی زندگی کو قابلِ تقلید

نمونہ اور اسوۂ حسنہ سمجھ سکیں۔[1]

یہی وجہ ہے مصنف نے "سیرت النبی ﷺ" میں مورخین و فقہا کا انداز اختیار نہیں کیا ہے بلکہ تدریسی انداز اپنایا ہے۔ اسی لیے ہر باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول تاریخی واقعات بیش کیے ہیں۔ دوم ان واقعات کی روشنی میں جو عبرت و نصیحت حاصل ہو سکتی ہے اس پر اظہار خیال کیا ہے۔

ڈاکٹر مصطفی سباعی نے کل تقاریر کا مسودہ تیار کر دیا تھا، لیکن کتاب ہذا میں صرف چھ تقاریر کو ہی اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔ جس کی طرف مترجم نے ابتدائی صفحات میں اشارہ بھی کیا ہے اور یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ مستقبل قریب میں بقیہ ابواب کا ترجمہ بھی اس کتاب کی دوسری اشاعت میں شائع کیا جائے گا۔

مصنف نے آغاز کتاب سب سے پہلے ایک جامع مقدمہ تحریر کیا ہے جو دو بحثوں پر مشتمل ہے

۱۔ سیرت نبوی ﷺ کی خصوصیات اور اسکے مطالعہ کا فائدہ

۲۔ سیرت کے صحیح مآخذ اور مراجع

پہلی بحث میں انھوں نے سیرت نبوی ﷺ کی پانچ خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اسکے مطالعے سے عموماً بنی نوع انسانی خصوصاً مسلمانوں کو کیا فائدے مل سکتے ہیں اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ دوسری بحث سیرت کے صحیح مآخذ پر ہے اور اس میں انھوں نے اسکے پانچ مآخذ بتائے ہیں، یعنی قرآن کریم۔ ۲۔ احادیث ۳۔ دور رسالت کے عربی اشعار ۴۔ سیرت کی کتابیں ۵۔ تالیف سیرت سیرت کی کتابوں میں سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد

---

[1] مصطفی سباعی مترجم مزمل حسین فلاحی سیرت النبی ﷺ ۹۲ ) ہندوستان دہلی کیسٹنز، دہلی 1987ء

اور تاریخ طبری کو شامل کیا ہے اور تالیفِ سیرت میں اصبہانی کی " دلائل النبوۃ " ترمذی کی " الشمائل المحمدیہ " ابن قیم کی " زاد المعاد " قاضی عیاض کی " الشفاء " اور قسطلانی کی " المواہب اللدنیہ " کا ذکر کیا ہے ۔

اس کتاب کی ابتداء فصلِ اوّل سے ہوتی ہے، جس میں مصنف نے آپ صلعم کی بعثت سے پہلے کی زندگی کا احاطہ کیا ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ بچپن، یتیمی کے حالات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صادق وامین ہونا، آپ کے اخلاق وعادات، آپ صلعم کے مشاغل، جوانی کے حالات، آپ صلعم کی دیانت داری وانصاف پسندی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل، جوانی کے حالات آپؐ کی دیانت داری وانصاف پسندی، آپؐ کا صادق وامین ہونا آپکا نکاح، تجارتی سفر اور غارِ حرا کی عبادت پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے ۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے مصنف تاریخی واقعات کی تفصیلات پیش کرکے " عبرت ونصیحت " کے عنوان کے تحت ان واقعات کی روشنی میں جو نتائج نکالے ہیں اور قاری کو درس دیا ہے، وہ واقعی قاری کو حرکت وعمل پر اُکساتا ہے اور یہ طریقہ کار ہر فصل کے ساتھ مخصوص ہے ۔

دوسری فصل بعثت سے لیکر ہجرتِ حبشہ تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔
اس میں آپ صلعم پر وحی کا نازل ہونا اور نبوت کا اعلان کرنا، حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؓ کا مسلمان ہونا، وحی کا ایک عرصہ تک رک جانا اسلام کی علی الاعلان دعوت دینا، کفارِ قریش کا لالچ دینا، مشرکین کی سختیوں میں اضافہ ہونا اور چند مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت دینا وغیرہ کی بحث آگئی ہے ۔

تیسری فصل ۔

ہجرتِ حبشہ سے ہجرتِ مدینہ تک کی زندگی پر مشتمل ہے۔ اس میں بعثت کے دسویں سال کے دو اہم واقعہ جنہیں عام الحزن (درد وغم کا سال) کے نام

سے یاد کیا جاتا ہے، پر روشنی ڈالی گئی ہے، یعنی چچا ابو طالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رحلت، پھر قریش کی بڑھتی ہوئی زیادتیوں، سفر طائف معراج کا واقعہ، نماز کی فرضیت، حج کے موقعے پر تبلیغ اسلام اور بیعت عقبہ کے واقعات زیر بحث آئے ہیں، چوتھی فصل، ہجرت اور مدینہ میں آپ صلعم کے استقرار و قیام سے بحث کرتی ہے، پہلے اسمیں مصنف نے قریش کے بڑھتے ہوئے ظلم و ستم کو پیش کیا ہے، پھر آپ صلعم کے قتل کی سازش پر روشنی ڈالتے ہوئے ہجرت مدینہ کے مختلف اہم واقعات پر اظہار خیال کیا ہے۔ نیز اس تحریر کا محاسبہ کیا ہے، جو آپ صلعم نے مہاجرین و انصار کیلئے تیار کی تھی۔ جسمیں یہود سے امن و امان کا معاہدہ تھا جو کل انسٹھ نکات پر مشتمل تھی۔

پانچویں فصل:

دور رسالت کے معرکے پر مشتمل ہے۔ اس میں مصنف نے تمام اسلامی جنگوں پر مختصراً گفتگو کی ہے۔ اور ان سے نکلنے والے نتائج اور عبرت و نصیحت کے پہلوؤں پر خصوصی طور پر بحث کی ہے۔ خاص کر اسلام میں جنگ کا جواز۔ اسباب و مقاصد پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ قرآن کے حوالے سے جنگ کا جواز پیش کیا ہے اس باب میں جن جنگوں پر گفتگو کی گئی ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ غزوہ بدر ۲۔ غزوہ احد ۳۔ غزوہ بنی نضیر ۴۔ غزوہ احزاب
۵۔ غزوہ بنی قریظہ ۶۔ صلح حدیبیہ ۷۔ غزوہ خیبر ۸۔ غزوہ موتہ
۹۔ فتح مکہ ۱۰۔ غزوہ حنین اور ۱۱۔ غزوہ تبوک

چھٹی فصل کا عنوان: "بعد از مکہ تا وفات رسول اللہ" ہے، فتح مکہ کے بعد جو جنگیں ہوئی تھیں اس باب میں اس کا ذکر ہونا تھا، مگر مصنف نے ان کو فصل پنجم میں ہی شامل کیا ہے اور تاریخی تسلسل کو قائم رکھنے کیلئے ان دونوں جنگوں حنین اور تبوک سے حاصل ہونے والے نتائج، پند و نصائح کو اس باب میں

شامل کیا ہے۔ اسکے علاوہ اس فصل میں فتح مکہ کے بعد بتوں کا استیصال، حجۃ الوداع، لشکر اسامہ رض کی تیاری اور وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز اہم عبرت آموز نکات پر بحث کی ہے اور خطبۂ حجۃ الوداع کا آسان زبان میں خلاصہ پیش کیا ہے اور آخر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا ذکر کرکے دو سبق آموز باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اوّل یہ کہ آپ صلعم رحلت پر کسی صحابی کو یقین ہی نہ آیا، مگر موت کا مزہ ہر جاندار کو چکھنا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسے وقت میں حضرت ابوبکر رض کا عزم محکم اور قوت فیصلہ کہ آپ صلعم نے رحلت فرمائی۔ کسی دوسرے صحابی کے حصے میں نہ آئی تھی۔

'سیرت النبی' صلی اللہ علیہ وسلم کے مشمولات اور اسکی ترتیب و پیش کش کو دیکھ کر۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی ندرت اور خوبی یہی ہے کہ یہ کتاب قارئین کو حرکت و عمل پر اکساتی اور عشق نبوی ص کے ساتھ اطاعت نبوی ص کی طرف بھی مہمیز کرتی ہے۔ ترجمے کا ایک نمونہ دیکھئے۔

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ سے کسریٰ کے کنگن کا جو وعدہ کیا وہ بھی ایک معجزہ ہے۔ عام انسان جو اپنی قوم سے بھاگ رہا ہو اور جسے کہیں امان نہ مل رہی ہو وہ ایران کی فتح اور کسریٰ کے خزانوں پر غلبہ کا خواب نہیں دیکھ سکتا۔ الّا یہ کہ وہ نبی اور رسول ہو، چنانچہ رسول اللہ کی یہ بشارت تکمیل کو پہنچ گئی اور سراقہ نے عمر بن خطاب رض سے اللہ کے رسول ص سے وعدہ کی تکمیل کا مطالبہ کیا، جب اس نے مال غنیمت میں کسریٰ کے کنگن دیکھے۔[1]

---

[1] ڈاکٹر مصطفی سباعی / مترجم مزمل حسین فلاحی "سیرت النبی ص" ص 95 ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی 1987ء

# مولانا احمد سعید

مولانا کا شمار عصر حاضر کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے، انھوں نے سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ "کشف الرحمٰن" اور "رسولؐ کی پیاری باتیں" کے نام سے دو اور کتابیں شائع کی ہیں "کشف الرحمٰن" قرآن شریف کے ترجمہ و تفسیر پر مبنی ہے۔ جو انھوں نے اٹھارہ سال کی مسلسل عرق ریزی اور محنت کے بعد لکھی، اس تفسیر کی خوبی یہ ہے کہ یہ بہت ہی عام فہم زبان میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر بے حد مقبول ہوئی "رسولؐ کی باتیں" مولانا احمد سعید کی وہ تالیف ہے جس میں انھوں نے مختلف عنوانات کے تحت احادیث کو جمع کیا ہے۔

زیر نظر کتاب "سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" مولانا احمد سعید کی پہلی سیرت کی کتاب ہے جو انھوں نے ۱۹۸۸ء میں مکمل کی تھی، چھوٹی تقطیع کے ایک سو چھپن صفحات پر پھیلی ہوئی اس سیرت کو مصنف نے پچانوے ۹۵ ذیلی سرخیوں میں منقسم کیا ہے، ان سرخیوں کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے جن واقعات کا بھی انتخاب کیا ہے ان کو تاریخی ترتیب سے پیش کیا ہے، اس لئے کہ اس مختصر سیرت کے پڑھنے کے بعد قاری کے ذہن میں آپ صلعم کی حیاتِ مقدسہ کا ہر اہم پہلو آجاتا ہے۔

اس سیرت کا آغاز بغیر تمہید و مقدمہ یا پیش لفظ کے براہ راست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذکر سے ہوتا ہے، پھر صرف حضرت ہاشم، حضرت عبدالمطلب اور حضرت عبداللہؓ کے نام بتاتے ہوئے مصنف نے حضرت عبداللہ اور بی بی آمنہؓ کی شادی کا ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب کو پیش کرکے آپ صلعم کی ولادت کا مختصر بیان کیا ہے جس میں تاریخ و سنِ پیدائش اور اس وقت پیش آنے والے واقعات جیسے ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ آنا، دریائے ساوہ کا خشک ہو جانا، آتش کدۂ فارس کا سرد پڑ جانا وغیرہ کی طرف اشارہ کرکے مولانا نے یہ بتانے کی سعی کی ہے کہ عقل کو حیرت میں ڈالنے کے یہ واقعات دراصل آنے والے انقلاب کا پیش خیمہ تھے، لکھتے ہیں،

"ان محیر العقول حالات کا ظہور درحقیقت اس آنیوالے عالمگیر انقلاب کی حقانیت

کے سامنے کفر و شرک اور گمراہی کے سرنگوں اور ختم ہونے کا اعلان تھا اور قیصر و کسریٰ کی بے پناہ حکومتوں کے انحطاط و زوال کی تمہید تھی، جس نے دنیا کی تاریخ بدل دی اور توحید کا بھولا ہوا سبق دہرایا گیا۔

اس کے بعد رضاعت، عہدِ طفولیت اور اس عہد سے تعلق رکھنے والے بعض برکات و واقعات کا ذکر کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بی بی آمنہ رضؓ کی وفات، حضرت عبد المطلب کی پرورش اور ان کی وفات، ابو طالب کی کفالت، آپ صلعم کے متعلق یہودی عالم کی پیشین گوئی، حجاز کی لڑائی اور حلف الفضول وغیرہ واقعات کو مختصراً بیان کیا ہے، نیز آپ صلعم کے تجارتی سفر، آپ صلعم کا حضرت خدیجہ رضؓ کی تجارت میں شرکت، حضرت خدیجہ رضؓ سے نکاح خانۂ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر اور شرک اور برے کاموں سے آپؐ کی نفرت وغیرہ کا احاطہ کیا ہے۔

"آغازِ رسالت" کے عنوان کے تحت آپ صلعم کے اعلانِ نبوت اور دعوتِ اسلام کا جائزہ کیا گیا ہے، اس میں پہلی وحی کا آپ صلعم پر نازل ہونا، اس کے بعد آپ صلعم کا گھر تشریف لانا، ورقہ سے واقعۂ حرا سے متعلق استفسار کرنا پھر سورۃ المدثر کے نازل ہونے کے بعد آپ صلعم کے باقاعدہ تبلیغ اسلام میں مصروف ہونے کے واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں ان افراد کے نام گنوائے گئے ہیں، جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا نیز عام تبلیغ اسلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی ابتداء کوہِ صفا کے وعظ سے ہوئی تھی، اس کے بعد قریش کی عداوت اور آپ صلعم کی ثابت قدمی، قریش کا آپ صلعم کو لالچ دینا اور اس میں ان کی ناکامی کے ذکر کے ساتھ ساتھ قریش کی زیادتیوں کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ پھر حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے قبولِ اسلام کے واقعات بیان کئے ہیں۔

بعد ازاں ہجرتِ حبشہ، شعب ابی طالب میں آپ صلعم اور آپؐ کے ساتھیوں کی نظر بندی اور اس سے رہائی کے اہم واقعات بیان کرکے سفرِ طائف کے المناک واقعات کا جائزہ کیا گیا ہے نیز ان تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو آپؐ صلعم نے عرب کے قبائل میں اسلام کو پھیلانے کے لئے کی تھیں، ان واقعات کے بعد مصنف نے "معراج" کے واقعہ کو بیان کیا ہے، یہ واقعہ بہت

ہی مختصر بیان ہوا ہے، اسکے بعد کی اہم سرخی "ہجرت مدینہ" ہے۔ اس واقعے کو مولانا سعید احمد نے تفصیل سے بیان کیا ہے، نیز یہ بھی بتایا ہے کہ یہ واقعہ کیوں اور کب پیش آیا۔

اس سلسلے کے اہم واقعات کو مصنف نے اس ترتیب سے پیش کیا ہے کہ پورا واقعہ ذہن نشین ہو جاتا ہے، مثلاً ہجرت کی ابتداء، آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ غار ثور میں، اُم معبد کے گھر میں آپ صلعم کا قیام نزولِ قبا اور پہلی مسجد کی تعمیر، مدینے کو روانگی اور سب سے پہلا جمعہ، آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری، مسجدِ نبویؐ کی تعمیر، حجروں کی تعمیر، تکمیل نماز، اذان کی ابتداء، مہاجرین وانصار میں مواخات، یہود سے معاہدہ اور آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کا منافقوں کے ساتھ برتاؤ وغیرہ واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کے بعد مکّہ والوں کے ان ناپاک منصوبوں کا احاطہ کیا گیا ہے، جو انھوں نے اسلام کی بڑھتی ہوئی رفتار کو روک لگانے کیلئے ترتیب دیئے تھے اور ان کا مقابلہ کرنے اور اس کا جواب دینے کیلئے اللہ نے آپ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی تھی۔

مولانا سعید احمد نے اس کے بعد غزوات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس میں سب سے پہلے موصوف نے غزوہ اور سریہ کی تعریف بیان کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ غزوات وہ ہیں جن میں رسول مقبول صلّی اللّٰہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے اور لشکر کے جو چھوٹے چھوٹے دستے آپ صلعم نے کسی صحابی کی قیادت میں مہم پر بھیجے اور بذاتِ خود تشریف نہیں لے گئے، ان کو "سریہ" کہتے ہیں۔

مصنّف نے غزوات کی مجموعی تعداد تیئیس 23 بتائی ہے۔ جن میں سے نو 9 میں مقابلہ اور لڑائی کی نوبت آئی اور بقیہ میں لڑائی نہیں پیش آئی اور سریوں کی کل تعداد تینتالیس 43 ——

بتائی ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ تمام معرکوں میں حق غالب رہا اور باطل سرنگوں رہا، صرف جنگ اُحد میں وقتی شکست ہوئی جو ایک اصولی غلطی کا نتیجہ تھی۔

موصوف نے غزوات کے تذکرے سے قبل تمام غزوات وسرایا کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا ہے تاکہ ہر غزوہ کی سن تفصیل وار سامنے آجائے۔ اس کے بعد سن وار غزوات وسرایا کے مہتم بالشان واقعات کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور ہر غزوہ وسرایا کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں غزوۂ بدر اور غزوۂ بنی قینقاع، غزوۂ سویق (تمام غزوات سنہ ۲ھ میں پیش آئے) غزوۂ غطفان، غزوۂ احد، غزوۂ حمراء الاسد (یہ تمام غزوات سنہ ۳ھ میں پیش آئے) کے علاوہ مقام رجیع پر مسلمانوں کا بیدردانہ قتل، بیر معونہ پر مظلومانہ شہادت بنی نضیر سے جنگ اور ان کی جلاوطنی سنہ ۴ھ، غزوۂ خندق سنہ ۵ھ، صلح حدیبیہ سنہ ۶ھ جنگِ خیبر سنہ ۷ھ جنگ موتہ سنہ ۸ھ فتح مکہ سنہ ۸ھ، معرکۂ حنین سنہ ۸ھ جنگ تبوک سنہ ۹ھ کے واقعات کو بیان کیا ہے، مصنف نے ان میں چند غزوات وسرایا کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ مثلاً غزوۂ احد، غزوۂ بدر، غزوۂ خندق، صلح حدیبیہ اور فتح مکّہ وغیرہ۔

چوں کہ یہ واقعات (غزوات وسرایا) سن وار بیان ہوئے ہیں۔ اس لئے چند متفرق اہم واقعات بھی اُسی سن میں آگئے ہیں۔ مثلاً روزے کا حکم سنہ ۲ھ، حضرت فاطمہؓ کا نکاح ۲ھ، شراب کی حرمت سنہ ۳ھ، زانی کو سنگ ساری کا حکم سنہ ۴ھ اور پردے کا حکم سنہ ۵ھ وغیرہ اور آخر میں مصنّف نے حجۃ الوداع کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے، آپ صلعم نے جو اس موقع پر یادگار خطبہ ارشاد فرمایا اس کا سلیس اردو میں ترجمہ پیش کیا ہے، پھر وفات کا عنوان قائم کرکے آپ صلعم کی رحلت کے اہم واقعات پیش کئے ہیں۔ اور ازدواج اور اولاد رضی اللہ

....عنہم کی فہرست دی ہے، اور سب سے آخر میں آپ صلعم کے اخلاق و عادات کو پیش کر کے اس کتاب کو اختتام پر پہونچایا ہے، تاکہ قاری جب سیرت کی یہ کتاب پڑھ چکے، اس وقت اس کے دل و دماغ میں آپ صلعم کے اخلاق و عادات نقش [illegible] ہو کر رہ جائیں ۔ اور وہ اپنی حیات میں اس پر عمل کر کے اپنی دنیا و آخرت اچھی بنالے ۔

”سیرتِ محمد رسول اللہ“ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مختصر سیرت ہے ۔ جو خاص کر کم پڑھے لکھے لوگوں اور خواتین و بچوں کی معلومات میں اضافہ کرتی ہے، زبان عام فہم ہونے کی وجہ سے بچے اور طلباء اسے دلچسپی سے پڑھ سکتے ہیں ۔ تصدیق کیلئے کتاب کا یہ آخری اقتباس ملاحظہ کیجئے ۔

”حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ خدا کی عبادت، اس کے ذکر اور یاد اور اس کی رضا جوئی میں گذرتا تھا، رات کا بڑا حصہ اور کبھی کبھی پوری رات نماز میں کھڑے بسر ہو جاتی تھی، نمازوں میں آپؐ پر ایسی رقت طاری ہوتی کہ روتے روتے آپؐ کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں اور اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کی طرح آپؐ کے سینے سے بھی جوش مارنے کی آواز آتی تھی ۔“ ۱؎

---

۱؎ احمد سعید ”سیرت محمد رسول اللہ“ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۵۶۴ دینی بک ڈپو دہلی

# سید امین الحسن ندوی

مختصر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک اہم کتاب ہے۔ مصنف نے اس کا نام "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی" رکھا ہے، جسے 1997 میں اسلامک بک سروس نئی دہلی نے شائع کیا۔ ایک سو ستاسی صفحات پر مشتمل یہ سیرت بغیر فہرست، مقدمہ یا پیش لفظ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ مبارک سے شروع ہوتی ہے۔ مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے نوے نام بتائے ہیں، جن کا سلسلہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد عرب کی حالت چاہ زمزم کی دوبارہ کھدائی، حضرت عبداللہ کی قربانی، حضرت عبدالمطلب کے بیٹے بیٹیوں کے نام، حضرت عبداللہ کی شادی اور ان کی وفات، ان کی میراث وغیرہ کا مختصر تذکرہ کرکے "طلوع آفتاب" کے عنوان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اس کے بعد واقع ہونے والے واقعات کی تفصیلات دی ہے نیز آپ صلعم کے امّی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس ضمن میں مصنف کا خیال ہے کہ ماں اور دادا کی محبت و شفقت کی زیادتی کی وجہ سے آپ کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں دی گئی جس پر ممکن ہو اتفاق نہ کیا جائے، مگر اس سلسلے میں انھوں نے ایک نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ آپ صلعم کا امّی ہونا قرآن کو خدا کا کلام ثابت کرنے کیلئے ضروری تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"خدا ہی کو یہ منظور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امّی رہیں۔ تاکہ آپ صلعم پر جو کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی تھی کوئی اس کے متعلق یہ نہ کہے کہ انہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے از خود لکھی ہے" ۔۔۔۔۔ ؎۱

---

۱۔ سید امین الحسن ندوی "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی" ص ۱۶ اسلامک بک سروس، نئی دہلی 1997

بعد ازاں سید امین الحسن رضوی نے اختصار کیساتھ سفرِ مدینہ، حضرت آمنہ کی وفات، عبدالمطلب کی کفالت اور ان کی وفات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ شام وغیرہ، حضور اکرمؐ کی جنگ میں پہلی بار شرکت، تجارت، شام کا دوسرا سفر اور حضرت خدیجہؓ کا مختصر حال مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح وغیرہ کا جائزہ لیا ہے، اسکے ساتھ ہی کعبے کی تعمیرِ نو اور حجرِ اسود کا نصب کرنا، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کی تربیت، غارِ حرا میں آپ صلعم کی خلوت نشینی وغیرہ واقعات بیان کر دیے گئے ہیں۔

"طلوعِ آفتاب" کے زیرِ عنوان اُس انقلاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس نے کائنات کی ظلمت کو ضیا میں بدل دیا تھا اور کفر کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا، اسمیں نزولِ وحی، آپ صلعم کی گھبراہٹ، حضرت خدیجہؓ کی حوصلہ افزائی اور ورقہ کی پیشین گوئی اور تبلیغِ اسلام سے تعلق رکھنے والے واقعات پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے، نیز علانیہ تبلیغ، اس سے پیدا ہونے والے حالات خصوصاً آپ صلعم کو قریش کا لالچ دینا۔ حضرت بلالؓ پر امیہ کا ظلم و ستم، حضرت زبیر اور حضرت عثمانؓ، حضرت لبینہؓ حضرت حبیبؓ اور حضرت سمیہؓ کا قبولِ اسلام کا جائزہ لیا ہے۔

بعد ازاں جو عنوان زیرِ بحث آئے ہیں انکی تفصیل درجِ ذیل ہے، ہجرتِ حبشہ، حضرت حمزہؓ، و حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام اور قریش کا ظلم و ستم پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، معراج، بیعتِ عقبٰی اولی اور ہجرت کے واقعات بھی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، اسمیں معراج اور ہجرت کے تمام تر اہم واقعات کو مصنف نے یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ خصوصیت سے ہجرت سے قبل آپ صلعم کو نعوذ باللہ قتل کرنے کی سازش، آپ صلعم کا حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ سفر کرنا، غارِ ثور کی صحبتیں اور مدینہ تشریف

لانے تک کے اہم واقعات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ پھر مدینہ کے غیر مسلموں سے جو پہلا معاہدہ آپ صلعم نے کیا تھا، اسکی تفصیلات بیان کرکے مصنّف نے سفرا کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسلام کی دعوت سلاطین عالم کو دی تھی۔ ان میں ہرقل شاہِ روم، نجاشی شاہ حبش، کسریٰ پرویز شاہِ فارس، مقوقس شاہِ مصر، منذر شاہ بحرین اور عبد و جفیر فرماں روائے عمان شامل ہیں۔

"اذنِ جہاد" کے عنوان کے تحت سیّد امین الحسن ندوی نے چند اسلامی جنگوں پر روشنی ڈالی ہے، اور ان جنگوں کی غرض و غایت کا احاطہ بھی کیا ہے اسمیں جنگِ بدر اور جنگِ احد کا مکمّل جائزہ لیا ہے اور اسکے نتائج بھی بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد واقعہ رجیع جنگِ خیبر اور صلح حدیبیہ کا محاسبہ کیا گیا ہے، جنگِ خیبر اور صلح حدیبیہ پر مکمّل اظہار ہوا ہے اور صلح حدیبیہ کی تمام شرائط بیان کی گئی ہیں۔ بعد ازاں فتح مکّہ کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

اس مختصر سیرت میں شامل غزوات پر ایک نظر ڈالتے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے صرف ان جنگوں کے حالات درج کیے ہیں جو مشہور ہیں اور جن میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی تھی، مصنف نے غزوات کے بیان کے آخر میں غزوہ و سرایا کے فرق کو بھی بتایا ہے اور ان کی کل تعداد بھی دی ہے۔ اسکے بعد حجۃ الوداع کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے، اسمیں آپ صلعم کے حجِ مبارک کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ خطبۂ حجۃ الوداع کے اہم نکات پیش کیے ہیں۔ اسی میں آپ صلعم کے آخری خطبے کی اہم باتوں (وہ خطبہ جو آپ صلعم نے حج کرنے کے بعد واپسی میں ارشاد فرمایا تھا) کا بھی تذکرہ کیا ہے، پھر آپ صلعم کے آخری ایام کے حالات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ نیز جو وصیت آپ صلعم نے ایامِ علالت کے دوران لکھوائی تھی، اس کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے

پھر آپ صلعم کا حجرۂ عائشہؓ میں تشریف لے جانا، مرض کا بڑھنا اور آپ صلعم کی روحِ مبارک کا عالمِ اقدس کی طرف پرواز کرنا وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ صلعم کی رحلت کے بعد کے واقعات جو غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے ہیں، اختصار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور تجہیز و تکفین کے احوال کے ساتھ سیرتِ "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی" پر مصنف نے بحث ختم کر دی ہے۔ اور آخر میں یورپ اور ہندوستان کے معروف مدبّرین کے خیالات و تاثرات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان ہوئے ہیں، پیش کئے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں جن موضوعات و واقعات کا مصنف نے انتخاب کیا ہے۔ شروع سے آخر تک مصنف نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ان پر روشنی ڈالی ہے۔ بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ چند ایسے واقعات بھی فراہم کئے ہیں جو عام طور پر اتنی مختصر کتابوں میں نہیں ملتے۔

کتاب کی زبان سادہ اور سلیس ہے مگر دلکش ہے اور طرزِ بیان سلجھا ہوا ہے، اس بات کی تصدیق ان کے نمونۂ نثر سے ہو جائے گی، نزولِ وحی سے پہلے مصنف نے یہ تمہید پیش کی ہے۔

"۔۔۔ قدرت کا یہ خاصہ رہا ہے کہ ہر انسان کو جو رتبہ عطا کیا جانے والا ہوتا ہے، پہلے اسکے تحمّل کی اسے قوّت دی جاتی ہے اور پھر وہ رتبہ عطا ہوتا ہے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوتیں تحمیدِ الٰہی اور تقدیسِ خداوندی سے نشو و نما پاکر خلوت نشینی مراقبہ اور عبادت سے اس قدر پختہ ہو چکی تھیں کہ نزولِ وحی کی متحمّل اور منصبِ نبوّت کے برداشت کے قابل ہو گئی تھیں۔۔۔"[1]

---

[1] سید امین الحسن ندوی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی، ص 39، اسلامک بک سروس، نئی دہلی 1997

# حکیم شرافت حسین رحیم آبادی

"حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" بچوں کیلئے لکھی گئی حکیم شرافت حسین رحیم آبادی کی مختصر تالیف ہے، جو اسی صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب منظور بک ڈپو دہلی نے شائع کی ہے۔ جس میں تاریخ اشاعت درج نہیں۔ اس کتاب کے مشمولات کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف کا ارادہ ایک ایسی سیرتِ نبوی ﷺ لکھنے کا تھا جو مسلمان بچوں اور طالب علموں کیلئے مفید ہو، نیز اتنی مختصر ہو کہ بچوں کو ان کا مطالعہ بھی بار نہ گذرے، اسلئے مولف نے اس کتاب کے ذیلی عنوانات کا انتخاب بھی ایسا ہی کیا ہے کہ اہم واقعات اس کتاب میں آجائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک خاکہ قاری کی آنکھوں کے سامنے آجائے جس پر وہ عمل کرکے اپنی دنیا و دین سنوار سکے۔

تالیف 'حیات النبی ﷺ' کی ضخامت پہلے ہی سے مولف کے ذہن میں رہی ہے، اسی لئے انہوں نے بغیر تمہید و فہرست آپ صلی اللہ علیہ کی ولادت با سعادت کے ذکر سے کتاب کا آغاز کیا ہے اور صرف ایک ایک جملے میں ایک ایک واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور ایک ہی صفحہ میں آپ صلعم کی پیدائش کے ساتھ آپ صلعم کے اہل خانہ کے نام، آپ صلعم کی پرورش، راست گوئی، حضرت خدیجہؓ سے نکاح اور آپ صلعم کے تجارتی سفر وغیرہ سے متعلق معلومات پیش کردی ہیں۔

اس کے بعد ازدواجِ مطہرات کا عنوان قائم کرکے صرف حضرت خدیجہؓ سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا ذکر کیا ہے۔ دیگر ازدواج میں کسی کا بھی ذکر
مولف نے اس کتاب میں نہیں کیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کا بھی ذکر
اس میں مذکور نہیں ہے۔ صرف حضرت خدیجہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو
جو اولاد ہوئی انہی کے ناموں کا ذکر ہے۔ اس کے فوراً بعد آغاز رسالت اور آغاز
دعوت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں ابتداء میں اسلام قبول کرنے والوں کے
نام اور ان پر ہونے والے مظالم کی نشاندہی کی گئی ہے، اسکے ساتھ ہی حضرت
حمزہؓ کے ایمان لانے کا بیان ہے۔ یہ واقعہ قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔
ہجرت حبشہ، ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات، آپ صلعم کا سفر
طائف اور ہجرت مدینہ کے اہم واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے صرف تیس
صفحات پر مکی زندگی اور مدینے کی ابتدائی زندگی کو پھیلایا ہے۔ مدنی زندگی
کے اہم واقعات میں مولف نے غزوات کا ذکر کیا ہے، جس میں جنگ بدر،
غزوۃ السویق، غزوۂ احد، غزوۂ حمراء الاسد، جنگ رجیع، غزوۂ بئر معونہ
غزوۂ بدر ثانیہ، غزوۂ خندق، غزوۂ بنی قریظہ اور جنگ بنی مصطلق کا جائزہ
لیا گیا ہے، اس میں خصوصی طور پر غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کے واقعات کچھ
تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور ان میں فتح و شکست کے اسباب کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔
اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ و صلح حدیبیہ کا جائزہ لیکر آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین کو جو پیغام بھیجے گئے اس کا خلاصہ پیش کیا ہے۔
پھر تین جنگوں یعنی غزوۂ خیبر، غزوۂ موتہ اور فتح کعبہ کے اہم واقعات
پر روشنی ڈالی ہے، اس میں فتح مکہ کا تفصیلی محاسبہ کیا گیا ہے، نیز فتح مکہ کے بعد
رونما ہونے والے واقعات بھی زیر بحث آئے ہیں۔ بعدازاں غزوۂ حنین
اور غزوۂ تبوک پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ پھر وصال رسولؐ کا اختصار سے ذکر
کیا ہے۔ آخر میں مولف نے شمائل حضور اکرمؐ بیان کئے ہیں اور ان میں ان

صفات کا بیان خصوصی طور پر کیا ہے جو ہماری روزمرہ زندگی میں ہر پل کام آنے والے ہیں۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے جن میں بچے اور طلبہ شامل ہیں۔ انکے اندر اسوۂ رسول پر عمل پیدا ہونے کی تحریک پیدا ہو۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو "نمونۂ اقوالِ مبارک" کے عنوان کے تحت پیش کیا ہے اور اسمیں چھبیس احادیث کے خلاصے آگئے ہیں۔

حکیم شرافت حسین رحیم آبادی نے اپنے موقف کے اظہار کیلئے نہایت آسان و سلیس زبان استعمال کی ہے۔ اندازِ بیان دلکش اور متاثر کرنے والا ہے۔ واقعات کے انتخاب میں ربط و تسلسل کی کمی ہے۔ دو واقعات کے درمیان جو خلیج ہے اسے قاری محسوس کرتا ہے۔

بہرحال حکیم شرافت حسین کی یہ کوشش قابلِ ستائش ہے۔ آخر میں یہ نمونۂ نثر ملاحظہ ہو (یہ اقتباس ذیلی عنوان عمرہ و صلحِ حدیبیہ سے لیا گیا ہے)۔

"۔۔۔۔ اسی سال ذوالقعدہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے عمرہ کا قصد فرمایا۔ اور بغیر ارادۂ جنگ کے ایک جماعت انصار و مہاجرین کو جن کی تعداد ایک ہزار چار سو کے قریب تھی، ہمراہ لیکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور ہدی کو آگے بھیج دیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے سے پہلے ہی مشرکین کو معلوم ہو جائے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیارتِ کعبۂ مکرمہ کیلئے تشریف لا رہے ہیں ۔۔۔ [1]

---

[1] حکیم شرافت حسین رحیم آبادی "حیاتِ النبی" ص 46 منظور بک ڈپو دہلی ۔۔۔ تاریخ اشاعت درج نہیں

# محمد رفیع

ان کی کتاب کا نام " آدم سے محمدؐ تک " ہے۔ جسکو مکتبہ ملّت دیوبند (یوپی) نے شائع کیا ہے۔ عنوان ہذا سے ظاہر ہے کہ اسمیں آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم تک کے بعض انبیائے کرام کے حالاتِ زندگی کا مختصر احاطہ کیا گیا ہے۔ مصنف کا مقصد یہ تھا کہ بچوں اور عام اور کم پڑھے لکھے لوگوں میں قرآنِ مجید کو سمجھنے کا شعور پیدا ہو۔ ایک سو پچھتر 175 صفحات پر چھپی اس کتاب میں ایک سو تیس (130) صفحات پر حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام و اصحابِ کہف تک کے حالات درج ہیں جو ہماری بحث سے خارج ہیں۔ صفحہ ایک سو چار 104 سے آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی چند جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔ تقریباً 70 صفحات پر آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کو پھیلایا گیا ہے۔

مصنف نے یہ کتاب بچوں کیلئے لکھی ہے، اسلئے پوری سیرت بچوں کی زبان میں بڑے سلیقہ اور شگفتہ انداز میں لکھ دی ہے اور بات کو ذہن نشین کرانے کیلئے قصہ، کہانیوں کا انداز اختیار کیا ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں بقول مصنف مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب " نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ " سے مدد لی گئی ہے۔

سیرت النبیؐ کا آغاز آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ہوتا ہے، اس میں آپ صلعم کی دنیا میں تشریف لانے اور آپ صلعم کے اہل خانہ اور دائی حلیمہ کی پرورش کا مختصر ذکر کر کے آپ صلعم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی تھی، جسکی بناء

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا اور قوم کو دین و ایمان کی دعوت دی تھی، اس کا ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید کے حوالے سے ان مصائب کا تذکرہ کیا ہے جو آپ صلعم پر قریش کی جانب سے ڈھائے گئے تھے۔

بعد ازاں معراج شریف اور ہجرت کا حال اختصار کے ساتھ مذکور ہے۔ اس میں معراج کے معنی اور معراج میں مسلمانوں کو ملنے والے تحفوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ پھر ہجرت کی غرض و غایت اور آپ صلعم کو اللہ سے ملنے والی غیبی امداد کا ذکر کیا گیا ہے۔

بچوں میں اسلام کے دفاع کیلئے جذبہ جوش پیدا کرنے کی غرض سے مصنف نے آٹھ غزوات کا ذکر بھی کیا ہے اور ہر غزوہ کے آخر میں اس سے ملنے والی نصیحت یا تنبیہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً جنگ بدر کی کامیابی سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اللہ نے ایک بڑی تعداد کے خلاف کس طرح تین سو تیرہ مومنوں کی مدد کی۔ اسلئے کہ یہ لڑائی مومنوں نے نہ صرف اللہ کیلئے لڑی تھی، یعنی بچوں سے مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اللہ کی راہ میں نکلتا ہے۔ اللہ اسے کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اور جہاں انسانی مفاد خود غرضی اور نبی اکرم کی بھی نافرمانی کی جاتی ہے، وہاں شکست ہی شکست ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے غزوہ احد کی شکست کو بچوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ بچوں میں آپ صلعم کی پیروی کرنے کا ذوق پیدا ہو۔

غزوات کے ساتھ صلح حدیبیہ اور حجۃ الوداع پر روشنی ڈالی ہے اور اسکی اہمیت کو بھی بتایا ہے کہ صلح بھی کرنی ہے تو اللہ کیلئے کی جائے، پھر خطبۂ حجۃ الوداع کا آسان زبان میں خلاصہ پیش کیا ہے، جس میں صرف اللہ کی توحید، نماز، روزہ زکوٰۃ اور فریضۂ حج پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز ماں باپ کی اطاعت اور جہاد پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا کہ مصنف کا مقصد سیرت نبوی کے بلند واقعات کے ذریعہ بچوں کی اصلاح کرنا تھا، اس لئے اس میں

نصیحت کی اہم باتیں ہی آ گئی ہیں، اور آخر میں " اچھی اچھی باتیں " کے زیر عنوان آپ صلعم نے روزمرّہ زندگی کو کامیابی بنانے کیلئے جن باتوں کی طرف اشارے کئے تھے، وہ بیان ہوئے ہیں - مثلاً وعدہ کرو تو نبھاؤ، ناپ تول میں کمی نہ کرو دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرو، خواہ مخواہ لڑنے جھگڑنے سے بچو، کسی کی برائی نہ کرو اور جب بھی کسی مسلمان سے ملو سلام کرو وغیرہ -

اسکے بعد حرام چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نیز قیامت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے تاکہ بچوں میں بچپن ہی سے نیکی کا شوق پیدا ہو- اور یہ بتایا ہے کہ نیکی جنت میں داخل کرے گی اور بدی جہنم میں لے جائے گی- یعنی مصنف نے اس کتاب میں یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

یہ نمونۂ تحریر ملاحظہ ہو جس سے اندازہ ہوگا کہ بچوں کی اصلاح اور ان کو دینی معلومات فراہم کرنے کا طریقۂ کار یہی ہونا چاہیئے یعنی آسان زبان اور بیانیہ انداز بیان، ولادت کے بیان میں لکھتے ہیں-

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو مکّہ معظمہ میں پیدا ہوئے. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا نام آمنہ اور آپ صلعم کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا جو آپ صلعم کی پیدائش سے دو ماہ قبل ہی فوت ہو چکے تھے- آپ صلعم کے دادا عبدالمطلب تھے- انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی فرمائی- اس زمانے میں عرب میں یہ دستور تھا کہ شریف گھرانوں کے بچے دیہاتوں میں پرورش پاتے تھے، ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک خاتون حلیمہ پرورش کیلئے لے گئیں ـــــ "۱

---

۱- "آدم سے لیکر محمدؐ تک" ص 105,106 مکتبۂ ملت دیوبند یوپی، تاریخ اشاعت درج نہیں-

# پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم" بچوں کیلئے لکھی گئی پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی کی مختصر تالیف ہے جو چھوٹی تقطیع کے تقریباً نوے صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو مکتبہ جام نور نئی دہلی نے شائع کیا۔ تاریخ اشاعت درج نہیں۔ مصنف نے تعارف میں لکھا ہے کہ یہ مختصر رسالہ بچوں کیلئے اختصار کیساتھ لکھا گیا ہے تاکہ آپ صلعم کی حیات مقدسہ سے وہ واقف ہوں اور آپ صلعم کے صحیح حالات کا خاکہ مسلم بچوں کے دلوں میں نقش ہو جائے۔

کتاب کی ضخامت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اہم واقعات کو ہی یہاں جگہ دی ہے اور ایسے واقعات کا انتخاب کیا ہے جن سے بانی اسلام کی حیات مبارکہ کیساتھ ساتھ آپ صلعم کے پیغام پر بھی روشنی پڑے کتاب کی ترتیب میں تاریخ نویسی کے جدید طرز کو اختیار کیا ہے۔ اور واقعات کے بیان میں تاریخی ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم" میں پندرہ ابواب قائم کئے ہیں اور اکتالیس ذیلی عنوانات کے تحت ملک عرب کے حالات سے لیکر وصال تک کے واقعات سمونے کی کوشش کی ہے۔ مصنف کا کتاب کو ابواب میں تقسیم کرنے کا عمل نامناسب معلوم ہوتا ہے، اگر مصنف اسطرح نہ بھی کرتے تب بھی کتاب کی پیشکش میں کوئی فرق نہ آتا۔

کتاب کا آغاز عرب کے قدیم حالات کے بیان سے ہوتا ہے، جس میں انھوں نے اس کے محل وقوع، اسکی آب وہوا، وہاں کے قبائل، ان کے خدا اور اہل عرب کے عادات واخلاق پر روشنی ڈالی ہے نیز بچوں کو ملک عرب سے روشناس کرانے کیلئے

عرب کا نقشہ بھی دیا ہے ، دوسرے باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا (دعائے خلیل) کے الفاظ پیش کر کے (جس میں آپ صلعم کی آمد کی بشارت ہے) اصحاب الفیل کے واقعے کا ذکر کیا گیا ہے، واقعات کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے تیسرے باب میں آپ صلعم کی ولادت باسعادت سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں آپ صلعم کی پرورش جس ماحول میں اور جن کے زیر سایہ ہوئی اُن تمام افراد کے اسمائے گرامی بتائے گئے ہیں اور پندرہ سال کی عمر میں آپ صلعم نے ایک جنگ (حربِ فجار) میں حصّہ لیا تھا، اسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چوتھے باب میں آپ صلعم کی شادی کا ذکر کیا گیا ہے، نیز "حجرِ اسود" کے نصب کرنے کا واقعہ مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے۔

پانچواں باب "شرفِ نبوت" کا احاطہ کرتا ہے، اسمیں اعلانِ نبوت سے پہلے آپ صلعم کی زندگی یعنی آپ صلعم کے روزمرّہ معاملات کی طرف اشارہ کر کے اعلانِ نبوّت کی بات کہی گئی ہے۔ اس سلسلے میں جبرئیل امین کا آپ صلعم کے پاس تشریف لانا اور خدا کا حکم سنانا، آپ صلعم کی گھبراہٹ اور حضرت خدیجہ رض کا تسلّی دینا نوفل سے مشورہ کرنا اور اہلِ خانہ کا اسلام قبول کرنا وغیرہ واقعات اختصار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ بعدازاں تبلیغ دین کے سلسلے میں پیش آئے ہوئے چند اہم واقعات کا ذکر کر کے اُن مخالفین کا بھی تذکرہ کیا ہے، جنھوں نے آپ صلعم کے کام میں رُکاوٹیں پیدا کی تھیں، اسکے ساتھ قریش کا لالچ دینا، قریش کی دھمکیاں اور ہجرت حبشہ وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، اسی باب میں حضرت حمزہ رض اور حضرت عمر رض کے قبولِ اسلام کا جائزہ لیا گیا ہے۔

چھٹے باب میں "مقاطعہ" کے زیرِ عنوان پہلے تو شعب ابی طالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، پھر معاہدے کے بعد دو اہم حادثے یعنی حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رض کی وفات کا ذکر ہے، پھر سفرِ طائف کی معلومات فراہم کر کے واقعہ

معراج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ساتواں باب "مدینہ میں نورِ اسلام اور ہجرتِ مدینہ" کا احاطہ کرتا ہے اس میں مصنف نے مدینہ میں اسلام کی تبلیغ اور ہجرت کے عظیم واقعے پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ یہاں تک کہ مکّی زندگی بیان ہوئی ہے، پھر مدنی زندگی کے واقعات ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔

"مدینہ میں آمد" آٹھویں باب کا عنوان ہے۔ مکّے سے ہجرت کے بعد آپ صلعم جب مدینے میں داخل ہوئے، اس وقت انصار میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر جو جوش و خروش، جو محبت و عقیدت تھی اسکی وضاحت کرکے مصنف نے مسجدِ نبویؐ، امّ المومنین کے حجروں کی تعمیر، مدینے میں آپ صلعم کی مخالفت اور یہودیوں سے کئے گئے معاہدوں کا جائزہ لیا ہے۔

"جہاد" سیرتِ نبویؐ کا ایک اہم باب ہے، مصنف نے نویں باب میں اسکو جگہ دی ہے، پہلے جہاد کی تعریف بیان کی ہے، پھر غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق کی تفصیلات مختصراً بیان کی ہیں، اسکے بعد صلح حدیبیہ، فتح خیبر اور سریہ موتہ کو بھی اختصار سے بیان کیا ہے، گیارھویں باب میں صرف فتح مکّہ پر قدرے تفصیل سے بحث کی ہے، اس میں آپ صلعم کا دس ہزار فوج لیکر مکّہ کی طرف کوچ کرنا، قریش کا ہتھیار ڈالنا، ابوسفیان کا قبولِ اسلام اور آپ صلعم کا خانہ کعبہ میں تشریف لانا وغیرہ واقعات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

بارہویں باب میں غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک پر روشنی ڈالی ہے، اس میں ان غزوات میں حصّہ لینے والوں کے نام لشکر کی تعداد، جنگ کا نقشہ مالِ غنیمت وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیرھواں باب حجۃ الوداع اور وفود کی آمد سے متعلق ہے، اس میں مصنف نے آپ صلعم کے آخری حج کا مختصر جائزہ لیا ہے اور آپ صلعم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اسکے اہم

نکات کو آسان زبان میں پیش کیا ہے۔ پھر فتح مکہ کے بعد آپ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرنے والے وفود کے نام گنوائے ہیں۔

چودہواں باب آپ صلعم کے وصال پر روشنی ڈالتا ہے، یہ باب بھی انتہائی مختصر ہے، اسلئے مصنف نے تفصیلات میں جانے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کا ذکر کرکے آپ کی تدفین کے واقعات بیان کئے ہیں۔

آخر میں" اخلاق و عادات " کا عنوان قائم کرکے آپ صلعم کے اسوہ حسنہ کی خصوصیات، ازدواج مطہرات اور اولادِ مبارک کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ اخلاق و عادات کو آخر میں پیش کرنے کی غرض و غایت یہ ہو کہ جب بچے سیرت نبوی پڑھ چکے ہوں، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات پر ان کی نظر ٹکی رہے۔ اور جس مقصد کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے، وہ مقصد پورا ہو۔

"رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" میں سیرت کے جتنے واقعات پیش کئے گئے ہیں۔ ان کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے تحقیق سے کام لے کر ان واقعات کے موتیوں کو ایک ہار کی شکل دے دی ہے۔ اور اپنے موقف کے اظہار کے لئے جو زبان استعمال کی ہے وہ نہایت سلیس سادہ اور عام فہم ہے نیز مصنف نے بیان کی سادگی اور شگفتگی کو کتابچہ کی آخری سطر تک ملحوظ رکھا ہے۔

نمونۂ تحریر ملاحظہ ہو:

" عرب کے رئیس اور شریف گھرانوں میں رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دیہات کی دائیوں کے سپرد کر دیتے تھے جو انکے شہر سے دور اپنے اپنے دیہات میں لے جاتیں ..... اور وہاں انکی اچھی طرح دیکھ بھال کرتیں۔ اس خدمت کے بدلے میں والدین ان عورتوں کو اپنی اپنی ہمت کے مطابق اجرت اور انعام دیتے، اس طرح جو بچے دیہات کی صاف و تازہ ہوا میں رہ کر پرورش پاتے، ان کو ایک فائدہ تو یہ پہنچتا کہ وہ توانا اور تندرست ہوتے۔ ان کے اخلاق بھی درست رہتے ...

دوسرے اچھی طرح عربی زبان سیکھ لیتے۔ کیوں کہ ان دنوں اچھی اور خالص عربی زبان وہ لوگ بولتے جو شہر سے دور دیہات میں رہتے تھے [1]

---

۱ حمید اللہ شاہ ہاشمی ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ص 18-19
مکتبہ جام نور ۔ نئی دہلی ۔ تاریخ اشاعت درج نہیں۔

# مضامین میں سیرت کی جھلکیاں

# مضامین میں سیرت کی جھلکیاں

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا موضوع ایسا دلکش اور اہم موضوع ہے کہ اس پر دنیا کی ہر زندہ زبان میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے، جس کا شمار کرنا آسان نہیں۔ سیرتِ محمدی ﷺ کا شاید ہی کوئی پہلو ایسا ہو جس پر سیرت نگاروں نے خامہ فرسائی نہ کی ہو۔ اور اردو زبان اس باب میں امتیازِ خاص رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے سیرتی ادب میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے اور یہ اضافے کبھی ضخیم سیرتِ نبوی ﷺ کی صورت میں تو کبھی مختصر سیرت النبی ﷺ کے روپ میں ہورہے ہیں، اسکے علاوہ مضامین سیرت کا کبھی نہ ٹوٹنے والا سلسلہ بھی ہے جو اپنی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر مقبولِ خاص و عام ہے۔

گذشتہ ابواب میں ضخیم، مختصر اور منظوم سیرتِ نبوی ﷺ کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اس ضمنی باب کا مقصد یہ ہے کہ مضامینِ سیرتِ نبوی ﷺ پر بحث ہو، یہ بتانے کے لئے کہ کتابوں کے علاوہ سیرتِ نبوی ﷺ کا مواد مضامین میں بھی بکھرا ہوا ہے، سچ پوچھئے تو مضامین ہی کتابوں کے ظہور میں آنے کا سبب بنتے ہیں اور ایسا بھی ہوا ہے کہ بہت سارے اہلِ قلم نے موقع و محل کے لحاظ سے مضامین لکھے یا ان سے لکھوائے گئے، کبھی رسائل و اخبار کیلئے تو کبھی ریڈیو نشریات کیلئے، اور جب ان مضامین کی خاصی اچھی تعداد ہوگئی تو مضمون نگار نے یا اسکی وفات کے بعد ان کے احباب نے ان مضامین کو کتابی شکل دے کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان کو محفوظ کر دیا۔

اس ضمن میں سید سلیمان علی ندوی، ابو الکلام آزاد، سید امیر علی (انگریزی) محمد حبیب الرحمن خاں شیروانی، مولانا محمد اشرف، خلیفہ عبدالحکیم، ماہر القادری

خواجہ غلام السیدین، مولانا عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر محمد آصف قدوائی، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اور سید ابوالحسن ندوی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، ان میں سید سلیمان ندوی اور سید ابوالحسن علی ندوی نے مختلف موقعوں پر یعنی سمینار اور خصوصی لکچرز کیلئے سیرت پر مضامین لکھے۔ نیز میلاد کی محفلوں اور نشریات اور رسائل کیلئے بھی انہوں نے اپنے مضامین لکھے کہ وہ بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ سید سلیمان ندوی نے "خطبات مدراس" کے نام سے اور سید ابوالحسن علی ندوی نے "کاروانِ مدینہ" کے نام سے سیرتی مضامین کے مجموعے شائع کئے۔ جن کا تفصیلی ذکر پچھلے باب میں آچکا ہے اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد خاص کر کے اپنے اخبار "الہلال" اور "البلاغ" میں ربیع الاول کے شماروں میں مختلف موضوعات پر مضامین شائع کئے۔ ان کی وفات کے بعد غلام رسول مہر نے ان تمام مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل دی اور اس کا نام "رسول رحمت" رکھا اور شائع فرمایا۔ ان مضامین میں مضمون نگاروں نے رسول اکرم کی زندگی کے ایسے واقعات کا انتخاب کیا جو عام قاری و سامعین کیلئے دعوت فکر دیں۔ جسکی وجہ سے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں پر زندگی بسر کرنے کا سلیقہ پیدا ہو۔ مضامین چونکہ اکثر مختصر ہوتے ہیں اسلئے مضمون نگاروں نے جس عنوان کا بھی انتخاب کیا اس کا حق ادا کر دیا۔ اس سے قاری کو یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ وہ کم وقت میں زیادہ معلومات حاصل کر لیتا ہے جو اُسے مختلف کتابوں کے مطالعے کے بعد بھی حاصل نہیں ہوسکتی تھیں، اسلئے کہ مضمون نگار کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ مضامین کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کیے جائیں۔ ہم اس بات سے واقف ہیں کہ مضمون نگار ایک مضمون کی تیاری میں کئی کتابوں کو کھنگال دیتے ہیں اور ہمارے سامنے اپنے مہینوں کے مطالعے کا نچوڑ پیش کر دیتے ہیں۔

آج کے اس مشینی دور میں اسلام اور بانی اسلام سے متعلق کم مدت میں زیادہ

معلومات حاصل کرنا، مضامین کے مطالعے ہی سے ہو سکتا ہے، اس اعتبار سے سیرتی مضامین کی اہمیت و افادیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ نیز یہ کہ سیرت پر کتابیں آئیں یا نہ آئیں، لیکن مضامین کا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے۔ کم از کم ربیع الاول کے مہینے میں تمام مذہبی رسائل، ہفت روزہ اخبار اور روزنامے، رسولؐ نمبر شائع کرنے میں کبھی نہیں چوکتے۔ ان رسائل میں "ھدیٰ" "شبستان" "تجلی"، "تقویم" "رابطہ" "معارف" "نقوش" "نوری" "آجکل" وغیرہ اور روزناموں میں سیاست، منصف اور سالار وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ مضمون نگار عصر حاضر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر سیرت نبویؐ پر اظہار خیال کرتا ہے۔ اور ایسے نتائج نکالتا ہے جو آج کے دور میں انسانیت کو صحیح راہ پر لے جاتے ہیں

ان مضامین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و مناقب، اخلاقیات، معاملات، عبادات اور اعتقادات وغیرہ پر بحث ہوتی ہے اور کبھی کبھی فکر انگیز مضامین بھی لکھے جاتے رہے ہیں جو اساتذہ و تعلیم یافتہ طبقہ کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سیرت کے حوالے سے تحقیقی مضامین بھی لکھے گئے ہیں جس کے نتیجے میں بہت سے واقعات جو سینہ بہ سینہ پہنچے تھے، غلط ثابت ہوئے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ ہم اس کی صحیح حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ مثلاً شعب ابی طالب سے متعلق بیشتر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلعم کے خاندان کا بائیکاٹ کیا تو آپ صلعم کو ایک درّے میں رہنا پڑا اور اسی کو شعب ابی طالب کہتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے نئی تحقیق کے پیش نظر یہ لکھا ہے کہ یہ کوئی درہ نہیں تھا، بلکہ حضور اکرمؐ جس محلے میں رہتے تھے اسی کا نام شعب ابی طالب تھا، اسطرح مضامین کے ذریعہ سے بہت ہی نادر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

ذیل میں چند معروف انشا پردازوں اور مضمون نگاروں کے عنوانات سیرت پیش کرتا ہوں تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہاں مضمون نگاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کس پہلو کو موضوعِ سخن بنایا تھا۔

| شمارہ نمبر | نام مصنف | عنوان |
|---|---|---|
| ۱- | ڈاکٹر علامہ محمد اقبال | محفلِ میلاد النبیؐ |
| ۲ | مولانا عبدالکلام آزاد | کارنامۂ سیرت، بے رحم تاریخ کی کسوٹی پر۔ پیغامِ محمدؐ |
| ۳- | محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی | ذکر الحبیبؐ |
| ۴- | خواجہ غلام السیدین | انسانِ کامل |
| ۵- | مولانا اشرف علی تھانوی | سرورِ کائنات کے حقوق امت پر |
| ۶- | مولانا ظفر علی خاں | مہرِ حجاز |
| ۷- | مولانا غلام رسول مہر | حجۃ الوداع |
| ۸- | نیاز فتح پوری | ہمارے نبیؐ کی قوتِ عمل |
| ۹- | مولانا کوثر نیازی | پیغمبرِ انقلاب |
| ۱۰- | شمس بریلوی | رسول اللہؐ کے کلام کی فصاحت و بلاغت |
| ۱۱- | مولانا عبدالماجد دریا بادی | سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں سچی باتیں |
| ۱۲- | ماہر القادری | محمد عبدہٗ و رسولہٗؐ |
| ۱۳- | خلیفہ عبدالحکیم | رحمت للعالمینؐ بحیثیت انسانِ کامل |
| ۱۴- | ڈاکٹر سید محمد عبداللہ | سیرتِ نبویؐ کا پیغام عصرِ حاضر کے نام |
| ۱۵- | امین احسن اصلاحی | نبی اپنے گھر میں، نبیؐ بحیثیت مدبر اور ماہرِ سیاسیات |

| عنوان | نام مصنف | شمارہ نمبر |
| --- | --- | --- |
| نبی اکرمؐ بحیثیت داعی الی الحق | پروفیسر خورشید احمد | ۱۶۔ |
| طبّ نبویؐ | حکیم سیّد امین الدین | ۱۷۔ |
| طبّ رسولؐ | مولوی حکیم عبدالرزّاق | ۱۸۔ |
| رسالت محمدیؐ کا عقلی ثبوت | مولانا ارشد القادری | ۱۹۔ |
| نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں | ڈاکٹر اسرار احمد | ۲۰۔ |
| حضور اکرمؐ اور تبلیغ | محمد جعفر شاہ پھلواری | ۲۱۔ |
| حضور انور کی امتیازی خصوصیات | ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان | ۲۲۔ |
| فضائل نبویؐ | ڈاکٹر ظہور احمد اظہر | ۲۳۔ |
| ہجرت کا پس منظر، فلسفہ ہجرت، احکام ہجرت | سید اسعد گیلانی | ۲۴۔ |
| لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | مالک رام | ۲۵۔ |
| بعثت محمدیؐ سے پہلے / نبوت کا عطیہ عالم عربی کی قیادت | سیّد ابوالحسن علی ندوی | ۲۶۔ |
| ہجرت مدینہ کے اسباب و محرکات / شعب ابی طالب | ڈاکٹر نثار احمد فاروقی | ۲۷۔ |

ان کے علاوہ مضمون نگاروں کی ایک طویل فہرست ہے۔ یہاں صرف اُن معروف سیرت نگاروں اور انشا پردازوں کے نام گنوائے ہیں جنھوں نے اردو ادب اور دینیات کے میدان میں اپنی حیثیت تسلیم کرائی ہے۔ ان مشمولات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیرت نگاروں نے آپ صلعم کی زندگی کے ایسے گوشوں کو بھی اجاگر کیا ہے جو عام طور پر سیرت کی کتابوں میں جگہ نہیں پاتے ہیں۔ مثلاً کارنامہ سیرت نبی رحم

تاریخ کی کسوٹی پر ، ہمارے نبی ﷺ کی قوتِ عمل ۔ سیرتِ نبوی ﷺ کا پیغام عصرِ حاضر کے نام ۔ نبی ﷺ بحیثیت مدبر اور ماہرِ سیاست ، طبِ نبوی ﷺ اور فصاحتِ نبوی ﷺ وغیرہ ۔

مضامین کا یہ سلسلہ ہر وقت لگا رہتا ہے ، کوئی بھی دینی و مذہبی شمارہ ایسا نہیں ، جسکے صفحات موضوعِ محمدی ﷺ سے خالی ہوں ، ہر دن ، ہر مہینے ہر سال اپنی اپنی بساط کے مطابق روزنامہ رسائل و جرائد سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی مضامین پیش کرتے رہتے ہیں اور اس طرح نئے لکھنے والوں کے ناموں کا اضافہ ہوتا جاتا ہے ، جس کا احاطہ کرنا بہت ہی مشکل ہے ، اسکے لیے ایک دفتر چاہیے ، یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر الگ سے کام ہونا چاہیے ۔ اگر مضامینِ سیرت کا مکمل اشاریہ بھی ترتیب دے دیا گیا تو یہ ایک اہم کام ہوگا ۔

سرِدست ، مضامین کے اسالیب اور موضوعات کی نشاندہی کیلئے مناسب ہے کہ دورِ حاضر کے معتبر و معروف عالم و سیرت نگار مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مضامین کے مجموعے ، کاروانِ مدینہ پر اظہارِ خیال کیا جائے ۔

# مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک اور مشہور اور اہم کتاب کا نام "کاروانِ مدینہ" ہے۔ جس کا اردو ترجمہ 1978 میں مجلسِ تحقیقات و نشریاتِ اسلام، لکھنؤ نے شائع کیا تھا، یہ کتاب مصنف کی مختلف تقریروں اور سیرت کے مضامین کا مجموعہ ہے، جن کا تعلق ایک ہی ذاتِ گرامی آں حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ ان مضامین میں بقولِ مصنف اپنے زمانہ موقع و محل اور محرکات و تقریبات کے لحاظ سے ان میں تفاوت و تنوع ہے، لیکن اس کثرت میں ایک وحدت بھی ہے، یعنی اسمیں براہِ راست آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک، تعلیمات، پیغام، عطیات و احسانات کو موضوع بنایا گیا ہے۔

ان تقریروں اور مضامین کا بیشتر حصّہ پہلے عربی میں لکھا گیا، پھر اسکو مصنف نے خود یا انکے بعض عزیزوں نے ان کو اردو میں منتقل کر دیا۔ اور یہ مضامین موقّر رسائل و مجلّات کی زینت بنتے رہے ہیں۔ یہ کتاب پہلے عربی میں شائع ہوئی جسے ۱۳۸۵ھ میں "الشیخ محمد النمنکانی صاحب نے "المکتبۃ العلمیۃ سے شائع کیا عربی میں کتاب ھٰذا کا نام مصنّف نے "الطریق الی المدینۃ" رکھا ہے تاکہ بقول مصنف اہلِ عرب کو مدینہ طیبّہ اور اسلام کے آخری مرکز کی طرف از سرِ نو رہنمائی ہو سکے۔ گویا وہ اقبال رح ہی کے الفاظ میں جدید تمدّن کے پرستاروں اور قومیت کے دلدادہ عربوں کے لیے اپنے اصل مرکز کی طرف واپسی کی دعوت اور ان کے اس شعر کی تشریح و تصویر ہیں۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

اور اردو کا یہ مجموعہ اہلِ اردو کے افسردہ و سرد دلوں میں محبت کی نئی حرارت پیدا کر سکے۔ اسی مقصد کے تحت مصنف نے عربی کتاب کو اردو کا جامہ پہنایا ہے فرماتے ہیں۔

"اب یہ سارا مجموعہ اردو میں منتقل کر کے شائع کیا جا رہا ہے کہ قوم پرستی کی تحریکیں مغربی تعلیم کے اثرات اور دورِ حاضر کی مادیت ہر جگہ اپنا اثر دکھاتی رہی ہے، اور دلوں کی گرمی اور اس سوز و گداز کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ جو اس امت کا بہت بڑا سرمایہ ہے اور مخالف اثرات کا مقابلہ کرنے کی اسکے اندر سب سے بڑی طاقت ہے۔" [1]

اسی خیال کو کتاب کے مقدمہ نگار علی الطنطاوی نے بھی پیش کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔

"آپ کی کتاب "الطریق الی المدینہ" کو پڑھا تو میں نے محسوس کیا کہ شوق میرے اندر پھر انگڑائی لینے لگا ہے اور میرے سینے میں پھر وہی تپش ہے اس طرح مجھے اطمینان ہوا کہ میرا دل جوہرِ محبت سے بالکل خالی نہیں ہوا ہے لیکن افکارِ زمانہ اور وقت نے اس جوہر کو گرد آلود کر دیا تھا، آپ کی کتاب نے اس گرد کو ایک بار پھر صاف کر دیا۔" [2]

زیرِ نظر کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ یہ کتاب عربی میں چار مرتبہ، اردو میں پانچ مرتبہ اور انگریزی میں ایک مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ زیرِ مطالعہ کتاب "کاروانِ مدینہ" کا پانچواں ایڈیشن ہے جو 192 صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کے مضامین کی ترتیب یوں ہے کہ آغاز میں استاذ علی الطنطاوی (مکۃ مکرمہ) کا مقدمہ ہے جس میں کتاب پر تبصرہ ہے نہ تعارف بلکہ اپنے سفر

---

۱، ۲۔ سید ابوالحسن علی ندوی 'کاروانِ مدینہ' ص ۱۷، ص ۱۱ تحقیقات و نشریاتِ اسلام لکھنؤ 1994 پانچواں ایڈیشن

مکہ و مدینہ کی مختصر روداد ہے، مقدمے سے متعلق صرف اتنا لکھا ہے کہ " اسکی نہ آپ کو ضرورت ہے اور نہ اس کتاب کو "

اسکے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا پیش لفظ ہے جس میں انھوں نے ان مضامین کے تحریر کرنے کے مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر بارہ عنوانات پر مضامین ہیں، اسکے علاوہ آخر میں دو مضامین کے ذریعے سیدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں فارسی اور اردو شعراء کا خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

اس مجموعے کی ابتداء " وہ کتاب جس کا احسان میں بھول نہیں سکتا " کے عنوان سے ہوا ہے۔ اس میں مولانا نے یہ اعتراف کیا ہے کہ مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری کی سیرتِ نبوی " رحمۃ للعالمین " نے انھیں سب سے پہلے متاثر کیا۔ اور یہی وہ کتاب ہے جس نے انکے اندر چھپے ہوئے عالم و مصنف کو روشناس ہونے کا موقع عنایت کیا۔ اس سلسلے میں وہ اس کتاب کی ایک دلچسپ کہانی بھی سناتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو بچپن ہی سے سیرت النبی صلعم کے پڑھنے کا شوق تھا، اسی لئے گیارہ بارہ سال کی عمر میں انھوں نے " رحمۃ للعالمین " کا آرڈر بھجوا دیا تھا اور بڑی کوشش کے بعد اس کتاب کو حاصل کرنے کیلئے قیمت جٹائی گئی تھی اور ان کی والدہ نے ان کے ذوقِ مطالعہ کو دیکھ کر مطلوبہ رقم کا انتظام فرمایا تھا۔ کتاب حاصل ہوئی تو مولانا مطالعے میں غرق ہو گئے۔ مولانا اس کتاب کے بعض واقعات کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ واقعات اور ان سے اخذ ہونے والے نتائج میرے دلمیں اور میرے حافظہ پر ہمیشہ کیلئے نقش ہو گئے — فرماتے ہیں —

" اس کتاب کا اور اسکے مخلص مصنف کا وہ احسان جو میں کبھی نہ بھولوں گا یہ ہے کہ اس نے میرے دلمیں اس خوابیدہ مخفی محبت کو ابھارا ہے جس کے بغیر زندگی میں کوئی مزہ نہیں " اور آگے فرماتے ہیں۔

"اس کتاب کا اور صاحبِ کتاب کا میں دل سے شکر گزار ہوں، اسلئے کہ اس نے میری محبت کے پرسکون ساز کو چھیڑ دیا اور اس بات کا بھی شکر گذار ہوں کہ اس نے اس ابھرتی ہوئی متحرک اور زندہ و بیدار محبت کا رُخ اس شخصیت کی طرف پھیر دیا جس سے زیادہ اس محبت کا کوئی حقدار نہیں جو اس کائنات میں حسن و احسان اور جمال و کمال کا سب سے بڑا پیکر ہے۔" ۱

مولانا موصوف نے ان صفحات پر یہ بتانے کی کوشش کی ہے، اس کتاب کے مطالعے نے انکے دل کو ہلاکر رکھ دیا، دوسرے یہ کہ مولانا نے اس طرح عربی دنیا سے مولانا سلیمان منصور پوری کا انکی کتاب کے حوالے سے تعارف کرادیا۔ اور عربی دنیا یقیناً جان گئی ہوگی کہ ہندوستان میں بھی ایسے مقتدر علماء موجود ہیں جن کی تعریف سید ابوالحسن ندوی جیسے عالم بے بدل کرتے ہیں۔

دوسرا مضمون "عالم نو" کے عنوان سے اس کتاب میں شامل ہے جو ربیع الاول کے پروگرام کے سلسلے میں آل انڈیا ریڈیو، لکھنؤ سے نشر کیا گیا تھا ظاہر ہے کہ ریڈیو سے نشر ہونے والی تقریریں مختصر ہی ہوا کرتی ہیں۔ اس مختصر مضمون میں مولانا ابوالحسن ندوی نے آپ صلعم کی پیدائش سے پہلے کے عرب کے حالات ایک مخصوص انداز میں لکھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کئی بار سو سو کر جاگی اور مر مر کر زندہ ہوئی ہے۔ یعنی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب نور و ضلالت کے بادل چھاتے ہیں تو ان کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر مبعوث فرماتا ہے۔ یعنی جب دنیا جہالت کی نیند سوتی ہے تو پیغمبر آکر اسے جگاتا ہے اور یہ سلسلہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش تک جاری رہا ____ عرب کی جہالت کا نقشہ مولانا کے مخصوص لہجے میں سماعت کیجئے۔

" انسانیت کا جسم تر و تازہ تھا، مگر دل نڈھال دماغ تھکا ہوا۔ ضمیر بے حس

---

۱ سید ابوالحسن علی ندوی "کاروانِ مدینہ" ص 25 تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

و مردہ نبضیں ڈوب رہی تھیں اور آنکھیں پھرانے والی تھیں، ایمان و یقین کی دولت سے عرصہ ہوا یہ انسانیت محروم ہو چکی تھی۔ پورے پورے ملک میں ڈھونڈنے سے ایک صاحب یقین نہ ملتا، توہمات کا ساری دنیا پر قبضہ تھا، انسانیت نے اپنے کو خود ذلیل کیا تھا ..... ایک خدا کے سوا سب کے سامنے اس کو جھکنا منظور تھا۔ حرام اسکے منہ کو لگ گیا تھا۔

سے شراب اس کی گھٹی میں گویا پڑی تھی جوا اسکی دن رات کی دل لگی تھی !!

سارے مضمون میں یہی علامتی انداز اختیار کر کے کم سے کم الفاظ میں عرب کے حالات پیش کئے ہیں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت واہمیت کو بتانے سے قبل جو تمہید باندھی گئی ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

"..... انسانیت کا بدن داغ داغ تھا، دامن تار تار، اصلاح کیلئے جو لوگ آگے بڑھے وہ یہ کہہ کر: پیچھے ہٹ گئے۔

ع تیرے دلیں تو بہت کام رفو کا نکلا

فلسفی اور حکیم شاعر اور ادیب کوئی اس میدان کا مرد نہ نکلا، سب اسی وبا کے شکار تھے۔ مریض مریض کا علاج کس طرح کرے؟ جو خود یقین سے خالی ہو وہ دوسروں کو کس طرح یقین سے بھردے، جو خود پیاسا ہو، دوسرے کی پیاس کس طرح بجھائے ..... اس دنیا کے مالک کو اپنے گھر کا یہ نقشہ پسند نہ تھا، آخر کار اس نے عرب کی آزاد اور سادہ قوم میں جو فطرت سے قریب تھی، ایک پیغمبر بھیجا کہ پیغمبر کے سوا اب اس بگڑی دنیا کو کوئی بنا نہیں سکتا تھا، اس پیغمبر کا نام نامی محمد بن عبداللہ ہے۔ اللہ کے لاکھوں سلام و درود ہوں ان پر۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا! کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

پھر آگے یہ بتایا ہے کہ آپ صلعم نے تیئس سال میں دنیا کی کایا پلٹ دی۔

تیسرا مضمون دوسرے مضمون کی توسیع ہے، اس میں بھی مولانا نے الفاظ کا جامہ

بدل کر عرب کی جہالت کی بات ہی کہی ہے۔ نیز اس جہالت کو ختم کرنے کیلئے اللہ نے ایک رسول کو پیدا فرمایا جسکی آمد سے انسانیت کے سرد جسم میں گرم خون کی ایک رو دوڑی، نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی، ان واقعات کی طرف اشارہ کرکے مصنفؒ کہتے ہیں کہ قدیم سیرت نگار ان کو اپنی زبانِ خاص میں یوں بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ شاہِ ایران کے محل کے کنگرے گرے اور آتش پارس ایکدم بجھ گئی۔ مگر مولانا موصوف نے ان واقعات سے یہ تعبیر نکالی ہے۔

"انسانیت کی اس اندرونی حرکت سے اسکی بیرونی سطح میں اضطراب پیدا ہوا۔ اسکی اس ساکن و بے حرکت سطح پر جتنے گرد اور پودے قلعے بنے ہوئے تھے، ان میں زلزلہ آیا، مکڑی کا ہر جالا ٹوٹتا اور تنکوں کا ہر گھونسلا بکھرتا نظر آیا ___"

اور آگے کے جملوں پر غور کیجئے۔

"زمین کی اندرونی حرکت سے اگر سنگین عمارتیں اور آہنی برج خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ سکتے ہیں تو پیغمبرؐ کی آمد آمد سے کسریٰ و قیصر کے خود ساختہ نظاموں میں تزلزل کیوں نہ ہوگا؟ زندگی کا یہ گرم خون جو انسانیت کے سرد جسم میں دوڑا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا واقعہ ہے جو متمدن دنیا کے قلب مکہ معظمہ میں پیش آیا ___" [1]

اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیمار ذہن کا جس طرح علاج کیا اسکی طرف مصنفؒ نے اشارہ کیا ہے۔ یہ مضمون پہلے "تعمیر" لکھنؤ میں "دنیا کو ہماری ضرورت ہے" کے عنوان سے بعد میں "روشنی کا مینار" کے عنوان سے "مکتبۂ اسلام" نے شائع کیا تھا۔ اس کا نام مصنفؒ نے "صورِ زندگی" رکھا ہے۔

---

۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی "کاروانِ مدینہ" (پانچواں ایڈیشن) ص 32,33 1994

جو مواد کے اعتبار سے دونوں عنوانات سے زیادہ موزوں و مناسب ہے ۔

"غارِ حرا کی روشنی" یہ چوتھا مضمون ہے، جس میں مضمون نگار نے بتایا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے وہ آفتاب طلوع ہوا جس کی کرنوں نے دنیا پر نور برسایا اور اسے ایک نئی زندگی بخشی اور اسی صبح سے تاریخ کا رُخ مڑا اور زمانے کا رنگ بدلا ۔ یعنی

حرا کے غار سے شمعِ نبوت کی کرن پھوٹی اجالا ہی اجالا ہو گیا سارے زمانے میں

اور

آمد سے پہلے آپ کی، جنگل کا راج تھا بدلے سبھی نظام تمہیں دیکھنے کے بعد

مولانا موصوف کے الفاظ میں اسکی وضاحت ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں۔

" ایسے وقت میں متمدن دنیا سے الگ تھلگ ایک چھوٹے سے خشک پہاڑ کے اوپر گمنام اور ظاہری اعتبار سے بے حیثیت مقام (غارِ حرا) میں دنیا کا وہ عقدۂ لاینحل حل ہوا جو نہ بڑی بڑی حکومتوں کی راجدھانیوں میں حل ہو سکا، نہ عظیم الشان درس گاہوں میں حل ہو سکا اور نہ علم و ادب کے پُرشکوہ ایوانوں میں حل ہو سکا۔ یہاں پروردگارِ عالم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صورت میں عالمِ انسانیت پر ایک احسانِ عظیم کا دروازہ کھولا اور صدیوں کی گمشدہ کنجی پھر سے انسانیت کو مل گئی۔ یہ کنجی ہے ایمان ـــــ"

ـــ اور اس کنجی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے جو جو قفل کھولے اسکی ساری تفصیل موصوف نے بیان کی ہے مثلاً اس کنجی سے درسگاہوں کے تالے کھلے اور ان میں از سرِ نو چہل پہل اور رونق پیدا کی، اس کنجی سے عدالت کا تعطّل ختم ہوا ۔ اب ہر قانون داں اس قابل تھا کہ اسے ایک منصف جج کی حیثیت سے اعتماد کیا جا سکتا تھا، وغیرہ ۔

بعد ازاں مصنف دورِ حاضر کی بڑھتی ہوئی برائیوں کا احاطہ کرتے ہوئے اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آج زندگی کے مختلف شعبوں پر جو فساد و بگاڑ کے بڑے بڑے تالے پڑے ہوئے ہیں کیا اُسی پرانی کنجیوں سے ان تالوں کو کھولا جا سکتا ہے؟

پانچویں مضمون میں مولانا نے نبوت کے کارناموں کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبروں (وحی و نبوت) کے ذریعہ انسانوں کی اصلاح و تکمیل کا کام لیا۔ اور ہر دور میں نبوت نے دنیا کو نئی زندگی بخشی۔ پھر آپ صلعم کے کے کارناموں کی اہمیت بتائی ہے۔ فرماتے ہیں:

"ہر نبوت نے اپنے دور میں یہ کارنامہ انجام دیا اور ایسے افراد تیار کیے، جنھوں نے اس دنیا کو نئی زندگی بخشی ۔۔۔ نبوت کے ان کارناموں میں جو زندگی کی پیشانی پر درخشاں و تاباں ہیں سب سے روشن کارنامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ ہے۔ جس کی سب سے زیادہ تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مردم سازی اور آدم گری کے اس کام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کامیابی عطا فرمائی، وہ آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی ۔۔ آپ کے تیار کیے ہوئے افراد میں سے ایک ایک نبوت کا شاہکار ہے۔ اور نوعِ انسانی کے شرف و افتخار کا باعث ۔۔۔" [1]

اسکے بعد نبوت کے اعجاز نے اسکے ماننے والوں میں جو اوصاف و کمالات پیدا کیے۔ ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اقبال کی زبان میں اسکی وضاحت کی ہے۔

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولیٰ صفات ۔۔۔ ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز
اسکی اُمیدیں قلیل اسکے مقاصد جلیل ۔۔۔ اسکی ادا دل فریب، اسکی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو ۔۔!! رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

ان پاک دل اور پاک باز انسانوں کی پہلی صف میں صحابہ کرام کی جماعت ہے جو

---

[1] سید ابو الحسن علی ندوی "کاروانِ مدینہ" (پانچواں ایڈیشن) ص 50، 51 1994

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی۔ مولانا نے خلافت راشدہ کے بعض واقعات کو نقل کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ صلعم کے تربیت یافتہ لوگوں کی زندگی کے صبح و شام کیسے تھے ــــ

چھٹے مضمون کا عنوان "نبوت کا عطیہ" ہے۔ اس میں مولانا موصوف نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں موازنہ و مقابلہ کر کے دکھایا ہے کہ دنیا میں ایسے افراد اور جماعتیں گذری ہیں، جنھیں یہ دعویٰ ہے کہ انھوں نے انسانیت کی خدمت کی ہے اور دنیا کی تعمیر و ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ ان جماعتوں میں حکماء و فلاسفہ ادباء و شعراء فاتحین، قومی رہنما و سائنس داں موجود ہیں اور ان میں ایک گروہ انبیاء کا بھی ہے جو ایجاد و انکشافات کا دعویٰ نہیں کرتا، نہ علوم میں مہارت کا مدعی ہے نہ اس کو ادب و شاعری پر ناز ہے، یہی گروہ دنیا کو ترقی کی طرف لے گیا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے دم توڑتی ہوئی زندگی کو سہارا دیا ہے، مصنف نے اس گروہ کی تین عطیات کا ذکر کیا ہے ① صحیح علم ② اس علم پر یقین ③ اس علم پر عمل اور آگے وہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم ؑ سے لیکر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کی تعلیم کا یہی نچوڑ ہے، اسکے بعد ان عطیات کی وضاحت کر کے یہ بتاتے ہیں کہ کس کے آنے سے دنیا میں بہار آئی اور جواب خود دیتے ہیں، پیغمبروں کے آنے سے، پھر سب سے آخر میں سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے آئی۔ اور آخر میں اس تاریخی جملے سے اس مضمون کو ختم کیا ہے۔

"کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں، وہ رحمتیں، نوع انسانی کیلئے وہ دولتیں اور انسانیت کیلئے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ تیرہ سو برس کی انسانی تاریخ پورے وثوق کیساتھ آپ کو خطاب کر کے کہتی ہے ؎

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو ٹھہرے تو جس شجر کے تلے، وہ نہال ہو

ساتویں مضمون میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک الگ طریقۂ اظہار اختیار کیا ہے۔ مضمون کا عنوان ہے "اُمت کے وفود آقا ؐ کے حضور میں"۔ یہاں وفود سے مصنف کی مراد اُمت کی وہ نامور شخصیتیں ہیں، جو اُمت کے امام اور رہنما، انسانیت کے محسن اور نوعِ انسانی کے ممتاز اور قابلِ فخر نمونے ہیں۔ یہ مضمون دراصل تخیلی مضمون ہے، جس میں مولانا نے وہ نام گنوائے ہیں، جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام، آپ صلعم کی تعلیمات، اخلاق و شمائل کو دنیا تک پہنچایا تھا اور اسکے لئے مصنف نے افسانوی انداز اختیار کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ عظیم شخصیتیں وفود کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہو رہی ہیں اور اپنا مدعا بیان کرتی ہیں۔ مولانا نے ان اشخاص کو چھ وفود میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہر وفد کے تاثرات پیش کئے ہیں جو انھوں نے بارگاہِ نبی ؐ میں پیش کئے تھے۔ یعنی مصنف نے آپ صلعم کے کارناموں کا اعتراف ان وفود کی زبان سے کروایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلعم دنیا میں تشریف نہ لاتے تو عقلِ انسانی پہلے کی طرح پابہ زنجیر ہوتی اور دنیا روشنی سے محروم ہو جاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا احسان ہے کہ آپ ؐ نے مردوں کی زور دستی اور زیادتی سے عورتوں کو نجات دلائی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے رواج کو ختم کیا، وغیرہ۔

آٹھویں مضمون میں مولانا نے بیسویں صدی میں سیرتِ محمدی ؐ کے پیغام کا جائزہ لیا۔ اسی لئے انہوں نے سیرتِ محمدی ؐ کا پیغام "بیسویں صدی کی دنیا کے نام" عنوان قائم کیا ہے، اسمیں ابتداء ہی میں مصنف نے ایک اچھی بحث اٹھائی ہے۔ لفظ جاہلیت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"جب ہمارے سامنے جاہلیت کا نام آتا ہے تو بے اختیار ہماری آنکھوں کے سامنے چھٹی صدی مسیحی کا وہ تاریک زمانہ تصویر کی طرح پھر جاتا ہے، جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور جس میں آپ ؐ کی ہدایت اور تعلیم

کا سب سے پہلا اور سب سے نمایاں معجزہ ظاہر ہوا، جاہلیت کا لفظ سنتے ہی دفعتاً عرب قوم اپنی ان تمام جاہلی خصوصیات و اخلاق کے ساتھ چلتی پھرتی نظر آتی ہے ۔۔۔۔ "۔

اسکے بعد انھوں نے جو عالمانہ بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ جاہلیت اسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں کی جا سکتی۔ بقول ان کے، اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ دور زمانۂ جاہلیت ہے جو وحی و نبوت کی رہنمائی سے محروم ہوا۔ خواہ وہ چھٹی صدی عیسوی کی عالم گیر جاہلیت ہو یا یورپ کی تاریخ کی وہ تاریک متوسط صدیاں یا بیسویں صدی کا عہد جس سے ہم گذر رہے ہیں۔

اس تمہید کی روشنی میں مولانا موصوف نے سیرتِ محمدی کے پیغام کا جائزہ لیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ سیرتِ محمدیؐ کا پیغام ہی اس بے قرار دنیا کو قرار دے سکتا ہے ۔ یہی وہ سیرتِ محمدیؐ کی روشنی ہے، جو جہالت کے اندھیرے کو دور کر سکتی ہے اس مضمون میں جا بجا مصنف نے قرآن کی آیات پیش کی ہیں۔ اور ان کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو دنیا کیلئے ضروری قرار دیا ہے، ارشاد باری ہے

"تمہارے پاس ایک روشنی آئی ۔۔۔ اور ایک کھلی ہوئی کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ ہدایت کرتا ہے۔ اسکی جو اسکی رضا کا پیرو ہو، سلامتی کے راستوں کی اور ان کو نکالتا ہے، تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور ان کو ہدایت کرتا ہے ۔ سیدھے راستے کی ۔۔۔۔ "

نواں باب حقیقی طور پر آٹھویں باب کی توسیع ہے اور یہ اسکے عنوان سے بھی ظاہر ہے۔ یعنی "سیرت کا پیغام، موجودہ دور کے مسلمانوں کے نام" آٹھویں باب میں بیسویں صدی کی دنیا کو پیغام مصطفےٰ دیا تھا اور اس باب میں موجودہ دور کے مسلمانوں کیلئے سیرت کا پیغام دیا گیا ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اصل زندگی یہ ہے کہ وہ اسلام کی دعوت اور علمی جد و جہد میں مشغول ہو۔ مطمئن زندگی اور محض

کاروباری زندگی اسلامی زندگی نہیں ہو سکتی۔

دسواں مضمون علامہ محمد اقبال کے عشقِ رسول سے متعلق ہے مولانا ابوالحسن ندوی کو اقبال اور اقبال کی شاعری سے خاصہ لگاؤ تھے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اقبال پر ایک ضخیم کتاب بھی تصنیف کی۔ جو "نقوشِ اقبال" کے نام سے شائع ہو کر محبوبِ خاص و عام ہوئی۔ کتاب ھذا کے عنوان کی مناسبت سے مولانا نے یہ مضمون شریکِ کتاب کیا ہے یعنی دسویں مضمون کا عنوان ہے "اقبال درِ دولت پر" دراصل یہ مضمون پہلے مولانا نے عربی میں لکھا تھا جو "اقبال فی مدینۃ الرسولؐ" کے عنوان سے 1956ء میں دمشق ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوا تھا، اسمیں مولانا موصوف نے علامہ اقبال کو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ عشق تھا اس کا اظہار کیا ہے، فرماتے ہیں:

"انھوں نے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنے دل، اپنی محبت، اپنے اخلاص اور اپنی وفا کی نذر پیش کی اور آپؐ کو مخاطب کر کے اپنے جذبات واحساسات اپنی ملت اور اپنے معاشرہ کی دل گداز تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ اقبال صاحب ایسے موضوع کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہیں تو ان کے جوہرِ شاعری کھلتے ہیں۔ اور معانی کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔۔ اس مضمون کا سارا مواد انہوں نے علامہ کے مجموعۂ کلام "ارمغانِ حجاز" سے اٹھایا ہے اور ان اشعار کی روشنی میں آپکے سفرِ مدینہ کی روداد بیان کی ہے۔ اور یہ سفر علامہ نے عالمِ خیال میں کیا تھا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں امتِ مسلمہ اور ملتِ اسلامی ہند کی پریشانیوں اور محرومیوں کا تذکرہ کیا جائے۔ مولانا نے مسلمانوں کی زبوں حالی کی متعدد مثالیں دی ہیں جو انھیں "ارمغانِ حجاز" کے مطالعے سے ملی تھیں۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گا۔

ہنوز ایں چرخ نیلی کج خرام است — ہنوز ایں کارواں دور از مقام است
زکار بے نظام او چہ گویم؟ — تو می دانی کہ ملت بے امام است

دربارِ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ اس اُمت کی پریشانی، بے روزگاری اور اس کی بے نظمی و بدحالی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ "جماعت شہ ہے اور امام نہیں، افراد ہیں اور نظام نہیں۔

علامہ نے جو شکایت اپنی شاعری کے حوالے سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کی تھی کہ آپ صلعم کا حکم اور فرمان تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو زندگی کی بقاء دوام کا پیغام پہنچاؤں، لیکن یہ ناحق شناس مجھ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ میں عام اور پیشہ ور شعراء کی طرح لوگوں کی تاریخ وفات نکالتا اور قطعۂ تاریخ کہتا رہوں۔ مولانا نے اسکی بھی تفصیل لکھی ہے اور آخر میں مولانا موصوف نے علامہ اقبال کے ان نظریات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو انھوں نے شکایتی انداز میں سلطان ابن مسعود اور تمام عرب بادشاہوں سے متعلق کہی تھی۔ اس میں انھوں نے ان بادشاہوں کو غیر ملکیوں پر اعتماد کے نتائج سے آگاہ کیا تھا۔

"حضور و سرور" یہ عنوان ہے گیارھویں مضمون کا — اس میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے سفرِ مدینہ کا حال لکھا ہے۔ حال کیا محبت میں ڈوب کر دلی جذبات بیان کئے ہیں۔ وہ جذبات واحساسات وہ محبت و رغبت جو مولانا موصوف کو مدینہ اور صاحبِ مدینہ سے ہے، اگر کسی عاشقِ رسول ؐ کی محبت و عقیدت دیکھنی ہے تو اس مضمون کو پڑھیئے، اندازہ ہوگا کہ مولانا کو مدینہ کے ذرّے ذرّے سے محبت ہے۔ اُن راستوں سے محبت ہے جہاں سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا ہے، وہ آج بھی ان راستوں میں چلنے والی ہواؤں میں مشک و عنبر کی بھینی بھینی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ یعنی:

بادِ نسیم آج بہت مشکبار ہے — شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

وہ ایک بار ادھر سے گئے مگر اب سے
ہوائے رحمتِ پروردگار آتی ہے

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

اس سفر میں جن جن مقدس واہم مقامات پر ان کا قیام رہا، اس کا تفصیلی ذکر کیا - مثلاً ذو الحلیفہ، گنبدِ خضریٰ، مسجدِ نبویؐ، بابِ جبریل، جنت البقیع، قبا اور جبلِ احد وغیرہ -

بارھواں مضمون بھی گیارھویں مضمون کی توسیع ہے. اس کا عنوان ہے، "حدیثِ مدینہ"۔ یہ مضمون مولانا نے لوگوں کی فرمائش پر لکھا ہے، اس میں بھی وہی تاثرات الفاظ بدل کر بیان کئے ہیں - اس شہر سے متعلق کہتے ہیں -

"جب میں نے حسنِ ظاہری سے خالی یہ سرزمین دیکھی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شہر مناظر سے کتنا تہی دست ہے. لیکن ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ بھی سوچا کہ اس شہر نے انسانیت اور تمدن پر کتنا بڑا احسان کیا ہے - اگر یہ شہر جس کا دامن گلکاریوں سے خالی ہے، روئے زمین پر نہ ہوتا تو دنیا ایک سونے کا پنجرا ہوتی اور انسان محض قیدی! یہی وہ شہر ہے جس نے انسان کو دنیا کی تنگنائے سے نکال کر وسعتوں سے آشنا کیا، انسانیت کو اسکی کھوئی ہوئی سرداری اور چھنی ہوئی آزادی دلائی ——"[1] پھر مکہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں .

"...... اگر مکہ نہ ہوتا تو انسانیت ان معانی وحقائق، اخلاق وعقائد اور علوم وفضائل سے تہی دست ہوتی جو اس کا سب سے قیمتی سرمایہ اور اس کا سب سے بڑا حسن ہیں"[2]

---

[1،2] سید ابوالحسن ندوی "کاروانِ مدینہ" (پانچواں ایڈیشن) 151، 159 تحقیقات ونشریات

اسکے بعد مصنف اپنے انداز کو بدلتے ہیں اور حقائق کی طرف آتے ہیں۔

"..... مجھے یہ کہنا چاہیئے کہ مکہ نہیں بلکہ مکہ کا وہ عظیم الشان فرزند نہ ہوتا جس نے تاریخ کے رخ کو بدل دیا۔ زندگی کے دھارے کو موڑ دیا اور دنیا کو ایک نیا راستہ دکھایا تو دنیا کا نقشہ نہ ہوتا ....." ۱

بعد ازاں مولانا نے مدینہ منورہ کا تذکرہ کیا ہے اور وہاں ان کے دن رات کیسے بسر ہوئے' ان لمحات کو بڑی عقیدت و محبت سے لکھا ہے۔

یہاں سیرت پر مضامین کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، مگر کتاب کاروانِ مدینہ اختتام کو نہیں پہنچتی، اسلئے کہ مصنف نے مزید اور دو مضامین کا اضافہ کیا ہے۔ جو ایک بڑے عنوان کے تحت لکھے گئے ہیں، یعنی "سید العرب والعجم کے حضور میں شعرائے عجم کا خراجِ عقیدت" ظاہر ہے، اس میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے عرب و عجم کی دو مشہور زبانوں میں جیسے دنیا اردو و فارسی کے نام سے جانتی ہے، آپ صلعم کی بارگاہ میں نذرِ عقیدت کے طور پر پیش کئے جانیوالے اشعار پیش کئے ہیں۔ ان دونوں زبانوں میں لکھی جانے والی نعتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"...... اس موضوع پر جتنا طاقتور، زندہ، موثر، نرم و شیریں اور پرسوز کلام ان دونوں زبانوں میں ملتا ہے، اتنا کسی اور زبان میں نہیں ملتا، اسمیں جذبات کی فراوانی اور گرمی و بے چینی نظر آتی ہے، وہ دوسری ادبیات میں نظر نہیں آتی اور یہ واقعہ ہے کہ عجمی نژاد شعراء نے ایسے مضامین اور خیالات پیش کئے اور ایسی نئی نئی تعبیریں ایجاد کیں جن میں ان کا پیش رو کوئی نہ تھا ....." ۲

اس تمہید کے بعد وہ نعتیہ محفلِ شعر و سخن کا آغاز کرتے ہیں۔ یہ وہ محفل ہے جو ان کے دوست و احباب نے مل کر منعقد کی تھی، اسکی روداد اس مضمون میں بیان کی گئی ہے۔ درحقیقت اس مضمون کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ فارسی شعراء کی نذر

۱۔ سید ابوالحسن ندوی' کاروانِ مدینہ' (پانچواں ایڈیشن) ص 152 1994
۲۔ " " " " ص 159,160 1994

عقیدت پر اور دوسرا اردو شعراء کی نذرِ عقیدت پر مبنی ہے۔ فارسی شعراء میں مولانا موصوف نے شیخ سعدی، شیخ فریدالدین عطار، امیر خسروؒ، مولانا جامی، قدسی، مرزا غالب، خواجہ عزیز لکھنوی، مولوی مسعود علی محوی، شیخ غلام قادر گرامی اور علامہ اقبال کا نعتیہ کلام اس انداز میں پیش کیا ہے کہ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ سچ مچ وہ کسی نعتیہ مشاعرے کی رپورٹنگ پڑھ رہا ہو، اس میں زیادہ تر مولانا جامی اور علامہ اقبال کے اشعار پیش کئے ہیں اور اقبال کے فارسی کلام پر اس محفل کا اختتام کیا ہے۔

اردو شعراء میں کرامت علی شہیدی، امیر مینائی، محسن کاکوروی، مولانا محوی، خواجہ الطاف حسین حالی، مولانا ظفر علی خاں، اقبال احمد خاں سہیل امجد حیدر آبادی، حفیظ جالندھری، ماہر القادری، حمید صدیقی، نشور واحدی، عزیز صفی، مولوی محمد ثانی حسنی اور آسی غازی پوری کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کے منتخب کلام کو پیش کیا ہے۔ اس محفلِ شعر و سخن کا اختتام، آسی غازی پوری کے شعر سے کیا ہے۔

صبا یہ جا کے تو کہیو مرے سلام کے بعد کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

اس روداد کی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے اکثر فارسی اشعار کی شرح بھی پیش کی ہے تاکہ فارسی سے نابلد قاری بھی ان کے معانی سے واقف و محظوظ ہو۔

بہرحال مولانا سید ابوالحسن ندوی کی سیرت کے حوالے سے یہ اچھی تصنیف ہے اگرچہ کہ یہ سیرت پر کوئی مستقل کتاب نہیں، اسلئے اسمیں سیرت کا تاریخی ارتقاء نہیں ملتا۔ اسکے باوجود سیرت کے مختلف موضوعات پر جو بحث ملتی ہے، وہ یقیناً سیرت سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کی معلومات میں جہاں اضافہ کرتی ہے۔ وہیں ان کے ذوقِ مطالعہ کو جلا بخشتی ہے اور ان میں ذوقِ عمل پیدا کرتی ہے۔

# سیرت نبویؐ، نصابی کتب میں

# مولوی عبدالقیوم خاں

محکمۂ تعلیمات ریاست میسور کے جدید نصاب کے مطابق منظور شدہ چوتھی جماعت کی اردو سپلمنٹری ریڈر " درسِ اخلاق " کے مؤلف مولوی عبدالقیوم خاں ہیں، جو اردو کے وظیفہ یاب استاد تھے۔ انھوں نے بہت آسان اور سلیس زبان میں بچوں کیلئے " درسِ اخلاق " کا تحفہ پیش کیا ہے، اور یہ مختصر کتاب نان ڈیٹیلڈ ٹکسٹ کی حیثیت سے 1970 سے میسور ریاست کے بیس اضلاع میں پڑھائی جاتی رہی۔ جکی وضاحت آخری کور پیج Cover Page پر کی گئی ہے اس کتابچے کو دی نیشنل پبلیشرز بنگلور نے شائع کیا تھا۔ صرف چالیس صفحات پر مشتمل کتاب میں تیرہ آسان اور کارآمد عنوانات شامل ہیں۔ مضامین کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ اچھی زندگی
۲۔ ہمارے رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۔ اخلاقِ النبیؐ
۴۔ ہمارے رسولؐ کا انصاف
۵۔ ہمارے رسولؐ غریبوں سے محبت کرتے تھے۔
۶۔ ہمارے رسولؐ بڑے ہمدرد اور رحم دل تھے۔
۷۔ دشمنوں سے ہمارے حضورؐ کا برتاؤ
۸۔ ہمارے رسولؐ گھر کا کام آپ خود کرلیتے تھے
۹۔ ہمارے رسولؐ کی سخاوت :

١٠- ہمارے رسولؐ بچوں پہ شفقت فرماتے تھے

١١- ہمارے رسولؐ صفائی کو بہت پسند فرماتے تھے۔

١٢. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتیں

١٣. ماں باپ کا ادب

مندرجہ بالا مضامین کا انتخاب، مصنف مولوی عبدالقیوم نے چوتھی جماعت کے بچوں کو ذہن میں رکھ کر کیا تھا، اس لئے اس میں صرف آپ کے اخلاقِ حمیدہ کی ایسی صفات شامل ہیں، جن کا درس کم عمر کے بچوں کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے مصنف نے اپنی بات "اچھی زندگی" کی وضاحت کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اگر تم ان میں بتائی گئی باتوں پر عمل کرو گے جس پر خود ہمارے نبیؐ نے عمل کیا ہے تو تمہارے اخلاق وعادات اچھے ہوں گے اور آئندہ زندگی میں یہ باتیں تمہیں اعلیٰ مقام پہ پہنچا دیں گی۔

مصنف نے ابتدائی مضمون میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا مختصر احاطہ کیا ہے۔ آپ صلعم کی پیدائش سے لیکر بت پرستی کے خاتمے تک کی اہم باتیں بتائی ہیں، اسکے بعد جو کچھ لکھا ہے، وہ آپ صلعم کے اسوۂ حسنہ ہیں۔ مثلاً آپ صلعم کی گھر اور باہر کی زندگی ایک جیسی تھی، آپ صلعم کا انصاف جس کو کفار بھی دل سے قبول کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غریبوں سے محبت جس کی بناء پر آپ صلعم نے اپنی ساری زندگی ان کے درمیان گذار دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام خود کرتے تھے، کبھی اپنے کاموں کیلئے اوروں کی مدد نہ لی۔ آپ صلعم کی رحم دلی و ہمدردی انسان کے ساتھ ساتھ جانوروں سے بھی تھی، آپ صلعم کا دشمنوں سے نیک سلوک تھا جس کی وجہ سے اپنے بڑے سے بڑے دشمن سے بھی برا سلوک نہ کیا۔ آپ صلعم کی سخاوت، خود بھوکے رہے اور اوروں کو کھلایا، بے سہارا و مجبوروں کی ہر طرح سے مدد کی، بچوں پر شفقت جو آپ صلعم کا شیوہ تھی، آپ صلعم کی پاکیزگی جسے آپؐ نے آدھا ایمان قرار دیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتیں مثلاً آپؐ کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، رہنا سہنا، گفتگو کے آداب کھانا پینا، لباس، خوشبو وغیرہ پر مصنف نے پرکشش انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں پیاری باتیں لکھی ہیں، جنھیں پڑھ کر بچوں میں خود بہ خود ایسی عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں ۔

اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے " ماں باپ کا ادب " پر روشنی ڈالی ہے ۔ منشا یہ ہے کہ ہمارے بچے اپنے ماں باپ کی قدر کرنا سیکھ جائیں ۔

بہر حال مصنف نے چالیس صفحات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بے شمار باتیں لکھی ہیں اور ہر مضمون میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے مثالیں دی ہیں ۔ پچھلی کتابوں کی طرح اس کتابچے میں بھی ہر مضمون کے آخر میں مشقی سوالات دیے گئے ہیں ۔ زبان اور اندازِ بیان دونوں خوب ہیں ، نمونۂ تحریر ملاحظہ کیجیے ۔

" مہمان نوازی بھی عرب کی ایک بڑی خصوصیت تھی ، مگر رسولِ اکرمؐ کی برابری کوئی نہیں کر سکتا تھا ، آپؐ کے ہاں ہر روز مہمانوں کا تانتا لگا رہتا تھا ۔ عرب کے ہر حصے سے لوگ آتے اور آپؐ ہی کے مہمان ہوتے تھے ۔ ان مہمانوں میں مسلمانوں کے علاوہ کافر عیسائی ، یہودی سبھی طرح کے لوگ ہوتے تھے ، آپؐ ان کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرتے تھے ، راتوں کو ان کی خبر لیتے رہتے تھے کہ کہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے ۔۔۔۔۔۔ " [1]

---

1۔ عبدالقیوم خان ' درسِ اخلاق ' ص 24 دی نیشنل پبلی شرز بنگلور 1970

# مولوی بشیر الدّین احمد شریف

افضل العلماء، مولوی فاضل، ادیب فاضل بشیر الدّین احمد شریف سی ایم اے ہائی سکول بنگلور کے ایک معزز استاد تھے۔ انھوں نے ہائی سکول کے طلبہ و طالبات کیلئے ایک مختصر سیرت النبیؐ تالیف کی تھی جس کو محکمۂ تعلیم ریاست کرناٹک نے دسویں جماعت کیلئے منظور کیا تھا اور یہ مختصر سیرت النبیؐ نان ڈیٹیلڈ ٹکسٹ کے طور پر کئی سالوں تک ہائی سکول کے نصاب میں شامل رہی۔ یہ ٹکسٹ ریاست کے بیس اضلاع میں پڑھائی جاتی تھی۔ زیر مطالعہ کتاب میں اسکی تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔ اسلئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ٹکسٹ کب سے نصاب میں شامل تھی لیکن گمان غالب ہے کہ یہ ٹکسٹ 64-1963ء سے پہلے سے نصاب میں شامل رہی ہوگی۔

چھوٹی تقطیع پر چھپی اس سیرت کو مسلم بک ڈپو بنگلور نے شائع کیا تھا، جو 136 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مشمولات پر نظر ڈالیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی بشیر الدین احمد شریف نے طلبہ و طالبات کے معیار کو سامنے رکھ کر اسباق کے عنوانات کا انتخاب کیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب نان ڈیٹیلڈ کے طور پر پڑھائی جاتی تھی، جو کتاب نان ڈیٹیلڈ کے طور پر پڑھائی جاتی ہے، اسکے امتحانی پرچے میں نمبرات بھی کم ہوتے ہیں۔ اور پڑھانے کے اوقات بھی کم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے مصنف نے کم سے کم صفحات میں سیرت النبیؐ سے متعلق معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں کل بارہ اسباق شامل ہیں۔

کتاب کی ابتداء پہلے مضمون "سیرتِ رسولؐ کے مطالعے کی ضرورت" سے کی گئی ہے اور یہ مضمون کتاب کی تمہید کے طور پر لکھا گیا ہے، تاکہ بچوں کو سیرت کے مطالعے سے پہلے اسکی اہمیت معلوم ہو جائے اور ان کے دلوں میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق پیدا ہو اور وہ اس کو پڑھنے میں دلچسپی کا مظاہرہ کریں۔ اسلئے مصنف نے پہلے عام سیرتوں کی اہمیت کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر یہ بتایا ہے کہ دوسری تمام سیرتوں میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا مطالعہ اہم ترین ہے۔ اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی دنیا میں تمام مخلوقات سے افضل ہے اور قرآن مجید میں حضور اکرمؐ کی پیروی کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

دوسرے مضمون سے اصل کتاب کا آغاز عام سیرتوں کی طرح حضورؐ کی بعثت کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی، سے کیا ہے جس میں چین، ہندوستان، ترکستان یورپ روم اور عرب میں پھیلے وحشیانہ وسفاکانہ رسم ورواج کا جائزہ لیا گیا ہے، تاکہ بچوں کو یہ معلوم کرایا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو دنیا کی حالت کیا تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بگڑے ہوئے ماحول کو اپنی تعلیم وتربیت سے ایک صاف ستھرے ماحول میں تبدیل کر دیا۔

تیسرے مضمون میں مصنف نے ولادتِ رسولؐ، آپ صلعم کے بچپن اور جوانی کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے، آپ کی ولادت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب اور والد حضرت عبداللہ سے متعلق مختصراً معلومات فراہم کی ہیں نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تاریخ، دن اور سنِ عیسوی بھی بتائی ہے۔ اسمیں وہ تمام تفصیلات بیان کی ہیں۔ مثلاً بی بی آمنہؓ نے آپ صلعم کا کیا نام رکھا اور دادا عبدالمطلب نے کیا نام تجویز فرمایا اور آپ صلعم کی پیدائش پر کیا عجیب وغریب واقعات پیش آئے، پھر ایامِ رضاعت، عبدالمطلب و ابو طالب کی پرورش، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن و جوانی کے واقعات کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے

چوتھا مضمون " رسالت و تبلیغ " کا احاطہ کرتا ہے۔ اسمیں آپ صلعم کی بے نیازی، غور و فکر کی عادت اور آپ صلعم کی عبادت و ریاضت پر بحث کی گئی ہے۔ اسکے بعد نزولِ وحی کی تفصیلات بیان کی گئی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔۔

پانچواں مضمون " نبی رحمت پر مزید ظلم و ستم " کی داستان کا احاطہ کرتا ہے اور اس میں اُن تمام اہم واقعات کا جائزہ لیا گیا ہے جن کا تعلق قریش کی ایذا رسانی سے ہے۔ اسی میں حضرت حمزہ رض اور حضرت عمر رض کے قبولِ اسلام کی تفصیلات بھی پیش کی ہیں، نیز طائف کا سفر اور دیگر قبائل میں تبلیغ اسلام کا جائزہ لیا گیا ہے

چھٹا مضمون معراج کا حال بیان کرتا ہے۔ مصنف نے اسے انتہائی مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں مضمون میں مدینے میں اسلام کی اشاعت اور اہلِ مدینہ کی بدلتی ہوئی قسمت پر اظہارِ خیال کر کے ہجرتِ مدینہ کا خاکہ کھینچا ہے، اس میں جو ذیلی سرخیاں آئی ہیں، وہ یہ ہیں۔ سرورِ عالم ص کا گھر سے نکلنا، حضرت صدیق رض کی رفاقت، سراقہ کا انجام، مسجدِ قبا کی تعمیر، مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ اور مدینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام وغیرہ۔

نویں مضمون سے مدنی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، اور اس مضمون میں مسجدِ نبوی ص کی تعمیر، تحویلِ قبلہ واذان، مہاجرین و انصار میں بھائی چارگی اور یہودیوں کو امن و سلامتی کا پیغام جیسے عنوان زیرِ بحث آئے ہیں۔

دسواں مضمون چند مشہور معرکوں کیلئے مختص کیا گیا ہے۔ اس میں غزوۂ بدر، جنگِ اُحد، غزوۂ بنی قینقاع و بنی نضیر، غزوۂ خندق، صلح حدیبیہ و بیعتِ رضوان، غزوۂ خیبر، غزوۂ موتہ، فتحِ مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

گیارھواں مضمون "حجۃ الوداع اور وفاتِ نبویؐ" پر حاوی ہے۔ یہ بھی بہت مختصر ہے اس لیے اس صرف خطبۂ حجۃ الوداع مختصر خلاصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے متعلق مختصر معلومات پیش کی گئی ہیں

بارھویں مضمون میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہؐ کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں تاکہ کتاب کے اختتام پر بچوں کو وہ باتیں بتا دی جائیں جس مقصد کے تحت اس کتاب کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

اگرچہ کہ یہ کتاب مختصر ہے، لیکن مصنف نے اس میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم واقعات کو جن سے بچوںؐ کی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے، بیان کیے ہیں اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ ہر مضمون کے اختتام پر مشقی سوالات دیے گئے ہیں۔ اس طرح کم از کم دو مرتبہ طلبہ سیرت کے مضامین سے واقف ہوتے ہیں اور یہ مضامین انکے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اسکی دوسری خوبی یہ ہے کہ جا بجا مصنف نے مسدسِ حالی اور شاہنامۂ اسلام سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً مصنف جہاں عرب کی جہالت کا نقشہ کھینچتے ہیں، وہاں مسدس سے ان بندوں کو نقل کرتے ہیں جن میں مولانا الطاف حسین حالی نے زمانۂ جاہلیت کا نقشہ کھینچا ہے۔

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا! ‏ کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا

بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا ‏ بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا

کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی

طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

سے لیکر

جوا انکی دن رات کی دل لگی تھی ‏ شراب انکی گھٹی میں گویا پڑی تھی

تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی ‏ غرض ہر طرح ان کی حالت بری تھی

بہت اس طرح ان کی گذری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں !

یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر ابو الاثر حفیظ جالندھری کے "شاہنامہ اسلام" سے اشعار وغیرہ۔

خلیل اللہ نے جس کیلئے سَحَق سے دعائیں کیں
ذبیح اللہ نے وقتِ ذبح جسکی التجائیں کیں
سے لیکر
بصد اندازِ یکتائی بہ غایت شانِ زیبائی امیں بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

اس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں پانچ تصاویر بھی دی ہیں تاکہ بچوں کی نظروں میں اسلام کے اہم مناظر محفوظ ہو جائیں اور انھیں ان سے محبت ہو جائے۔ اسکے علاوہ ابتداء میں شجرۂ نسب کے ساتھ ملکِ عرب کا نقشہ بھی دیا ہے

کتاب کی زبان آسان وسلیس ہے۔ اندازِ بیان خطیبانہ نہیں، معلمانہ ہے،

نمونۂ تحریر ملاحظہ کیجئے۔

"سرورِ کائنات ؐ نہایت منکسر المزاج، ملنسار، متواضع اور رحم دل تھے۔ سبکے ساتھ شفقت کیساتھ پیش آتے تھے، نہایت سخی تھے، کسی کے سوال کو رد نہیں کرتے تھے۔ خود بھوکے رہتے تھے، مگر دوسروں کو کھلاتے تھے۔ امن و رواداری اور صلح و آشتی آپؐ نے دنیا کو سکھائی، آپ نے دنیا کو مساوات و اخوت کا درس دیا۔ آپؐ بڑے مہمان نواز تھے۔ مسلم غیر مسلم سبھی آپؐ کی مہمان نوازی کا فیض حاصل کرتے تھے ۔" [1]

---

[1] بشیر الدین احمد شریف "ذکرِ جمیل" ص 130 مسلم بک ڈپو بنگلور تاریخ اشاعت درج نہیں

# حشمت النساء بیگم

ویلور جنوبی ہند کا ایک دینی مرکز رہا ہے۔ دوسرے علاقوں کے مقابلے میں اہل ویلور میں علم دین کی رغبت زیادہ ہے۔ حشمت النساء بیگم کا تعلق اسی قصبے سے ہوگا، اسلئے کہ آپ مولانا مسلم ویلوری کی اہلیہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے بچوں کیلئے "سیرت رسول ﷺ" لکھی جو ریاست کرناٹک کے ہائی سکول کے نصاب میں شامل تھی "سیرت رسول ﷺ" 1962-63 سے نویں جماعت کے نصاب میں بہ طور زبان ڈیٹائیلڈ ٹکسٹ پڑھائی جاتی رہی۔ جس کو فیروز بک ڈپو بنگلور نے شائع کیا ہے، اسوقت اسکی قیمت ایک روپیہ نو آنے تھی۔ یہ مختصر کتاب تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے کسی تمہید، پیش لفظ اور دیباچہ کے بغیر اس مختصر سیرت کا آغاز "پیغمبر اسلام سے پہلے دنیا کی عام حالت سے ہوتا ہے، پھر عرب کی عام حالت کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ اور ان دونوں عنوانات کے تحت مصنفہ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ مولانا الطاف حسین کی معرکۃ الآرا نظم مدوجزر اسلام کے بندوں کو پیش کر دیا ہے۔

ضلالت نے تھا نوع انساں کو گھیرا    اک اندھیرا تھا ربع مسکوں پہ چھایا!
ہر اک قوم پر تھا تنزل کا سایہ    بلندی سے تھا جس نے سب کو گرایا

وہ نیشن جو ہیں آج گردوں کے تارے
دھندلکے میں ہستی کے پنہاں تھے سارے

اور اس بند سے عرب کی اکھڑ ورلوں کی ابتداء کی ہے

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا    جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا!!
زمانے سے پیوند جس کا جدا تھا    نہ کشور ستاں تھا نہ کشور کشا تھا!

تمدن کا اسیر پڑا تھا نہ سایہ !!

ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

پیغمبر اسلام کے ظہور سے پہلے مصنفہ کو ایسی تمہید باندھنی ضروری تھی، اسلئے وہ ان بندوں کے بعد لکھتی ہیں :

"ایسی حالت میں جب کہ دنیا کی حالت اس قدر کمزور اور خراب تھی۔ ضرورت تھی ایک ایسی ذات کی جو دنیا کے سارے ادیان کو ان کی کھوئی ہوئی سچائی پر مجتمع کر دے۔ ضرورت تھی ایک ایسے مجسمۂ رحمت کی جو دنیائے ظلم و ستم کی بنیاد اکھیڑ کر پھینک دے،... ایک ایسے سپہ سالار کی ضرورت تھی جس کے جھنڈے تلے جمع ہو کر لوگ دشمنانِ انسانیت کو مٹا سکیں ـــــ" [1]

'پیغمبر اسلام کا ظہور' عنوان قائم کر کے مصنفہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، دادا و چچا کا مختصر حال لکھا ہے۔ پھر بعثتِ محمدیؐ کا ذکر کر کے تبلیغ، آپ صلعم کے مقاصد اور علی الاعلان دعوتِ اسلام کے مخصوص واقعات کو بیان کیا ہے۔ نیز آپ صلعم کی استقامت کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ صلعم نے قریش کے ظلم و ستم کے خلاف اختیار کی تھی۔

اس کے بعد حبشہ کی ہجرت، قریش کے ظلم میں زیادتی، اسکے جواب میں آپ صلعم کا استقلال، قریش کا آپ صلعم کے خاندان اور رشتہ سے ترک تعلق اور ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں طائف کا سفر، معراج اور مدینے میں اسلام جیسے عنوانات قائم کر کے ان کا مختصر جائزہ لیا ہے۔

---

۱۔ حشمت النساء بیگم "سیرتِ رسولؐ" ص 5 فیروز بک ڈپو بنگلور، تاریخ اشاعت درج نہیں۔

ہجرت کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو ہجرت کی اہمیت معلوم ہو۔ نیز اتحاد کے زیر عنوان ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان آپ صلعم نے جو بھائی چارگی محبت واخوت پیدا کی، اس کا احاطہ کیا ہے، اسکے بعد بچوں میں اسلام کے تعلق سے جوش پیدا کرنے کیلئے اسلامی جنگوں پر روشنی ڈالی ہے اور صرف مشہور جنگوں کا احوال رکھا ہے۔ مثلاً جنگِ بدر، جنگِ احد، جنگِ خندق، جنگِ موتہ، فتح مکہ جنگِ حنین اور جنگِ تبوک وغیرہ اور ان کے درمیان ہونے والے تاریخ ساز واقعہ یعنی صلح حدیبیہ پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ نیز صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی اشاعت میں جو تیزی آئی اس کا احاطہ کیا ہے۔

مصنفہ نے آپ صلعم کے آخری حج کی مختصر روداد بھی پیش کی ہے اور آپ صلعم نے اسوقت جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اسکو "آخری وصیت" سے تعبیر کیا۔ اور خطبہ کا خلاصہ بیان کرکے آپ صلعم کے آخری لمحات کی طرف اشارہ کیا ہے اور آپ صلعم کے وصالِ مبارک اور تجہیز وتکفین کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

کتاب کے آخر میں آپ صلعم کی سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر روشنی ڈالی ہے اور آپ صلعم کی ایسی صفات کا انتخاب کیا ہے جسپر عمل کرکے انسان اپنی زندگی کو جنت بنا سکتا ہے۔ مثلاً آپ صلعم کی عبادت، جمال، صحت وقار، عدل، مساوات، حلم، رواداری، استقلال، شجاعت، رحم وکرم حیا، حسنِ معاشرت، قناعت، سادگی، سچائی، پابندیٔ عہد، تواضع، مروت، رشد وہدایت کارگذاری، عفو، غربا پروری اور محبت وغیرہ، تقریباً نصف صفحات مصنفہ نے اسکےلئے وقف کئے ہیں تاکہ سیرت پڑھنے کا جو اصلی مقصد ہے۔ اسکی تکمیل ہو جائے۔

اور آخر میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس ہدایات کو نقل کیا ہے۔ دراصل یہ وہ نصیحت آموز باتیں ہیں جو آپ صلعم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو

بتاتی تھیں جسے ہم "حدیث" کہتے ہیں۔
چونکہ یہ درسی کتاب ہے۔ اسلئے مصنفہ نے آخر میں مشقی سوالات بھی دئے ہیں جو طلبہ کے کام کی چیز ہیں۔ مثلاً

۱۔ پیغمبرِ اسلام سے پہلے دنیا کی کیا حالت تھی؟
۲۔ پیغمبرِ اسلام کہاں اور کب پیدا ہوئے؟
۳۔ رسولِ خدا ؐ نے ابتداء میں کس طرح تبلیغ کی اور کون کون مسلمان ہوئے
۴۔ حضرتِ محمد ؐ کی تبلیغ اسلام کے مقاصد کیا تھے؟ وغیرہ۔

بہرحال یہ مختصر کتاب طلبہ کیلئے کافی مفید ہے۔ ایسی کتابوں کی دوبارہ اشاعت ہونی چاہیئے اور اسے ابتدائی درجوں کے نصاب میں شامل ہونا چاہیے۔ زبان و اسلوبِ بیان کے لحاظ سے بھی یہ مختصر سیرت اچھی سیرتوں میں شامل کی جاسکتی ہے نمونۂ تحریر دیکھیے :

"۔۔۔۔ آپ صلعم کی سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ اعمال کی اصلاح سے پہلے خیالات کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے خیالات میں انقلاب پیدا کردیا تو وہ لوگ جو اسلام کے نام سے گھبراتے تھے۔ اسلام کیلئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کو تیار ہوگئے۔ بلکہ بہادیا۔ احکام اسلام کی پابندی کو پہلے وہ اپنے اوپر ایک بوجھ سمجھتے تھے اب اسکے عاشق نظر آنے لگے۔۔۔۔" ۱

---

۱ حشمت النساء بیگم "سیرتِ رسول ؐ" ص 58-59 نیو بک ڈپو بنگلور تاریخ اشاعت درج نہیں

# کتابیات

# کتابیات
## بنیادی مواد

| نمبر | مصنف/مولف/مرتب | نام کتاب | ناشر | تاریخ اشاعت |
|---|---|---|---|---|
| ۱- | احمد یار خاں | شان حبیب الرحمٰن | بنیاد بک ڈپو، گو بندرہ (اڑیسہ) | ۱۳۶۵ھ |
| ۲- | ابو سلیم عبد الحیؒ | حیات طیبہ | مکتبہ الحسنات، دہلی | 1996 |
| ۳- | اکبر شاہ نجیب آبادی | تاریخ اسلام (حصہ اول) | تاج کمپنی، دہلی | 1989 |
| ۴- | احمد سعید | محمد رسول اللہ | دینی بک ڈپو، دہلی | - |
| ۵- | انعام دار حسین خاں | رحمت عالمؐ | گنبد اخضرا پبلی کیشنز، باگل کوٹ، بیجاپور | 1966 |
| ۶- | آزاد ابو الکلام | رسول رحمتؐ | اعتقاد پبلشنگ ہاؤز، دہلی | 1986 |
| ۷- | بشیر الدین احمد شریف | ذکر جمیل | مسلم بک ڈپو، بنگلور | - |
| ۸- | باقوی عبد الرزاق | قمر نامۂ اسلام | حافظ پبلی کیشنز، میل وشارم | 1990 |
| ۹- | پرشاد سوامی لکشمی | عرب کا چاند | مکتبہ الحسنات، دہلی | 1990 |
| ۱۰- | تھانوی اشرف علی | النشر الطیب | دینی بک ڈپو دہلی | - |
| ۱۱- | جامی عبد الرحمٰن / بشیر حسین ناظم | شواہد النبوت | اعتقاد پبلشنگ ہاؤز، دہلی | - |
| ۱۲- | حفیظ جالندھری | شاہنامۂ اسلام (جلد اول، دوم، سوم) | قرآن محل، ببلی خانہ، دہلی | - |
| | ،، | | | |
| ۱۳- | حشمت النساء بیگم | سیرت رسولؐ | فیروز بک ڈپو، بنگلور | - |
| ۱۴- | حمید اللہ شاہ | رسول کریمؐ | مکتبہ جام نور، نئی دہلی | |
| ۱۵- | دانش فرازی | محسن اعظمؐ | نفیس پاور پرنٹرس، بنگلور | - |
| ۱۶- | راشد الخیری | آمنہ کا لال | مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات دہلی | - |

| نمبر | مصنف/ مؤلف/ مرتب | نام کتاب | ناشر | تاریخ اشاعت |
|---|---|---|---|---|
| ۱۷- | رضوی سید امین اللہ الحسن | رسول اللہ کے حالاتِ زندگی | اسلامک بک سروس، نئی دہلی | ۱۹۹۷ |
| ۱۸- | سید احمد خاں | جلاء القلوب بذکر المحبوب | علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ | ۱۸۸۷ |
| ۱۹- | سید احمد خاں | خطباتِ احمدیہ | نول کشور سٹیم پریس لاہور | - |
| ۲۰- | سیوطی عبد الرحمٰن جلال الدین | الخصائص الکبریٰ | اعتقاد پبلشنگ ہاؤز، دہلی | ۱۹۸۸ |
| ۲۱- | شمس الدین احمد | شمع ہدایت | مکتبہ ذکری، جامع مسجد، دہلی | ۱۹۹۸ |
| ۲۲- | شرافت حسین حکیم | حیات النبیؐ | منظور بک ڈپو، دہلی | - |
| ۲۳- | شبلی نعمانی | سیرۃ النبیؐ جلد اوّل دوم | مکتبہ محمدیہ اردو بازار، لاہور | ۱۴۰۸ھ |
| ۲۴- | صفی الرحمٰن مبارکپوری | الرحیق المختوم | المجلس العلمی، علی گڑھ | ۱۹۸۸ء |
| ۲۵- | عبد الحیٔ احقر بنگلوری | جنان السیر | ہمدرد بک ڈپو، بنگلور | - |
| ۲۶- | عبد القیوم خاں | درسِ اخلاق | نیشنل پبلشرز، بنگلور | - |
| ۲۷- | عاشق الٰہی میرٹھی | ماہتاب عرب | مکتبہ ملت، دیوبند (یوپی) | ۱۹۹۷ |
| ۲۸- | عمار احمد | رسولِ اکرمؐ | کریمی پبلی کیشنز شاہ گنج الہ آباد | - |
| ۲۹- | عبد الحق محدث دہلوی<br>مترجم: نعیمی غلام معین الدین | مدارج النبوت | ادبی دنیا، مٹیا محل، دہلی | ۱۹۸۸ |
| ۳۰- | قیصر الجعفری | چراغ حرا | ادارۂ ادب اسلامی ہند دہلی | ۱۹۹۷ |
| ۳۱- | گیلانی مناظر احسن | النبیؐ الخاتم | مکتبہ فیض جامع مسجد دیوبند | ۱۹۹۶ |
| ۳۲- | محمد صبغت اللہ | فوائد بدریہ | شمس المطابع، مشن پریس عثمان گنج حیدرآباد دکن | ۱۳۴۱ھ |
| ۳۳- | محمد عنایت احمد | تواریخ حبیبِ الٰہ | مطبع مجیدی، کانپور | ۱۳۳۰ھ |

| نمبر | مصنف / مؤلف / مرتب | نام کتاب | ناشر | تاریخ اشاعت |
|---|---|---|---|---|
| ۳۴ | محمد سلیمان سلمان منصورپوری | رحمۃ للعالمین ؐ | اعتقاد، پبلشنگ ہاؤس، دہلی | 199 |
| | | (جلد اول دوم سوم) | فردوس، پبلی کیشنز، دہلی | 1984 |
| ۳۵ | محمد سلیمان سلمان " | مہر نبوت | فردوس پبلی کیشنز، دہلی | 1984 |
| ۳۶ | محمد عنایت اللہ سبحانی | محمد عربی ؐ | مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی | 1967 |
| ۳۷ | محمد طیب | خاتم النبیین | ادارہ تاج المعارف دیوبند | 1958 |
| ۳۸ | محمد طیب | شان رسالت ؐ | ادارہ تاج المعارف دیوبند | 1956 |
| ۳۹ | محمد طیب | آفتاب نبوت ؐ | ادارہ تاج المعارف دیوبند | 1959 |
| ۴۰ | محمد ولی رازی | ہادی عالم ؐ | ادارہ علم و حکمت دیوبند | 1989 |
| ۴۱ | محمد رفیع | آدم سے محمد ؐ تک | مکتبہ ملت دیوبند (یوپی) | - |
| ۴۲ | مصطفی سباعی | سیرت النبی ؐ | ہندوستان پبلی کیشنز دہلی | 1983 |
| ۴۳ | مہری قاضی غلام علی | مصباح المجالس | مطبع کریمی، بمبئی | - |
| ۴۴ | میرٹھی عاشق الہی | ماہتاب عرب | مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور | 1408ھ |
| ۴۵ | ندوی سید سلیمان | سیرت النبی ؐ جلد سوم | " | 1408ھ |
| | | چہارم، پنجم، ششم، ہفتم | " | 1408ھ |
| ۴۶ | ندوی سید سلیمان | خطبات مدراس | زکریا بک ڈپو دیوبند | 1996 |
| ۴۷ | ندوی سید سلیمان | رحمت عالم ؐ | مرکزی ادارہ اسلامی ہند دہلی | 1978 |
| ۴۸ | نعیم صدیقی | محسن انسانیت ؐ | مرکزی ادارہ اسلامی ہند دہلی | 1978 |
| ۴۹ | ندوی سید ابوالحسن | نبی رحمت ؐ | مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ | 1997 |
| ۵۰ | ندوی سید ابوالحسن | کاروان مدینہ | " " " | 1994 |
| ۵۱ | " | سیرت رسول اکرم ؐ | سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلوی | 1996 |

| تاریخ اشاعت | ناشر | نام کتاب | مصنف / مؤلف / مرتب | نمبر |
|---|---|---|---|---|
| 1997 | مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ۔ | منصب نبوت اور اسکے عالی مقام حاملین | ندوی سید ابوالحسن | ۵۲ |
| 1990 | وحیدی پبلی کیشنز، بھوپال | سیرت النبی ﷺ | وحیدی سید عابد علی الحسینی | ۵۳ |
| 1989 | تاج کمپنی، دہلی | حیات محمد ﷺ | ہیکل محمد حسین، مترجم ابو یحییٰ خان | ۵۴ |

# امدادی کتب

| تاریخ اشاعت | ناشر | نام کتاب | مصنف / مؤلف / مرتب | نمبر |
|---|---|---|---|---|
| 1961 | اردو اکیڈمی، سندھ کراچی | اردو میں سوانح نگاری (پہلا ایڈیشن) | الطاف فاطمہ | ۱۔ |
| - | اسلامی تبلیغی مشن مٹیا محل دہلی | صحیح بخاری شریف اردو | ابو عبد اللہ (مرتب) | ۲۔ |
| 1990 | ادبی دنیا دہلی | جامع ترمذی اردو | ابو عیسیٰ / محمد صدیق سعیدی | ۳۔ |
| 1997 | جمال پرنٹنگ پریس، دہلی | اردو اسالیب نثر تاریخ و تجزیہ | امیر اللہ خان شاہین | ۴۔ |
| | | مختصر تاریخ ادب اردو | اعجاز صدیقی | ۵۔ |
| 1998 | ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی | تاریخ ادبیات عالم (جلد اول و دوم) | اشرفی رباب | ۶۔ |
| 1981 | شہرین، علامہ یوسف آفس، بمبئی | کتاب شناسی | انصاری ظ | ۷۔ |
| - | رضا اکیڈمی بمبئی | صحیح بخاری جلد اول | بخاری امام | ۸۔ |
| 1996 | ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی | علامہ شاہ عبدالحی احقر بنگلوری حیات اور کارنامہ | باقوی قدرت اللہ الحسینی | ۹۔ |

| نمبر | مصنف/ مؤلف/ مرتب | نام کتاب | ناشر | تاریخ اشاعت |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| ۱۰۔ | ثریا حسین | سرسید کا عہد زریں | ایجوکیشنل بک ہاؤز | ۱۹۹۳ |
| ۱۱۔ | جمیل جالبی | تاریخ ادب اردو (مکمل) طبع اول | ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤز دہلی | ۱۹۹۷ |
| ۱۲۔ | یوسف ہوروویتس/ نثار احمد فاروقی | سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور انکے مولفین | اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی | ۱۹۹۸ |
| ۱۳۔ | حالی الطاف حسین | حیات جاوید (دوسرا ایڈیشن)، مقدمہ شعر و شاعری | ترقی اردو بیورو، نئی دہلی<br>مکتبہ جامعہ دہلی | ۱۹۰۴ |
| | | مسدس حالی (مدوجزر اسلام) | پرویز بک ڈپو، دہلی | — |
| ۱۴۔ | خلیق انجم (مرتب) | شبلی کی علمی و ادبی خدمات | انجمن ترقی اردو نئی دہلی | ۱۹۹۶ |
| | ″ | سید سلیمان ندوی | | |
| | ″ | حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی | ندوۃ المصنفین اردو بازار، دہلی | ۱۹۵۳ |
| | ″ | مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے | اردو اکیڈمی، دلی | ۱۹۹۶ |
| ۱۵۔ | دسنوی سید شہاب الدین | شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں | انجمن ترقی اردو ہند، دہلی | ۱۹۸۷ |
| ۱۶۔ | دسنوی عبدالقوی | یادگار سلیمان | بہار اردو اکیڈمی | ۱۹۸۴ |
| ۱۷۔ | سید احمد خان | تصانیف احمدیہ (حصہ اول) جلد دوم، اردو ادب | علی گڑھ، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ | ۱۸۸۷ |
| ۱۸۔ | سید احتشام حسین | اردو ادب کی تنقیدی تاریخ | ترقی اردو بیورو، دہلی | ۱۹۸۸ |

| نمبر | مصنف / مؤلف / مرتب | نام کتاب | ناشر | تاریخ اشاعت |
|---|---|---|---|---|
| ۱۹. | سید محمد ہاشم | سید سلیمان ندوی حیات اور ادبی خدمات | علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ | 1995 |
| ۲۰. | سید عبداللہ | نئے اور پرانے چراغ | ہیرو نیر بک ڈپو، دہلی | |
| ۲۱. | سید عبداللہ | سرسید اور انکے نامور رفقاء | ایجوکیشنل بک ہاؤز علی گڑھ | |
| ۲۲. | سعیدی غلام رسول | تذکرۃ المحدثین | ارشد برادرس، نئی دہلی | 1977 |
| ۲۳. | سید سلیمان ندوی | حیات شبلی | دار المصنفین اعظم گڑھ | |
| | " | مکاتیب شبلی | مطبع معارف اعظم گڑھ | 1928 |
| ۲۴. | سید ابوالحسن علی ندوی | پرانے چراغ (جلد دوم) | مکتبہ فردوس مکارم نگر لکھنؤ | |
| ۲۵. | شیخ محمد اکرام | موج کوثر، آب کوثر، رود کوثر | تاج کمپنی، دہلی | 1987 |
| ۲۶. | شیخ عبدالرحیم انصاری | شبلی نعمانی کے مقالات کا تنقیدی جائزہ | — | — |
| ۲۷. | شیخ محمد اسماعیل پانی پتی | مکتوبات سرسید | مجلس ترقی ادب، لاہور | 1959 |
| ۲۸. | صدیقی رشید احمد | گنج ہائے گراں مایہ | مکتبہ جامعہ، دہلی | |
| ۲۹. | صدیقی، عتیق احمد | سرسید کی بازیافت | سرسید اکیڈمی علی گڑھ | ۱۹۹۰ |
| ۳۰. | ضیاء الحسن | اشخاص و افکار | مکتبہ جامعہ، نئی دہلی | ۱۹۷۳ |
| ۳۱. | علوی تنویر احمد | اصول تحقیق و ترتیب متن | ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤز دہلی | ۱۹۹۴ |
| ۳۲. | عظیم الحق جنیدی | اردو ادب کی تاریخ | ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤز | ۱۹۹۴ |
| ۳۳. | عثمانی شاہ رشاد | اردو نعت گوئی | مجلس مصنفین اسلامی گیا | 1991 |
| ۳۴. | فاروقی ضیاء الحسن | اشخاص و افکار | مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی | ۱۹۷۳ |

| نمبر | مصنف/مؤلف/مرتب | نام کتاب | ناشر | تاریخ اشاعت |
|---|---|---|---|---|
| ۳۵ | علوی تنویر احمد | اصول تحقیق و ترتیب متن | ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤز | 1994 |
| ۳۶ | عظیم الحق جنیدی | اردو ادب کی تاریخ | ایجوکیشنل بک ہاؤز دہلی | |
| ۳۷ | عثمانی شاہ رشاد | اردو میں نعت گوئی | مجلس مصنفین اسلامی گیا | 1991 |
| ۳۸ | فاروقی ضیاء الحسن | اشخاص و افکار | مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی | 1973 |
| ۴۲ | قریشی محمد یامین | انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اردو (جلد سوم) | تاج کمپنی، دہلی | 1994 |
| ۴۳ | گیلانی مناظر احسن | تدوین حدیث | مکتبہ تھانوی دیوبند | 1983 |
| ۴۴ | ممتاز فاخرہ | اردو میں سوانح نگاری کا ارتقاء | رونق پبلشنگ ہاؤز | 1984 |
| ۴۵ | مشتاق فاطمہ | سرسید کی نثری خدمات | ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤز | 1998 |
| ۴۶ | محمد فاروق | مطالعہ حدیث | مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی | 1993 |
| ۴۷ | ندوی سید سلیمان مرتب | مکاتیب شبلی | مطبع معارف دارالمصنفین | 1928 |
| ۴۸ | ندوی سید سلیمان | حیات شبلی | مطبع معارف " " اعظم گڑھ | 1976 |
| ۴۹ | نجمی نجم الغنی | بحر الفصاحت | منشی نول کشور لکھنؤ | 1926 |
| ۵۰ | نظامی خلیق احمد | علی گڑھ کی ادبی خدمات | انجمن ترقی اردو نئی دہلی | 1994 |
| ۵۱ | نزہۃ القادری/محمد صدیق سعیدی | شرح صحیح البخاری (جلد اول) | دائرۃ البرکات گھوسی اعظم گڑھ | 1977 |
| ۵۲ | ندوی عبدالحلیم | عربی ادب کی تاریخ (جلد اول) | ترقی اردو بیورو نئی دہلی | 1979 |
| ۵۳ | ندوی محمد نعیم صدیقی | علامہ سید سلیمان ندوی شخصیت و ادبی خدمات | مکتبہ فردوس مکارم نگر لکھنؤ | 1985 |
| ۵۴ | ندوی سید ابوالحسن | "پرانے چراغ" (حصہ دوم) | مکتبہ فردوس مکارم نگر | 1972 |
| ۵۵ | ہاشمی طالب (مرتب) | ماہر القادری کے تبصرے | مرکزی ادارہ ادب اسلامی لکھنؤ | 1991 |

# رسائل و جرائد

| نمبر | مدیر | رسالے کا نام | ناشر | تاریخ |
|---|---|---|---|---|
| ۱- | ابوالکلام قاسمی | ماہنامہ تہذیب الاخلاق | علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ | 7 جولائی 97 |
| ۲- | ابوالکلام قاسمی | ماہنامہ تہذیب الاخلاق ج 16 جلد ۱۶ (سرسید احمد نمبر) | " | 15 اکتوبر 97 |
| ۳- | ابوالکلام قاسمی | " " خصوصی شمارہ ۱۷ | " | 3 اپریل 98 |
| ۴- | ابوالکلام قاسمی | " " جلد- ۱۸ | " | 4 مارچ<br>3 مارچ 99 |
| ۵- | ابوالکلام قاسمی | " " جلد ۱۸ | " | " |
| ۶- | ابوالکلام قاسمی | " " جلد ۱۸ | " | 7 مارچ 99 |
| ۷- | ابوالکلام قاسمی | " " جلد 19 | " | 3 مارچ |
| ۸. | اختر الواسع | سہ ماہی اسلام اور عصر جدید ج 32 (پہلا شمارہ) گوشۂ ابوالحسن ندوی | ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی | |
| ۹. | آدم شیخ | سہ ماہی نوائے ادب ج 50 سید ابوالحسن علی ندوی نمبر | انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی | جولائی تا ستمبر 2000 |
| ۱۰- | بلقیس رفاعی | ماہنامہ روپ رس رسول نمبر | غزل بلڈنگ اعظم نگر، بلگام | ۱۱ اگست 99 |
| ۱۱- | سید صباح الدین عبدالرحمن | ماہنامہ معارف جلد 131 | مطبع معارف اعظم گڑھ | 6 جون 83 |
| ۱۲. | شہریار | سہ ماہی فکر و نظر سرسید نمبر | علی گڑھ مسلم یونیورسٹی | اکتوبر 92 |
| ۱۳. | شہریار | سہ ماہی فکر و نظر شبلی نمبر | " " | جون 96 |
| ۱۴. | شاہ معین الدین ندوی | ماہنامہ معارف سلیمان نمبر | مطبع معارف، اعظم گڑھ | 1955 |
| ۱۵. | ضیاء الدین اصلاحی | ماہنامہ معارف | " " | فروری 98 |
| ۱۶. | ضیاء الدین اصلاحی | ماہنامہ معارف ج 165 | " " | یکم جنوری ۰۵ |
| ۱۷. | " " | " | " " | فروری ۰۱ |

| نمبر | مدیر | رسالے کا نام | ناشر | تاریخ |
|---|---|---|---|---|
| ۱۸ | ضیاء الدین اصلاحی | ماہنامہ معارف | مطبع معارف اعظم گڑھ | مارچ 1998 |
| 19 | محمد طفیل | ماہنامہ "نقوش" جلد اوّل | رسول نمبر ادارہ فروغ اردو لاہور | جنوری 82 |
| ۲۰ | " | ماہنامہ نقوش جلد دوم | " " " | دسمبر 82 |
| ۲۱ | " | ماہنامہ نقوش جلد سوم | " " " | جنوری 83 |
| ۲۲ | " | ماہنامہ نقوش جلد چہارم | " " " | جنوری 83 |
| ۲۳ | " | ماہنامہ نقوش جلد پنجم | " " " | دسمبر 83 |
| ۲۴ | " | ماہنامہ نقوش جلد ششم | " " " | دسمبر 83 |
| ۲۵ | " | ماہنامہ نقوش جلد ہفتم | " " " | جنوری 84 |
| ۲۶ | " | ماہنامہ نقوش جلد نہم | " " " | جنوری 84 |
| ۲۷ | " | ماہنامہ نقوش جلد دہم | " " " | " |
| ۲۸ | " | ماہنامہ نقوش جلد یازدہم | " " " | جنوری 85 |
| ۲۹ | " | ماہنامہ نقوش جلد دوازدہم | " " " | " |
| ۳۰ | " | ماہنامہ نقوش جلد سیزدہم | " " " | " |
| ۳۱ | محمد رضا باقری | ماہنامہ راہ اسلام | خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران | جون 98 |
| ۳۲ | | " | " " | اکتوبر نومبر 98 |
| ۳۳ | ندر الاسلام نظمی | ششماہی "رابطہ" سید ابوالحسن علی ندوی نمبر | سنگم وہار نزد تعلیم آباد، نئی دہلی | جنوری تا جون 2009 |

# لغات

| نمبر | مصنف | نام کتاب | ناشر | تاریخ |
|---|---|---|---|---|
| -۱ | الجلالی سید عبدالدائم | لغات القرآن | ندوۃ المصنفین، دہلی | 1978 |
| -۲ | بلیاوی عبدالحفیظ | مصباح اللغات عربی اردو | خلیلیہ کتب خانہ لال باغ ڈھاکہ | 1950 |
| -۳ | سید احمد دہلوی | فرہنگ آصفیہ جلد دوم | ترقی اردو بورڈ، دہلی | 1974 |
| -۴ | فیروز الدین دہلوی | لغات فیروزی | انجم بک ڈپو، دہلی | 1987 |
| -۵ | مہذب لکھنوی | مہذب اللغات جلد ہفتم | مطبوعۂ سرفرازی قومی پریس لکھنو | |
| -۶ | نعمانی محمد عبدالرشید | مکمل لغات قرآن جلد سوم | ندوۃ المصنفین دہلی | |
| -۷ | وحید الزماں کیرانوی | القاموس الجدید (عربی اردو) | کتب خانہ حسینیہ دیوبند | 1998 |

## قرآن/تفسیریں

| نمبر | مصنف | نام کتاب | ناشر | تاریخ |
|---|---|---|---|---|
| -۱ | اشرف علی تھانوی (مترجم) | قرآن (عکسی) | تاج کمپنی، لاہور | |
| -۲ | ابوالاعلیٰ مودودی | تفہیم القرآن (مکمل) | مرکزی مکتبۂ اسلامی، دہلی | 1982 |
| -۳ | احمد یار خان | تفسیر نعیمی (جلد اول) | مکتبۂ الحبیب جامعہ حبیبیہ | ۱۳۶۳ھ |
| -۴ | محمد کرم شاہ | ضیاء القرآن | اعتقاد پبلشنگ ہاؤز الہ آباد دہلی | 1989 |